المواهب اللدنية

بالمنح المحمدية

(اردو ترجمہ)

مع حواشی شرح زرقانی

تصنیف

شارح بخاری امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی

ترجمہ

مولانا محمد صدیق ہزاروی

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

المواھب اللدنیہ (جلد ثالث)

مواہب اللدنیہ (جلد ثالث)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آٹھواں مقصد

طب نبوی‘ تعبیر رؤیا اور غیب کی خبریں‘ امراض اور آفات کا علاج‘ خوابوں کی تعبیر اور غیبی خبریں دینا

کسی شخص کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے معارف کے سمندروں کے ایک نقطے کا احاطہ کر سکے‘ یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقائق کے جو بادل عطا فرمائے ہیں ان کے ایک قطرہ کا علم حاصل کر سکے۔

جب تم ان جامع کلمات پر غور کرو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے‘ عجیب حکمتوں کے ساتھ خاص کیا‘ حسنِ سیرت‘ حکمت بھرا کلام‘ گذشتہ امتوں اور ہلاک ہونے والے لوگوں نیز مٹ جانے والی شریعت کی خبر دی جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے ان کی قوموں کے ساتھ واقعات‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ان کے بھائیوں کے ساتھ واقعہ‘ اصحاب کہف کا واقعہ‘ ذوالقرنین کا قصہ وغیرہ وغیرہ‘ مخلوق کے آغاز اور دار آخرت کی خبریں‘ توریت وانجیل اور حضرت ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں جو کچھ ہے (سب کچھ بتایا)۔

انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے احوال کو ظاہر کرنا‘ ان کے علوم کے اسرار اور ان کی سیرتوں میں جو کچھ محفوظ ہے ان کی شریعتوں کی پوشیدہ باتیں یا ان کی کتب جن مضامین پر مشتمل ہیں اور ان کے علماء نے آپ کی تصدیق کی اور جو کچھ ذکر کیا گیا ان کو جھٹلانے پر وہ قادر نہ تھے بلکہ وہ اس کے سامنے جھک گئے اس کے علاوہ جو علم اور اچھے اخلاق‘ مواعظ اور حکمتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں وہ اس سے زائد ہیں۔

عقلی دلائل کا راستہ دکھانا‘ واضح دلائل کے ساتھ امتوں کے مختلف فرقوں کا رد کرنا اور وہ علوم وفنون کہ لوگوں نے اس سلسلے میں آپ کے کلام کو رہنما اور آپ کے اشارے کو حجت بنایا مثلاً لغت‘ معانی‘ بیان‘ عربیت احکام شرعیہ کے قوانین‘ سیاسیات عقلیہ‘ حقائق قلبیہ کے معارف وغیرہ مختلف اقسام علوم میں آپ مقتدا ہیں اسی طرح ان معارف کے فنون جو امت کے فوائد وحاجات پر مشتمل ہیں جس طرح طب‘ خوابوں کی تعبیر اور حساب وغیرہ جو بے شمار و بے حساب ہیں۔

(تو جب تم ان تمام باتوں پر غور کرو گے) تو تم یہ فیصلہ کرو گے کہ اس باب میں نبی اکرم ﷺ کا میدان بہت وسیع ہے کہ اس تک پہنچنے سے پہلے دلائل ختم ہو جاتے ہیں اور آپ کے علم ومعارف کا سمندر بھرا ہوا ہے‘ اسے ڈول مکدر نہیں کر

سکتے (ختم نہیں ہوسکتا)۔

یہ مقصد تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصل نمبر ۱

امراض و آفات والوں کے لئے طبِ نبوی

بیمار پرسی

یہ بات جان لو کہ نبی اکرم علیہ السلام سے بیمار ہونے والے صحابہ کرام کی عیادت ثابت ہے حتیٰ کہ آپ نے اہل کتاب میں سے اس لڑکے کی عیادت بھی فرمائی جو آپ کی خدمت کرتا تھا اور اپنے چچا (ابو طالب) کی بیمار پرسی کی حالانکہ وہ مشرک تھے نیز ان دونوں پر اسلام پیش کیا تو وہ لڑکا جو یہودی تھا اس نے اسلام قبول کیا۔ جس طرح ''صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

ایک یہودی لڑکا نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا' وہ بیمار ہوا تو آپ نے اس کی بیمار پرسی فرمائی آپ اس کے سرہانے تشریف فرما ہوئے تو ارشاد فرمایا: اسلام قبول کرو! اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو وہاں موجود تھا تو اس نے کہا ''اطع ابا القاسم ابوالقاسم ﷺ کی بات مانو'' تو اس نے اسلام قبول کرلیا۔

نبی اکرم ﷺ وہاں سے باہر تشریف لائے تو فرمارہے تھے:

الحمد لله الذی انقذہ من النار. تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اسے جہنم سے بچالیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۵۶۔ ۵۶۵۷' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۰۔ ج ۶ ص ۳۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۵' نصب الرایۃ ج ۳ ص ۴۶۰۔ ج ۴ ص ۲۷۱' الدر المنثور ج ۵ ص ۱۳' تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۷۷' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۷۰۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۵۰' التمہید ج ۹ ص ۲۴۶)

نبی اکرم ﷺ مریض کے قریب ہوتے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوکر اس کا حال یوں پوچھتے ''کیف تجدک؟ تم اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

''صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی اور سنن ابوداؤد میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

میں بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے اور دونوں پیدل تھے انہوں نے مجھے بیہوشی کی حالت میں پایا پھر نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے افاقہ ہوگیا میں نے دیکھا تو نبی اکرم ﷺ تھے۔

''سنن ابوداؤد میں'' یوں ہے کہ آپ نے میرے منہ پر چھینٹے مارے تو مجھے افاقہ ہوگیا۔ اس حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یا جابر لا اراک میتا من وجعک ھذا. [1] اے جابر! میں تمہیں اس مرض میں فوت ہوتا ہوا نہیں دیکھتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۷ السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۲۳۱ التمہید ج ۵ ص ۱۹۰ زاد المسیر ج ۲ ص ۲۶۵)

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اطعموا الجائع وعودوا المریض وفکوا العانی. بھوکے کو کھانا کھلاؤ' بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴۶-۵۶۴۹ ۵۳۷۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۵ مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۷۹۔ ج ۹ ص ۲۲۶۔ ج ۱۰ ص ۳ شرح السنہ ج ۵ ص ۲۱۴ مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۲۳ مشکل الآثار ج ۴ ص ۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۴۷۶)

''صحیح بخاری میں'' ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور انہوں نے اس میں بیمار پرسی کا بھی ذکر کیا۔

''صحیح مسلم میں ہے: ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان پر پانچ باتیں واجب ہیں اور ان میں عیادت کا بھی ذکر کیا۔ [2]

بیمار پرسی کا حکم

ابن بطال نے کہا:

اس بات کا احتمال ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے ہو یعنی واجب علی الکفایہ ہو بعض کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو جائیں اور کوئی بھی بیمار پرسی نہ کرے تو سب گناہ گار ہوں جس طرح کھانا کھلانے اور قیدی چھڑانے کا حکم ہے (یعنی واجب علی الکفایہ ہے)۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ صلہ رحمی اور الفت کے طور پر محض مستحب ہو۔

طبری کے نزدیک اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) جس شخص سے برکت کی امید ہو اس کے حق میں یہ تاکیدی حکم ہے۔

---

[1] اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی باتوں پر مطلع فرمایا چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا وصال ۷۰ھ میں ہوا یعنی حضور علیہ السلام کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے نیز اگر بیمار پرسی کرنے والا کوئی بزرگ ہو تو اس سے برکت حاصل کی جائے اور اس کے وضو کا پانی باعث برکت ہے لہٰذا وہ وضو کر کے اپنا پانی بیمار پر ڈالے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۵)

[2] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیمار پرسی کرنا (۳) جنازے کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینک کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہنا۔

(۲) جو مریض کی دیکھ بھال کرنے والا (دوائیاں وغیرہ لانے والا ہے) اس کے لیے سنت ہے۔
(۳) اور باقی لوگوں کے لیے مستحب ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے جس طرح ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ نے اپنے ''مقدمۂ مشہورہ'' میں فرمایا ہے۔ (الاعلام ج ۸ ص ۲۷' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۹۵)

انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ''عودوا المریض'' کے عموم سے ہر بیماری کی عیادت کے جواز پر استدلال کیا ہے لیکن بعض نے ''آنکھیں دکھنے کی بیماری'' کو مستثنیٰ کیا۔

لیکن اس کا رد کیا گیا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں خاص طور پر اس بیماری میں عیادت کا ذکر ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے میری بیماری پرسی کی جب کہ میری آنکھوں میں تکلیف تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۲)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور جو حدیث امام بیہقی اور امام طبرانی نے مرفوعاً ذکر کی کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

ثلاثة لیس لھم عیادة الرمد والدمل والضرس.

تین بیماریوں کی عیادت نہیں آنکھیں دکھنا' پھوڑا اور دانتوں کا درد ہے۔

تو امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت یحییٰ بن کثیر پر موقوف ہے۔

(عیادت مریض کے سلسلے میں مروی) حدیث کے اطلاق سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ابتدائے مرض گزرنے کی قید نہیں (یعنی یہ بات صحیح نہیں کہ آغازِ مرض میں عیادت نہ کی جائے) یہ جمہور کا قول ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے ''احیاء العلوم'' میں قطعی طور پر بیان کیا کہ تین دن کے بعد عیادت کی اور اس بات کے لیے اس حدیث سے استدلال کیا جو امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (وہ فرماتے ہیں):

نبی اکرم ﷺ تین دن کے بعد عیادت کرتے تھے۔

یہ حدیث ضعیف ہے اور مسلم بن علی اس میں متفرد ہیں اور وہ متروک ہیں' ابوحاتم کہتے ہیں یہ حدیث باطل ہے۔

بیمار پرسی کی فضیلت

بیمار پرسی کے بارے میں وارد تمام احادیث ذکر کر کے ہم گفتگو کو طویل نہیں کرنا چاہتے' اس سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا' کفایت کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من عاد مریضا ناداہ مناد من السماء طبت وطاب ممشاک وتبوأت من الجنة منزلا.

جو شخص کسی مریض کی بیمار پرسی کرے تو آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے تو نے اچھا کیا اور تیرا چلنا اچھا ہے اور تو نے جنت میں ٹھکانہ بنایا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۴۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۶_۳۴۴_۳۵۴' الترغیب والترہیب

ج ۲ص ۳۱۹' اتحاف السادة المتقین ج ٦ص ۱۷٦۔۲۹٦' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۱۵۷۵)

''سنن ابوداؤد میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من توضا فاحسن الوضوء وعاد اخاه المسلم محتسبا بوعد من جهنم مسيرة سبعين خريفا.

جس نے اچھی طرح وضو کیا اور اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کی اسے جہنم سے ستر سال کی مسافت دور رکھا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۰۹۷' الترغیب والترہیب ج ۴ص ۳۱۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۱۵۵۲' کنز العمال رقم الحدیث:۲۵۱۳۱)

ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

خمس من عملهن في يوم كتبه الله من اهل الجنة من عاد مريضا وشهد جنازة وصام يوما وراح الى الجمعة واعتق رقبة.

پانچ کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو ایک دن میں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنتیوں میں سے لکھ دیتا ہے' جو بیمار کی عیادت کرے اور جنازہ میں حاضر ہو اور ایک دن کا روزہ رکھے اور جمعہ کی نماز کے لئے جائے اور غلام آزاد کرے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جو یوں ہے:

من عاد مريضا خاض في الرحمة فاذا جلس عنده استنقع فيها.

جو شخص کسی مریض کی بیمار پرسی کرے وہ رحمتِ (خداوندی) میں غوطہ لگاتا ہے پس جب اس کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت میں مکمل طور پر ڈوب جاتا ہے۔

اور طبرانی نے یہ اضافہ کیا:

واذا قام من عنده فلا يزال يخوض فيها حتى يرجع من حيث خرج.

اور جب اس کے پاس سے کھڑا ہوتا ہے تو مسلسل رحمت (کے سمندر) میں غوطہ زن ہوتا ہے حتیٰ کہ وہاں لوٹ آئے جہاں سے گیا تھا۔

بروقت بیمار پرسی کرنا

نبی اکرم ﷺ بیمار پرسی کے لئے کوئی خاص دن یا کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرماتے تھے لہٰذا ہفتے کے دن بیمار پرسی نہ کرنا سنت کے خلاف ہے۔ یہ بدعت ایک یہودی نے جاری کی وہ ایک بادشاہ کا طبیب تھا جو بیمار ہوا اور اس نے اسے اپنا ملازم رکھا اس حکیم نے جمعہ کے دن ہفتہ کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو بادشاہ نے منع کر دیا اسے ڈر ہوا کہ (اگر وہ ہفتے کے دن آیا تو) اس دن کی حرمت کو حلال کرنا لازم آئے گا اور (اگر نہ آیا تو) اس کا خون بہایا جائے گا چنانچہ اس نے کہا ہفتہ کے دن مریض کے پاس جانا صحیح نہیں پس بادشاہ نے اسے اجازت دے دی پھر یہ بات مشہور ہوگئی اور بے شمار لوگوں نے اس پر اعتماد کر لیا۔

ابن صلاح نے فراوی سے جو نقل کیا ہے وہ عجیب بات ہے (وہ یہ) کہ سردیوں میں رات کے وقت اور گرمیوں میں

دن کے وقت بیمار پرسی مستحب ہے شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ سردیوں میں رات کے طویل ہونے کی وجہ سے مریض تنگ پڑ جاتا ہے اور گرمیوں میں دن بڑے ہوتے ہیں لہٰذا بیمار پرسی سے اسے راحت پہنچے گی۔

غیر مسلموں سے علاج کرانا

مناسب یہ ہے کہ دین کے دشمنوں سے علاج نہ کرایا جائے وہ یہودی ہو یا کوئی دوسرا' کیونکہ ان کا (مسلمانوں کو) دھوکا دینا قطعی اور یقینی بات ہے خصوصاً جب بیمار آدمی دینی یا علمی اعتبار سے بڑی شخصیت ہو اور بالخصوص جب یہ دشمن یہودی ہو کیونکہ ان کے دین کی بنیاد یہ ہے کہ ان میں سے جو بھی مسلمانوں کا خیر خواہ ہو وہ اپنے دین سے نکل جاتا ہے اور جو شخص ہفتے کے دن کو حلال جانے اس کا خون بہانا جائز ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ جس کے دل میں کوئی ایسا خیال ہو تو اس بات کا ڈر ہے کہ وہ خودکشی سے متعلق ممانعت میں داخل ہو۔ اور اس زمانے میں ذمی کفار سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ پس نیکی کرنا اور برائی سے بچنا اللہ تعالیٰ کی قوت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے جس نے کہا:

لعن النصاری والیھود فانھم بلغوا بمکرھم بنا الاملا

خرجوا اطباء وحسابا لکی یتقسموا الارواح والاموالا

''اللہ تعالیٰ نصاریٰ اور یہودیوں پر لعنت فرماتے ہیں ان کا مکر ہم تک پہنچ چکا ہے۔ وہ معالج اور حساب کرنے والے بن کر نکلے تاکہ ارواح اور مال کو تقسیم کریں''۔

رُوحانی علاج

نبی اکرم ﷺ جو کچھ خود کرتے اس کا حکم بھی دیتے تھے' اس میں مریضوں کے نفسوں کو خوش رکھنا اور ان کے دلوں کو تقویت دینا بھی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا دخلتم علی المریض فنفسوا له فی اجله فان ذلک یطبب نفسه.

جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اسے طویل زندگی کی امید دلاؤ اس سے نفس کا علاج ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۳۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۷۲' میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۸۹۱۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۱۲۴)

مثلاً اس سے یوں فرماتے:

لا باس علیک طھور ان شاء الله و وجھک الان احسن.

کوئی حرج نہیں (گناہوں سے) پاکیزگی کا باعث ہے ان شاء اللہ' اور تیرا چہرہ اب بہت اچھا ہے۔

اور اس قسم کے الفاظ کہے۔

اور کبھی یوں ہوتا کہ اس کے لئے مرض سے حاصل ہونے والے ثواب کا ذکر فرماتے اور یہ کہ مرض کفارہ ہے پس

بعض اوقات اس سے اس کا دل ٹھیک ہو جاتا اور وہ گناہ کے ارتکاب سے بے خوف ہو جاتا۔ بعض حضرات (یعنی ابن قیم) نے کہا کہ اس حدیث میں علاج کی ایک بہترین صورت ہے اور وہ بیمار کے دل کو خوش کرنے کے لئے ایسا کلام کرنا جس سے طبیعت کو قوت حاصل ہو اور طبعی گرمی پیدا ہو وہ بیماری کو دور کرنے یا اس سے تخفیف پیدا کرنے پر مدد کرے جو علاج (دوائیوں وغیرہ) کی تاثیر کی انتہاء ہے مریض کو خوش رکھنے نیز اس کے دل کی خوشی اور اسے مسرت پہنچانے کے حوالے سے بیماری سے شفا اور اس کی تخفیف میں عجیب تاثیر ہے کیونکہ اس سے ارواح اور قوتوں کو تقویت حاصل ہوتی اور طبیعت اذیت ناک چیز کو دور کرنے پر مدد حاصل کرتی ہے اور لوگوں نے کئی مریضوں کا مشاہدہ کیا کہ جب وہ لوگ ان کی عیادت کرتے ہیں جن سے وہ محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں تو ان کی قوت بڑھ جاتی ہے' ان لوگوں کا مریض کو دیکھنا' اس سے نرم گفتگو کرنا ان کے لئے صحت کا باعث ہوتا ہے۔

عیادتِ مریض کی کیفیت

''الہدی النبوی'' میں (ابن قیم نے) کہا کہ نبی اکرم ﷺ مریض سے اس کی بیماری کے بارے میں پوچھتے اور یہ کہ وہ اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتا ہے اور کس چیز کی خواہش رکھتا ہے؟ اگر وہ کسی چیز کی خواہش رکھتا اور آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ چیز اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے تو آپ اس کے لئے اس چیز کا حکم دیتے۔

آپ اس کی پیشانی پر اپنا دستِ مبارک رکھتے اور بعض اوقات اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے اور اس کے لئے دعا فرماتے نیز اسے بتاتے کہ اس کی بیماری میں اس کے لیے کیا چیز نفع بخش ہے' کبھی وضو فرما کر اس کا پانی اس پر ڈالتے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گزر چکا ہے' بعض اوقات مریض سے فرماتے: کوئی حرج نہیں گناہوں سے طہارت ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ بعض اوقات فرماتے: یہ کفارہ اور پاکیزگی کا باعث ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی مریض کی بیمار پرسی کرتے تو اپنا دستِ مبارک اس کی تکلیف والی جگہ پر رکھتے پھر فرماتے۔ ''بسم اللہ اللہ کے نام سے''۔

اسے ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے سند حسن (یا سند صحیح) کے ساتھ روایت کیا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے کمزور سند کے ساتھ مرفوعاً (حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی) روایت کیا: کہ مریض کی کامل بیمار پرسی یہ ہے کہ تم میں سے کوئی ایک (بیمار پرسی کرنے والا) اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھے اور اس سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے؟ ابن السنی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ (پوچھے) تم نے صبح کیسے کی یا تم نے شام کیسے کی؟

دلوں کا علاج اور جسموں کا علاج

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ بیماری کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دلوں کی بیماری (۲) جسموں کی بیماری۔

جہاں تک دلوں کی بیماری کے علاج کا تعلق ہے تو یہ اس بات کے ساتھ خاص ہے جو نبی اکرم ﷺ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے لے کر آئے اس کا حصول اسی جہت سے ہوسکتا ہے کیونکہ دلوں کی اصلاح یہ ہے کہ وہ اپنے رب اور اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانیں نیز اس کے ناموں' صفات' افعال اور احکام کی پہچان حاصل کریں نیز اپنے رب کی رضا

اور محبت کو ترجیح دیں' اس نے جن کاموں سے روکا اور جو اس کی ناراضگی کا باعث ہیں ان سے رک جائیں اس کی صحت اور حیات اس کے بغیر نہیں ہوسکتی اور اس بات کا حصول ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کی جہت سے ہی ہوسکتا ہے۔

جہاں تک جسموں کے علاج کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں کچھ تو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے اور بعض باتیں دوسرے لوگوں سے آتی ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادی بنا کر نیز اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کی جنت کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا گیا علاوہ ازیں آپ اللہ تعالیٰ کی پہچان کرانے والے ہیں اور امت کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ اس کی رضا کہاں حاصل ہوگی؟ پھر امت کو اس بات کا حکم دیتے ہیں' اس کی ناراضگی کے مقامات بیان کر کے ان سے منع کرتے ہیں' انبیاء و رسل کی خبریں اور امتوں کے ساتھ ان کے احوال بیان کرتے ہیں' عالم کی تخلیق' آغاز و آخرت' بدبختی اور سعادت نیز ان کے اسباب بیان فرماتے ہیں۔

اور جہاں تک جسموں کے علاج کا تعلق ہے تو یہ آپ کی شریعت کی تکمیل ہے لیکن ذاتی طور پر مقصود نہیں بلکہ حاجت کے تحت بیان فرماتے اگر اس کی ضرورت نہ ہوتی تو ہمتوں کو دلوں کے علاج اور ان کی صحت نیز قلبی بیماریوں اور ایسی غیرت جو فساد پیدا کرتی ہے' کو دُور کرنے کی طرف پھیرتے کیونکہ جسم کی اصلاح کا مقصد بھی یہی ہے اور جسم کی اصلاح قلبی اصلاح کے بغیر نفع بخش نہیں ہے اور بدن کا فساد دل کی اصلاح کے ساتھ ہو تو نقصان کم ہوتا ہے اور یہ ایسا نقصان ہے جسے دور کیا جاسکتا ہے اور اس کے بعد دائمی منفعت آتی ہے۔

گناہوں کا ضرر اور آثار

جب تم نے یہ بات جان لی تو یہ بھی جان لو کہ دلوں میں گناہوں کا نقصان اسی طرح ہے جس طرح بدنوں میں زہر سے نقصان پہنچتا ہے البتہ نقصان کے مراتب میں فرق ہے اور دنیا و آخرت کی تمام خرابیوں اور بیماریوں کا سبب گناہ اور نافرمانی ہے اور گناہوں کے بعض قبیح مذموم اور دلوں نیز بدن کو دنیا و آخرت میں نقصان پہنچانے والے بعض آثار ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) علم سے محرومی' کیوں کہ علم نور ہے جسے اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتا ہے اور گناہ اس نور کو بجھا دیتا ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

شکوت الی وکیع سوء حفظی فارشدنی الی ترک المعاصی
وقال اعلم بان العلم نور ونور اللہ لا یؤتاہ عاصی

''میں نے حضرت وکیع رحمہ اللہ سے حافظہ کی خرابی کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے گناہوں کو ترک کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا جان لو کہ علم ایک نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور کسی نافرمان (گناہ گار) کو نہیں دیا جاتا''۔

(۲) رزق سے محرومی' ایک مسند (یعنی مرفوع) حدیث میں ہے:

ان العبد لیحرم الرزق بالذنب یصیبہ. بندہ اس گناہ سے جس تک وہ پہنچتا ہے رزق سے محروم کردیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۰-۲۸۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۰- ج ۸ ص ۶۱۷' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۹۹-۵۳۱' الدر المنثور

ج٦ص ٢٣٣)

(٣) گناہ گار اپنے دل میں وحشت پاتا ہے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتی ہے جس کے مقابل اور قریب کوئی لذت نہیں آتی۔

(٤) اس کے کام اس پر سخت ہو جاتے ہیں وہ جس کام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس کے سامنے دروازہ بند ہوتا ہے یا اس پر تنگ ہوتا ہے۔

(٥) گناہ گار آدمی اپنے دل میں حقیقتاً تاریکی پاتا ہے جسے وہ محسوس کرتا ہے جس طرح سخت تاریک رات میں اندھیرا محسوس کرتا ہے اور جب اندھیرا بڑھتا ہے تو اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ بدعات' گمراہیوں اور ہلاک کرنے والے کاموں میں پڑ جاتا ہے اور اسے اس بات کا شعور بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہ اندھیرا قوت اختیار کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے چہرے پر چڑھ جاتا ہے اور اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے جو ہر شخص کو دکھائی دیتا ہے۔

(٦) گناہ سے دل اور بدن کمزور ہو جاتا ہے۔

(٧) اس کی وجہ سے عبادت سے محرومی ہوتی ہے' عمر کم ہو جاتی ہے اور برکت مٹ جاتی ہے اور (فرشتوں کی کتب کے مطابق) اسباب کے باعث عمر میں اضافہ ہونے یا کسی سبب سے اس کے کم ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمر کے کم ہونے میں گناہ کی تاثیر اس سبب سے ہے کہ زندگی کی حقیقت' دل کی زندگی ہے کیونکہ انسان کی زندگی تو وہی اوقات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ گزرتے ہیں یہی اس کی عمر کی گھڑیاں ہیں تو نیکی' تقویٰ اور عبادات سے ان اوقات میں برکت پیدا ہوتی ہے جو اس کی حقیقی عمر ہے اور اس کے علاوہ اس کی کوئی عمر نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرتا ہے اور گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کی حقیقی زندگی کے دن ضائع ہو جاتے ہیں۔

(٨) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ذلت جنم لیتی ہے۔

(٩) اس عمل کی ایک خرابی یہ ہے کہ عقل خراب ہو جاتی ہے کیونکہ عقل ایک نور ہے اور گناہ عقل کے نور کو بجھا دیتا ہے۔

(١٠) گناہ کے باعث نعمتیں چلی جاتی ہیں اور عذاب نازل ہوتا ہے۔

کیونکہ انسان سے نعمت کا زوال گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس پر عذاب بھی گناہ کے باعث نازل ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ. (الشوریٰ:٣٠)

اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے اور وہ (اللہ تعالیٰ) بہت کچھ معاف کر دیتا ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

اذا كنت فی نعمة فارعها — فان الذنوب تزيل النعم

وحطها بطاعة رب العباد — فرب العباد سريع النقم

''جب تیرے پاس کوئی نعمت ہو تو اس کا خیال کر کیونکہ گناہوں سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ بندوں

کے رب کی عبادت کے ذریعے ان کی حفاظت کر پس کئی بندوں پر عذاب جلدی نازل ہوتا ہے''۔

گناہ کی سزاؤں میں سے ایک سزا یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں بندے کی ہلاکت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ گناہ بیماریاں ہیں جب تم ان کو مضبوط کرو گے وہ تمہیں ہلاک کر دیں گے اور یہ ضروری ہے۔

اور جس طرح بدن اس غذا کے بغیر صحیح نہیں ہوتا جو غذا اس کے بدن کو قوت بخشے اور ایسا علاج جو ان فاسد مواد اور ردی اخلاط کا علاج کرے جو غالب آنے کی صورت میں بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں اور ان چیزوں سے بچتا ہے جو اسے اذیت پہنچاتی ہیں اور ان کے نقصان کا ڈر ہوتا ہے اسی طرح دل کا معاملہ ہے اس کی زندگی کو پورا کرنے کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی غذا ضروری ہے جو اس کی قوت کی حفاظت کرے نیز توبۃ النصوح (نصیحت آمیز توبہ) کے ذریعے دل کا علاج کرے تاکہ فاسد مواد اور ردی اخلاط کا علاج ہو جائے کیونکہ وہ غالب آ جائیں تو دل میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور گناہوں سے پرہیز کرے تاکہ صحت کی حفاظت ہو اسی طرح قلبی صحت کی مخالفت سے بھی بچے یعنی جو چیزیں صحت کے خلاف ہیں ان کو استعمال نہ کرے اور ان تین باتوں (غذا' علاج اور پرہیز) کا نام ہی تقویٰ ہے ان میں سے جو چیز نہ پائی گئی اسی اندازے کے مطابق تقویٰ نہ رہا۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو گناہ ان تینوں باتوں کی ضد ہیں کیونکہ وہ اذیت ناک مواد کو کھینچ لاتے ہیں اور پرہیز کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور توبۃ النصوح کے ساتھ علاج نہیں ہو سکتا۔ پس تم بیمار بدن کو دیکھو جس پر مختلف خرابیاں اور بیماریوں کا مواد جمع ہے اور وہ علاج کراتا ہے نہ پرہیز کرتا ہے تو اس کی صحت اور بقا کیسے ہوگی؟

کسی کہنے والے نے کیا اچھا کہا:

جسمک بالحمیة حصنته مخافة من الم طاری
وکان اولی بک ان تحتمی من المعاصی خشیة النار

''تو پرہیز کے ذریعے اپنے جسم کو محفوظ رکھتا ہے کیونکہ پہنچنے والی تکلیف کا ڈر ہے۔ حالانکہ تیرے لئے زیادہ بہتر بات یہ تھی کہ تو جہنم سے بچتے ہوئے گناہوں سے بچتا''۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے قوت کی حفاظت کرتا ہے اور ممنوع کاموں سے بچتے ہوئے پرہیز اختیار کرتا ہے اور توبۃ النصوح کے ذریعے بیماری کا علاج کرتا ہے وہ بھلائی کے کسی سبب کو نہیں چھوڑتا اور نہ ہی برائی سے بھاگنے کے کسی راستے کو ترک کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الا ادلکم علی دائکم ودوائکم الا ان داء کم الذنوب ودواء کم الاستغفار.

کیا میں تمہاری بیماری اور تمہاری دوائی پر تمہاری رہنمائی نہ کروں بے شک تمہاری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دوا طلبِ مغفرت ہے۔

تو تمہارے لئے ظاہر ہو گیا کہ دلوں کے علاج کی معرفت صرف رسول اللہ ﷺ سے بواسطہ وحی حاصل ہوتی ہے۔

جسمانی علاج

جسموں کا علاج عام طور پر تجربہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

پھر اس کی دو نوع ہیں۔

(۱) ایک نوع وہ ہے کہ اس میں فکر ونظر کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ علاج اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی فطرت میں رکھا ہے مثلاً بھوک' پیاس' ٹھنڈک اور تھکاوٹ کو دور کرنا اس سلسلے میں معالج کے علاج کی ضرورت نہیں۔

اور دوسری قسم میں فکر ونظر کی حاجت ہوتی ہے جس طرح جسم میں کسی ایسی بات کا پیدا ہو جانا جو اسے اعتدال سے نکال دے وہ گرمی ہو یا ٹھنڈک' اور پھر یہ دونوں رطوبت کی وجہ سے ہوں یا خشکی کے سبب یا دونوں سے مرکب ہو۔ اور عام طور پر ان کا علاج اس کی ضد کے ساتھ ہوتا ہے اور ان بیماریوں کا دور کرنا بعض اوقات بدن کے خارج سے ہوتا ہے اور کبھی اندر سے اور دونوں میں سے یہ طریقہ زیادہ مشکل ہے اور اس کی معرفت کا طریقہ اس کے سبب اور علامت کی پہچان حاصل کرنا ہے۔

پس ماہر ڈاکٹر وہ ہے جو ان چیزوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کا جمع ہونا جسم کے لئے تکلیف کا باعث ہے یا اس کے الٹ کرتا ہے کہ جن باتوں کا جدا ہونا نقصان پہنچاتا ہے ان کو جمع کرتا ہے۔ اور بدن کو نقصان پہنچانے والی چیز کو کم کرنا یا اس کے خلاف کرنا ہے اور اس کا دارومدار تین چیزوں پر ہے۔ (۱) صحت کی حفاظت (۲) ایذا رساں چیز سے بچنا (۳) اور فاسد مادہ کو نکالنا۔

اور قرآن مجید میں ان تینوں باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی بات کی طرف اشارہ اس آیتِ کریمہ میں ملتا ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ. (البقرہ:۱۸۴)

پس تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو وہ دوسرے دنوں سے گنتی کرے (روزے کی قضا کرے)۔

کیونکہ سفر میں تھکاوٹ کا گمان ہوتا اور اس سے صحت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے پس جب اس میں روزہ واقع ہو گا تو یہ تبدیلی بڑھ جائے گی لہٰذا روزہ چھوڑنا جائز قرار دیا اسی طرح بیماری کا معاملہ ہے۔

دوسری بات یعنی بچاؤ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ. (النساء:۲۹)

اور اپنے نفسوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اسی سے ٹھنڈے پانی کے استعمال کے وقت ہلاکت کے خوف سے تیمم کا جواز ثابت کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. (النساء:۴۳)

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت سے آئے یا تم عورت کے قریب جاؤ پس تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔

تو مریض کے لئے پانی سے مٹی کی طرف پھر جانا جائز قرار دیا تا کہ وہ اپنے جسم کو اذیت پہنچانے والی چیز سے بچائے اور یہ اس بات سے خبردار کرتا ہے کہ انسانی جسم کو اندرونی یا بیرونی ہر تکلیف دہ کام سے بچانا چاہیے۔

اور تیسری بات کا ذکر اس آیت میں ہوا:

او به اذی من راسه ففدية. (البقرہ:۱۹۶) یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو فدیہ دے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر محرم کے سر میں بالوں کے نیچے جمع بخار کی وجہ اسے تکلیف ہو تو اس کے لیے سر منڈوانا جائز ہے حالانکہ حالت احرام میں یہ عمل منع ہے کیونکہ جب وہ سر منڈوائے گا تو مسام کھل جائیں گے اور یہ بخارات نکل جائیں گے تو اس فاسد مادہ کو نکالنے پر ہر اس چیز کو قیاس کیا جائے جس کا رکنا اذیت ناک ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان تین قسم کے علاجوں اور قواعد کی طرف رہنمائی فرمائی۔

علاج کی ترغیب

''صحیح بخاری و مسلم میں بواسطہ'' حضرت عطاء' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما انزل الله داء الا وانزل له شفاء. اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی نازل فرمائی ہے اس کی شفاء بھی نازل کی ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث:۵۶۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۳۸-۳۴۳۹' مسند احمد ج۱ص۳۷۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج۷ص۳۵۹' مجمع الزوائد ج۵ص۸۵' اتحاف السادۃ المتقین ج۹ص۵۱۵' شرح السنہ ج۱۲ص۱۳۸' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۰۹۸)

''سنن نسائی میں'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم رحمہما اللہ نے صحیح قرار دیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله لم ينزل داء الا وانزل له شفاء فتداووا. اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کے لئے علاج بھی اتارا ہے پس علاج کرایا کرو۔

(المستدرک ج۴ص۱۹۷-۳۹۹' مسند احمد ج۱ص۴۴۳-۴۴۶' موارد الظمآن رقم الحدیث:۱۳۹۴-۱۹۲۴' جمع الجوامع رقم الحدیث:۴۹۵۹-۴۹۸۲' المعجم الکبیر ج۱ص۱۴۸' اتحاف السادۃ المتقین ج۹ص۵۱۵' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۰۷۹-۲۸۲۱۴' نصب الرایۃ ج۴ص۲۸۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج۷ص۳۶۰)

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الله حيث خلق الداء خلق الدواء فتداووا. بے شک اللہ تعالیٰ نے جب بیماری کو پیدا کیا تو دوائی بھی پیدا فرمائی پس علاج کرایا کرو۔

(مسند احمد ج۱ص۳۵۶' مجمع الزوائد للہیثمی ج۵ص۸۴' نصب الرایۃ ج۴ص۲۸۵-۳۸۵' التمہید ج۵ص۲۸۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج۷ص۳۵۹' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۰۷۸)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد میں'' حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے اور اسے امام احمد اور اصحاب سنن نے بھی نقل کیا امام ترمذی' ابن خزیمہ اور امام حاکم رحمہم اللہ نے اسے صحیح قرار دیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

تداووا یا عباد الله فان الله لم یضع داء الا وضع له شفاء الا داء واحدا وھو الھرم.

اے بندگانِ خدا! علاج کروایا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے صرف ایک بیماری یعنی بڑھاپے کا علاج نہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۵۱۵' التمہید ج ۵ ص ۲۸۹' کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۵۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۶۰' موارد الظمآن للہیثمی رقم الحدیث: ۳۱۹۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۰۷۶' نصب الرایۃ ج ۴ ص ۲۸۳' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۳' المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۴۶' تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۱۳۸)

ایک روایت میں ''الا السام'' کے الفاظ ہیں یعنی موت وہ بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو بیماری' بیمار کو قابو کر لیتی ہے وہ موت ہے اور پہلی روایت میں بڑھاپے کی استثناء ہے یا تو اس لئے کہ اسے موت کے مشابہ قرار دیا گیا اور دونوں کے درمیان جامع بات صحت میں نقص ہے یا یہ کہ بڑھاپا موت کے قریب ہوتا ہے اور موت تک لے جاتا ہے۔

اور ہوسکتا ہے مستثنیٰ منقطع ہو اور تقدیر عبارت یہ ہو کہ ''لکن الھرم لادواء له لیکن بڑھاپے کا کوئی علاج نہیں''۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ' حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اللـه جعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام.

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا رکھی ہے پس دوائی استعمال کرو لیکن حرام چیز کے ساتھ علاج نہ کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۴' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۷۱۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۵۳۸' شرح السنۃ ج ۱۲ ص ۱۳۹' نصب الرایۃ ج ۴ ص ۲۸۵' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۵۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۴۴)

''صحیح بخاری'' میں ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اللـه تعالی لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم فلا یجوز التداوی بالحرام.

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء حرام چیز میں نہیں رکھی پس تم حرام چیز سے علاج نہ کرو۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لکل داء دواء فاذا اصیب دواء الداء بریٔ باذن الله.

ہر بیماری کے لئے دوا ہے پس جب دوا بیماری تک پہنچتی ہے تو (بیمار) اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹' المغنی ج ۴ ص ۲۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۵)

پس شفاء اس بات پر موقوف ہے کہ دوائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیماری تک رسائی حاصل کرے اس لئے کہ بعض اوقات دوائی کیفیت یا مقدار میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے پس فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات کوئی دوسری بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔

الحمیدی کی کتاب ''طـب اھل البیـت'' میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ہر

بیماری کی دوا ہے پس جب یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جس کے پاس ایک پردہ ہوتا ہے وہ اس پردے کو بیماری اور دوائی کے درمیان کر دیتا ہے جب مریض دوائی پیتا ہے تو وہ بیماری پر اثر انداز نہیں ہوتی پس جب اللہ تعالیٰ اسے ٹھیک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتے کو حکم دیتا ہے اور وہ پردہ اٹھا دیتا ہے پھر مریض دوائی پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے نفع عطا فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں ہے:

ان اللہ لم ینزل داء الا انزل له شفاء علمه من علمه و جهله من جهله. بے شک اللہ تعالیٰ کوئی بیماری نہیں اتارتا مگر اس کے لئے شفاء بھی نازل فرماتا ہے اسے جان لیا جس نے جانا اور جاہل رہا جس نے نہ جانا۔

اسے ابونعیم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض دوائیاں ایسی ہیں جن کا علم کسی کو نہیں ہے۔

اور یہ ارشاد گرامی ہے کہ ہر بیماری کے لئے دوا ہے تو ہو سکتا ہے وہ اپنے عموم پر ہو حتیٰ کہ ہلاک کرنے والی دوائیوں کو بھی شامل ہو اور ان دوائیوں کو بھی کہ کوئی طبیب ان کی پہچان پر قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی دوائی پیدا کی ہو جس سے بیماری دور ہو جائے لیکن انسان سے اس کے علم کو لپیٹ دیا ہو اور اس تک اس کی رسائی نہ ہو کیونکہ مخلوق کو صرف اسی بات کا علم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اسے سکھاتا ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے شفاء کو اس بات سے معلق کیا کہ دوا اور بیماری کے درمیان موافقت ہو جائے۔

بعض بیماروں کے لئے ایسا بھی ہوا کہ انہوں نے ایک دوائی سے علاج کیا تو ٹھیک ہو گئے اس کے بعد وہی بیماری لگی اور وہی دوائی استعمال کی لیکن فائدہ نہ ہوا تو اس کا سبب دوائی کی صفات میں سے کسی صفت سے لاعلم ہونا ہے۔

پس بعض اوقات دو بیماریاں ایک جیسی ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک مرکب ہوتی ہے (مثلاً حرارت اور ٹھنڈک کا اجتماع ہوتا ہے) تو اسے وہ چیز فائدہ نہیں دیتی جو اس بیماری میں فائدہ دیتی ہے جو مرکب نہیں ہے پس یہاں سے غلطی واقع ہوتی ہے اور بعض اوقات دو بیماریاں ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس کو کامیابی عطا کرنا نہیں چاہتا اور یہاں ڈاکٹروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں (عاجز ہو جاتے ہیں)۔

علاج کرانا توکل کے خلاف نہیں

جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں ان میں اسباب کے اثبات کی طرف اشارہ ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں۔

جس طرح کھانا اور پینے کے ذریعے بھوک اور پیاس کو دور کرنا توکل کے خلاف نہیں اسی طرح ہلاکت خیز کاموں سے بچنا اور طلب شفاء نیز ضرر کو دور کرنے کے لئے دعا کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ یوں ہی دیگر کئی کام ہیں۔

حارث محاسبی نے اپنی کتاب ''القصد'' میں لکھا کہ ان سے پوچھا گیا کیا توکل کرنے والا علاج کرا سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں!

کہا گیا یہ کہاں سے معلوم ہوا؟ فرمایا: توکل کرنے والوں کے سردار میں یہ بات پائی گئی۔ اور کوئی توکل کرنے والا

آپ سے آگے بڑھ نہ سکا اور نہ کوئی آپ کے اس مقام تک رسائی حاصل کر سکے گا وہ محمد ﷺ ہیں جو تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ پوچھا گیا نبی اکرم ﷺ کے اس قول کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

من استرقی و اکتوی بریٔ من التوکل. جس نے دم (یا تعویذ) کروایا وہ توکل سے نکل گیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۸۹' مسند احمد ج ۴ ص ۲۴۹۔۲۵۳' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۲۸' موارد الظمآن للہیثمی رقم الحدیث: ۱۴۰۸' شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۶۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۵۵۵' المغنی ج ۳ ص ۴۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۴۴)

انہوں نے جواب دیا وہ ان توکل کرنے والوں کے توکل سے نکل گیا جن کا ذکر نبی اکرم ﷺ نے دوسری حدیث میں فرمایا:

یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفا بغیر حساب. میری امت میں سے ستر ہزار لوگ کسی حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۷۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۷۱' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۱۔ ج ۲ ص ۳۵۱۔ ۴۰۰۔ ۴۴۳۔ ج ۵ ص ۳۳۵' المعجم الکبیر ج ۶ ص ۶۴۔ ج ۱۸ ص ۱۸۳۔ ۲۰۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۶۸۱)

لیکن جو ان کے علاوہ توکل کرنے والے ہیں ان کے لئے دعا استعمال کرنا یا تعویذ (اور دم وغیرہ) جائز ہے۔

تو حضرت صحابی نے بعض کے توکل کو دوسرے بعض سے افضل قرار دیا۔

''التمہید (ابن عبدالبر کی تصنیف) میں'' فرمایا: کہ حدیث شریف میں جو فرمایا ''بریٔ من التوکل'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے تعویذ یا دم کروائے جو شریعت میں مکروہ ہیں یا داغ لگوائے اور اس کے خیال میں یہ داغ لگانا شفاء کا سبب ہو اسی طرح ''لا یسترقون'' (وہ دم جھاڑ نہیں کرواتے) سے ایسا دم (یا تعویذ) مراد ہے جو شریعت کے خلاف ہو اور ''ولا یکتوون'' (وہ داغ نہیں لگاتے) کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں داغ کا نفع بیٹھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے منہ پھیرا جا رہا ہے حالانکہ شفاء تو اسی سے حاصل ہوتی ہے۔

لیکن جب یہ عمل شریعت کے مطابق ہو اور دوائی کے رب کی طرف نظر ہو اور اللہ تعالیٰ سے ہی شفاء کی توقع ہو اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ جب صحیح ہو جائے گا تو بدن کو اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرے گا اور اپنے رب کی عبادت میں نفس کو تھکائے گا تو اس کا توکل اپنے حال پر باقی ہے' دوائی اس میں کوئی کمی واقع نہیں کرتی انہوں نے یہ بات توکل کرنے والوں کے سردار کے فعل سے استدلال کرتے ہوئے کہی ہے کیونکہ آپ نے خود اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی عمل کیا۔

تو واضح ہوا کہ علاج کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ حقیقت توحید کی تکمیل ان اسباب کو اختیار کرنے سے ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مسببات کے تقاضوں کے مطابق تقدیراً اور شرعاً مقرر فرمایا اور ان اسباب کو چھوڑنا نفسِ توکل میں خرابی پیدا کرتا ہے جس طرح امر اور حکمت میں خرابی پیدا کرتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو پیدا فرمایا)۔

ابن قیم نے نقل کیا کہ بنی اسرائیل کی خبر میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! بیماری کس کی طرف سے ہے؟ فرمایا: میری طرف سے' پوچھا: دوائی کس کی جانب سے ہے؟ فرمایا: میری طرف سے'

پوچھا: پھر ڈاکٹر کا کیا کام ہے؟ فرمایا: وہ ایک شخص ہے جس کے ہاتھ سے دوائی بھیجی گئی ہے۔

"لِکُلِّ دَآءٍ دَوَآءٌ" میں مریض اور ڈاکٹر کے لئے امید

ابن قیم نے (زادالمعاد میں) کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی: "**لکل داء دواء**" (ہر بیماری کی دوا ہے) میں مریض اور ڈاکٹر دونوں کے نفس کو تقویت حاصل ہوتی ہے نیز یہ طلب دوا کی ترغیب اور اس کی تفتیش ہے کیونکہ جب مریض کو ذاتی طور پر معلوم ہوگا کہ اس کی بیماری کے لئے دوا ہے جو اس کو زائل کر دے گی تو اس کے دل کا امید کی روح سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے' ناامیدی کی حرارت سے ٹھنڈک حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے لئے امید کا دروازہ کھل جاتا ہے اس کے نفس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور اس کی حرارت طبعی جوش مارتی ہے اور یہ بات حیوانی' نفسانی اور طبعی ارواح کی قوت کا سبب بنتی ہے اور جب یہ ارواح مضبوط ہوں تو وہ قوتیں مضبوط ہوتی ہیں جن کو یہ اٹھاتی ہیں پس مرض مغلوب اور دور ہو جاتی ہے۔

اسی طرح طبیب کو جب معلوم ہوتا ہے کہ اس بیماری کا علاج ہے تو وہ اس کی طلب وتلاش پر قادر ہوتا ہے۔

سوال: احادیث میں جو فرمایا کہ اس کے لئے دوا نازل کی اور دوسری حدیث میں دوائی کی جگہ شفاء کا ذکر ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ممکن ہے انزال (اتارنے) سے مراد تقدیر ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ فرشتے کے ذریعے اس کے علم کو نبی ﷺ کی طرف اتارنا مراد ہو۔

طبِ نبوی

ماہر طبیب کی طب قیاس' مقدمات اور تجربہ سے حاصل ہوتی ہے' اس کا وحی سے کیا مقابلہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجتا ہے اور بتاتا ہے کہ نفع کہاں ہے اور نقصان کس میں ہے؟ پس ماہر اطباء کے پاس جو طب ہے اس کی نسبت وحی کی طرف اس طرح ہے جس طرح ان کے علوم کی نسبت حضور ﷺ کے لائے ہوئے پیغام سے ہے بلکہ یہاں تو ایسی دوائیں ہیں جو بیماریوں سے شفاء دیتی ہیں کہ بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کی عقل وہاں تک رسائی حاصل نہیں کرتی اور نہ ہی وہاں تک ان کے علام' تجربات اور قیاس پہنچ سکتا ہے یہ قلبی اور روحانی دوائیں ہیں' قلبی قوت ہے اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل ہے اس کے سامنے عاجزی کرنا' صدقہ' نماز' دعا' توبہ' استغفار' مخلوق کے ساتھ نیکی کرنا اور مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرنا ہے اور امتوں نے اپنے دین وملت میں اختلاف کے باوجود ان دواؤں کا تجربہ کیا تو شفاء میں ان کی تاثیر پائی حالانکہ سب سے زیادہ علم والے حکیم کا علم بھی یہاں تک نہیں پہنچتا۔ اللہ کی قسم میں (مصنف) نے خود بارہا تجربہ کیا تو یوں پایا کہ جو فائدہ اس سے پہنچتا ہے وہ ظاہری دواؤں سے نہیں ہوتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ طبِ نبوی کے ذریعے صحت کا حصول یقینی ہے کیونکہ یہ وحی اور نبوت کی جہت سے ہے جبکہ دوسرے لوگوں کی طب ذہنی صلاحیت اور تجربے کی بنیاد پر ہے۔

بعض اوقات طب نبوی کے استعمال کے باوجود شفاء حاصل نہیں ہوتی تو استعمال کرنے والے کی طرف سے کسی رکاوٹ کی بنیاد پر ایسا ہوتا ہے مثلاً اس سے شفاء کے حصول پر اعتقاد کمزور ہوتا ہے اور اسی طرح اسے قبول کرنے میں کمزوری پائی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ ظاہر مثال قرآن مجید کی ہے جو سینوں (کی بیماریوں) کے لئے شفاء ہے لیکن اس کے باوجود بعض اوقات کچھ لوگوں کو اس سے شفاء حاصل نہیں ہوتی جس کی وجہ اعتقاد اور قبولیت میں کمی ہے بلکہ منافق کی ناپاکی اور مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔

پس طب نبوی پاک جسموں اور زندہ دلوں کے لئے ہی مناسب ہے اور لوگ طب نبوی سے اس لئے منہ پھیرتے ہیں کہ وہ قرآن مجید سے شفاء حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں جو نفع بخش شفاء ہے۔

طب نبوی کی اقسام

نبی اکرم ﷺ مریض کا تین طرح علاج کرتے تھے۔

(۱) الٰہی روحانی دواؤں کے ساتھ۔

(۲) طبعی دوائیوں کے ذریعے۔

(۳) دونوں سے مرکب علاج کے ذریعے۔

پہلی نوع

روحانی دواؤں سے علاج

قرآن مجید کے ذریعے شفاء حاصل کرنا

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کوئی ایسی دوا نازل نہیں کی جو قرآن مجید کے مقابلے میں زیادہ نفع بخش' زیادہ عظمت والی اور بیماری کو زائل کرنے میں زیادہ کامیاب ہو' قرآن مجید بیماری سے شفاء اور دلوں کے زنگ کو دور کرنے والا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ. (الاسراء:۸۲)

اور ہم قرآن مجید سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو شفاء اور مومنوں کے لئے رحمت ہے۔

جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا لفظ "من" تبعیض کے لئے نہیں (یعنی یہ مطلب نہیں کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ شفاء ہے) بلکہ یہ جنس کے لئے ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ یہ جنس جو قرآن مجید ہے اسے ہم روحانی امراض اور جسمانی بیماریوں سے شفاء کے طور پر نازل کرتے ہیں۔ جہاں تک روحانی بیماریوں سے شفاء کا تعلق ہے تو یہ بات ظاہر ہے کیونکہ روحانی بیماریوں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) باطل عقائد: اور ان میں سے سب سے زیادہ فاسد وہ عقائد ہیں جو اللہ تعالیٰ' نبوت' آخرت' قضاء وقدر وغیرہ کے سلسلے میں فاسد ہیں اور قرآن مجید ان باتوں میں مذہب حق کے دلائل پر مشتمل ہے اور مذاہب باطلہ کا رد کرتا ہے اور جب روحانی امراض میں سے سب سے قوی بیماری ان مطالب میں خطاء ہے اور قرآنِ مجید ایسے دلائل پر مشتمل ہے جو ان مذاہب باطلہ کے عیبوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

تو یقیناً قرآن مجید اس قسم کی روحانی بیماری سے شفاء ہوا۔

(۲) اخلاق مذمومہ: جہاں تک اخلاق مذمومہ کا تعلق ہے تو قرآن مجید ان کی تفصیل' تعریف اور مفاسد کے ذکر پر مشتمل ہے۔ نیز اخلاق فاضلہ اور اعمال محمودہ کی طرف رہنمائی بھی کرتا ہے تو بیماری کی اس نوع سے بھی شفاء دیتا ہے پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید تمام روحانی بیماریوں سے شفاء ہے۔

اور جہاں تک جسمانی بیماریوں سے شفاء کا معاملہ ہے تو اس کی قرأت کی برکت بہت سی بیماریوں میں نفع دیتی ہے جب جمہور فلاسفر اور طلسمی دنیا کے لوگوں نے اس بات کو معتبر تسلیم کیا ہے تو مجہول تعویذ اور دم جھاڑے کے مجہول کلمات جن کی کچھ سمجھ نہ آتی ہو' منافع کے حصول اور مفاسد کو ختم کرنے میں بہت بڑی تاثیر رکھتے ہیں تو قرآن عظیم جو اللہ تعالیٰ کے جلال و کبریائی کے ذکر' ملائکہ مقربین کی تعظیم' سرکش مخلوق اور شیطان کی حقارت بیان کرنے جیسی باتوں پر مشتمل ہے تو وہ دین و دنیا میں نفع کا سبب نہیں ہوگا؟

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' آپ نے فرمایا:

من لم یستشف بالقرآن فلا شفاہ اللہ. جو شخص قرآن مجید سے شفاء کا عقیدہ نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ اسے شفاء نہ دے۔

حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ان کا بچہ سخت بیمار ہو گیا حتیٰ کہ موت کے دہانے پر پہنچ گیا تو ان پر معاملہ سخت ہو گیا' وہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اور بچے کی بیماری سے متعلق شکایت کی تو آپ نے فرمایا: ''این انت من آیات الشفاء تم آیاتِ شفاء سے کہاں ہو؟''

فرماتے ہیں میں بیدار ہوا تو غور و فکر کیا تو یہ آیات قرآنِ مجید کے چھ مقامات پر تھیں:

(۱) وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ. (التوبہ:۱۴) اور وہ مومنوں کے سینوں کو شفاء دیتا ہے۔

(۲) وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ. (یونس:۵۷) اور سینوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔

(۳) يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ. (النحل:۶۹) وہ ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹ سے مختلف رنگ کا مشروب نکالتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔

(۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ. (الاسراء:۸۲) اور ہم قرآن مجید اتارتے ہیں جو شفاء اور مومنوں کے لئے رحمت ہے۔

(۵) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ. (الشعراء:۸۰) اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفاء عطا فرماتا ہے۔

(۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ. (الفصلت:۴۴) آپ فرما دیجئے وہ (قرآن مجید) ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے۔

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ان آیات کو لکھا پھر پانی میں حل کر دیا اور وہ پانی اس بچے کو پلایا گویا اس کی رسی کھل گئی یا جیسا انہوں نے فرمایا۔

جس شخص کو بچھونے کاٹا تھا اس پر سورۂ فاتحہ کا دم کیا گیا اس میں جو عجیب راز اور بلند و بالا دلیل ہے اس پر غور کیجئے اور نبی اکرم ﷺ کی اس دعا پر غور کرو کہ آپ نے یوں دعا مانگی:

وان تجعل القرآن ربیع قلبی وجلاء حزنی وشفاء صدری.
(یااللہ!) قرآن مجید کو میرے دل کی بہار غم کا ازالہ اور سینے کی شفاء بنادے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۵-۴۵۲)

تو یہ قرآن مجید دوا ہے جو بیماری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور بدن کو صحت اور اعتدال پر لوٹا دیتا ہے۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیر الدواء القرآن.
بہترین دوا قرآن ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۱-۳۵۳۳-۳۵۳۷' کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۰۷-۱۴۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۰۳)

یہاں ایک بات ہے جس کو سمجھنا چاہیے' ابن قیم نے اس سے آگاہ کیا وہ یہ کہ آیات واذکار اور وہ دعائیں جن کے ذریعے شفاء حاصل کی جاتی ہے اور تعویذ اور دم وغیرہ کیا جاتا ہے وہ نفع بخش اور شافی ہیں لیکن محل کی قبولیت اور فاعل کی ہمت وتاثیر ضروری ہے پس جب شفاء نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کی تاثیر کمزور ہے یا محل قبول نہیں کر رہا یا کوئی ایسی رکاوٹ ہے جو کامیابی کی راہ میں آڑے آرہی ہے جس طرح حسی دواؤں میں ہوتا ہے کہ کبھی وہ اس لئے اثر نہیں کرتیں کہ طبیعت اس دوائی کو قبول نہیں کرتی اور کبھی اس کے اثر کے تقاضے میں مضبوط رکاوٹ ہوتی ہے کیونکہ طبیعت جب دوائی کو قبولیتِ تامہ کے ساتھ اختیار کرتی ہے تو اس قبولیت کے مطابق بدن کو اس سے نفع حاصل ہوتا ہے اسی طرح جب دل' دم اور تعویذوں کو مکمل طور پر قبول کرے تو اثر ہوتا ہے جب کہ دوا ذاتی طور پر عمل کرنے والی ہے اور ہمت موثرہ' بیماری کو زائل کرنے میں اثر کرتی ہے۔

دعا کے ذریعے حصول شفاء

اسی طرح دعا کا معاملہ ہے کہ مکروہ بات کو دور کرنے اور حصولِ مطلب کے لئے یہ سب سے زیادہ مضبوط سبب ہے لیکن بعض اوقات اس کا اثر نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اس میں زیادتی ہوتی ہے یا دل کمزور ہوتا ہے اور دعا کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ اور دلجمعی نہیں ہوتی یا دعا سے فائدہ اس لئے حاصل نہیں ہوتا کہ حرام کھانا' ظلم' دلوں پر گناہوں کا زنگ' غفلت' بھول اور لہو ولعب وغیرہ قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

واعلموا ان اللہ لا یقبل دعاء من قلب غافل لاہ.
جان لو! اللہ تعالیٰ غافل اور غیر متوجہ دل سے دعا قبول نہیں کرتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۴۱' المغنی ج ۱ ص ۳۰۸' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۹۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۶' الکامل فی الضعفاء ج ۴ ص ۱۳۸۰)

دواؤں میں سے زیادہ نفع بخش دوا دعا ہے یہ مصیبت کی دشمن ہے'اسے دور کرتی ہے'اس کا علاج کرتی اور اس کو اترنے سے روکتی ہے اور جب وہ اتر جائے تو اس کو اٹھا دیتی ہے اور یہ مومن کا ہتھیار ہے۔

اور جب دعا کے وقت دل حاضر ہو'مطلوب کی طرف کامل متوجہ ہو'قبولیت کے اوقات میں سے کوئی وقت ہو جس طرح رات کا آخری تہائی حصہ (سحری کا وقت) خضوع وانکساری اور گڑگڑانا پایا جائے' قبلہ رُخ اور باوضو ہو'ہاتھ اٹھا کر دعا کرے'اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اور اس سے پہلے توبہ واستغفار کرے'صدقہ دے' مانگتے وقت آہ وزاری کرے اور زیادہ دعا مانگے'اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وسیلہ اختیار کرے اور نبی اکرم ﷺ کے توسل سے متوجہ ہو تو یہ دعا کبھی رد نہیں ہوتی خصوصاً وہ دعائیں جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ یہ قبولیت کا مقام رکھتی ہیں یا ان میں اسم اعظم ہے۔[1]

انسان اپنی حاجت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں گڑگڑائے اور زاری کرے تو اس بات کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

دم جھاڑے کے ذریعے شفاء حاصل کرنا

(لسان العرب ج۵ص ۲۹۳)

جہاں تک دم کرنے کا تعلق ہے تو جان لو کہ معوذات اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ذریعے دم کرنا طب روحانی ہے اور جب یہ مخلوق میں سے نیک لوگوں کی زبان پر جاری ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفاء حاصل ہوتی ہے لیکن جب یہ سلسلہ ناپید ہو گیا تو لوگ طبِ جسمانی کی طرف مجبور ہو گئے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی اس بیماری میں جس میں آپ کا وصال ہوا معوذات یعنی سورۂ فلق' سورۂ الناس اور سورۂ اخلاص پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے تھے تو یہ بابِ تغلیب سے ہے'یعنی سورۂ اخلاص میں ''قل اعوذ'' نہیں لیکن دوسری دو سورتوں کی وجہ سے تینوں کو معوذات قرار دیا یا صرف الفلق اور الناس معوذات ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں جو بھی تعویذ کے کلمات ہیں وہ طبِ روحانی ہے'جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ۔ اور کہو اے میرے رب! میں شیطانی وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

امام احمد'ابو داؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ ایسی باتوں کو ناپسند فرماتے تھے ان میں دم کا بھی ذکر کیا لیکن معوذات کے ذریعے دم کرنا (ناپسند نہ فرمایا) تو اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن حرملہ ہے جس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی حدیث صحیح نہیں۔ اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو جب فاتحہ کے ساتھ دم کی اجازت دی گئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ معوذتان (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) نازل ہوئیں تو آپ نے ان دونوں کو اختیار

[1] جس طرح حضرت ذوالنون رحمہ اللہ دعا مانگتے تھے واللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم۔

کرلیا اور باقی کلمات چھوڑ دیئے۔

تو یہ حدیث معوذتین کے علاوہ کلمات سے دم کرنے یا تعویذ بنانے سے منع پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں سے تعوذ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے خصوصاً جب کہ ان دونوں کے علاوہ کلمات سے تعوذ ثابت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کو اس لئے اختیار کیا کہ یہ استعاذہ کے سلسلے میں جامع کلمات پر مشتمل ہیں اور ان میں ہر مکروہ سے اجمالاً اور تفصیلاً تعوذ پایا جاتا ہے۔

دم کرنا جائز ہے

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب یہ تین شرطیں پائی جائیں تو دم کرنا (اور تعویذ باندھنا) جائز ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء وصفات کے ساتھ ہو۔

(۲) عربی زبان میں ہو یا کوئی دوسری زبان ہو جو سمجھ آتی ہو۔

(۳) یہ عقیدہ ہو کہ تعویذ اور دم ذاتی طور پر اثر نہیں کرتے' اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اثر انداز ہوتے ہیں۔

کیا ان تینوں کا اجتماع شرط ہے تو اس سلسلے میں اختلاف ہے لیکن زیادہ ترجیح اس بات کو ہے کہ ان تینوں شرائط کا اعتبار ضروری ہے۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم دورِ جاہلیت میں دم جھاڑا کرتے تھے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ کلماتِ دم میرے سامنے پیش کرو (پھر فرمایا) دم کرنے میں کوئی حرج نہیں جب اس میں شرک نہ ہو (شرکیہ کلمات نہ ہوں)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۵' المستدرک ج ۴ ص ۲۱۲' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۵۳۰' التمہید ج ۲ ص ۲۶۷' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۴۹)

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دم کرنے سے منع فرمایا پھر آل عمرو بن حزم آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے پاس ایک دم تھا جسے ہم بچھو (کے کاٹنے) سے استعمال کرتے تھے فرمایا: میرے پاس لاؤ فرماتے ہیں: انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا: میں اس میں حرج نہیں سمجھتا جو شخص اپنے بھائی کو نفع دے سکتا ہو وہ اسے نفع پہنچائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۔۶۲۔۶۳' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۲۔۳۳۴' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۱' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۱۱)

ایک جماعت نے اس عموم سے استدلال کیا اور ہر اس دم جھاڑے کو جائز قرار دیا جس کے نفع کا تجربہ ہو چکا ہو اگرچہ وہ اس کا معنیٰ نہ سمجھتا ہو۔ لیکن حضرت عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب دم کے الفاظ شرک تک پہنچائیں تو منع ہے اور جس کے کلمات کا معنیٰ سمجھ نہ آتا ہو اور شرک تک پہنچنے سے امن نہ ہو وہ احتیاطاً منع ہے اور آخری شرط ضروری ہے۔

بعض حضرات نے کہا صرف نظر لگنے اور ڈسنے سے دم کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

لا رقية الا من عين او حمه. دم صرف نظر یا زہر (یعنی بچھو وغیرہ کے ڈسنے) سے کیا جائے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث :۳۸۸۴_۳۸۸۹' سنن ترمذی رقم الحدیث :۲۰۵۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۳۵۱۳' مسند احمد ج ۱ص ۲۷۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ص ۳۹۳' المستدرک ج ۴ص ۴۱۳' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی۔ رقم الحدیث: ۴۵۵۷_۴۵۵۹' المعجم الکبیر ج ۱۸ص ۲۳۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۷۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حصر (صرف دو کا ذکر) کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی دم کی ضرورت پڑے تو یہ دونوں باتیں اس کے لئے اصل ہیں چنانچہ نظر لگنے کے ساتھ جنون وغیرہ کے لئے دم کے جواز کو ملایا جائے گا کیونکہ یہ نظر کے ساتھ شریک ہے اس لئے کہ دونوں شیطانی احوال سے پیدا ہوتے ہیں وہ شیطانی عمل انسانوں کی طرف سے ہو یا جنوں کی طرف سے' اور زہر کے ساتھ ہر اس چیز کو ملایا جائے گا جو زخم وغیرہ زہریلے مادہ سے پیدا ہوں۔

امام ابو داؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ذکر کیا اور یہ اضافہ کیا ''او دم'' (یا خون کا معاملہ ہو)۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے نظر' ڈسنے اور پھوڑوں پر دم کی اجازت دی۔ ایک اور حدیث میں کان (کے درد) کا بھی ذکر ہے۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کیا تم اسے یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پھوڑوں کا دم نہیں سکھاتی۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث :۳۸۸۷' مسند احمد ج ۶ص ۳۷۲' السنن الکبریٰ ج ۹ص ۳۴۹' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۶۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۷۱۹۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۵۹_۳۴۳۸۲)

بعض نے کہا کہ یہ حصر افضیلت کے بیان کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی دم نفع نہیں دیتا جیسا کہ کہا گیا:

لا سيف الا ذو الفقار. ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں۔

یعنی اس طرح کاٹنے والی کوئی تلوار نہیں۔

ایک جماعت نے کہا کہ بیماری کے واقع ہونے سے پہلے دم کی ممانعت ہے اور جو اس کے بعد ہو اس کی اجازت ہے۔ یہ بات ابن عبد البر اور امام بیہقی وغیرہ نے ذکر کی۔

ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الرقى والتمائم والتولة شرک. دم کرنا' تعویذ باندھنا اور جادو کرنا شرک ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث :۳۸۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۳۵۳۰' مسند احمد ج ۱ص ۳۸۱' السنن الکبریٰ ج ۹ص ۳۵۰' المستدرک ج ۴ص ۴۱۸' المعجم الکبیر ج ۱۰ص ۲۶۲' جمع الجوامع رقم الحدیث :۵۵۶۹' موارد الظمآن للہیثمی رقم الحدیث :۱۴۱۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم

ابو داؤد: ۳۸۸۳، ابن ماجہ: ۳۵۵۳، شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۵۷، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۰۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۴۱۵)

التمائم: تمیمہ کی جمع ہے گلے میں منکے اور ہار وغیرہ ڈالا جاتا ہے دورِ جاہلیت میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔

التولة: تاء کے نیچے زیر واؤ پر زبر اور لام شد کے بغیر ہے ایک ایسی چیز جس کے ذریعے عورت اپنے خاوند کی محبت حاصل کرنا چاہتی تھی اور یہ ایک قسم کا جادو ہے۔

یہ باتیں اس لئے شرک تھیں کہ وہ لوگ نقصان کا ازالہ اور نفع کا حصول اللہ تعالیٰ کے غیر سے چاہتے تھے اور جو (دم اور تعویذ وغیرہ) اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اور اس کے کلام سے ہو تکلیف آنے سے پہلے اس کا استعمال احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور مصیبت آ جائے یا اس کا خوف ہو دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کی پناہ حاصل کرنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا وہ دم جھاڑ منع ہے جسے وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو جنوں کی تسخیر کا دعویٰ کرتے ہیں وہ مشتبہ کلام لاتے ہیں جو حق و باطل سے مرکب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء مبارکہ کے ذکر میں شیطانوں کا ذکر اور ان سے مدد نیز سرکش جنوں سے پناہ کو خلط ملط کرتے ہیں کہا جاتا ہے کہ سانپ طبعی طور پر انسان کا دشمن ہونے کی وجہ سے شیطانوں کی موافقت کرتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کے دشمن ہیں جب وہ شیطانوں کے ناموں کا منتر سانپ پر پڑھتا ہے تو وہ اس کی بات مان کر اپنی جگہ سے نکلتا ہے اسی طرح جب ڈسے ہوئے پر یہ نام پڑھے جائیں تو انسان کے بدن سے زہر بہنا شروع ہو جاتا ہے اسی طرح وہ دم جھاڑ بھی مکروہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء مبارکہ کا ذکر نہ ہو اور وہ عربی زبان میں نہ ہو جس کا مفہوم سمجھ آتا ہو تا کہ وہ شرک سے بچ سکے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے علاوہ سے دم کرنے کو علماء امت نے مکروہ کہا ہے امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دم جھاڑے کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ الفاظ جن کے ساتھ دورِ جاہلیت میں دم کیا جاتا تھا اور اس کا معنیٰ سمجھ نہ آتا۔ تو اس سے بچنا واجب ہے تا کہ اس میں شرک نہ ہو یا شرک تک نہ پہنچائے۔

(۲) وہ جو اللہ کے کلام اور اس کے اسماء مبارکہ سے ہو یہ جائز ہے اور اگر احادیث سے ثابت ہو تو اچھا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے اسماء کے بغیر کسی بادشاہ یا نیک آدمی یا کسی بڑی مخلوق کے نام سے ہو جیسے عرش ہے تو اس سے بچنا واجب نہیں اور نہ ایسے جائز کلمات جو اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے اور اس کے نام سے برکت حاصل کرنے پر مشتمل ہوں تو اس کا چھوڑنا زیادہ مناسب ہے (واجب نہیں) ہاں جس کے نام سے دم کیا جا رہا ہے اس کی تعظیم کو شامل ہو تو مناسب ہے کہ اس سے بچے جس طرح اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانے سے بچتے ہیں۔

حضرت ربیع فرماتے ہیں: میں نے حضرت شافعی رحمہ اللہ سے دم کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دم کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جو کلمات مشہور ہوں۔

میں نے پوچھا کیا اہلِ کتاب' مسلمانوں کو دم کر سکتے ہیں؟ فرمایا: ہاں جب وہ اس چیز سے دم کریں جسے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے ذکر سے جانتے ہیں۔

''مؤطا میں ہے کہ'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عورت سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دم کرتی تھی' فرمایا: ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دم کرو' امام نووی فرماتے ہیں حضرت قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ یہودی اور نصرانی کے کسی مسلمانوں کو دم کرنے کے سلسلے میں حضرت امام مالک کا قول مختلف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جائز قرار دیا۔

ابن وہب' حضرت مالک سے روایت کرتے ہیں کہ وہ لوہے' نمک اور دھاگہ باندھنے اور وہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی لکھتا ہے' سے دم جھاڑے کو مکروہ قرار دیتے اور فرماتے یہ پہلے لوگوں کے طریقے سے نہیں ہے۔

نظر لگنے کا دم

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

العین حق ولو کان شی سابق القدر لسبقته العین.

نظر لگنا حق ہے اور اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرتی تو نظر لگنا اس سے سبقت کرتی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۸' التمہید ج ۶ ص ۲۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۹۔۳۱۹)

یعنی نظر لگنا ایک ثابت موجود کام ہے اور یہ ایسا عمل ہے جو عملاً ثابت ہو چکا ہے۔

مازری نے کہا جمہور نے اس حدیث کے ظاہر کو اختیار کیا لیکن بدعتیوں کی کچھ جماعتوں نے بلاوجہ اس کا انکار کیا ہے کیونکہ جو کام ذاتی طور پر محال نہ ہو نہ اس سے قلبِ حقیقت ہوتی ہو اور نہ دلیل کا فساد لازم آتا ہو' عقل اسے جائز قرار دیتی ہے۔

پس جب شارع علیہ السلام نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے تو (سوچئے) اس کے انکار اور آپ نے آخرت کے بارے میں جن باتوں کی خبر دی ہے ان کے انکار میں کیا فرق ہوگا؟

سوال: بعض حضرات کے لئے اس کا سمجھنا مشکل ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ نظر کیسے لگ سکتی ہے کہ اس سے اس شخص کو تکلیف پہنچے جسے نظر لگائی گئی ہے؟

جواب: لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں بعض اوقات نظر والے کی آنکھوں سے زہریلا مادہ نکلتا ہے اور ہوا کے ذریعے اس آدمی کے بدن تک پہنچتا ہے' جس کو نظر لگی ہے۔

ایک شخص جس کی نظر لگتی تھی اس سے منقول ہے وہ کہتا ہے جب میں کسی چیز کو دیکھوں اور وہ مجھے پسند آئے تو میں حرارت محسوس کرتا ہوں جو میری آنکھ سے نکلتی ہے اور وہ حیض والی عورت تک پہنچتی ہے وہ اپنا ہاتھ دودھ میں رکھے تو دودھ خراب ہو جاتا ہے اور اگر وہ پاک ہونے کے بعد رکھے تو خراب نہیں ہوتا' اسی سے ہے کہ بعض اوقات آشوبِ چشم والی عورت کی طرف دیکھتا ہوں تو اس کی آنکھ بھی دکھ جاتی ہے۔

مازری نے کہا طبیعات کے ماہرین میں سے بعض نے کہا کہ نظر لگانے والے کی آنکھوں سے ایک زہریلی قوت اٹھتی ہے جو اس شخص تک پہنچتی ہے جس کو نظر لگی ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے اس میں کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے یہ اسی طرح ہے جیسے افعی نامی سانپ کی نظر سے نکلنے والا زہر کسی کو لگ جائے۔

مازری کے کلام میں اس حصر کی ممانعت بھی ہے (یعنی صرف یہی صورت نہیں) اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس صورت کو ممکن بھی قرار دیا ہے اور جو شخص اہل سنت کے طریقے پر چلتا ہے تو وہ یہ ہے کہ نظر لگانے والے کی نظر اس وقت نقصان دیتی ہے جب وہ اس طریقے پر دیکھے جو اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے کہ دوسرے شخص کے مقابل آنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ اس میں نقصان پہنچانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے تو کیا وہاں کوئی جوہر چیز ہے (جو آنکھ سے نکلتی ہے) یا نہیں؟ تو اس بات کا محض احتمال ہوتا ہے اس کے اثبات اور نفی کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔

اور طبیعات والوں میں سے جو شخص اسلام کے حوالے سے قطعیت کے ساتھ یہ بات کہتا ہے کہ وہاں کچھ لطیف جواہر ہیں جو دکھائی نہیں دیتے وہ نظر لگانے والے سے اٹھتے ہیں اور جس کو نظر لگتی ہے اس تک پہنچ کر اس کے جسم کے مساموں میں داخل ہو جاتے ہیں پس اللہ تعالیٰ اس وقت ہلاکت پیدا کرتا ہے جس طرح زہر پیتے وقت ہلاکت آتی ہے۔

تو قطعیت کے ساتھ اس بات کا دعویٰ کرنا غلط ہے لیکن ہو سکتا ہے عادت کے مطابق ایسا ہو لیکن یہ ضروری یا طبیعی بات نہیں۔

یہ درست کلام ہے اور تاثیر سے وہ معنیٰ مراد نہیں جس کی طرف فلاسفہ گئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ایسا طریقہ جاری کرتا ہے کہ نظر لگنے والے کو نقصان ہوتا ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

اکثر من یموت بعد قضاء اللہ وقدرہ بالنفس.

اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے بعد اکثر مرنے والے نظر سے مرتے ہیں۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۹۹' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۲۰۷' الکامل ج ۲ ص ۱۴۴۰' الدر المنثور ج ۶ ص ۲۵۸' الدرر المنتثرۃ رقم الحدیث: ۴۱)

راوی کہتے ہیں نفس سے نظر مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اجسام وارواح میں بہت سی قوتیں اور خواص رکھے ہیں اور یہ اس کی عادت مبارکہ ہے۔

جس طرح حیاء کرنے والے کے چہرے کی طرف دیکھا جائے تو اس کے چہرے پر شرم کی وجہ سے سخت سرخی آ جاتی ہے جو پہلے دکھائی نہیں دیتی۔

اسی طرح خوف کے وقت چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ محض نظر سے بخار کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے اعضاء کمزور پڑ جاتے ہیں اور یہ سب کچھ ان تاثیرات کے واسطے سے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ارواح میں پیدا کی ہیں اور پھر نظر کے ساتھ وہ نہایت سخت طریقے سے مربوط ہو جاتی ہیں اور یہ خود مؤثر نہیں جہاں تک روح کی تاثیر کا تعلق ہے تو ارواح اپنی طبیعتوں' کیفیات اور خواص میں مختلف ہیں ان میں سے بعض بدن میں محض دیکھنے سے اثر کرتی ہیں بدن

کے ساتھ اتصال ہو یا نہ' کیونکہ اس روح میں خباثت بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی کیفیت کا خبث بھی زیادہ ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ تاثیر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور پیدا کرنے سے ہوتی ہے وہ جسمانی اتصال سے خاص نہیں بلکہ بعض اوقات اس کے ذریعے ہوتی ہے اور بعض اوقات مقابلے کے ساتھ' کبھی محض دیکھنے سے اور کبھی روح کی توجہ سے جس طرح دعاؤں' دم اور بارگاہ خداوندی میں التجا سے تاثیر پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کا وقوع وہم وخیال سے ہوتا ہے تو جس کی نظر لگتی ہے اس کی آنکھ سے معنوی تیر نکلتا ہے جو بدن سے ٹکرا جائے تو اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو تو وہ اس میں اثر کرتا ہے ورنہ تیر داخل نہیں ہوتا بلکہ خود اسی شخص کی طرف لوٹتا ہے جس طرح حسی تیر میں ہوتا ہے۔ (یہ تمام گفتگو فتح الباری وغیرہ سے لی گئی ہے)۔

ابن قیم نے کہا غرض یہ ہے کہ اس بیماری کا نبوی علاج کیا جائے تعوذات (وہ کلمات جن کے ذریعے پناہ مانگی جاتی ہے) دم' سورۃ الفلق' اور سورۃ الناس' سورۃ فاتحہ اور آیت کرسی زیادہ سے زیادہ پڑھی جائے۔ اور وہ کلماتِ تعوذ جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں مثلاً:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ۔

میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ کاملہ کے ذریعے ہر زہریلے شیطان اور ہر پہنچنے والی نظر کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔

اور جس طرح یہ کلمات ہیں:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَاَ فِي الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِلَّا طَارِقًا يَّطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمَانُ۔

میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ کاملہ کے ساتھ جن سے کوئی نیک و بد آگے نہیں بڑھ سکتا ہر اس چیز کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ اور اس چیز کے شر سے جو آسمان سے اترتی ہے اور اس کے شر سے جو آسمان کی طرف چڑھتی ہے' اس چیز کے شر سے جو زمین میں پیدا ہوتی اور اس کے شر سے جو زمین سے نکلتی ہے' رات اور دن کے فتنوں کے شر سے اور رات اور دن میں اترنے والی چیزوں کے شر سے مگر وہ جو بھلائی کے ساتھ اترے اے رحمٰن!

جب کسی شخص کو ڈر ہو کہ اس کی نظر لگ جاتی ہے تو اس کے شر کو دور کرنے کے لئے یوں دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْهِ۔

یا اللہ اس شخص کو (جسے نظر لگنے کا ڈر ہے) برکت عطا فرما۔

جس طرح نبی اکرم ﷺ نے حضرت عامر بن ربیعہ سے فرمایا: جب انہوں نے حضرت سہل بن حنیف (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا تو آپ نے فرمایا:

الا برکت علیه

تم نے اس کے لئے برکت کی دعا کیوں نہیں کی؟

"ماشاء الله لا قوة الا بالله" کے الفاظ بھی نظر کے ضرر کو دور کرتے ہیں۔

اسی سے حضرت جبریل علیہ السلام کا دم ہے جو حضور ﷺ کو بتایا تھا جیسا کہ "مسلم شریف میں" اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ.

میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو آپ کو اذیت پہنچائے اور ہر نفس والے اور حاسد آنکھ کے شر سے اللہ آپ کو شفاء دے اللہ کے نام سے میں آپ کو دم کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹؛ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۳؛ مسند احمد ج ۶ ص ۱۶۰؛ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۰؛ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۷۹؛ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۵۲۲)

امام مسلم رحمہ اللہ نے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب علیل ہوتے تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو دم کرتے تھے وہ یہ کلمات پڑھ کر دم کرتے:

بِسْمِ اللّٰهِ يُبْرِيْكَ وَمِنْ كُلِّ دَآءٍ يَشْفِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ عَيْنٍ.

اللہ کے نام سے (دم کرتا ہوں) وہ آپ کو صحت عطا فرمائے ہر بیماری سے شفاء دے ہر حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے جب وہ حسد کرے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے (محفوظ رکھے)۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

العين حق ولو كان شي سابق القدر سبقته العين و اذا استغسلتم فاغسلوا.

نظر برحق ہے اور اگر کوئی تقدیر سے آگے بڑھتی تو نظر آگے بڑھتی اور جب تم سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو غسل کرو۔

(حدیث میں جو امر آیا ہے اس) امر کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ یہ وجوب کے لئے ہے۔ المازری نے اختلاف ذکر کر کے وجوب کو صحیح قرار دیا اور فرمایا: کہ جس کو ہلاکت کا ڈر ہو اور نظر لگانے کا غسل عادتاً شفاء کا باعث ہو تو یہ غسل ضروری ہے جب یہ بات ثابت ہے کہ مجبور شخص جو بھوک سے مر رہا ہو اسے کھانا کھلانا واجب ہے تو (اس شخص کو ہلاکت سے بچانے کے لئے) یہ عمل (غسل) بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں غسل کا طریقہ بیان نہیں ہوا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام احمد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اس میں یہ طریقہ بیان ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۵۰)

(ابوامامہ فرماتے ہیں) ان کے باپ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام بھی آپ کے ہمراہ ایک پانی (چشمے) کی طرف تشریف لے گئے جب جحفہ کے شعب الخرار مقام پر پہنچے تو حضرت سہل بن حنیف نے غسل کیا اور وہ سفید رنگ کے خوبصورت جسم اور خوبصورت جلد والے تھے' حضرت عامر بن ربیعہ نے ان کو دیکھا تو فرمایا میں نے آج کی طرح نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسی پوشیدہ (عمدہ) جلد دیکھی ہے۔ (یہ سنتے ہی) حضرت سہل زمین پر گر پڑے' نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو پوچھا: تم کس پر الزام دیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: حضرت عامر بن ربیعہ کی وجہ سے ہوا آپ نے حضرت عامر کو بلایا اور غصہ فرمایا پھر ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کو کیوں ہلاک کرتا ہے؟ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے وہ چیز دیکھی جس پر تمہیں تعجب ہوا تو تم کہتے یا اللہ! اسے برکت عطا فرما پھر فرمایا: اس کے لئے غسل کرو چنانچہ انہوں نے اپنا چہرہ' ہاتھ' کہنیاں' گھٹنے اور پاؤں کے دونوں طرف ایک برتن میں دھوئے نیز تہبند کے اندر بھی دھویا (استنجاء کیا)۔

پھر ایک شخص نے یہ پانی پیچھے کی طرف کھڑا ہو کر ان کے سر اور پیٹھ پر ڈالا پھر پیالے سے چُلو بھر کر اسی طرح کیا تو حضرت سہل صحابہ کرام کے ساتھ چل پڑے انہیں کوئی تکلیف باقی نہ رہی۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۶۳' المعجم الکبیر ج ۶ ص ۹۷)

مازری فرماتے ہیں تہبند کے اندر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ازار باندھتے ہیں اس کی دائیں جانب مراد ہے وہ فرماتے ہیں بعض حضرات کے نزدیک شرمگاہ سے کنایہ ہے (یعنی استنجاء کیا)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے جو ازار سے ملا ہوا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ازار کی وہ جگہ ہے جو جسم سے ملی ہوتی ہے بعض نے کہا کہ جس جگہ ازار باندھا جاتا ہے وہ مراد ہے میں نے دیکھا کہ ہمارے شیخ حافظ ابوالخیر (محمد بن عبدالرحمٰن) سخاوی رحمہ اللہ کی طرف جو کچھ منسوب ہے اس میں ہے کہ ابن بکیر (یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر مخزومی) نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ اس سے کپڑے کا وہ حصہ مراد ہے جو جسم سے ملا ہوتا ہے۔

ابن اثیر نے ''نہایہ میں'' فرمایا ان لوگوں کی عادت تھی کہ اگر کسی شخص کو کسی دوسرے کی نظر لگ جاتی تو وہ اس شخص کے پاس جس کی نظر لگتی ایک پیالہ لے کر آتا جس میں پانی ہوتا وہ اس میں سے چُلو پانی لے کر کلی کرتا اور وہ پانی پیالے میں ڈال دیتا پھر اس سے منہ دھوتا پھر بایاں ہاتھ داخل کرتا اور دائیں ہاتھ پر پانی ڈالتا پھر دایاں ہاتھ پیالے میں داخل کر کے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتا پھر بایاں ہاتھ داخل کر کے دائیں کہنی پر ڈالتا پھر دایاں ہاتھ داخل کر کے بائیں کہنی پر ڈالتا پھر دایاں ہاتھ داخل کر کے دائیں پاؤں پر ڈالتا پھر دایاں ہاتھ داخل کرتا اور بائیں پاؤں پر پانی ڈالتا پھر بایاں ہاتھ داخل کر کے دائیں گھٹنے پر ڈالتا اور اس کے بعد دایاں ہاتھ داخل کر کے بائیں گھٹنے پر ڈالتا' بعد ازاں تہبند کے اندر سے دھوتا اور پیالہ زمین پر نہ رکھا جاتا۔ اس کے بعد جس آدمی کو نظر لگی ہوتی اس کی پچھلی جانب سے یہ پانی ایک بار اس پر ڈال دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ ٹھیک ہو جاتا۔

مازری نے کہا ہے کہ اس بات کی وجہ اور علت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی لہٰذا یہ اعتراض نہیں کرنا چاہیے کہ اس کا

مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔

ابن عربی نے کہا اگر کوئی شریعت کو ماننے والا شخص اس میں توقف کرے تو ہم اس سے کہیں گے یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں اور میں نے تجربے اور معائنے سے اس کی تصدیق کی ہے اور اگر کوئی فلسفی ہو تو اس کا رد کرنا ظاہر ہے کیونکہ اس کے پاس دوائیاں ہیں جو اثر کرتی ہیں اور ان کو ان کے خواص کہا جاتا حالانکہ ان کے اثرات سمجھ سے باہر ہوتے ہیں۔

ابن قیم نے کہا کہ نظر لگنے کا علاج اور اس سے بچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ جس سے نظر لگنے کا ڈر ہو اس سے اپنے جسم کے حسین حصوں کو چھپایا جائے تا کہ اس پر نظر نہ پڑے اور وہ نظر واپس لوٹ جائے جیسا کہ امام بغوی نے ''شرح السنہ میں'' ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک خوبصورت بچے کو دیکھا تو فرمایا:

دسمو نونته لئلا تصیبه العین. اس کی ٹھوڑی کے گڑھے کو سیاہ کر دو تا کہ اسے نظر نہ لگے۔

پھر امام بغوی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نُونہ کو سیاہ کر دو اور نُونہ چھوٹے بچے کی ٹھوڑی میں بنے ہوئے گڑھے کو کہتے ہیں۔

ابو عبداللہ الساجی نے ذکر کیا کہ وہ حج یا عمرہ کے سلسلے میں ایک خوبصورت اونٹنی پر سفر کر رہے تھے ساتھیوں میں ایک ایسا شخص تھا جس کی نظر لگتی تھی وہ جس چیز کو دیکھتا تباہ کر دیتا تھا۔ تو حضرت ابو عبداللہ سے کہا گیا نظر والے سے اپنی اونٹنی کی حفاظت کیجئے' انہوں نے کہا وہ میری اونٹنی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اس شخص کو یہ بات بتائی گئی تو وہ حضرت ابو عبداللہ کے غائب ہونے کا منتظر رہا جب وہ غائب ہوئے تو وہ ان کے کجاوے کے پاس آیا اور اونٹنی کو دیکھا تو وہ تڑپنے لگی حتیٰ کہ گر گئی۔ حضرت ابو عبداللہ آئے تو ان کو بتایا کہ نظر والے نے اس کو نظر لگائی ہے اور وہ اس حالت میں ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں انہوں نے فرمایا: مجھے اس کے پاس لے جاؤ چنانچہ وہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور یہ الفاظ کہے:

بسم الله حبس حابس وحجر یابس وشهاب قابس ردت عین العائن علیه وعلی احب الناس الیه فارجع البصر هل تری من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وهو حسیر فخرجت حدقتا العائن وقامت الناقة لا بأس بها.

اللہ کے نام سے روکنے والے کا روکنا' خشک پتھر (جو نظر لگانے والے کو لگے) اور ستارہ جو (نظر لگانے والے کو) جلا دے نظر لگانے والے کی نظر اس کی طرف لوٹ جائے اور اس کے محبوب ترین آدمی کی طرف جائے تم نظر اٹھا کر دیکھو کوئی رخنہ نظر آتا ہے پھر دوبارہ نگاہ اٹھاؤ نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی' پس نظر لگانے والے کی آنکھیں نکل آئیں اور اونٹنی کسی خرابی کے بغیر کھڑی ہو گئی۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ جب نظر والے کا علم ہو جائے تو اس سے اعضاء دھلوائے جائیں اور یہ دھونا ایک قسم

کا دم جھاڑا ہے جو نفع بخش ہے اور نظر لگنے کا سبب پسند آنا ہے اگرچہ حسد کے بغیر ہو اور محبت کرنے والے کی طرف سے اور نیک آدمی کی جانب سے ہو نیز جس شخص کو کوئی چیز پسند آئے تو وہ اس شخص کے لئے برکت کی دعا میں جلدی کرے جو اسے پسند آیا ہے اور یہ اس کی طرف سے دم جھاڑا ہو جائے گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نظر بعض اوقات ہلاک کر دیتی ہے۔

نظر لگانے والے کی سزا

اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا نظر لگانے پر قصاص جاری ہوگا یا نہیں؟

امام قرطبی فرماتے ہیں اگر نظر لگانے والا کسی چیز کو ہلاک کرتا ہے تو اس پر اس کا تاوان آئے گا اور اگر اس سے کوئی ہلاک ہو جائے تو اس پر قصاص یا دیت آئے گی جب یہ بات اس سے تکرار کے ساتھ ہو کیونکہ یہ اس کی عادت بن جائے گی اور وہ اس سلسلے میں ان لوگوں کے نزدیک جادوگر کی طرح ہوگا جو اسے بطور کافر (مرتد) قتل نہیں کرتے۔

شافعی مسلک والوں نے اس سلسلے میں قصاص کا ذکر نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس سے منع کیا اور کہا کہ عام طور پر نظر لگنے سے کوئی قتل نہیں ہوتا اور اس کو ہلاک کرنے والا شمار نہیں کیا جاتا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضہ'' میں فرمایا: کہ اس پر دیت اور کفارہ کچھ بھی نہیں کیونکہ حکم عمومی قانون پر مرتب ہوتا ہے اس پر نہیں جو بعض لوگوں کے ساتھ خاص ہو اور بعض حالات میں اس پر کوئی انضباطی کارروائی نہیں ہوتی یہ کیسے ہوگا جب کہ اس سے اصلاً کوئی فعل صادر نہیں ہوگا۔

زیادہ سے زیادہ یہ حسد ہوگا اور وہ اس سے نعمت کے زوال کی تمنا کرے گا نیز نظر لگنے سے جو بات پیدا ہوئی وہ اس شخص کے لئے مکروہ ہے اور یہ مکروہ (ناپسندیدہ) عمل زوالِ حیات کے لئے متعین نہیں ہے اور بعض اوقات یہ بات نظر کے اثر کے بغیر بھی پیدا ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر جادوگر کو قتل کرنے والا حکم نافذ کیا جائے کیونکہ یہ اس کے معنیٰ میں ہے اور دونوں میں فرق کرنا مشکل ہے۔

ابن بطال نے بعض اہلِ علم حضرات سے نقل کیا کہ حکمران کو چاہیے کہ جب اسے یہ بات معلوم ہو تو وہ نظر لگانے والے کو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کرے اور اسے گھر میں رہنے کا پابند کرے اور اگر وہ محتاج ہو تو حسب ضرورت اسے رزق مہیا کرے کیونکہ اس کا ضرر کوڑھ کے مریض کے ضرر سے زیادہ سخت ہے جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ میل جول سے منع فرمایا تھا۔ نیز لہسن کے ضرر سے بھی زیادہ ہے اور لہسن کھانے والے کو نماز باجماعت میں حاضری سے منع کر دیا گیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قول صحیح متعین ہے اور کسی سے اس کے خلاف کوئی بات معروف نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے کلماتِ دم جن سے دم فرمایا کرتے تھے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہما' حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوحمزہ! مجھے تکلیف ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے ان کلمات کے ساتھ دم نہ کروں جن (کلمات) کے ساتھ نبی اکرم ﷺ دم کیا کرتے تھے' انہوں نے فرمایا: جی ہاں

مجھے دم کیجئے تو انہوں نے یوں دم کیا:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْھِبَ الْبَاْسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شَافِیَ اِلَّآ اَنْتَ شِفَآءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا. اے اللہ! لوگوں کے رب تکلیف کو لے جانے والے شفاء عطا فرما تو شفاء دینے والا ہے تیرے سوا کوئی شفاء دینے والا نہیں ایسی شفاء عطا فرما جو بیماری کو باقی نہ چھوڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۶۸۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۶۷)

"مذھب الباس" میں اصل ہمزہ تھا جس کو "الناس" کی موافقت میں الف سے بدل دیا "لا شافی الا انت" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوائی اور علاج میں سے کوئی چیز تقدیر کے موافق ہوگی تو فائدہ ہوگا ورنہ نہیں "لا یغادر"۔ غین (نقطے والی) کے ساتھ یعنی نہ چھوڑے۔

"صحیح بخاری میں" ہے حضرت مسروق' حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے اہل میں سے کسی کی بیمار پرسی کرتے تو اپنا ہاتھ اس (تکلیف والی جگہ) پر رکھتے اور فرماتے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْھِبِ الْبَاْسَ وَاشْفِہٖ وَاَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآؤُکَ شِفَآءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا. یا اللہ! انسانوں کے رب تکلیف کو دور کر دے اور اس کو شفاء عطا فرما تو شفاء دینے والا ہے تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں ایسی شفاء عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

"یمسح بیدہ" کا مطلب یہ ہے کہ درد والی جگہ پر ہاتھ مبارک رکھتے۔ "الا شفاؤک" مرفوع ہے "لا شفاء" کے محل سے بدل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دم کرتے ہوئے یوں فرماتے:

امسح الباس رب الناس بیدک الشفاء لا کاشف لہ الا انت. اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دے تیرے ہاتھ میں شفاء ہے اور اس تکلیف کو صرف تو ہی دور کر سکتا ہے۔

"صحیح مسلم میں" حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے بارگاہ نبوی میں اپنے جسم میں پائی جانے والی تکلیف کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جسم میں جس جگہ تکلیف ہو وہاں اپنا ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھو اور سات مرتبہ یہ کلمات کہو:

اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَآ اَجِدُ وَاُحَاذِرُ. اللہ تعالیٰ کی عزت و قدرت کی پناہ ہر اس شر سے جو میں پاتا ہوں اور جس کا مجھے ڈر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷' شرح السنہ ج ۵ ص ۲۲۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۷' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۰۵' مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۵۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۷۴)

ان کلمات کے تکرار کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ فائدہ حاصل ہو جس طرح فاسد مادہ کو نکالنے کے لئے بار بار دوائی استعمال کی جاتی ہے۔

خوف اور بے خوابی کا نبوی علاج

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد (بن ولید) رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ بے خوابی کی وجہ سے میں رات کو سو نہیں سکتا تو آپ نے فرمایا: جب اپنے بستر پر جاؤ تو یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ وَمَآ اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَآ اَضَلَّتْ کُنْ لِّیْ جَارًا مِّنْ شَرِّ خَلْقِکَ کُلِّھِمْ جَمِیْعًا اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ مِّنْھُمْ اَوْ یَبْغِیَ عَلَیَّ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَآؤُکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ۔

اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور جس پر وہ سایہ فگن ہیں کے رب! ساتوں زمینوں اور جو کچھ انہوں نے اٹھایا ہوا ہے کے رب! شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا' کے رب! اپنی تمام مخلوق سے مجھے پناہ دے تاکہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی یا سرکشی نہ کرے تیری پناہ غالب ہے اور تیری ثناء بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۳' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۱۳۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ص ۳۲۹' الترغیب والترہیب ج ۲ص ۴۵۷)

مصیبت کی گرمی کا ''رجوع الی اللہ'' کی ٹھنڈک سے نبوی علاج

مسند میں مرفوع حدیث ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو مصیبت پہنچے وہ یوں کہے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔

بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے یا اللہ تعالیٰ اس مصیبت کا مجھے اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل مرحمت فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹۸' مسند احمد ج ۳ص ۳۲۱' التمہید ج ۳ص ۱۸۰)

تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت کا اجر عطا فرماتا ہے اور اسے اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔[1]

(ابن قیم نے) ''الہدی النبوی میں'' کہا ہے کہ یہ کلمہ مصیبت زدہ کے علاج کے لئے دنیا و آخرت کے اعتبار سے زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ یہ دو بنیادی باتوں پر مشتمل ہے جب بندہ ان کی معرفت حاصل کرتا ہے تو اسے مصیبت سے تسلی ہو جاتی ہے ایک بات یہ ہے کہ بندہ اور اس کے اہل و مال کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بندے کو عاریتاً (بطور ادھار) عطا فرمایا پس جب وہ اس سے واپس لیتا ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے ادھار دینے والا اپنی چیز ادھار لینے والے سے واپس لیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بندے کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوتا ہے اور وہ لازماً دنیا کو پیٹھ کے پیچھے ڈال کر اپنے رب کے پاس تنہا آتا ہے۔ جس طرح اسے پہلی مرتبہ اہل و مال اور خاندان کے بغیر تنہا پیدا کیا۔

البتہ وہ نیکی اور برائی کے ساتھ آتا ہے پس جب بندے کی ابتدا و انتہا یہ ہے تو وہ موجود چیز پر کس طرح خوش ہوتا ہے یا

[1] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو میں نے سوچا ابوسلمہ سے بہتر کون ہوگا؟ وہ پہلے مہاجرین میں سے ہیں لیکن پھر بھی میں نے یہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر یعنی حضور ﷺ مجھے عطا فرمائے۔ (زرقانی ج ۷ص ۸۳)

کسی چیز کے نہ پانے پر افسوس کیوں کرتا ہے؟ پس اس بیماری کا سب سے بڑا علاج اپنے آغاز وانجام میں غور وفکر کرنا ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ مصیبت کی آگ کو مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ کر تسلی حاصل کرے اور اس ٹھنڈک سے بجھائے اور اگر وہ دنیا میں غور وفکر کرے تو ہر شخص کو کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا دیکھے گا چاہے محبوب کا نہ ملنا ہو یا کوئی مکروہ بات پہنچے اور دنیا کا سرور ایک خواب ہے یا زائل ہونے والا سایہ ہے۔ اگر تھوڑا ہنساتا ہے تو زیادہ رُلاتا ہے اگر ایک دن خوش رکھتا ہے تو زمانہ بھر پریشان رکھتا ہے اگر تھوڑا نفع دیتا ہے تو زیادہ عرصہ اس سے روکے رکھتا ہے' اگر کوئی نعمتوں سے بھرتا ہے تو آنسوؤں سے بھی بھرتا ہے ایک دن سُرور حاصل ہوتا ہے تو اس میں شر والا دن بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لکل فرحة ترحة وما ملیء بیت فرحا الا ملیء ترحا.

ہر خوشی کے مقابلے میں ایک غم ہے اور جو گھر فرحت و سرور سے بھرتا ہے وہ غم سے بھی بھر جاتا ہے۔

غموں کا علاج اپنے رب کی طرف توجہ سے کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ غم اور دکھ کے وقت یوں فرماتے ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۴۵۔۶۳۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۰)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عظمت والا' بردبار ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عرش عظیم کا رب ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آسمانوں کا رب اور عرشِ کریم کا رب ہے۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ پریشانی کے وقت ان کلمات کو پڑھتے اور ان کے ساتھ دعا مانگتے تھے۔

ان کے نزدیک یہ بھی ہے ''کان اذا حزبه امر یعنی جب کسی بات کا غلبہ ہوتا''۔ طبری نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ آپ ﷺ (ان کلمات کے ساتھ) دعا مانگتے تھے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تعظیم کرنا تھا جس میں دو باتوں کا احتمال ہے۔

ایک بات یہ کہ دعا سے پہلے یہ کلمات پڑھتے تھے جس طرح عبد بن حمید کے نزدیک ہے کہ ''جب آپ کو کوئی عمل پیش آتا تو یہ منقول ذکر کرتے'' اور یہ اضافہ کیا کہ پھر دعا مانگتے۔

طبری نے کہا اس بات کی تائید حضرت اعمش کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت ابراہیم سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جب ثناء سے پہلے دعا مانگے تو صرف امید ہوتی ہے۔

دوسرا احتمال ابن عیینہ نے بطور جواب فرمایا ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جس میں یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ عرفات میں عام طور پر یہ کلمات پڑھتے۔

''لا اله الا الله وحده لا شریک'' حضرت سفیان فرماتے ہیں یہ کلماتِ ذکر ہیں ان میں دعا نہیں ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب عز وجل سے یوں نقل کیا:

من شغلہ ذکری عن مسالتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین.

جس شخص کو میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھے میں اسے مانگنے والوں سے افضل دیتا ہوں۔

امیہ بن ابی الصلت نے حضرت عبداللہ بن جدعان کی تعریف میں کہا:

أ اذکر حاجتی ام قد کفانی حیاؤک ان شیمتک الحیاء

اذا اثنی علیک المرء یوما کفاہ من تعرضک الثناء

''کیا میں اپنی حاجت کا ذکر کروں یا مجھے تمہارا حیاء کافی ہے تمہاری فطرت میں حیا شامل ہے۔ جب کوئی شخص کسی دن تمہاری تعریف کرے تو اس کے لئے تیری تعریف سے اعراض کرنے کی جگہ یہ کافی ہے''۔

یہ تو مخلوق ہے کہ جب کرم کی طرف منسوب کیا تو سوال کی جگہ ثناء پر اکتفا کیا تو خالق کا معاملہ کیا ہوگا؟

جیسا کہ ابن قیم نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت پر مشتمل ہے نیز اس میں رب سبحانہ وتعالیٰ کا وصف عظمت اور حلم (بردباری) بیان کیا اور یہ دو صفات قدرت' رحمت' احسان اور درگزر کرنے میں کمال نیز اس کی صفت ربوبیت میں کمال کو مستلزم ہیں جو ربوبیت عالم علوی' عالم سفلی اور عرش کو شامل ہے اور عرش تمام مخلوق کی چھت اور سب سے بڑی مخلوق ہے اور ربوبیت تامہ اس کی توحید کو مستلزم ہے اور وہی ذات ہے کہ عبادت' محبت' خوف' امید' تعظیم واطاعت صرف اسی کے لئے ہے (حقیقی طور پر اسی کے لئے ہے ورنہ عبادت کے علاوہ باقی کام مخلوق کے لئے بھی ہیں۔ ۱۲ ہزاروی)۔

اور اس کی عظمت مطلقہ اس بات کو مستلزم ہے کہ تمام کمال اسی کے لئے ہے اور ہر نقص کی نیز اس کے مثل ہونے کی نفی ہے۔ اس کا حلم (بردباری) اس بات کو مستلزم ہے کہ مخلوق پر اس کی رحمت اور احسان کامل ہے پس دل میں اس بات کا علم اور معرفت اس کی محبت' تعظیم اور توحید کو لازم کرتا ہے اور اس سے خوشی' لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے جس سے تکلیف' پریشانی اور غم کی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

تم مریض کو کیسا پاتے ہو جب اس کو خوشی کی خبر پہنچتی ہے یا ایسی چیز جو اس کی تقویت کا باعث ہو تو حسی مرض کے دور کرنے پر اس کی طبیعت کو کس طرح قوت حاصل ہوتی ہے؟ پس دل کے لئے اس شفاء کا حصول کس قدر لائق ہے پھر جب تم تکلیف کی تنگی اور ان اوصاف کے درمیان مقابلہ کرو جو اوصاف اس حدیث میں بیان ہوئے ہیں تو اس تنگی کو دور کرنے کے لئے انتہائی مناسبت پاؤ گے اور تکلیف اس تنگی سے سرور اور تازگی کی وسعت کی طرف چلی جاتی ہے لیکن ان امور کی تصدیق وہی کرتا ہے جس میں ان کے انوار چمکتے ہوں اور دل کا حقائق سے رابطہ ہو جائے۔

ابن بطال نے کہا مجھ سے ابوبکر رازی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: میں اصفہان میں ابونعیم کے پاس تھا تو ان کے شیخ نے ان سے کہا کہ ابوبکر بن علی کو بادشاہ کے پاس لے جا کر قید کر دیا گیا پس میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب تھے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں اپنے ہونٹوں کو ہلا رہے تھے اور اس میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے' نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کہ حضرت ابوبکر بن علی رضی اللہ عنہ سے کہو کہ تکلیف کے ازالے سے متعلق وہ دعا پڑھیں'' جو صحیح بخاری میں ہے'' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ پریشانی دور کر دے وہ فرماتے ہیں صبح ہوئی تو میں نے ان کو خبر دی چنانچہ انہوں نے وہ دعا مانگی تو زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ ان کو جیل سے رہائی مل گئی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام نسائی نے نقل کیا اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا اس میں آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے یہ (درج ذیل) کلمات سکھائے اور فرمایا: کہ اگر مجھے کوئی تکلیف یا شدت پہنچے تو ان کلمات کو پڑھوں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْكَرِيْمُ الْعَظِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ کرم والا' عظمت والا ہے اللہ پاک ہے اللہ تعالیٰ برکت والا ہے عرش عظیم کا مالک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ایک روایت میں ''الکریم العظیم'' کی جگہ ''الحلیم الکریم'' ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهُ الْعَلِيْمُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں وہ جاننے والا بلند عظمت والا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ بردبار کرم والا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بردبار کرم والا ہے وہ پاک برکت والا' بلندی اور عرش عظیم کا رب ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

یہ تمام روایات امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھاتے اور یہ الفاظ پڑھتے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

عظمت والا اللہ پاک ہے۔

اور جب دعا میں خوب کوشش فرماتے تو یوں کہتے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ.

اے زندہ! دوسروں کو قائم رکھنے والے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی مشکل درپیش ہوتی تو آپ یہ کلمات پڑھتے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِكَ اَسْتَغِيْثُ.

اے زندہ! دوسروں کو قائم رکھنے والے میں تیرے نام سے مدد طلب کرتا ہوں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث :۳۵۲۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۶۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث :۲۴۵۴' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۵۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۹۸_۳۹۱۸_۱۸۰۰۴)

علامہ ابن قیم نے کہا کہ اس قسم کی بیماری (پریشانی) کو دور کرنے کے لئے ''**یاحی یا قیوم برحمتک استغیث**'' کے الفاظ عجیب مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت حیات تمام صفات کمال کو متضمن ہے اور ان کو مستلزم ہے اور صفت قیومیّت تمام صفات افعال کو متضمن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جس کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے' مانگا جائے تو دیا جاتا ہے وہ ''الحی القیوم'' ہے۔

اور حیاتِ کاملہ تمام تکالیف اور بیماریوں کی ضد ہے اسی لئے جب اہلِ جنت کی حیاتِ کامل ہو جائے گی تو انہیں کوئی پریشانی' غم اور کسی قسم کی آفت نہیں ہوگی۔

پس صفت حیات اور صفت قیومیّت کے توسل سے دعا مانگنے میں اس بات کو زائل کرنے کی تاثیر ہے جو زندگی کے خلاف ہو اور افعال میں نقصان پیدا کرے۔

اسی لئے ''الحی القیوم'' میں دعاؤں کی قبولیت اور تکالیف کے ازالے میں عظیم تاثیر ہے جو اس مقصد کے ساتھ خاص ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ دعا میں خوب کوشش کے وقت ''یاحی یا قیوم'' پڑھتے تھے۔

''سنن ابوداؤد میں'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پریشانی میں مبتلا آدمی کی دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِیْٓ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَّاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ.

یااللہ! میں صرف تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے تمام کاموں کو درست فرمادے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث :۵۰۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۴۲' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث :۲۴۴۷' کنز العمال رقم الحدیث :۳۴۲۲)

جیسا کہ ''زاد المعاد میں'' (ابن قیم نے) کہا کہ اس دعا میں امید کو اس ذات سے وابستہ کیا گیا کہ تمام بھلائی جس کے قبضۂ قدرت میں ہے صرف اسی پر اعتماد اور اسی کی طرف تمام امور کو پھیرنے کا ذکر ہے اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا کہ وہ تمام کام درست کردے اور (دعا کرنے والے کو) نفس کے سپرد نہ کرے نیز اس کی توحید کا توسل وغیرہ ایسے امور ہیں جو اس پریشانی کو دور کرنے کی تاثیر رکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے امام ابوداؤد نے ہی مرفوعاً نقل کیا تکلیف کے وقت کے لئے دعائیہ کلمات اس طرح ہیں:

اَللّٰہُ رَبِّیْ لَآ اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا.

اللہ تعالیٰ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

''مسند احمد میں'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

آپ نے فرمایا: جو شخص کسی غم کے پہنچنے پر درج ذیل کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کا غم اور پریشانی لے جاتا ہے اور اس کی جگہ فرحت و سرور عطا فرماتا ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ اَعْلَمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَذِهَابَ هَمِّيْ.

یا اللہ! میں تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا اور تیری بندی کا بیٹا ہوں میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے میرے بارے میں تیرا حکم نافذ ہونے والا اور تیرا فیصلہ انصاف پر مبنی ہے میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنی ذات کا نام رکھا یا اپنی کتاب میں نازل کیا یا مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا اس علم غیب میں ہے جو تیرے پاس ہے تو نے اس کو ترجیح دی' کہ تو قرآن مجید کو میرے دل کی بہار' میرے سینے کا نور' میرے غم کا ازالہ' اور میری پریشانی کو لے جانے والا بنادے۔

(مسند احمد ج۱ص ۳۹۱۔۴۵۲۔ المستدرک ج۱ص ۵۰۹' الدرالمنثور ج۳ص ۱۴۹' موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۳۷۲' مجمع الزوائد ج۱۰ص ۱۷۶' المغنی ج۱ص ۳۲۹' اتحاف السادۃ المتقین ج۵ص ۱۰۵' المعجم الکبیر ج۱۰ص ۲۱۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۳۶۔۳۴۳۵)

اس دعا کو یہ مرتبہ اس وجہ سے حاصل ہوا کہ یہ دعا کرنے والے کے بندہ ہونے اور اس کے ماں باپ کے بندگانِ خدا ہونے کے اقرار پر مشتمل ہے اور یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جدھر چاہے اسے پھیر دے نیز تقدیر کا اثبات ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بندے میں نافذ ہوتے اور اس میں جاری ہوتے ہیں اس سے جدائی نہیں ہوئی۔ اور نہ ان کو دور کرنے کے لئے کوئی حیلہ ہو سکتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں عدل فرمایا وہ اپنے بندے پر ظلم نہیں کرتا پھر اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کو وسیلہ بنایا جو اسماء اس نے خود مقرر فرمائے ان میں سے کچھ کا علم بندے کو دیا اور بعض اسماء کو وہ نہیں جانتے اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس کے پاس پردۂ غیب میں ہیں ان پر کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کو آگاہ نہیں فرمایا۔

اور یہ وسیلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا اور محبوب ترین وسیلہ ہے اور حصول مطلوب کے زیادہ قریب کرنے والا ہے۔

پھر اس کا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو اس کے دل کے لئے چراگاہ بنادے یعنی جس طرح حیوانات کے چرنے کے لئے چراگاہ ہوتی ہے اور اس کے سینے کے لئے ایسا نور بنادے جو اس نور کی طرح ہو جو زندگی کا مادہ ہے اور اس کے ساتھ بندوں کی زندگی مکمل ہوتی ہے نیز اس کو اس کے غم کے لئے شفاء بنادے پس وہ اس دوائی کی طرح ہو جائے جس سے بیماری کا خاتمہ ہوتا ہے اور بدن' صحت و اعتدال کی طرف لوٹتا ہے اسی طرح اس کے غم کے لئے ایسی چمک دے جیسے اور زنگوں کو دور کر کے چمک پیدا کرنے والی چیز ہوتی ہے۔ (القاموس المحیط ج۳ص ۶۰)

تو جب بیمار آدمی اس دوا کے استعمال میں سچا ہو تو اس کے بعد مکمل شفاء آتی ہے۔

''سنن ابوداؤد میں'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ایک دن نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو انصار میں سے ایک شخص جس کا نام ابوامامہ تھا' مسجد میں موجود تھا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوامامہ! یہ نماز کا وقت نہیں تو کیا وجہ ہے میں تمہیں اس وقت یہاں دیکھ رہا ہوں؟

اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے غموں اور قرضوں نے گھیر رکھا ہے آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا کلام نہ سکھاؤں کہ جب تم کہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے غموں اور دکھوں کو لے جائے اور تمہارا قرض بھی ادا ہو جائے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! بتایئے آپ نے فرمایا: صبح وشام یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡٓ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡھَمِّ وَالۡحُزۡنِ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡعِجۡزِ وَالۡکَسَلِ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡجُبۡنِ وَالۡبُخۡلِ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ غَلَبَۃِ الدَّیۡنِ وَقَھۡرِ الرِّجَالِ.

یا اللہ! میں اس پریشانی اور غم سے تیری پناہ چاہتا ہوں' عاجزی اور سستی سے تیری پناہ چاہتا ہوں' بزدلی اور کنجوسی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور قرض کے غلبہ اور لوگوں کے غالب آنے سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

وہ فرماتے ہیں میں نے یہ عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری پریشانی کو زائل کر دیا اور میرا قرض بھی ادا ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۵۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۰۰)

یہ حدیث آٹھ باتوں سے پناہ کو شامل ہے ان میں سے ہر دو ایک دوسرے کے قریب اور باہم ملی ہوتی ہیں ''الھم اور الحزن'' (پریشانی اور غم) آپس میں ہم جنس ہیں۔ ''العجز اور الکسل'' (عاجزی اور سستی) ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں ''الجبن اور البخل'' (بزدلی اور کنجوسی) کا باہم تعلق ہے ''غلبۃ الدین اور قھر الرجال'' (قرض کا بوجھ اور لوگوں کا غلبہ) ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ پس ہر شر سے پناہ کی طلب پائی گئی۔

''سنن ابوداؤد میں'' ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من لزم الاستغفار جعل اللہ لہ من کل ھم فرجا و من کل ضیق مخرجا و رزقہ من حیث لا یحتسب. (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۷' عمل الیوم واللیل رقم الحدیث: ۳۳۸)

جو شخص ہمیشہ استغفار کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر پریشانی سے کشادگی اور ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جس جگہ کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

طلبِ مغفرت' غم اور تنگی کو دور کرنے میں مؤثر ہے کیونکہ تمام ادیان والے اور ہر ملت کے عقل مند لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ گناہ اور فساد سے پریشانی' غم' سینے کی تنگی اور دل کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور جب دلوں میں گناہوں کی یہ تاثیر ہے تو اس کا علاج صرف توبہ اور استغفار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس شخص کی پریشانی زیادہ ہو وہ ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' کثرت سے پڑھے۔

صحیحین میں ثابت ہے کہ یہ کلمہ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ اور

"جامع ترمذی میں ہے کہ" یہ کلمات جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں۔

بعض آثار (احادیث) میں ہے کہ آسمان سے جو فرشتہ اترتا یا اوپر جاتا ہے وہ "لاحول ولا قوة الا بالله" کے ذریعے جاتا ہے۔ امام طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب بھی کوئی پریشانی ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام کی شبیہ میرے سامنے آئی اور انہوں نے کہا: اے محمد ﷺ! یوں کہیں:

تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوْتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا.

میں نے اس زندہ ذات پر بھروسہ کیا جس کے لئے موت نہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اولاد اختیار نہیں کی اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے لئے ذلت نہیں کہ کوئی مددگار ہو اور اس کی بڑائی خوب بیان کرو۔

ابن السنی کی کتاب میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: جو شخص پریشانی کے وقت آیت الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات (لله ما فی السموت سے آخر تک) پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔

اسی کتاب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے' فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جو پریشان حال اس کو پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور کر دیتا ہے' وہ کلمہ میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام کا کلمہ ہے جو اس طرح ہے:

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ.

انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ (یا اللہ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے' بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔

"جامع ترمذی میں ہے کہ" جو شخص ان کلمات کے ساتھ دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

امام دیلمی نے "مسند الفردوس میں" حضرت جعفر بن محمد (حضرت امام جعفر صادق) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو آپ یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِيْ بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَا تَنَامُ' وَاكْنُفْنِيْ بِكَنَفِكَ الَّذِيْ لَا يُرَامُ' وَارْحَمْنِيْ بِقُدْرَتِكَ عَلَيَّ فَلَا اَهْلِكَ وَاَنْتَ رَجَائِيْ' فَكَمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ قَلَّ لَكَ بِهَا شُكْرِيْ'

یا اللہ! اپنی نگاہ سے میری حفاظت کر جو سوتی نہیں اپنا خصوصی سایہ عنایت فرما جس کا قصد نہیں کیا جا سکتا اپنی قدرت سے مجھ پر رحم فرما پس میں ہلاک نہ ہوں جب کہ تو میری امید گاہ ہے تو نے مجھ پر کس قدر انعام کیا لیکن میں

وَكَمْ مِنْ بَلِيَّةٍ اِبْتَلَيْتَنِيْ بِهَا قَلَّ لَكَ بِهَا صَبْرِيْ، فَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهٖ شُكْرِيْ فَلَمْ يَحْرِمْنِيْ، وَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلِيَّتِهٖ صَبْرِيْ فَلَمْ يَخْذُلْنِيْ، وَيَا مَنْ رَآنِيْ عَلَى الْخَطَايَا فَلَمْ يُفْضِحْنِيْ، يَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِيْ لَا يَنْقَضِيْ اَبَدًا، وَيَا ذَا النِّعْمَةِ الَّتِيْ لَا تُحْصٰى عَدَدًا، اَسْاَلُكَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَبِكَ اَدْرَاُ فِيْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى دِيْنِيْ بِالدُّنْيَا، وَعَلٰى اٰخِرَتِيْ بِالتَّقْوٰى وَاحْفَظْنِيْ فِيْمَا غِبْتُ عَنْهُ، وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ فِيْمَا حَظَرْتَهٗ عَلَيَّ، يَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ، وَلَا يَنْقُصُهُ الْعَفْوُ، هَبْ لِيْ مَا لَا يَنْقُصُكَ، وَاغْفِرْ لِيْ مَا لَا يَضُرُّكَ، اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ، اَسْاَلُكَ فَرَجًا قَرِيْبًا وَّصَبْرًا جَمِيْلًا، وَّرِزْقًا وَّاسِعًا، وَّالْعَافِيَةَ مِنَ الْبَلَايَا، وَشُكْرَ الْعَافِيَةِ۔

اس کا شکر ادا نہ کر سکا تو نے بار ہا مجھے آزمائش میں ڈالا لیکن میرا صبر کم ہو گیا اے وہ ذات! کہ جس کی نعمت پر میرا شکر بہت کم ہے مجھے محروم نہ کرنا اے وہ ذات! جس کی آزمائش کے وقت میرا صبر کم ہوتا ہے لیکن مجھے ذلیل و رسوا نہ کیا اے وہ ذات! جس نے مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھا لیکن مجھے ذلیل و رسوا نہ کیا اے ایسی بھلائی والے! جو کبھی ختم نہیں ہوتی اور ایسی نعمتوں والے! جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرمائیں تیرے نام سے سرکش متکبر لوگوں سے اپنا دفاع کرتا ہوں' یا اللہ! دنیا کے ذریعے دین پر میری مدد فرما اور تقویٰ کے ذریعے میری آخرت پر مدد فرما اس میں میری حفاظت فرما جس سے میں غائب ہو جاؤں اور جس کام سے تو نے مجھے روکا ہے اس میں مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اے وہ ذات! جسے گناہ نقصان نہیں پہنچاتے اور معاف کرنے سے اس کے لئے کوئی خرابی نہیں مجھے وہ چیز عطا فرما جس کے عطا کرنے سے تجھے کوئی نقصان نہیں اور مجھے بخش دے اس سے تجھے ضرر نہیں پہنچتا بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے میں تجھ سے قریب کی کشادگی اور صبر جمیل' وسیع رزق اور آزمائشوں اور مصیبتوں سے عافیت اور عافیت پر شکر کا سوال کرتا ہوں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں تجھ سے عافیت پر شکر کا سوال کرتا ہوں اور لوگوں سے بے نیازی کا بھی سوال کرتا ہوں اور نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے جو بہت بلند' بڑی عظمت والا ہے۔

فقر کی بیماری کا نبوی علاج

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! دنیا نے مجھ سے پیٹھ پھیر لی اور وہ پھر گئی آپ نے فرمایا: تم فرشتوں کی صلوٰۃ اور مخلوق کی تسبیح سے کہاں (غافل) ہو اور اسی کی وجہ سے ان کو رزق ملتا ہے (یعنی تم یہ کلمات) طلوع فجر کے وقت ایک سو بار پڑھو دنیا ذلیل ہو کر تمہارے پاس آئے گی:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتا

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ. ہوں اللہ تعالیٰ عظمت والا پاک ہے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

وہ شخص چلا گیا کچھ عرصہ ٹھہر کر دوبارہ آیا تو عرض کیا یا رسول اللہ! دنیا میری طرف متوجہ ہوگئی ہے پس مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں اسے کہاں رکھوں؟

یہ روایت خطیب نے اپنی کتاب ''رواۃ مالک'' میں نقل کی (اس کتاب میں انہوں نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے راویوں کا تذکرہ کیا ہے)۔

جلنے والے کا نبوی علاج

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہم) وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا رایتم الحریق فکبروا فان التکبیر یطفئه. جب تم کسی جلنے والے کو دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ تکبیر اسے بجھا دیتی ہے (یعنی اللہ اکبر کہو)۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۹۳' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۴۲۴' الکامل فی الضعفاء ج ۵ ص ۶۵ ۱۷۔ ج ۴ ص ۱۴۶۹' عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۲۸۹۔۲۹۲' میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۴۵۳۰)

حکمت

اگر تم کہو کہ تکبیر کے ذریعے آگ کو بجھانے کی کیا حکمت ہے؟ تو صاحبِ زاد المعاد نے اس کا یوں جواب دیا ہے کہ جب جلنے کا سبب آگ ہے اور یہ شیطان کا مادہ ہے جس سے اسے پیدا کیا گیا اور اس میں عام فساد ہے جو شیطان کے مادہ اور اس کے فعل کے مناسب ہے اور شیطان کے لئے اس پر مدد اور اس کو نافذ کرنا ہے اور آگ فطری طور پر بلندی اور فساد کو چاہتی ہے اور یہ دونوں شیطان کے راستے ہیں جن کی طرف وہ دعوت دیتا ہے اور ان دونوں میں انسان کی ہلاکت ہے پس آگ اور شیطان دونوں زمین پر بلندی اور فساد کا ارادہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا شیطان اور اس کے فعل کو مٹاتا ہے اسی لئے آگ کو بجھانے میں اللہ تعالیٰ کی تکبیر کا اثر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ پس جب مسلمان اپنے رب کی بڑائی بیان کرتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہتا ہے تو اس کی بڑائی آگ کو بجھانے میں مؤثر ہوتی ہے جو شیطانی مادہ ہے۔ ہم نے اور ہمارے علاوہ لوگوں نے اس طرح اس کا تجربہ کیا ہے۔

میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے ۸۹۵ھ میں مدینہ طیبہ میں اس کا تجربہ کیا تو اس کا بہت بڑا اثر پایا جو کسی دوسری بات میں نہیں پایا۔

مدینہ طیبہ میں جب ۸۸۶ھ میں آگ لگی تو پرندے دیکھے گئے جو تکبیر کہتے تھے اور یہ بات مشہور ہے اسی سلسلے میں قاضی القضاۃ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ نے یہ اشعار کہے ہیں:

فظن کل بان النار تحرقه فما تری من جواها غیر منهزم

فجاءت الطیر روتها بأجنحة عن البیوت رأها غیر متهم

''ہر ایک نے خیال کیا کہ آگ اسے جلادے گی تو اس فضاء میں بھاگنے والوں کے سوا کسی کو نہ دیکھتا۔
پس پرندے آئے اور انہوں نے اپنے پروں سے اس آگ کو گھروں سے دور کردیا اس کو دیکھا جس پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی''۔

ایک دوسرے قصیدے میں یوں کہا:

فکل شخص تولی خائفا حذرا فجاء ت الطیر للنیران تطردھا

عن البیوت و لا یخفی لمن بصرا

''ہر شخص ڈرتے ہوئے بچاؤ کی خاطر پھر گیا تو پرندے آئے اور انہوں نے آگ کو گھروں سے دور پھینک دیا اور جس نے دیکھا اس پر مخفی نہیں''۔

مرگی والے کا طب نبوی سے علاج

''صحیح بخاری و مسلم میں'' ہے کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس نے عرض کیا مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہوجاتی ہوں آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا کریں آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہارے لئے جنت ہو اور اگر چاہو تو میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں کہ وہ تمہیں عافیت عطا فرمائے؟ اس نے کہا: میں صبر کروں گی پھر کہا میرا پردہ کھل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میرا ستر نہ کھلے تو آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٥٦٥٢، صحیح مسلم رقم الحدیث:٦٧٥٢)

ابن قیم نے کہا مرگی کا دورہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) زمینی خبیث روحوں کی طرف سے ہوتا ہے۔

(۲) جسم میں برے اخلاط کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دوسری قسم کے دورے میں طبیب لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں۔

جہاں تک روحانی دورے کے علاج کا تعلق ہے تو وہ دو باتوں سے ہوتا ہے۔

ایک بات کا تعلق اس شخص سے ہوتا ہے جس کو یہ دورہ پڑا ہے اور دوسری بات علاج کرنے والے سے تعلق رکھتی ہے جو بات بیمار سے متعلق ہے تو وہ اس کی قوتِ نفس اور ان ارواح کو پیدا کرنے والے کی طرف سچی توجہ سے ہوتی ہے اور صحیح طور پر پناہ طلب کی جائے جس پر دل اور زبان باہم موافق ہوں یہ ایک قسم کی جنگ ہے اور جنگ لڑنے والے کا دشمن پر حملہ دو باتوں سے صحیح ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ ہتھیار ذاتی طور پر صحیح عمدہ ہوں اور دوسرا یہ کہ بازوؤں میں قوت ہو۔

اور دوسری بات کا تعلق معالج سے ہے اور اس میں بھی یہی دو باتیں ہونی چاہئیں حتیٰ کہ معالجین میں سے بعض صرف اتنی بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ اس (خبیث روح) سے کہتے ہیں نکل جا یا ''**بسم اللہ الرحمن الرحیم**'' یا ''**لا حول و لا قوۃ الا باللہ**'' پڑھتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ یوں فرمایا کرتے تھے:

اے اللہ کے دشمن! نکل جا میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

اور بعض حضرات آیت الکرسی کے ذریعے اس کا علاج کرتے تھے اور اس مرض میں مبتلا شخص نیز علاج کرنے والے کثرت سے آیت الکرسی اور معوذتین (سورۃ الفلق' سورۃ الناس) پڑھنے کا حکم دیتے۔

ابن قیم نے کہا جس آدمی کو مرگی کا دورہ پڑتا ہو اور اس کی عمر پچیس سال ہو خصوصاً دماغی سبب سے ہو تو وہ ٹھیک ہونے سے مایوس ہو جاتا ہے اور اسی طرح جسے اس عمر تک مسلسل یہ تکلیف ہو۔

وہ کہتے ہیں جو عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور حدیث میں اس کا ذکر ہے اور اس کا ستر کھل جاتا تھا تو ہو سکتا ہے اس کا یہ دورہ اسی قسم کا ہو تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے صبر کرنے پر جنت کا وعدہ فرمایا۔

اور میں نے اس بات کا تجربہ بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ پر نبی اکرم ﷺ کے نام کی قسم کھائی اور سورۂ فتح کی یہ آیت سورت کے آخر تک دو چھوٹی بچیوں پر پڑھی جن کو مرگی کا دورہ پڑا تھا تو وہ شفاء یاب ہو گئیں۔ آیتِ کریمہ یہ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ . (سورت کے آخر تک)

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں۔

اور ہماری خادمہ غزالہ حبشیہ کا عجیب واقعہ ہے جب وہ حجاز شریف کے بڑے دروازے میں مرگی کے دورے کا شکار ہوئی تو میں نے اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے استغاثہ کیا تو جس نے اس پر یہ عمل کیا تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے حکم سے خواب میں آیا تو میں نے اسے جھڑکا اور قسم دی کہ وہ آئندہ کبھی بھی اس کی طرف نہ آئے پس میں بیدار ہوا تو اسے کوئی تکلیف نہ تھی اور نہ ہی یہ بیماری دوبارہ ظاہر ہوئی پس تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں۔

جادو کا نبوی علاج

جادو کا حکم

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جادو کرنا حرام ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے بلکہ بعض اوقات کفر تک پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات کفر تو نہیں ہوتا لیکن گناہ کبیرہ ہوتا ہے اگر اس میں کوئی ایسا قول یا فعل ہو جو کفر کا تقاضا کرتا ہے تو یہ کفر ہوگا ورنہ نہیں۔

لیکن اس کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اگر اس میں کفر والی بات نہ ہو تو جادو کرنے والے کو سزا دی جائے اور توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور ہمارے نزدیک قتل نہ کیا جائے اور اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جادوگر کافر ہے اسے جادو کی وجہ سے قتل کیا جائے اور توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کی توبہ قبول کی جائے بلکہ اسے قتل ہی کیا جائے۔

اور اس مسئلہ کی بنیاد زندیق کی توبہ قبول کرنا یا نہ کرنا ہے کیونکہ ان کے نزدیک وہ کافر ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور ہمارے نزدیک کافر نہیں ہے اور ہمارے نزدیک منافق اور زندیق کی توبہ قبول ہوتی ہے (کہا گیا ہے کہ زندیق منافق ہے اور اکثر کے نزدیک جس کا کوئی دین نہ ہو)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ نے بھی امام مالک رحمہ اللہ کا قول اختیار کیا اور صحابہ کرام نیز تابعین کی ایک جماعت سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والے) فرماتے ہیں جب کوئی جادوگر اپنے جادو کے ذریعے کسی انسان کو قتل کرے اور وہ اعتراف کرے کہ یہ شخص اس کے جادو سے ہلاک ہوا ہے اور عام طور پر اس سے ہلاک ہو جاتا ہے تو اس جادوگر کو بطور قصاص قتل کیا جائے۔

اور وہ کہے کہ اس (جادو) کے ذریعے مرا ہے لیکن کبھی اس سے ہلاکت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی تو قصاص نہیں ہوگا لیکن دیت (خون بہا) اور کفارہ واجب ہوگا اور اس کی دیت اس کے اپنے مال میں ہوگی عاقلہ پر نہیں ہوگی کیونکہ جرم کرنے والا اعتراف کرے تو عاقلہ (برادری) پر دیت واجب نہیں ہوتی۔

ہمارے اصحاب فرماتے ہیں جادو کے ذریعے قتل گواہی سے ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ جادوگر کے اعتراف سے اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

جادو کی حقیقت

جادو کے بارے میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ محض خیالی سلسلہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ابو جعفر استر اباذی جن کا شافعی مسلک سے تعلق ہے اور ابو بکر رازی جو حنفی ہیں نیز ایک اور گروہ کا مختار قول یہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا صحیح بات یہ ہے کہ اس کی حقیقت ہے اور جمہور کا قطعی فیصلہ بھی یہی ہے نیز تمام علماء کا یہی موقف ہے۔اور اس پر کتاب اللہ اور سنت صحیح مشہورہ کی دلالت پائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام ابو الفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محل نزاع یہ بات ہے کہ کیا جادو سے کوئی عین چیز بدل جاتی ہے یا نہیں؟ تو جو لوگ اسے محض خیالی چیز قرار دیتے ہیں وہ اس تبدیلی کا انکار کرتے ہیں اور جو اسے حقیقت تسلیم کرتے ہیں ان کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ محض مزاج کو تبدیل کرنے میں مؤثر ہے تو یہ ایک قسم کی بیماری ہوئی یا یہ کسی چیز کی حالت بدل دیتا ہے مثلاً جمادات کو حیوانات میں بدل دیتا ہے یا اس کے برعکس ہو جاتا ہے تو جمہور کے نزدیک پہلی بات ہے یعنی مزاج کو بدلتا ہے۔

مازری نے کہا جمہور علماء جادو کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ عقل اس بات کا انکار نہیں کرتی کہ جب جادوگر ایسا کلام کرتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوتا ہے یا بعض جسموں کو ملاتا ہے یا بعض قوتوں کو مخصوص طریقے پر ترتیب دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ خلاف عادت کام سامنے لاتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ اس جادو میں تاثیر پیدا کرتا ہے)۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ماہر طبیب جڑی بوٹیوں کو باہم ملاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض بوٹیاں جو انفرادی صورت میں نقصان دہ ہوتی ہیں اس ترکیب کی وجہ سے نفع بخش ہو جاتی ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ. (البقرہ:۱۰۲) وہ (جادوگر) اس (جادو) کے ذریعے مرد اور عورت

کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں۔

کیونکہ یہ ڈرانے کا مقام ہے پس اگر اس سے زیادہ نقصان واقع ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ذکر فرماتا۔

مازری نے کہا عقلی اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ اس سے زیادہ نقصان ہوتا ہے اور آیت کریمہ اس زائد سے منع کرنے پر نص نہیں ہے اگرچہ ہم کہیں کہ ظاہر بات یہی ہے۔

جادو اور معجزہ میں فرق

پھر مازری نے فرمایا کہ جادو' معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ جادو اقوال و افعال کی مدد سے ہوتا ہے حتیٰ کہ جادوگر کے لئے وہ کام پورا ہو جاتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے جبکہ کرامت اس بات کی محتاج نہیں ہوتی اور وہ عام طور پر اتفاقاً واقع ہو جاتی ہے اور معجزہ کرامت سے اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس میں چیلنج ہوتا ہے۔

امام الحرمین نے نقل کیا کہ جادو وہی شخص کرتا ہے جو فاسق ہو' اور کرامت کسی فاسق آدمی کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتی امام نووی رحمہ اللہ نے التولی سے نقل کرتے ہوئے ''الروضہ'' میں اس کی مثل ذکر کیا۔

جس شخص سے خلافِ عادت کام صادر ہو اس کی حالت کو دیکھنا چاہیے اگر اس کا دین سے تعلق ہے اور ہلاکت خیز امور سے اجتناب کرنے والا ہے تو اس سے جو عمل ظاہر ہوگا وہ کرامت ہوگی ورنہ جادو ہوگا۔

قرطبی نے کہا جادو خود ساختہ حیلے ہیں اور کسب کے ذریعے ان تک رسائی ہوتی ہے لیکن ان کی باریکی کی وجہ سے خال خال لوگ ان تک پہنچتے ہیں اور اس کا مادہ اشیاء کے خواص سے آگاہی اور ان کی ترکیب اور اوقات کے وجود کا علم ہے اور ان میں سے اکثر محض خیالات ہیں' حقیقت نہیں اور کسی ثبوت کے بغیر وہم ہیں پس جو شخص اس بات کی پہچان نہیں رکھتا اس کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعونی جادوگروں کے بارے میں فرمایا:

وَجَآءُوْا بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ. (الاعراف:۱۱۶) وہ بہت بڑا جادو لائے۔

حالانکہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں' جادو کی وجہ سے رسیاں اور لاٹھیاں ہی رہیں۔ حضرت ابوبکر رازی نے ''الاحکام'' میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دوڑتا ہوا گمان کیا حالانکہ وہ دوڑ نہیں رہی تھیں یہ محض خیالی صورت تھی۔ کیونکہ ان کی لاٹھیاں اندر سے خالی تھیں اور ان میں پارہ بھرا ہوا تھا۔ اسی طرح وہ رسیاں چمڑے کی تھیں اور ان کے اندر پارہ تھا اور انہوں نے اس سے پہلے سرنگیں کھودیں اور ان میں لمبے گھر بنائے اور ان کو آگ سے بھر دیا۔ پس جب ان (رسیوں اور لاٹھیوں) کو اس جگہ پر ڈالا گیا اور پارہ گرم ہوا تو اس میں حرکت پیدا ہوئی کیونکہ پارے کا کام یہ ہے کہ جب اسے آگ پہنچتی ہے تو وہ اڑنے لگتا ہے جب رسیوں اور لاٹھیوں کی کثافت نے ان کو بھاری کر دیا تو اس کی حرکت سے وہ بھی حرکت کرنے لگیں چنانچہ دیکھنے والا سمجھا کہ یہ دوڑ رہی ہیں لیکن حقیقت میں وہ دوڑ نہیں رہی تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا واقعہ

امام قرطبی نے فرمایا:

حق یہ ہے کہ جادو کی بعض اقسام کی دلوں میں تاثیر ہوتی ہے جس طرح محبت اور بغض اور خیر وشر کا القاء ہوتا ہے اور جس طرح جسموں میں درد اور بیماری کا اثر ہوتا ہے انکار صرف اس بات کا ہے کہ جادو سے جمادات' حیوانی شکل اختیار نہیں کرتا اور نہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ خیال فرماتے کہ آپ نے فلاں کام کیا حالانکہ وہ نہ کیا ہوتا۔ حتیٰ کہ ایک رات جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے تو آپ نے دعا مانگی پھر دعا مانگی اس کے بعد فرمایا:

اے عائشہ! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ پوچھا اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا۔ میرے پاس دو آدمی آئے ان میں سے ایک میرے سرہانے اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھا۔ ان میں سے ایک نے کہا: اس شخص کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا: اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: لبید بن اعصم نے؟ پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ کہا: کنگھی کے بالوں اور کھجور کی خشک چھال میں۔ پوچھا: وہ کہاں ہے؟ کہا: ذروان نامی کنویں میں ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ چند صحابہ کرام کے ساتھ اس کنویں کے پاس تشریف لائے اس کے بعد واپس تشریف لائے تو فرمایا: اے عائشہ! اس کنویں کا پانی مہندی کے رنگ کا تھا اور اس کی کھجوروں کی شاخیں شیطانوں کے سروں جیسی تھیں۔

(فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ نے اس کو نکالنے کا حکم نہیں دیا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے عافیت عطا فرمادی پس میں لوگوں کو اس پر مطلع کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس میں شر ہے پس آپ کے حکم سے اس کنویں کو بند کر دیا گیا۔[1] (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۹' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۹۹' معجم ما استعجم للبکری ج ۲ ص ۶۱۱)

''صحیح بخاری کی ہی'' ایک روایت میں ہے آپ نے اسے نکلوا دیا اور فرمایا: یہ وہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ دم نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء عطا کر دی ہے اور میں ناپسند کرتا ہوں کہ (جادو کا ذکر کر کے) لوگوں کو اس برائی پر مطلع کروں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اس میں نبی اکرم ﷺ پر کئے گئے جادو سے متعلق واقعہ کے آخر میں ہے کہ انہوں (صحابہ کرام) نے ایک دھاگہ پایا جس میں گیارہ گرہیں تھیں اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نازل ہو چکی تھیں پس آپ جب ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی۔

ابن سعد نے ایک اور سند سے جو منقطع ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو جب نبی اکرم ﷺ نے جادو نکالنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے کھجور کا ایک گچھا پایا جس میں دس گرہیں تھیں۔ اس کے بعد پہلی حدیث کی طرح ذکر کیا۔

ایک روایت جسے ''فتح الباری میں'' ذکر کیا یوں آیا ہے کہ ایک شخص اترا اور اس نے اس کو نکالا تو کھجور کے گابھے میں موم سے بنی ہوئی نبی اکرم ﷺ کی شبیہ پائی جس میں سوئی گاڑی گئی تھی نیز ایک دھاگہ تھا جس میں گیارہ گرہیں تھیں

[1] مہلب کہتے ہیں اس روایت میں اختلاف ہے سفیان بن عیینہ نے اسے نکالنے کو ثابت کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سوال اس کے عام کرنے سے متعلق قرار دیا جب کہ عیسیٰ بن یونس نے نکالنے سے متعلق قرار دیا۔ قیاس سفیان کی روایت کو ترجیح دیتا ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۰۱)

چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام معوذتین (سورۃ الفلق' سورۃ الناس) لے کر اترے جب وہ ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی اور جب ایک سوئی نکالی جاتی تو اس سے تکلیف محسوس ہوتی پھر اس کے بعد آرام پاتے۔

واقدی نے اس سال کا ذکر کیا ہے جس میں جادو کا واقعہ ہوا جس طرح ابن سعد نے ان سے ان کی سند کے ساتھ جو عمر بن عبدالحکم تک پہنچتی ہے مرسل روایت کے طور پر نقل کیا وہ کہتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ ذوالحجہ کے مہینے میں حدیبیہ سے واپس تشریف لائے اور ۷ھ کا محرم داخل ہوا تو یہودیوں کے سردار لبید بن اعصم کے پاس آئے اور وہ بنوزریق کا حلیف تھا اور جادوگر بھی تھا۔ انہوں نے کہا: تم ہم سے بڑے جادوگر ہو ہم نے محمد ﷺ پر جادو کیا لیکن ہم کچھ نہ کر سکے اگر تم ہمارے لئے ایسا جادو کرو جو ان کو ہلاک کر دے تو ہم تمہارے لئے اجرت مقرر کرتے ہیں پس انہوں نے اس کے لئے تین دینار مقرر کئے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۲)

ابوضمرہ کی روایت جسے اسماعیلی نے نقل کیا اس میں یوں ہے کہ چالیس راتیں اسی طرح گزر گئیں اور وہیب کی ہشام سے روایت میں جسے امام احمد نے نقل کیا ہے چھ مہینوں کا ذکر ہے ان روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ مزاج مبارک کی تبدیلی کی ابتداء سے چھ ماہ ہوئے ہوں اور اس کا پکا ہونا چالیس دن ہو۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اس مدت کے بارے میں مشہور احادیث میں کسی حدیث پر مطلع نہیں ہوا کہ آپ پر جادو کا اثر کتنی مدت رہا حتیٰ کہ مجھے معمر کی جامع میں حضرت زہری کی روایت ملی کہ ایک سال تک یہ حالت رہی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے اس حدیث کو موصول کے طور پر صحیح سند کے ساتھ پایا اور یہی قابلِ اعتماد ہے۔

مازری کہتے ہیں بعض بدعتیوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ بات منصبِ نبوت کو کم کرتی اور اس میں شک پیدا کرتی ہے انہوں نے کہا: کہ جس بات سے یہ خرابی لازم آئے وہ باطل ہے ان کا خیال ہے کہ اس سے شریعت پر اعتماد باقی نہیں رہتا کیونکہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ کو یہ خیال گزرتا کہ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا لیکن وہ وہاں نہ ہوتے اور یہ کہ آپ کی طرف وحی ہوئی حالانکہ وحی نہ ہوتی۔

مازری نے کہا یہ تمام باتیں مردود ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ تک اللہ تعالیٰ کی وجہ سے جو کچھ پہنچا اس کی صداقت اور تبلیغ میں آپ کی معصومیت پر دلیل قائم ہے اور معجزات اس کی تصدیق پر شاہد ہیں پس جس کے خلاف پر دلیل قائم ہو چکی ہو اس کو جائز قرار دینا باطل ہے جہاں تک ان بعض دنیوی امور کا تعلق ہے جن کے لئے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا اور نہ ہی آپ کی رسالت ان کاموں کے لئے ہے۔ تو ایسی باتیں آپ کو لاحق ہوتیں جو انسان کو لاحق ہوتی ہیں جیسے بیماریاں ہیں تو یہ بات عقل سے بعید نہیں ہے کہ آپ کو دنیوی امور میں سے کسی ایک معاملے کا خیال آئے جس کی حقیقت نہیں اس کے باوجود کہ دینی امور میں آپ اس قسم کی باتوں سے معصوم تھے۔ مازری کا قول مکمل ہوا۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اگر آپ کسی کام کے بارے میں یہ خیال فرماتے ہیں کہ آپ نے وہ کام کیا ہے حالانکہ آپ نے اسے کیا نہ ہوتا تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آپ نے اس کا پختہ ارادہ فرمایا یہ تو محض خیالات اور وسوسے ہیں جو ثابت نہیں پس اس پر ملحد (بے دین) کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ اس مذکورہ خیال سے مراد یہ ہو کہ آپ کے لئے ایک شوق پیدا ہوتا اور پہلے کی طرح وطی پر قادر ہوتے لیکن جب خاتون کے قریب ہوتے تو یہ حالت ختم ہو جاتی جس طرح اس شخص کا معاملہ ہوتا ہے جو (جادو وغیرہ کی وجہ سے) جماع سے روک دیا گیا ہو۔

اور دوسری روایت میں جو کچھ آیا ہے کہ ''یہاں تک کہ قریب ہوتا کہ آپ دیکھنے کا انکار کر دیتے''، یعنی اس شخص کی طرح ہو جاتے جو دیکھنے کا انکار کرتا ہے وہ یوں کہ جب کسی چیز کو دیکھتے تو یوں خیال فرماتے کہ یہ اپنی حالت پر نہیں پھر جب غور کرتے تو اس کی حقیقت کو پہچان لیتے اور جو کچھ پہلے گزر چکا ہے وہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ کسی روایت میں آپ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے ایک بات کہی ہو اور وہ آپ کی دی گئی خبر کے خلاف واقع ہو۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے دو راستے اختیار کئے ایک تفویض (سونپنے) کا راستہ اور دوسرا اسباب کو اختیار کرنے کا راستہ۔ پس آپ نے پہلے مرحلے میں یہ معاملہ اپنے رب کے حکم کے سپرد کر دیا اور اس آزمائش پر صبر کرنے کے ذریعے اجر طلب کیا پھر جب بات بڑھ گئی اور اس کے بڑھنے سے آپ کو کمزوری کی وجہ سے عبادت میں نقصان کا خوف ہوا تو علاج کی طرف مائل ہوئے۔

ابوعبید نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی مرسل روایت نقل کی ہے۔

وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سر انور میں پچھنہ لگوایا یعنی جب علاج کروایا پھر دعا کی طرف مائل ہوئے اور یہ دونوں مقام کمال کی انتہاء ہے۔

جادو کا علاج

ابن قیم نے کہا جادو کے علاج میں سب سے زیادہ نفع بخش دوا اور سب سے مضبوط دم روحانی علاج ہے اور وہ ذکرِ خداوندی، دعا اور قرأت ہے کیونکہ جادو خبیث روحوں کی تاثیر سے ہے پس جب دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد ہوتا ہے اور وہ ذکر، دعا اور توجہ الی اللہ سے خالی نہیں ہوتا تو یہ جادو کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتا ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جادو کی تاثیر کمزور دلوں پر غالب آتی ہے اسی لئے عام طور پر اس کا اثر عورتوں، بچوں اور جاہل لوگوں پر ہوتا ہے کیونکہ خبیث ارواح ان ارواح پر تسلط قائم کرتی ہیں جن کو وہ اس مقصد کے لئے مستعد پاتی ہیں۔

لیکن ابن قیم کی اس بات پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پھر نبی اکرم ﷺ پر جادو کیسے ہو گیا جب کہ آپ کا مقام بہت عظیم ہے، آپ کی توجہ صادق اور ذکرِ خداوندی ہمیشہ ہوتا تھا لیکن اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ ابن قیم کی بات عام طور پر ہونے والے جادو سے متعلق ہے اور نبی اکرم ﷺ کے لئے اس کا وقوع صرف بیان جواز کے لئے تھا۔

اور جادو کے بارے میں بطور علاج دم کے بارے میں ابن بطال نے ذکر کیا کہ وہب بن منبہ کی کتب میں اس طرح آیا ہے کہ سبز بیری کے سات پتے لے کر ان کو دو پتھروں کے درمیان کوٹے پھر اس پر پانی ڈال کر آیت الکرسی اور تینوں قُل (قل هو الله احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تینوں سورتیں مکمل) پڑھے پھر تین چلو بھر کر منہ میں ڈالے اور کُلی کرے اور باقی کے ساتھ غسل کرے جادو کا اثر چلا جائے گا۔ اگر مرد اپنی بیوی سے دور رہے تو یہ عمل اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

اس عمل کو واضح الفاظ میں جائز قرار دینے والوں میں امام مزنی ہیں جو امام شافعی سے نقل کرتے ہیں نیز ابو جعفر طبری اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔

ابن الحاج نے "المدخل میں" فرمایا کہ شیخ ابو محمد مرجانی اکثر اپنے آپ اپنی اولاد اور اپنے احباب کے لئے یہ عمل اختیار کرتے تھے اور اس کے ذریعے شفاء یاب ہوتے۔

حضرت شیخ ابو محمد مرجانی رحمہ اللہ نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو یہ عمل خواب میں عطا فرمایا۔

وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس اور تمہارے احباب کے پاس جو عمل ہے اس کی فضیلت تم نہیں جانتے؟ یہ بات ان سے ان کے خادم نے نقل کی ہے اور وہ اس طرح ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ. (التوبہ:۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرما دو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

اور یہ آیت:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ. (الاسراء:۸۲)

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

نیز یہ آیت:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ... اِلٰى اٰخِرِ السُّوْرَةِ (الحشر:۲۱-۲۴)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش اللہ کے خوف سے۔۔۔

سورۂ اخلاص، سورۂ الفلق اور سورۂ الناس پڑھیں اور پھر یہ کلمات لکھیں:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمُحْيِيْ وَاَنْتَ الْمُمِيْتُ وَاَنْتَ الْخَالِقُ الْبَارِئُ وَاَنْتَ الْمُبْلِئُ وَاَنْتَ الْمُعَافِيْ وَاَنْتَ الشَّافِيْ خَلَقْتَنَا مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ وَّجَعَلْتَنَا فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِاَسْمَآئِكَ الْحُسْنٰى وَصِفَاتِكَ الْعُلْيَا يَا مَنْ بِيَدِهِ الْاِبْتِلَآءُ وَالْمُعَافَاةُ وَالشِّفَآءُ وَالدَّوَآءُ

یا اللہ! تو ہی زندہ رکھنے والا ہے تو ہی موت دینے والا ہے تو خالق ہے تو آزمائش میں ڈالنے والا ہے تو ہی عافیت و شفاء عطا کرنے والا ہے تو نے ہمیں بے وقعت پانی سے پیدا کیا اور ایک معلوم مدت تک ٹھہرنے کے مقام پر رکھا۔ یا اللہ! میں تجھ سے تیرے اچھے ناموں اور بلند صفات کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اے وہ ذات! جس کے قبضۂ قدرت

اَسْأَلُکَ بِمُعْجِزَاتِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ ﷺ حَبِیْبِکَ وَ بَرَکَاتِ خَلِیْلِکَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَ حُرْمَةِ کَلِیْمِکَ مُوْسٰی عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَللّٰهُمَّ اِشْفِهٖ۔

میں آزمانا اور عافیت عطا کرنا نیز شفاء اور دوا ہے میں تجھ سے تیرے نبی محمد ﷺ جو تیرے محبوب ہیں کے معجزات اور تیرے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برکات نیز تیرے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حرمت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں یا اللہ! اسے شفاء عطا فرما۔

ہر بیماری کے لئے نفع بخش دم

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:
تم میں سے جو شخص بیمار ہو وہ یوں کہے اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو جائے گا:

رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اِسْمُکَ اَمْرُکَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُکَ فِی السَّمَآءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ وَاغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَ خَطَایَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَشِفَآءً مِّنْ شِفَآئِکَ عَلٰی هٰذَا الْوَجَعِ۔

ہمارا رب اللہ ہے یا اللہ! آسمان میں تیرا نام مقدس ہے اور آسمان و زمین میں تیرا حکم ہے جس طرح آسمان میں تیری رحمت ہے اپنی رحمت زمین میں بھی کر دے ہمارے لئے ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے تو پاک لوگوں کا رب ہے اس تکلیف پر اپنی طرف سے رحمت اور اپنی شفاء میں سے شفاء نازل فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۲، المستدرک ج۱ ص۳۴۳۔ ج۴ ص۲۱۸، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۵۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۶۳)

دردِ سر کا دم

حمیدی نے ''الطب'' میں حضرت یونس بن یعقوب کے واسطہ سے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ دردِ سر سے ان الفاظ کے ساتھ پناہ مانگتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الْکَبِیْرِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔ (القاموس المحیط ج۲ ص۱۵۰)

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت بڑا ہے میں عظمت والے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس رگ سے جس میں خون جوش مارے اور آگ کی گرمی کے شر سے۔

ابن السنی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا ہے۔
حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے سر میں ایک ورم ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے سر پر کپڑے کے اوپر سے ہاتھ رکھا اور یہ کلمات تین بار پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَذْهِبْ عَنْهَا سُوْءَهٗ وَفُحْشَهٗ

اللہ کے نام سے، یا اللہ! اس (ورم) کی خرابی کو اپنے

بِدَعْوَةِ نَبِیِّکَ الطَّیِّبِ الْمُبَارَکِ الْمَکِیْنِ عِنْدَکَ بِسْمِ اللّٰهِ. پاک مبارک اور اپنے ہاں بلند مرتبہ نبی کی دعا کے صدقے میں ان سے لے جا اللہ کے نام سے (دعا کرتا ہوں)۔

اور ان کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی یہ کلمات پڑھیں چنانچہ انہوں نے تین دن اسی طرح کیا تو ورم ختم ہو گیا۔

اس روایت کو شیخ ابن النعمان نے اپنی سند سے اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

داڑھ میں درد کا دم

امام بیہقی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے داڑھ میں درد کی شکایت کی تو آپ نے اپنا ہاتھ ان کے اس رخسار پر رکھا جس میں تکلیف تھی اور یہ کلمات سات مرتبہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ سُوْٓءَ مَا یَجِدُ وَ فَحْشَهٗ بِدَعْوَةِ نَبِیِّکَ الْمَکِیْنِ الْمُبَارَکِ عِنْدَکَ. یا اللہ! اپنے اس نبی کی دعا سے جو تیرے ہاں بلند مرتبہ اور مبارک ہے اس درد کی تکلیف اور خرابی کو دور کر دے۔

تو ابھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شفاء عطا فرما دی۔

حمیدی نے روایت کیا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور داڑھ میں سخت درد کی شکایت کی آپ نے شہادت والی دائیں انگلی منہ میں داخل کر کے اس دانت پر رکھی جس میں درد تھا اور یہ کلمات پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ اَسْاَلُکَ بِعِزَّتِکَ وَجَلَالِکَ وَقُدْرَتِکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِنَّ مَرْیَمَ لَمْ تَلِدْ غَیْرَ عِیْسٰی مِنْ رُّوْحِکَ وَ کَلِمَتِکَ اَنْ تَکْشِفَ مَا تَلْقٰی فَاطِمَةُ بِنْتُ خَدِیْجَةَ مِنَ الضَّرِّ کُلِّهٖ.

اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی مدد سے یا اللہ! میں تیری عزت و جلال اور ہر چیز پر تیری قدرت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں تیری روح اور کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی پیدا نہیں ہوا تو حضرت فاطمہ بنت خدیجہ سے تمام تکلیف دور کر دے۔

(آپ نے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا) تو درد رک گیا۔

ایک عجیب بات جو ہمارے شیخ مکہ مکرمہ میں مقامِ خلیل کے امام محب طبری سے معروف ہے اور میں نے ان کو کئی مرتبہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا یہ ہے کہ جس شخص کی داڑھ میں درد ہوتا آپ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس کا اور اس کی ماں کا نام پوچھتے نیز اس سے پوچھتے کہ وہ کتنی مدت کے لئے درد سے محفوظ رہنے کا ارادہ کرتا ہے وہ کہتا سات سال یا نو سال یہ بطور مثال ہے یعنی طاق عدد بتاتا۔

لوگ بتاتے ہیں کہ ان کے ہاتھ اٹھانے سے پہلے درد ٹھہر جاتا اور اس مدت مذکورہ میں یہ تکلیف نہ ہوتی۔ یہ بات مشہور ہے۔

داڑھ کے درد کا مجرب نسخہ

اس سلسلے میں ایک تجربہ یہ ہے کہ جس طرف درد ہو اس طرف رخسار کے اوپر لکھا جائے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ. (الملک: ۲۳)

تم فرماؤ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے تم کتنا کم شکر ادا کرتے ہو؟

اور اگر چاہے تو یوں لکھے:

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (الانعام: ۱۳)

اور اسی کا ہے جو بستا ہے رات اور دن میں اور وہی سنتا جانتا ہے۔

پیشاب رک جانے کا دم

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ ان کے پاس ایک شخص آیا جس نے کہا: کہ اس کے بھائی کا پیشاب رک گیا ہے تو انہوں نے اسے ایک دم سکھایا جو نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا اور وہ اس طرح ہے۔

رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ تُقَدَّسُ اِسْمُكَ اَمْرُكَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَآءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ وَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الْمُتَطَيِّبِيْنَ فَاَنْزِلْ شِفَآءً مِّنْ شِفَآئِكَ وَرَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَتِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجْعِ.

ہمارا رب اللہ ہے (اے اللہ!) تیرا نام آسمانوں میں مقدس ہے آسمان اور زمین میں تیرا حکم چلتا ہے جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے تو زمین میں اپنی رحمت نازل فرما دے ہمارے لئے ہمارے گناہ اور خطائیں بخش دے تو دوائی استعمال کرنے والوں کا رب ہے پس اس تکلیف پر اپنی شفاء میں سے شفاء نازل فرما اور اپنی رحمت میں سے رحمت عطا کر۔

چنانچہ وہ شخص ٹھیک ہو گیا۔

انہوں نے اسے یہ کلمات پڑھ کر دم کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس نے یہ دم کیا تو ٹھیک ہو گیا اور اس سے پہلے عام تکلیف کے سلسلے میں یہ کلماتِ دم حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گزر چکے ہیں۔

بخار کا دم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انہیں سخت بخار تھا اور وہ بخار کو برا بھلا کہہ رہی تھیں آپ نے فرمایا: اسے برا نہ کہو یہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مامور ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں کچھ کلمات سکھاؤں جب وہ کلمات پڑھو گی تو اللہ تعالیٰ تم سے بخار کو دور کر دے گا؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے سکھائیے آپ نے فرمایا: یہ کلمات پڑھو:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ جِلْدِيَ الرَّقِيْقَ وَعَظْمِيَ الدَّقِيْقَ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِيْقِ يَآ اُمَّ مِلْدَمٍ اِنْ كُنْتِ اٰمَنْتِ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ فَلَا تُصَدِّعِي الرَّاْسَ وَلَا تُنْتِنِي الْفَمَ وَلَا تَاْكُلِي اللَّحْمَ وَلَا تَشْرَبِي الدَّمَ وَتَحَوَّلِيْ عَنِّيْ اِلٰى

یا اللہ! میری پتلی جلد پر اور باریک ہڈی پر بخار کی شدت سے (بچاتے ہوئے) رحم فرما اے امِ ملدم! (بخار کی کنیت ہے یعنی اے بخار) اگر عظمت والے اللہ پر تیرا ایمان ہے تو سر میں درد نہ کر منہ کو بدبودار نہ کر گوشت نہ کھا

مِّنِ اتَّخَذَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ. خون نہ پی اور مجھ سے پھر کر اس کی طرف جا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے۔

(دلائل النبوۃ ج۶ ص ۱۶۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۵۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۹)

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ کلمات پڑھے تو بخار چلا گیا۔ اور اس کا تجربہ کیا گیا اور میں نے اپنے شیخ کے خط سے (الفاظ میں کچھ تبدیلی کے ساتھ) دیکھا جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ عَظْمِی الدَّقِیْقَ وَجِلْدِیَ الرَّقِیْقَ' وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فَوْرَةِ الْحَرِیْقِ' یَا اُمَّ مَلْدَمَ' اِنْ کُنْتَ اٰمَنْتَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا تَاْکُلِی اللَّحْمَ' وَلَا تَشْرَبِی الدَّمَ' وَلَا تَفُوْرِیْ عَلَی الْفَمِ' وَانْتَقِلِیْ اِلٰی مَنْ یَزْعَمُ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ' فَاِنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

یا اللہ! میری باریک ہڈی اور پتلی جلد پر رحم فرما میں جلانے والے (بخار) کے ابال سے تیری پناہ چاہتا ہوں اے بخار! اگر اللہ تعالیٰ اور آخرت پر تیرا ایمان ہے تو گوشت نہ کھا' خون نہ پی' منہ پر ابال نہ لا اور اس کی طرف منتقل ہو جا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کا عقیدہ رکھتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

جیسا کہ ''الہدی النبوی کے'' مصنف (ابن قیم) نے لکھا ہے جو بخار تین دن رہے (پھر چھوڑ دے) اس کے لئے تین چھوٹے چھوٹے کاغذوں پر لکھا جائے:

بِسْمِ اللّٰهِ فَرَّتْ بِسْمِ اللّٰهِ مَرَّتْ بِسْمِ اللّٰهِ قَلَّتْ.

اللہ تعالیٰ کے نام سے (بخار) بھاگ گیا اللہ تعالیٰ کے نام سے گزر گیا اور اللہ تعالیٰ کے نام سے ختم ہو گیا۔

ہر دن ایک کاغذ منہ میں ڈالے اور اس کو پانی کے ذریعے نگل لے۔

بزرگوں کی ایک جماعت نے قرآن مجید سے کچھ لکھ کر اس کو پینے کی اجازت دی اور اسے شفاء کا ذریعہ قرار دیا جو شفاء اللہ تعالیٰ نے اس (قرآن مجید) میں رکھی ہے۔

ابن الحاج نے ''المدخل میں'' فرمایا کہ شیخ ابو محمد المرجانی ہمیشہ گھر کے دروازے پر بخار وغیرہ کے (تعویذوں پر مشتمل) کاغذ رکھتے تھے پس جس کو تکلیف ہوتی ان میں سے ایک کاغذ لے کر استعمال کرتا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو جاتا ان پر لکھا ہوتا:

اَزَلِیٌّ لَمْ یَزَلْ' وَلَا یَزَالُ' یُزِیْلُ الزَّوَالُ' وَهُوَ لَا یَزَالُ' وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾.

اللہ تعالیٰ ازلی ہے ہمیشہ رہے گا کبھی زوال پذیر نہ ہوگا وہ زوال کو زائل کرتا ہے اور وہ خود لازوال ہے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ بلند عظیم کی جانب سے ہی (ملتی) ہے۔ اور ہم قرآن مجید میں وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔

(ابوبکر احمد بن علی بن سعید حافظ الحدیث تھے دمشق میں ۲۹۲ھ میں فوت ہوئے)[1] مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابوعبداللہ یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو خبر پہنچی کہ مجھے بخار ہے تو انہوں نے میرے لئے بخار کا ایک دم لکھا جو اس طرح ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰۤی اِبْرَاهِیْمَ، وَاَرَادُوْا بِهٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ، اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَآئِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ اِشْفِ صَاحِبَ هٰذَا الْکِتَابِ بِحَوْلِکَ وَقُوَّتِکَ وَجَبْرُوْتِکَ، اِلٰهَ الْحَقِّ اٰمِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے اور اس کی مدد سے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اے آگ! حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا اور انہوں (کفار) نے آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کیا پس ہم نے ان کو بہت خسارہ پانے والے کر دیا اے اللہ! جبریل میکائیل اور اسرافیل کے رب اپنی قوت و طاقت اور کبریائی کے وسیلہ سے اس خط والے (جس کو لکھا گیا ہے) کو شفاء عطا فرما اے معبودِ برحق! یا اللہ اس دعا کو قبول فرما۔

دوسری تکلیفوں کے لئے کلمات

پھوڑے پھنسیوں کے لئے جو مجرب علاج ہیں ان میں سے ایک علاج جسے "زاد المعاد کے" مصنف نے نقل کیا یہ ہے کہ اس پر یہ آیت لکھی جائے:

وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا۔ (طٰہٰ: ۱۰۵)

اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تم فرما دو انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا تو زمین کو چٹیل میدان ہموار کر کے چھوڑے گا کہ تو اس میں کوئی اونچ نیچ نہ دیکھے۔

بچے کی ولادت کے وقت

بچے کی ولادت مشکل ہونے کی صورت میں جو کلمات لکھے جاتے ہیں ان سے متعلق حضرت خلال نے حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل (رحمہم اللہ) سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے اپنے والد (حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کو دیکھا کہ جب کسی عورت پر بچے کی ولادت کے سلسلے میں تنگی ہوتی تو آپ سفید کپڑے یا کسی پاک چیز پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ کلمات لکھتے:

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بردبار کرم والا ہے عرش عظیم کا مالک اللہ پاک ہے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے گویا جس دن وہ اس چیز

[1] (الاعلام ج ۱ ص ۱۷۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۶۳، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۰۴، العبر ج ۲ ص ۹۱)

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا. گویا کہ جس دن اسے دیکھیں گے تو نہیں ٹھہر سکیں گے مگر صبح یا شام۔ کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تو وہ صرف دن کی ایک گھڑی ٹھہر سکیں گے

حضرت خلال فرماتے ہیں ہمیں حضرت ابوبکر مروزی نے خبر دی ہے کہ حضرت ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے ابوعبداللہ! ایک عورت پر دو دن سے بچے کی پیدائش رکی ہوئی ہے آپ اس کے لئے کچھ لکھ دیں آپ نے فرمایا: ایک (سفید پاک) کشادہ پیالہ اور زعفران لے کر آؤ۔ حضرت المروزی فرماتے ہیں میں نے دیکھا آپ نے متعدد لوگوں کے لئے لکھا۔

"المدخل میں ہے کہ" ایک جدید برتن میں یہ کلمات لکھ کر اس عورت کو پلائے جائیں اور اس کے منہ پر چھینٹے مارے جائیں جس کے ہاں ولادت ہو رہی ہے:

اُخْرُجْ اَيُّهَا الْوَلَدُ مِنْ بَطْنٍ ضَيِّقٍ اِلٰى سَعَةِ هٰذِهِ الدُّنْيَا، اُخْرُجْ بِقُدْرَةِ الَّذِيْ جَعَلَكَ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ، لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ (اِلٰى اٰخِرِ السُّوْرَةِ) (پھر یہ) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ.

اے بچے! تنگ پیٹ سے اس دنیا کی کشادگی کی طرف نکلو، اس ذات کی قدرت سے نکلو جس نے تمہیں ایک معلوم مدت تک ٹھہرنے کی جگہ رکھا۔ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اسے دیکھتے جھکا ہوا پاش پاش۔ (سورت کے آخر تک الحشر: ۵۹) اور ہم قرآن مجید کی صورت میں مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت نازل کرتے ہیں۔

شیخ مرجانی کہتے ہیں میں نے یہ کلمات دم بعض سادات سے حاصل کئے اور میں نے جس کے لئے لکھے اس نے اسی وقت شفاء پائی۔

حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عورت کے پاس سے گزرے جس کے پیٹ میں بچہ رکا ہوا تھا اس نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے کلمہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا مانگیں کہ وہ مجھے اس تکلیف سے نجات دے چنانچہ آپ نے یوں فرمایا:

يَا خَالِقَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ وَيَا مُخَلِّصَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ وَيَا مُخْرِجَ النَّفْسِ مِنَ النَّفْسِ خَلِّصْهَا.

اے نفس کو نفس سے پیدا کرنے والے! اے نفس کو نفس سے چھٹکارا دینے والے! اے نفس سے نفس کو نکالنے والے! اس عورت کو چھٹکارا عطا فرما۔

فرماتے ہیں عورت ابھی کھڑی ہی تھی کہ بچہ پیدا ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورت پر ولادت مشکل ہو جائے تو اس کے لئے یہ لکھو۔

اس مقصد کے لئے یہ کلمات بھی پاک برتن میں لکھ کر حاملہ عورت کو اس تحریر کا پانی پلایا جائے اور اس کے پیٹ پر چھینٹے مارے جائیں۔ کلمات یہ ہیں:

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝ (الانشقاق:۱۔۴)

جب آسمان شق ہو اور اپنے رب کا حکم سنے اور اسے یہی لائق ہے اور جب زمین دراز کی جائے اور جو کچھ اس میں ہے ڈال دے اور خالی ہو جائے۔

نکسیر کے لئے کلماتِ دم

جس آدمی کو نکسیر آتی ہو تو یہ کلمات لکھ کر اس کی پیشانی پر باندھے جائیں:

وَقِيْلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ. (ھود:۴۴)

اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا۔

نکسیر والے کے خون سے یہ آیت لکھنا جائز نہیں جس طرح بعض جاہل لوگ کرتے ہیں کیونکہ خون ناپاک ہے پس اس سے اللہ تعالیٰ کا کلام لکھنا جائز نہیں۔

عرق النساء کے درد کے لئے

(ران میں ایک رگ ہوتی ہے اس کو عرق النساء کہتے ہیں) اس کے لئے یہ کلمات لکھے جائیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، وَمَلِيْكَ كُلِّ شَيْءٍ، وَخَالِقَ كُلِّ شَيْءٍ، اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَخَلَقْتَ عِرْقَ النِّسَآءِ فِيَّ فَلَا تُسَلِّطْهُ عَلَيَّ بِاَذًى، وَلَا تُسَلِّطْنِيْ عَلَيْهِ بِقَطْعٍ، وَاشْفِنِيْ شِفَآءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا، لَا شَافِيَ اِلَّا اَنْتَ.

اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے یا اللہ! ہر چیز کے رب، ہر چیز کے مالک، ہر شے کے خالق تو نے مجھے پیدا کیا اور میرے اندر عرق النساء کو پیدا کیا پس تکلیف کے ساتھ اسے مجھ پر مسلط نہ کرنا اور نہ اس کے کٹنے کے ساتھ مجھ پر مسلط کرنا مجھے ایسی شفاء عطا فرما جو بیماری کو باقی نہ چھوڑے شفاء صرف تو ہی عطا کرتا ہے۔

کلماتِ حفاظت (حفیظۂ رمضان)

وہ کلمات جو رمضان المبارک میں حفاظت کے لئے لکھے جاتے ہیں یعنی:

لَآ اٰلَآءَ اِلَّآ اٰلَآؤُكَ يَا اَللّٰهُ اِنَّكَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ مُّحِيْطٌ بِهٖ عِلْمُكَ كَعَسَلْهُوْنَ. وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ.

نعمتیں صرف تیری نعمتیں ہیں اے اللہ! تو سننے والا جاننے والا ہے، تیرا علم اس کو گھیرنے والا ہے ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا اور حق کے ساتھ اترا۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: یمن، مکہ مکرمہ، مصر اور مغرب اور تمام ممالک میں مشہور ہے کہ یہ حفیظۂ رمضان ہیں جو ڈوبنے، چوری، جل جانے اور تمام آفات سے محفوظ رکھتا ہے یہ کلمات رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے دن لکھے جاتے ہیں وہ تمام لوگ لکھتے ہیں جب کہ خطیب منبر پر خطبہ دے رہا ہوتا ہے اور ان میں سے بعض عصر کی نماز کے بعد لکھتے ہیں۔

یہ بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں اگرچہ متعدد اکابر کے کلام میں واقع ہے بلکہ بعض کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ

یہ کلمات ایک ضعیف حدیث میں آئے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کا سخت انکار کرتے تھے حتیٰ کہ وہ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے ہوتے اور کسی کو لکھتے ہوئے دیکھتے تو منع کرتے۔ [1]

ہر بلا سے بچاؤ

حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ جو شخص شام کے وقت تین بار یہ کلمات پڑھے اسے صبح تک ناگہانی آفت نہیں پہنچے گی اور جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھے اسے شام تک ناگہانی آفت نہیں پہنچے گی۔

وہ کلمات یہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

چنانچہ حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کو فالج ہوا تو جس نے ان سے یہ حدیث سنی تھی وہ ان کی طرف دیکھنے لگا انہوں نے پوچھا تو کیوں دیکھتا ہے اللہ کی قسم میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جھوٹ نہیں بولا اور نہ انہوں نے جھوٹی بات نبی اکرم ﷺ سے منسوب کی ہے اور مجھے آج یہ مصیبت جو پہنچی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے غصہ آیا تھا اور میں یہ کلمات پڑھنا بھول گیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۸۸ مسند احمد ج ۱ ص ۶۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۳۲ مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۷۱۴ عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۴۲)

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام ترمذی نے یہ الفاظ نقل کئے کہ حضرت ابان کو فالج ہوا تو ایک شخص ان کی طرف دیکھنے لگا تو حضرت ابان نے اس سے فرمایا تجھے کیا ہوا کہ میری طرف دیکھ رہا ہے حدیث تو اسی طرح ہے جس طرح میں نے تجھ سے بیان کی ہے؟ لیکن اس دن میں نے یہ کلمات نہیں پڑھے تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کو پورا فرمائے جو اس نے مقدر فرمایا ہے۔

ستر بلاؤں سے بچاؤ

حضرت ابومحمد عبداللہ بن محمد مالکی افریقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اخبار افریقیہ'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

جو شخص دس مرتبہ یہ کلمات پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے جو بلند عظمت والا ہے۔

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں ''التحفہ میں ہے'' کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک ایسے کلمات کا لکھنا یا پڑھنا حرام ہے جو عجمی ہیں اور ان کا معنیٰ معلوم نہیں بعض نے کہا عسلعون ایک سانپ ہے جو عرش نے گھیر رکھا ہے اس کا سر اس کی دم پر ہے۔ لیکن یہ سب ناقابل اعتماد ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۰۹)

تو وہ شخص گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے جیسے آج ہی اسے اس کی ماں نے جنا ہو اور اسے دنیا کی ستر مصیبتوں سے بچایا جاتا ہے جن میں پاگل پن، کوڑھ کا مرض، سفید داغ اور ہوا کی بیماری ہے۔

''جامع ترمذی میں مذکور'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اس کی شہادت دیتی ہے، وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اکثروا من ذکر لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم فانھا من کنز الجنۃ.

''لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم'' کثرت سے پڑھا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانے سے ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۳، المعجم الکبیر ج ۴ ص ۳۸، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۶، کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۹۰، الکامل فی الضعفاء ج ۷ ص ۲۷۰۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۵۷، ۱۹۷۰)

حضرت مکحول شامی رحمہ اللہ (ابو عبد اللہ مکحول بن ابی مسلم متوفی ۱۱۲ھ)[1] فرماتے ہیں جو شخص یہ کلمات پڑھے اللہ تعالیٰ اس سے ضرر کے ستر دروازے کھول دیتا ہے (دور کر دیتا ہے) جن میں سے ادنیٰ دروازہ فقر ہے وہ کلمات یہ ہیں:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَلَا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ.

نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جو بلند عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ اسی کے پاس ہے۔

حضرت امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھے تو یہ ننانوے بیماریوں کا علاج ہے جن میں سے سب سے ہلکی بیماری غم ہے۔

فقر سے امان

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ستر بار ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھے وہ کبھی محتاج نہ ہوگا اسے ابن ابی الدنیا نے نقل کیا۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جس شخص پر رزق کی تاخیر ہو جائے وہ ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' کثرت سے پڑھے۔

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) جو شخص ہر دن اور رات میں ایک سو بار یہ کلمات پڑھے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ سچا بادشاہ ظاہر ہے۔

اس شخص کے لئے فقر سے امان اور وحشتِ قبر سے انس حاصل ہوگا۔

اس کے ذریعے مالداری کا دروازہ کھلے گا اور اس کے ذریعے وہ مالداری کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔

---

[1] (الاعلام ج ۷ ص ۲۸۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۷، وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۲۲، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۹۸، شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۴۶، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۱۵، النجوم الزاہرۃ ج ۱ ص ۲۷۲)

اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا کہ اگر تم اس حدیث کے لئے چین کی طرف سفر کرو تو یہ زیادہ (سفر) نہیں۔
عبدالحق اشبیلی نے اسے "الطب النبوی کتاب میں" ذکر کیا۔

کھانے سے پیدا ہونے والی بیماری کا علاج

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب کھانا رکھا جائے تو اس وقت جو شخص یہ کلمات پڑھے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا:

بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَاۤءِ فِي الْاَرْضِ وَفِي السَّمَاۤءِ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ دَاۤءٌ اِجْعَلْ فِيْهِ رَحْمَةً وَّشِفَاۤءً۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو آسمان وزمین میں بہترین نام ہے اس کے نام کے ساتھ کوئی بیماری تکلیف نہیں دیتی یا اللہ! اس میں رحمت وشفاء رکھ دے۔

ام الصبیان سے بچاؤ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو پس وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو اس کو ام الصبیان کی بیماری نہ ہوگی۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج۵ ص۶۸' المغنی ج۲ ص۵۵' الکامل ج۶ ص۲۶۵۶' عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۶۱۷' الاذکار ص۲۵۳)

ام الصبیان ایک ہوا ہے جو بچوں کو لاحق ہوتی ہے اور بعض اوقات اس سے ان کے لئے خطرہ ہوتا ہے۔

کان میں اذان دینے کی حکمت

"تحفۃ الودود باحکام المولود" کے مصنف نے کہا کہ بچے کے کان میں سب سے پہلے جو آواز آئے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت کے کلمات ہوں اور وہ شہادت جس کے ذریعے اسلام میں داخل ہونے کا آغاز ہو گویا اس کے کان میں اذان دنیا میں داخل ہوتے وقت اسلامی نشانیوں کی تلقین ہے جس طرح دنیا سے جاتے وقت کلمۂ توحید کی تلقین کی جاتی ہے اس (تلقین) کے علاوہ بھی ایک فائدہ ہے اور وہ کلمات اذان کے ذریعے شیطان کو بھگانا ہے وہ انتظار کرتا ہے حتیٰ کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مل جاتا ہے تاکہ اسے تقدیر خداوندی کے مطابق تکلیف پہنچائے پس شیطان اس سے پہلے تعلق کے وقت وہ کلمات سنتا ہے جو اس کو کمزور کرتے اور غصہ دلاتے ہیں۔

دوسری نوع

طبعی دواؤں سے نبوی علاج

سر درد اور درد شقیقہ کا علاج

پورے سر میں یا سر کے بعض حصے میں درد "الصداع" کہلاتا ہے اگر سر کی کسی ایک طرف دائمی درد ہو تو یہ "شقیقہ" کہلاتا ہے جو "عظیمۃ" کے وزن پر ہے۔

اس درد کا سبب وہ بخارات ہیں جو (معدے سے) اوپر کی جانب اٹھتے ہیں یا وہ گرم یا ٹھنڈے اخلاط ہیں جو دماغ کی طرف جاتے ہیں (جسم میں خون' بلغم' سوداء اور صفراء چار اخلاط ہوتے ہیں)۔

اگر ان بخارات یا اخلاط کو کوئی سوراخ نہ ملے تو سر میں درد پیدا کر دیتے ہیں جسے ''صداع'' کہتے ہیں اور اگر وہ سر کی ایک جانب مائل ہو جائیں تو درد ''شقیقہ'' ہوتا ہے اور اگر وہ تمام سر پر قبضہ کر لیں تو ''داء البیضہ'' پیدا ہوتی ہے اس کا یہ نام اس لیے کہ لوہے کی ٹوپی (جیسے خود کہتے ہیں اور فوجی پہنتے ہیں) کی طرح تمام سر کو گھیرتا ہے (اور اس ٹوپی کو بیضہ کہا جاتا ہے)۔

سر میں درد کے کئی اسباب ہیں۔

مثلاً معدے میں یا اس کی رگوں میں کوئی ورم ہو یا اس میں سخت گاڑھی ہوا ہو یا معدے میں ہوا (گیس) بھر جائے۔ یا اس درد کی وجہ سخت حرکت ہوتی ہے مثلاً جماع یا قے یا پوری کوشش سے کوئی کام کرنا نیز بے خوابی اور زیادہ گفتگو سر میں درد کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح نفس کو پیش آنے والے امور مثلاً غم' پریشانی' بھوک اور بخار وغیرہ بھی اس کا سبب ہیں۔

نیز سر میں کوئی ضرب وغیرہ لگے یا دماغ کے چمڑے کے نیچے کوئی ورم ہو یا کسی بھاری چیز کو اٹھانے سے سر پر دباؤ ہو یا حد سے زیادہ دھواں لیا جائے یا سردیوں کے موسم میں ٹھنڈی ہوا یا ٹھنڈا پانی پہنچے تو سر میں درد ہوتا ہے۔ دردِ شقیقہ صرف سر کی شریانوں میں ہوتا ہے یا سر کا جو کمزور ترین حصہ ہے اس میں ہوتا ہے اور اس کا علاج پٹی باندھنا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب دردِ شقیقہ ہوتا تو آپ ایک دو دن (گھر پر) ٹھہرتے' باہر تشریف نہ لاتے۔

صحیح حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے وصال والی بیماری کے دوران فرمایا: ''وارأساہ'' (ہائے میرا سرا) آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو سر پر پٹی باندھ رکھی تھی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۶۵' مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۴) تو دردِ شقیقہ اور سر کے دوسرے دردوں میں پٹی باندھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دردِ شقیقہ کی وجہ سے حالتِ احرام میں پچھنا لگوایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی بعض طرق میں یہ قید ہے کہ آپ نے خود لگایا۔

امام ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے سر انور کے درمیان میں پچھنا لگایا۔

حکماء اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس (خون نکلوانے) کا بہت فائدہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اخدعین (گردن میں دو رگیں) اور کاہل (دونوں کاندھوں کے درمیان) میں بھی پچھنا لگوایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: 2051' مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۴' ۳۳۳۔ ج ۳ ص 119)

اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا اور حسن قرار دیا نیز امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی نقل کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اطباء کہتے ہیں گردن کی رگوں (اخدعین) میں پچھنا لگوانا سر' چہرے' کانوں' آنکھوں' دانتوں اور ناک کی بیماریوں

میں نفع دیتا ہے۔

ایک ضعیف حدیث جسے ابن عدی نے عمر بن رباح کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت عبداللہ بن طاؤس سے وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

الحجامة فی الرأس تنفع فی سبع من الجنون والجذام والبرص والنعاس والصداع ووجع الضرس والعین۔

پچھنا لگوانا سات باتوں کے لئے نفع بخش ہے پاگل پن، کوڑھ، سفید داغ، اونگھ (حواس کی سستی) سر درد، داڑھ کے درد اور آنکھ کے درد (سے نجات دیتا ہے)۔

عمر بن رباح متروک ہے فلاس (عمرو بن علی باہلی بصری) وغیرہ نے اس پر کذب کا الزام لگایا ہے (اسی لئے یہ حدیث میں چھوڑ دیا گیا تو متروک ہوا)۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت نقل کی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کے سر انور میں درد ہوتا تو آپ مہندی کا لیپ کرتے اور فرماتے کہ سر کے درد میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ نفع دیتی ہے۔

اس حدیث کی صحت محل نظر ہے (دیگر کئی احادیث میں مہندی کے استعمال کو نفع بخش قرار دیا گیا لہٰذا اس حدیث کے عدم صحت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۱۲ ہزاروی)۔

یہ علاج اس حالت سے مخصوص ہے جب سر کا درد سخت گرمی کی وجہ سے ہو اور کسی ایسے مادہ سے نہ ہو جس کو دور کرنا ضروری ہو پس جب یہ صورت ہوگی تو ظاہری طور پر مہندی نفع دے گی۔

اطباء کہتے ہیں جب اسے کوٹ کر پیشانی پر پٹی کے ساتھ باندھا جائے تو درد ٹھہر جاتا ہے اور یہ سر کے درد سے خاص نہیں بلکہ تمام اعضاء کو شامل ہے۔

''تاریخ بخاری اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جس نے بھی درد سر کی شکایت کی آپ نے اسے پچھنا لگوانے کا حکم دیا اور جس نے پاؤں میں تکلیف کی شکایت کی اس سے فرمایا: مہندی کا لیپ کرو۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت علی بن عبداللہ کی روایت نقل کی ہے وہ اپنی دادی (سلمٰی ام رافع زوجہ ابورافع) سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت کرتی تھیں، فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ کو جب بھی کوئی زخم یا معمولی چوٹ آتی تو آپ نے مجھے اس پر مہندی لگانے کا حکم دیا۔

آنکھ دُکھنے کا نبوی علاج

(اسے رَمد کہتے ہیں) اور یہ ورم ہے اور یہ اس طبقہ کو پیش آتا ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہو اور اس کا سبب چار اخلاط (بلغم، خون، صفراء اور سوداء) میں سے کسی ایک کا گرنا ہے یا وہ بخارات ہیں جو معدے سے دماغ کی طرف اٹھتے ہیں اگر وہ ناک کے بانسے کی طرف چلے جائیں تو زکام پیدا ہو جاتا ہے اگر آنکھ کی طرف جائیں تو آنکھیں دُکھ جاتی ہیں اور حلق میں لٹکنے والے گوشت (لسان العرب ج ۱۲ ص ۳۴۹) یا ناک کے نتھنوں کی طرف جائے تو گلے کی بیماری پیدا ہوتی اور اگر سینے کی طرف جائے تو نزلہ پیدا ہوتا ہے اگر دل کی طرف جائے تو پیٹ میں درد ہوتا ہے (لسان العرب ج ۷ ص ۲۳۷) اور اگر وہ بخارات کسی دوسرے عضو کی طرف جانے کی بجائے نکلنے کی کوشش کریں اور کوئی راستہ نہ پائیں تو سر میں درد ہوتا ہے

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ آشوبِ چشم کا علاج سکون اور آرام اختیار کرنے اور حرکت نہ کرنے کے ذریعے بھی کرتے تھے۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے ہے فرماتے ہیں' میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے روٹی اور کھجور رکھی ہوئی تھیں آپ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ اور کھاؤ میں نے کھجور پکڑی اور کھانے لگا آپ نے فرمایا: تم کھجور کھا رہے ہو جب کہ تمہاری آنکھیں دُکھ رہی ہیں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں دوسری جانب سے چبا رہا ہوں اس پر نبی اکرم ﷺ مسکرانے لگے (مطلب یہ کہ چبانے سے آنکھوں پر دباؤ پڑتا ہے اور اس سے تکلیف ہوتی ہے۔۱۲ ہزاروی)۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۳)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دُکھیں تو آپ کو کھجوریں کھانے سے روک دیا گیا (کیونکہ آنکھ کی تکلیف کی طرح یہ بھی گرم ہیں اور اس طرح نقصان زیادہ ہوتا ہے)۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:

الکمأۃ من المن وماء ھا شفاء للعین. کھمبی مَن (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا) سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۷' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۵' الدر المنثور ج ۱ ص ۰۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۰۸)

''الکمأۃ'' (کھمبی) ایک ایسی سبزی ہے جس کے پتے اور ٹہنی نہیں ہوتی اور زمین میں بیجنے کے بغیر پائی جاتی ہے (اور سفید رنگ کی ہوتی ہے)۔

طبری نے المنکدر کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے' وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں کھمبی زیادہ ہوگئی تو ایک قوم نے اسے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ یہ زمین کی چیچک ہے نبی اکرم ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: کھمبی زمین کی چیچک نہیں بلکہ یہ مَن سے ہے۔

''مَن'' کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا اس سے وہ مَن مراد ہے جو بنی اسرائیل پر اتارا گیا اور یہ شبنم کی صورت میں درختوں پر گرتا تو وہ لوگ اسے جمع کرتے اور کھاتے تھے اور یہ میٹھا تھا (لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۹۸) اور اسی سے ترنجبیل ہے گویا یہ کھمبی کے مشابہ تھا کیونکہ یہ دونوں کسی محنت کے بغیر حاصل ہوتے ہیں۔

خطابی نے کہا یہ بات مراد نہیں ہے کہ یہ اس مَن کی ایک قسم ہے جو بنی اسرائیل پر اتاری گئی تھی کیونکہ بنی اسرائیل پر اترنے والی مَن' ترنجبیل تھی جو درخت پر گرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ کھمبی ایک ایسی چیز ہے جو بیج ڈالنے اور پانی دینے کی تکلیف کے بغیر اگتی ہے اور اس کو یہ خصوصیت اس لئے حاصل ہے کہ یہ خالص حلال ہے اس کے حصول میں (حرام وغیرہ کا) کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ خالص حلال چیز کا استعمال آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔

ابن جوزی نے کہا کہ اس کے آنکھوں کے لئے شفا ہونے میں دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا پانی حقیقی ہے لیکن اس قول کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ اسے خالص طور پر استعمال نہ کیا جائے اور اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کو کیسے استعمال کیا جائے؟ اس سلسلے میں دو رائے ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ جن دوائیوں کو آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے ان میں اس کا پانی ڈالا جائے یہ بات ابو عبید نے کہی ہے دوسری رائے یہ ہے کہ اسے پھاڑ کر انگارے پر رکھا جائے حتیٰ کہ اس کا پانی جوش مارے پھر اس جگہ سرمہ لگانے والی سلائی ڈال کر اس کے پانی کو بطور سرمہ استعمال کیا جائے کیونکہ آگ کے ذریعے اس میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے اور خراب مادہ چلا جاتا ہے اور نفع بخش باقی رہتا ہے اور جب اس کا پانی ٹھنڈا خشک ہو تو اس میں سلائی نہ ڈالی جائے اس سے فائدہ نہیں ہوگا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۰۳)

دوسرے قول کے قائلین کہتے ہیں ایک نئی ہنڈیا میں کھمبی ڈال کر اس پر پانی ڈالا جائے اور اس میں نمک نہ ڈالا جائے پھر ایک نیا صاف ڈھکنا لے کر اس ہنڈیا پر رکھا جائے اب کھمبی کے جو بخارات اس ڈھکنے کے ساتھ لگیں یہ وہ پانی ہے جسے آنکھوں میں استعمال کیا جائے۔

ابن واقد نے کہا کہ جب کھمبی کا پانی نچوڑ کر اثمد سرمہ کے ساتھ ملایا جائے تو یہ آنکھوں کے لئے بہترین چیز ہے اس سرمہ کو استعمال کرنے سے پلکیں مضبوط ہوتی ہیں اور دیکھنے کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور اس میں اترنے والی خرابیاں دور ہو جاتی ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر سونے کی سلائی کے ساتھ صرف اس کے پانی کو استعمال کرے تو ایسا کرنے والے کو آنکھوں میں بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

ابن قیم نے کہا کہ بڑے بڑے اطباء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ کھمبی کا پانی آنکھوں کو روشن کرتا ہے ان میں مسیحی (ابو سہل عیسیٰ بن یحییٰ جرجانی متوفی ۴۰۱ ھ)[1] ابن سینا وغیرہ ہیں۔

یہ اختلاف کہ کھمبی وغیرہ اصل میں نقصان سے پاک پیدا کی گئی ہیں پھر ان میں دوسرے امور سے آفات داخل ہوئیں یعنی ان میں کوئی چیز مل گئی یا کسی دوسرے سبب سے جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کھمبی اصل میں نفع بخش ہے اور اس کی وجہ یہ کہ یہ اس وصف کے ساتھ مخصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نقصان بعد میں اس کے ساتھ ملتا ہے۔ اور احادیث میں جن چیزوں کا ذکر ہے سچی نیت کے ساتھ ان کا استعمال کیا جائے تو نفع حاصل ہوتا ہے اور اس نیت کے باعث اللہ تعالیٰ اس سے نقصان کو دور کر دیتا ہے اور نیت دوسری ہو تو معاملہ بھی دوسرا ہوگا۔ واللہ اعلم

حلق میں درد کا نبوی علاج

(اس درد کو عربی میں ''العذرہ'' کہتے ہیں) یہ لفظ عین پر پیش اور دال کے سکون کے ساتھ ہے یہ گلے کا درد ہے جو عام طور پر بچوں کو ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک زخم ہے جو کان اور حلق کے درمیان ہوتا ہے یا ناک اور حلق کے درمیان ہوتا ہے اور اسے حلق کے کوے (لٹکے ہوئے گوشت) کا اترنا کہتے ہیں۔

---

[1] (الاعلام ج ۵ ص ۱۱۰ طبقات الاطباء ج ا ص ۳۲۷ تاریخ حکماء الاسلام ص ۹۵)

یہ بھی کہا گیا کہ یہ حلق کے کوے کا نام ہے اور مراد اس کا درد ہے اس جگہ کے نام سے درد کا نام رکھا گیا۔
ایک قول یہ ہے کہ یہ کوے کے قریب جگہ ہے اور کوا وہ گوشت ہے جو حلق کے آخری حصہ میں لٹکتا ہے۔
''صحیح بخاری میں'' حضرت ام قیس بنت محصن الاسدیہ' اسد خزیمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں وہ بارگاہ نبوی میں اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہوئیں جس کا علاج انہوں نے یوں کیا کہ اپنی انگلی سے اس گوشت کو اوپر کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

علام تدغرن اولادکن بھذا العلاق علیکم بھذا العود الھندی فان فیہ سبعة اشفیة منھا ذات الجنب.

تم اس برے طریقے سے اپنی اولاد کے گلے کا علاج کیوں کرتی ہو؟ تم پر لازم ہے کہ یہ ہندی لکڑی (کُٹھ) اختیار کرو اس میں سات (بیماریوں سے شفاء) ہے ان میں سے ایک پہلو (ریح) کا درد ہے۔

اس سے مراد کُٹھ ہے۔ اور ''تدغرن'' میں عورتوں سے خطاب ہے ''الدغر'' گلا دبانے کو کہتے ہیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۱۳، ۵۷۱۵، ۵۷۱۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶۔۸۷ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۲ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۶۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۶۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۵۲۴ المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۷)
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان کے پاس ایک بچہ تھا جس کے ناک سے خون جاری تھا آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ حاضرین نے کہا: ''العذرة'' (گلے کی بیماری) ہے یا سر میں درد ہے آپ نے فرمایا: تم عورتوں کے لئے ہلاکت ہو اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ جس عورت کے بچے کو یہ زخم یا درد ہو وہ کُٹھ لے کر پانی میں حل کرے اور پھر اس کے ناک میں ڈالے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا تو بچے کے لئے یہ دوائی بنائی گئی اور وہ ٹھیک ہو گیا۔
کُٹھ میں خشک کرنے کی تاثیر ہے وہ کوے (تالو) کو سخت کر کے اس کی جگہ کی طرف اٹھا دیتی ہے وہ لوگ اولاد کا علاج یوں کرتے تھے کہ گلے کو دبا کر تالو کو اوپر کی طرف اٹھاتے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ایسا طریقہ بتایا جو اس سے زیادہ نفع بخش بھی ہے اور اس میں بچوں کے لئے آسانی بھی ہے۔ ناک میں دوائی وغیرہ ڈالنے کو ''السعوط'' کہا جاتا ہے۔
اعتراض: گلے کی اس بیماری کا قُسط ہندی (کُٹھ) سے علاج کرنا کیسے صحیح ہوگا جب کہ وہ گرم ہوتی ہے اور یہ بیماری بچوں کو گرمی کے موسم میں لگتی ہے اور ان کے مزاج بھی گرم ہوتے ہیں بالخصوص سرزمین حجاز میں جو گرم علاقہ ہے؟
جواب: ''العذرہ'' بیماری کا مادہ خون ہے جس پر بلغم غالب ہوتی ہے اور کُٹھ میں رطوبت کو خشک کرنے کی تاثیر ہے اور اس بیماری میں اس کا نفع اس خاصیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور گرم دوائیاں بھی اکثر گرم بیماریوں میں کسی خارجی وجہ سے بلکہ ذاتی طور پر فائدہ دیتی ہیں۔ ابن سینا نے بھی تالو اترنے کا علاج کُٹھ اور شب یمانی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔
علاوہ ازیں اگر ہم اس کی کوئی دوسری توجیہ نہ بھی کر سکیں تو معجزہ طبی قواعد سے خارج ہوتا ہے (یعنی آپ کے معجزہ کے طور پر اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا ہے)۔

اسہال کی بیماری کا نبوی علاج

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں" حضرت ابوالمتوکل کی حدیث سے ہے وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے بھائی کے پیٹ میں تکلیف ہے دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا اسہال کی تکلیف ہے آپ نے فرمایا: اسے شہد پلاؤ' اس نے عرض کیا میں نے اسے شہد پلایا لیکن اس کے اسہال میں اضافہ ہو گیا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۴-۵۷۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹-۹۲' المستدرک ج ۴ ص ۴۰۲' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۴' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۶۴' الدر المنثور ج ۴ ص ۱۲۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۷۰)

(قرآن مجید میں ہے "فیه شفاء للناس" اس (شہد) میں لوگوں کے لئے شفاء ہے)۔

"صحیح مسلم کی" روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے تین بار فرمایا پھر چوتھی مرتبہ آیا تو فرمایا اسے شہد پلاؤ' اس نے عرض کیا میں نے اسے پلایا ہے لیکن اس کے اسہال میں اضافہ ہوا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے یزید بن ہارون سے نقل کیا کہ چوتھی مرتبہ فرمایا: اسے شہد پلاؤ راوی فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اس نے اسے پلایا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا۔

خطابی وغیرہ کہتے ہیں کہ اہل حجاز خطاء کے مقام پر کذب یعنی جھوٹ کا لفظ بولتے ہیں کہا جاتا ہے " کذب سمعک یعنی تیرے سننے میں غلطی ہوئی" اور جو کچھ کہا گیا وہ اس کی حقیقت کا ادراک نہ کر سکا پس "کذب بطن اخیک" (تیرے بھائی کے پیٹ نے خطا کی) یعنی وہ اس شفاء کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ وہ خطا کر گیا۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

شاید نبی اکرم ﷺ کو وحی کے نور سے معلوم ہو گیا ہو کہ یہ شہد عنقریب اس کے بعد اس شخص کو نفع دے گا تو جب فی الحال نفع نہ دیا حالانکہ حضور علیہ السلام جانتے تھے کہ اس کا بعد اس کا نفع ظاہر ہو گا تو یہ خطا کے قائم مقام ہوا اس لئے آپ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے کہ تمہارے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا۔

بے دینوں کا اعتراض اور جواب

بعض بے دین کہتے ہیں کہ شہد مسہل ہے تو یہ اسہال والے کو کیسے فائدہ دے سکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا جاہل ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

---

[1] مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ فرمایا وہ سچ ہے لیکن اس شخص کا مزاج اسے قبول نہیں کرتا۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ۔[1] بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کے علم کا احاطہ نہ کیا۔ (یونس:۳۹)

حکماء واطباء اس بات پر متفق ہیں کہ ایک بیماری کا علاج' عمر' عادت' زمانے' مانوس غذا' تدبیر اور قوت طبعی کے اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے نیز اسہال کی کئی قسمیں ہیں۔

ان میں سے ایک ہیضہ ہے جو معدے کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ اس کا علاج یہ ہے کہ کوئی دوائی استعمال نہ کی جائے (کوئی قابض چیز استعمال نہ کی جائے تا کہ معدے میں فاسد مادے رک نہ جائیں) اور اگر کسی مُسہل چیز کی ضرورت ہو تو اس وقت دی جائے جب تک بیمار میں قوت ہو پس اس شخص کا پیٹ ان فاسد مادوں کی وجہ سے خراب تھا جو اس کے معدے میں جمع تھے تو نبی اکرم ﷺ نے شہد تجویز فرمایا تا کہ معدے کے کناروں میں جمع فضول مادے خارج ہو جائیں جو غذا کو معدے میں ٹھہرنے نہیں دیتے اور معدے کے چھوٹے چھوٹے ریشے ہوتے ہیں جس طرح تولیے کے ہوتے ہیں پس جب ان کے ساتھ مل جانے والے اخلاط (بلغم وغیرہ) مل جاتے ہیں تو وہ اس (معدے) کو خراب کر دیتے ہیں اور اس تک پہنچنے والی غذا بھی فاسد ہو جاتی ہے لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ ایسی دوا استعمال کی جائے' جو ان اخلاط کو ہٹا دے اور اس سلسلے میں شہد کی طرح کوئی (مفید) چیز نہیں ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ گرم پانی ملا ہوا ہو اور پہلے مرحلے میں اس کا فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ دوائی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی مقدار دوائی کے مطابق ہو اگر دوائی کم ہو گی تو مکمل طور پر بیماری کا خاتمہ نہیں ہوگا اور اگر بیماری سے بڑھ جائے تو طاقت کو کمزور کر دے گی یا کوئی دوسرا نقصان پیدا کرے گی۔

پس گویا اس نے پہلے اس مقدار میں شہد پیا جو بیماری کو دور کرنے کے لئے کافی نہ تھا تو نبی اکرم ﷺ نے دوبارہ پینے کا حکم دیا جب کئی بار پیا اور بیماری کے مطابق مقدار پائی گئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو گیا۔

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ''تمہارے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا (خطا کی)'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دوا نفع بخش ہے اور بیماری کا باقی رہنا شفاء میں دوائی کی کوتاہی کے باعث نہیں بلکہ فاسد مادے کے کثرت کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بار بار شہد پینے کا حکم دیا تا کہ اس کا معدہ فاسد مادے سے خالی ہو جائے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ شہد بعض اوقات رگوں کی طرف جلدی جاتا ہے اور غذا کا زیادہ حصہ اس کے ساتھ نکلتا ہے تو پیشاب کو گول کرتا ہے لہٰذا یہ قابض ہوتا ہے اور بعض اوقات معدے میں رہتا ہے اور آگ کی طرح تاثیر کرتا ہے (گرم کرتا ہے) حتیٰ کہ کھانے کو پھینکتا ہے اور پیٹ کو نرم کرتا ہے تو مُسہل ہوتا ہے۔

پس اس کے مُسہل ہونے کا مطلقاً انکار کرنا منکر کی کم فہمی ہے۔

ابن جوزی نے کہا: نبی اکرم ﷺ نے اسہال کی بیماری والے کے لئے شہد تجویز فرمایا تو اس میں چار قول ہیں:

---

[1] یعنی جس طرح مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے قرآن کا انکار کرنے میں جلدی کی اسی طرح ان لوگوں نے سمجھنے کے بغیر اس کا انکار کرنے میں جلدی کی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۲۱)

(۱) آیتِ کریمہ کو شفاء کے سلسلے میں اپنے عموم پر رکھا جائے اور نبی اکرم ﷺ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: یعنی "فیہ شفاء للناس" (اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے) میں اللہ تعالیٰ سچا ہے پس جب وہ اس حکمت پر آگاہ ہوا تو اسے قبول کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی۔

(۲) آپ کا اس کے لئے شہد تجویز کرنا ان لوگوں کے طریقے کے مطابق تھا کہ وہ لوگ تمام بیماریوں کا علاج شہد سے کرتے تھے۔

(۳) جس کے لئے یہ تجویز فرمایا اسے ہیضہ تھا جیسا کہ پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

(۴) یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ان کو حکم دیا ہو کہ استعمال کرنے سے پہلے اسے پکائیں کیونکہ یہ بلغم کو گاڑھا کرتا ہے اور شاید اس نے پہلی مرتبہ پکانے کے بغیر استعمال کیا ہو۔

دوسرا اور چوتھا قول ضعیف ہیں۔ جبکہ پہلے قول کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

علیکم بالشفاء ین العسل والقرآن. تم پر دو شفاء دینے والی چیزیں لازم ہیں (۱) شہد اور (۲) قرآن۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۵۲، المستدرک ج ۴ ص ۲۰۰۔۴۰۳، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۴، الدر المنثور ج ۴ ص ۱۲۳، کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۳۳، الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۰۶۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۰۲)

اس حدیث کا ابن ماجہ اور حاتم نے مرفوعاً (یعنی حضور علیہ السلام کے قول کے طور پر) نقل کیا اور ابن ابی شیبہ اور حاکم نے موقوفاً (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے طور پر) نقل کیا اور اس کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے فرماتے ہیں: جب تم میں سے کسی ایک کو بیماری ہو تو اپنی بیوی سے اس کے مہر میں سے کچھ رقم بطور ہبہ حاصل کرے اور اس سے شہد خریدے پھر بارش کا پانی لے کر ملائے تو یہ نہایت خوشگوار اور مبارک دوائی ہوگی۔[۱]

اسی حدیث کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حسن سند کے ساتھ نقل کیا۔

اور ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص شفاء حاصل کرنا چاہے تو قرآن مجید سے ایک آیت کسی کاغذ پر لکھے اور اس کو بارش کے پانی سے دھو کر اپنی بیوی سے ایک درہم اس کی مرضی سے لے اور اس سے شہد خرید کر اسے پیئے (تو شفاء حاصل ہوگی)۔

حافظ ابن کثیر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا اس (شفاء) کی کئی وجوہ ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ اور ہم قرآن مجید سے وہ کچھ اتارتے ہیں جو شفاء ہے۔ (الاسراء: ۸۲)

---

[۱] اس کے مبارک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شہد کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے "فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ" اور بارش کے بارے میں ہے "وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا"۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۲۳)

اور فرمایا:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا. (ق:۹)

اور ہم نے آسمان سے مبارک پانی اتارا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا. (النساء:۴)

اگر وہ اس (مہر) میں سے اپنی خوش دلی سے تمہیں دیں تو اسے خوشگوار طریقے سے کھاؤ۔

اور شہد کے بارے میں فرمایا:

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ. (النحل:۶۹)

اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔

جلاب کے سلسلے میں طب نبوی

''جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ہے'' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے پوچھا تم کس چیز سے جُلاب لیتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ''شبرم'' کے ساتھ' آپ نے فرمایا: گرم ہے گرم ہے' نقصان دہ ہے نقصان دہ ہے (وضاحت آگے آ رہی ہے) اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ میں سَنا کے ساتھ جلاب لیتی ہوں تو آپ نے فرمایا: اگر کسی چیز میں موت سے شفاء ہوتی تو سنا میں ہوتی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۰۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۶۱' السنن الکبریٰ ج۹ ص۳۴۷' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۲۶۸)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''اپنی تاریخ کبیر میں'' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اس کی مثل روایت نقل کی جو امام ترمذی نے نقل کی ہے۔

ابو محمد الحمیدی نے ''الطب میں'' نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شبرم سے بچو یہ گرم ہے گرم ہے' نقصان دہ ہے نقصان دہ ہے اور تم پر سنا کو اختیار کرنا لازم ہے [1] اس سے علاج کرو اگر موت کو کوئی چیز دور کر سکتی تو سنا دور کرتی۔

عبدالحق اشبیلی نے اپنی کتاب ''الطب النبوی'' میں نقل کیا کہ محاسبی نے اپنی کتاب ''القصد الی اللہ'' میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے کھجور کے ساتھ سنا کو نوش فرمایا۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت ابراہیم بن ابی عبلہ کی روایت سے ہے' فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ سے سُنا اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (الاصابہ ج۴ ص۵۶)

علیکم بالسنا والسنوت فان فیھما شفاء من کل داء الا السام قیل یا رسول اللہ ﷺ وما السام قال الموت.

آپ نے فرمایا: سنا اور سنوت سے علاج کرو ان دونوں میں سام کے علاوہ ہر بیماری کا علاج ہے عرض کیا گیا یارسول اللہ! سام کیا ہے؟ فرمایا: موت۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۵۷' المستدرک ج۴ ص۲۰۱' کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۲۷۱۔۲۸۲۶۷)

[1] عربی اور فارسی میں اسے سنا مکی کہتے ہیں اس کا پودہ نصف گز تک لمبا اور جنگلی نیل کے مشابہ ہوتا ہے' اس کا پتہ مہندی کے پتے کی طرح اور پھول کسی قدر نیل گوں ہوتے ہیں' اس کے پتے دواء میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

(اطباء یا محدثین) فرماتے ہیں "شبرم"[1] ایک درخت کی جڑ کا چھلکا ہے اور یہ چوتھے درجہ میں گرم خشک ہے اور یہ ان دوائیوں میں سے ہے جن کے استعمال سے اطباء نے منع کیا ہے کیونکہ اس میں خطرہ ہے اور بہت زیادہ اسہال ہے۔

(تحفۃ الاحوذی)

اور سَنا ایک حجازی بوٹی ہے اور اس میں سے افضل سَنا مکی ہے یہ دوا شریف ضرر سے محفوظ اور اعتدال کے قریب ہے یہ گرم خشک ہے پہلے درجہ میں ہے صفرا یا سوداء کو پتلا کرتی ہے اور دل کو قوت دیتی ہے یہ اس کی فضیلت شریفہ ہے اور اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ سوداوی وسوسوں سے بچاتی ہے (یعنی سودا کی وجہ سے پیدا ہونے والے وسوسوں سے فائدہ دیتی ہے)۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سَنا اور ساترج (ایک خون صاف کرنے والی دوا جسے شاہ ترہ کہتے ہیں) جلے ہوئے اخلاط کو پتلا کرتے ہیں اور کھجلی اور خارش میں فائدہ دیتے ہیں۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک چار سے سات درہم تک پیا جائے (مزاج کے مطابق ہو)۔

سنوت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ شہد ہے اور ایک قول کے مطابق گھی کی کُپی سے نکلنے والا شیرہ جو گھی پر سیاہ لکیروں کی صورت میں نکلتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک دانہ ہے جو زیرے کے مشابہ ہے لیکن کمون نہیں' بعض نے کہا کمون کرمانی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے سونف مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سویہ کا ساگ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شہد ہے جو گھی کے (مشک) برتن میں ہو۔

بعض اطباء نے کہا کہ معنوی اعتبار سے یہ زیادہ لائق اور درستگی کے زیادہ قریب ہے یعنی سَنا کو کوٹ کر اس کو شہد میں ملایا جائے جس میں گھی ملا ہوا ہے اور پھر اسے چاٹا جائے' خالی سَنا کو استعمال کرنے سے یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں شہد اور گھی ہے جو سَنا کی اصلاح کرتا اور اسہال پر اس کا مددگار ہے۔

دل کی تکلیف کا نبوی علاج

جس آدمی کے دل میں تکلیف ہو اسے "مفؤود" کہتے ہیں جس طرح پیٹ میں درد ہو تو اسے "مبطون" کہا جاتا ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ میرے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی آپ نے فرمایا: تمہارے دل میں تکلیف ہے تم حارث بن کلدہ متوفی ۵۰ھ (الاعلام ج ۲ ص ۱۵۷' طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۰۹' المؤتلف والمختلف ص ۷۲) کے پاس جاؤ وہ بنوثقیف کا ایک فرد ہے اور علاج کرتا ہے وہ مدینہ طیبہ کی سات کھجوریں لے کر ان کو گٹھلیوں سمیت کوٹے پھر ان کو پلائے۔ (یعنی طریقہ خود نبی اکرم ﷺ نے بتایا اور علاج کرنے کا حکم حارث بن کلدہ کو دیا)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۲۲۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۹۹)

---

[1] اطباء کی کتابوں میں ہے کہ شبرم ایک شیر دار بوٹی ہے اس کا درخت سیدھا باریک' گرہ دار اور روئیں دار ہوتا ہے یہ تقریباً ایک ہاتھ اونچا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں عام لوگوں کو خطاب ہے لیکن خاص لوگ مراد ہیں جس طرح اہل مدینہ اور اس کے اردگرد والے اور مدینہ طیبہ والوں کے لئے کھجوریں اسی طرح ہیں جس طرح دوسروں کے لئے گندم وغیرہ ہے پلانے کے لئے "اللدود" کا لفظ استعمال ہوا جس کا مطلب منہ کی ایک جانب سے پلانا ہے۔

اور کھجور میں اس بیماری کے لئے عجیب خاصیت ہے بالخصوص مدینہ طیبہ والوں کے لئے اور وہ عجوہ (عمدہ) کھجور اور سات کھجوروں کا ہونا مزید خاصیت کا حامل ہے جس کا ادراک وحی سے ہوا۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے:

مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتِ عَجْوَةٍ مِّنْ تَمْرِ الْعَالِيَةِ لَمْ يَضُرُّهُ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ۔[1]

جو شخص صبح کے وقت مدینہ طیبہ کے بلند مقام کی سات عجوہ کھجوریں کھائے اسے اس دن کوئی زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۴۵-۵۷۶۸-۵۷۶۹-۵۷۷۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۶، مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۱-۱۸۶، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۷۶، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۱۹۰)

السر کا نبوی علاج

"صحیح بخاری میں" مرفوعاً مروی ہے:

عليكم بهذا العود الهندى فان فيه سبعة اشفية منها ذات الجنب.

تم پر یہ کُٹھ لازم ہے کیونکہ اس میں سات شفائیں (یعنی سات بیماریوں سے شفاء ہے) ان میں سے ایک السر ہے۔

"جامع ترمذی میں" حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تداووا من ذات الجنب بالقسط البحرى والزيت.

نمونیہ کا علاج بحری کُٹھ اور زیتون سے کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۹، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۱۸۷)

جان لو کہ ذات الجنب ایک گرم ورم ہے جو اعضاء کے اندر یعنی چمڑے کے نیچے ہوتا ہے اور بعض اوقات پہلو کے کناروں میں گیس بھر جاتی ہے جو چمڑے اور گوشت کے درمیان سینے اور پسلیوں میں رک جاتی ہے جس سے درد پیدا ہوتا ہے۔

پہلی صورت یعنی ورم ذات الجنب حقیقی ہے جس پر اطباء نے گفتگو کی ہے وہ کہتے ہیں اس کی وجہ سے پانچ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ بخار، کھانسی، کھجلی، سانس کی رکاوٹ اور رگوں کی حرکت۔

ذات الجنب کو پسلیوں کا درد بھی کہا جاتا ہے اور یہ خطرناک مرض ہے کیونکہ یہ دل اور جگر کے درمیان پیدا ہوتی ہے اور یہ تمام بیماریوں میں بری بیماری ہے اور یہاں ذات الجنب سے ریح (بادی) کی بیماری مراد ہے کیونکہ کُٹھ ہی سے سخت ریح

[1] نبی اکرم ﷺ نے اس کھجور کے لئے دعا فرمائی اس لئے اس میں یہ تاثیر ہے نیز آپ نے اسے خود اپنے دستِ مبارک سے لگایا اور یہ بات زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

علاج کیا جاتا ہے۔

ابن قیم نے المسیحی سے نقل کیا کہ اس نے کہا گٹھ گرم خشک قابض ہے اور یہ پیٹ (کے اسہال) کو روک دیتی ہے اعضاء باطنہ کو مضبوط کرتی ہے ریح کو نکالتی بند راستوں کو کھولتی ہے اور زائد رطوبت کو لے جاتی ہے ذات الجنب بیماری کے لئے نفع بخش اور دماغ کے لئے عمدہ ہے۔

المسیحی نے کہا کہ حقیقی ذات الجنب کے لئے بھی مفید ہے جب وہ بلغمی مادے سے پیدا ہو خصوصاً جب کہ بیماری انحطاط پذیر ہو۔

استسقاء کا نبوی علاج

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں قبیلہ عرینہ اور قبیلہ عکل کا ایک گروہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں مدینہ طیبہ کی ہوا موافق نہ آئی پس انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا تم صدقہ کے اونٹوں کی طرف جاؤ اور ان کے دودھ اور پیشاب پیو۔

چنانچہ جب وہ ٹھیک ہو گئے تو انہوں نے چرواہوں کو قتل کیا اور اونٹوں کو لے گئے اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کی۔ نبی اکرم ﷺ نے کچھ افراد کو ان کے پیچھے بھیجا تو ان کو پکڑ کر ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے نیز ان کی آنکھوں میں گرم سلائیں پھیری گئیں اور انہیں دھوپ میں ڈالا گیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۰۱ شرح السنہ ج ۱۰ ص ۲۵۶ الاحکام النبویہ ج ۱ ص ۳۹)

استسقاء ایک ایسی بیماری ہے جس کا سبب عجیب ٹھنڈا مادہ ہے جو اعضاء میں داخل ہو کر وہاں پرورش پاتا ہے یا تو وہ تمام ظاہری اعضاء میں ظاہر ہوتا ہے یا ان جگہوں میں جو خالی ہوتی ہے اور جہاں غذا اور چاروں اخلاط بلغم خون صفراء اور سوداء کی تدبیر ہوتی ہے۔

استسقاء کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) لحمی: یہ سب سے زیادہ سخت ہے اور اس کے ساتھ پورے جسم کا گوشت بڑھتا ہے اور اس کے ساتھ بلغمی مادہ اور خون بھی پھیلتا ہے۔

(۲) زقی: یہ وہ ہے کہ پیٹ کے نچلے حصے میں ردی پانی والا مادہ جمع ہوتا ہے جب حرکت ہوتی ہے تو حرکت کی آواز آتی ہے جس طرح مشک میں پانی ہو۔ اکثر اطباء کے نزدیک یہ سب سے گھٹیا قسم ہے۔

(۳) طبلی: اس صورت میں ریاحی مادہ کے ساتھ پیٹ پھول جاتا ہے جب پیٹ پر کوئی چیز ماری جائے تو طبل (ڈھول) کی طرح آواز آتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ خالص دودھ میں سدوں کو نرم کرنے اور صفائی کی تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ اونٹ شیح قیصوم بابونج اقحوان اور اذخر وغیرہ (بوٹیاں اور گھاس) کھاتے تھے اور یہ بوٹیاں استسقاء کے لئے مفید ہیں خصوصاً جب ان کی اس حرارت کے ساتھ استعمال کیا جائے جس کے ساتھ دودھ تھنوں سے نکلتا ہے اور اس کے ساتھ اونٹ کے بچے کا پیشاب بھی ہو۔ تو یہ گرم ہوتا ہے جس طرح حیوان سے نکلتا ہے

اس سے دودھ۔ کے کھاراپن' زائد مادوں کے خاتمے اور پیٹ کے کھلنے میں اضافہ ہوتا ہے۔[1]

معدے کی کمزوری کا علاج

معدے کی کمزوری کے حوالے سے ابن حاج نے ''المدخل میں'' لکھا ہے کہ ایک شخص معدے کی بیماری میں مبتلا ہوا تو شیخ جلیل ابومحمد مرجانی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اور آپ اس دوا کی طرف اشارہ فرمار ہے تھے وہ اس طرح کہ ہر دن نہار منہ ایک روپیہ کے برابر گلاب کا مربہ (گلقند جس میں مصطگی (سفید رومی گوند) ملائی گئی ہو اور اسے کوٹا گیا ہو اور اس میں کلونجی کے سات دانے ڈالے جائیں' سات دن اس طرح کرے تو ٹھیک ہو جائے گی۔

ایک شخص معدے کی ٹھنڈک کی وجہ سے بیمار ہو گیا تو شیخ مرجانی نے ہی نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی آپ نے یوں اشارہ دیا کہ نصف اوقیہ (ڈیڑھ اونس) شہد لیا جائے دو درہم وزن کے برابر کلونجی اور اس کی مثل رومی سونف اسی مقدار میں سبز پودینہ نصف درہم کے برابر لونگ اور اسی مقدار میں انار کا چھلکا اور کچھ لیموں کا چھلکا لیں اس میں تھوڑ سا سرکہ ملا کر اسے آگ پر پکائیں چنانچہ وہ اس کے استعمال سے صحت یاب ہو گیا۔ ایک دوسرے شخص کو مسلسل ریح کی شکایت ہوئی تو شیخ مرجانی نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ نے اس دوا کا اشارہ دیا تین درہم کے برابر کلونجی' خزافی (خوشبودار پھولوں والا پودا) سے اڑھائی درہم کا وزن' سفید زیرہ تین درہم کے برابر اس کے برابر شامی پودینہ (پہاڑی پودینہ) اور اس کی مثل غلیا ایک درہم کا وزن سیتا سپاری (ایک پہاڑی درخت کا پھل ہے) اور یہ دل کا پھل ہے ایک اوقیہ (تین اونس) زیتون کا تیل دم کیا ہوا لے کر اس میں اسی حساب سے شہد ڈالا جائے یعنی رطل (آدھ کلو) کا چوتھا حصہ ڈالا جائے۔ اور اس سے صبح نہار منہ دو درہم کے برابر اور سوتے وقت ڈیڑھ درہم کے برابر استعمال کریں پس انہوں نے اسے یہ دوائی استعمال کروائی تو مریض ٹھیک ہو گیا پھر نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جسے اس دوائی کی خبر دی تھی کہ یہ دوائی ان بیماریوں کے لئے بھی مفید ہے۔

ریح' مسلسل ہوا کا خارج ہونا' معدہ اور اس کی ٹھنڈک' دل کے درد' حیض کی تکلیف' نفاس کی تکلیف اور ہوا کا رک جانا۔

زیتون کے تل کو دم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیتون کا کچھ پاک تیل لے کر اس کو پاک برتن میں ڈالو اور پھر کسی لکڑی سے ہلاتے رہو اور اس پر سورۂ اخلاص اور معوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ' قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ دونوں سورتیں) پڑھو نیز لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:۱۲۸) اور وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (الاسراء:۸۲) اور اس کے علاوہ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ (الحشر:۲۱) سورت کے آخر تک پڑھو (یہ ''زیت مرقی یعنی دم کیا ہوا تیل ہے'')۔

ایک دوسرے شخص کو قولنج کا درد ہوا تو اسے اس دوائی کا اشارہ دیا کہ تین درہم کے برابر شہد لے' ڈیڑھ درہم کے برابر دم کیا ہوا زیتون کا تیل لے اور کلونجی کے اکیس دانے لے کر ان کو باہم ملائے اس سے ناشتہ کرے (نہار منہ کھائے) اسی

[1] نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا علاج یہی ہے اب کسی کے لئے پیشاب پینا جائز نہیں چاہے علاج کے طور پر استعمال کرے۔۱۲ ہزاروی

طرح سوتے وقت بھی کرے یہ عمل مسلسل کرے حتیٰ کہ ٹھیک ہو جائے نیز اس شخص کے لئے تلبینہ بنایا جائے اور اسے اس (پہلی) دوائی کے بعد استعمال کرے تلبینہ ایک پتلی غذا ہے (جیسے دلیا وغیرہ) آٹے یا چھان بورے سے بنائی جاتی ہے بعض اوقات اس میں شہد بھی ڈالتے ہیں۔
اور اس کی غذا مرغی کے گوشت کے ٹکڑے یا بکری کا گوشت ہو۔ اس نے یہ عمل کیا تو ٹھیک ہو گیا حالانکہ حکیم لوگ اس کے علاج سے عاجز آ چکے تھے۔
ایک اور آدمی کی پیٹھ میں درد ہو گیا تو اس نے شیخ سے شکایت کی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو (خواب میں) دیکھا کہ آپ اس دوائی کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں (شہد کی) مکھیوں کا شہد کلونجی اگر کی لکڑی کا تیل دم کیا ہوا زیتون کا تیل اور انڈے کی سفیدی لے کر سب کو ملائے اور اس (تکلیف والی) جگہ پر لگائے اس پر چھلکے والی مسور کی دال کا لیپ کرے اور پہلے اس کو سپند (کالا دانہ) کے ساتھ ملا کر خوب کوٹے حتیٰ کہ آٹے کی طرح ہو جائے چنانچہ اس شخص نے یہ عمل کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔
کسی نے سر چکرانے کی شکایت کی تو شیخ نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے اس دوائی کی طرف اشارہ فرمایا: لونگ سونٹھ انار کے چھلکے (دارچینی کی ایک قسم جسے نج کہتے ہیں) اچھے اخروٹ اور بالچھڑ۔ ان میں سے ہر ایک ڈیڑھ درہم کے برابر ہو اور دو درہم کے برابر کلونجی لے کر ان تمام چیزوں کو کوٹا جائے پھر پکا کر شہد ملائیں جب اچھی طرح خشک ہو جائے تو اس پر کچھ لیموں نچوڑا جائے پس شہد غالب ہو گا۔ اس شخص نے اس طرح کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔
اگرچہ یہ بات خواب کے ذریعے حاصل ہوئی لیکن تجربہ نے اس کو تقویت دی پھر اس کے ساتھ ساتھ شیخ مرجانی کا ارشاد بھی ہے۔

عرق النساء کا نبوی علاج

''عرق النساء'' میں نون اور سین پر زبر ہے اور یہ بیماری رگ میں ہوتی ہے اس میں اضافت کسی چیز کی اس کے محل کی طرف اضافت کی طرح ہے کہا گیا ہے کہ اسے عرق النساء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس درد کی وجہ سے باقی سب کچھ بھول جاتا ہے اور یہ رگ سیرین کے جوڑ سے لے کر پاؤں کے آخر تک یعنی ٹخنوں کے پیچھے ہوتی ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عرق النساء کا علاج یہ ہے کہ دیہاتی بکری کی چکی کا پانی نکالا جائے پھر اس کے تین حصے کر کے ہر دن نہار منہ تہائی حصہ پی لے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۳ الاحکام النبویہ ج ۱ ص ۷۰)

یہ دوا عرب اہل حجاز اور اس سے متصل علاقوں کے لوگوں کے لئے ہے اور یہ ان لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ یہ بیماری خشکی سے پیدا ہوتی ہے اور بعض گاڑھے لیس دار مادے سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا اس کا علاج اسہال ہیں اور چکی میں دو خصوصیتیں ہیں پکانا اور نرم کرنا اور اس بیماری کا علاج ان دو چیزوں کا محتاج ہے (کہ وہ مادہ پک کر نرم ہو اور اسہال کی صورت میں نکلے)۔
دیہاتی بکری کا انتخاب اس لئے ہے کہ اس میں فضول اور زائد چیزیں کم ہوتی ہیں اس کی مقدار کم ہوتی ہے اور اس کا

جوہر لطیف ہوتا ہے نیز اس کی چراگاہ کو بھی خصوصیت حاصل ہے کیونکہ وہ خشکی کا گرم گھاس کھاتی ہے جیسے شیخ اور قیصوم (نامی) گھاس وغیرہ جب جانور یہ گھاس کھاتا ہے تو اس کے گوشت میں اس کی طبیعت اثر انداز ہوتی ہے۔

ورم اور پھوڑوں کا علاج نبوی

چیر پھاڑ کے ذریعے علاج کرنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک شخص کی عیادت کے لئے گیا جس کی پیٹھ میں ورم تھا ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ یہ ایک مدت سے ہے آپ نے فرمایا: اس کو چیر دو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ ٹھیک نہ ہوا جب تک چیر پھاڑ نہ کی اور نبی اکرم ﷺ موجود تھے۔ (الاحکام النبویہ ج ۱ ص ۱۶۰)

رگیں کاٹنے اور داغنے کے ذریعے علاج

''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک طبیب بھیجا تو اس نے آپ کی رگ کاٹی اور اس پر داغ لگایا (اس طرح خون بند کیا)۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو (کی رگ) میں تیر لگا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے داغ دیا (تاکہ خون بند ہو جائے)۔

امام طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوطلحہ نے مجھے داغا۔

امام ترمذی نے یوں نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو سرخ پھنسی کی وجہ سے داغ دیا۔

امام مسلم نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے (فرشتوں کی طرف سے) سلام کیا جاتا تھا حتیٰ کہ میں نے داغ لگوایا تو یہ (سلام) چھوڑ دیا گیا پھر میں نے داغ لگانا چھوڑا تو سلام کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مجھ سے جو بات ختم ہوئی تھی دوبارہ واپس آ گئی یعنی فرشتوں کا سلام کرنا۔

امام احمد ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے داغ لگانے سے منع فرمایا پس ہم نے داغ لگایا تو ہمیں کامیابی نہ ہوئی۔[1]

داغ اس صورت میں لگایا جاتا ہے جب خون زیادہ نکلنے لگے اور اس کے مادہ کو داغ لگانے کے بغیر روکا نہ جا سکے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کی تعریف کی پھر اس سے روک دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۰)[2]

---

1. انہوں نے حضور علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود داغ اسی لئے لگوائے ہوں گے کہ شاید حرام نہ ہو بلکہ مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہو (زرقانی ج ۷ ص ۱۳۳)۔

2. آپ نے فرمایا: تین چیزوں میں شفاء ہے شہد پینا' سینگی لگوانا اور آگ سے داغنا اور میں اپنی امت کو داغ لگانے سے منع کرتا ہوں (کیوں کہ اس میں جسم کو اذیت پہنچانا اور بدنما کرنا ہے لہٰذا دوسرے علاج کی موجودگی میں داغنے سے علاج نہ کیا جائے۔ ۱۲ ہزاروی)

اور آپ نے اس لئے ناپسند فرمایا کہ اس میں سخت تکلیف اور بہت بڑا خطرہ ہے۔ اسی لئے اہل عرب اپنی مثالوں میں کہتے تھے داغ لگانا آخری علاج ہے۔

اس سے ممانعت کراہت یا خلافِ اولیٰ پر محمول ہے کیونکہ احادیث کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ سامنے آتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے خاص ہے کیونکہ انہیں بواسیر تھی اور یہ خطرناک جگہ تھی پس آپ کو داغ لگانے سے منع فرمایا پس جب انہیں سخت تکلیف ہوئی تو داغ لگایا لیکن فائدہ نہ ہوا۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں:

داغ لگانے کی دو صورتیں ہیں ایک تندرست آدمی کو داغ لگانا تاکہ وہ بیمار نہ ہو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ داغ لگانے والا توکل نہیں کرتا کیونکہ وہ تقدیر کو دور کرنا چاہتا ہے اور تقدیر کو دور نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب زخم خراب ہو جائے یا عضو کاٹا جائے تو داغ لگوانا۔

اس صورت میں اس کے ذریعے علاج کرنا جائز ہے اور اگر کسی ایسی بیماری کے لئے داغ لگایا جائے جس کا محض احتمال ہے تو یہ خلافِ اولیٰ ہے کیونکہ اس طرح ایسے معاملے میں آگ کے ذریعے عذاب دینا ہے جو ثابت نہیں ہوا۔

حتمی نتیجہ

دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا عمل جواز پر دلالت کرتا ہے اور عمل نہ کرنا منع کرنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اسے اختیار کرنے کے مقابلے میں چھوڑنے کو زیادہ ترجیح ہے اسی لئے چھوڑنے والے کی تعریف کی گئی ہے۔

جہاں تک نہی کا تعلق ہے تو وہ اختیار اور مکروہ تنزیہی کے طریقے پر ہے یا اس صورت میں منع ہے جب شفاء کے لئے یہ طریقہ متعین نہ ہو۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کیا حالانکہ آپ نے اس میں شفاء بھی ثابت کی ہے تو منع کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس طرح بیماری کو روکا جاسکتا ہے پس اس وجہ سے ناپسند کیا یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ بیماری آنے سے پہلے اس کی طرف جلدی کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں یہ عمل بیماری کو روک دیتا ہے پس داغ لگوانے والا ایک خیالی بات کی وجہ سے داغ لگا کر اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

"فتح الباری میں" فرمایا کہ میں نے کسی صحیح روایت میں نہیں دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے خود داغ لگوایا ہو مگر امام قرطبی نے طبری کی کتاب "آداب النفوس" کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے داغ لگوایا۔

الحلیمی نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا۔

روایت میں ہے کہ آپ نے اس زخم کے لئے داغ لگوایا جو احد میں آپ کو لگا تھا۔ ابن حجر فرماتے ہیں صحیح روایات میں ثابت ہے کہ احد کے موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک چٹائی جلا کر (راکھ سے) آپ کے زخم کو بھر دیا تھا اور یہ داغ لگانے کی معروف صورت نہیں ہے۔

طاعون کا نبوی علاج

خلیل نے کہا کہ طاعون وبا ہے۔ ابن اثیر کہتے ہیں طاعون ایک عام بیماری اور ایسی وبا ہے جس سے فضا خراب ہوتی ہے تو اس سے مزاجوں اور بدنوں میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا کہ طاعون ایک ایسا غالب درد ہے (تکلیف ہے) جس سے روح کمزور پڑ جاتی ہے اسے یہ نام اس لئے دیا کہ اس کے ذریعے مصیبت عام اور ہلاکت جلدی ہوتی ہے۔

ابوالولید باجی نے کہا کہ یہ بیماری بہت سے لوگوں کو کسی نہ کسی جہت سے لگتی ہے جب کہ عام معروف بیماریوں کا یہ معاملہ نہیں ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طاعون کی اصل جسم میں نکلنے والی پھنسیاں ہیں اور وبا تمام بیماریوں میں سے عام ہے پس اسے طاعون کہا گیا کیونکہ یہ ہلاکت میں اس کے مشابہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں فرمایا کہ یہ چھوٹی پھنسیاں اور ورم (سوج جانا) ہے جس سے سخت درد ہوتا ہے۔ اور یہ پھوڑے جلن کے ساتھ نکلتے ہیں اور ان کے گرد جگہ سیاہ یا سبز یا نہایت سرخ ہو جاتی ہے اور میلے بنفشہ کا رنگ پکڑتی ہے' اس کے ساتھ دل مضطرب ہو جاتا ہے (خفقان پیدا ہوتا ہے) اور قے آتی ہے عام طور پر یہ جسم کے نرم حصوں اور بغلوں میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی ہاتھوں' انگلیوں اور تمام بدن میں (یہ پھنسیاں) نکلتی ہیں۔

ابن سیناء نے کہا کہ طاعون ایک زہریلا مادہ ہے جو ہلاکت خیز ہوتا ہے (جسم کی) نرم جگہوں اور بغلوں میں ظاہر ہوتا ہے' عام طور پر بغلوں کے نیچے یا کان کے پیچھے یا ران کے شروع ہونے کی جگہ میں ہوتا ہے۔

اس کا سبب ایک ردی قسم کا ورم ہوتا ہے جو زہریلے جوہر میں بدل جاتا ہے جس سے عضو خراب ہو جاتا ہے اور اس کے ارد گرد جگہ میں تبدیلی آ جاتی ہے اس سے دل میں ایک گھٹیا قسم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو قے' متلی' غشی اور خفقان کا باعث ہوتی ہے اور گھٹیا ہونے کی وجہ سے یہ ان ہی اعضاء کو قبول کرتی ہے جو فطری طور پر کمزور ہوں اور اعضاء رئیسہ میں واقع ہونے والی وباء سب سے گھٹیا ہوتی ہے اس میں جو سیاہ ہے اس کی وجہ سے بہت کم لوگ موت سے بچتے ہیں اس سے زیادہ محفوظ سرخ پھر زرد رنگ ہے۔ وبا والے علاقوں میں طاعون دوسری وبا سے زیادہ پھیلتے ہیں۔ اسی لئے طاعون کو وبا اور وبا کو طاعون کہا گیا۔ اور وبا' ہوا کے جواہر کا فساد ہوتا ہے اور یہ جواہر روح کا مادہ اور قوت ہوتے ہیں۔

حاصلِ مقام یہ ہے کہ طاعون کی حقیقت ایک ورم ہے جو خون کے جوش مار کر کسی عضو میں جانے سے پیدا ہوتا ہے اس کے علاوہ دوسری عمومی امراض ہوا کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں ان کو مجازی طور پر طاعون کہا جاتا ہے کیونکہ بیماری کے عام پھیلاؤ یا موت کی کثرت میں دونوں مشترک ہیں۔

طاعون' وباء کا غیر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ طاعون مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو یہ سب سے زیادہ وبا والی زمین تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہوں (کفار قریش) نے ہمیں وباء والی زمین کی طرف نکالا (مجبور کیا)۔[1]

---

[1] مدینہ طیبہ کی زمین میں بیماریاں تھیں لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی برکت سے یہ زمین طیب اور پاک ہوگئی۔ ۱۲ ہزاروی

اور طاعون جنوں کے طعن (چھونے) سے ہے اور طبیب حضرات نے اسے جنوں کا طعن ہونے کی وجہ سے نہیں چھیڑا کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کا ادراک عقل سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی پہچان صاحب شریعت کی طرف سے ہوتی ہے پس انہوں نے اپنے قواعد کے تقاضے کے مطابق اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

اس کے شیطانی اثرات میں سے ہونے پر دلیل یہ ہے کہ یہ عام طور پر سال کے بہترین موسم (یعنی بہار کے موسم) میں ہوتا ہے نیز ان شہروں میں جن کی ہوا بہت صحیح اور پانی نہایت عمدہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس کی وجہ ہوا کا فساد ہوتا تو یہ زمین میں ہمیشہ رہتا کیونکہ ہوا کبھی خراب اور کبھی صحیح ہوتی ہے جب کہ طاعون کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی آ جاتا ہے اور اس میں کوئی قیاس اور تجربہ کام نہیں دیتا بعض اوقات یہ ہر سال آتا ہے اور کبھی کئی سالوں تک نہیں ہوتا ہے اور اگر ہوا کی خرابی اس کا سبب ہوتی تو یہ تمام انسانوں اور حیوانوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ زیادہ لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن ان ہی لوگوں کے ہم مزاج ان کے قریب ہونے کے باوجود اس سے محفوظ رہتے ہیں۔

اور اگر یہ صورت ہوتی تو یہ بیماری تمام بدن میں پیدا ہوتی حالانکہ یہ بیماری جسم کے بعض حصوں کے ساتھ خاص ہے وہاں سے تجاوز نہیں کرتی۔

نیز ہوا کا فساد اخلاط (بلغم سوداء وغیرہ) کی تبدیلی اور زیادہ بیماریوں کا تقاضا کرتی ہے اور یہ عام طور پر کسی مرض کے بغیر ہلاک کر دیتی ہے پس یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طاعون جنوں کے چھونے سے پیدا ہوتا ہے جس طرح اس کے بارے میں وارد احادیث سے ثابت ہے۔

ان احادیث میں سے ایک حدیث امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابوبکر بن ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ تمہارے دشمنوں جنوں کی طرف سے چبھن ہے اور تمہارے لئے شہادت ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث زبانوں پر جاری ہے اور ''نہایہ میں'' ہروی کی کتاب جو قرآن وحدیث کے غرائب (عجائب) کے بارے میں ہے کی اتباع میں اس لفظ کے ساتھ ذکر کیا کہ تمہارے بھائیوں کی طرف سے چبھن ہے اور میں نے حدیث میں جو اسانید کے ساتھ مروی ہیں کافی تلاش کے باوجود کسی طریق میں یہ لفظ (تمہارے بھائیوں کی چبھن) نہیں پایا نہ مشہور کتب میں اور نہ اجزائے منثورہ میں (کسی ایک مسند پر مکمل کتاب جز کہلاتی ہے) بعض حضرات نے اسے مسند احمد طبرانی یا ابن ابی الدنیا کی ''کتاب الطواعین کی'' طرف منسوب کیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ نہیں ہے۔ صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں:

میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر اور تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا گیا جب تم کسی زمین میں اس (کی موجودگی) کے بارے میں سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی زمین میں طاعون پھیلے اور تم وہاں موجود ہو تو اس سے بھاگتے ہوئے وہاں سے نہ نکلو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۳_۵۷۲۸_۶۹۷۴' موطا مالک رقم الحدیث: ۸۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳_۹۴' مسند احمد

ج ۱ص ۱۸۳۔ ج ۵ص ۲۱۳)

علمائے کرام نے باہر نکلنے سے متعلق نہی کے بارے میں کئی حکم ذکر کئے ہیں۔

(۱) عام طور پر طاعون کسی شہر میں پھیل جائے تو وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے پس جب طاعون واقع ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا سبب ان سب لوگوں سے متعلق ہو جاتا ہے جو وہاں رہتے ہیں لہٰذا بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ خرابی کا باعث جب متعین ہو حتیٰ کہ اس سے جدائی نہ ہو سکے تو بھاگنا بے کار ہوتا ہے پس یہ کسی عقلمند کے لائق نہیں ہے۔

(۲) جب لوگ مسلسل نکلنا شروع ہو جائیں تو جو شخص اس بیماری یا کسی دوسری بیماری کی وجہ سے عاجز ہوگا وہ ضائع ہو جائے گا کیونکہ زندہ یا مردہ کسی صورت میں بھی اس کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

(۳) نیز اگر لوگ نکلنا شروع ہو جائیں تو طاقت ور لوگ نکل جائیں گے اور یوں کمزوروں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور علماء کرام نے یہ بھی فرمایا کہ لڑائی سے بھاگنے پر سزا کے ذکر میں حکمت یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے جو بھاگ نہیں سکتے اور وہ دشمن سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے دونوں باتوں (نکلنے اور داخل ہونے) کو جمع کرتے ہوئے فرمایا: کہ ہوا اس اعتبار سے نقصان نہیں دیتی کہ وہ بدن کے ظاہر سے مل جاتی ہے بلکہ مسلسل ناک میں چڑھنے کی وجہ سے نقصان دہ ہے وہ دل اور پھیپھڑے تک پہنچ کر باطن میں اثر کرتی ہے اور ظاہری جسم پر اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب باطن میں اثر انداز ہو جاتی ہے پس جو شخص اس شہر سے نکلتا ہے جہاں یہ بیماری پھیلی ہے تو عام طور پر وہ اس سے بچ نہیں سکتا یہ اس کے اندر مستحکم ہو چکی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اگر تندرست لوگوں کو نکلنے کی اجازت دی جائے تو بیمار اس طرح باقی رہیں گے کہ ان کی تیمارداری کرنے والا کوئی نہیں ہوگا پس وہ ضائع ہو جائیں گے۔

(۴) ان احکام میں سے ایک وہ ہے جو اطباء نے ذکر کیا کہ جس جگہ وبا پھیلتی ہے وہاں رہنے والے لوگوں کے مزاجوں میں وہاں کی ہوا شامل ہو جاتی ہے اور ان کے لئے یہ اس طرح ہوتی ہے جس طرح دوسروں کے لئے صحیح فضا ہو پس اگر یہ ان جگہوں کی طرف جاتے ہیں جہاں یہ بیماری نہیں ہے تو وہ ان کو موافق نہیں آتی بلکہ جب وہاں کی ہوا ان کے ناک میں داخل ہوتی ہے تو اس کے ساتھ وہ ناقص بخارات بھی دل کی طرف جاتے ہیں جن کی وجہ سے بدن کی کیفیت بدل گئی پس وہاں سے نکلنا اس وجہ سے منع ہے۔

(۵) باہر جانے والا کہتا ہے اگر میں وہاں ٹھہرا رہتا تو مجھے بھی یہ بیماری لگ جاتی اور وہاں ٹھہرنے والا کہتا ہے اگر میں نکل جاتا تو بچ جاتا اس طرح وہ اگر مگر کا شکار ہوتا ہے جو منع ہے۔[۱]

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ کسی بلا (کے نازل ہونے) سے وہاں کے رہنے والوں کا قصد کیا جاتا ہے زمین کے اس ٹکڑے کا قصد نہیں ہوتا پس جس شخص پر اللہ تعالیٰ اس وبا کو نازل کرنے کا ارادہ کرے وہ اس پر ضرور نازل ہوگی وہ جہاں بھی جائے گا یہ بیماری اسے پالے گی پس شارع علیہ السلام نے ہمیں بے فائدہ مشقت کو چھوڑنے کا حکم دیا۔

---

[۱] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایاک و "لو" فان "لو" من الشیطان اپنے آپ کو "لو" یعنی اگر مگر سے بچاؤ کیونکہ یہ لفظ شیطان کی طرف سے ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میں ایسا کرتا تو یوں ہوتا اور یہ کرتا تو وہ ہوتا وغیرہ۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس زمین میں داخل ہونے سے منع کیا جہاں یہ بیماری ہو اور جب کسی جگہ یہ نازل ہو تو وہاں سے نکلنے سے منع فرمایا اس طرح آپ نے دونوں کو جمع کر کے اچھی طرح بچاؤ کا راستہ بتایا کیونکہ وبا والی زمین میں داخل ہونے کی صورت میں خود اسے گلے لگانا اور اس کی قوت وشدت میں داخل ہونا اور خود اپنے خلاف اس کی مدد کرنا ہے اور یہ بات شریعت اور عقل دونوں کے خلاف ہے بلکہ اس زمین میں داخل ہونے سے بچنا وہ حفاظت ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی [1] اور یہ ایذا رساں جگہوں اور موذی فضا سے بچنا ہے۔

اور اس شہر سے نکلنے سے منع کرنے کے دو معنیٰ ہیں۔

پہلی بات لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد نیز اس کے فیصلوں پر صبر کرنے اور راضی رہنے کی ترغیب ہے۔

اور دوسری بات جو ائمہ طب نے کہی ہے کہ جو شخص وبا سے بچنا چاہتا ہے اس پر واجب ہے وہ اپنے جسم سے فضول رطوبتوں کو نکال دے غذا کم کر دے اور ایسی تدبیر کی طرف متوجہ ہو جو زائد رطوبتوں کو ہر طرح سے خشک کر دے اور وبا والی زمین سے نکل کر سفر کرنا سخت حرکت کے بغیر نہیں ہوتا اور یہ بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔

یہ بعد کے افضل اطباء کا کلام ہے پس حدیث نبوی سے طبی معنیٰ ظاہر ہو گیا نیز اس سے دل اور بدن کا علاج اور درستگی بھی واضح ہو گئی۔

غدود کا نبوی علاج

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں نیز امام طبرانی اور بیہقی رحمہما اللہ نے بھی حضرت شرحبیل جعفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری ہتھیلی پر غدود تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے مجھے تکلیف دی ہے یہ میرے اور تلوار کے قبضہ کے درمیان رکاوٹ ہے میں اسے پکڑ نہیں سکتا اسی طرح جانور کی لگام بھی نہیں پکڑ سکتا' آپ نے میری ہتھیلی پر دم کیا جس میں لعاب مبارک شامل تھا (تاکہ آپ کے لعاب مبارک کی برکت حاصل ہو) پھر اپنی ہتھیلی اس غدود پر رکھی اور اسے اپنی ہتھیلی سے مسلسل ملتے رہے حتیٰ کہ جب اس سے ہاتھ اٹھایا تو اس کا اثر دکھائی نہ دیا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ابیض بن جمال کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور انہیں قُوباء بیماری تھی (اس سے جسم پر خارش ہوتی ہے اور چھلکے اترتے ہیں) آپ نے جس دن ہاتھ پھیرا اسی دن اس کا اثر زائل ہو گیا [2]۔ اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۷۷)

بخار اور طب نبوی

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

---

[1] ارشاد خداوندی ہے: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (خود اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ البقرہ: ۱۹۵)

[2] اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کے جسم اقدس کو باعث شفا بنایا جس کی بے شمار مثالوں میں سے کچھ مندرجہ بالا ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

الحمی من فیح جهنم فاطفئوها بالماء البارد.
بخار جہنم کے جوش سے ہے پس اسے ٹھنڈے پانی سے بجھاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۴_۵۷۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۸_۷۹_۸۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷۱_۳۴۷۳، مسند احمد ج۱ص ۲۹۱_ج ۲ص ۲۱، سنن الدارمی ج ۲ص ۳۱۶، المستدرک ج ۴ص ۴۰۳، مجمع الزوائد ج ۲ص ۳۰۶، المعجم الکبیر ج ۴ص ۳۲۶_ج ۱۲ ص ۲۳۰، مشکل الآثار ج ۲ص ۳۴۴، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۵۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ص ۴۳۸، حلیۃ الاولیاء ج ۷ص ۱۶۱، الکامل فی الضعفاء ج ۵ص ۱۶۸۰، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۴۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۳۰_۲۸۲۳۷)

جہنم کی طرف اس کی نسبت میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ حقیقت ہے اور بخار میں مبتلا شخص کے جسم میں جو تپش ہوتی ہے وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے ان اسباب کے ساتھ مقدر کیا ہے جو اس کے متقاضی ہیں تا کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں جس طرح خوشی اور لذت کی مختلف انواع جنت کی نعمتوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دنیا میں سبق حاصل کرنے اور رہنمائی کے لئے ظاہر فرمایا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں تشبیہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ بخار کی گرمی جہنم کی گرمی کے مشابہ ہے تا کہ لوگ جہنم کی گرمی کی شدت سے آگاہ ہوں اور یہ سخت حرارت اس کی قباحت کے مشابہ ہے اور جو اس کے قریب ہوگا اسے اس کی گرمی پہنچے گی اور ارشاد نبوی ''فاطفئوها'' میں ہمزہ قطعی ہے اور اطفا (باب افعال) سے ہے اور طبرانی کی روایت میں یوں ہے:

الحمی حظ المومن من النار.
بخار مومن کا جہنم سے حصہ ہے۔

(یعنی اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی سزا اسے جہنم میں نہیں دے گا اس کی جگہ اسے بخار میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

''صحیح بخاری و مسلم میں ہے'' حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الحمی او شدة الحمی من فیح جهنم فابردوها بالماء.
بے شک بخار یا (فرمایا:) بخار کی شدت جہنم کے جوش سے ہے پس اسے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو۔

''فابردوا'' میں ہمزۂ وصل ہے اور مشہور قول کے مطابق راء پر ضمہ (پیش ہے) اور راء کا کسرہ (زیر) بھی منقول ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ''بالماء البارد'' کے الفاظ ہیں (یعنی ٹھنڈے پانی کے ساتھ)۔

ابو جمرہ کی روایت میں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا' یوں ہے فرماتے ہیں: میں مکہ مکرمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا تو مجھے بخار ہوگیا پس میں کچھ دن رک گیا آپ نے پوچھا تم کس وجہ سے رکے رہے؟ میں نے عرض کیا بخار کی وجہ سے' فرمایا: اسے زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الحمی من فیح جهنم فابردوها با لماء او بماء زمزم.
بخار جہنم کے جوش سے ہے پس اسے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو یا فرمایا: زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

راوی (ہمام ابن یحییٰ بصری جو ابو جمرہ سے نقل کرتے ہیں) کو شک ہے کہ بالماء فرمایا یا بماء زمزم فرمایا۔

ابن قیم نے کہا کہ "بالماء" میں دو قول ہیں۔
ایک یہ کہ اس سے ہر قسم کا پانی مراد ہے اور یہی صحیح بات ہے اور دوسرا یہ کہ اس سے ماء زمزم مراد ہے۔
پھر ابن قیم نے ابو جمرہ کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس کے راوی نے اس میں شک کیا اور اگر وہ حتمی طور پر بیان کرتے تو اہلِ مکہ کو ماء زمزم کا حکم ہوتا کیونکہ ان کے لئے یہ آسان ہے اور دوسرے لوگوں کو اس پانی کا حکم ہوتا جو ان کے پاس ہے۔
اس قول کا یوں رد کیا گیا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے عفان بن ہمام سے ان الفاظ میں روایت کیا:
فابردوها بماء زمزم. زمزم کے پانی سے اس (بخار) کو ٹھنڈا کرو۔
اس روایت میں شک کے ساتھ بیان نہیں کیا اسی طرح امام نسائی' ابن حبان اور حاکم نے بھی نقل کیا۔
ابن قیم نے کہا کہ جن لوگوں نے (پانی میں) عموم کا قول کیا ہے انہوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کہ کیا اس سے پانی کا صدقہ کرنا مراد ہے یا استعمال کرنا یہ دو قول ہیں اور صحیح یہ ہے کہ استعمال کرنا مراد ہے۔
اور میرا (مصنف کا) خیال ہے کہ جس (یعنی ابن انباری) نے صدقہ کرنے کا قول کیا ہے اس پر بخار کی حالت میں ٹھنڈے پانی کا استعمال مشکل ہو گیا اور وہ اس کی وجہ سمجھ نہ سکا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے قول کی ایک عمدہ وجہ ہے وہ یہ کہ جزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے وہ یوں کہ جس طرح پیاس کی گرمی اور جوش کو پیاسے آدمی سے ٹھنڈے پانی کے ذریعے بجھایا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس سے بخار کے جوش کو پورے پورے بدلے کے ساتھ دور فرما دے گا۔
خطابی وغیرہ نے کہا کہ بعض ناسمجھ طبیبوں نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ بخار میں مبتلا آدمی کو ٹھنڈے پانی سے غسل دینے میں اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ ہلاکت کے قریب ہو جائے کیونکہ اس سے مسام بند ہو جاتے ہیں اور بخارات رک جاتے ہیں اور جسم کی اندرونی حرارت پلٹ آتی ہے پس یہ ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔
کسی ایسے شخص نے جو علم کی طرف منسوب ہوتا تھا (یا حدیث پر عمل میں معروف تھا) اس نے غلطی کی اور پانی میں غوطہ لگا دیا جب کہ اسے بخار تھا پس اس کے بدن میں حرارت رک گئی تو اسے سخت بیماری لگ گئی حتیٰ کہ وہ ہلاکت کے قریب ہو گیا پس جب اس کی بیماری دور ہو گئی تو اس نے اس قدر بری بات کہی کہ اس کا ذکر کرنا اچھا نہیں تو اسے حدیث کے مفہوم سے جہالت نے اس میں مبتلا کیا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۱۶)
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس سینے سے نکلا ہے جسے حدیث شریف کی صداقت میں شک ہے۔
لہٰذا اس سے پہلے تو یہ کہا جائے گا کہ تم نے اس حکم کو غسل کرنے پر کیسے محمول کیا جب کہ حدیثِ صحیح میں کیفیت بھی بیان نہیں ہوئی چہ جائیکہ یہ غسل کے ساتھ خاص ہو؟ حدیث شریف میں بخار کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرنے کی رہنمائی ہے اگر تجربے سے ظاہر ہو یا عملِ طب کا تقاضا ہو کہ ہر بخار والے کو پانی میں غوطہ دینا یا اس کے تمام بدن پر پانی ڈالنا اسے نقصان پہنچاتا ہے تو یہ (طریقہ) مراد نہیں ہو گا۔
نبی اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ پانی کو اس طریقے سے استعمال کیا جائے جو نفع دے پس اس طریقے سے بحث کی جائے تاکہ اس سے نفع حاصل ہو۔

اور یہ اسی طرح ہے جس طرح نظر لگانے والے کے بارے میں آپ نے غسل کا حکم دیا اور اسے مطلق رکھا۔ اور دوسری حدیث سے واضح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مطلق غسل کا ارادہ نہیں فرمایا۔

بلکہ ایک مخصوص کیفیت کے مطابق غسل کا ارادہ فرمایا۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے بخار کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا اس پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے وہ بخار والے کے جسم پر کچھ پانی اس کی چھاتی اور کپڑوں پر چھڑکتی تھیں تو یہ ایسا منتر ہے جس کی اجازت دی گئی اور صحابی بالخصوص حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما جیسی شخصیت جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے خانۂ اقدس کی حاضری کو لازم کر رکھا تھا رسول اللہ ﷺ کی مراد کو دوسروں کی نسبت زیادہ جانتی تھیں۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۱۷)

ابونعیم وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) جب تم میں سے کوئی ایک بخار میں مبتلا ہو تو اس پر تین راتیں سحری کے وقت پانی چھڑکا جائے۔

مازری نے کہا اس میں شک نہیں کہ دیگر علوم کے مقابلے میں علم طب کی تفصیل زیادہ ضروری ہے حتیٰ کہ بیمار کو ایک وقت ایک دوائی دی جاتی ہے تو اسی وقت اسے کسی عارضے کی وجہ سے بیماری لگ جاتی ہے مثلاً غصے کی وجہ سے اس کا مزاج گرم ہو جاتا ہے پس اس کا علاج بدل جاتا ہے اور اس قسم کی صورت حال اکثر پیش آتی ہے۔

پس جب ایک حالت میں کسی شخص کے لئے شفاء کا پایا جانا فرض کیا جائے تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اسے یا کسی دوسرے آدمی کو ہر حالت میں شفاء حاصل ہو۔

اور اس بات پر اطباء کا اتفاق ہے کہ عمر' زمانے' عادت' پہلے کھائی جانے والی غذا اور اس کی معروف تاثیر اور طبیعتوں کی قوت کے بدل جانے سے ایک بیماری کا علاج مختلف ہو جاتا ہے اور اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ یہ علاج مخصوص وقت میں ہو تو یہ ان خواص میں سے ہوگا جن پر نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے مطلع کیا گیا' اس وقت اہلِ طب کا تمام کلام کمزور پڑ جائے گا (کیونکہ یہ نبی اکرم ﷺ کا معجزہ ہے)۔

ابن قیم نے اس حدیث میں پائے جانے والے نبی اکرم ﷺ کے خطاب کو اہلِ حجاز اور ان سے متصل لوگوں کے ساتھ خاص قرار دیا ہے کیونکہ ان لوگوں کو لاحق ہونے والے اکثر بخار یومیہ ہوتے تھے جو سورج کی شدید حرارت کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے۔

ابن قیم نے کہا اس بخار میں ٹھنڈا پانی نفع دیتا ہے چاہے پانی پیا جائے یا غسل کیا جائے کیونکہ ایک عجیب قسم کی گرمی ہے جو دل میں مشتعل ہوتی ہے اور روح اور خون کے ذریعے رگوں میں پھیلتی ہوئی تمام جسم تک چلی جاتی ہے۔

بخار کی اقسام

بخار دو قسموں پر مشتمل ہے۔

ایک وہ جو عارضی ہے اور یہ ورم' حرکت' سورج کی گرمی یا سخت حرارت میں سے کسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اور دوسرا بخار بیماری ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اور یہ کسی مادہ کی وجہ سے ہوتا ہے پھر اس میں سے بعض تمام بدن کو گرم کر دیتے ہیں پس اگر اس کے تعلق کی ابتدا روح

سے ہوتو وہ ایک دن کا بخار ہے اور وہ عام طور پر ایک دن میں ختم نہیں ہوتا اور زیادہ سے زیادہ تین دن ہوتا ہے۔

(۲) اور اگر اس کا تعلق اعضائے اصلیہ سے ہوتو وہ دِق (ٹی بی) کا بخار ہے اور یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

(۳) اور اگر اس کا تعلق اخلاط سے ہے (مثلاً صفرا وغیرہ کی وجہ سے ہے یا بلغم کی وجہ سے) تو اسے عفینیہ کہتے ہیں اور یہ اخلاط کی تعداد کے مطابق ہوتا ہے یعنی صفراوی، سوداوی، بلغمی اور دموی ان مذکورہ انواع کے تحت بہت سی اقسام ہیں جو ان اخلاط کے اکیلے اکیلے ہونے یا اخلاط کے باہم مل جانے سے بنتی ہیں۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہوسکتا ہے پہلی قسم مراد ہو اور وہ (بخار) ٹھنڈے پانی میں غوطہ لگانے اور برف وغیرہ کے ذریعے ٹھنڈا کئے گئے پانی کے پینے سے ختم ہو جاتا ہے اور کسی دوسرے علاج کی ضرورت نہیں رہتی۔

جالینوس نے کہا اگر کسی نوجوان کا گوشت سخت اور بدن بڑھنے والا ہو اس کی آنتوں میں ورم نہ ہو تو اس کو ٹھنڈے پانی سے غسل دیا جائے اور وہ سخت گرمی کے وقت اس میں تیرے جب بخار اپنی انتہاء کو پہنچ جائے' اس سے اس کو نفع ہوگا۔

حدیث شریف میں بار بار آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیماری کے دوران ٹھنڈا پانی استعمال کیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے' آپ نے فرمایا:

صبو علی من سبع قرب لم تحلل أو کیتھن. مجھ پر سات مشکیزے پانی ڈالو جن کی رسیاں کھولی نہ گئی ہوں۔

مسند وغیرہ میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی روایت ہے وہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ:

الحمی قطعۃ من النار فابردوھا عنکم بالماء البارد. بخار' جہنم کا ایک ٹکڑا ہے پس اسے اپنے آپ سے ٹھنڈے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو۔

اور نبی اکرم ﷺ کو جب بخار ہوتا تو آپ پانی کا ایک مشکیزہ منگوا کر اپنے سر انور پر ڈالتے اور غسل فرماتے۔

اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا لیکن فرمایا: کہ اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک کو بخار ہو تو تین راتیں سحری کے وقت اس پر ٹھنڈا پانی چھڑکا جائے یہ حدیث امام طحاوی اور ابونعیم نے طب کے بیان میں ذکر کی ہے۔

طبرانی نے حضرت عبدالرحمٰن بن مرقع سے مرفوعاً نقل کیا کہ بخار موت کا پیغام رساں ہے اور زمین میں اللہ تعالیٰ کا قید خانہ ہے پس اس کے لئے پرانے مشکیزے میں پانی ٹھنڈا کرو اور مغرب وعشاء کی اذانوں کے درمیان اپنے اوپر ڈالو فرماتے ہیں: ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تو ان کا بخار چلا گیا۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک کو بخار ہو اور یہ (بخار) جہنم کا ایک ٹکڑا ہے تو وہ اسے اپنے آپ سے پانی کے ساتھ بجھائے' جاری نہر میں دیر تک نہائے اور جدھر سے وہ جاری ہوتی ہے اس کی طرف منہ کر کے یوں کہے:

بسم اللہ اللھم اشف عبدک وصدق رسولک. یا اللہ! اپنے بندے کو شفاء دے اور اپنے رسول اللہ ﷺ (کی بات) کو سچا کر دے۔

یہ عمل صبح کی نماز کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے کرے اور اس میں تین دن تین غوطے لگائے اگر ٹھیک نہ ہو تو پانچ ورنہ سات اور اگر پھر بھی ٹھیک نہ ہو تو نو دن ایسا کرے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نو دن سے تجاوز نہیں کرے گا۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں سعید بن زرعہ ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۴ مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۱ مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۵۸۳ اللآلی المصنوعہ ج ۳ ص ۲۱۸ موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۲۶۹ عمل الیوم واللیل رقم الحدیث: ۵۶۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۳۳)

خارش اور جوؤں کا نبوی علاج

جب خارش کا سبب گرمی، خشکی اور سخت کھردرا لباس ہے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو خارش کی وجہ سے جس میں وہ دونوں مبتلا تھے ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی جیسا کہ "صحیح بخاری میں" حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو ریشمی قمیص کی اجازت دی کیونکہ ان دونوں حضرات کو خارش تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی (راوی کہتے ہیں) یعنی جوؤں کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو ریشمی لباس کی اجازت دی چنانچہ میں نے جہاد کے موقعہ پر ان پر ریشمی لباس دیکھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اجازت دی یا (یوں ہے کہ) ان دونوں کو خارش کی وجہ سے اجازت دی گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۱۹۔۲۹۲۱۔۵۷۹۵)

یہ بھی احتمال ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو الگ بیماری ہو (ایک کو خارش دوسرے کو جوؤں کی تکلیف) یا یہ کہ خارش، جوؤں کی وجہ سے لگتی ہے پس علت کی نسبت کبھی سبب کی طرف (یعنی جوؤں کی طرف) اور کبھی مسبب (یعنی خارش) کی طرف کی گئی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث واضح طور پر امام شافعی اور ان کے موافقین کے مذہب پر دلالت کرتی ہے کہ جب کسی مرد کو خارش ہو تو اس کے لئے ریشم پہننا جائز ہے کیونکہ اس میں ٹھنڈک ہوتی ہے اسی طرح جوؤں اور اس قسم کی دوسری تکالیف میں بھی جائز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جائز نہیں ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

امام نووی کے قول کہ اس میں ٹھنڈک ہوتی ہے' کا تعاقب کیا گیا کہ ریشم تو گرم ہوتا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ ریشم کی اس خاصیت کی وجہ سے اجازت دی جو خارش اور جوؤں کو دور کر دیتی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جب ریشم کا لباس بنایا جائے تو اس کے مزاج کی حرارت معتدل ہو جاتی ہے اور یہ بدن کو گرم رکھتا ہے اور بعض اوقات یہ موٹا ہونے کی وجہ سے جسم کو ٹھنڈا رکھتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ریشم سوت سے گرم اور روئی کے مقابلے میں ٹھنڈا ہوتا ہے اور گوشت کو بڑھاتا

ہے کھردرا لباس کمزور کرتا اور جلد کو خشک کرتا ہے اونی کپڑے گرم رکھتے اور خشکی پیدا کرتے ہیں اور سوتی کپڑے' ریشمی کپڑے اور روئی سے بنے ہوئے کپڑے خشکی پیدا کرتے ہیں اور گرمی پیدا نہیں کرتے۔

پس سوتی کپڑے ٹھنڈے خشک ہوتے ہیں اور اونی کپڑے گرم خشک ہوتے ہیں اور روئی سے بنے ہوئے کپڑوں کی حرارت معتدل ہوتی ہے' ریشمی کپڑے روئی کے کپڑوں سے زیادہ نرم اور کم گرمی والے ہوتے ہیں۔

پس جب ریشمی کپڑوں میں خشکی اور گرمی اس طرح نہیں جس طرح دوسرے کپڑوں میں ہوتی ہے تو یہ خارش کے لئے نفع بخش ہیں کیونکہ خارش' گرمی' خشکی اور کھردرے پن سے ہوتی ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے خارش کے علاج کے لئے ان دونوں حضرات کو ریشم کی اجازت دی۔

نبی اکرم ﷺ کو خیبر میں جو زہر دیا گیا' اس کا علاج

اس سے پہلے غزوۂ خیبر کے ذکر میں اس یہودیہ عورت کا قصہ بیان ہو چکا ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں زہر آلود بکری بطور تحفہ بھیجی۔

عبدالرزاق نے حضرت معمر سے انہوں نے حضرت زہری سے اور انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا کہ ایک یہودی عورت نے خیبر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک بھنی ہوئی بکری بطور ہدیہ بھیجی آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ ہدیہ ہے اسے ڈر تھا کہ صدقہ کہنے کی صورت میں آپ تناول نہیں فرمائیں گے پس نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے اسے کھانا شروع کیا پھر فرمایا رک جاؤ اس کے بعد اس عورت سے فرمایا: کیا تم نے اس بکری میں زہر ڈالا ہے؟ اس نے کہا: آپ کو کس نے بتایا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس ہڈی نے' اس کی پنڈلی کے بارے میں فرمایا جو آپ کے دست مبارک میں تھی' اس عورت نے کہا: جی ہاں میں نے اس میں زہر ڈالا ہے' فرمایا کیوں؟ اس نے کہا میں نے ارادہ کیا تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو آپ سے لوگوں کو آرام مل جائے گا اور اگر آپ نبی ہیں تو یہ آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ راوی فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے کولہو پر تین بار پچھنہ لگوایا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹۸' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۶۱' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۱۵۹۔ ۱۷۹' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۰۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۵۔ ج ۳ ص ۱۵۱۔ ج ۸ ص ۱۸۲۔ ۳۴۳' التمہید ج ۵ ص ۲۷۱)

علماء کرام زہر کے علاج کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ قے کروانے کے ذریعے اور ان دوائیوں کے ذریعے زہر کا علاج کیا جائے جو اس کا توڑ ہوں اور اسے ختم کر دیں یا تو اپنی کیفیت کے ذریعے یا خواص کے ذریعے (اسے ختم کرے) اور جس کے پاس دوائی نہ ہو وہ جامع علاج کی طرف جلدی کرے اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ نفع بخش پچھنہ لگانا ہے (خون نکالنا)۔ خصوصاً جب گرم علاقوں میں ہو کیونکہ زہر کی قوت خون میں سرایت کرتی ہے اور اسے رگوں اور خون جاری ہونے کے دیگر راستوں میں لے جاتی ہے حتیٰ کہ دل اور اعضاء تک پہنچ جاتا ہے پس جب زہر دیئے گئے شخص سے جلدی جلدی خون نکالا جائے تو اس کے ساتھ وہ زہریلی کیفیت بھی نکل جاتی ہے جو اس سے مل چکی تھی اور اگر اچھی طرح قے کروائی جائے تو زہر نقصان نہیں دے گا بلکہ یا تو چلا جائے گا یا کمزور ہو جائے گا پس اس پر طبیعت کو قوت حاصل ہو گی اور زہر کا عمل باطل یا کمزور ہو جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے جب پچھنہ لگوایا تو دونوں کاندھوں کے درمیان لگوایا کیونکہ یہ دل کے زیادہ قریب ہے پس خون کے ساتھ زہریلا مادہ نکل گیا لیکن مکمل طور پر نہ نکلا بلکہ اس کا اثر باقی رہا البتہ کمزور تھا' مکمل طور پر زائل نہ ہونے میں حکمت خداوندی یہ تھی کہ شہادت کے ذریعے آپ کو فضیلت کے تمام مراتب میں کمال حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فضل و شرف میں اضافہ فرمائے۔ آمین

تیسری نوع

قدرتی اور طبعی مرکب ادویہ سے حضور ﷺ کا علاج کرنا

زخم اور ہر تکلیف سے طبِ نبوی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ بیمار کے لئے یہ کلمات پڑھتے:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا وَرِيْقَةُ بَعْضِنَا يَشْفِيْ سَقِيْمَنَا. اللہ کے نام سے یہ ہماری زمین کی مٹی اور ہمارے بعض کا لعاب ہے' بیمار کے لئے شفاء کا ذریعہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ دم کرتے ہوئے یوں فرماتے:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا وَرِيْقَةُ بَعْضِنَا يَشْفِيْ سَقِيْمَنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا. اللہ کے نام سے' یہ ہماری زمین کی مٹی اور بعض کا لعاب ہے جو ہمارے رب کے حکم سے ہمارے بیمار کو شفاء دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۵۔۵۷۴۶' مسند احمد ج ۶ ص ۹۳' المستدرک ج ۴ ص ۴۱۲' مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۵۳۱' المغنی ج ۱ ص ۳۳۰۔ ج ۴ ص ۲۷۷' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۵۲' شرح السنہ ج ۵ ص ۲۲۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۰۶۔ ج ۶ ص ۲۹۷' الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۲۰۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۵۳۵)

مسلم کی روایت میں ہے کہ جب کسی انسان کو تکلیف ہوتی یا کوئی زخم ہوتا تو آپ اپنی انگلی سے یوں کرتے (یہ بات ذکر کرتے ہوئے) ابوسفیان (راوی) نے اپنی شہادت کی انگلی کو زمین پر رکھا۔

''تربة ارضنا'' مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی ''هذه تربة ارضنا'' اور ''يشفي سقيمنا'' میں حرکات دو طرح ہیں پہلے حرف (یاء) پر ضمہ ہے اور یہ مجہول کا صیغہ ہو اور ''سقيمنا'' مرفوع پڑھیں (نائب فاعل ہونے کی وجہ سے) یعنی ہمارے بیمار کو شفا حاصل ہو) یا پہلے حرف ''یا'' پر فتح ہو اور فاعل مقدر ہو سقیمنا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے اپنا لعاب مبارک اپنی شہادت والی انگلی پر لیا پھر اس کو مٹی پر رکھا تو اس کے ساتھ کچھ مٹی لگ گئی پھر اسے اس جگہ پر ملا جہاں تکلیف تھی یا زخم تھا اور ملتے وقت مذکورہ کلمات کہے۔

امام قرطبی کہتے ہیں بعض لوگوں کے خیال کے مطابق اس میں راز یہ ہے کہ زمین کی مٹی ٹھنڈی اور خشک ہونے کی وجہ سے تکلیف والی جگہ کو ٹھیک کر دیتی ہے اور خشکی کی وجہ سے اس تک مواد نہیں پہنچتا اس کے علاوہ اس سے زخم کے خشک اور مندمل ہونے کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

انہوں نے لعاب کے بارے میں کہا کہ یہ زخم اور ورم کو کھولنے' پکانے اور درست کرنے کے ساتھ خاص ہے خصوصاً جب روزہ دار اور بھوکے آدمی کا لعاب ہو۔

اس کلام کو نقل کرنے کے بعد امام قرطبی نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا کہ یہ طریقہ اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے جب دستور کے مطابق علاج ہو یعنی مٹی اور لعاب کی مقدار کا خیال رکھا جائے اور اس کے اوقات کی پابندی بھی کی جائے ورنہ انگشت شہادت پر لعاب لگا کر اس کو زمین پر رکھنے سے کوئی اثر نہیں ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ اور اس کے رسول ﷺ کے آثارِ مبارکہ سے برکت حاصل کرنا ہے جہاں تک انگلی کو زمین پر رکھنے کا تعلق ہے تو شاید کسی خصوصیت کی وجہ سے ایسا ہو یا اس میں حکمت یہ ہو کہ قدرت کے مخفی آثار اسباب عادیہ سے مل جائیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ (شرح مصابیح میں) فرماتے ہیں: میں نے طبعی بحثوں میں دیکھا ہے کہ زخم کو پکانے اور مزاج کو اعتدال پر رکھنے میں لعاب کا عمل دخل ہوتا ہے اور کسی علاقے کی مٹی مزاج کی حفاظت اور ضرر کو دور کرنے میں اثر رکھتی ہے اطباء نے ذکر کیا کہ اگر کوئی شخص سفر میں اپنے علاقے کا پانی نہ لے جاسکے تو وہاں کی مٹی ساتھ لے جائے حتیٰ کہ جب مختلف پانیوں پر جائے تو اپنے مشکیزے میں تھوڑی سی مٹی ڈال دے تاکہ اس پانی کے نقصان سے محفوظ رہے پھر دم جھاڑے کے عجیب آثار ہیں جن کی گہرائی تک پہنچنے سے عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

تورپشتی نے کہا کہ مٹی سے مراد مادۂ منویہ کی طرف اشارہ ہے گویا آپ نے زبان حال سے فریاد کی کہ (اے اللہ!) تو نے اصل اول (حضرت آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو کمزور پانی سے وجود دیا پس جس کی یہ شان ہے اسے (بیماری سے) شفا دینا تیرے لئے آسان ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بارضنا" (ہماری زمین) سے مدینہ طیبہ کی سرزمین مراد ہے کیونکہ وہ بابرکت ہے اور "بعضنا" سے رسول اکرم ﷺ خود مراد ہیں کیونکہ آپ کے لعاب مبارک کو شرف حاصل ہے پس یہ عمل خاص ہے۔ لیکن یہ محل نظر ہے (کیونکہ تخصیص پر کوئی دلیل نہیں)۔ [1]

امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور وہ بیمار تھے تو آپ نے یوں دعا کی:

اکشف الباس رب الناس. لوگوں کے رب! تکلیف دور کر دے۔

پھر وادیٔ بطحان کی مٹی لے کر اسے پیالے میں ڈالا اور اس پر لعاب مبارک ڈالا اس کے بعد اسے حضرت ثابت پر ڈال دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں بیان کیا گیا طریقہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے جسے آپ نے دم کیا۔

---

[1] طیبی فرماتے ہیں تربة (مٹی) کی ارضنا (ہماری زمین) کی طرف اضافت "وریقة بعضنا" کے الفاظ تخصیص پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ وہ خاک پاک اور لعاب مبارک ایسے شرف والے مکان سے مختص ہیں جس سے برکت حاصل کی جاتی ہے (زرقانی ج ۷ ص ۱۴۹)۔

بچھو کے ڈسنے کا نبوی علاج

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرنے لگے تو بچھو نے آپ کی انگلی کو ڈس لیا سلام پھیرنے کے بعد آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بچھو پر لعنت فرمائے یہ نبی اور غیر نبی کسی کو نہیں چھوڑتا پھر ایک برتن منگوایا جس میں پانی اور نمک تھا آپ نے ڈسے ہوئے مقام کو پانی اور نمک میں رکھا اور ''سورۂ اخلاص' سورۂ فلق اور سورۂ الناس'' پڑھنا شروع کر دی حتیٰ کہ درد رک گیا۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے بچھو (کے ڈسے ہوئے) کا علاج معوذتین (الفلق اور الناس) کے ذریعے کیا اور اس جگہ پر پانی ملتے تھے جس میں نمک تھا۔

یہ طبِ مرکب ہے جو فطری اور خداوندی ہے کیونکہ سورۂ اخلاص میں توحید کے تین اصول جمع ہیں [1] اور معوذتین میں ہر مکروہ سے پناہ مانگنے کا تفصیلاً و اجمالاً دونوں طرح ذکر ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو ہر نماز کے بعد معوذتین پڑھنے کا حکم دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۳)

اور اس میں ایک بہت بڑا راز ہے کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک شر کو دور کرنے کی دعا کی جاتی ہے۔

پانی اور نمک طبِ طبیعی ہے کیونکہ نمک میں بہت سے زہروں سے بالخصوص بچھو کے کاٹنے سے بچاؤ اور نفع ہے اور اس میں قوتِ جذب ہے یہ زہروں کو جذب کر کے بدن سے نکال دیتا ہے اور جب بچھو کے کاٹنے میں آگ والی قوت ہے تو اسے ٹھنڈا کرنے اور جذب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے پانی اور نمک کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا۔

پھنسی کا نبوی علاج

''النملہ'' نون پر زبر اور میم ساکن ہے یہ ایک پھنسی ہے جو پہلو میں نکلتی ہے اور اسے نملہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پھنسی والا اس جگہ پر یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اس پر چیونٹی چل رہی ہے اور اسے کاٹتی ہے۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زہریلے جانور کے ڈسنے' نظر لگنے اور نملہ (پھنسی) کی صورت میں دم کرنے کی اجازت دی۔

خلال نے روایت کیا کہ شفاء بنت عبداللہ' دورِ جاہلیت میں پہلو کی پھنسی کا دم کرتی تھیں جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی طرف ہجرت کی اور انہوں نے مکہ مکرمہ میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی تو عرض کیا یا رسول اللہ! میں بچپن میں پہلو کی پھنسی کا دم کرتی تھی اور میں چاہتی ہوں کہ اسے (اس کے الفاظ کو) آپ کے سامنے پیش کروں چنانچہ انہوں نے آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ ضَلَّتْ حَتّٰى تَعُوْدَ مِنْ اَفْوَاهِهَا وَلَا تَضُرُّ اَحَدًا اَللّٰهُمَّ اكْشِفِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ.

اللہ تعالیٰ کے نام سے وہ چلی جائے حتیٰ کہ وہ اپنے مونہوں سے لوٹ آئے اور وہ کسی کو نقصان نہ دے یا اللہ! اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور حمدیت (بے نیازی) یہ تین اصول توحید ہیں کہ وہ اپنی ذات و صفات میں واحد ہے اور بے نیاز ہونے میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کی اولاد نہیں اور نہ اس کو اولاد کی حاجت ہے (زرقانی ج ۷ ص ۱۵۰)۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ کلمات بخور (خوشبو) پر سات مرتبہ دم کرو اور پھر پاک جگہ میں پتھر پر نہایت تیز سرکے کے ساتھ ملا کر رگڑیں اور نملہ پھنسی پر لیپ کریں۔[1]

انگلیوں کے درمیان پھنسی کا نبوی علاج

امام نسائی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کی ایک زوجہ (حضرت عائشہ) رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس ذریرہ (خوشبو) ہے؟ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے اسے منگوایا اور پاؤں کی دو انگلیوں کے درمیان پھنسی پر رکھا پھر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ مُطْفِیءَ الْكَبِیْرِ وَمُكَبِّرَ الصَّغِیْرِ اَطْفِئْهَا عَنِّیْ۔ اے بڑے کو لے جانے والے! اور چھوٹے کو بڑا کرنے والے! اسے مجھ سے دور کر دے۔

پس وہ پھنسی ختم ہوگئی۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۰، مستدرک ج ۴ ص ۲۰۷، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۹۵، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۸۰، عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۶۲۹، الاحکام النبویہ ج ۲ ص ۱۴۹، الاذکار رقم الحدیث: ۱۲۱، لسان العرب ج ۵ ص ۳۲)

آگ سے جلنا اور طب نبوی

امام نسائی نے حضرت محمد بن حاطب سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے ہنڈیا پکڑی تو اس کا پانی میری ہتھیلی پر گرا جس سے ہتھیلی کی پیٹھ جل گئی میری والدہ مجھے نبی اکرم ﷺ کے پاس لے کر گئیں تو آپ نے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا:

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ۔ اے لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دے۔

راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی کہا:

وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ۔ اور شفاء عطا فرما! تو شفا دینے والا ہے۔

طب نبوی اور حفاظتی تدابیر

اس کی دو قسمیں ہیں ایک مرض کے آنے سے بچاؤ اور دوسرا اس کے بڑھنے سے بچاؤ تاکہ وہ اپنی جگہ پر ٹھہر جائے پہلی قسم تندرست لوگوں سے متعلق ہے اور دوسری قسم کا تعلق بیماروں سے ہے جب بیمار حفاظتی تدبیر اختیار کرتا ہے تو اس کا مرض بڑھنے سے رک جاتا ہے اور اسے دور کرنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔

حفاظتی تدابیر کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی دلیل ہے: وان کنتم مرضی او علی سفر سے تو بیمار کو پانی کے استعمال سے بچنے کا حکم دیا کیونکہ یہ نقصان پہنچاتا ہے جیسا کہ اس مقصد (بیان) کے شروع میں اس طرح اشارہ کیا گیا۔ بعض فاضل طبیب فرماتے ہیں کہ "راس الطب الحمیة طب کی اصل پرہیز ہے"۔

ان کے نزدیک صحیح آدمی کا (مطلقاً ہر چیز سے) پرہیز کرنا نقصان پہنچانے میں اسی طرح ہے جیسے بیمار یا بیماری سے ٹھیک ہونے والے کمزور آدمی کا کوئی مضر چیز کھانا اور جو شخص بیماری سے صحت یاب ہو لیکن ابھی مکمل طور پر صحت حاصل نہ

[1] ایک روایت میں ہے حضرت شفاء فرماتی ہیں میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کیا حرج ہے کہ تم یہ دم حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سکھاؤ جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا؟ (زرقانی ج ۷ ص ۱۵۱)

ہوئی ہو اس کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش چیز پرہیز ہے کیونکہ مضر اشیاء کھانے سے بیماری واپس آ جاتی ہے اور بیماری کا لوٹنا اس کی ابتداء سے زیادہ سخت ہے۔

جو شخص بیماری سے مکمل طور پر صحت یاب نہ ہو اس کے لئے پھل نقصان دہ ہیں کیونکہ وہ فوراً تبدیلی لاتے ہیں اور طبیعت میں قوت نہ ہونے کی وجہ سے دفاع نہیں ہو سکتا۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے روٹی اور کھجور تھی آپ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ اور کھاؤ' میں نے کھجور پکڑی اور کھانے لگا تو آپ نے فرمایا: تم کھجور کھاتے ہو حالانکہ تمہاری آنکھوں میں تکلیف ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دوسری طرف سے چباتا ہوں اس پر رسول اکرم ﷺ مسکرائے۔

اس حدیث میں پرہیز کرنے اور مضر اشیاء نہ کھانے کی طرف اشارہ ہے نیز آنکھ کی تکلیف میں کھجور نقصان دیتی ہے (کیونکہ وہ گرم ہوتی ہے اور اس سے آنکھ کی تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے)۔

حضرت ام منذر بنت قیس انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے اور وہ تازہ تازہ صحت یاب ہوئے تھے اور ہمارے ہاں انگور کی بیل لٹک رہی تھی نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور اس سے کھانے لگے' حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہو کر کھانے لگے تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: تم ابھی ابھی صحت یاب ہوئے ہو (مکمل صحت حاصل نہیں ہوئی) آپ فرماتے رہے حتیٰ کہ وہ رک گئے۔

حضرت ام المنذر فرماتی ہیں میں نے جو اور چقندر پکا کر حاضر کی تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: اسے کھاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۲' مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۴' السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۴۴' الشمائل الترمذی رقم الحدیث: ۹۳)

اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو انگور کھانے سے منع فرمایا کیونکہ پھل میں کچھ بوجھ ہوتا ہے جو معدے پر اثر انداز ہوتا ہے اور چقندر اور جو سے منع نہیں فرمایا کیونکہ تازہ تازہ صحت یاب ہونے والے کے لئے اس میں زیادہ نفع ہے' جو کے پانی میں غذا' نرمی پیدا کرنے اور طبیعت کو مضبوط کرنے کی صلاحیت ہے۔

جو شخص پوری طرح تندرست نہ ہو اس کے لئے بیماری کے زائل ہونے سے پہلے پرہیز سب سے بڑی دوائی ہے تاکہ وہ مزید نہ پھیلے۔

ابن قیم نے کہا یہ بات جاننا مناسب ہے کہ بیمار آدمی یا جو ابھی مکمل طور پر صحت یاب نہ ہوا ہو اور تندرست آدمی جن چیزوں سے پرہیز کرتا ہے جب اس چیز کی خواہش زیادہ ہو اور اس کی طرف طبیعت مائل ہو پس وہ اس میں سے تھوڑا سا کھا لے کہ طبیعت اس کو ہضم کرنے سے عاجز نہ ہو تو اس کا کھانا نقصان نہیں دیتا بلکہ بعض اوقات اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ معدہ اور طبیعت اسے قبولیت اور محبت سے حاصل کرتے ہیں پس جس کے نقصان کا ڈر ہوتا ہے وہ اس کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ چیز جس سے طبیعت نفرت کرتی ہے بعض اوقات اس کا کھانا دوائی سے بھی زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو تھوڑی سی کھجوریں کھانے کی اجازت دی حالانکہ ان کی

آنکھ میں تکلیف تھی۔

تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک باریک طبی راز ہے کہ جب مریض بچی بھوک کے تحت وہ چیز کھانا چاہے جس کی اسے خواہش ہواور اس میں کچھ نقصان بھی ہو تو اس کا نفع زیادہ اور نقصان کم ہوتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں وہ چیز کھانا جس کے لئے بچی بھوک کے تحت خواہش نہ ہو اگر چہ وہ ذاتی طور پر نفع بخش بھی ہو لیکن اس کا نقصان زیادہ ہوتا ہے اور طبیعت کی چاہت نقصان کو دور کر دیتی ہے اسی طرح اس کے برعکس ہے (یعنی طبیعت کا نہ چاہنا اس کے نفع کو دور کر دیتا ہے)۔

مریض کا پانی سے بچنا

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا احب الله العبد حماه الدنیا کما یظل احدکم یحمی سقیمه الماء. اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے دنیا سے اس طرح بچالیتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔

(صحیح الترمذی رقم الحدیث :۲۰۳۶' المستدرک ج۴ص۳۰۹' المعجم الکبیر ج۴ص۲۹۸' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث :۵۲۵۰' موارد الظمان رقم الحدیث:۲۴۷۴' الترغیب والترہیب ج۴ص۱۳۲' الدر المنثور ج۳ص۲۲۸' کنز العمال رقم الحدیث:۶۰۶۸_۱۶۵۹۷)

حمیدی نے مرفوعاً روایت کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

لو ان الناس اقلوا من شرب الماء لاستقامت ابدانهم. اگر لوگ پانی کم پئیں تو ان کے بدن سلامت رہیں۔

طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من شرب الماء علی الریق انتقصت قوته.[1] جو شخص نہار منہ پانی پیئے اس کی قوت کم ہو جاتی ہے۔

دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے نبی اکرم ﷺ نے بچنے کا حکم دیا کیونکہ اس سے برص کا خوف ہوتا ہے

دارقطنی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' فرماتے ہیں:

لا تغتسلوا بالماء المشمس فانه یورث البورص. سورج میں گرم کئے گئے پانی سے غسل نہ کرو یہ برص (سفید داغ) کی بیماری پیدا کرتا ہے۔ (سنن دارقطنی ج۱ص۳۹ رقم الحدیث:۴)

دارقطنی نے یہی مفہوم مرفوع حدیث کے طور پر حضرت عامر کی حدیث سے نقل کیا وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت

[1] اس حدیث میں محمد بن مخلد رعینی راوی ضعیف ہے لیکن یہ حدیث احکام سے متعلق نہیں (لہٰذا ضعیف حدیث بھی معتبر ہوگی)۔ (زرقانی ج۷ص۱۵۴)

کرتے ہیں۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

اسی طرح عقیلی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا اور اسے امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اس بنیاد پر سورج میں گرم کیا ہوا پانی استعمال کرنا شرعاً مکروہ ہے۔

لیکن ان حضرات نے کچھ شرائط رکھی ہیں۔ وہ یہ کہ گرم علاقوں میں گرم اوقات میں مکروہ ہے' ٹھنڈے علاقوں اور ٹھنڈے اوقات میں نہیں نیز ایسے برتنوں میں جو کسی دھات کو ڈھال کر بنائے گئے ہوں (جیسے لوہا' تانبا وغیرہ) پتھر یا لکڑی (اور مٹی) وغیرہ میں مکروہ نہیں اور سونے چاندی کو ان کی صفائی کی وجہ سے مستثنیٰ کیا گیا۔

جوینی نے کہا کہ سونے چاندی اور دیگر دھاتوں کے برتنوں کا حکم ایک جیسا ہے یہ بات ابن صلاح نے نقل کی ہے اور حوضوں وغیرہ میں دھوپ کے ذریعے گرم کرنا قطعی طور پر مکروہ نہیں۔

نیز اس کی کراہت بدن میں استعمال سے متعلق ہے' کپڑوں میں نہیں۔ نیز یہ کہ حرارت کی حالت میں استعمال کیا جائے اگر اسے ٹھنڈا کر لیا جائے تو زیادہ صحیح قول کے مطابق کراہت زائل ہو جاتی ہے۔

''الروضہ اور شرح الصغیر میں'' عدم زوال کو صحیح قرار دیا ہے۔ الجیلی کے مطابق صاحب تہذیب نے یہ شرط رکھی ہے کہ برتن کا منہ ڈھانپا ہوا ہو تو مکروہ ہے کیونکہ حرارت رک جاتی ہے (کھلا ہوا ہو تو نہیں)۔

''شرح المھذب میں ہے کہ'' یہ شرعی بات ہے (مطلب یہ کہ مستحب ہے) اس (پانی کے استعمال) کا ترک باعث ثواب ہے (استعمال پر گناہ نہیں) اور ''شرح التنبیہ میں'' فرمایا کہ اگر ہم قصد کا اعتبار کریں تو شرعی ہے (اسے چھوڑنے پر ثواب ہوگا) ورنہ ارشادی ہے (یعنی نیت کے بغیر ثواب نہیں ہوگا)۔

پس جب ہم اسے مکروہ قرار دیتے ہیں تو اس میں کراہت تنزیہی ہے جو طہارت کے صحیح ہونے کو منع نہیں کرتی۔

طبری کہتے ہیں اگر تکلیف پہنچنے کا ڈر ہو تو حرام ہے۔ ابن عبد السلام نے کہا اگر اس کے علاوہ پانی نہ پائے تو اس کا استعمال واجب ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضہ میں'' مطلقاً عدم کراہت کا قول کیا ہے اور الرویانی نے ''البحر میں'' امام شافعی رحمہ اللہ سے واضح الفاظ میں عدم کراہت کا قول نقل کیا ہے۔

بخیل لوگوں کے کھانے سے پرہیز کرنا

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طعام البخیل داء وطعام الاسخیاء شفاء. بخیل کا کھانا بیماری اور سخی لوگوں کا کھانا شفاء ہے۔

اسے تنیسی نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے موطاً کے علاوہ روایت کیا جیسا کہ عبد الحق نے ''الاحکام میں'' ذکر کیا۔

سستی کی بیماری سے پرہیز

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے مراسیل میں حضرت یونس بن ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن سے روایت کیا کہ انہوں (ربیعہ) نے ان (یونس) کو دھوپ میں لیٹے ہوئے دیکھا تو انہوں نے منع کیا اور فرمایا: مجھے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات پہنچی ہے کہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے اور بدن میں چھپی ہوئی بیماریوں کو حرکت ہوتی ہے۔

بواسیر کی بیماری سے بچنے کا ذکر

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یجامعن احدکم وبه حقن خلاء فانه یکون منه البواسیر.

تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے قریب نہ جائے جب اسے پیشاب کی حاجت ہو کیونکہ اس طرح بواسیر پیدا ہوتی ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث:۴۴۹۰۲_۴۵۸۹۲)

مکھی کے زہریلے پَر سے پانی کو بچانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسه کله ثم لیطرحه فان فی احد جناحیه شفاء وفی الاخر داء.

جب تم میں سے کسی ایک کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے مکمل طور پر غوطہ دے اور پھر باہر پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پَر میں شفاء اور دوسرے میں بیماری ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث :۳۳۲۰_۵۷۸۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث :۳۸۴۴ سنن النسائی ج ۷ ص ۱۷۹ مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۹ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۵۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۱۸ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۸ موارد الظمان رقم الحدیث :۱۳۵۵ کنز العمال رقم الحدیث:۲۸۳۰۱_۲۸۳۰۲)

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے:

فانه یتقی بجناحه الذی فیه الداء فلیغمسه کله.

کیونکہ وہ اس پَر کے ذریعے جس میں بیماری ہے بچتی ہے پس اسے مکمل طور پر ڈبو دے۔

طحاوی کی روایت میں ہے:

فان یقدم السم یؤخر الشفاء.

وہ زہر کو آگے کرتی اور شفاء کو پیچھے رکھتی ہے۔

حدیث شریف میں لفظ ''کله'' اس وہم کو دور کرنے کے لئے کہ مجازاً بعض حصے پر اکتفاء مراد نہیں۔

ہمارے شیوخ نے فرمایا کہ کوئی ایسا طریقہ میرے سامنے نہیں آیا جس میں اس پَر کا تعین ہو جس میں شفاء ہو لیکن بعض علماء نے ذکر کیا کہ انہوں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بائیں پَر کے ذریعے بچتی ہے پس معلوم ہوا کہ دائیں پَر میں شفاء ہے۔(فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۰۸)

ابویعلیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ مکھی کی عمر چالیس راتیں ہوتی ہے اور تمام مکھیاں آگ میں جائیں گی البتہ شہد کی مکھی مستثنیٰ ہے اس روایت کی سند میں کوئی حرج نہیں۔

جاحظ نے کہا کہ مکھی کا آگ میں جانا اسے عذاب دینے کے طور پر نہیں بلکہ اس کے ذریعے جہنمیوں کو عذاب دیا جائے گا اور اس سے بدبو پیدا ہوگی۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس کی بیٹھ سیاہ کپڑے پر سفید اور سفید کپڑے پر سیاہ ہوتی ہے اور عام طور پر مکھی بدبودار جگہ پر

ہوتی ہے اسی سے اس کا تخلیقی مادہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور پرندوں میں سے ان کے نر اور مادہ کا ملاپ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور بعض اوقات دن کا اکثر حصہ یہ مادہ پر گزارتا ہے اور منقول ہے کہ کسی خلیفہ نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ مکھیوں کو کیوں پیدا کیا گیا؟ انہوں نے فرمایا: بادشاہوں کو ذلیل کرنے کے لئے اس وقت اس حکمران پر مکھی بار بار بیٹھتی تھی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس نے مجھ سے سوال کیا اور میرے پاس جواب نہ تھا تو میں نے اس صورت حال سے اجتہاد کیا۔

رات کو اترنے والی بلاؤں سے برتن ڈھانپنے کے ذریعے حفاظت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

برتنوں کو ڈھانپو اور مشکیزوں کے منہ باندھ دو کیونکہ سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے وہ جب ایسے برتن سے گزرتی ہے جس کو ڈھانپا نہیں گیا یا مشکیزہ جس کی رسی بندھی ہوئی نہیں ہے تو وہ وبا اس میں اترتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶۔۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۱۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۵ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۵۷ مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۰ مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۴۲۹۶۔۴۲۹۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۲۸۵)

کہا گیا کہ یہ بات رومی سال کے آخر میں ہوتی ہے۔

بیوقوف عورت کے دودھ سے بچے کو بچانا

امام ابوداؤد نے مراسیل میں صحیح سند کے ساتھ زیاد سہمی سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بیوقوف عورتوں کا دودھ پلانے سے منع فرمایا کیونکہ دودھ کی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے۔

ابن حبیب کے نزدیک (یشبہ کی بجائے) یعدی کا لفظ ہے یعنی وہ بیوقوفی اس بچے کی طرف تجاوز کرے گی۔ قضاعی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا کہ دودھ طبیعتوں کو بدل دیتا ہے۔

ابن حبیب نے ہی مرفوع حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فاجرہ عورت کا دودھ پلوانے سے منع کیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دودھ کی وجہ سے دودھ پینے والے میں مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

بدہضمی سے بچاؤ

اس سلسلے میں زبانوں پر مشہور ہے کہ بدہضمی سے بچو کیونکہ اس نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو ہلاک کر دیا۔

لیکن ہمارے شیخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا اگر ایسی حدیث ہے تو اس کی تاویل کی ضرورت ہے۔

اور وہ جو مشہور ہے کہ ''اصل کل داء البردۃ'' (ہر بیماری کی اصل بدہضمی ہے) تو ہمارے شیخ نے فرمایا: ابونعیم اور مستغفری دونوں نے ''الطب النبوی میں'' اور دارقطنی نے ''العلل میں'' نقل کیا اور یہ سب روایات تمام بن نجیح کے

طریق سے ہیں وہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

تمام (نامی) راوی کو دارقطنی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا اور ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

ابونعیم نے ہی ابن مبارک کی روایت نقل کی ہے وہ حضرت سائب بن عبداللہ بن علی بن زحر سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمرو بن حارث' حضرت دراج سے وہ ابوالہیثم سے اور وہ حضرت ابوسعید سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ ہر بیماری کی اصل بدہضمی ہے۔

دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد فرمایا: کہ اس کی علتوں میں سے ہے کہ عباد بن منصور نے اسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ان کے قول کے طور پر روایت کیا (مرفوع حدیث نہیں) یہی زیادہ بہتر ہے اور زمخشری نے "الفائق" میں اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کلام سے قرار دیا ہے۔

دارقطنی نے "کتاب التصحیف" میں فرمایا کہ اہلِ لغت کہتے ہیں "البـردة" راء کو ساکن پڑھتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ راء پر زبر ہے (اَلْبـَرَدَۃُ ہے) اور یہ بدہضمی ہے کیونکہ یہ خواہش کی گرمی کو ٹھنڈا کر دیتی ہے یا یہ کہ یہ معدے پر ثقیل ہوتی ہے اور دیر سے زائل ہوتی ہے یہ "برد" سے مشتق ہے جب کوئی چیز ٹھہر جائے۔

ابونعیم نے ان احادیث سے متصل حارث بن فضیل کی حدیث نقل کی ہے وہ زیاد بن ضیاء کے واسطے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ:

استدفئوا من الحر والبرد. گرمی اور سردی سے بچو۔

اسی طرح مستغفری نے بھی ذکر کیا علاوہ اس کے کہ ان کے پاس اسحٰق بن نجیح کی روایت بھی ہے جو بواسطہ ابان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ فرشتے میری امت سے بدہضمی کے اٹھ جانے پر خوش ہوتے ہیں (اور) ہر بیماری کی اصل بدہضمی ہے یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں اور یہ اس بات کی شہادت ہے جو اہلِ لغت سے منقول ہے کہ محدثین نے اسے راء کے سکون سے نقل کیا (لہٰذا اس سے ٹھنڈک مراد ہوگی)۔

فصل نمبر۲

نبی اکرم ﷺ کا خوابوں کی تعبیر بتانا

خواب کی حقیقت

کہا جاتا ہے "عبـرت الرؤیا (باء پر شد نہیں) میں نے خواب کی تعبیر بتائی" اور اگر باء پر شد ہو تو یہ مبالغہ ہوگا (بہت زیادہ تعبیر بتانا)۔

"الرؤیا" فُعْلٰی کے وزن پر ہے اور ہمزہ میں تسہیل بھی کرتے ہیں یعنی اسے واؤ سے بدل دیتے ہیں اور یہ وہ چیز ہے جسے کوئی شخص نیند کی حالت میں دیکھتا ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں "رؤیــا" (خواب) وہ باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں فرشتے یا شیطان کے ذریعے ڈالتا ہے یا ان چیزوں کے ناموں یعنی ان کی حقیقتوں کے ساتھ یا ان کی کنیتوں یعنی عبارت (علامات) کے ذریعے اور یا ملا جلا ہوتا ہے (یعنی اس کے دل میں اس چیز کی حقیقت پیدا ہوتی ہے جسے وہ دیکھتا ہے)۔

ابوبکر بن طیب متوفی ۴۰۳ھ [1] اس طرف گئے ہیں کہ یہ اعتقادات ہوتے ہیں (تصورات ہیں جن کا دل سے ربط ہوتا ہے) انہوں نے یوں استدلال کیا ہے کہ بعض اوقات خواب دیکھنے والا اپنے آپ کو جانور یا پرندے کی شکل میں دیکھتا ہے تو یہ ادراک نہیں پس ضروری ہوا کہ وہ اعتقاد ہو کیونکہ اعتقاد بعض اوقات معتقد کے خلاف بھی ہوتا ہے (جب کہ ادراک کی یہ صورت نہیں ہوتی)۔

ابن عربی نے کہا پہلی بات اولیٰ ہے اور جو کچھ ابن طیب نے ذکر کیا ہے وہ مثالی صورت ہے پس ادراک اس سے متعلق ہوتا ہے اصل ذات کے ساتھ نہیں۔

مازری نے کہا کہ رؤیا (خواب) کی حقیقت کے بارے میں لوگوں نے بہت زیادہ کلام کیا ہے اور غیر مسلموں نے بہت سی قابل انکار اور غیر معروف باتیں کی ہیں کیونکہ ان کے علم کا دارومدار ایسے حقائق پر ہے جن کا ادراک عقل سے نہیں ہوتا نہ ان پر کوئی دلیل قائم ہوتی ہے اور نہ ہی وہ منقول باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اس لئے ان کے اقوال میں اضطراب ہے۔

ان میں سے جو لوگ طب سے منسوب ہیں وہ تمام خوابوں کو مزاج کی خرابی قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں جس پر بلغم کا غلبہ ہو وہ اپنے آپ کو پانی میں تیرتا ہوا دیکھتا ہے کیونکہ پانی بلغم کی طبیعت کے موافق ہے جس پر صفراء غالب ہو وہ آگ اور فضاء میں اوپر کو جاتا ہوا دیکھتا ہے اسی طرح دوسرے اخلاط کے بارے میں ہے۔

ان کی یہ بات اگرچہ عقل کے نزدیک جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ عادتاً یہ بات جاری فرما دے لیکن اس پر کوئی دلیل قائم نہیں اور نہ ہی عادتاً ایسا ہوتا اور محض جائز ہونے کو قطعی بات قرار دینا صحیح نہیں۔

اور جو شخص فلسفہ سے منسوب ہے وہ کہتا ہے کہ جو صورتیں زمین پر چلتی ہیں وہ عالم بالا میں نقش کی طرح ہیں ان میں سے جو کچھ بعض نفسوں کے مقابل ہوتا ہے وہ ان میں نقش ہو جاتا ہے۔

مازری کہتے ہیں یہ قول پہلے قول سے بھی زیادہ فاسد ہے کیونکہ یہ ایسا فیصلہ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور نقش ہونا جسموں کی صفات میں سے ہے اور عالم بالا میں اکثر اعراض جاری ہوتے ہیں (جو جسم نہیں ہیں) اور اعراض نفسوں میں نقش نہیں ہوتے۔

مازری کہتے ہیں اہلِ سنت کا مسلک صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے آدمی میں کچھ اعتقادات پیدا کرتا ہے جس طرح جاگنے والے کے دل میں پیدا کرتا ہے جب وہ ان اعتقادات کو پیدا کرتا ہے تو وہ ان کو دوسرے امور کی علامت بناتا ہے جن کو پیدا کر دیا یا بعد میں پیدا کرے گا اور جب ان میں کوئی معتقد کے (عقیدے کے) خلاف واقع ہو تو وہ اسی طرح ہے جیسے جاگنے والے کے لئے ہوتا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو بارش کی علامت کے طور پر پیدا کیا اور بعض اوقات بارش نہیں ہوتی جب کہ بادل ہوتے ہیں۔

---

[1] (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۶۰۹)

یہ اعتقادات بعض اوقات فرشتے کی موجودگی میں واقع ہوتے تو اس کے بعد باعثِ مسرت بات پیدا ہوتی ہے اور کبھی شیطان کی موجودگی میں ہوتے ہیں تو اس کے بعد نقصان دہ بات پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔
حاکم اور عقیلی نے محمد بن عجلان سے انہوں نے حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت (عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ سے ملاقات کی تو فرمایا: اے ابوالحسن! آدمی خواب میں دیکھتا ہے تو ان میں سے بعض سچی ہوتی ہیں اور کچھ جھوٹی ہوتی ہیں انہوں نے فرمایا: ہاں (اسی طرح ہے) میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: جو بندہ مرد یا عورت سو جائے اور گہری نیند میں چلا جائے تو اس کی روح عرش کی طرف نکل جاتی ہے پس جو عرش سے پہلے پہلے نہ جاگے تو خواب سچا خواب ہے اور جو عرش سے پہلے پہلے جاگ جائے تو یہ جھوٹا خواب ہے۔
ذہبی نے اپنی تلخیص میں فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے اور مؤلف (امام حاکم) نے اسے صحیح قرار نہیں دیا۔
(المستدرک ج ۴ ص ۳۹۶۔۳۹۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۴۳۰)
ابن قیم نے ایک مرفوع حدیث نقل کی لیکن اس کی نسبت کسی (صحابی وغیرہ) کی طرف نہیں کی (اس میں یوں ہے)۔
مومن کا خواب کلام ہے جو اس کا رب نیند کی حالت میں اس سے کرتا ہے۔ یہ حدیث ''حکیم ترمذی کی نوادر الاصول میں'' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے پائی گئی ہے انہوں نے اسے اصل نمبر ۸۷ میں ذکر کیا اور یہ ان کی روایت سے ہے وہ اپنے شیخ عمر بن ابی عمر سے روایت کرتے ہیں اور وہ بہت کمزور ہیں اور اس کی سند میں جند ابن میمون ہیں جو حمزہ بن زبیر کے واسطے سے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حکیم ترمذی کا قول

حکیم ترمذی نے کہا بعض اہلِ تفسیر نے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ. (الشوریٰ: ۵۱)
کسی انسان کے لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے۔

کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے خواب میں کلام مراد ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہیں جب کہ ان کے علاوہ لوگوں (کے خوابوں) کا حکم یہ نہیں ہے پس وحی میں خلل نہیں آتا کیونکہ وہ محفوظ ہے جب کہ غیر انبیاء کے خواب کا حکم الگ ہے کیونکہ بعض اوقات ان میں شیطان آتا ہے۔
حکیم ترمذی نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوابوں پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو انسانوں کے احوال پر مطلع ہوتا ہے جو لوحِ محفوظ میں ہیں پس وہ ان میں سے نقل کرتا ہے اور ہر ایک کے لئے اس کے قصہ کے مطابق مثال بناتا ہے پس جب آدمی سو جاتا ہے تو اس کے لئے وہ اشیاء حکمتِ الٰہیہ کے طریقے پر مثالی صورت میں آتی ہیں تاکہ اس کے لئے خوشخبری یا ڈرانا اور جھڑک ہو۔ اور بعض اوقات سخت دشمنی کی وجہ سے انسان پر شیطان مسلط ہوتا ہے اور وہ اسے ہر طریقے سے دھوکہ دیتا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کے کاموں کو خراب کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یا تو اسے غلطی میں ڈالتا ہے یا ان امور سے اس کو غافل کر دیتا ہے۔

سچے خواب نبوت کا جزء ہیں

''صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الرؤیا الحسنة من الرجل الصالح جزء من ستة واربعین جزء من النبوة. نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

اس سے نیک لوگوں کے عام خواب مراد ہیں ورنہ بعض اوقات نیک آدمی ڈراؤنے خواب بھی دیکھتا ہے لیکن ایسا کم ہوتا ہے کیونکہ شیطان ان لوگوں پر بہت کم قابو پاتا ہے جب کہ دوسرے لوگوں کا معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ ان خوابوں میں سچ نادر ہوتا ہے اس لئے کہ ان پر تسلط غالب ہوتا ہے۔

سوال: خواب' نبوت کا جزء کیسے ہوسکتا ہے جب کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال سے نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا؟

جواب: اگر نبی اکرم ﷺ خواب دیکھیں تو یہ حقیقتاً نبوت کے اجزاء میں سے ہے اور غیر نبی سے واقع ہو تو یہ مجازی طور پر نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہ علم نبوت کا جزء ہے کیونکہ نبوت کا سلسلہ اگرچہ بند ہوگیا لیکن اس کا علم باقی ہے۔

اس قول کا رد حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے قول سے کیا گیا جیسا کہ ابن عبدالبر نے اسے نقل کیا کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا ہر شخص خواب کی تعبیر بیان کرسکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: کیا وہ نبوت سے کھیلتا ہے؟ پھر فرمایا خواب' نبوت کا ایک جزء ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ان کی مراد یہ نہیں کہ نبوت باقی ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ بعض غیبی باتوں پر اطلاع کی جہت سے خواب' نبوت کے مشابہ ہے لہٰذا کسی کے لئے مناسب نہیں کہ علم کے بغیر اس میں گفتگو کرے پس یہ مراد نہیں کہ نیک خواب نبوت ہے کیونکہ اس سے مراد خواب کو نبوت سے تشبیہ دینا ہے اور کسی چیز کے جزء سے اس کے وصف کا ثبوت لازم نہیں آتا جیسے کوئی شخص بلند آواز سے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھے تو اسے مؤذن نہیں کہا جاتا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔ (اس حدیث میں ہے):

ذهبت النبوة وبقيت المبشرات. نبوت چلی گئی اور بشارتیں باقی رہ گئیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۳' مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۱' کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۰۳' الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۲' مشکل الآثار ج ۳ ص ۴۷' التمہید ج ۵ ص ۵۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۴۵۳)

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا:

لم يبق بعدى من المبشرات الا الرؤيا. میرے بعد بشارتوں میں سے صرف خوابیں باقی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث امام مسلم اور امام ابوداؤد نے نقل کی ہے (اس حدیث میں یوں ہے):

نبی اکرم ﷺ نے مرض وصال کی حالت میں پردہ اٹھایا اور آپ کے سر انور پر پٹی بندھی ہوئی تھی صحابہ کرام'

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صف بستہ تھے آپ نے فرمایا: اے لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے صرف اچھے خواب رہ گئے ہیں جو مسلمان دیکھتا ہے یا (فرمایا:) اسے دکھائے جاتے ہیں۔

ان خوابوں کی تعبیر مبشرات سے اس لئے کی گئی کہ عام طور پر اسی طرح ہوتا ہے ورنہ بعض خواب ڈرانے والے ہوتے ہیں اور وہ سچے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ مومن پر نرمی فرماتے ہوئے اسے دکھاتا ہے تاکہ وہ آنے والے واقعات کے وقوع سے پہلے تیاری کرے۔

الرجل الصالح (نیک مرد) کی قید کا یہاں کوئی مفہوم نہیں کیونکہ نیک عورت کا بھی یہی حکم ہے اور ابن بطال نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

اور اسے نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا اور اکثر احادیث میں اسی طرح ہے۔ جب امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبوت کا پینتالیسواں حصہ ہے اور انہوں نے ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے جس میں سترواں حصہ فرمایا گیا۔

اور امام طبرانی کے نزدیک چھہترواں حصہ بیان ہوا لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن عبد البر نے عبد العزیز بن مختار سے اور انہوں نے بواسطہ حضرت ثابت' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اچھا خواب (نبوت کا) چھبیسواں حصہ ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ'' کی شرح مسلم میں'' اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں چوبیسویں حصے کا ذکر ہے۔

ان تمام روایات کے نتیجے میں دس قول سامنے آئے ہیں ان میں سے کم از کم مقدار وہ ہے جو امام نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا اور سب سے زیادہ مقدار چھہترواں حصہ ہے ہم نے باقی (چار اقوال) کو طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا۔

قاضی ابو بکر بن عربی فرماتے ہیں اجزائے نبوت کی حقیقت کو کوئی فرشتہ یا نبی ہی جانتا ہے نبی اکرم ﷺ نے صرف خواب کو نبوت کا جزء قرار دیا تو آپ کی مراد صرف یہی بات بتانا تھی کیونکہ اس میں من وجہ غیب پر اطلاع ہے اور جہاں تک نسبت کی تفصیل کا تعلق ہے تو اس کی معرفت مقام نبوت سے خاص ہے۔

مازری نے کہا کہ کسی عالم کے لئے ہر چیز کو اجمالاً یا تفصیلاً جاننا ضروری نہیں اللہ تعالیٰ نے ہر عالم کے لئے ایک حد مقرر کی ہے جس کے پاس وہ ٹھہر جاتا ہے وہ ان امور میں سے بعض کی مراد کو اجمالی طور اور تفصیلاً جان لیتا ہے اور بعض امور کا علم اجمالی طور پر حاصل ہوتا ہے تفصیلی علم نہیں ہوتا اور یہ (خواب کا مسئلہ) بھی اسی قبیل سے ہے۔

مشہور روایت پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے اور اس کے لئے مناسبت ظاہر کی ہے چنانچہ ابن بطال نے حضرت ابو سعید سفاقسی سے نقل کیا (وہ فرماتے ہیں) بعض اہل علم نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی طرف چھ مہینے خواب میں وحی فرمائی پھر باقی مدتِ حیات میں بیداری کی حالت میں وحی فرمائی اور خواب میں وحی اس کی نسبت سے چھیالیسواں حصہ ہوا کیونکہ نبی اکرم ﷺ صحیح قول کے مطابق اعلانِ نبوت کے بعد تئیس سال (ظاہری زندگی کے ساتھ) زندہ رہے۔

ابن بطال نے کہا یہ تاویل دو وجہ سے بعید (از عقل) ہے ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے بعد والی مدت میں اختلاف ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ (اس طرح) سترویں حصہ والی روایت بے معنیٰ ہو جائے گی۔

اس مسئلہ میں ابن بطال کے اس قولِ انکار سے پہلے خطابی نے انکار کیا ہے خطابی نے کہا کہ بعض اہلِ علم اس عدد کے سلسلے میں ایسا قول کرتے ہیں جو تحقیق کے قریب نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ وحی کے بعد تیس سال زندہ دنیا میں رہے اور خواب میں آپ پر وحی چھ مہینے ہوئی اور یہ نصف سال ہوتا ہے تو یہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

خطابی نے کہا اگرچہ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ حساب وعدد میں اس کا احتمال ہے لیکن اس کے قائل پر پہلی واجب بات یہ ہے کہ اس نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے اسے خبر ثابت کرے اور ہم نے اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں سنی اور نہ ہی اس دعویٰ کرنے والے سے کسی خبر کا ذکر سنا ہے گویا اس نے یہ بات گمان کی بنیاد پر کہی ہے اور گمان، حق میں سے کسی بات کا فائدہ نہیں دیتا اور ہر ایسی بات جس کا علم ہم سے پوشیدہ ہو اس کا ہم پر حجت ہونا لازم نہیں۔ جس طرح رکعات کی تعداد، روزوں کے دن، جمرات (شیطانوں) کو کنکریاں مارنا ہم ان باتوں کے علم سے ایسی بات تک نہیں پہنچ سکتے جس کے تحت یہ عبادت اس گنتی میں منحصر ہے اور اس تعداد کے لازم ہونے سے متعلق ہمارے عقیدے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

اس مسئلے میں علماء کرام نے اس کے علاوہ مناسبات بھی ذکر کئے ہیں جن کا ذکر طویل ہے۔

خوابوں کا سچا ہونا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

اصدق الرؤیا بالاسحار.

سب سے سچے خواب سحری کے (وقت کے) خواب ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۴، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۔۶۸، المستدرک ج ۴ ص ۳۹۲، مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۴۶۲۷، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۷۹۹، میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۲۶۶۷، الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۹۸۰۔۹۸۲۔ ج ۴ ص 1519)

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

اذا اقترب الزمان لم تكد رؤيا المسلم تكذب واصدقكم رؤيا اصدقكم حديثا.

جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو مسلمانوں کا خواب جھوٹ کے قریب نہیں ہوگا اور تم میں سے اس شخص کا خواب زیادہ سچا ہے جو گفتگو میں زیادہ سچا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 5019، سنن دارمی ج ۲ ص 125، مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۶۱۴، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۴۵۰۔۴۱۴۲۷)

خطابی نے ''المعالم میں'' ''اذا اقترب الزمان'' کے بارے میں دو قول ذکر کئے ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ رات کا وقت اور دن کا وقت قریب ہو جائے اور وہ دن اور رات کا برابر ہونا ہے اور یہ بہار کے دن میں اس وقت عام طور پر چاروں طبیعتیں اعتدال پر ہوتی ہیں۔

وہ فرماتے ہیں تعبیر بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ سب سے سچا خواب وہ ہے جو رات اور دن کے برابر ہونے اور پھلوں کے پکنے کے وقت ہوتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زمانے کے قریب ہونے سے اس کی مدت کا ختم ہونا مراد ہے جب قیامت قریب ہو جائے گی۔
پہلے قول پر یوں اعتراض کیا گیا کہ مومن کی قید اس قول کو عقل سے بعید قرار دیتی ہے کیونکہ طبیعتوں کے اعتدال کا وقت مومن سے خاص نہیں۔

ابن بطال نے دوسرے قول کو قطعی طور پر صحیح قرار دیا ہے اور اسے امام ترمذی کی اس روایت سے ملایا جو بواسطہ معمر' حضرت ایوب سے اس حدیث کے سلسلے میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے "فی آخر الزمان لا تکذب رؤیا المومن آخری زمانے میں مومن کا خواب جھوٹ نہیں ہوگا"۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس مذکورہ زمانے سے امام مہدی رحمہ اللہ کا زمانہ مراد ہے جب عدل پھیل جائے گا' امن زیادہ ہوگا اور بھلائی اور رزق میں کشادگی ہوگی یہ زمانہ حصول لذت کی وجہ سے کم ہوگا پس اس کے کنارے قریب قریب ہوں گے۔

امام قرطبی نے "المفہم میں" فرمایا (حقیقت حال) اللہ بہتر جانتا ہے ہو سکتا ہے حدیث میں مذکور آخری زمانہ سے مراد اس گروہ کا باقی وقت ہو جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے دجال کو قتل کرنے کے بعد آپ کے ہمراہ ہوگا۔ صدرِ اول (دورِ صحابہ) کے بعد اس امت کے سب سے اچھے حال والے لوگ اس زمانے کے لوگ ہوں گے اور ان کی بات بھی سب سے زیادہ سچی ہوگی۔ پس ان کے خواب جھوٹے نہیں ہوں گے اسی لئے حدیث شریف میں اس کے بعد فرمایا:

اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا. تم میں سب سے سچے خواب والا سب سے سچی گفتگو والا ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص زیادہ سچ بولتا ہے اس کا دل منور اور ادراک مضبوط ہوتا ہے اور اس میں معانی صحیح طور پر منقش ہوتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص حالتِ بیداری میں عام طور پر سچ بولتا ہے تو یہ بات خواب میں بھی اس کے ساتھ رہتی ہے پس وہ سچا خواب ہی دیکھتا ہے۔ جب کہ جھوٹ بولنے والے اور مخلوط کلام والے کا حکم اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ اس کا دل خراب ہوتا ہے اور وہ ظلم کرتا ہے پس وہ ملے جلے اور جھوٹے خواب دیکھتا ہے اور کبھی کبھی خواب میں نادر صورت پیدا ہوتی ہے وہ یوں کہ سچ بولنے والا ایسی بات دیکھتا ہے جو صحیح نہیں اور جھوٹ بولنے والا صحیح بات دیکھتا ہے لیکن عام طور پر اور اکثر وہی ہوتا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

آدابِ خواب

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
جب تم میں کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اسے پسند ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا اور اس خواب کو (آگے) بیان کرنا چاہیے اور جب اس کے علاوہ ناپسندیدہ بات دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے پس اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور اسے ذکر نہ کرے کیونکہ یہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۸۵' جامع الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۳' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۲' مسند احمد ج ۳ ص ۸' المستدرک ج ۴ ص ۳۹۲' الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۲' عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۷۶۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۹۶)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے۔
اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہے پس جو شخص خواب دیکھے اور اس میں سے کسی بات کو ناپسند کرتا ہو تو بائیں جانب تھوک دے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور اس کے بارے میں کسی کو نہ بتائے اور اگر اچھا خواب دیکھے تو اس پر خوش ہو اور صرف اسی آدمی سے بیان کرے جس سے محبت کرتا ہے۔
اس حدیث میں ''فلیبشر'' کا لفظ آیا ہے جس میں یاء پر زبر ہے باء ساکن اور شین پر پیش ہے اور یہ بشریٰ (یعنی بشارت) سے بنا ہے۔
امام ترمذی نے ابورزین کی حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا:

ولا یقصها الا علی واد. اور سوائے محبت کرنے والے کے کسی سے بیان نہ کرے۔

اس میں دال پر شد ہے اور یہ ''الود'' سے اسم فاعل ہے یا اس سے اصحابِ رائے مراد ہیں اور دوسری حدیث میں ہے:

ولا یحدث بها الا لبیبا او حبیبا. اور کسی عقل مند یا محبت کرنے والے کے علاوہ کسی سے بیان نہ کرے۔

ایک اور روایت میں ہے:

لا تقص رؤیاک الا علی عالم او ناصح. اپنا خواب کسی عالم یا خیر خواہ کے علاوہ کسی سے بیان نہ کرو۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

فلیحمد الله علیها ولیحدث بها. اس (خواب) پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور اسے بیان کرے۔

ہم نے اچھے خواب کے جو آداب ذکر کیے ہیں ان کا خلاصہ تین باتیں ہیں۔ (۱) اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنا (شکر بجا لانا) (۲) اس پر خوش ہونا اور (۳) بیان کرنا لیکن اس شخص سے جس سے محبت ہو اس سے نہیں جسے ناپسند کرتا ہو۔
اور برے خواب کے جو آداب ذکر کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ چار باتیں ہیں۔
(۱) اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے (۲) شیطان کے شر سے بھی پناہ مانگے (۳) جب نیند سے بیدار ہو تو بائیں جانب تھوکے (۴) اور کسی سے بالکل ذکر نہ کرے۔
''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچواں ادب بھی مروی ہے اور وہ نماز ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فمن رأی شیئا یکرهه فلا یقصه علی احد ولیقم فلیصل. پس جو شخص ناپسندیدہ بات دیکھے تو اسے کسی سے بیان نہ کرے اور چاہیے کہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔

لیکن امام مسلم نے وصل کی تصریح نہیں کی یعنی حضور ﷺ سے بطور مرفوع حدیث ذکر نہیں کیا البتہ امام مسلم نے اس

بات کی وضاحت کی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے چھٹی بات کا اضافہ کیا ہے۔

وہ یہ کہ پہلو بدل دے انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جس کو پسند نہ کرتا ہو تو تین بار بائیں جانب تھوکے اور تین بار شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور اس پہلو سے پھر جائے جس پر تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۰۸۔۳۹۱۰)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مناسب ہے کہ ان تمام روایات کو جمع کیا جائے اور ان تمام باتوں پر عمل کرے جو ان روایات میں ہیں اور اگر بعض پر بھی اکتفا کرے تو نقصان کو دور کرنے کے لئے کافی ہے جیسا کہ احادیث میں اس بات کی وضاحت ہے۔

حافظ ابن حجر نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کہ انہوں نے کسی حدیث میں ایک بات پر اکتفا کے سلسلے میں کچھ نہیں دیکھا۔ پھر فرمایا لیکن مہلب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ''**اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم**'' پڑھنا اس کے شر کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز میں یہ تمام باتیں جمع ہو جاتی ہیں جیسا کہ امام قرطبی نے فرمایا کیونکہ جب نماز کے لئے کھڑا ہوگا تو اس کا پہلو بھی بدل جائے گا اور وضو کرتے وقت کلی کرتے ہوئے تھوکے گا اور قرأت سے پہلے ''**اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم**'' بھی پڑھے گا اور پھر ایسی حالت میں دعا مانگے گا جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب کی حالت ہے پس اللہ تعالیٰ اسے اس (برے خواب) کے شر سے کفایت کرے گا۔

بعض حضرات نے ساتواں ادب بھی ذکر کیا ہے۔

اور وہ آیت الکرسی پڑھنا ہے اور اس سلسلے میں کوئی سند بیان نہیں کی۔ اگر اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے عموم سے لیا تو یہ توجیہ ہو سکتی ہے حدیث شریف میں فرمایا: کہ ''شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا''۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مناسب ہے کہ اس مذکورہ بالا نماز میں آیت الکرسی پڑھے۔

خواب کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس کی حکمت

تھوکنے میں حکمت یہ ہے جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا:

کہ شیطان کو دور کرنے کے لئے حکم دیا جو ناپسندیدہ خواب کے وقت حاضر ہوتا ہے تو یہ تھوکنا اس کو ذلیل کرنا اور اس کی گندگی کی طرف اشارہ ہوگا اور بائیں جانب کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ گندگی کا محل ہے اور تین بار تھوکنے کا حکم تاکید کے لئے ہے۔

اس سلسلے میں تین قسم کے الفاظ آئے ہیں **التفل' النفث** اور **البصق**۔ امام نووی رحمہ اللہ نے دم کرنے کے سلسلے میں پھونکنے (**النفث**) پر کلام کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمہ اللہ کی اتباع میں فرمایا کہ **التفل** اور **النفث** میں اختلاف کیا

[1] صحیح بخاری میں ہے کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی پڑھو شروع سے آیت کے ختم ہونے تک' اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں مسلسل حفاظت حاصل ہوگی اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔

گیا ہے۔پس کہا گیا کہ ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور یہ لعاب کے بغیر نہیں ہوتے۔

ابو عبید نے کہا کہ التفل ایسی پھونک ہے جس میں تھوڑا سا لعاب شرط ہے اور النفث (پھونک) میں ایسا نہیں ہوتا یہ بھی کہا گیا ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دم کے سلسلے میں النفث (پھونکنے) کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جیسے خشک انگور (میوہ) کھانے والا تھوکتا ہے جس میں (محض پھونک والی شکل ہوتی ہے) لعاب نہیں ہوتا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے ساتھ ارادے کے بغیر جو رطوبت نکلے اس کا کوئی اعتبار نہیں' وہ فرماتے ہیں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جو سورۂ فاتحہ کے ساتھ دم کرنے سے متعلق آئی ہے اس میں یوں ہے کہ آپ لعاب کو جمع کرنے لگے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں تھوک کے ساتھ پھونک مارنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس رطوبت' ہوا اور سانس کے ذریعے برکت حاصل کرنا مقصود ہے جو اچھے ذکر سے مل جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ناموں کو لکھ کر دھونے کی صورت میں اس پانی سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ہی فرمایا کہ خوابوں کے بارے میں اکثر روایات میں ''فلینفث'' کا لفظ آیا ہے اور وہ ہلکی سی پھونک ہوتی ہے' جس میں لعاب نہیں ہوتا پس ''تفل اور بصق'' کے الفاظ کو مجازی طور پر اس معنیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا کہ دونوں جگہ مطلوب مختلف ہے کیونکہ دم کرنے کی صورت میں ذکر کی رطوبت سے برکت حاصل کرنا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہاں شیطان کو بھگانا نیز اس کی حقارت اور ناپاکی کو ظاہر کرنا مقصود ہے جس طرح انہوں نے حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

تینوں قسم کے الفاظ کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ ان کو التفل پر محمول کیا جائے کیونکہ اس کے ساتھ معمولی سا لعاب بھی ہوتا ہے پس پھونک کو دیکھتے ہوئے اسے ''النفث'' کہتے ہیں اور لعاب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے ''البصق'' کہا جاتا ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ اس سے اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا تو جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مذکورہ عمل کو اس مکروہ بات سے سلامتی کا سبب بنایا جو خواب پر مرتب ہوتی ہے جس طرح صدقہ کو مال کی حفاظت کا سبب بنایا ہے۔

جہاں تک پہلو بدلنے کا تعلق ہے تو سابقہ حالت کے بدل جانے کی نیک فالی ہے۔اچھے خواب کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کہ ''اس کی خبر صرف اسے دے جس سے محبت کرتا ہے'' میں یہ حکمت ہے کہ جس سے محبت نہیں کرتا اس سے بیان کرے گا تو ہوسکتا ہے وہ اس کی تعبیر ایسے الفاظ سے کرے جسے یہ پسند نہیں کرتا اور وہ بغض یا حسد کی وجہ سے ایسی تعبیر کرے گا اور بعض اوقات اسی بیان کے مطابق نتیجہ نکلتا ہے یا وہ فوری طور پر غمگین اور تنگ دل ہوگا۔اس لئے ایسے شخص سے بیان کرنے سے منع فرمایا جس سے محبت نہیں کرتا۔

خواب کا پہلا تعبیر کنندہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ خواب پہلے تعبیر کرنے والے کے مطابق ہوتی ہے یہ حدیث ضعیف

ہے اس میں یزید رقاشی ہے لیکن اس حدیث کے لئے شاہد (حدیث) ہے جسے امام ابوداؤد امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور امام حاکم نے ابورزین عقیلی سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا۔ اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

الرؤيا على رجل طائر ما لم تعبر فاذا عبرت وقعت.

خواب آدمی پر اڑنے والی چیز ہے جب تک اس کی تعبیر بیان نہ کی جائے جب اس کی تعبیر بیان کی جائے تو وہ واقع ہو جاتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۱۴' مسند احمد ج ۴ ص ۱۰' المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۰۶' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۷۹۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۰' مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۹۵' الدرر المنتثرہ رقم الحدیث: ۸۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۹۰)

امام دارمی نے حسن سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن یسار کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں:

مدینہ طیبہ میں ایک عورت تھی جس کا خاوند تاجر تھا وہ تجارت کے سلسلے میں ادھر جاتا تھا وہ خاتون' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو عرض کیا میرا خاوند موجود نہیں اور اس نے مجھے حاملہ چھوڑا ہے۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے گھر کا ستون ٹوٹ گیا ہے اور میں نے بھینگا بچہ جنا ہے آپ نے فرمایا: بہتر ہے ان شاء اللہ تمہارا خاوند اچھی حالت میں واپس آئے گا اور تیرے ہاں نیک بچہ پیدا ہوگا اس خاتون نے یہ خواب تین مرتبہ ذکر کیا پھر وہ آئی اور نبی اکرم ﷺ موجود نہیں تھے میں نے اس سے (بار بار آنے کے بارے میں) پوچھا تو اس نے مجھے خواب کے بارے میں بتایا میں نے اس سے کہا اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تیرا خاوند ضرور مر جائے گا اور تیرے ہاں فاسق بچہ پیدا ہوگا وہ بیٹھ کر رونے لگی تو نبی اکرم ﷺ تشریف لائے آپ نے فرمایا: عائشہ! رک جاؤ جب تم کسی مسلمان کے خواب کی تعبیر بتاؤ تو اچھی تعبیر بتاؤ کیونکہ خواب اسی طرح ہوتا ہے جس طرح تعبیر بیان کرنے والا بیان کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۵۳۵ رقم الحدیث: ۷۰۴۶)

حضرت سعید بن منصور کے نزدیک حضرت عطاء بن ابی رباح کی مرسل روایت سے ہے کہ ایک عورت' نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی تو اس نے عرض کیا کہ (میں نے دیکھا) گویا کہ میرے گھر کا ستون ٹوٹ گیا ہے، اس کا خاوند غائب تھا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے خاوند کو صحیح سالم واپس لائے گا چنانچہ وہ صحیح سالم واپس آیا۔

(المصدر السابق ج ۱۲ ص ۵۳۵)

ابوعبید وغیرہ نے "خواب پہلے تعبیر بیان کرنے والے کے مطابق ہوتی ہے" کے بارے میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب پہلا تعبیر بتانے والا عالم ہو اور تعبیر بتاتے ہوئے صحیح وجہ تک پہنچے ورنہ یہ اس کے مطابق ہے جو بعد میں درست بیان کرے کیونکہ خواب کی تعبیر کے سلسلے میں درستگی تک پہنچنے پر دارومدار ہے تاکہ وہ بیان کی گئی مثال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی مراد تک پہنچ سکے۔ اگر وہ ٹھیک بیان کرے تو کسی اور سے نہ پوچھے اگر درست نہ ہو تو دوسرے سے پوچھے اور اسے (دوسرے تعبیر کنندہ کو) چاہیے کہ اس کے پاس جو علم ہے اسے بیان کرے اور پہلے کی جہالت کی وجہ بھی بیان کرے

اسی طرح انہوں (ابوعبیدہ) نے فرمایا: اور اس میں بحث ہے جس کا طویل ذکر ہے۔

تعبیر بتانے والے کے آداب

تعبیر بتانے والے کے آداب سے وہ بات ہے جو امام عبدالرزاق نے حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جب تم میں سے کوئی خواب دیکھے تو صرف اپنے بھائی (خیر خواہ) سے بیان کرے اسے چاہیے کہ کہے ہمارے لئے بہتر ہے اور ہمارے دشمنوں کے لئے شر ہے۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس کی سند منقطع ہے۔

امام طبرانی نے اور امام بیہقی نے ''الدلائل میں'' ابن زمل رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا: یہ بھلائی ہے جسے تم پاؤ گے اور ایسا شر ہے جس سے تم بچو گے ہمارے لئے بھلائی ہے اور ہمارے دشمن کے لئے شر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے اپنا خواب مجھ سے بیان کرو۔ اس حدیث کی سند بہت کمزور ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۳۷' الاصابہ ج ۴ ص ۱۷ رقم الحدیث: ۴۶۷۶)

تعبیر بتانے والے کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ سورج کے طلوع وغروب اور زوال کے وقت تعبیر نہ بتائے' رات کے وقت بھی نہ بتائے اور نہ عورت سے بیان کرے لیکن یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے تو فرماتے کیا (تم میں سے) کسی نے رات کو خواب دیکھا ہے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا کہ بیان ہو آپ کے سامنے بیان کیا جاتا اور آپ ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بتاتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ''**باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح**'' (نماز فجر کے بعد خواب کی تعبیر بتانے سے متعلق باب)۔

محدثین کرام فرماتے ہیں اس میں اس بات کی کمزوری کی طرف اشارہ ہے جو عبدالرزاق نے حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت سعید بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے ان کے بعض علماء سے نقل کی کہ انہوں نے فرمایا اپنا خواب کسی عورت کو نہ بتاؤ اور جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے خواب بیان نہ کرو۔

اس میں اہلِ تعبیر میں سے ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں مستحب یہ ہے کہ خواب کی تعبیر طلوع آفتاب کے بعد دن کی (پہلی) چوتھائی تک اور عصر سے غروب تک بتائی جائے کیونکہ حدیث طلوع آفتاب سے پہلے تعبیر بتانے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے پس ان کے اس قول کی مخالفت نہ کی جائے کہ جن اوقات میں نماز مکروہ ہے ان اوقات میں خواب کی تعبیر بتانا بھی مکروہ ہے۔

مہلب (ابوالقاسم بن احمد بن اسید اندلسی رحمہ اللہ فقہ' حدیث اور عبادت میں راسخ علماء میں سے تھے ۴۳۳ھ میں وصال فرمایا) فرماتے ہیں نماز فجر کے وقت تعبیر بتانا دوسرے اوقات کے مقابلے میں بہتر ہے کیونکہ وقت قریب ہونے کی وجہ سے آدمی کو خواب یاد ہوتا ہے اور ابھی تک بھول واقع نہیں ہوتی نیز تعبیر بتانے والے کا ذہن بھی حاضر ہوتا ہے اور اس وقت معاشی مسائل میں فکر کی مشغولیت بھی کم ہوتی ہے' خواب دیکھنے والے کو چاہیے کہ اسے خواب کے سبب سے جو کچھ

لاحق ہو اس کی پہچان رکھے پس اچھی بات پر خوش ہو اور بری بات سے بچے اور اس کے لئے تیار رہے بعض اوقات خواب میں گناہ سے بچنے کی طرف اشارہ ہوتا ہے پس اس سے رک جائے اور بعض اوقات کسی بات سے ڈرایا جاتا ہے پس اس کی حفاظت کرے۔

حضرت مہلب فرماتے ہیں صبح کے وقت خواب کی تعبیر بیان کرنے میں بہت سے فائدے ہیں یہ بات ''فتح الباری میں'' فرمائی ہے۔ (شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۵۵' کشف الظنون ج ا ص ۵۴۵)

خواب دیکھنے والے کے آداب

ائمہ تعبیر نے بتایا کہ خواب دیکھنے والے کے آداب سے ہے کہ وہ خواب واضح طور پر بیان کرے اور وضو کی حالت میں دائیں پہلو پر سوتے وقت سورۂ والشمس' سورۂ واللیل' والتین' اخلاص' الفلق اور الناس پڑھے اور یوں کہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَیِّیءِ الْاَحْلَامِ وَاسْتَجِیْرُ بِکَ مِنْ تَلَاعُبِ الشَّیْطَانِ فِی الْیَقْظَةِ وَالْمَنَامِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ رُؤْیَا صَالِحَةً صَادِقَةً نَافِعَةً حَافِظَةً غَیْرَ مَنْسِیَّةٍ اَللّٰهُمَّ اَرِنِیْ فِیْ مَنَامِیْ مَا اُحِبُّ۔

یا اللہ! میں برے خوابوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور شیطان کے کھیلنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں بیداری اور نیند (دونوں حالتوں) میں۔ یا اللہ! میں تجھ سے اچھے' سچے' نفع بخش' یاد رہنے والے نہ بھولنے والے خواب کا سوال کرتا ہوں یا اللہ! مجھے وہ بات دکھا جسے میں پسند کرتا ہوں۔

نیز دشمن یا جاہل کے سامنے بیان نہ کرے۔

جو کچھ دیکھا گیا اس کی اقسام

جب یہ بات جان لی تو یہ بھی جان لو کہ جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ دو قسموں پر منحصر ہے۔

پہلی قسم: پریشان خواب۔ یہ خواب کسی بات کی خبر نہیں دیتے اور ان کی کئی اقسام ہیں۔

(۱) شیطان کا کھیلنا تاکہ دیکھنے والے کو پریشان کرے جیسے وہ دیکھتا ہے کہ اس کا سر کٹ گیا اور اس کے پیچھے جا رہا ہے یا وہ دیکھتا ہے کہ وہ کسی خطرے میں گھر گیا اور اسے بچانے والا کوئی نہیں اور اس طرح کے دیگر خواب۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کٹ گیا اور میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شیطان نے تم سے جو کھیل کھیلا ہے اس کی خبر کسی کو نہ دو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴' المستدرک ج ۴ ص ۳۹۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۴۳۳)

(۲) وہ دیکھتا ہے کہ بعض فرشتے اسے حرام کام کرنے کا حکم دیتے ہیں یا ایسے کام جو عقلی طور پر محال ہیں۔

(۳) بیداری کی حالت میں اسے جو خیالات آتے ہیں یا تمنا کرتا ہے وہ اسی طرح خواب میں دیکھتا ہے اسی طرح بیداری میں جو کچھ دیکھنے کی عادت ہے خواب میں بھی دیکھتا ہے یا جو کچھ اس کے مزاج پر غالب ہے اور مستقبل میں واقع ہونے کا غالب گمان ہے' حال میں کثرت سے اور ماضی میں کم واقع ہوا۔

دوسری قسم: سچے خواب اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اتباع کرنے والے نیک لوگوں کے خواب ہیں اور بعض

اوقات نادر طور پر دوسرے لوگوں کے لئے بھی واقع ہوئے ہیں۔اور یہ خواب جس طرح نیند کی حالت میں واقع ہوتے ہیں بیداری کی حالت میں اسی طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے سچے خواب جو صبح پھوٹنے کی طرح (روشن) تھے گنتی اور حد سے باہر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ کی وحی کا آغاز نیند میں سچے خوابوں کے ذریعے ہوا پس جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح پھوٹنے کی مثل سامنے آتا۔

ایک روایت میں ''رؤیا الصادقه'' کی جگہ ''رؤیا الصالحه'' کے الفاظ ہیں اور یہ دونوں انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں امور آخرت کی نسبت سے ایک ہی معنیٰ میں ہیں۔ صالحۂ (صادقہ کی نسبت) زیادہ خاص ہے پس نبی اکرم ﷺ کے تمام خواب ''صادقہ'' (سچے) ہوتے اور کبھی صالحہ ہوتے اور اکثر ایسا ہوتا اور غیر صالحہ دنیا کے حوالے سے ہوتے مثلاً احد کے دن آپ نے خواب دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جارہی ہے اور اپنی تلوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تو آپ نے گائے کی تعبیر صحابہ کرام کو پہنچنے والی حالت سے کی اور تلوار کے ٹوٹنے کی تعبیر اپنے اہلِ بیت کی ایک شخصیت کی شہادت سے فرمائی (تو یہ خواب بظاہر دنیوی اعتبار سے صالح نہ تھا) پھر اچھا انجام متقی لوگوں کے لئے ہے اور اس کے بعد آپ کو تمام مخلوق پر مدد اور فتح حاصل ہوئی۔

جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ لوگوں کے خواب کا تعلق ہے تو ان دونوں (صادقہ اور صالحہ) میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے [1] اگر ہم صادقہ کی تعبیر یوں کریں کہ وہ تفسیر کی محتاج نہیں اور اگر ہم یوں تفسیر کریں کہ وہ پریشان خیال نہیں تو صالحہ مطلقاً زیادہ خاص ہے۔

امام نصر بن یعقوب الدینوری (ابوسعید نصر بن یعقوب بن ابراہیم متوفی ۴۱۰ھ) [2] نے ''التعبیر القادری میں'' فرمایا کہ رؤیا صالحہ وہ ہے جو بعینہٖ واقع ہو یا حالتِ نیند میں اس کی تعبیر ہو یا اس کی خبر وہ شخص دے جو جھوٹ نہیں بولتا اور صالحہ وہ ہے جس کی تاویل کی جائے۔

خواب کے سلسلے میں لوگوں کے درجات

جان لو کہ خواب کے سلسلے میں لوگ تین درجوں میں تقسیم ہیں:

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام۔ ان کے تمام خواب سچے ہوتے ہیں اور بعض ان میں ایسے خواب بھی ہوتے ہیں جو تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔

(۲) نیک لوگ۔ ان کے خواب عام طور پر سچے ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایسے خواب بھی ہوتے ہیں جو تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔

(۳) ان کے علاوہ لوگ۔ ایسے لوگوں کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں اور پریشان خیال بھی ہوتے ہیں اور یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ کبھی صادقہ اور صالحہ دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے کبھی صادقہ بھی نہیں ہوتا اور صالحہ بھی نہیں اور کبھی صالحہ ہوتا ہے صادقہ نہیں اور کبھی صادقہ ہوتا ہے صالحہ نہیں یعنی دو جگہوں پر صالحہ اور صادقہ کا اجتماع ہوتا ہے اور ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔

[2] (الاعلام ج ۸ ص ۲۹ یتیمۃ الدھر ج ۴ ص ۴۴۹ کشف الظنون رقم الحدیث: ۴۱۷-۵۳۲-۹۱۴)

(۱) وہ لوگ جن کا حال پوشیدہ ہے ان لوگوں کے حق میں اعتدال حال غالب ہے۔
(۲) فاسق لوگ۔ ان لوگوں کے عام خواب پریشان خیال ہوتے ہیں اور ان میں سچ کم ہوتا ہے۔
(۳) کفار۔ ان لوگوں کے خوابوں میں سچائی بہت نادر ہوتی ہے اسی بات کی طرف نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

اصدقهم رؤیا اصدقهم حدیثا. ان میں سے زیادہ سچا' زیادہ سچے خوابوں والا ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔
بعض اوقات کچھ کفار کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانے کے دو ساتھیوں کا خواب اور ان کے بادشاہ کا خواب اور اس کے علاوہ۔
حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے مرفوعاً نقل کیا اور ابن حبان نے اسے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صحیح قرار دیا۔ (اس میں فرمایا):

اصدق الرؤیا بالاسحار. سب سے زیادہ سچے خواب سحری کے خواب ہیں۔

امام نصر بن یعقوب دینوری نے فرمایا: کہ رات کے پہلے نصف حصہ کے خواب کی تاویل دیر سے ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے نصف کی تعبیر جلدی سامنے آتی ہے کیونکہ رات کے اجزاء میں تفاوت ہے اور سب سے جلدی ظاہر ہونے والی تعبیر سحری کے خواب (کی تعبیر) ہے خصوصاً جب طلوع فجر کا وقت ہو۔
حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے جلدی تاویل والا خواب وہ ہے جو دوپہر کو آرام کرتے وقت (قیلولہ کے وقت) دیکھا جائے۔
حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں دن کا خواب' رات کے خواب کی طرح ہے اور عورتوں کا حکم مردوں کے حکم جیسا ہے۔ حضرت قیروانی سے مروی ہے کہ عورت جب ایسی بات دیکھے جس کی وہ اہل نہیں تو وہ اس کے خاوند کے لئے ہے اسی طرح غلام کا اپنے آقا سے معاملہ جس طرح بچے کے خواب کی تعبیر اس کے ماں باپ کے لئے ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے خوابوں میں کیا دیکھا؟

دودھ نوش فرمانا

نبی اکرم ﷺ کے خوابوں میں سے ایک دودھ پینا ہے اور اس کی تعبیر علم سے فرمائی جس طرح ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا تو میں نے اس سے کچھ دودھ پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ سیرابی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے پھر میں نے اپنا بچا ہوا (دودھ) دے دیا یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا ''علم''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۰۰۶۔۷۰۰۷۔۷۰۲۷۔۷۰۳۲ سنن الدارمی ج ۲ص ۱۲۸ مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۰۳۰ کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۷۲۹)

کشمہینی کی روایت میں ''اظفاری'' (میرے ناخن) کی بجائے ''اظافیری'' کا لفظ ہے معنیٰ وہی ہے۔صالح بن کیسان کی روایت میں ''من اطرافی'' ہے یعنی میرے کناروں سے۔

اس خواب میں احتمال ہے کہ بصری ہو (آنکھ سے دیکھی ہوئی بات) اور یہی ظاہر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ علمی ہو (اس بات کا علم حاصل ہوا) پہلی بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو امام حاکم اور طبرانی نے حضرت ابو بکر بن عبداللہ بن عمر سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے اس حدیث کے سلسلے میں روایت کی ہے اس میں ہے آپ نے فرمایا:

میں نے (وہ دودھ) پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ میری رگوں میں جلد اور گوشت کے درمیان جاری ہوا۔لیکن محض علمی ہونے کا احتمال بھی ہے۔

بعض عارفین (قاضی ابو بکر بن عربی) نے فرمایا کہ وہ ذات جو گوبر اور خون کے درمیان خالص دودھ رکھتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ شک اور جہالت کے درمیان معرفت کو پیدا کر دے جو کچھ انہوں نے فرمایا بات اسی طرح ہے لیکن عادت وطریقہ یہی ہے کہ علم سیکھنے سے آتا ہے اور جو کچھ انہوں نے ذکر کیا کبھی اس طرح عادت کے خلاف ہو جاتا ہے پس یہ کراہت کے باب میں سے ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے دودھ کی تاویل علم سے اس اعتبار سے کی کہ آپ کے لئے یہی بات بیان ہوئی یا یہی حکم ہوا جب آپ کے پاس شراب کا پیالہ اور دودھ کا پیالہ لایا گیا تو آپ نے دودھ لے لیا پس جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔

بعض مرفوع احادیث میں اس کی تاویل فطرت سے کی گئی ہے جس طرح امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے نقل کیا کہ خواب میں دودھ دیکھنا فطرت ہے۔

دینوری نے ذکر کیا کہ اس حدیث میں جس دودھ کا ذکر ہے وہ اونٹنی کا دودھ ہے اور اس کے پینے والے کو حلال مال اور علم حاصل ہوتا ہے۔وہ فرماتے ہیں گائے کا دودھ خشک سالی سے شادابی' حلال مال اور فطرت ہے اور بکری کا دودھ مال' سرور اور جسمانی صحت کی طرف اشارہ ہے' جنگلی جانور کا دودھ دین میں شک کی علامت ہے' درندوں کا دودھ اچھا نہیں ہے البتہ شیرنی کا دودھ مال ہے لیکن اس کے ساتھ اربابِ اختیار کی دشمنی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا جس قدر علم ہے کوئی شخص اس سلسلے میں آپ کے مقام کو پہنچ نہیں سکتا کیونکہ آپ نے دودھ نوش فرمایا حتیٰ کہ سیرابی آپ کے کناروں سے نکل رہی تھی۔

اور آپ کا باقی ماندہ دودھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا کرنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہونے والے علم کی طرف اشارہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے ڈرتے نہیں تھے۔

حدیث شریف میں دودھ کی علم سے تعبیر کی وجہ دودھ اور علم کا کثرتِ نفع میں اشتراک ہے اور یہ دونوں چیزیں بھلائی کا سبب ہیں پس دودھ بدنی غذا کے لئے اور علم معنوی غذا کے لئے ہے۔

قمیص کی تعبیر دین سے

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے قمیص دیکھ کر اس کی تعبیر دین سے کی۔

• حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا گیا اور ان پر قمیصیں تھیں ان میں سے بعض چھاتی تک پہنچتی تھیں اور بعض اس سے نیچے نیچے تھیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے تو ان پر قمیص تھی جسے کھینچ رہے تھے' صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا: اس سے دین مراد ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳-۷۰۰۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۵' مسند احمد ج ۳ ص ۸۶' شرح السنۃ ج ۱۲ ص ۲۴۱)

حکیم ترمذی کی روایت میں اس حدیث کا ایک اور طریق ہے اس میں یوں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سوال کیا یارسول اللہ! آپ اس کی تاویل کیسے کرتے ہیں؟

اس حدیث میں ''الثـدی'' کا لفظ آیا جس میں ثاء پر پیش' دال کے نیچے زیر اور یاء مشدد ہے یہ ثـدی کی جمع ہے ثـدی میں ثاء پر زبر اور دال ساکن ہے معنیٰ یہ ہے کہ قمیص بہت چھوٹی ہے کہ گردن سے ناف تک کو نہیں ڈھانپتی بلکہ اس سے اوپر اوپر ہے۔

اور یہ فرمایا: کہ ان میں سے بعض اس سے نیچے ہیں تو اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے نچلی جانب مراد ہو اور یہی ظاہر ہے پس زیادہ لمبی ہوگی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اوپر کی جانب مراد ہو تو نہایت چھوٹی ہوگی پہلے احتمال کی تائید حکیم ترمذی کی مذکورہ بالا روایت سے ہوتی ہے کہ ان میں سے کسی کی قمیص ناف تک تھی اور ان میں سے بعض کی قمیص گھٹنوں تک اور بعض کی قمیص پنڈلی کے نصف تک تھی۔

اور لفظ دین کو منصوب پڑھنا جائز ہے تقدیر عبادت یوں آئے گی ''اولتـه الـدین میں نے اس کی تعبیر دین سے کی ہے''۔ اور رفع بھی جائز ہے (یعنی ھو الدین)۔

حکیم ترمذی کی اس روایت میں ''علی الایمان'' کا لفظ بھی ہے یعنی اس کی تعبیر و تاویل ایمان سے فرمائی۔

کہا گیا ہے کہ قمیص کی تعبیر دین سے اس لئے کی گئی کہ قمیص دنیا میں ستر کو ڈھانپتی ہے اور دین اسے آخرت میں ڈھانپے گا اور ہر مکروہ بات سے آڑ بنے گا اور اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

ولباس التقوی ذلک خیر. (الاعراف: ۲۶)　اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔

اہلِ تعبیر اس بات پر متفق ہیں کہ قمیص کی تعبیر دین سے کی جائے اور اس کا لمبا ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قمیص والے کے آثار اس کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔

ابن عربی نے فرمایا قمیص کی تعبیر دین سے اس لئے کی جاتی ہے کہ دین جہالت کے ستر کو ڈھانپتا ہے جس طرح قمیص بدن کے ستر کو ڈھانپتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غیر کا تعلق ہے تو جس کی قمیص چھاتی تک پہنچی تو دین نے اس کے دل کو کفر سے ڈھانپ لیا اگرچہ وہ گناہوں کا مرتکب ہو اور جس کی قمیص اس سے نیچے پہنچی اور اس کی شرمگاہ ننگی ہے تو

اس کے پاؤں کو گناہ کی طرف جانے سے نہیں ڈھانپا اور جس کے پاؤں کو ڈھانپا وہ ہر اعتبار سے تقویٰ کے ساتھ ڈھانپا گیا اور جو قمیص کو کھینچتا ہے وہ خالص عمل کے ذریعے اس سے زائد درجہ پر ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث میں لوگوں سے مراد ایمان والے لوگ ہیں کیونکہ قمیص کی تاویل دین سے کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے خاص لوگ مراد ہیں بلکہ ان میں سے بھی بعض مراد ہیں اور دین سے مراد اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا ہے جس طرح اوامر کو بجالانے اور ممنوعات سے اجتناب کی حرص۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ بلند مقام حاصل تھا۔

وہ فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قمیص میں حُسن وغیرہ سے جو کچھ دیکھے اس کی تعبیر پہننے والے کے دین سے کی جاتی ہے۔

ابن ابی جمرہ مزید فرماتے ہیں: کہ قمیص میں ایک نکتہ یہ ہے کہ وہ جب چاہے اسے اتار دے اور جب چاہے اسے باقی رہنے دے پس جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ایمان کا لباس پہنایا اور وہ اس سے متصف ہوئے تو زیادہ لباس والا ایمان میں کامل ہوتا ہے اور جو ایسا نہیں وہ کامل ایمان والا نہیں اور کبھی کپڑے کی کمی ایمان کی کمی کے باعث ہوتی ہے اور کبھی عمل میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین والے دین میں قلت و کثرت اور قوت و ضعف کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔

یہ ان مثالوں میں سے ہے جو خواب میں تعریف کی جاتی ہے اور بیداری میں شرعی طور پر قابلِ مذمت ہے یعنی قمیص کا گھسیٹنا (شرعاً منع ہے اگرچہ خواب میں یوں دیکھنا قابلِ تعریف ہے) کیونکہ قمیص کے زیادہ لمبا ہونے پر وعید آئی ہے۔

سونے کے دو کنگن

نبی اکرم ﷺ کے خوابوں میں سے ایک خواب یہ ہے کہ آپ نے اپنے مبارک ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے اور ان کی تعبیر دو جھوٹوں سے فرمائی۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی اکرم ﷺ کے خواب کے بارے میں پوچھا جو ذکر کی گئی تو انہوں نے فرمایا: مجھ سے ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس دوران کہ میں آرام کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے ہیں مجھے یہ بہت برے لگے اور میں نے ان کو ناپسند کیا تو مجھے حکم دیا گیا کہ میں ان کو پھونک ماروں چنانچہ وہ دونوں اڑ گئے پس میں نے اس کی تعبیر ان دو جھوٹوں سے کی جو ظاہر ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۳' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۵۸)

حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں: ان میں سے ایک اسود عنسی تھا جسے فیروز نے یمن میں قتل کیا اور دوسرا مسیلمہ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۷۹)

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس دوران

کہ میں آرام فرما تھا کہ مجھے زمین کے خزانے دیئے گئے پس میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے وہ مجھ پر گراں گزرے اور مجھے پریشان کر دیا پس میری طرف وحی آئی کہ ان دونوں کو پھونک مارو تو میں نے دو جھوٹوں سے تعبیر کیا کہ میں ان کے درمیان ہوں ایک صنعاء والا (اسود عنسی) اور دوسرا یمامہ والا (مسیلمہ کذاب)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۳۷)

مہلب فرماتے ہیں یہ خواب اپنے ظاہر پر نہیں بلکہ ایک مثال کے طور پر بتایا گیا اور نبی اکرم ﷺ نے دو کنگنوں کو دو جھوٹوں سے تعبیر کیا کیونکہ جھوٹ کسی چیز کو اس کے مقام کے علاوہ جگہ پر رکھنے کا نام ہے پس جب آپ نے اپنے ہاتھوں میں کنگن دیکھے اور یہ آپ کے لباس میں سے نہیں تھے کیونکہ یہ عورتوں کے زیور سے ہیں تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ عنقریب وہ لوگ ظاہر ہوں گے جو اس بات کا دعویٰ کریں گے جو ان میں نہیں ہوگی۔ نیز ان کا سونے کا ہونا جب کہ سونے کا پہننا منع کیا گیا جھوٹ پر دلیل ہے۔

علاوہ ازیں لفظ "ذھب" (سونا) ذہاب (جانے) سے مشتق ہے تو معلوم ہوا کہ یہ وہ چیز ہے جو آپ سے دور رہے گی اس کی تاکید اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ کو ان کے پھونکنے کا حکم دیا گیا پس وہ اڑ گئے تو معلوم ہوا کہ ان دونوں کی طرف کوئی حکم منسوب نہیں آپ کا آنے والی وحی کے ذریعے کلام ان دونوں کو ان کی جگہوں سے زائل کر دے گا۔

ابن عربی کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ مسیلمہ اور عنسی کے معاملے کے باطل ہونے کی توقع رکھتے تھے پس آپ نے خواب کی تعبیر ان دونوں سے کی تاکہ وہی مراد ہوں اور خواب کا تعلق ان دونوں سے ہو کیونکہ جب خواب کی تعبیر بتائی جائے تو وہ پوری ہوتی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے وحی کے ذریعے یہ تعبیر فرمائی ہو۔ زمین کے جن خزانوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد وہ مال غنیمت ہیں جو آپ کی امت کے لئے ظاہر کئے گئے' اسی طرح کسریٰ اور قیصر وغیرہ کے ذخائر بھی مراد ہیں یہ احتمال ہے کہ زمین کی کانیں مراد ہوں جن میں سونا اور چاندی ہے۔

قرطبی کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ پر یہ دونوں کنگن گراں گزرے کیونکہ سونا عورتوں کے زیور سے ہے اور ان چیزوں میں سے ہے جو مردوں پر حرام ہیں ان دونوں کا اڑ جانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں کا معاملہ کمزور ہے۔

اس تاویل کی اس خواب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اہل صنعاء اور اہل یمامہ اسلام لائے تھے پس وہ اسلام کے بازوؤں کی طرح تھے جب یہ دونوں جھوٹے ظاہر ہوئے اور من گھڑت باتوں اور جھوٹے دعوؤں کے ذریعے وہاں کے رہنے والوں سے جھوٹ بولا تو ان میں سے اکثر لوگ دھوکے میں آ گئے تو دونوں ہاتھ' دو شہروں کی طرح اور دونوں کنگن دو جھوٹوں کی طرح ہوئے اور ان کا سونے سے ہونا ان لوگوں کی من گھڑت باتوں کی طرف اشارہ تھا اور لفظ زخرف (من گھڑت) سونے کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

اہلِ تعبیر کہتے ہیں جو شخص اپنے آپ کو اڑتا ہوا دیکھے اگر وہ آسمان کی طرف بلندی میں اڑ رہا ہو تو اسے نقصان پہنچے گا اور اگر وہ آسمان میں غائب ہو جائے اور واپس نہ آئے تو مر جائے گا اور اگر واپس آ جائے تو مرض سے افاقہ ہوگا اور اگر چوڑائی میں اڑے تو سفر کرے اور اڑنے کے حساب سے بلندی پائے گا۔

سیاہ فام بکھرے ہوئے بالوں والی عورت

آپ کے خوابوں میں سے ایک خواب یہ ہے کہ آپ نے ایک سیاہ عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے تو

آپ نے اس کی تعبیر وبا سے کی جو مدینہ طیبہ سے جحفہ کی طرف منتقل ہوگئی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
میں نے ایک سیاہ رنگ کی بکھرے ہوئے بالوں والی عورت دیکھی جو مدینہ طیبہ سے نکلی حتیٰ کہ مہیعہ میں کھڑی ہوگئی اور یہ جحفہ ہے میں نے اس کی تاویل وبا سے کی جو مدینہ طیبہ سے جحفہ کی طرف منتقل ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث :۷۰۳۹۔۷۰۴۰ سنن ترمذی رقم الحدیث :۲۲۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۳۹۲۴ مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۷۔۱۱۷ مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث :۴۶۳۵ دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۵۶۸)

یہ ان خوابوں کی ایک قسم ہے جن کی تعبیر بتائی گئی اور یہ ضرب الامثال میں سے ہے اور مثال دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوداء یعنی السوء اور داء (سوء برا اور داء بیماری) سے مشتق ہے پس اس کے نام کو جمع کر کے اس کے ظاہر ہونے سے تعبیر کی گئی۔

اور اس کے بالوں کے بکھرے ہونے سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ بری اور شر پھیلانے والی چیز مدینہ طیبہ سے نکل رہی ہے۔

قیروانی جو اہلِ تعبیر میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ جس چیز کے چہرے پر سیاہی زیادہ پھیلی ہوئی نظر آئے تو وہ مکروہ ہے اور دوسرے حضرات نے کہا سر کے بالوں کے بکھرے ہونے کی تعبیر بخار سے کی جاتی ہے کیونکہ اس سے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ سر کی طرف چڑھتا ہے خصوصاً جب سوداء سے ہو تو اس کی وحشت زیادہ ہوتی ہے۔

مضبوط زرہ اور ذبح کی جانے والی گائے

نبی اکرم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ مضبوط زرہ میں ہیں اور گائے ذبح کی جا رہی ہے اور اس کی تعبیر بھی فرمائی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں تو میرا خیال یمامہ یا مقام ہجر کی طرف گیا لیکن یہ یثرب کا شہر تھا۔ میں نے اس میں گائے دیکھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب بہتر ہے تو اس سے احد کے دن کے کچھ مومن مراد ہیں (جو شہید ہوئے) اور اس سے وہ خیر مراد ہے جو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی اور اس صدق کا ثواب جو یوم بدر کے بعد ہمارے پاس آیا (یعنی وعدے کا سچا ہونا)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث :۳۶۲۲۔۷۰۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث :۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۳۹۲۱ شرح السنہ ج ۱۲ ص ۲۴۷ کنز العمال رقم الحدیث :۴۱۴۹۳)

امام احمد وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ گویا میں ایک مضبوط (لوہے کی) زرہ میں ہوں اور میں نے گائے دیکھی جو ذبح کی جا رہی تھی تو میں نے مضبوط زرہ کی تاویل مدینہ طیبہ سے اور گائے کی تعبیر مسلمانوں کو پہنچنے والی شہادت سے کی آپ نے فرمایا ''البقر بقرا'' تو دوسرے لفظ ''بقر'' میں باء پر زبر اور قاف ساکن ہے اور یہ مصدر ہے (بقرہ یبقرہ بقرا)۔

اس حدیث کا سبب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیان ہوا اور اس حدیث کو حضرت امام

اور امام نسائی اور طبرانی نے نقل کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ ابوالزناد کے طریق سے مروی ہے۔ وہ حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے غزوۂ احد کے واقعہ میں لکھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا ان کو مشورہ دینا کہ مدینہ طیبہ (شہر) سے نہ نکلیں ان کا طلبِ شہادت میں باہر نکلنے کو ترجیح دینا آپ ﷺ کا زرہ پہن لینا اور صحابہ کرام کا اس پر نادم ہونا اور آپ کا فرمانا کہ کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ جب وہ اپنی زرہ پہن لے تو لڑنے سے پہلے اسے اتار دے۔

اسی روایت میں ہے آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ میں مضبوط (یعنی لوہے کی) زرہ میں ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح اور اس سے زیادہ مکمل ہے اور مقصد اول میں غزوۂ احد کے بیان میں اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

اور یہ فرمایا کہ خیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ لائے گا اور صدق کا ثواب جو اللہ تعالیٰ یوم بدر کے بعد ہمیں عطا فرمائے گا' اس سے فتح خیبر اور پھر فتح مکہ مراد ہے یعنی دوسرے بدر کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں کو قائم وثابت رکھے گا۔

''فتح الباری میں فرمایا'' اس سیاقِ کلام میں اس بات کی خبر ہے کہ حدیث شریف میں آپ کا یہ خبر دینا کہ ''واللہ خیر'' (اللہ بھلائی والا ہے) یہ کلمہ بھی خواب کا حصہ ہے۔

اور میرے لئے جو بات ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ لفظ ''واللہ خیر'' اس کے راوی نے تحریر نہیں کیا اور ابن اسحاق کی روایت میں تحریر ہے نیز آپ نے گائے اور بھلائی دیکھی تو گائے کی تعبیر احد کے دن شہید ہونے والے صحابہ کرام سے کی اور خیر سے وہ ثواب مراد لیا جو لڑائی میں صداقت اور جہاد میں صبر پر ان کو حاصل ہوا اور یہ بدر کے دن سے اس کے بعد فتح مکہ تک حاصل ہوتا رہا۔

اس بنیاد پر بعد میں ہونا بدر اور احد کے درمیانی وقت کے ساتھ خاص نہیں' ابن بطال نے اس سے آگاہ کیا۔

نبی اکرم ﷺ کا تر کھجوریں دیکھنا

نبی اکرم ﷺ کے خوابوں میں سے ایک خواب یہ ہے کہ آپ کے پاس تر کھجوریں لائی گئیں۔ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ میں نے رات کو وہ دیکھا جو سونے والا دیکھتا ہے (خواب مراد ہے) گویا میں عقبہ بن رافع کے گھر میں ہوں اور میرے پاس ابن طاب کی کھجوروں میں سے کھجوریں لائی گئیں تو میں نے اس کی تعبیر یوں کی کہ ہمیں دنیا میں بلندی حاصل ہوگی اور آخرت میں اچھا انجام ہوگا اور ہمارا دین طیب وطاہر ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۵)

خواب میں تلوار دیکھنا جس کو حرکت دے رہے ہیں

اسی طرح آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ تلوار کو حرکت دے رہے ہیں آپ نے اس کی تعبیر بھی بیان کی جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: اور میں نے اس خواب میں دیکھا کہ میں تلوار کو حرکت دے رہا ہوں پس اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا تو اس سے احد کے دن مسلمانوں کو حاصل ہونے والی شہادت مراد ہے پھر دوبارہ حرکت دی تو وہ پہلے سے بھی اچھی حالت میں لوٹ آئی تو اس سے مسلمانوں کی فتح اور ان کا دوبارہ جمع ہونا مراد ہے۔

یہ بھی ضرب المثل میں سے ہے نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام کے ہمراہ حملہ کرنا تلوار کی تعبیر ہے اور آپ کا اسے حرکت دینا ان لوگوں کو لڑائی کا حکم دینا ہے اور اس کے کٹ جانے کی تعبیر مسلمانوں میں قتل کا پایا جانا ہے اور دوبارہ حرکت جب وہ اصلی حالت پر آ گئی اس سے مسلمانوں کا اجتماع اور کفار کے خلاف ان کی فتح مراد ہے۔

اہلِ تعبیر کہتے ہیں تلوار کی تعبیر چار طریقوں پر ہوتی ہے۔

جس شخص کو (خواب میں) تلوار حاصل ہو اسے غلبہ حاصل ہوتا ہے ولایت کے طور پر ہو یا امانت یا بیوی یا اولاد کی صورت میں اگر اسے میان سے باہر نکالے پس وہ ٹوٹ جائے تو اس کی بیوی محفوظ رہتی ہے لیکن اولاد کو مصیبت پہنچتی ہے اور اگر اس کی میان ٹوٹ جائے اور تلوار محفوظ رہے تو اس کے برعکس ہوتا ہے اگر دونوں محفوظ رہیں یا دونوں ٹوٹ جائیں تو بھی اسی طرح ہے تلوار کے دستے کا تعلق باپ اور عصبات (رشتہ داروں) سے ہے اس کی نعل (تلوار کی میان کا لوہے یا چاندی کا سرا) ماں اور ذوی الارحــــام (رشتہ داروں) سے متعلق ہے اگر تلوار کو ننگا کر کے کسی شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کرے تو اس سے زبان کو جھگڑے کے لئے ننگا کرنا مراد ہے اور بعض اوقات تلوار کی تعبیر ظالم بادشاہ سے کی جاتی ہے۔

بعض تعبیر بتانے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص دیکھے کہ اس نے تلوار کو میان میں کیا ہے وہ شادی کرے گا یا اس نے کسی آدمی کو تلوار سے مارا تو وہ اس کے بارے میں زبان درازی کرے گا اور جو آدمی دیکھے کہ وہ کسی اور سے لڑ رہا ہے اور اس کی تلوار اس دوسرے کی تلوار سے زیادہ لمبی ہے تو وہ اس پر غالب آئے گا اور جو شخص بہت بڑی تلوار دیکھے تو یہ ایک فتنہ ہے اور جو آدمی تلوار لٹکائے تو کوئی معاملہ اس کے سپرد ہو گا اور اگر تلوار چھوٹی ہو تو یہ معاملہ دائمی نہیں ہو گا۔

نبی اکرم ﷺ کا اپنے آپ کو کنویں پر دیکھنا

نبی اکرم ﷺ نے اپنے آپ کو کنویں پر دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میں نے اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا اور اس کے اوپر ایک ڈول تھا میں نے اس سے کھینچا جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر اسے ابو قحافہ کے بیٹے (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) نے لے لیا۔ انہوں نے اس سے ایک یا دو بھرے ہوئے ڈول نکالے اور ان کے نکالنے میں کمزوری تھی اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے پھر وہ بڑے ڈول میں بدل گیا تو اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لے لیا تو میں نے لوگوں میں کسی قوت والے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح نکالتے نہیں دیکھا حتیٰ کہ لوگوں کے اونٹوں نے سیر ہو کر پیا۔

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عبقری قرار دیا) اور قوم کا عبقری ان کا سردار بڑا اور قوی شخص ہوتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ مسلسل نکالتے رہے حتیٰ کہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ حوض سے پانی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے پس انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول پکڑ لیا تا کہ مجھے راحت پہنچائیں۔

حضرت موسیٰ، حضرت سالم سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ لوگ جمع ہوئے پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور آپ نے ایک یا دو ڈول نکالے اور ان کے

نکالنے میں کمزوری تھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو چھوٹا ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا پس میں نے لوگوں میں سے کسی شخص کو ان کی طرح عمدہ طریقے پر نکالتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ لوگوں کے اونٹوں نے سیر ہو کر پیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کرام نے فرمایا کہ یہ خواب ان دونوں خلیفوں کے ہاں ظاہر ہونے والے آثارِ صالحہ اور ان سے لوگوں کے نفع حاصل کرنے کی مثال ہے۔

اور یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ سے حاصل ہوا کیونکہ آپ دین لائے اور اسے مکمل کیا اور اس کے قواعد کو مضبوط کیا پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مرتد لوگوں سے جنگ کر کے ان کی جڑ کاٹ دی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے نائب ہوئے تو ان کے زمانے میں اسلام کو وسعت حاصل ہوئی۔

پس مسلمانوں کے معاملے کو ایسے کنویں سے تشبیہ دی گئی جس میں ایسا پانی ہو جس پانی میں ان کی زندگی اور بھلائی ہے اور ان کا امیر ان کے لئے اس سے پانی نکال رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا: کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا تا کہ مجھے راحت پہنچائیں اس میں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ موت دنیا کی مشقتوں اور تھکاوٹ سے راحت ہے' چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امت کے معاملات کی تدبیر اور ان کے احوال کی اعانت و مدد کے لئے کمربستہ ہوئے۔

اور یہ فرمانا کہ ان کے نکالنے میں کمزوری ہے تو یہ اس بات کی خبر تھی کہ ان کی مدت خلافت کم ہو گی جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت طویل تھی اور لوگوں نے اس سے نفع اٹھایا' فتوحات کی کثرت' شہروں کی تعمیر اور محکمہ جات کی تدوین کی وجہ سے اسلام کا دائرہ وسیع ہوا۔

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا: کہ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے یہ کسی عیب کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوا یہ کلمہ اہلِ عرب کہا کرتے تھے۔

اور یہ فرمانا: کہ ان کے ہاتھ میں ڈول بدل گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹا ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا۔ ''غرب'' غین پر زبر راء ساکن اور اس کے بعد باء ہے بڑے ڈول کو کہتے ہیں۔

امام احمد اور امام ابو داؤد رحمہما اللہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے (خواب میں) دیکھا کہ گویا ایک بہت بڑا ڈول آسمان سے لٹکایا گیا پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ نے اس کی دونوں لکڑیوں (جو دستے کی شکل میں تھیں) کو پکڑا اور اس سے کمزوری کے ساتھ کچھ نوش فرمایا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہوں نے اس ڈول کی لکڑیوں (دستے) کو پکڑا اور نوش فرمایا حتیٰ کہ آپ کے پہلو بھر گئے (سیر ہو کر پیا) پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہوں نے اس کے دستے کو پکڑا اور سیر ہو کر پیا اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کے نکالنے میں اضطراب تھا (جس سے کچھ پانی گر گیا) آپ نے اس میں سے کچھ پانی کے اپنے اوپر چھینٹے مارے۔

حدیث شریف میں ''فاخذ بعرافیھا'' کے الفاظ ہیں اور عراقی: عرقوۃ الدلو کی جمع ہے اور یہ ایک لکڑی ہے جو

ڈول کے منہ پر رکھی جاتی ہے اور یہ دو لکڑیاں صلیب کی طرح تھیں جب کوئی شخص ڈول کے ساتھ لکڑی لگائے تو کہا جاتا ''عرقیت الدلو میں نے ڈول میں لکڑی لگائی''۔ اسی طرح انتشطت کا لفظ استعمال ہوا جس کا معنیٰ پانی کا اچھلنا ہے۔ تو یہ نبی اکرم ﷺ کے مبارک خوابوں میں سے چند خوابوں کا ان کی تعبیر کے ساتھ تذکرہ ہے۔

صحابہ کرام کے خواب اور تعبیر نبوی

نبی اکرم ﷺ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے خواب دیکھے اور آپ نے ان کی تعبیر بیان کی ان میں خاص خواب بھی ہیں اور دنیوی اور اخروی امور کو شامل خواب بھی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام سے ان کے خوابوں کے بارے میں سوال کرنا

نبی اکرم ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تم میں سے جس نے رات کو خواب دیکھا ہو وہ بیان کرے تا کہ میں اسے اس کی تعبیر بتاؤں چنانچہ صحابہ کرام آپ کے سامنے اپنے اپنے خواب بیان کرتے۔

''صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں'' حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام سے اکثر فرماتے: کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے تو جس کے بارے اللہ تعالیٰ چاہتا وہ آپ کے سامنے بیان کرتا ایک صبح آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ہم میں سے کسی نے کچھ نہیں دیکھا آپ نے فرمایا لیکن آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے ان دونوں نے مجھے اٹھایا اور مجھ سے کہا چلئے میں چلا پس میں ایک شخص کے پاس آیا جو لیٹا ہوا تھا اور دوسرا آدمی اس کے پاس ایک بڑا پتھر لے کر کھڑا تھا وہ پتھر کو اس کی طرف جھکا کر اس کے سر کو کچل رہا تھا۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷' مسند احمد ج ۵ ص ۸۔۱۴' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۸۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۶۲۵)

نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام سے خوابوں کے بارے میں سوال نہ کرنا

نبی اکرم ﷺ کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟ پھر آپ نے پوچھنا چھوڑ دیا پس جو آدمی آپ کے سامنے خواب بیان کرتا تو آپ سوال کئے بغیر تعبیر بتا دیتے۔ ناقلین کا ترکِ سوال کے سبب میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا سبب حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن فرمایا تم میں سے کس نے خواب دیکھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے دیکھا ہے میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک ترازو اترا پس آپ کا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو آپ کا

[1] آپ نے یہ تعبیر بیان فرمائی کہ یہ دو فرشتے آئے جس طرح ایک دوسری حدیث میں ہے ان سے حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام تھے جس شخص کا سر کچلا تو یہ وہ شخص ہے جس نے قرآن یاد کر کے چھوڑ دیا اور فرض نماز سے سویا رہتا ہے ایک جگہ اس کی تعبیر یوں ہے کہ وہ علم قرآن پر عمل نہیں کرتا رات کو سوتا ہے اور دن کو عمل نہیں کرتا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۹۱)

وزن زیادہ نکلا اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا باہم وزن کیا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ ہوا پھر حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا وزن کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ ہوا پھر ترازو اٹھالیا گیا۔ راوی فرماتے ہیں: پھر ہم نے نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور پر ناراضگی کے آثار دیکھے۔ علماء کرام فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اسی وجہ سے کسی سے خواب کے بارے میں نہ پوچھا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی ناپسندیدگی کا سبب نتائج اور مراتب چھپانے کو ترجیح دینا ہے پس جب یہ خواب صحابہ کرام کے مراتب کو واضح کرنے اور بعض کی بعض پر فضیلت کے بیان پر مشتمل تھا اور اس میں تعین کیا گیا تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں کشف میں اس سے زیادہ بلیغ باتیں تواتر کے ساتھ آنا شروع نہ ہو جائیں اور مخلوق کے شر میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور مشیت جاریہ ہے۔

ابن قتیبہ نے کہا ابن منیر نے ذکر کیا کہ ابن زمل کی حدیث میں سوال چھوڑنے کا سبب یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ جب فجر کی نماز پڑھتے تو اپنے پاؤں کو دوہرا کرتے ہوئے ستر مرتبہ یہ کلمات پڑھتے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ ہم اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پھر فرماتے ستر کا ثواب سات سو ہے اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جس کے گناہ دن میں سات سو سے زیادہ ہوں پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے: کیا تم سے کسی نے کچھ (خواب) دیکھا ہے؟ ابن زمل فرماتے ہیں: ایک دن میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب دیکھا ہے آپ نے فرمایا: بھلائی ہے جو ملے گی اور شر جس سے حفاظت ہوگی ہمارے لئے بھلائی اور ہمارے دشمنوں کے لئے شر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے' اپنا خواب بیان کرو۔

انہوں نے کہا میں نے تمام لوگوں کو کشادہ' آسان نرم راستے پر دیکھا ہے اور لوگ اپنے راستے پر جا رہے ہیں اس دوران وہ راستہ ان کو ایک چراگاہ کی طرف لے گیا جس کی مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا اس کا پانی بہت زیادہ ہے اور اس کی بارش طرح طرح کی گھاس اگاتی ہے گویا میرے پاس گھڑ سواروں کا پہلا دستہ آیا ہے جب وہ چراگاہ پر چڑھے تو تکبیر کہی پھر اپنی سواریوں کو راستے میں چھوڑ دیا پس وہ دائیں بائیں نہ نکلے پھر ان کے بعد دوسرا دستہ آیا اور وہ ان سے کئی گنا زیادہ تھے جب وہ چراگاہ پر چڑھے تو انہوں نے تکبیر کہی پھر اپنی سواریوں کو راستے میں چھوڑ دیا ان میں سے بعض چرنے کے لئے چھوڑے جاتے اور بعض نے ملے جلے گھاس کی مٹھی لی اور اسی طرح چل پڑے۔ راوی فرماتے ہیں: پھر بہت سے لوگ آئے جب وہ چراگاہ پر گئے تو تکبیر کہی اور کہا یہ بہترین جگہ ہے پس وہ چراگاہ میں دائیں بائیں جھکے میں نے یہ صورت دیکھی تو میں نے راستہ اختیار کر لیا حتیٰ کہ چراگاہ کی دوسری جانب چلا گیا یا رسول اللہ! اس وقت میں آپ کے ساتھ منبر پر تھا جس کے سات زینے تھے آپ سب سے اعلیٰ زینے (درجے) پر تھے' آپ کی دائیں جانب ایک شخص ہے جس کا رنگ گندمی ہے اور اس کی ناک درمیان سے بلند ہے وہ کلام کرتے کرتے بلند ہوتا جا رہا ہے قریب تھا کہ وہ لمبائی میں تمام مردوں سے بڑھ جائے اور آپ کی بائیں جانب ایک شخص ہے جو زیادہ لمبا بھی نہیں اور پستہ قد بھی نہیں (بھوک

وغیرہ کی وجہ سے) اس کی حالت کمزور ہے اور وہ سرخ رنگ کا ہے اور اس کے چہرے پر بہت سے تل ہیں جب وہ گفتگو کرنے لگا تو آپ نے اس کے احترام میں اس کی طرف کان لگائے پھر اس کے سامنے ایک شیخ تھا گویا کہ آپ اس کی اقتداء کر رہے ہیں اور اس کے پاس ایک کمزور بوڑھی اونٹنی ہے اچانک یوں لگا کہ گویا یارسول اللہ! آپ اس کو اٹھا رہے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۱ص ۳۳۰۔ ج ۱ص ۹۷)

راوی فرماتے ہیں: ایک ساعت نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ بدل دیا پھر یہ حالت دور ہوئی تو آپ نے فرمایا: تم نے جو آسان اور کھلا راستہ دیکھا ہے تو یہ وہ ہدایت جس پر میں تمہیں چلاتا ہوں پس تم اس پر ہو اور تم نے جو چراگاہ دیکھی ہے تو یہ دنیا اور اس کی اچھی زندگی ہے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں نہ اس نے ہمارا ارادہ کیا اور نہ ہم نے اس کا ارادہ کیا۔

اور تم نے دوسرے اور تیسرے گھڑ سواروں کا ذکر کیا اور آپ نے ان کا کلام ذکر کر کے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

تم اچھے راستے پر ہو اور ہمیشہ اسی پر رہو گے حتیٰ کہ مجھ سے ملاقات کرو جہاں تک منبر کا تعلق ہے تو دنیا سات ہزار سال ہے اور میں اس کے آخری ہزار سال میں ہوں اور وہ شخص جو لمبے قد اور گندم گوں رنگ کا ہے تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ہم ان کا احترام کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فضیلت عطا فرمائی (ان سے کلام فرمایا) اور وہ شخص جس کا قد زیادہ لمبا اور زیادہ چھوٹا نہیں اس کی حالت کمزور ہے اور اس کا رنگ سرخ ہے تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ہم ان کا احترام کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام و مرتبہ عطا فرمایا۔ اور جس شیخ کو تم نے دیکھا کہ گویا ہم اس کی اقتدا کر رہے ہیں تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور وہ کمزور بوڑھی اونٹنی جس کو تم نے دیکھا ہے کہ میں اسے اٹھا رہا ہوں تو یہ امت پر قائم ہونے والی قیامت ہے کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں۔

راوی فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اس کے بعد کسی سے بھی خواب کے بارے میں نہ پوچھا مگر یہ کہ کوئی شخص آ کر خود بخود بیان کر دیتا۔

اس روایت کو ابن قتیبہ اور طبرانی نے نیز امام بیہقی نے "الدلائل میں" نقل کیا اور اس کی سند بہت کمزور ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ص ۳۶)

حضرت زرارہ نخعی رضی اللہ عنہ کا خواب

نبی اکرم ﷺ سے منقول ایک عجیب تعبیر یہ ہے کہ حضرت زرارہ بن نخعی وفد نخعہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے اپنے اس (سفر کے دوران) راستے میں ایک خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا کہ ہماری اونٹنی جسے میں اپنے قبیلہ میں چھوڑ کر آیا ہوں اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا سیاہ رنگ ہے جس میں سرخی بھی ہے، نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: کیا تمہاری کوئی لونڈی ہے جس کو تم نے اس حالت میں چھوڑا ہو کہ اس کا حمل ثابت ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! میں نے ایک لونڈی چھوڑی ہے جو حاملہ ہے آپ نے فرمایا: اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ تمہارا بیٹا ہے انہوں نے پوچھا وہ سرخ و سیاہ کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے قریب ہو جاؤ وہ قریب ہوئے تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں برص کی بیماری ہے جسے چھپاتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو

حق کے ساتھ بھیجا ہے اسے مخلوق نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کو اس کا علم ہے آپ نے فرمایا یہ وہی ہے۔

حضرت زرارہ فرماتے ہیں میں نے حضرت نعمان بن منذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے کانوں میں دو بالیاں' دو بازو بند اور دو کڑے ہیں تو (اس کی تعبیر میں) فرمایا یہ عرب کی بادشاہی ہے جو اپنی افضل شکل اور حسن کی طرف لوٹ آئی ہے۔[1]

فرماتے ہیں میں نے ایک سفید بالوں والی بڑھیا کو دیکھا جو زمین سے نکل رہی تھی تو آپ نے فرمایا: یہ دنیا کا باقی ماندہ حصہ ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا زمین سے آگ نکلی جو میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان حائل ہوگئی اور میں نے دیکھا وہ آگ کہہ رہی ہے آگ کی بھڑک ہے دیکھنے والے اور اندھے (کسی کو نہیں چھوڑے گی) میں تم سب کو کھاؤں گی اور تمہارے گھر والوں اور مالوں کو ہلاک کر دوں گی' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ فتنہ ہے جو آخری زمانے میں ہو گا۔انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کون سا فتنہ؟ فرمایا (جس میں) لوگ اپنے امام پر جرأت کر کے اسے شہید کریں گے پھر اس طرح گتھم گتھا ہوں گے جس طرح سر کی ہڈیاں ایک دوسرے میں داخل ہیں (یہ فرماتے ہوئے) نبی اکرم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالا (فرمایا) گناہ کرنے والا یہ خیال کرے گا کہ وہ نیکی کر رہا ہے (کیونکہ اسے غلبہ حاصل ہوگا اسی طرح اہلِ باطل اپنے آپ کو اہلِ حق سمجھیں گے) اور مومن کے نزدیک دوسرے مومن کا خون ٹھنڈے پانی سے زیادہ میٹھا ہوگا۔

تو اس تعبیر کو دیکھو جو مشکوٰۃ نبوت سے ظاہر ہوئی' حق کی مٹھاس سے بھرپور ہے' سچائی کے لباس میں ملبوس اور وحی کے انوار سے روشن ہے اس حدیث میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ کے معانی اس طرح ہیں:

الاسفع۔وہ بچہ (یا شخص) جس کے جسم کو کوئی دوسرا رنگ ملے۔

الاحوی۔سیاہ رنگ جو زیادہ تیز نہ ہو' **المسکتان** 'سونے کے کنگن' **اطباق الراس**' سر کی ہڈیاں' **الاشتجار** 'اختلاف اور **تشبیک**۔دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا ایک دوسرے میں داخل ہونا۔

اگر تم کہو کہ نبی اکرم ﷺ نے یہاں سوارین (کنگن) کی جو تعبیر فرمائی ہے وہ خوشخبری کی طرف لوٹتی ہے اور اس سے پہلے دو جھوٹے (مسیلمہ اور اسود) مراد لئے تھے (اس کی کیا وجہ ہے؟)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نعمان بن منذر عرب کے بادشاہ تھے اور ان کو کسریٰ کی جانب سے بادشاہ بنایا گیا تھا اور وہ اپنے بادشاہوں کو کنگن دیتے اور بطور زیور پہناتے تھے اور حضرت نعمان کے لباس سے کنگن ان کے حق میں ناپسندیدہ نہیں تھے اور نہ ہی ان کو ان کے اصل مقام کے علاوہ رکھا گیا۔جہاں تک نبی اکرم ﷺ کا تعلق ہے تو آپ نے اپنی امت کے تمام افراد (مردوں) کو سونا پہننے سے منع فرمایا تو یہ بات مناسب تھی کہ آپ اس سے پریشان ہوں کیونکہ یہ آپ کے لباس میں سے نہیں چنانچہ آپ نے اس سے استدلال کیا کہ کوئی امر اپنے مقام کے علاوہ رکھا جا رہا ہے (اور وہ مسیلمہ اور اسود عنسی کا دعویٰ نبوت تھا) لیکن ان کنگنوں کے چلے جانے (اڑ جانے) سے نتیجہ اچھا ہوگا پس اللہ ہی کے لئے حمد ہے۔

[1] کیونکہ حضرت نعمان عرب پر بادشاہ تھے تو مطلب یہ ہے کہ اہلِ عرب کا پہلے والا عز و شرف لوٹ آیا ہے اور ایران و عجم کا غلبہ ختم ہوگیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ظہورِ مبارک ہو چکا ہے۔(زرقانی ج ۷ ص ۱۹۴)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا خواب

ان خوابوں میں سے ایک خواب وہ ہے جو حضرت قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (عباد کی عین پر پیش اور باء غیر مشدد ہے)۔

وہ فرماتے ہیں میں ایک حلقہ میں تھا جس میں حضرت سعد بن مالک اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ گزرے ان حضرات نے کہا یہ شخص اہلِ جنت میں سے ہے میں نے حضرت ابن سلام سے کہا کہ یہ حضرت اس طرح اس طرح کہتے ہیں انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ! ان کو ایسی بات کہنا نہیں چاہیے جس کا انہیں علم نہیں میں نے دیکھا کہ گویا ایک ستون ہے جو ایک سرسبز باغ کے درمیان میں رکھا گیا پھر اسے نصب کیا گیا اور اس کے کنارے پر رسی ہے اور اس کے نیچے ایک خادم ہے اس نے کہا اس پر چڑھیئے پس میں اس پر چڑھا حتیٰ کہ رسی کو پکڑ لیا میں نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کو سنایا تو آپ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگا تو مضبوط رسی (دین اسلام مراد ہے) ان کے ہاتھ میں ہوگی۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۱۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۱۸)

حضرت خرشہ رضی اللہ عنہ [2] کی روایت میں ہے (حضرت ابن سلام) فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس ایک شخص آیا اور مجھ سے کہا کھڑے ہو جاؤ چنانچہ اس نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں اس کے ساتھ چل پڑا اچانک میں نے دیکھا کہ میں ایک راستے پر ہوں جو میری بائیں جانب ہے (لفظ جواد استعمال ہوا جو جادہ کی جمع ہے ایسے راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ چلتے ہیں) فرماتے ہیں میں اس پر چلنے لگا تھا کہ اس شخص نے کہا اس پر نہ چلو یہ بائیں جانب والوں کا راستہ ہے (کفار کا راستہ ہے)۔

امام نسائی کی روایت میں میں حضرت خرشہ کے طریق سے حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: اس دوران کہ میں چل رہا تھا میری دائیں جانب ایک راستہ سامنے آیا میں نے اس پر چلنے کا ارادہ کیا تو اس شخص نے کہا آپ اس راستے والوں میں سے نہیں ہیں۔

''صحیح مسلم میں ہے'' فرماتے ہیں: اچانک دیکھا تو میری دائیں جانب ایک راستہ ہے تو اس شخص نے کہا اس کو یہاں سے اختیار کریں پس وہ مجھے پہاڑ پر لایا اور کہا اوپر چڑھو فرماتے ہیں: میں جب چڑھنے کا ارادہ کرتا تو گر جاتا حتیٰ کہ میں نے کئی مرتبہ ایسا کیا۔

ابن عون کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس باغ سے اسلام کا باغ مراد ہے اور وہ ستون اسلام کا ستون ہے اور اس رسی سے مضبوط رسی (دین اسلام یا قرآن مجید) مراد ہے یعنی تم مرتے دم تک اسلام سے وابستہ رہو گے۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودیوں کے عالم تھے پھر ایمان لائے، حضور علیہ السلام نے ان کے حُسن خاتمہ کی خبر دی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] خرشہ بن حر یتیم تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے امام ابوداؤد فرماتے ہیں ان کو شرب صحابیت حاصل ہے، عجلی فرماتے ہیں جلیل القدر تابعین میں سے تھے ۷۴ھ میں وصال ہوا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۹۶)

امام نسائی اور ابن ماجہ کے نزدیک حضرت خرشہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے بھلائی دیکھی ہے راستے سے محشر مراد ہے اور پہاڑ شہداء کی منزل ہے امام مسلم نے اتنا اضافہ کیا کہ اسے تم ہرگز نہ پاسکو گے۔

تو یہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کی خبروں میں سے خبر ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا انتقال بطور شہید نہیں ہوا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں آپ مدینہ طیبہ میں اپنے بستر پر فوت ہوئے۔

اور محدثین کا آپ کو اہلِ جنت سے قرار دینا اس بات سے اخذ کیا گیا کہ جب انہوں نے بائیں راستے کا ذکر کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم ادھر والوں میں سے نہیں ہو۔

اور آپ کا یہ فرمانا کہ ان کے لئے ایسی بات کہنا مناسب نہیں جس کا ان کو علم نہیں' تواضع کے طور پر تھا نیز اس بات کو ناپسند کیا کہ ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ ان میں خود پسندی نہ آ جائے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں تمام ناپسندیدہ باتوں سے بچائے۔)

قیروانی کہتے ہیں جس باغ کی سبزی کی پہچان نہ ہوا سے اس کی تازگی اور حُسنِ منظر کی وجہ سے اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے نیز فضیلت والے مکان سے بھی اس کی تعبیر ہوتی ہے بعض اوقات قرآن مجید' علمی کتب اور عالم وغیرہ سے بھی تعبیر کی گئی ہے۔

دوسرے معبرین نے کہا کہ حلقہ اور مجہول رسی اس شخص پر دلالت کرتی ہے جو اسے اپنے دین میں مضبوطی اور اخلاص سے پکڑے۔

ام العلاء انصاریہ کا خواب

ان خوابوں میں سے ایک ام العلاء انصاریہ کا خواب بھی ہے جسے امام بخاری نے نقل کیا اور یہ انصار کی ایک خاتون تھیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا' فرماتی ہیں مجھے خواب میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وصال کے بعد جاری چشمے کی صورت میں دکھائے گئے تو میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ کو تمام واقعہ سنایا آپ نے فرمایا یہ ان کا جاری عمل ہے۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸۷۔ ۳۹۲۹' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷۶۔ ج ۱۰ ص ۲۸۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۲۲۵)

یہ بھی کہا گیا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے کسی عمل کا ثواب باقی ہو جو صدقہ (جاریہ کی طرح) جاری ہو۔

مغلطائی نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان باتوں میں سے کوئی نہیں جو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہیں کہ جب بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین کام (یعنی ان کا ثواب) جاری رہتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۷۹۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲' نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۵۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۱۱۴۔ ج ۵ ص ۲۲۔ ج ۹ ص ۸۷' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۹۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۸' المغنی ج ۱ ص ۱۲۔ ج ۲ ص ۲۳' کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۰۵)

---

[1] یہ تین کام (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچے اور (۳) نیک اولاد جو ان (ماں باپ) کے لئے دعا مانگے۔

(زرقانی ج ۷ ص ۱۹۸ بحوالہ صحیح مسلم)

شیخ ابن حجر نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا کہ ان (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ) کے ایک نیک صاحبزادے تھے جو بدر اور اس کے بعد جہاد میں شریک ہوئے اور وہ حضرت سائب تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا انتقال ہوا اور وہ ان تین اعمال میں سے تھے جن کا ثواب جاری ہے۔ فرماتے ہیں حضرت عثمان مالدار لوگوں میں سے تھے پس بعید نہیں کہ انہوں نے کوئی ایسا صدقہ کیا ہو جس کا ثواب وصال کے بعد بھی جاری رہا۔

مہلب کہتے ہیں جاری چشمے میں کئی وجوہ کا احتمال ہے اگر اس کا پانی صاف ہو تو اس کی تعبیر اچھے عمل سے ہوگی ورنہ نہیں دوسرے حضرات فرماتے ہیں جاری چشمہ جاری عمل ہے وہ صدقہ ہو یا کسی زندہ یا فوت شدہ سے نیکی کرنا ہو۔

کسی دوسرے نے کہا کہ پانی کا چشمہ نعمت' برکت اور بھلائی ہے اور آرزو کا پورا ہونا ہے اگر خواب دیکھنے والے کی حالت پوشیدہ ہو اور اگر وہ پاکدامن نہ ہو تو اسے مصیبت پہنچتی ہے جس پر اس کے گھر والے روتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ تعبیرات میں سے کچھ ذکر کیا گیا ان سے اس قسم کے خوابوں کی تعبیر میں رہنمائی ملتی ہے ورنہ آپ سے تاویل و تعبیر کے سلسلے میں جو عجیب ولطیف باتیں منقول ہیں جیسا کہ ابن منیر نے کہا وہ کئی جلدوں میں بھی نہیں آسکتیں۔

اور جب تم غور کرو تو اس امت میں سے کسی ایک کو علم و عمل کے اعتبار سے جو کرامت و اعزاز حاصل ہوا وہ نبی اکرم ﷺ کے معجزہ کے آثار اور آپ کی تصدیق کے راز سے ہے آپ کے طریق کی برکات اور آپ کی سیرتِ طیبہ اور توفیق سے ہدایت حاصل کرنے کے ثمرات و نتائج ہیں۔

میں نے صرف ان تعبیرات کا ذکر کیا جو حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کو تعبیر کے لطائف سے ملا اور وہ معروف و مشہور ہے۔ زمین کے طبقہ میں سچائی اور درستگی اور تعجب خیز ہونے کے اعتبار سے لوگوں کے کان اس سے آشنا ہیں' بلکہ یہ گہرا اور پانی سے بھرپور سمندر ہے۔

(جب تم غور کرو گے تو) اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ نبی اکرم ﷺ کو جو علوم و معارف عطا ہوئے ہیں عبارات ان کا احاطہ نہیں کرسکتیں' اشارات ان کی حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتے۔

جب امام ابن سیرین رحمہ اللہ جو آپ کے ایک امتی ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ ان سے تعبیر کے فن میں اس قدر منقول ہے جو کثرت کے باعث شمار میں نہیں آسکتا تو نبی اکرم ﷺ کا کیا حال ہوگا جب کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں زیادہ فضل و شرف عطا فرمایا اور آپ کے علوم و معارف کے بادلوں سے ہمیں فیضان عطا فرمایا اور آپ کی مہربانیوں سے ہمیں بہرہ ور فرمایا۔

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کا غیبی خبریں دینا

جان لو کہ غیب (کا علم) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور جو کچھ اس کے رسول ﷺ اور دوسرے لوگوں کی زبان پر واقع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (عطا) ہوتا ہے وحی کے ذریعے ہو یا الہام کے ذریعے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی شاہد ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (جن:۲۶-۲۷)

وہ (اللہ تعالیٰ) غیب کا عالم ہے پس وہ اپنے غیب کو کسی ایک پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول کو چن لے۔

تاکہ یہ غیب پر اطلاع اس نبی کا معجزہ ہو جائے۔

اس سے کرامات کو باطل کرنے پر استدلال کیا گیا۔

(یعنی غیب کی خبر دینا بطور معجزہ ہی ہو سکتا ہے کرامت کے طور پر نہیں) تو اس کا جواب یوں دیا گیا کہ رسول کی تخصیص فرشتے کے ساتھ ہے (کہ فرشتہ رسول پر نازل ہوتا ہے) اور اظہار وہ ہوتا ہے جو کسی واسطے کے بغیر ہو اور غیبی باتوں کے حوالے سے اولیاء کرام کی کرامت ملائکہ کو دیکھنے سے ہوتی ہیں جس طرح ہمارا آخرت کے احوال پر مطلع ہونا انبیاء کرام کے واسطے سے ہے ایک حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

و الله انی لا اعلم الا ما علمنی ربی.

اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا مگر وہی جو مجھے میرے رب نے سکھایا۔

تو نبی اکرم ﷺ نے جس قدر غیبی خبریں دی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے بتانے اور آگاہ کرنے سے دی ہیں اور یہ آپ کی نبوت کے ثبوت اور صداقت رسالت کے دلائل سے آگاہ کرنا ہے۔[1]

صحابہ کرام کے درمیان نبی اکرم ﷺ کا غیبی خبریں دینا ایک معروف بات تھی حتیٰ کہ ان میں سے بعض (کمزور ایمان والے یا منافق) دوسرے ساتھی سے کہتے خاموش رہو اللہ کی قسم! اگر ان (نبی اکرم ﷺ) کے پاس وہ نہ ہو تو جوان کو خبر دیتا ہے (یعنی فرشتہ) تو بطحاء کے پتھر ان کو بتا دیں گے۔

اس پر حضرت ابن رواحہ (یہ عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ انصاری ہیں، متوفی ۸ھ)[2] رضی اللہ عنہ کا یہ قول شاہد ہے:

وفينا رسول الله يتلو كتابه ... انه انشق معروف من الصبح ساطع

ارانا الهدى بعد العمى فقلوبنا ... به موقنات ان ما قال واقع

"ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں جو اس کی کتاب پڑھتے ہیں روشن صبح سے جب نیکی پھوٹی۔ تو آپ نے ہمیں اندھے پن کے بعد ہدایت کی راہ دکھائی پس ہمارے دل اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ واقع ہوتا ہے"۔

اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نبی یری مالا یری الناس حوله ... ویتلو کتاب الله فی کل مشهد

فان قال فی یوم مقالة غائب ... فتصديقها فی ضحوة اليوم اوغد

[1] متواتر احادیث اور ان کے معانی اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو غیب پر اطلاع دی گئی اور جن آیات میں صرف اللہ تعالیٰ کے غیب جاننے کا ذکر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بتائے کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۱۹۹)

[2] (الاعلام ج ۴ ص ۸۶، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۱۸، الاصابہ رقم الحدیث: ۴۶۶۷، صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۹۱، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۹۸، خزانۃ الادب ج ۱ ص ۳۶۲)

''وہ نبی ﷺ جو اس چیز کو دیکھتے ہیں جسے لوگ اپنے گرد نہیں دیکھ سکتے اور وہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں۔ اگر وہ ایک دن غیب کی بات فرمائیں تو آج ہی چاشت کے وقت بالکل صبح تک اس کی تصدیق ہو جاتی ہے''۔

اس فصل کو ہم دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کی غیبی خبریں

پہلی قسم نبی اکرم ﷺ کے غیبی خبریں دینے پر قرآن مجید سے گواہی کے بیان میں ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ. (البقرہ: ۲۳۔۲۴)

اور اگر تم شک میں ہو اس چیز سے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی تو اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے حمایتیوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو پس اگر نہ لا سکو اور ہرگز نہیں لا سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ارشادِ خداوندی ''وَلَنْ تَفْعَلُوْا'' (تم ہرگز (ایسا) نہیں کر سکو گے) میں غیب کی خبر ہے جب کہ عادت اس کے خلاف کا تقاضا کرتی ہے (کیونکہ وہ لوگ نہایت فصیح و بلیغ تھے)۔

اسی طرح ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ. (الانفال: ۷)

اور جب اللہ تعالیٰ نے تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ ہو وہ تمہارے لیے ہو۔

قریش کے دو قافلے تھے ان میں سے ایک کے پاس غنیمت کا مال تھا اور دوسرے کے پاس نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے وہ بات بتائی جو مسلمانوں کے دلوں میں تھی اور اپنا وعدہ پورا کیا اور اس میں شک نہیں کہ وعدہ اس چیز کے ملنے سے پہلے تھا کیونکہ کسی چیز کا وعدہ اس کے وقوع کے بعد جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. (القمر: ۴۵)

عنقریب جماعت بھاگ جائے گی اور وہ پیٹھیں پھیر لیں گے۔

یہ مستقبل کی خبر ہے کیونکہ ''سین'' استقبال کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے دن کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور ان کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے درمیان تھی اور وہ مال اور اسلحہ سے لیس تھے جب کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ مرد تھے اور ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے ایک حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا اور دوسرا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا تھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دی اور مسلمانوں کو ان کے سورماؤں کے قتل اور ان کے مالوں کو غنیمت بنانے پر طاقت بخشی۔

اسی طرح قریش کے بارے میں فرمایا:

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا۔ (آل عمران:۱۵۱)

عنقریب ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈالیں گے اس کے سبب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو شریک ٹھہرایا جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔

اس سے مراد وہ خوف ہے جو اللہ تعالیٰ نے احد کے دن ان کے دلوں میں ڈالا حتیٰ کہ وہ لڑائی چھوڑ کر بھاگ گئے اور کسی سبب کے بغیر واپس ہو گئے اور ابوسفیان نے آواز دی۔

اے محمد (ﷺ) ہمارا معاہدہ آئندہ سال مقام بدر ہے اگر تم چاہو تو' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور کہا گیا ہے کہ جب وہ (کفار) واپس ہوئے اور ابھی راستے میں ہی تھے کہ نادم ہوئے اور واپسی کا ارادہ کیا تاکہ مسلمانوں کو (بزعم خویش) مٹا دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ بِنَصْرِ اللّٰہِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ○ وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (الروم:۱۔۶)

رومی مغلوب ہوئے قریب کی زمین میں اور اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برس میں۔ حکم اللہ ہی کا ہے آگے اور پیچھے' اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ کی مدد سے' مدد کرتا ہے جس کی چاہے اور وہی عزت والا مہربان ہے اللہ کا وعدہ' اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کسریٰ اور قیصر باہم لڑے تو کسریٰ کو قیصر پر غلبہ حاصل ہوا مسلمانوں کو یہ بات ناگوار گزری کیونکہ رومی (جہاں قیصر بادشاہ تھا) اہل کتاب تھے اور قیصر نے نبی اکرم ﷺ کے مکتوب گرامی کی تعظیم کی تھی جب کہ کسریٰ (ایران کے بادشاہ پرویز) نے آپ کے مکتوب گرامی کو پھاڑ دیا تھا۔

چنانچہ قیصر کی شکست پر مشرکین خوش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ رومی اس مغلوبیت کے بعد چند سالوں میں غالب آ جائیں گے یعنی تین سے دس سالوں کے درمیان۔ پس رومیوں کو ایرانیوں پر حدیبیہ کے دن غلبہ حاصل ہوا اور انہوں (رومیوں) نے ان (ایرانیوں) کو اپنے شہروں سے نکال دیا اور یہ واقعہ سات سال بعد پیش آیا۔

اسی سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ وَلَا یَتَمَنَّوْنَہٗٓ اَبَدًا۔ (الجمعہ:۶۔۷)

پس موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز اس (موت) کی تمنا نہیں کریں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ (یہودی) کبھی بھی نہ تو دل سے موت کی تمنا کریں گے اور نہ زبان سے بول کر حالانکہ وہ اس کی

طاقت رکھتے ہیں۔

تو جس طرح خبر دی اسی طرح ہوا۔ اگر ان کو معلوم نہ ہوتا کہ انہیں موت آئے گی تو وہ موت کی تمنا کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کو جھٹلانے میں جلدی کرتے اور اگر نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم نہ ہوتا تو آپ کو ڈر ہوتا کہ وہ اس بات کا جواب دیں گے اور یوں آپ کو جھوٹا قرار دیا جاتا۔ (معاذ اللہ)

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ جملہ غیب کی خبر ہے اور اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے خبر دی کیونکہ اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو یہ بات منقول و مشہور ہوتی کیونکہ موت قلبی عمل نہیں ہے کہ پوشیدہ رہتا۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو ان میں سے ہر ایک اپنے تھوک سے مر جاتا اور روئے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہتا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۸' تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۹۶' تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۲۷)

اسی طرح ارشادِ خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (النور: ۵۵)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے کہ وہ ان کو ضرور بضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ وہ عنقریب آپ کی امت کو زمین میں خلفاء' لوگوں کے امام اور حکمران بنائے گا ان کے ذریعے شہروں کی اصلاح ہوگی' لوگ ان کے سامنے جھکیں گے اور لوگوں سے ان کے خوف کو امن اور حکمرانی میں بدل دے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال سے پہلے مکہ مکرمہ' خیبر' بحرین تمام جزیرۂ عرب اور یمن کی زمین مکمل طور پر فتح ہوگئی' مقام ہجر کے مجوسیوں اور شام کے بعض علاقوں (میں رہنے والوں) سے جزیہ لیا۔

نیز روم کے بادشاہ ہرقل' مصر اور اسکندریہ کے حکمران یعنی بنوقیس نے تحائف پیش کئے (حالانکہ ان میں سے کسی نے اسلام قبول نہیں کیا) اسی طرح عمان کے بادشاہوں اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھی جو اصحمہ کے بعد حکمران ہوا' تحائف بھیجے۔

پھر جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آپ کو عزت و شرف عطا فرمایا تو آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے بکھرے ہوئے لشکروں کو جمع کیا جو حضور ﷺ کے وصال کے وقت (قبائل کے مرتد ہونے کی وجہ سے) بکھرے تھے اور جزیرہ کو مضبوط اور تیار کیا۔

اور اسلامی لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایران کے شہروں کی طرف بھیجے اور انہوں نے کچھ حصہ فتح کیا ایک اور لشکر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں شام کی طرف بھیجا تیسرا لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی کمان میں مصر کی طرف ارسال کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی بصریٰ اور دمشق کی فتح عطا فرمائی اور اس کے مقابل حوران اور اس کے اردگرد کے شہر بھی فتح ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاں بلا لیا اور اعزاز و اکرام سے مشرف فرمایا اور اسلام اور مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے دل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنانے کا خیال ڈالا۔

ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھرپور حکومت کی اور انبیاء کرام کے بعد چشم فلک نے جہادی قوت اور کمال عدل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا شخص نہیں دیکھا ان کے دورِ حکومت میں شام کے علاقے مکمل طور پر اور مصر آخر تک اور ایران کے اکثر صوبے فتح ہوئے اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو شکست دی اور اسے بہت رسوا کیا اور وہ اپنی حکومت کے آخری سرے تک واپس لوٹ گیا۔

شام کے شہروں سے قیصر کی حکومت ختم ہوگئی اور وہ قسطنطنیہ کی طرف چلا گیا اور ان دونوں ملکوں کے مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں آ گئے جس طرح نبی اکرم ﷺ کو خبر دی گئی اور آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت آیا تو ممالک اسلامیہ زمین کے مشرق و مغرب کے آخر تک پھیل گئی اور چین کے آخری سرے تک مغربی ممالک فتح ہوگئے کسریٰ قتل ہوا اور اس کی تمام حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔[1] عراق شہر خراسان اور اہواز فتح ہوئے اور مسلمانوں نے ترکوں کو خوب قتل کیا اور مشرق و مغرب سے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس خراج آنے لگا اور یہ قرآن مجید کی تلاوت' اس کی تدریس اور امت کو حفظ قرآن پر جمع کرنے کے حوالے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عمل کی برکت تھی۔ بس ہم یہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدے کی طرف پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ. ان (یہودیوں) پر ذلت اور محتاجی مسلط ہوگئی۔

(البقرہ:۶۱)

تو یہودی ہر جگہ اور ہر وقت تمام کفار میں سب سے زیادہ رسوا ہیں جس طرح خبر دی گئی۔

اسی سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ. (التوبہ:۳۳) وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین کے حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کر دیں اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

اور یہ بات تمام لوگ جانتے ہیں کہ دین اسلام تمام ادیان سے بلند و بالا ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ. (النصر:۱) جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ گئی۔

تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں خبر دی لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے پس نبی اکرم ﷺ کے وصال کے وقت عرب کے شہروں میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں اسلام کی روشنی پھیلی نہ ہو اسی طرح دوسرے علاقوں میں بھی' جس کی تفصیل بہت زیادہ ہے۔

[1] جب کسریٰ نے نبی اکرم ﷺ کے نامۂ مبارک کو پھاڑا تھا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

(زرقانی ج ۷ ص ۲۰۴)

نبی اکرم ﷺ نے غیب کی خبریں دیں

دوسری قسم میں نبی اکرم ﷺ کی ان غیبی خبروں کا بیان ہے جو قرآن مجید میں مذکورہ خبروں کے علاوہ ہیں جس طرح آپ نے اپنی حیات طیبہ اور وصال کے بعد سے متعلق خبریں دی ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ.

اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو اٹھایا تو میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو دیکھ رہا ہوں گویا میں اپنی اس ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷ 'الحلیہ ج ۶ ص ۱۰۱ 'جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۸۴۹ 'کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۱۰-۳۱۹۷۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو آپ نے وہاں کھڑے کھڑے قیامت تک کی ہر بات کو بیان فرمایا جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا میرے ان دوستوں نے اسے جانا اور اس سے ایک ایسی بات ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں پس میں دیکھتا ہوں تو پہچان لیتا ہوں جس طرح کوئی شخص کسی آدمی کے چہرے کو یاد رکھتا ہے جو اس سے غائب ہو چکا ہو پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں میرے ساتھیوں کو وہ بھلا دیا گیا یا انہوں نے خود بھلا دیا اللہ کی قسم نبی اکرم ﷺ نے دنیا کے ختم ہونے تک کسی فتنے کے قائدے کو نہیں چھوڑا (یعنی بیان فرمایا) اس کے ساتھی تین سو یا اس سے زائد ہوں گے آپ نے اس کا نام' اس کے باپ اور قبیلے کا نام بیان فرمایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰)

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث دجال کے بارے میں نقل کی ہے کہ دس گھڑ سوار مقدمۃ الجیش کے طور پر بھیجے جائیں گے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں ان کے نام' ان کے باپوں کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگوں کو بھی جانتا ہوں اور اس وقت وہ زمین کی پشت پر بہترین سوار ہوں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۴ 'مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵ 'المستدرک ج ۴ ص ۴۷۴ 'مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۱۲ 'مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۳۹ 'مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۴۲۲)

اس خبر سے اور اس کے علاوہ جو خبریں ہیں ان سے واضح ہوا اور نیک لوگوں کے قلبی خیالات سے ظاہر ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو وہ کچھ بھی بتایا جو آپ کی حیاتِ طیبہ میں ہونا تھا اور جو آپ کے بعد وقوع پذیر ہونا تھا اور جس کے وقوع کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے پس اس کے وقوع پذیر نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یوں چھوڑا کہ کوئی پرندہ آسمان (فضا) میں اپنے پَر کو حرکت دیتا ہے تو اس کے بارے میں بھی ہمیں بتایا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے زائد پر مطلع فرمایا اور آپ کو پہلوں اور پچھلوں کا علم عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے معارف تو بے شمار ہیں اور یہ صرف نبی اکرم ﷺ تک پہنچے ہیں۔

اسی سلسلے میں "صحیح بخاری و مسلم میں مذکور" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ فرماتے ہیں:

ان النبی ﷺ نعی النجاشی للناس فی الیوم الذی مات فیہ وخرج بھم الی المصلی وصف بھم وصلی علیہ و کبر اربع تکبیرات۔[1]

جس دن نجاشی (بادشاہ حبشہ) کا انتقال ہوا نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کی خبر دی اور آپ ان کو لے کر عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی صف بندی کر کے نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۵_۱۳۱۸_۱۳۲۸_۱۳۳۳_۳۸۸۰_۳۸۸۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳_۶۴، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷_۲_۷۲_۷۶_۱۰۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۴، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۱_۴۳۸)

امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے تو اس میں حرکت پیدا ہوگئی آپ نے اس پر اپنا پاؤں مارا اور فرمایا: اے احد ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں تو جس طرح آپ نے فرمایا اسی طرح ہوا (حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو مقام شہادت ملا۔۱۲ ہزاروی)۔

اسی سلسلے میں صحیح بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا ھلک کسری فلا کسری بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ۔

جب (ایران کا بادشاہ) کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب (روم کا بادشاہ) قیصر ہلاک ہوگا تو کوئی قیصر نہیں ہوگا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان دونوں کے خزانے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ضرور بضرور خرچ ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۲۰_۳۶۱۸_۶۶۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۷۷، المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۳۴_۲۳۵، مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۱۳، دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۳۹۳، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۰۹۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۶۵_۳۱۸۰۲)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام شافعی اور دیگر علماء کرام نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عراق میں کسریٰ اور شام میں قیصر نہ ہوں گے جس طرح آپ کے زمانے میں تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خبر دی کہ ان دو ملکوں سے ان کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا۔

کسریٰ کی حکومت تو دنیا سے بالکل ختم ہوگئی اور پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور نبی اکرم ﷺ کی دعا سے کمزور ہوگئی اور قیصر، شام سے بھاگ کر دور دراز چلا گیا اور مسلمانوں نے اس کے ملک کو فتح کیا اور وہ مسلمانوں کے لئے ہوگیا،

---

[1] نماز جنازہ کے لئے میت کا موجود ہونا ضروری ہے نبی اکرم ﷺ نے نجاشی کا جنازہ پڑھایا تو میت آپ کے سامنے موجود تھی درمیان سے پردے ہٹائے گئے تھے لہٰذا یہ آپ کی خصوصیت ہے۔۱۲ ہزاروی

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیسے ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے؟ پھر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ کنگن لائے تو ان (حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ) کو پہنا دیئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد ہے جس نے یہ دونوں (کنگن) کسریٰ سے لے کر حضرت سراقہ کو پہنا دیئے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے اس مال کی خبر دی جو آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت ام الفضل کے پاس چھوڑ کر (میدان بدر میں) تشریف لے گئے تھے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات پوشیدہ رکھی اور فرمایا کہ اس بات کا علم میرے اور حضرت ام الفضل کے سوا کسی کو نہ تھا۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا جیسا کہ مقصد اول میں غزوۂ بدر کے سلسلے میں بیان ہوا۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حاطب (بن ابی بلتعہ) کے خط کی خبر دی جو مکہ مکرمہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ [1]

اسی طرح آپ کی اونٹنی گم ہوگئی اور اس کی لگام ایک درخت سے لٹک گئی تو آپ نے اس مقام کی خبر دی۔

اور جب غزوۂ احزاب کے دن مشرکین واپس ہوئے تو آپ نے فرمایا: اب ہم ان سے جہاد کریں اور وہ ہم سے نہیں لڑیں گے چنانچہ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ سے لڑائی نہ لڑی گئی۔

رسول اکرم ﷺ نے موتہ کی طرف لشکر بھیجا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور پھر فرمایا اگر ان کی شہادت واقع ہو تو حضرت جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے پھر جب مسلمانوں کا ان سے مقابلہ ہوا تو رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ کے لئے پردہ ہٹا دیا گیا حتیٰ کہ آپ نے معرکہ ملاحظہ فرمایا اور پھر فرمایا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا حتیٰ کہ وہ شہید ہوگئے آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور فرمایا ان کے لئے طلبِ مغفرت کرو (پھر فرمایا) پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا حتیٰ کہ وہ شہید ہوگئے تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اس کے بعد فرمایا اپنے بھائی حضرت جعفر کے لئے طلبِ مغفرت کرو (اس کے بعد فرمایا) اب جھنڈا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور فرمایا اپنے بھائی کے لیے بخشش کی دعا کرو۔

تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو ان حضرات کی شہادت کی اسی وقت خبر دی جس وقت وہ شہید ہوئے اور موتہ بلقاء کی زمین میں دمشق کے قریب ہے (مدینہ منورہ سے ایک ماہ کی مسافت پر ہے)۔

(دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۳۵۸' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۵۴' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۶۰' نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۸۴)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس دن حضرت جعفر اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اس صبح رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: اے اسما! حضرت جعفر کے صاحبزادے کہاں ہیں؟ میں ان کو

---

[1] حضرت حاطب بن ابی بلتعہ جو بنو اسد بن عبد العزیٰ کے حلیف تھے ان کے بال بچے مکہ مکرمہ میں تھے انہوں نے محض ان کی حفاظت کے لئے ایک خط بنو ہاشم کی کنیز سارہ کے ہاتھ مکہ مکرمہ بھیجا اور حضور علیہ السلام کی جنگی تیاریوں کے بارے میں جو فتح مکہ کے سلسلے میں تھیں' مکہ بھیجا حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی تو وہ عورت پکڑی گئی اور حضور علیہ السلام نے حضرت حاطب کی معذرت قبول فرمائی۔ تفصیل سیرت رسول عربی ص ۲۰۲ میں دیکھیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

لے کر آئی تو آپ نے ان کو اپنے ساتھ چمٹایا اور سونگھا پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ رو پڑے میں نے پوچھا یارسول اللہ! حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی خبر آئی ہے۔ فرمایا: ہاں آج وہ شہید ہو جائیں گے۔

(طبقات ابن سعد ج ۸ص ۲۲۰)

یہ بات یعقوب اسفرائینی نے اپنی کتاب ''دلائل الاعجاز'' میں ذکر کی اور ابن اسحاق اور امام بغوی نے اسے نقل کیا۔
اسی (غیبی خبر کے) سلسلے میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

زویت لی الارض فرایت مشارقها ومغاربها و سیبلغ ملک امتی مازوی لی منها.

میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا گیا پس میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا اور عنقریب میری امت کی حکومت اس جگہ تک پہنچے گی جو اس میں سے میرے لئے لپیٹی گئی۔

چنانچہ اسی طرح ہوا مشرق و مغرب میں ہندوستان کے آخری سرے سے مشرق کی انتہاء تک اور بحر طنجہ تک جس سے آگے کوئی آبادی نہیں' مسلمانوں کی حکومت ہوئی اور یہ حکومت کسی دوسری امت کو حاصل نہیں ہوئی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ص ۲۱۰' المغنی ج ۴ص ۳۸۷' الشفاج اص ۵۱۹' البدایہ ج ۶ص ۲۹۹)

اسی طرح آپ نے قریش کو خبر دی کہ معاہدے کے ان الفاظ کو دیمک نے چاٹ لیا جن کے ذریعے انہوں نے بنو ہاشم پر غلبہ حاصل کرنے اور ان سے قطع تعلق کرنے کی راہ اختیار کی اور اس معاہدے میں اللہ تعالیٰ کا نام باقی ہے چنانچہ انہوں نے اسے اسی طرح پایا جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتایا تھا۔

انہی غیبی خبروں میں سے ایک وہ ہے جسے امام طبرانی ''نے الکبیر میں'' اور امام بزار نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری اور دوسرا بنو ثقیف کا ایک شخص حاضر ہوئے انہوں نے سلام عرض کرنے کے بعد عرض کیا یارسول اللہ! ہم آپ سے کچھ پوچھنے آئے ہیں آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ بات بتا دوں جو بات پوچھنے کے لئے تم آئے اور اگر تم چاہو تو میں خاموش رہوں اور تم پوچھو۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ہمیں خبر دیجئے' ثقفی نے انصاری سے کہا پوچھو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے خبر دیجئے آپ نے فرمایا: تم بیت اللہ شریف کے ارادے سے گھر سے نکلنے اور اس پر ملنے والے ثواب کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو نیز طواف کے بعد دو رکعتوں اور ان کے ثواب' صفا و مروہ کے درمیان سعی اور اس کے ثواب' نو ذوالحجہ کی شام وقوف عرفات اور اس کے ثواب' ستونوں کو کنکریاں مارنے اور ان کے ثواب' قربانی اور اس کے ثواب' سر منڈوانے اور اس کے ثواب نیز واپسی کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں یہی باتیں پوچھنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔

(مجمع الزوائد ج ۳ص ۲۷۴-۲۷۵' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۰۵۷' الدر المنثور ج اص ۲۲۹-۲۳۰)

اسی سلسلے میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں میں' نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صحابہ کرام کی ایک جماعت میں تشریف فرما ان سے باتیں کر رہے تھے میں حلقے کے درمیان میں بیٹھ گیا۔

کسی نے کہا اے واثلہ! یہاں سے اٹھو ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان کو اور مجھے چھوڑ دو مجھے معلوم ہے یہ گھر سے کیوں آئے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں گھر سے کس مقصد کے لئے آیا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم اس لئے گھر سے نکلے ہو کہ نیکی اور شک کے بارے میں پوچھو فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے کوئی دوسری بات نہیں لائی' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نیکی وہ ہے جو دل میں قرار پکڑے اور اس پر دل مطمئن ہو جائے اور شک وہ ہے جو دل میں جگہ نہ پائے پس تم شک والی بات کو چھوڑ کر اسے اختیار کرو جس میں شک نہ ہو اگرچہ مفتی تمہیں فتویٰ دیں۔[1] (مسند احمد ج ۴ص ۱۸۲۔۲۲۸' الدرالمنثور ج ۲ص ۲۵۵' حلیۃ الاولیاء ج ۶ص ۲۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۹' السنن الکبریٰ ج ۱۰ص ۱۴۲' المستدرک ج ۲ص ۱۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۲۸۸' مشکل الآثار ج ۳ص ۲۴' شرح السنہ ج ۱۳ص ۷۷' تنزیہ الشریعہ ج ۱ص ۳۳۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۷۳' کشف الخفاء ج ۱ص ۳۳۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۱۶۳)

اسی سلسلے میں سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے جو آپ نے علالت کے دوران حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

انک اول اھلی لحوقا بی. میرے خاندان میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۱' مسند احمد ج ۶ص ۲۸۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ص ۱۲۹' المعجم الکبیر ج ۱۱ص ۳۳۰)

چنانچہ حضرت خاتون جنت آپ کے بعد آٹھ مہینے زندہ رہیں اور ایک قول کے مطابق چھ ماہ تک بقید حیات رہیں۔

اسی طرح آپ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا:

اسرعکن بی لحوقا اطولکن یدا. تم میں سے سب سے جلدی میرے ساتھ ملنے والی وہ ہے' جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہیں۔

تو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وصال ان سب سے پہلے ہوا اور وہ اس لئے لمبے ہاتھوں والی قرار پائیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے عمل کر کے صدقہ کرتی تھیں (یعنی لمبے ہاتھوں سے صدقہ کرنے کی طرف اشارہ ہے)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱' المستدرک ج ۴ص ۲۵' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۸۹۔ ج ۹ص ۲۴۸' مشکل الآثار ج ۱ص ۸۲' دلائلہ ج ۶ص ۳۷۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ص ۱۸۵۔ ج ۸ص ۱۴۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۹۵۲)

اسی طرح آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ پچھلوں میں سے سب سے زیادہ بد بخت کون ہے؟ (فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا جو تمہیں شہید کرے گا۔ یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے "المناقب میں" نقل کی ہے۔

---

[1] مطلب یہ کہ فتویٰ اور تقویٰ میں فرق ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی جائز کام ہو اور مفتیان کرام اس کے جواز کا فتویٰ دیں تب بھی مشتبہ ہونے کی وجہ سے اہل تقویٰ اس سے اجتناب کریں۔ (۱۲ ہزاروی)

ابن ابی حاتم کے نزدیک یہ الفاظ ہیں کہ جو آپ کے یہاں مارے گا تالو (گردن) کی طرف اشارہ فرمایا۔
الحاکم (ابوعبداللہ الحسین بن محمد محدث رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کہ یہاں سے یہاں تک یعنی آپ کی داڑھی مبارک اور سرِ انور کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کہ یہ خون آلود ہو جائے گا۔
ضحاک فرماتے ہیں: کہ آپ نے فرمایا: وہ بڑا بد بخت ہے جو آپ کے سرِ انور پر ضرب لگائے گا جس سے یہ تر ہو جائے گی آپ نے ان کی داڑھی پکڑ کر فرمایا چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپ پر حملہ کیا۔
طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ آپ امیر اور خلیفہ بنیں گے اور آپ کو شہید کیا جائے گا اور آپ یہاں سے (داڑھی سے) یہاں تک (سر تک) خون آلود ہو جائیں گے۔
اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عنقریب میرے بعد آپ کو میری امت کی ولایت حاصل ہو گی پس جب یہ معاملہ ہو تو احسان کرنے والوں سے قبول کرنا اور نافرمانی کرنے والوں سے درگزر کرنا۔
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے ہمیشہ اس بات کی امید رہی حتیٰ کہ میں اس مقام پر کھڑا ہوا (مسلمانوں کا امیر بنا)۔
ابن عساکر نے ہی حضرت عروہ بن رویم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کبھی مغلوب نہیں ہوں گے اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے صفین [1] کے دن فرمایا: اگر مجھے یہ حدیث یاد ہوتی تو میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہ لڑتا۔
غیبی خبروں کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے کہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ ظلماً قتل ہوں گے۔
اس حدیث کو امام بغوی نے ''المصابیح میں'' حسن احادیث کے ضمن میں نقل کیا نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کر کے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا۔
تو نبی اکرم ﷺ نے جس طرح فرمایا اسی طرح ہوا چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں شہید کیا گیا اور اس وقت قرآن مجید آپ کے سامنے تھا اور آپ کا خون اس آیت پر گرا۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (البقرہ: ۱۳۷) پس عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی طرف سے کافی ہو گا اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۱۰۳، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۴۰)

''شفاء شریف میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا جائے گا تو آپ قرآن مجید پڑھ رہے ہوں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو ایک قمیص پہنائے گا اور وہ لوگ اسے اتارنے کی کوشش کریں گے اور عنقریب ان کا خون اس آیت پر گرے گا (مندرجہ بالا آیت کے بارے میں فرمایا)۔

[1] فرات کے کنارے ایک بستی ہے جسے صفین کہتے ہیں صفر المظفر ۳۷ھ میں وہاں حضرت علی المرتضٰی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑائی ہوئی جو کئی دن جاری رہی (اس کی طرف اشارہ فرمایا)۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۱۴)

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! جب آپ کو شہید کیا جائے گا آپ سورۂ بقرہ پڑھ رہے ہوں گے پس آپ کے خون کا قطرہ آیتِ کریمہ ''فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'' پر گرے گا۔

لیکن امام ذہبی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے (امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو برقرار رکھا ہے)۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر چڑھے پھر فرمایا:

هل ترون ما ارى انى لارى مواقع الفتن خلال بيوتكم كموقع القطر.

کیا تم وہ چیز دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟ بے شک میں فتنوں کے مقامات کو تمہارے گھر میں اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح قطرے گرنے کی جگہیں ہوں۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا فتنہ ہوا پھر فتنہ حرہ تک مسلسل فتنے نمودار ہوتے رہے فتنہ حرہ اس وقت ہوا جب ۶۳ھ کے ذوالحجہ کے تین دن باقی تھے اور اس میں بے شمار واقعات نمودار ہوئے جو کتب تاریخ میں مرقوم ہیں۔

امام بیہقی نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: جب حرہ والا دن ہوا تو میرے گھر والے قتل ہوئے حتیٰ کہ قریب تھا کہ ان میں سے کوئی نہ بچے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حرہ کے دن سات سو حفاظ قرآن شہید ہوئے جن میں سے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور یہ واقعہ یزید کے دور میں ہوا۔ [1]

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو مسلم بن عقبہ (یزیدی لشکر کے امیر) نے تین دن تک مدینہ طیبہ میں لوٹ مار کی اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔

نبی اکرم ﷺ بئر اریس کی منڈیر پر تشریف فرما تھے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ان کو اجازت دیں اور اس مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی جنت کی خوشخبری بھی دیں۔

یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کو آپ کے گھر میں شہید کیا گیا بلکہ اس سے واضح وہ خبر ہے جو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا پس ایک شخص گزرا تو فرمایا اس دن یہ شخص ظلماً قتل ہوگا۔ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۸ مسند احمد ج۲ ص۱۱۵ البدایۃ والنہایہ ج۷ ص۲۰۹ مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۶۰۶۹)

نبی اکرم ﷺ نے جنگ جمل اور جنگ صفین جن میں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی حضرت علی المرتضیٰ سے لڑائی ہوئی کی خبر دی۔ امام حاکم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے جسے امام بیہقی نے صحیح قرار دیا فرماتی ہیں:

---

[1] یزید کے دور میں جب اہلِ مدینہ نے یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے اس کی بیعت توڑ دی اور اس کے عامل عثمان بن محمد بن سفیان کو نکال دیا تو اس نے ستر ہزار کا لشکر بھیجا جس نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی انہوں نے مدینہ طیبہ کی بہت بے حرمتی کی اور مسلمانوں کو سخت اذیت دی۔ ۱۲ ہزاروی

نبی اکرم ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کے خروج کا ذکر فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مسکرا پڑیں آپ نے فرمایا: اے حمیراء! (سرخ وسفید رنگ والی) دیکھنا کہیں تم نہ ہونا پھر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اگر یہ معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہو تو ان سے نرمی اختیار کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے گھنے بالوں والے اونٹ والی کون ہے؟ وہ نکلے گی حتیٰ کہ حواب مقام (یا کنویں) کے کتے اس پر بھونکیں گے اور اس کے گرد بہت سے لوگ قتل ہوں گے وہ نجات پائے گی اس کے بعد کہ قریب تھا نجات نہ پائے۔

امام حاکم نے حضرت ابوالاسود سے نقل کیا جسے امام بیہقی نے صحیح قرار دیا کہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا وہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ارادے سے نکلے تھے' حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسول اکرم ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم ان سے لڑو گے تو ظالم ہو گے پس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۳۶۶' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۴۱۵)

ابویعلیٰ اور بیہقی کی روایت میں ہے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں نے سنا لیکن میں بھول گیا۔

اسی غیبی خبر کے سلسلے میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: آپ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

پس اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا کیونکہ جب حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو چالیس ہزار سے زیادہ افراد نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پس آپ نے سات مہینے بطور خلیفہ عراق اور خراسان کے علاقہ ماوراء النہر میں حکومت کی پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے اور وہ آپ کی طرف چلے پس جب دونوں لشکر اس جگہ پہنچے جو عراق میں انبار مقام کے کنارے پر مسکین کے نام سے معروف ہے تو معلوم ہوا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک اس وقت تک غالب نہیں آسکتا جب تک دوسرے گروہ کے اکثر لوگ قتل نہ ہو جائیں۔

چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ حکومت آپ کی ہو گی کسی اور کی نہیں ہو گی لیکن شرط یہ ہے کہ اہلِ مدینہ' اہلِ حجاز و عراق میں سے کسی سے ان کے والد حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے دور کا کوئی مواخذہ نہ ہو گا' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط قبول کی لیکن دس افراد کو مستثنیٰ کیا' مسلسل خط و کتاب ہوتی رہی حتیٰ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سفید کاغذ بھیجا اور فرمایا جو چاہیں اس میں لکھیں میں عمل کروں گا چنانچہ اس پر صلح ہو گئی تو جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا کہ آپ نے فرمایا تھا: عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔

دولابی نے نقل کیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عربوں کے سردار میرے ہاتھ میں تھے جس سے صلح کرتا وہ اس سے صلح کرتے اور جس سے میں لڑتا وہ اس سے لڑتے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور مسلمانوں کا خون بچانے کے لئے خلافت کو چھوڑ دیا۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی نبی اکرم ﷺ کا طف کے مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دینا ہے آپ نے اپنے دستِ مبارک سے مٹی نکال کر فرمایا: اس میں ان کے لیٹنے کی جگہ ہے۔

امام بغوی نے ''اپنی معجم میں'' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ بارش کے فرشتے (حضرت اسرافیل علیہ السلام) نے اپنے رب سے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اجازت مانگی تو ان کو اجازت دی گئی اور یہ دن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! ہمارے اوپر دروازے کی حفاظت کرنا کہ کوئی شخص ہمارے پاس داخل نہ ہو وہ دروازے میں تھیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور جلدی جلدی نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ گئے آپ نے انہیں چومنا شروع کر دیا فرشتے نے پوچھا آپ کو ان سے محبت ہے؟ فرمایا: ہاں فرشتے نے کہا: عنقریب آپ کی امت ان کو قتل کرے گی اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھاؤں جہاں ان کو شہید کیا جائے گا چنانچہ انہوں نے آپ کو وہ جگہ دکھائی اور وہاں سے ریت یا سرخ مٹی لے آئے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اسے لیا اور کپڑے میں (اور پھر شیشی میں) ڈال دیا۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ یہ کربلا ہے۔ یہ روایت ابوحاتم نے اپنی صحیح میں نقل کی اور امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی مثل روایت ذکر کی ہے۔

(المعجم الکبیر ج۳ ص۱۱۲' تاریخ دمشق ج۴ ص۳۲۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۶۶۹)

(عمر موصلی) الملاء کی روایت میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر مجھے سرخ مٹی کی ایک مٹھی پکڑائی اور فرمایا: یہ اس زمین کی مٹی سے ہے جہاں ان کو قتل کیا جائے گا پس جب یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے تو جان لینا کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے اسے ایک شیشی میں ڈالا جو میرے پاس تھی اور میں کہا کرتی تھی کہ جس دن یہ مٹی خون میں بدل گئی وہ بہت بڑا دن ہوگا۔ (تاریخ یعقوبی ج۲ ص۲۴۶)

تو جس طرح نبی اکرم ﷺ نے خبر دی تھی اسی صورت میں سرزمین عراق میں کربلا کے مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا وہ جگہ طف کے نام سے مشہور ہے۔

سنان بن انس نخعی نے آپ کو شہید کیا اور ایک قول یہ ہے کہ کسی دوسرے نے شہید کیا جب ان لوگوں نے آپ کو شہید کیا تو آپ کا سرِ انور یزید کے پاس بھیجا جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے سرِ انور میں شراب پینا شروع کر دی اسی دوران دیوار سے ایک ہاتھ ان کی طرف بڑھا جس میں لوہے کا قلم تھا پس اس نے خون سے یوں ایک سطر لکھی۔

اترجوا امة قتلت حسینا شفاعة جده یوم الحساب

''جس امت نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا' کیا وہ قیامت کے دن ان کے نانا کی شفاعت کی امید رکھ سکتی ہے؟''

چنانچہ وہ بھاگ گئے اور سرِ انور اسی جگہ چھوڑ دیا۔ یہ روایت منصور بن عمار نے نقل کی ہے۔

ابونعیم الحافظ نے ''دلائل النبوۃ میں'' حضرت نضرۃ الازدیہ سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا تو آسمان سے خون برسا' صبح کے وقت ہم نے اپنے بارش کے پانی کے برتنوں اور گھڑوں کو خون سے بھرا ہوا پایا۔ دیگر احادیث میں اس طرح مروی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی غیبی خبروں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہیں

باغی گروہ شہید کرے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۔ ۲۸۱۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰۔ ۲۷۔ ۴۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۱۔ ج ۵ ص ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ج ۶ ص ۳۰۰۔ ۳۱۱، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۵۴۶۔ ۵۴۹، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۰۰۔ ج ۴ ص ۹۸۔ ۲۰۰۔ ج ۵ ص ۲۰۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۴۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۔ ۲۲۷۔ ۳۳۵۵۱)

چنانچہ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسی طرح ہوا۔

اسی طرح ابو عمر بن عبدالبر کی روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دیکھا تو اسے پہچان نہ سکے آپ نے فرمایا: تم نے اسے دیکھا؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا: وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں سنو! عنقریب تمہاری بینائی چلی جائے گی پس وہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: قابل تعریف زندگی گزارو گے اور بطور شہید قتل کیے جاؤ گے۔ یہ حدیث امام حاکم نے روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا نیز امام بیہقی اور ابو نعیم نے بھی اسے نقل کیا۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۸۵)

چنانچہ جنگ یمامہ میں جو مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی تھی آپ شہید ہو گئے۔

ایک غیبی خبر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہارے لئے لوگوں کی طرف سے ہلاکت ہوگی اور لوگوں کے لئے تمہاری جانب سے ہلاکت ہوگی۔[1] چنانچہ حجاج بن یوسف کی طرف سے آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ہوا۔

(الحلیہ ج ۱ ص ۳۳۰، تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۴۰۱، البدایہ ج ۸ ص ۳۴۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۹۱۔ ۳۷۲۲۳)

اسی سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ دین نبوت و رحمت کے طور پر ظاہر ہوا پھر یہ خلافت و رحمت ہوگا پھر کاٹنے والی ملوکیت ہوگی اور اس کے بعد بادشاہی اور جبر ہوگا۔

کاٹنے والی ملوکیت کا مطلب یہ ہے کہ رعایا پر ظلم و زیادتی ہوگی گویا اس دوران ان کو خوب کاٹا جائے گا۔

امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملک بعد ذلک۔

میری امت میں خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۶، مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۱، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۴۲، البدایۃ والنہایہ ج ۵ ص ۳۱۵)

حضرت سعید بن جمعان رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شمار کرنے سے ہم نے اسے تیس سال پایا۔

---

[1] چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ ہوا اور حرم کعبہ میں تھے تو آپ کو شہید کر دیا گیا اور سولی پر لٹکایا گیا اسی طرح آپ کو لوگوں کی جانب سے تکلیف پہنچی اور آپ کی وجہ سے حرم کعبہ کا محاصرہ ہوا اور دوسرے لوگوں کو اذیت پہنچی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۲۱)

ان سے کہا گیا کہ بنوامیہ کا خیال ہے کہ ان میں خلافت موجود ہے تو انہوں نے فرمایا: زرقاء کی اولاد نے جھوٹ کہا بلکہ وہ برے بادشاہوں میں سے ہیں۔ [1]

ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ام الفضل (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ) نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزریں تو آپ نے فرمایا: تمہارے پیٹ میں بچہ ہے۔

فرماتی ہیں: جب وہ بچہ پیدا ہوا تو میں آپ کے پاس لائی آپ نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب ڈالا اور اس کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا: خلفاء کے باپ کو لے جاؤ وہ فرماتی ہیں میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور یہ بات عرض کی' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا انہوں (ام الفضل) نے جو کچھ بتایا ہے ٹھیک ہے یہ خلفاء کا باپ ہے حتی کہ ان میں سفاح اور مہدی ہوں گے اور یہاں تک کہ وہ بھی ان میں سے ہوں گے جن کی اقتدا میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نماز پڑھیں گے۔ [2]

ابویعلیٰ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ترکی' عربوں پر ضرور غالب آئیں گے حتی کہ وہ شیح اور قیصوم (بوٹیوں) تک پہنچ جائیں گے۔ [3]

اسی سلسلے میں عالم مدینہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی خبر ہے امام حاکم نے اسے نقل کیا اور صحیح قرار دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یوشک الناس ان یضربوا اکباد الابل فلم یجدوا عالما اعلم من عالم المدینة.

قریب ہے کہ لوگ اونٹوں کے جگروں پر ماریں (علم کے لئے سفر کریں) پس وہ کسی کو عالمِ مدینہ سے بڑا عالم نہ پائیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۰' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹' التمہید ج ۶ ص ۳۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۴۶' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۴۔ ج ۱۰ ص ۱۷۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۰۹۹)

حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم اس عالم کو حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھتے ہیں۔

حضرت عبدالرزاق فرماتے ہیں: اس نام (یعنی بڑا عالم) کے ساتھ ان کے علاوہ کوئی معروف نہیں اور جس طرح ان کی طرف سفر کیا گیا کسی دوسرے کی طرف نہیں کیا گیا۔

حضرت ابومصعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے دروازے پر لوگوں کی بھیڑ ہوتی اور طلبِ علم کے لئے باہم لڑتے۔

---

[1] یزید نے ظلم وستم کا آغاز کیا اور وہ بنوامیہ میں سے تھا اور خلافت کی مدت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر مکمل ہوگئی تھی۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ امام مہدی کے آنے تک باقی رہیں گے۔

[3] ''فتح الباری'' میں ہے کہ اس حدیث کا مصداق ظاہر ہوگیا اور صحابہ کرام کے زمانے میں یہ حدیث مشہور تھی کہ جب تک ترک تمہیں چھوڑے رکھیں تم بھی ان کو چھوڑ دو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کی ترکوں سے لڑائی ہوئی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۲۳)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے مشہور ائمہ میں حضرت محمد بن شہاب زہری' حضرت سفیان (ابن سعید) ثوری اور سفیان بن عیینہ' حضرت امام شافعی' حضرت امام اوزاعی جو اہل شام کے امام ہیں' حضرت لیث بن سعد امام اہل مصر' امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اور ان کے شاگرد حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد بن حسن' حضرت امام احمد کے شیخ عبدالرحمٰن بن مہدی' یحییٰ بن یحییٰ شیخ امام بخاری' ابورجاء قتیبہ بن سعید شیخ امام بخاری' ذوالنون مصری' عبد اللہ بن مبارک اور ابراہیم بن ادھم رحمہم اللہ ہیں۔

علامہ عیسیٰ بن مسعود زواوی نے اپنی کتاب ''المنہج السالم الی معرفۃ قدر الا امام مالک'' میں اسی طرح نقل کیا ہے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے قریش کے عالم کی خبر دی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تسبوا قریشا فان عالمها یملأ طباق الارض علما. قریش کو گالی نہ دو بے شک اس کا عالم علم سے زمین کے کناروں کو بھر دے گا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۹۵۔ ج ۹ ص ۶۵' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۱۶۷' البدایۃ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۵۔ ج ۱۰ ص ۲۵۳' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۱۲' کشف الخفاء ج ۲ ص ۶۸' المستدرک ج ۲ ص ۶۳۷۔ ۶۴۱)

اس حدیث کو ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں نقل کیا اور اس میں جارود (راوی) مجہول ہے لیکن اس حدیث کے دیگر شواہد ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت الخطیب کی ''تاریخ بغداد'' میں' حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت امام بیہقی کی ''المدخل'' میں مروی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ نے بھی فرمایا کہ یہ عالم امام شافعی رحمہ اللہ ہیں کیونکہ زمین کے اطراف میں کسی قرشی عالم کا علم اس قدر نہیں پھیلا جس قدر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا علم پھیلا چاہے وہ عالم صحابی ہوں یا غیر صحابی۔

اور امام احمد رحمہ اللہ اپنے شیخ امام شافعی رحمہ اللہ کے معاملے میں کسی موضوع حدیث کو ذکر کر کے اس سے استدلال نہیں کرتے۔

اور نبی اکرم ﷺ سے جو مجہول کے صیغے (روی) سے مروی ہے اور یہ صیغہ کمزوری کی علامت ہے تو اس حدیث کے ضعیف ہونے میں شک کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کی سند ضعف سے خالی نہیں ہے یہ بات العراقی نے صغانی کے رد میں کہی ہے جنہوں نے اپنے خیال میں اس کو موضوع قرار دیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے طرق کو اپنی کتاب ''لذۃ العیش فی طرق حدیث الائمۃ من قریش'' میں جمع کیا جیسا کہ ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے بیان فرمایا۔

رسول اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر بھی دی کہ آپ کی امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد اس امت کی طرف ایسا شخص بھیجے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۱' المستدرک ج ۴ ص ۵۲۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۴۷' الدرر المنتثرہ رقم الحدیث: ۲۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۶۹' الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۱' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸۲' البدایہ ج ۶ ص ۲۸۹۔ ج ۹ ص ۲۰۶۔ ج ۱۰ ص ۲۵۳' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۹۱' الکامل فی الضعفاء ج ۱ ص ۱۲۳)

یہ حدیث امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ اچھے لوگ چلے جائیں گے پھر درجہ بدرجہ اٹھتے جائیں گے۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا اور ان الفاظ کے ساتھ صحیح قرار دیا کہ اچھے لوگ پھر اچھے لوگ چلے جائیں گے۔ (یعنی پہلی روایت میں الامثل فالامثل ہے اور دوسری روایت میں الامثل کی جگہ الخیر کا لفظ ہے معنیٰ ایک ہی ہے)۔

نیز آپ نے خوارج کی خبر بھی دی امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ان الفاظ میں نقل کیا وہ فرماتے ہیں اس دوران کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس تھے اور آپ (مال غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے کہ اچانک ذوالخویصرہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! انصاف کیجئے آپ نے فرمایا: تیرے لئے ہلاکت ہو اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو یہ نقصان اور خسارے کی بات ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن ماردوں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس کے کچھ ساتھی ہوں گے کہ تم میں سے کوئی ایک اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر جانے گا وہ قرآن مجید پڑھیں گے لیکن ان کے حلق سے نہیں اترے گا وہ دین سے اس طرح نکلیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے ان کی نشانی یہ ہے کہ ایک سیاہ فام آدمی ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح ہوگا جو حرکت کرتا ہے وہ اس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگوں میں افتراق ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۶۳-۶۹۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۲، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۵۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۹۴۰-۳۱۲۲۳-۳۱۵۸۹، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۱۸۷، سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۹۰۲، مسند احمد ج ۳ ص ۵۶-۳۵۳-۳۵۵)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ بات نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے لڑائی لڑی اور میں آپ کے ہمراہ تھا۔ اور آپ نے اس شخص کے بارے میں حکم دیا تو اسے تلاش کر کے آپ کے پاس لایا گیا حتیٰ کہ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اسی صورت پر تھا جو نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔ [1]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے رافضیوں کے بارے میں خبر دی۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی وہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایک قوم ہوگی جن کو ''رافضہ'' کہا جائے گا وہ اسلام سے نکل جائیں گے۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۵۴۷)

نیز آپ نے قدریہ اور مرجئہ فرقوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: وہ اس امت کے مجوسی ہیں۔ [2] یہ حدیث امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

---

[1] جب ان کو قتل کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دیکھو تو کوئی نشانی نظر نہ آئی فرمایا واپس جاؤ اللہ کی قسم مجھ سے جھوٹ نہیں کہا گیا پھر وہ شخص مل گیا۔

[2] قدریہ تقدیر کے منکر لوگ اور مرجئہ وہ گروہ جو کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۳۰)

علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو چند ایسے امور کے بارے میں بتایا جو آپ کے وصال اور قیامت کے درمیان واقع ہوں گے اور ان کو ان کے اچانک آنے سے ڈرایا جس طرح اس شخص کو ڈرایا جاتا ہے جو اطاعت سے منہ پھیر لے اور یہ بھی بتایا کہ جب تک یہ تمام نشانیاں ظاہر نہیں ہوں گی قیامت قائم نہیں ہو گی پس جب بہت بڑی مصیبت آئے گی تو اس سے عالم و جاہل عقل کھو بیٹھیں گے۔

جیسا کہ امانت اور قرآن کے اٹھ جانے کے بارے میں مروی ہے خیانت کا عام ہونا' ساتھیوں کا حسد کرنا' مردوں کی کمی اور عورتوں کی کثرت وغیرہ جن کی صحت پر روایات شاہد ہیں اور اس کے وقوع نے اس کی حقیقت کا فیصلہ دیا۔

اور یہ بات متعین ہے کہ ہم صحیح اور حسن روایت میں سے کچھ ذکر کریں۔

تو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ دو بڑی جماعتوں کے درمیان بہت بڑی لڑائی ہو گی اور بہت زیادہ لوگ قتل ہوں اور دونوں کا ایک ہی دعویٰ ہو گا (یعنی دونوں مسلمان کہلائیں گے یا دونوں حق پر ہونے کا دعویٰ کریں گے) حتیٰ کہ تیس کے قریب دجال جھوٹے لوگ آئیں گے اور ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو رسول سمجھے گا' علم اٹھ جائے گا' زلزلے زیادہ ہوں گے' وقت جلدی جلدی گزرے گا' فتنے ظاہر ہوں گے اور قتل عام ہو گا حتیٰ کہ تمہارے پاس مال زیادہ ہو گا اور وہ بہنے لگے گا اور آدمی پریشان ہو گا کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے؟ حتیٰ کہ وہ کسی پر پیش کرے گا تو وہ جواب دے گا مجھے اس کی حاجت نہیں اور یہاں تک کہ لوگ عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے اور ایک شخص دوسرے کی قبر سے گزرے گا تو کہے گا کاش میں اس کی جگہ ہوتا۔ سورج مغرب سے طلوع ہو گا جب طلوع ہو گا اور سب لوگ اسے دیکھیں گے تو اس وقت کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا یا اس نے اپنے ایمان سے نیکی نہیں کمائی اور قیامت قائم ہو گی (پہلا صور پھونکا جائے گا) تو آدمیوں نے کپڑا پھیلا رکھا ہو گا نہ وہ اس کا سودا کر سکیں گے اور نہ ہی لپیٹنے کی مہلت ملے گی اور ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر آئے گا لیکن اسے پی نہیں سکے گا کوئی شخص اپنے حوض کو ٹھیک کر رہا ہو گا اور اس میں پانی نہیں ڈال سکے گا کہ (پہلی) قیامت قائم ہو جائے گی اسی طرح وہ لقمہ اٹھا کر منہ کی طرف لے جائے گا اور کھا نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۸-۳۶۰۹' مسند احمد ج ۲ ص ۹۵' شرح السنہ ج ۱۵ ص ۲۶' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۰۴' الدر المنثور ج ۶ ص ۵۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۴۰۲)

یہ تیرہ علامات ہیں' جن کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں جمع کیا اور اس کے بعد کوئی صحیح علامت اور شرط ایسی نہیں رہی جو دیکھی جائے ان علامات میں سے اکثر ظاہر ہو چکی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ''حتیٰ کہ دو بڑی جماعتیں باہم لڑیں گی اور ان دونوں کا ایک ہی دعویٰ ہو گا'' تو اس سے جنگ صفین مراد ہے جو حضرت معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی۔

قاضی ابو بکر بن عربی فرماتے ہیں: اسلام میں یہ سب سے پہلا حادثہ تھا۔ لیکن قرطبی نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں پر سب سے پہلے اچانک آنے والا حادثہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے وحی کا سلسلہ بند ہو گیا اور سب سے پہلے شر ظاہر ہوا جیسے بعض عربوں کا مرتد ہونا وغیرہ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی آزمائش کی تلوار میان سے باہر نکلی لیکن جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا سب اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہے۔

آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ ''تیس کے قریب جھوٹے دجال ہوں گے'' تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان کی معین تعداد مذکور ہے' فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

یکون فی امتی دجالون کذابون سبعة وعشرون منهم اربع نسوة وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی.

میری امت میں ستائیس دجال کذاب ہوں گے جن میں سے چار عورتیں ہوں گی اور میں خاتم النبیین (آخری نبی) ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

یہ حدیث حافظ ابونعیم نے نقل کی اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ظاہر ہو چکی ہے اگر ان لوگوں کا شمار کیا جائے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ سے آج تک نبوت کا دعویٰ کیا تو ان میں سے مشہور اسی تعداد کے مطابق پائے جائیں گے اور جو آدمی کتب تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس حدیث کی صحت کو جان لیتا ہے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی ''حتیٰ کہ علم اٹھ جائے گا'' تو (واقعی) وہ اٹھ گیا اور محض اس کی رسم باقی رہ گئی ہے (کیونکہ علم پر عمل نہیں اور اہلِ علم علماء دنیا سے پردہ فرما گئے) اور آپ نے زلزلوں کا ذکر فرمایا تو ان میں سے بہت کچھ ہو چکا اور ہم نے ان میں سے بعض کا مشاہدہ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ''حتیٰ کہ تم میں مال کی کثرت ہوگی اور یہاں تک کہ مال دار پریشان ہوگا کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے گا'' تو یہ بات ابھی تک واقع نہیں ہوئی۔

اور آپ نے فرمایا: ''کہ ایک شخص کسی دوسرے آدمی کی قبر سے گزرے گا تو کہے گا کاش اس کی جگہ میں ہوتا''۔

اور اس کی وجہ بڑی آزمائش' جاہلوں کا اقتدار پر قابض ہونا اور علماء کو نظر انداز کر دینا ہے۔ اور اسی سلسلے میں بہت کچھ ظاہر ہو چکا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من الحجاز تضیء لها اعناق الابل ببصری.

قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ حجاز سے ایک آگ نکلے جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردن روشن ہو جائیں (نظر آئیں)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲' شرح السنہ ج ۱۵ ص ۴۶' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۴۴۶' البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۱۹۹' المستدرک ج ۴ ص ۴۴۳' الدر المنثور ج ۶ ص ۵۵' المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۹۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۸۸۳)

اور ایک بہت بڑی آگ مدینہ طیبہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ظاہر ہوئی اور اس کا آغاز ایک بہت بڑے زلزلے سے ہوا جو ۳ جمادی الاخریٰ ۶۵۴ھ میں بدھ کی رات میں بپا ہوا منگل کے دن اس کی حرکت میں شدت پیدا ہوئی تھی اس کا زلزلہ اور توڑ پھوڑ زیادہ ہوئی زمین پر جو کچھ تھا اس میں اضطراب پیدا ہوا اور خالق کو پکارنے کے لئے آوازیں بلند ہوئیں اور ایک

کے بعد دوسری حرکت ہوئی حتیٰ کہ اہلِ مدینہ کو یقین ہوگیا کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے اور ان کو خوب جھنجھوڑا جائے گا صرف ایک دن میں اٹھارہ بار حرکت ہوئی رات کو نہیں (واضح رہے کہ یہ منگل کا دن تھا لیکن منقول بدھ کا دن ہے)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی برکت سے مدینہ طیبہ میں صبح کی ٹھنڈی ہوا (بادِ نسیم) آتی تھی حالانکہ اس آگ کا جوش اس طرح دیکھا گیا جس طرح سمندر جوش مارتا ہے اور یہ آگ یمن کی ایک بستی تک پہنچ گئی اور اس نے اس کو جلا کر رکھ دیا اور ہمارے بعض اصحاب نے مجھے بتایا کہ میں نے اسے ہوا میں پانچ دن کی مسافت تک اٹھتے ہوئے دیکھا اور میں نے یہ بھی سنا کہ وہ آگ مکہ مکرمہ سے اور بصریٰ کے پہاڑوں سے دیکھی گئی۔

شیخ قطب الدین قسطلانی (ابوبکر قطب الدین محمد بن احمد بن علی الشاطبی التوزری ہیں' متوفی ۶۸۶ھ)[1] رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ آگ باون دن رہی اور رجب کی ستائیسویں رات یعنی شبِ معراج بجھ گئی۔

- خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس آگ کا پورا ذکر کیا جائے تو مقصود باقی نہیں رہے (یعنی اختصار ختم ہو جائے) امام قرطبی نے ''التذکرہ میں'' اس کا ذکر کیا اور قطب الدین قسطلانی نے اپنی کتاب ''جمل الایجاز فی الاعجاز بنار الحجاز'' صرف اسی واقع سے متعلق لکھی ہے۔

اور انہوں نے اس میں نہایت عجائب باریک باتیں لکھی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

---

[1] (الاعلام ج ۵ ص ۳۲۳' طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۸' اشذرات الذہب ج ۵ ص ۳۹۷' النجوم الزاہرۃ ج ۷ ص ۳۷۳' حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۲۳۶' فوات الوفیات ج ۳ ص ۳۱۰' الوافی بالوفیات ج ۲ ص ۱۳۲' تاریخ علماء بغداد رقم الحدیث: ۱۷۳)

نواں مقصد

نبی اکرم ﷺ کی عبادات

زندگی بھر عبادت

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ. (الحجر: ۹۷-۹۹)

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے آپ اپنے سینۂ مبارکہ میں تنگی محسوس کرتے ہیں پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور اپنے رب کی عبادت کریں حتیٰ کہ موت (کا وقت) آ جائے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو وصال تک عبادت کرنے کا حکم دیا اور یقین سے موت ہی مراد ہے اور اسے یقین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ یقینی بات ہے۔

سوال: عبادت کا حکم دینے میں ''واعبد ربک'' کافی تھا ''حتی یاتیک الیقین'' فرمانے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: امام قرطبی رحمہ اللہ نے دوسروں کی اتباع میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مطلقاً ''واعبد ربک'' فرماتا پھر آپ ایک مرتبہ عبادت کرتے تو حکم پر عمل ہو جاتا۔

اور جب ''حتی یاتیک الیقین'' فرمایا یعنی آپ اپنی زندگی کے تمام اوقات میں اپنے رب کی عبادت کریں اور تھکاوٹ محسوس نہ کریں اور زندگی کے کسی بھی لحظہ میں اس عبادت میں خلل واقع نہ ہو۔ جس طرح صالح بندے نے کہا:

وَاَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا. (المریم: ۳۱)

اور اس (اللہ تعالیٰ) نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ امر مطلق تکرار کو نہیں چاہتا اور مسئلہ اصول فقہ میں معروف ہے اور اس میں اختلاف ہے۔[1]

حکم مطلق کے بارے میں اصول مسئلہ

کیا امر مطلق تکرار کا فائدہ دیتا ہے یا ایک مرتبہ عمل کرنا کافی ہے یا کسی قسم کا فائدہ نہیں دیتا؟ اس سلسلے میں کئی مذاہب ہیں۔

[1] احناف کے نزدیک امر تکرار کو نہیں چاہتا نماز کا روزانہ اور بار بار پڑھنا سبب یعنی وقت کے بار بار آنے کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ حج زندگی میں ایک بار فرض ہے کیونکہ اس کا سبب ایک ہے اور وہ خانہ کعبہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

پہلا مذہب: امر مطلق نہ تو تکرار کا فائدہ دیتا ہے اور نہ ہی اس کی نفی کرتا ہے بلکہ اس کا فائدہ صرف اتنا ہے کہ جس بات کا حکم دیا گیا اس پر عمل کیا جائے قطع نظر اس بات کی خبر کے کہ ایک مرتبہ ہو یا کئی مرتبہ' لیکن ایک مرتبہ عمل کرنا ضروری ہے تا کہ بجا آوری متحقق ہو جائے کیونکہ ایک بار سے کم میں کسی کام کی ماہیت نہیں پائی جاتی امام الحرمین کا مختار مذہب یہی ہے اور کچھ اصولیوں سے اسی طرح نقل کیا۔

آمدی اور ابن حاجب نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

دوسرا مذہب: امر مطلق' مطلقاً تکرار کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ استاذ ابو اسحاق اسفرائنی اور ابو حاتم قزوینی نے یہ موقف اختیار کیا پس اگر وہ تکرار کے لئے کوئی خاص مدت مقرر کرے تو وہ حکم اس کو گھیرے گا ورنہ زندگی بھر عمل کرنا ہوگا لیکن جس قدر ممکن ہو پس قضائے حاجت' نیند کی حالت اور اس کے علاوہ ضروریات کا وقت اس سے خارج ہوگا۔

تیسرا مذہب: یہ صرف ایک مرتبہ بجا آوری پر دلالت کرتا ہے شیخ ابو اسحاق نے ''شرح اللمع میں'' ہمارے اکثر اصحاب (شافعی مسلک والوں) اور امام ابو حنیفہ اور ان کے علاوہ حضرات سے نقل کیا۔

اور اگر کسی شرط یا صفت کے ساتھ مشروط کرے تو تکرار کا تقاضا' مشروط کے تکرار کے مطابق ہوگا۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا. (المائدہ:٦)	اور اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو جاؤ۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ. (النور:٢)	زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

(مطلب یہ ہے کہ' طہارت کا تعلق جنابت سے اور کوڑوں کا تعلق زنا سے ہے لہٰذا جنابت کے تکرار سے غسل کا اور زنا کے تکرار سے کوڑوں کا تکرار ہوگا۔ ١٢ ہزاروی) یہ جو کچھ بیان ہو علامہ ابو الحسن اشمونی کی شرح کا خلاصہ ہے۔[1]

آیت کا معنیٰ

حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ (تابعی ہیں)[2] سے مرسلاً مروی ہے (صحابی کا ذکر نہیں ہے) کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما اوحی الی ان اجمع المال واکون من التاجرین ولکن اوحی الی ان سبح بحمد ربک وکن من السجدین واعبد ربک حتی یاتیک الیقین.	میری طرف یہ بات وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ میری طرف یہ وحی ہوئی کہ اپنے رب کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ بیان کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور اپنے رب کی عبادت کریں حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

---

[1] علامہ ابو الحسن اشمونی کا اسم گرامی نور الدین علی ہے اشمون مصر کی ایک بستی ہے اور علامہ اشمونی امام' عالم' زاہد تھے گفتگو کم کرتے اور حسن سیرت کے مالک تھے۔ (زرقانی ج ٧ ص ٢٣٧)

[2] (طبقات ابن سعد ج ٧ ص ٣٠٦' التقریب ج ١ ص ١٢٦)

(الدرالمنثور ج ۴ ص ۱۰۹ 'مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۵۲۰۶ 'المغنی ج ۲ ص ۶۵ ۔ ج ۳ ص ۲۵۹ 'الحلیہ ج ۲ ص ۱۳۱ 'الکامل فی الضعفاء ج ۵ ص ۱۸۹۷ ' کنزالعمال رقم الحدیث: ۶۳۷۴)

اس حدیث کو امام بغوی نے ''شرح السنہ میں'' اور ابو نعیم نے ''الحلیہ میں'' حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ سے روایت کیا۔[1]

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۱۲)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو چار باتوں کا حکم دیا تسبیح' تحمید' سجدہ اور عبادت۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اس قسم کی عبادات کی طرف توجہ کیسے دل کی تنگی اور غم کے ازالے کا سبب بنی؟

تو امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بعض محققین سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ جب انسان اس قسم کی عبادات کرتا ہے تو اس کے لئے عالم ربوبیت سے روشنیاں چمکتی ہیں اور جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو دنیا بالکل حقیر معلوم ہوتی ہے جب وہ حقیر ہو جائے تو اس کا معدوم ہونا یا حاصل ہونا دل کے لئے معمولی بات ہوتی ہے اگر دنیا حاصل نہ ہو تو اسے وحشت نہیں ہوتی اور اگر مل جائے تو اس سے خوشی نہیں ہوتی اس وقت غم اور پریشانی دور ہو جاتی ہے

اور اہلِ سنت فرماتے ہیں: جب بندے پر کچھ مصیبت آتی ہے تو عبادات کی طرف مجبور ہو جاتا ہے گویا وہ کہتا ہے مجھ پر تیری عبادت واجب ہے تو مجھے نعمتیں عطا کرے یا تکالیف میں ڈالے۔

عبادت پر صبر کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ. (مریم: ۶۵) پس اس کی عبادت کریں اور اس کی عبادت پر صبر کریں۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو عبادت کرنے اور لوگوں کو ڈرسنانے اور تبلیغ کے سلسلے میں پہنچنے والی تکلیف کو صبر سے برداشت کرنے کا حکم دیا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ''واصطبر'' کی بجائے ''واصبر'' کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: عبادت کو ''قرن'' کی طرح قرار دیا قرن مقابل کو کہتے ہیں لڑنے والے سے کہا جاتا ہے ''**اصطبر لقرنک**'' اپنے مقابل کی طرف سے پہنچنے والی مشقت کو برداشت کرنے میں ثابت قدم رہو۔

معنیٰ یہ ہے کہ عبادت کی وجہ سے تم پر مشقت اور سختیاں آئیں گی پس ان کے مقابلے میں ثابت قدم رہو۔

یہ بات امام فخر الدین رازی اور امام بیضاوی رحمہما اللہ نے فرمائی ہے۔

غلطی کرنے والے صوفی کی سمجھ کی تصحیح

ارشادِ خداوندی ہے:

---

[1] حضرت امام ابو مسلم خولانی زاہد' عابد' بہت بڑے تابعی تھے' نبی اکرم ﷺ کی طرف سفر کیا لیکن آپ سے ملاقات نہ ہوئی' یزید بن معاویہ کے زمانے تک زندہ رہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۳۸)

وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ فَاعْبُدْہُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْہِ۔ (ھود:۱۲۳) اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب اور اسی کی طرف سب کاموں کا رجوع ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کا پہلا مرحلہ اس کی عبادت ہے اور آخری درجہ اس پر توکل کرنا ہے اور بندہ جب ہمیشہ اپنے رب کی طرف سفر میں رہتا ہے تو جب تک بقید حیات ہے اس کی سیر ختم نہیں ہوتی لہٰذا وہ عبادت کے رہوار کا محتاج ہے اس سے کسی طرح بے نیاز نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ تمام جنوں اور انسانوں کے اعمال کے برابر عمل کرے۔

اور جب بندہ اپنے رب کے زیادہ قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا مجاہدہ بھی بڑا ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ۔ (الحج:۷۸) اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو جس طرح جہاد کا حق ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ عبادت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور اس کے لئے کوشش کرنے میں تمام مخلوق سے بڑا مقام رکھتے تھے آپ نے وصال تک اس (عبادت) کی سب سے زیادہ محافظت فرمائی۔ اور صحابہ کرام کے حالات میں غور کیجئے کہ جب بھی انہیں قرب میں کسی مقام پر ترقی حاصل ہوتی ان کا مجاہدہ اور کوشش بڑھ جاتی۔

بعض خود ساختہ صوفیوں کی اس بات کی طرف توجہ نہ کرنا کہ قرب حقیقی بندے کو اعمالِ ظاہرہ سے اعمالِ باطنہ کی طرف منتقل کردیتا ہے اور یوں وہ جسم اور اعضاء کو عمل کی مشقت سے بچا کر راحت پہنچاتا ہے اس کا خیال ہے کہ اس طرح وہ عمل کا مکلف نہیں رہتا یہ لوگ بہت بڑے کافر اور بے دین ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بندگی کو معطل کردیا اور اپنے باطل خیالات کی وجہ سے وہ اس سے بے نیاز ہوگئے حالانکہ ان کا یہ خیال نفس کی خواہشات اور شیطان کا دھوکہ ہے۔

پس اگر بندہ قرب کی وجہ سے اعلیٰ مقام تک پہنچ جائے تو جب تک وہ عمل پر قادر ہے ذرہ بھر عمل کی تکلیف اس سے ساقط نہیں ہوتی۔

کیا آپ نے کسی پہلی شریعت پر عمل کیا؟

علماء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا بعثت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کسی پہلی شریعت پر عمل کرتے تھے یا نہیں؟

ایک جماعت کہتی ہے کہ (اس سے پہلے) آپ کسی دوسری شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ منقول ہوتی اور عادتاً ایسے عمل کا چھپانا ممکن نہ ہوتا اس لئے کہ یہ تو آپ کے اہم معاملے سے ہوتا اور آپ کی سیرت میں سے جن باتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے ان میں سے اولیٰ کام ہوتا اور اس شریعت والے اس پر فخر کرتے اور اس سے اس پر استدلال کرتے اور اس قسم کی کوئی بات منقول نہیں ہے۔

ایک گروہ اسے عقلی طور پر محال سمجھتا ہے وہ کہتے ہیں یہ بات عقل سے بعید ہے کہ جو شخص تابع معروف ہو وہ متبوع ہو جائے اور پہلی تعلیل کہ یہ بات منقول نہیں ہے زیادہ بہتر ہے۔

دوسرے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے معاملے میں توقف کیا جائے اور قطعی طور پر کوئی حکم نہ لگایا جائے کیونکہ عقل ان میں سے کسی ایک بات کو جائز قرار نہیں دیتی یہ امام ابوالمعالی امام الحرمین اور امام غزالی اور آمدی رحمہم

اللہ کا مذہب ہے۔

کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ آپ کسی پہلی شریعت پر عمل کرتے تھے پھر اختلاف ہے کہ کیا وہ شریعت متعین ہے یا نہیں؟ تو بعض نے تعیین سے خاموشی اختیار کی اور اس بات سے رک گئے اور بعض نے تعیین کی جسارت کی اور بہرے بن گئے۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ کونسی شریعت متعین ہے؟ تو بعض نے کہا حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع کرتے تھے' کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول کیا۔

تو اس مسئلہ میں یہ مذاہب ہیں اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ ظاہر بات وہ ہے جس کی طرف قاضی ابوبکر باقلانی گئے ہیں اور یہ تعیین کے مذاہب سے زیادہ دور ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بات ہوتی تو وہ منقول ہوتی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا اور یہ بات پوشیدہ نہ ہوتی۔

ان لوگوں کی اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں پس بعد والوں پر آپ کی شریعت لازم ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت میں عموم ثابت نہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی نبی نے عمومی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔

یہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ہے اور نہایت عمدہ کلام ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ تمام مذاہب یہی ہیں' محل نظر ہے کیونکہ اس سے ایک بات باقی ہے اس لئے کہ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت مراد ہے یہ بات ابن برہان سے منقول ہے ایک قول یہ ہے کہ تمام شریعتوں پر عمل فرمایا۔ یہ بات ''المحصول'' کے مصنف نے بیان کی جو مالکی ہیں۔

جس نے کہا کہ آپ' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے تو آپ کے لئے الگ شریعت نہیں ہے آپ کی بعثت کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو زندہ کرنا تھا اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا. (النحل:۱۲۳)

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کریں جو باطل سے جدا ہے۔

تو یہ قول ساقط مردود ہے اس قسم کی بات کوئی بے عقل ہی کرتا ہے۔

اس آیت سے توحید میں اتباع مراد ہے کیونکہ جب اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصف یوں بیان فرمایا کہ آپ مشرکین میں سے نہیں تھے تو اتباع سے بھی یہی مراد ہے (کہ آپ توحید پر قائم رہیں)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی بھی اسی قسم کا ہے:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ. (الانعام:۹۰)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی پس ان کی راہ ہدایت پر چلیں۔

اور ان میں اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی ذکر فرمایا جو مبعوث نہ ہوئے اور ان کے ساتھ کوئی شریعت مخصوص نہ تھی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام ان لوگوں کے قول کے مطابق جو کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں تھے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جماعت کا ذکر بھی کیا جن کی شریعتیں مختلف تھیں ان کو جمع کرنا ممکن نہیں پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس سے توحید اور

اللہ تعالیٰ کی عبادت مراد ہے جس پر وہ سب متفق تھے۔

سوال: نبی اکرم ﷺ نے دلائل قطعیہ کی بنیاد پر شرک کی نفی فرمائی اور توحید کو ثابت کیا جب یہ بات ہے تو آپ کسی کی اتباع کرنے والے نہیں تھے پس "ان اتبع" کو اس معنی پر محمول کرنا ممتنع ہے لہٰذا اسے ان شریعتوں پر محمول کرنا ضروری ہے جن میں متابعت کا حصول صحیح ہے۔

جواب: امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ توحید کی دعوت دینے کی کیفیت میں متابعت کا حکم ہے یعنی آپ نرمی اور سہولت کے ساتھ اور بار بار مختلف طریقوں سے دلائل لا کر دعوت دیں جیسا کہ قرآن پاک کا مانوس طریقہ ہے۔

تفسیر کشاف کے مصنف نے "ثم اوحینا الیک" (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی) میں لفظ ثم کے بارے میں فرمایا: کہ یہ رسول اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ کی عظمت اور آپ کے مقام کی جلالت پر دلالت ہے کیونکہ حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو جو سب سے زیادہ بزرگی اور سب سے بڑی نعمت عطا کی گئی وہ نبی اکرم ﷺ کا ان کی ملت کی اتباع کرنا ہے کیونکہ لفظ ثم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں جس قدر کلمات بیان فرمائے یہ مرتبہ ان سب سے دور ہے۔ (تفسیر کشاف)

جن تعریفی کلمات کا صاحب کشاف نے ذکر کیا ہے ان سے مراد یہ ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ (النحل: ۱۲۰-۱۲۲)

بے شک ابراہیم (اپنے کمالات کے اعتبار سے بنفس نفیس) ایک امت تھے فرمانبردار اور باطل سے جدا اور وہ مشرکین سے نہ تھے اس کی نعمتوں پر شکر گزار تھے (اللہ نے) انہیں چن لیا اور ان کی رہنمائی فرمائی سیدھی راہ کی طرف اور ہم نے انہیں دنیا میں بھلائی عطا فرمائی اور بے شک وہ آخرت میں ضرور صالحین میں سے ہیں۔

ابن عراقی نے "شرح تقریب الاسانید میں" فرمایا مجھے معلوم نہیں یہ عبادت کس طرح تھی؟ اس کی نوع کونسی تھی؟ اور اس کے فعل کا کیا طریقہ تھا؟ یہ سب باتیں نقلی دلیل کی محتاج ہیں اور اس وقت میرے ذہن میں کچھ حاضر نہیں۔

شیخ الاسلام البلقینی نے "شرح بخاری میں" فرمایا کہ ہم نے جن احادیث سے آگاہی حاصل کی ان میں نبی اکرم ﷺ کی عبادت کی کیفیت کو نہیں پایا۔

لیکن ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ ہر سال ایک مہینہ کے لئے غار حراء میں تشریف لے جاتے اور وہاں عبادت کرتے اور دورِ جاہلیت میں قریش کی عبادت میں سے ایک عبادت یہ بھی تھی کہ آنے والے مسکین کو کھانا کھلاتے، نبی اکرم ﷺ غار حراء کی مجاورت سے واپس لوٹتے تو جب تک خانہ کعبہ کا طواف نہ کرتے گھر تشریف نہ لے جاتے۔ بعض حضرات نے اس وقت کی آپ کی عبادت کو غور و فکر پر محمول کیا ہے (مطلب یہ کہ آپ غور و فکر کرتے تھے)۔

امام بلقینی متوفی ۸۶۸ھ نے فرمایا: میرے نزدیک یہ عبادت کئی انواع پر مشتمل تھی مثلاً لوگوں سے علیحدگی، جس طرح

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ سے لَو لگائی کیونکہ کشادگی کا انتظار بھی عبادت ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے پھر یہ کہ آپ غور وفکر بھی کرتے تھے بعض حضرات نے فرمایا کہ غار حراء میں آپ کی عبادت تفکر کی صورت میں تھی۔ (الضوء اللامع ج ۳ ص ۳۱۲)

اب میں (مصنف) اپنے ارادے کے مطابق بحث شروع کرتا ہوں اور میں نے نبی اکرم ﷺ کی عبادت کو سات انواع میں تقسیم کیا ہے۔

فصل نمبر ۱

نبی اکرم ﷺ کا وضو، مسواک اور وضو کے پانی کی مقدار

لفظ وُضو واؤ پر ضمہ یعنی پیش کے ساتھ فعل (مصدر) ہے اور فتح (زبر) کے ساتھ وہ چیز (پانی) جس سے وضو کیا جائے۔ یہ لفظ الوضاءۃ سے مشتق ہے (کسی چیز کا خوبصورت اور پاکیزہ ہونا) اور اسے وضو کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے نمازی کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔

وضو میں نیت

بعض علماء نے اس آیتِ کریمہ سے وضو میں نیت کا وجوب ثابت کیا جس طرح ''فتح الباری میں'' نقل کیا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا۔ (المائدہ: ۶) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو (یعنی ارادہ کرو) تو (اپنے چہرے وغیرہ کو) دھولو۔

تقدیر عبارت یہ ہے:

اِذَا اَرَدْتُمُ الْقِیَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَتَوَضَّؤُوْا لِاَجْلِھَا۔ جب تم نماز کے لئے کھڑا ہونے کا ارادہ کرو تو اس کے لئے وضو کرو۔

جس طرح کہا جاتا ہے ''اذا رایت الامیر فقم جب امیر کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ'' یعنی اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

ابن قیم نے کہا یہ بات مروی نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ وضو کے شروع میں یوں فرماتے ہوں:

نویت رفع الحدث. میں نے حدث کو دور کرنے کی نیت کی۔

اس کے علاوہ الفاظ بھی آپ سے اور آپ کے صحابہ کرام سے منقول نہیں ہیں آپ سے یہ بات کسی صحیح یا ضعیف سند سے مروی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں جہاں تک نیت کے تلفظ کا تعلق ہے تو ہمیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ سے مروی ہو لیکن نیت کرنے کے بارے میں امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ''المعالم'' میں فرمایا:

میں جانتا ہوں کہ جب ہم کسی معاملے میں یہ بات کہنا چاہیں کہ کیا اسے رسول اللہ ﷺ نے کیا؟ تو ہم کہتے ہیں اس کو ثابت کرنے کے کئی طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: جب ہم یہ بات کہنے کا ارادہ کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے نیت اور ترتیب کے ساتھ وضو فرمایا تو ہم کہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ نیت اور ترتیب کے ساتھ وضو کرنا افضل ہے اور اس بات کا علم ضروری حاصل ہے کہ تمام مخلوق میں سے افضل ذات نے افضل عمل کو ہمیشہ نہیں چھوڑا تو ثابت ہوا کہ آپ کا وضو ترتیب اور نیت کے ساتھ ہوتا تھا اور ہمارے نزدیک ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی ایسا وضو کیا ہو جو نیت اور ترتیب سے خالی ہو اور شک' یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتا پس ثابت ہوا کہ آپ نے ترتیب اور نیت کے ساتھ وضو کیا لہٰذا ہم پر اس کی مثل واجب ہے۔

دوسرا طریقہ: ہم کہتے ہیں اگر نبی ﷺ نے نیت اور ترتیب کو چھوڑا تو ہم پر بھی اس کا چھوڑنا لازم ہے اور اس کی وجہ وہ دلائل ہیں جو آپ کی اقتداء کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں پس جب ہم پر اس کا چھوڑنا واجب نہیں تو ثابت ہوا کہ آپ نے اسے چھوڑا نہیں بلکہ اسے کیا ہے۔

''صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انما الاعمال بالنیات و انما لکل امریء ما نوی. اعمال (کے ثواب) کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث :۲۲۰۱' سنن ترمذی رقم الحدیث :۱۶۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث :۵۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۴۲۲۷' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱۔ ۲۱۵۔ ج ۶ ص ۳۳۱' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۴۲' المغنی ج ۴ ص ۳۵۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۸۰)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس میں ایمان' وضو' نماز' زکوٰۃ' حج' روزہ اور دیگر احکام داخل ہیں۔

وضو کا ذکر کر کے انہوں نے ان لوگوں کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا جن کے نزدیک وضو میں نیت شرط نہیں جس طرح امام اوزاعی' امام ابوحنیفہ اور دیگر حضرات رحمہم اللہ سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مستقل عبادت نہیں بلکہ یہ عبادت کی طرف وسیلہ ہے (یعنی وضو نماز کا وسیلہ ہے)۔

لیکن ان کی یہ بات تیمم سے ٹوٹ جاتی ہے کہ وہ بھی وسیلہ ہے اور حنفی فقہ والوں نے اس میں نیت کو شرط قرار دیا ہے۔

(تیمم مٹی سے ہوتا ہے اور مٹی پاک کرنے والی نہیں جبکہ پانی پاک کرنے والا ہے اس لئے طہارت کے حصول کے لئے تیمم میں نیت شرط ہے جبکہ پانی نیت کے بغیر بھی پاک کر دیتا ہے۔ احناف نے وضو اور تیمم میں یہ فرق کیا ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

جمہور نے وضو میں نیت کے شرط ہونے پر صحیح دلائل سے استدلال کیا ہے جن میں اس پر ثواب کے وعدے کی وضاحت ہے پس ارادہ ضروری ہے جو اس کو ممتاز کرے تاکہ وہ ثواب حاصل ہو جس کا وعدہ کیا گیا۔[1]

[1] قرآن مجید کے الفاظ مبارکہ جن میں وضو کا ذکر ہے نیت اور ترتیب وغیرہ سے مطلق ہیں اسی لئے مطلق کو مقید کرنا یعنی نیت کو بھی فرض قرار دینا صحیح نہیں محض نیت کا انکار نہیں احناف کے نزدیک نیت کرنا ضروری نہیں بلکہ جو شخص ثواب حاصل کرنا چاہے وہ نیت کرے نماز کے لئے آلہ کے طور پر وضو کرنا ہو تو اس سے نماز پڑھنا صحیح ہوگا وضو کا الگ ثواب نہ ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی

اعمال میں نیت کا حکم

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی "انما الاعمال بالنیات" سے ذات عمل کی نفی مراد نہیں کیونکہ بعض اوقات وہ نیت کے بغیر بھی پایا جاتا ہے بلکہ اس کے احکام کی نفی ہے جیسے اس کا صحیح اور کامل ہونا لیکن صحت کی نفی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ کسی شے کی نفی سے اس کی ذات مراد لینا زیادہ مناسب ہے نیز لفظ ذات کی نفی پر صراحتاً اور صفات کی نفی پر بالتبع دلالت کرتا ہے پس جب دلیل ذات کی نفی کو منع کرے تو صفات کی نفی پر دلالت باقی رہتی ہے۔

ابن دقیق نے کہا کہ جن لوگوں نے نیت شرط رکھی ہے انہوں نے یہاں صحت اعمال مقدر نکالا یعنی "انما صحۃ الاعمال بالنیات" اور جنہوں نے نیت کو شرط قرار نہیں دیا ان کے نزدیک لفظ کمال مقدر ہے یعنی "انما کمال الاعمال بالنیات" پہلے قول کو ترجیح ہے کیونکہ کمال کے مقابلے میں صحت کا لزوم زیادہ ہے پس اس پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔[1]

اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض علماء کرام نیت کی شرط کو صحیح نہیں سمجھتے ان کے درمیان اختلاف صرف وسائل میں ہے مقاصد کے بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ ان سب کے نزدیک ان میں نیت شرط ہے۔ اسی وجہ سے احناف نے وضو میں نیت کی شرط کی مخالفت کی ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا (کیونکہ وضو نماز کا وسیلہ ہے' مقصودی عبادت نہیں) ۱۲ ہزاروی

امام اوزاعی علیہ الرحمہ نے تیمم میں بھی اس شرط کی مخالفت کی ہے ہاں علماء میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ عمل کے شروع میں نیت ملی ہونی چاہیے یا نہیں؟ جس طرح فقہ کی بڑی بڑی کتب میں معروف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول کہ اس میں ایمان داخل ہے تو ایمان میں نیت کا دخول امام بخاری رحمہ اللہ کے طریقے پر ہے کیونکہ وہ ایمان کو عمل قرار دیتے ہیں لیکن ایمان جو تصدیق کے معنی میں ہے وہ دیگر قلبی اعمال کی طرف نیت کا محتاج نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ سے ڈرنا' اس کی تعظیم ومحبت اور اس کا قرب حاصل کرنا ان تمام قلبی اعمال میں نیت کا کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ یہ خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں لہٰذا کسی ایسی نیت کی ضرورت نہیں جو ان کو ممتاز کرے کیونکہ نیت اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کو غیر کے لئے بطور ریا کاری کئے گئے عمل سے ممتاز کرتی ہے اسی طرح اعمال کے مراتب کو نیت کے ذریعے ایک دوسرے سے ممتاز کیا جاتا ہے مثلاً فرض کو مستحب سے اور عبادت کو عادت سے جس طرح روزے کو محض بھوکا رہنے سے (نیت ممتاز کرتی ہے)۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کا "والاحکام" فرمانا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاملات جن میں فیصلوں کی حاجت ہوتی ہے ان میں نیت شرط ہے تو یہ خرید وفروخت' نکاح اور اقرار وغیرہ کو شامل ہے اور جہاں نیت شرط نہیں ہوگی تو اس کی کوئی خاص دلیل ہوگی۔

نیت کے شرط ہونے کے لئے قاعدہ

ابن منیر نے ایک ضابطہ ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت کہاں شرط ہے اور کس جگہ شرط نہیں ہے؟

---

[1] اگر اعمال کی صحت کا دارومدار نیت پر ہو تو وضو کی طرح لباس کی طہارت بھی طہارت ہے لیکن وہ نیت کے بغیر حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا کمال یا ثواب کا لفظ مقدر نکالنا بہتر ہے۔ ۱۲ ہزاروی

انہوں نے فرمایا:

ہر وہ عمل جس کا فوری فائدہ ظاہر نہ ہو بلکہ طلبِ ثواب مقصود ہو اس میں نیت شرط ہے اور جس عمل کا فائدہ فوری طور پر ظاہر ہو اور شرعی حکم سے پہلے بھی طبیعت اس کا تقاضا کرتی ہو کیونکہ طبیعت اور اس عمل میں مناسبت ہوتی ہے تو اس میں نیت شرط نہیں البتہ کوئی شخص اس سے کسی دوسری بات کا قصد کرے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے (تو نیت ضروری ہوگی)۔

وہ فرماتے ہیں: (نیت کے سلسلے میں) بعض صورتوں میں علماء کا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ تفریق کا معیار الگ الگ ہے۔

وہ مزید فرماتے ہیں: جو محض معانی ہیں (عمل نہیں ہیں) جس طرح خوف اور امید (وغیرہ) تو ان میں نیت کے شرط ہونے کا قول نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ نیت کے بغیر پائے ہی نہیں جا سکتے جب ان میں نیت کو مفقود فرض کیا جائے تو حقیقت بدل جائے گی پس ان میں نیت شرطِ عقلی ہے۔

جہاں تک اقوال کا تعلق ہے تو تین جگہوں میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک' تقریب الی اللہ ہے جس میں ریاکاری سے دور رہنا ہو دوسرا قول جس میں ان الفاظ سے امتیاز ضروری ہو جو غیر مقصود کا بھی احتمال رکھتے ہوں اور تیسرا کسی عمل کو پیدا کرنا تا کہ سبقت لسانی سے نکلنے والے کلمات خارج ہو جائیں یہ تمام گفتگو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری میں'' ذکر کی ہے۔

وضو کب فرض ہوا؟

علماء کا اس وقت میں اختلاف ہے جب وضو فرض ہوا بعض حضرات نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں فرض ہوا ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو (ارادہ کرو) تو اپنے چہروں کو دھولو (آخر تک) (المائدہ:٦)

ابن عبدالبر نے اس بات پر اہلِ سیرت کا اتفاق نقل کیا ہے کہ غسلِ جنابت نبی اکرم ﷺ پر مکہ مکرمہ میں فرض ہوا جس طرح نماز فرض ہوئی اور آپ نے وضو کے بغیر کوئی نماز نہیں پڑھی۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں: یہ وہ بات ہے جس سے کوئی عالم بے خبر نہیں۔ امام حاکم نے ''مستدرک میں'' فرمایا کہ اہلِ سنت کو ایسی دلیل کی ضرورت ہے جس کے ذریعے وہ ان لوگوں کا رد کریں جن کے خیال میں آیت مائدہ (مندرجہ بالا آیت) کے نزول سے پہلے وضو نہ تھا۔ پھر انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی کہ حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ رو رہی تھیں اور عرض کر رہی تھیں کہ قریش کے ان لوگوں نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے آپ نے فرمایا میرے پاس وضو کے لئے پانی لاؤ' پھر آپ نے وضو کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ان لوگوں کا رد ہو سکتی ہے جو ہجرت سے پہلے وضو کا انکار کرتے ہیں لیکن جو اس کو اس وقت واجب سمجھتے ہیں ان کا رد نہیں ہو سکتا۔

ابن جہم مالکی نے یہ بات قطعیت کے ساتھ بیان کی ہے کہ ہجرت سے پہلے وضو مستحب تھا اور ابن حزم نے اس بات پر جزم کیا کہ وضو مدینہ طیبہ میں مشروع ہوا۔

لیکن اس بات کا رد اس حدیث سے کیا گیا جو ابن لہیعہ نے ''مغازی میں'' ذکر کی وہ حضرت ابو اسود سے اور وہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس وقت نبی اکرم ﷺ کو وضو سکھایا جب وہ وحی لے کر آئے۔

یہ حدیث مرسل ہے اور امام احمد نے اسے ابن لہیعہ کے طریق سے موصولاً بھی نقل کیا ہے لیکن انہوں نے بواسطہ حضرت زہری' حضرت عروہ سے انہوں نے حضرت اسامہ بن زید سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا۔

(مسند احمد)

ابن ماجہ نے رشدین بن سعد سے روایت نقل کی وہ عقیل سے اور وہ زہری سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں لیکن سند میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت لیث کے طریق سے نقل کیا اور وہ حضرت عقیل سے موصولاً روایت کرتے ہیں اگر یہ ثابت ہو تو صحیح کی شرط پر ہوگی لیکن معروف ابن لہیعہ کی روایت ہے۔ (فتح الباری)

کیا ہر نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے پوچھا گیا آپ لوگ کیا طریقہ اختیار کرتے تھے؟ فرمایا: ہمارے لئے ایک وضو کافی ہوتا جب تک بے وضو نہ ہوتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲۔۱۵۴۔۲۶۰۔ ج ۵ ص ۳۵۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے۔

حضرت امام مسلم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی' وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے جب فتح مکہ کا دن ہوا تو آپ نے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے کبھی نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: اے عمر! میں نے یہ کام جان بوجھ کر کیا ہے (یعنی یہ بتانے کے لئے کہ اس طرح بھی جائز ہے)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۱' سنن نسائی ج ۱ ص ۸۶' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۰' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۶۲' نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۶۴' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۴۲۸' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۶۱)

امام احمد اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن ابی عامر الغسیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو ہر نماز کے لئے وضو کرنے کا حکم دیا گیا آپ (پہلے سے) باوضو ہوں یا نہ ہوں جب یہ بات آپ کے لئے مشکل ہوگئی تو آپ کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور وضو کرنے کا حکم اٹھا لیا گیا ہاں بے وضو ہونے کی صورت میں (یہ حکم) باقی رہا۔

وضو کب واجب ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ وضو کو واجب کرنے والی چیز کونسی ہے؟

کہا گیا کہ بے وضو ہونے سے وضو واجب ہوتا ہے لیکن اس وجوب میں کشادگی ہوتی ہے (یعنی فوراً واجب نہیں ہوتا بلکہ جب نماز پڑھے تو واجب ہوگا) ایک قول یہ ہے کہ بے وضو ہونے اور نماز کا ارادہ کرنے کی صورت میں (جب دونوں باتیں جمع ہوں تو) وضو واجب ہوتا ہے۔ شافعی مسلک والوں کی ایک جماعت نے اس بات کو ترجیح دی ہے یہ بھی کہا گیا کہ صرف نماز کے لئے کھڑا ہونے (ارادہ کرنے) کی صورت میں وضو واجب ہوتا ہے۔

مسواک کا حکم

جن لوگوں کے نزدیک نبی اکرم ﷺ پر مسواک کرنا واجب تھی انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے۔ جس نے عنعنہ کے طور پر حدیث روایت کی اور وہ مدلس ہے۔[1]

اور خصائص صرف صحیح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں۔

امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' اور امام بیہقی نے ''سنن البیہقی میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تین باتیں مجھ پر فرض ہیں جب کہ تمہارے لئے وہ سنت ہیں۔ وتر نماز، مسواک اور قیام لیل (تہجد کی نماز)۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۶۸۔ ج ۹ ص ۲۶۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۴، نصب الرایۃ ج ۴ ص ۲۰۶، تلخیص لابن حجر ج ۲ ص ۱۸۔ ج ۳ ص ۱۱۸)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ کر دی جائے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۰، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۶۶، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۸، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۴۲۳۔ ۴۴۳۰۔ ۴۴۳۶)

بعض حضرات نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ ہم پر مسواک کرنا واجب نہیں لیکن بعض شافعیوں سے منقول ہے کہ یہ نماز کے لئے واجب ہے اور ہمارے لئے اس میں وسعت ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مطلقاً مسواک کرنا مستحب ہے اور بعض حالات میں اس کی تاکید ہے۔

(۱) وضو کے وقت اور نماز پڑھنے کے ارادہ کرتے وقت۔

(۲) سو کر اٹھتے وقت۔

کیونکہ ''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات کے وقت اٹھتے تو اپنے منہ (دانتوں) کو مسواک سے ملتے۔

---

[1] جب کوئی حدیث ''عن فلاں'' ''عن فلاں'' کے طور پر مروی ہو تو اسے عنعنہ کہتے ہیں اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ راوی نے خود اس شیخ سے سماعت کی یا نہیں جس سے روایت کی لہٰذا تدلیس یعنی یہ بات چھپانے کا احتمال ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس نے خود نہ سنا ہو لیکن مغالطہ لگتا ہو کہ خود سنی ہے اسے مدلس کہتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

لیکن کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ رات کے وقت نماز کے لئے اٹھتے پس نماز کے لئے اور وضو کے وقت مسواک کرنا مراد ہے۔

(۳) قرآن مجید کی قرأت کرتے وقت (مسواک کرنا) جس طرح امام رافعی نے فرمایا۔

(۴) منہ (کے ذائقہ) کی تبدیلی کے لئے (مسواک کرنا) چاہے بو تبدیل ہو یا رنگ جیسے دانتوں کا پیلا ہو جانا' امام رافعی رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کی ہے۔

(۵) گھر میں داخل ہونا' یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے ''زیادۃ الروضہ میں'' ذکر کی ہے جیسا کہ امام مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو مسواک سے ابتدا کرتے۔

(۶) سونے کے ارادے سے جس طرح شیخ ابوحامد نے ''الرونق میں'' ذکر کیا انہوں نے اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث نقل کی ہے جو ابن عدی نے ''الکامل'' میں روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب بستر پر تشریف لے جاتے تو (پہلے) مسواک کرتے اس حدیث میں حرام بن عثمان راوی متروک ہے۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۹۳۴)

(۷) رات کی نماز سے سلام پھیرنا' ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ رات کو دو' دو رکعتیں (کر کے) پڑھتے پھر مسواک فرماتے۔

کس چیز کی مسواک؟

ہر کھردری چیز سے مسواک کرنا کفایت کرتی ہے اگرچہ دوسرے کی سخت انگلی سے ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المہذب'' اور ''دقائق المنہاج'' میں ذکر کیا کہ یہ طریقہ قطعی طور پر کفایت کرتا ہے۔

''شرح تقریب الاسانید میں'' فرمایا: کہ مجھے معلوم نہیں اپنی انگلی یا دوسرے کی انگلی میں فرق کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کے اپنے جسم کا حصہ ہونے سے ایسی بات ظاہر نہیں ہوتی جو اس کی ممانعت کا تقاضا کرے بلکہ اپنی انگلی ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ ازالہ ہوتا ہے کیونکہ جس طرح وہ اپنی انگلی سے مسواک کر سکتا ہے دوسرے کی انگلی سے اس طرح ممکن نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مہذب'' میں فرمایا: کہ مختار بات مطلق جواز ہے وہ فرماتے ہیں قاضی حسین نے اور محاملی نے ''اللباب'' میں نیز امام بغوی نے اس کو قطعی قرار دیا اور ''البحر'' میں بھی اسے ہی اختیار کیا گیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے پیلو کی مسواک کے مستحب ہونے پر اتفاق کیا ہے پس امام طبرانی نے ابوخیرہ صنابحی جن کو صحابیت کا شرف حاصل ہے' سے ایک حدیث نقل کی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں پھر نبی اکرم ﷺ نے ہمیں پیلو کے بارے میں حکم دیا کہ اس سے مسواک کرو۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۶۲' التلخیص لابن حجر ج ۱ ص ۷۱' طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۹۷)

''مستدرک حاکم میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی علالت کے دوران ام المؤمنین کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے تو ان کے پاس پیلو کی مسواک تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے لے کر چبایا پھر نبی اکرم ﷺ کو پیش کی تو آپ نے اسے استعمال فرمایا۔

یہ حدیث ''صحیح بخاری میں'' ہے اور اس میں پہلو کا ذکر نہیں اور امام بخاری کے نزدیک اس حدیث کے بعض طرق میں اس طرح ہے کہ ان کے پاس کھجور کی شاخ کی مسواک تھی۔

مسواک کرنے کا طریقہ

ابونعیم نے ''کتاب السواک میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ (دانتوں کی) چوڑائی میں مسواک کرتے تھے۔ امام بیہقی نے بھی حضرت ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ (دانتوں کی) چوڑائی میں مسواک کرتے تھے۔

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والے) فرماتے ہیں: کہ چوڑائی سے دانتوں کی چوڑائی مراد ہے جو منہ کی لمبائی میں ہوتی ہے۔

اور کیا مسواک کرنے والے کے لئے دائیں ہاتھ سے مسواک کرنا زیادہ بہتر ہے یا بائیں ہاتھ سے؟ تو بعض حضرات نے فرمایا دائیں ہاتھ سے بہتر ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو کنگھی کرنے 'نعلین پہننے' طہارت حاصل کرنے اور مسواک کرنے میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند تھا۔

بعض حضرات نے اس سلسلے میں یہ سوال اٹھایا کہ یہ پاکیزگی حاصل کرنے کی ایک صورت ہے یا نجاست کو دور کرنا ہے۔

اگر ہم پہلی بات کہیں تو دائیں ہاتھ سے مستحب ہے اور اگر دوسری بات کہیں تو بائیں ہاتھ سے مستحب ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ کا دایاں ہاتھ مبارک طہارت حاصل کرنے اور کھانا کھانے کے لئے ہوتا تھا اور بایاں ہاتھ قضائے حاجت اور ناپاکی وغیرہ کو دور کرنے کے لئے استعمال ہوتا۔ اسی حدیث کو امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳-۳۴)

''شرح تقریب الاسانید میں ہے کہ'' دائیں ہاتھ سے مسواک کرنے پر جو استدلال کیا گیا ہے اس میں کوئی دلالت نہیں کیونکہ کنگھی کرنے میں سر کے دایاں حصے میں پہلی کنگھی فرماتے اسی طرح پہلے دایاں جوتا پہنتے' وضو میں داہنی طرف کے اعضاء سے آغاز فرماتے اور مسواک کرنے میں پہلے دائیں طرف مسواک فرماتے تھے۔ لیکن دائیں ہاتھ سے مسواک کرنے کا قول نقلی دلیل کا محتاج ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ گندگی کو دور کرنا ہے جس طرح ناک جھاڑنا وغیرہ پس بائیں ہاتھ سے ہوگی۔ [1]

ابوالعباس احمد قرطبی نے اس بات کو واضح طور پر ذکر کرتے ہوئے ''المفہم میں'' حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: کہ مساجد میں مسواک نہ کی جائے کیونکہ یہ گندگی کو دور کرنا ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] جو شخص دائیں ہاتھ سے کام کرنے کا عادی ہو اس کے لئے بائیں ہاتھ سے مسواک کرنا مشقت کا باعث ہوتا ہے اور اسلام میں حرج والے کام کا مکلف نہیں بنایا جاتا لہٰذا دائیں ہاتھ سے مسواک کی جائے' یہ آسان طریقہ ہے اور مسواک سے محض میل صاف کی جاتی ہے اور میل وغیرہ صاف کرنے کے لئے بائیں ہاتھ کا استعمال کرنا ضروری نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

وضو کے پانی میں اعتدال

نبی اکرم ﷺ کے وضو یا غسل کے لئے پانی کی مقدار کیا تھی؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے نبی اکرم ﷺ ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی سے وضو فرماتے ہیں (ایک صاع چار کلو اور پانچ مُد تقریباً پانچ کلو) اور ایک مُد (تقریباً ایک کلو) سے وضو فرماتے تھے۔

امام ابوداؤد نے یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ آپ ایک برتن سے وضو فرماتے جس میں دو رطل (ایک کلو کے قریب پانی آتا تھا اور ایک صاع (چار کلو) سے غسل فرماتے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا۔ امام ترمذی نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یجزی فی الوضوء رطلان من الماء. وضو میں دو رطل (ایک کلو تقریباً) پانی کافی ہے

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۹ مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۹ شرح السنہ ج ۲ ص ۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ ایک صاع پانی سے غسل فرماتے اور ایک مُد (ایک کلو) سے وضو فرماتے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے نقل کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایک ہی برتن سے وضو فرماتے تھے۔

صاع بغدادی رطل سے پانچ رطل کا ہوتا ہے اور وہ امام نووی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ایک سو اٹھائیس درہم اور درہم کا ۴/۷ (سات حصوں میں سے چار حصے) کا وزن ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو وضو میں ضرورت سے زائد پانی خرچ کرنے سے منع فرمایا۔

نبی کریم ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا: اے سعد! یہ کیا فضول خرچی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ فرمایا ہاں اگر چہ تم نہر پر ہو اس حدیث کو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک کمزور سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱ اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۷۰ مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۴۲۷)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان للوضوء شیطانا یقال له الولهان فاتقوا وسواس الماء. بے شک وضو کا ایک شیطان ہے جس کا نام ولہان ہے پس تم پانی کے وسوسوں سے بچو۔

(السنن الکبریٰ ج ا ص ۱۹۷ التلخیص لابن حجر ج ا ص ۱۰۱ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۲۲ مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۴۱۹ اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۲۸۸ المغنی ج ۳ ص ۲۷ میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۲۳۹۷ العلل المتناہیہ ج ا ص ۳۴۶)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

فصل نمبر۲

وضو میں ایک ایک، دو دو اور تین تین بار اعضاء کو دھونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے وضو ایک ایک بار (اعضاء کو دھونے کے ساتھ) کیا۔

اس حدیث کو امام بخاری، امام ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے روایت کیا اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے اجمال کا بیان ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا. (المائدہ:٦) جب نماز کا ارادہ کرو تو (اپنے چہروں کو) دھو لو (آخر تک)۔

کیونکہ امر کسی چیز کی حقیقت کو وجود میں لانے کا فائدہ دیتا ہے اور کسی عدد کے ساتھ مقرر نہیں ہوتا پس شارع نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ضروری ہے اور جو اس سے زائد ہے وہ استحباب کے لئے ہے (مستحب ہے)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو (کا پانی) طلب فرما کر ایک ایک بار وضو کیا اور فرمایا یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا تو اس میں قول اور فعل دونوں کا اکٹھا بیان ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اسے ابن ماجہ نے ذکر کیا اور اس کے کچھ دوسرے طرق ہیں جو سب ضعیف ہیں جس طرح ''فتح الباری میں'' فرمایا۔ (المغنی ج ا ص ۱۳۴، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۶۰ ـ ۳۷۴، مجمع الزوائد ج ا ص ۲۳۹، تلخیص لابن حجر ج ا ص ۵۷)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے دو دو بار وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا یہ نور علی نور ہے اسے رزین نے ذکر کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

انہی سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا:

هذا وضوئی ووضوء الانبياء من قبلی ووضوء ابراهيم. یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وضو ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ا ص ۸۰، مجمع الزوائد ج ا ص ۲۳۱، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۳۴۷، تلخیص لابن حجر ج ا ص ۸۲)

اس حدیث کو رزین نے ذکر کیا اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' اس کو ضعیف قرار دیا جس طرح ''مشکوٰۃ المصابیح میں'' نقل کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ کے تین بار سے زیادہ (اعضاء کو دھونے کے ساتھ) وضو کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہیں بلکہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے اعضاء کو تین بار سے زیادہ دھونے سے منع فرمایا۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تین تین بار وضوفرمایا پھر ارشاد فرمایا: جس نے اس پر اضافہ کیا یا کمی کی اس نے نافرمانی کی اور ظلم کیا۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا لیکن امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے ان احادیث میں شامل کیا جن کا حضرت عمرو بن شعیب سے انکار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا ظاہر تین مرتبہ سے کمی کی مذمت کرتا ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ ایک اضافی معاملہ ہے نافرمانی کا تعلق کمی سے اور ظلم کا تعلق زیادتی کے ساتھ ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس میں عبارت محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ جو ایک بار سے کم کرے اس نے نافرمانی اور ظلم کیا۔

اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے ابونعیم بن حماد نے مطلب بن حنطب کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا کہ وضو ایک اور دو بار (اعضاء کو دھونے سے) ہے پس اگر ایک سے کم یا تین سے زیادہ ہو تو یہ خطا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۹۵)

یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حدیث شریف کا جواب اس طرح بھی دیا گیا ہے کہ راوی کمی کے ذکر پر متفق نہیں ہیں بلکہ ان میں سے اکثر صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ جس نے اضافہ کیا۔ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پسند نہیں کہ وضو کرنے والا تین بار (دھونے) پر اضافہ کرے اگر زیادہ کرے تو میں اسے مکروہ جانتا ہوں، حرام نہیں سمجھتا کیوں کہ ''لا احب'' کے الفاظ کراہت کو چاہتے ہیں۔ شافعی مسلک والوں کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔[1]

امام دارمی جو شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے ایک جماعت سے نقل کیا کہ تین پر اضافہ وضو کو باطل کر دیتا ہے جس طرح نماز میں اضافہ سے نماز باطل ہو جاتی ہے یہ قیاس فاسد ہے۔

امام احمد اور اسحاق وغیرہ نے فرمایا کہ تین پر اضافہ جائز نہیں اور ابن مبارک نے کہا میں اس کے گناہ گار ہونے سے بے خوف نہیں ہوں۔

تین پر اضافہ کو حرام یا مکروہ قرار دینے سے لازم آتا ہے کہ نئے سرے سے وضو کرنا مطلقاً مستحب نہیں ہے (یہ قیاس صحیح نہیں کیوں کہ نئے سرے سے وضو کرنا گنتی میں اضافہ نہیں بلکہ مستقل وضو ہے۔۱۲ ہزاروی)

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کے وضو کا طریقہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے ایک برتن منگوایا پس اپنے ہاتھوں پر تین بار پانی ڈال

[1] احناف کے نزدیک تین تین بار اعضاء کو دھونا سنت ہے زیادہ بار دھونے میں حرج نہیں لیکن یہ سمجھنا کہ تین بار دھونے سے وضو نہیں ہوا کراہت کا باعث ہے اسی طرح پانی کم ہو اور دوسرے حضرات نے بھی وضو کرنا ہو تو کراہت ہوگی ویسے بھی سنت طریقہ تین بار دھونا ہی ہے۔۱۲ ہزاروی

کران کودھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین بار دھویا پھر اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت تین تین بار دھویا' اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھے (تحیۃ الوضو مراد ہے) اس دوران اپنے آپ سے کوئی بات نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گذشتہ گناہ معاف فرمادے گا۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۷-۹۳' مسند احمد ج ۱ص ۵۹-۶۴-۶۶' السنن الکبریٰ ج ۱ص ۴۸-۵۳-ج ۲ص ۲۸۰' المغنی ج ۱ص ۱۳۴' کنزالعمال رقم الحدیث: ۱۸۹۴۹)

اس حدیث میں جو فرمایا کہ "پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا" اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا کہ چلو بھرتے وقت نیت شرط نہیں نہ اس میں (نیت کی) نفی پر دلالت ہے اور نہ اثبات پر' بہر حال چلو بھرنے کی نیت کا شرط ہونا نہ تو اس حدیث سے ثابت ہے اور نہ اس کی نفی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محض چلو بھرنے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا کیونکہ جو پانی چلو میں لیا گیا وہ (نیت سے) مستعمل ہوتا ہے۔امام بغوی نے بھی اسی بات کو یقینی قرار دیا ہے۔

چہرے کے دھونے کو (کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے سے) پیچھے رکھنے میں حکمت یوں بیان کی گئی ہے کہ یہ بات پانی کے اوصاف کے اعتبار سے ہے کیونکہ رنگ کا ادراک دیکھنے سے ہوتا ہے ذائقے کا پتہ منہ (زبان) سے معلوم ہوتا ہے' بُو کا علم ناک سے ہوتا ہے پس کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کو چہرے (کے دھونے) سے مقدم کیا اور عبادت کے لئے احتیاط کے طور پر یہ بات لازمی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمایا "نحو وضوئی میرے اس وضو کی طرح" یہ نہیں فرمایا "مثل وضوئی" کیونکہ حقیقتاً مماثلت پر کوئی قادر نہیں ہوسکتا

لیکن "فتح الباری میں" اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ "صحیح بخاری کے باب الرقاق میں" حضرت معاذ بن عبدالرحمٰن کی روایت سے جو انہوں نے حضرت حمران بن عثمان سے روایت کی لفظ مثل کے ساتھ مذکور ہے' آپ نے ارشاد فرمایا:

من توضأ مثل وضوئی هذا.　جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے۔

اور "کتاب الصیام میں" حضرت معمر کی روایت میں ہے:

من توضأ وضوئی هذا.　جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے۔

اس بنیاد پر لفظ نحو کے ساتھ ذکر راویوں کی طرف سے تصرف ہے۔

کیونکہ یہ لفظ (نحو) مثلیت پر مجازاً بولا جاتا ہے نیز لفظ مثل اگرچہ ظاہری طور پر مساوات کو چاہتا ہے لیکن اس کا اطلاق غالب پر ہوتا ہے۔[1]

[1] مطلب یہ ہے کہ جب دو چیزیں کسی بات میں مشترک ہوں اور وہ بات ایک میں زیادہ ہو اور دوسری میں مکمل طور پر ہو تو جس میں مکمل طور پر نہ ہو لیکن اکثر اجزاء میں ہو تو اسے دوسری چیز کی مثل کہا جاتا ہے۔(زرقانی ج ۷ص ۲۵۶)

پس دونوں روایتیں ایک جیسی ہوگئیں اور جہاں یہ لفظ چھوڑا گیا وہاں مقصود میں خلل نہیں آتا۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا ہمارے لئے نبی اکرم ﷺ کا وضو کریں تو انہوں نے ایک برتن منگوا کر اس سے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ان کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر (اس میں) ہاتھ داخل کر کے نکالا اور ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا انہوں نے تین مرتبہ اس طرح کیا پھر ہاتھ داخل کر کے اسے نکالا اور تین بار چہرے کو دھویا پھر اپنا ہاتھ داخل کر کے نکالا اور سر کا مسح کیا ہاتھوں کو آگے اور پیچھے لائے پھر اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا اور اس کے بعد فرمایا نبی اکرم ﷺ کا وضو اس طرح تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵)

ایک روایت میں ہے اپنے ہاتھوں کو آگے اور پیچھے لے گئے سر کے اگلے حصہ سے آغاز کیا پھر ان کو پچھلی جانب لے گئے پھر ان کو لوٹایا حتیٰ کہ اس جگہ کی طرف واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔

اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم' امام مالک' امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے پھر اپنے سر اور کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح کیا اور اپنی انگلیوں کو کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا۔

''ابوداؤد' ترمذی اور نسائی کی'' ایک روایت جو عبد خیر ابو عمارہ ابن زیاد بن خولی (خاء پر زبر واؤ ساکن اور یاء پر شد ہے) ہمدانی رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے شاگردوں میں تھے فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور وہ نماز پڑھ چکے تھے انہوں نے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا ہم نے عرض کیا آپ اس پانی کو کیا کریں گے جب کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں۔ تو ان کا مقصد صرف ہمیں طریقہ بتانا تھا چنانچہ ایک برتن لایا گیا جس میں پانی تھا اور ایک تھال بھی لایا گیا آپ نے اس برتن سے دائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر کلی کی اور ناک کو جھاڑا آپ نے ایک چلو سے جو لیا تھا کلی بھی کی اور ناک کو بھی جھاڑا پھر تین بار چہرے کو دھویا اور دائیں ہاتھ (بازو) کو تین بار اور بائیں ہاتھ (بازو) کو تین بار دھویا پھر دائیں ہاتھ کو برتن میں ڈالا اور اس سے ایک بار سر کا مسح کیا پھر دایاں پاؤں تین بار اور پھر بایاں پاؤں تین بار دھویا اس کے بعد فرمایا جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ رسول اکرم ﷺ کا وضو جان لے تو وہ اس طرح ہے۔

کیا سر کے مسح کا تکرار ہے؟

ابن قیم نے کہا صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سر کا مسح تکرار کے ساتھ نہیں کیا' امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح احادیث کے مطابق سر کا مسح صرف ایک بار ہے اور بعض میں صرف ''مسح'' کا لفظ ہے یعنی مسح کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ''صحیح مسلم میں ہے'' نبی اکرم ﷺ نے تین تین بار وضو فرمایا نیز انہوں نے باقی اعضاء پر قیاس کیا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ یہ (سر کے مسح کا حکم) مجمل ہے اور صحیح روایت میں اس کا بیان ہے کہ مسح میں تکرار نہیں پس غالب پر محمول کیا جائے گا اور تین تین بار کا تعلق دھوئے جانے والے اعضاء کے ساتھ ہوگا۔[1]

[1] چونکہ تین اعضاء کو دھویا جاتا ہے اور ایک عضو کا مسح ہوتا ہے چونکہ اعضاء کو دھونا تین تین بار ہوتا ہے لہٰذا غالب کا اعتبار کرتے ہوئے سب کے لئے تین تین بار کا ذکر ہوا۔ ۱۲ ہزاروی

اور مسح تخفیف پر مبنی ہے لہٰذا اسے دھونے پر قیاس نہیں کیا جائے گا جس میں مبالغہ مراد ہے اور اگر مسح میں گنتی معتبر ہو تو وہ دھونے کی صورت بن جائے گی (مسح نہیں رہے گا) کیونکہ دھونے کی حقیقت پانی کو جاری کرنا ہے۔

شافعی مسلک والوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جسے امام ابوداؤد نے دو طریقوں سے نقل کیا اور ان میں سے ایک کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے سر انور کا تین بار مسح فرمایا۔

ابوداؤد اور ترمذی کی روایت جو ربیع بن معوذ کی روایت سے ہے اس میں ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا چہرۂ انور کو تین بار دھویا اور ایک ایک بار کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور تین بار ہاتھوں کو دھویا (یعنی بازوؤں کو) اور سر کا مسح دوبارہ کیا پچھلے حصے سے شروع کیا پھر اگلے حصے اور کانوں کے ظاہر اور باطن کا مسح کیا اور پاؤں کو تین تین بار دھویا۔

اور ایک بار مسح کرنے سے متعلق احادیث کا جواب (شافعی) علماء نے اس طرح دیا ہے کہ یہ بیان جواز کے لئے تھا اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں دوبار کا ذکر ہے (دراصل یہ ایک بار ہے کیونکہ ایک بار پچھلے حصے کا اور دوبارہ اگلے حصے کا تو پورے سر کا مسح ایک بار ہی ہوا۔۱۲ ہزاروی)

ابن سمعانی نے کہا جیسا کہ "فتح الباری میں" نقل کیا کہ روایت کا اختلاف کئی بار پر محمول کیا جائے گا پس کبھی ایک بار کیا اور کبھی تین بار اور ایک بار مسح کی روایت زیادہ بار مسح کرنے سے منع کرنے کی دلیل نہیں اور زیادہ بار مسح کی دلیل دھونے پر قیاس بھی ہے کیونکہ وضو حکمی طہارت ہے اور طہارت حکمیہ میں دھونے اور مسح میں کوئی فرق نہیں۔

امام عسقلانی نے "فتح الباری میں" فرمایا: کہ زیادہ بار مسح نہ ہونے کی سب سے مضبوط دلیل وہ مشہور حدیث ہے جسے ابن خزیمہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وضو کے طریقے سے متعلق بیان کیا ہے کہ فراغت کے بعد فرمایا جس نے اس سے زیادہ کیا اس نے گناہ کیا اور زیادتی کی اور سعید بن منصور رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس بات کو صراحتاً بیان کیا گیا کہ سر کا مسح ایک بار فرمایا اور تین بار مسح کی احادیث اگر صحیح ہوں تو ان سے مراد سر کا گھیرنا ہے مستقل طور پر سارے سر کا کئی بار مسح کرنا نہیں یوں دلائل کو جمع کیا جا سکتا ہے۔

مسح سر کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث جسے امام بخاری نے نقل کیا اور وہ اس سے پہلے ذکر کی گئی ہے اس میں ہے کہ:

ثم مسح رأسه بيديه فاقبل بهما وادبر. پھر سر کا مسح دونوں ہاتھ سے کیا ان کو آگے لے گئے اور پیچھے لائے۔

ایک روایت میں ہے کہ سر کے اگلے حصے سے شروع کیا حتیٰ کہ دونوں ہاتھوں کو پیچھے (گدی) کی طرف لے گئے پھر ان کو اس جگہ کی طرف لائے جہاں سے آغاز کیا تھا۔

ابن الطباع (اسحاق بن عیسیٰ بن الطباع، ابویعقوب) نے "ثم مسح رأسه" (پھر سر کا مسح کیا) کے بعد کلہ کا اضافہ کیا یعنی سارے سر کا مسح کیا جس طرح ابن خزیمہ کی روایت میں ہے۔ (الکاشف ج ۱ ص ۶۴ رقم الترجمہ: ۳۱۳)

برؤوسکم کی باء کا معنیٰ

دوسروں کی روایتوں میں (رأسہ کی جگہ) برأسہ باء کے ساتھ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ قرآن مجید کی آیت:

وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ. (المائدہ:٦) اور اپنے سروں کا مسح کرو۔

کے موافق ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس آیت میں باء زائدہ ہے اور کہا گیا کہ یہ تبعیض کے لئے ہے اسی سے تیسرے قول ''مسحت المندیل'' اور ''مسحت بالمندیل'' میں فرق کیا جاتا ہے (پہلے جملہ کا معنیٰ ہے میں نے رومال کو چھوا اور دوسرے جملہ کا معنیٰ ہے میں نے رومال کا کچھ حصہ چھوا)۔

اس کی وجہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ یہ باء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فعل میں الصاق (ملنے) کا معنیٰ ہے گویا کہا گیا کہ مسح کو اپنے سروں سے ملاؤ اور یہ پورے سر کے گھیرنے کو نہیں چاہتا اور اگر ''وامسحوا رؤوسکم'' کہا جائے تو وہ ''وَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ'' کی طرح ہوگا یعنی جس طرح پورے چہرے کو دھونے کا حکم ہے اسی طرح پورے سر کے مسح کا حکم ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ارشادِ خداوندی ''وامسحوا برؤوسکم'' میں پورے سر کے مسح یا بعض سر کے مسح دونوں باتوں کا احتمال ہے پس سنت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بعض کا مسح بھی کافی ہے۔

اب اس آیت اور تیمم کے سلسلے میں ''فامسحوا بوجوھکم'' میں فرق یہ ہوگا کہ وہاں (تیمم میں) مسح' دھونے پر دلالت کرتا ہے اور سر میں مسح اصل ہے پس دونوں کا حکم جدا ہو گیا۔

اگر موزوں کے مسح کو پاؤں دھونے کے بدل کے طور پر پیش کرنے کے ذریعے اعتراض کیا جائے (کہ وہاں بھی دھونا اصل ہے تو پورے موزے کا مسح کیا جائے) تو یہ اعتراض اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس میں رخصت اجماع سے ثابت ہے۔

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا تو عمامہ شریف کو سر سے ہٹا کر سر کے اگلے حصے کا مسح کیا یہ حدیث مرسل لیکن دوسرے طریق سے موصولاً بھی مروی ہے اس لئے مضبوط ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا اس کی سند میں ابو معقل ہے جس کا حال معلوم نہیں لیکن مرسل اور موصول دونوں ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں اور مجموعی صورت سے قوت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ اس بات کی مثال ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ مرسل دوسری مرسل یا مسند حدیث کو قوت دیتی ہے۔[1]

اس باب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بھی وضو کا طریقہ مروی ہے وہ فرماتے ہیں: سر کے اگلے حصے کا مسح کیا اسے سعید بن منصور نے روایت کیا اور اس میں خالد بن یزید بن ابی مالک ہے جس میں اختلاف ہے۔

---

[1] جب تابعی براہ راست نبی اکرم ﷺ سے روایت کرے اور کسی صحابی کا ذکر نہ ہو تو یہ حدیث مرسل ہوتی ہے اور اگر صحابی کا ذکر ہو تو یہ حدیث مسند ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے سر کے بعض حصے پر مسح کرنے پر اکتفاء کیا۔ ابن منذر وغیرہ نے یہ بات کہی ہے اور کسی صحابی سے اس کا انکار صحیح ثابت نہیں یہ بات ابن حزم نے کہی ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ تمام روایات اس مرسل روایت کو قوت دیتی ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

سر کا کتنی مقدار میں مسح کرنا واجب ہے؟

سر کے مسح میں کتنی مقدار فرض ہے؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ صرف اس قدر فرض ہے جس پر مسح کا نام بولا جا سکے اگرچہ ایک بال ہو یہ قطعی بات ہے۔

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ اور ایک جماعت کے نزدیک پورے سر کو گھیرنا ضروری ہے انہوں نے احتیاط کا راستہ اختیار کیا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک روایت میں فرمایا: سر کے چوتھے حصے کا مسح فرض ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے پیشانی پر مسح فرمایا اور وہ چوتھائی کے قریب ہے۔ واللہ اعلم

کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا

حضرت طلحہ بن مصرف اپنے والد (مصرف بن عمرو بن کعب) سے اور وہ اپنے دادا (کعب بن عمرو) سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ وضو فرما رہے تھے اور پانی آپ کے چہرے اور داڑھی مبارک سے آپ کے سینے پر بہہ رہا تھا میں نے دیکھا کہ آپ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں فرق کرتے تھے (دونوں کام الگ الگ کرتے تھے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۹)

انہی سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے وضو فرمایا پس ایک چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی چڑھایا۔ (اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا)۔

"صحیح مسلم کی" حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے برتن منگوایا پس اپنی ہتھیلی پر تین مرتبہ پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر کلی کی اور ناک جھاڑا پھر تین بار چہرے کو دھویا۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا اس طرح ہے کہ پھر (ہاتھوں کو) دھویا اور کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور یہ ایک چلو سے کیا پھر فرمایا: رسول اکرم ﷺ کا وضو اس طرح تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ دونوں کے لئے دائیں ہاتھ میں پانی لے' وہ فرماتے ہیں کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کی کیفیت میں افضل طریقے کی پانچ صورتیں ہیں۔

(۱) سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ تین چلو لے اور ہر ایک سے کلی کرے پھر ناک میں چڑھائے۔

(۲) دونوں کو ایک چلو میں جمع کرے اس سے تین بار کلی کرے پھر ناک میں تین بار چڑھائے۔

(۳) ایک ہی چلو میں جمع کرے لیکن اس سے کلی کرے پھر ناک میں پانی چڑھائے پھر کلی کرے پھر ناک میں چڑھائے پھر کلی کرے اور پھر ناک میں چڑھائے۔

(۴) دونوں کے درمیان دو چلو پانی کے ساتھ فرق کرے ان میں سے ایک کے ساتھ تین بار کلی کرے پھر دوسرے کے ساتھ تین بار ناک میں پانی چڑھائے۔

(۵) چھ چلوؤں کے ساتھ الگ الگ کرے تین چلوؤں سے کلی کرے پھر تین چلوؤں کے ساتھ ناک میں پانی چڑھائے۔ (احناف کے نزدیک یہی طریقہ سب سے بہتر ہے۔۱۲ ہزاروی)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا طریقہ صحیح ہے اور صحیح احادیث میں یہی مذکور ہے۔

امام احمد اور ابوثور رحمہما اللہ کے نزدیک ناک میں پانی چڑھانا واجب ہے یعنی ناک کے نتھنوں تک پانی پہنچے انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک وضو کرے تو اپنے ناک میں پانی ڈالے (چڑھائے) پھر ناک کو جھاڑے[۱] جمہور فقہاء' امام مالک' امام شافعی اور اہل کوفہ نے اسے مستحب قرار دیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اعرابی سے فرمایا اس طرح وضو کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اس میں استنشاق (ناک میں پانی چڑھانے) کا ذکر نہیں۔ واللہ اعلم

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۱۱' نصب الرایۃ ج ۱ ص ۷۶۳' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴)

وضو کی سنتیں

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حدیث نقل کی ہے جس میں ہے:

کان ﷺ یمسح الماقین. نبی اکرم ﷺ کنپٹیوں کا مسح کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ داڑھی کا مسح کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

''ابن ماجہ کی'' ایک روایت جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے رخساروں کو ملتے پھر داڑھی کی نچلی جانب سے انگلیاں ڈال کر خلال کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب وضو کرتے تو ایک چلو پانی لیتے اور اسے گردن کے نیچے سے داخل کر کے داڑھی کا خلال کرتے اور فرماتے مجھے میرے رب نے اسی بات کا حکم دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۵' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۵۴' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۳۹)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ وضو کرتے وقت اپنی انگوٹھی کو حرکت دیتے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور دارقطنی نے نقل کیا اور ضعیف قرار دیا۔

حضرت مستور بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب وضو کرتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں کو ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے ملتے (خلال کرتے) اس حدیث کو امام ترمذی' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا داہنا ہاتھ وضو اور کھانے کے لئے (استعمال) ہوتا اور

[۱] (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۔۲۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۰' سنن نسائی ج ۱ ص ۶۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۹' شرح السنہ ج ۱ ص ۴۱۲' نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴)

بایاں ہاتھ بیت الخلاء میں اور ناپاکی کے ازالے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

وضو میں مدد لینا

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے اور آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالتے اور آپ وضو فرماتے تھے۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: میں سفر و حضر میں وضو کے موقع پر نبی اکرم ﷺ (کے ہاتھوں) پر پانی ڈالتا تھا۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وضو میں پانی وغیرہ ڈالنے کے اعتبار سے کسی دوسرے سے مدد لی جاسکتی ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں اسی طرح پانی لانے میں بھی مدد ہوسکتی ہے لیکن ان دونوں حدیثوں میں وضو کرنے (یعنی اعضاء وغیرہ کو ملنے) میں دوسرے سے مدد لینے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

امام حاکم نے ''مستدرک میں'' حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پاس وضو کا پانی لے کر آئی تو آپ نے فرمایا: ٹھہر جا پس میں ٹھہر گئی۔

یہ حدیث اس بات میں نہایت واضح ہے کہ (مذکورہ بالا) دونوں حدیثوں سے عدم کراہت ثابت ہوتی ہے کیونکہ حالتِ اقامت کی بات ہے (سفر نہیں) اور اس میں طلب کا صیغہ ہے (امر کم از کم اباحت و استحباب کا تقاضا کرتا ہے)۔

وضو کے بعد اعضاء کو خشک کرنا

''جامع ترمذی میں'' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب وضو فرماتے تو کپڑے کی ایک جانب سے چہرۂ انور کو پونچھتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے وضو کے بعد (اعضاء کو) خشک کرتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مضبوط نہیں ابو معاذ راوی علماء حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔

وضو کی حاجت نہیں

نبی اکرم ﷺ نے سینگی لگوائی (خون نکلوایا) اور وضو نہیں فرمایا اور صرف اسی جگہ کو دھویا جہاں سے خون نکلوایا۔ اس حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا۔ [1]

نبی کریم ﷺ نے بکری کا شانہ تناول فرمایا پھر نماز پڑھی اور (نیا) وضو نہیں کیا اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

---

[1] احناف کے نزدیک جسم سے خون کا نکلنا وضو کو توڑ دیتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی جگہ سے بہہ کر آگے چلا جائے اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھی کیونکہ ہوسکتا ہے اس وقت صرف اسی جگہ کو دھولیا اور نماز کے وقت وضو کیا ہو اور یہ بات آپ کی خصوصیت بھی ہوسکتی ہے لہٰذا اس حدیث سے وضو نہ ٹوٹنے پر استدلال درست نہیں۔ ۱۲ ہزاروی۔

امام نسائی کے نزدیک یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا آخری معمول یہ تھا کہ آپ نے اس چیز کو تناول فرمانے کے بعد وضو کرنا چھوڑ دیا جس میں آگ کی وجہ سے تبدیلی آئے۔

نبی اکرم ﷺ نے دودھ نوش فرمایا اور کلی نہیں کی اور نہ ہی وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس ستو لائے گئے پھر ان کو پانی میں تر کیا گیا آپ نے ان میں سے کچھ تناول فرمایا پھر صرف کلی کر کے مغرب کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ [1]

اس حدیث کو امام بخاری، امام مالک اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت

آپ ﷺ جب نیند سے اٹھتے تو کبھی وضو فرماتے اور کبھی وضو نہ کرتے کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتا تھا جس طرح بخاری وغیرہ میں ہے۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نیند بے وضو ہونے کا سبب نہیں بلکہ بے وضو ہونے کا گمان ہے اگر اس سے آدمی بے وضو ہوتا تو آپ کو اس کا علم ہوتا پس خصوصیت اس کے واقع ہونے کا شعور ہونا ہے جب کہ دوسرے لوگوں کا معاملہ الگ ہے، خطابی فرماتے ہیں آپ کے دل کو سونے سے روکا گیا تا کہ آپ سے اس وحی کی حفاظت ہو سکے جو نیند کی حالت میں آتی تھی۔

فصل نمبر ۴

موزوں پر مسح کرنا

مسح کا جواز

حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ موزوں پر مسح متواتر احادیث سے ثابت ہے اور بعض حضرات نے ان کے راویوں کو جمع کیا تو وہ اسی سے تجاوز کر گئے ان میں دس عشرہ مبشرہ بھی ہیں (جن دس صحابہ کرام کو جنت کی خوشخبری دی گئی)۔ [2]

ابن عبد البر نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ فقہا سلف میں سے کسی نے اس کا انکار کیا ہو سوائے امام مالک رحمہ اللہ کے، حالانکہ ان سے صحیح روایات اس کے ثبوت کو واضح کرتی ہیں۔

---

[1] جن احادیث میں کھانا کھانے کے بعد وضو کرنے کا ذکر آتا ہے اس سے لغوی وضو یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔
(مشکوۃ شریف ص ۵۶۶)

امام شافعی رحمہ اللہ نے "کتاب الام" میں مالکی فقہ والوں کی طرف سے انکار کا اشارہ کیا ہے اور اب ان لوگوں کے نزدیک معروف بات جس پر وہ قائم ہیں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ مطلقاً جائز ہے اور دوسرا یہ کہ مسافر کے لئے جائز ہے مقیم کے لئے نہیں یہ دوسرا قول اس بات کا مقتضی ہے جو "المدونہ" میں ہے۔[1]

ابن حاجب نے اس کو اپنایا اور قطعی قرار دیا۔[2]

پاؤں دھونا افضل ہے یا مسح؟

ابن منذر نے کہا کہ علماء کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کیا ہے موزوں پر مسح کرنا یا موزے اتار کا پاؤں دھونا؟

مختار بات یہ ہے کہ مسح افضل ہے تا کہ ان لوگوں کا جواب ہو جنہوں نے اس پر طعن کیا اور وہ خارجی اور رافضیوں میں سے اہلِ بدعت ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ پاؤں دھونا افضل ہے کیونکہ یہ اصل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مسح کرنا ترک نہ کرے۔

پاؤں پر مسح

جن لوگوں نے کہا ہے کہ پاؤں پر مسح کافی ہے (دھونے کی ضرورت نہیں) انہوں نے ارشاد خداوندی "وارجلکم" سے یوں استدلال کیا کہ اس کا عطف "وامسحوا برؤوسکم" پر ہے (یعنی جس طرح سر کا مسح فرض ہے اسی طرح پاؤں کا مسح بھی فرض ہے)۔

صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت اس کے ظاہر کی طرف گئی ہے ایک ضعیف روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح منقول ہے لیکن آپ سے اس کے خلاف بھی ثابت ہے۔

حضرت عکرمہ، شعبی اور قتادہ رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ (پاؤں کو) دھونا یا مسح واجب ہے۔

بعض اہل ظاہر سے ہے کہ دونوں کو جمع کرے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ مشہور احادیث میں نبی اکرم ﷺ کا عمل اسی طرح ہے جیسا کہ ان شاء اللہ آئے گا (کہ آپ پاؤں مبارک کو دھوتے تھے) آپ کا عمل مراد کا بیان ہے۔

جمہور نے ان حضرات کو کئی جوابات دیئے ہیں۔

---

[1] یہ ضعیف ہے اور مشہور یہ ہے کہ مطلق حکم ہے الباجی نے اسے اصح قرار دیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۶۶)

[2] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے اور مشہور یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے اور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہے البتہ خوارج نے یہ بدعت اختیار کی کہ اس کا انکار کیا اس لئے کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں اور شیعہ نے اس لئے انکار کیا کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اس عمل سے دور رہے حالانکہ آپ سے یہ بات ثابت نہیں، امام کرخی فرماتے ہیں: جو شخص موزوں پر مسح کو جائز نہیں جانتا مجھے اس کے کفر کا خوف ہے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۲۶۶)

(ا) یہ وارجلکم (لام پرزبر کے ساتھ)''ایدیکم'' پرعطف کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ بھی کہا گیا کہ یہ ''برؤوسکم'' کے محل پر معطوف ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے:

یَا جِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرُ. (سبا:۱۰) اے پہاڑو! اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو! (تم بھی)۔

اس میں الطیر کو منصوب پڑھا گیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ آیت میں مسح کی مشروعیت سے مراد موزوں پر مسح ہے پس جر کے ساتھ قرأت کو موزوں پر مسح پر محمول کیا جائے گا اور نصب کے ساتھ قرأت پاؤں کو دھونے پر محمول ہوگی۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے جوار (قرب) کی وجہ سے مجرور قرار دیا وہ فرماتے ہیں: قرآن مجید میں اس کی کئی مثالیں ہیں جیسے:

عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ. (ھود:۲۶) اس دن کا دردناک عذاب۔

اسی طرح ''حور عین''. (الواقعہ:۲۲) کو حمزہ اور کسائی کی قرأت میں مجرور پڑھا گیا اور: ''جحر ضب خرب گوہ کا خراب سوراخ'' پڑھا جاتا ہے۔[۱] اور نحویوں کے ہاں اس سلسلے میں ایک باب ہے (جسے ان میں سے بعض عطف علی اللفظ دون المعنیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ زرقانی ج ۷ ص ۲۶۷)

اس کا فائدہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دونوں پاؤں پر پانی بہانے میں اعتدال سے کام لیا جائے اور ان کو اس طرح دھویا جائے جو مسح کے قریب ہو۔

موزوں پر مسح کے دلائل

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تبوک کی لڑائی میں حصہ لیا آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہمراہ برتن اٹھایا اور یہ صبح سے پہلے کی بات ہے (وہ فرماتے ہیں) جب آپ قضائے حاجت سے واپس تشریف لائے تو میں آپ کے ہاتھوں پر برتن سے پانی ڈالنے لگا' نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اور پاؤں دھوئے اور آپ کا ایک اونی جبہ تھا آپ اسے بازوؤں سے اوپر کرنے لگے تو اس کی آستینیں تنگ تھیں چنانچہ آپ نے جبے کے نیچے سے ہاتھ نکالا اور جبہ اپنے کاندھوں پر ڈال کر بازوؤں کو دھویا پھر اپنی پیشانی اور عمامہ [۲] پر مسح کیا۔ میں نیچے کی طرف جھکا تا کہ آپ کے موزے اتاروں تو آپ نے

---

[۱] ''الیم'' حقیقت میں ''عذاب'' کی صفت ہے یعنی دردناک عذاب لیکن ''یوم'' (مجرور) کے قرب کی وجہ سے اسے مجرور پڑھتے ہیں لہٰذا مجرور ہونے کے باوجود یہ یوم کی صفت نہیں اسی طرح ''حُوْرٌ عِیْنٌ' وِلْدَانٌ'' پر معطوف ہے لہٰذا مرفوع ہونا چاہیے لیکن ''اکواب اور اباریق'' مجرور کے قرب کی وجہ سے مجرور پڑھتے ہیں۔ (مکمل آیت اس طرح ہے یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ وَحُوْرٌ عِیْنٌ (الواقعہ:۲۳)

اسی طرح خرب' جحر کی صفت ہے لیکن ضب کے قرب کی وجہ سے مجرور ہے۔

[۲] چونکہ عمامہ شریف کو پکڑ کر پیچھے ہٹاتے ہوئے سر کا مسح فرمایا اس سے یہ خیال کیا گیا کہ عمامہ شریف پر مسح کیا۔ ۱۲ ہزاروی

فرمایا ان کو رہنے دو میں نے پاک پاؤں ان میں داخل کئے ہیں چنانچہ آپ نے ان (موزوں) پر مسح کیا اور پھر سوار ہو گئے اور میں بھی سوار ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث :۷۹، صحیح البخاری رقم الحدیث :۲۰۶۔۵۷۹۹، مسند احمد ج ۴ص ۲۵۱، السنن الکبریٰ ج ۱ص ۳۰۹، سنن دارمی ج ۱ص ۱۸۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث :۵۱۸، شرح السنہ ج ۱ص ۳۰۹۔ ج ۲ص ۴۴۰)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے موزوں کے ظاہر پر مسح کیا۔

امام ابوداؤد نے بھی ان کی حدیث سے نقل کیا اور یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے جرابوں اور نعلین مبارک پر مسح کیا۔[1]

انہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے موزوں پر مسح کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھول گئے ہیں؟ فرمایا بلکہ تم بھولے ہو مجھے میرے رب نے اسی بات کا حکم دیا ہے۔ یہ حدیث امام ابوداؤد اور امام احمد رحمہما اللہ نے نقل کی ہے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو عمامہ شریف اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

مدتِ مسح

حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مسافر کے لئے موزوں پر مسح تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات قرار دیا۔ (صحیح مسلم)

فصل نمبر ۵

نبی اکرم ﷺ کا تیمّم کرنا

جان لو کہ تیمم قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے اور یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

اس بات پر اجماع ہے کہ تیمم صرف چہرے اور ہاتھوں کا ہوتا ہے چاہے وہ حدث اکبر سے ہو یا حدث اصغر سے (غسل کی حاجت ہو تو یہ حدث اکبر ہے اور وضو فرض ہو تو حدثِ اصغر ہے۔۱۲ ہزاروی) اور برابر ہے تمام اعضاء کی طرف سے تیمم کرے یا بعض سے (مطلب یہ کہ بعض کو دھونا تھا اور بعض کا مسح کرنا)۔

تیمم کے طریقے میں اختلاف ہے ہمارا اور اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس میں دو ضربیں ضروری ہیں ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لئے۔[2]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] اس سے وہ جرابیں مراد ہیں جن پر چمڑا چڑھا ہوا تھا محض جرابوں پر مسح نہیں فرمایا۔۱۲ ہزاروی

[2] تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ طہارت کی نیت کرتے ہوئے پاک مٹی یا ریت وغیرہ پر دونوں کو کھلا رکھتے ہوئے مارے اور پھر زائد مٹی کو جھاڑتے ہوئے چہرے کا مسح کرے دوبارہ پھر مٹی پر مار کر دونوں بازوؤں کا اچھی طرح مسح کرے تیمم مکمل ہو گیا چاہے وضو کی جگہ ہو یا غسل کے لئے۔

۱۲ ہزاروی

فضلنا على الناس بثلاث جعلت صفوفنا كصفوف الملائكة وجعلت لنا الارض كلها مسجدا جعلت تربتها لنا طهورا اذا لم نجد الماء.

ہمیں لوگوں پر (پہلی امتوں پر) تین باتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی۔ ہماری صفیں، فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئیں ہمارے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ بنایا گیا اور اس کی مٹی کو ہمارے لئے طہارت کا ذریعہ بنایا گیا جب ہم پانی نہ پائیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۳۵' مشکل الآثار ج ۱ ص ۴۵۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۶' کنزالعمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۲_۳۲۰۷۵)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا' اس طرح ہے:

جعلت الارض كلها لى ولامتى مسجدا وطهورا.

تمام زمین کو میرے لئے اور میری امت کے لئے مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا۔

یہ عام ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص ہے پس عام کو خاص پر محمول کرنا چاہیے لہٰذا پاکیزگی حاصل کرنا مٹی کے ساتھ خاص ہے۔

بعض حضرات نے لفظ ''التــربة'' (مٹی) سے استدلال کر کے تیمم کو مٹی کے ساتھ خاص کرنے سے منع کیا انہوں نے کہا کہ ہر جگہ کی تربت وہ ہوتی ہے جس میں مٹی یا اس کے علاوہ ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ حدیث شریف میں لفظ تـراب (مٹی) آیا ہے یہ حدیث ابن خزیمہ وغیرہ نے نقل کی ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

وجعل لى التراب طهورا.

میرے لئے مٹی کو پاکیزگی کا ذریعہ بنایا گیا۔

اس حدیث کا امام احمد اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے حسن سند کے ساتھ نقل کیا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں ناپاکی کی حالت میں ہوں اور مجھے پانی نہیں ملا' حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم دونوں ایک سفر میں تھے آپ نے نماز نہ پڑھی لیکن میں زمین پر لوٹ پوٹ ہوا اور میں نے نماز پڑھ لی میں نے یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے صرف اتنا کافی تھا اور آپ نے اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر مارا پھر ان میں پھونکا اور اس کے بعد ان دونوں سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۴' سنن نسائی ج ۱ ص ۱۶۶_۱۷۰' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۴' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۴۴' سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۹' الدرالمنثور ج ۲ ص ۱۶۷' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۹_۲۱۰_۲۱۶)

پھونکنے سے استدلال کیا گیا کہ مٹی کو ہلکا کرنا مستحب ہے اور تیمم میں تکرار کا مستحب (سنت) ہونا ساقط ہو گیا کیونکہ تکرار سے عدم تخفیف (یعنی مٹی کا زیادہ لگنا) لازم آتا ہے۔

حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا اور

آپ پیشاب فرمارہے تھے میں نے سلام کیا تو آپ نے سلام کا جواب نہ دیا حتیٰ کہ دیوار کی طرف کھڑے ہوئے اور عصا مبارک سے اسے کھرچا پھر اپنے ہاتھوں کو دیوار پر رکھا اور اس سے چہرے اور بازوؤں کا مسح کیا پھر میرے سلام کا جواب دیا۔

اس حدیث کو امام بغوی نے "شرح السنہ میں" نقل کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ وہ دیوار مباح ہو یا ایسے آدمی کی ملکیت ہو جس کی رضا معلوم ہو (کہ وہ اعتراض نہیں کرے گا)۔

فصل نمبر ۶

نبی اکرم ﷺ کا غسل

غسل کا لغوی معنیٰ اور حقیقت

لفظ غسل غین کے ضمہ (پیش کے ساتھ) غسل کرنے کا اسم ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب اس سے پانی مراد ہو تو وہ غین کے ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے لیکن مصدر میں ضمہ اور فتح (پیش اور زبر) دونوں جائز ہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ فتح (زبر) کے ساتھ مصدر ہے اور اغتسال یعنی غسل ضمہ کے ساتھ ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ غسل فتح کے ساتھ غسل کرنے والے کے فعل کو کہتے ہیں اور ضمہ کے ساتھ وہ پانی ہے جس سے غسل کیا جاتا ہے اور کسرہ کے ساتھ جو چیز پانی کے ساتھ ملائی جاتی ہے جس طرح اشنان (ایک بوٹی ہے)۔

اور غسل کی حقیقت اعضاء پر پانی کو جاری کرنا ہے۔

جب کہ اغتسال کی حقیقت تمام اعضاء کو اس طرح دھونا کہ نیت کے ذریعے عبادت کو عادت سے ممتاز کیا جائے۔

فرضیتِ غسل کی دلیل

ناپاک آدمی پر غسل کے فرض ہونے کی دلیل اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا. (المائدہ:۶) — اور اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو جاؤ۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا. (النساء:۴۳) — اور نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے میں ہو حتیٰ کہ جان لو جو کچھ تم کہتے ہو اور نہ حالت جنابت میں مگر تم راستہ عبور کرنے والے ہو حتیٰ کہ غسل کر لو۔

پہلی آیت میں اجمال ہے اور وہ "فاطھروا" ہے جسے دوسری آیت میں "حتی تغتسلوا" (حتیٰ کہ غسل کر لو) کے الفاظ سے اسے بیان فرمایا اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے جو حیض والی عورت کے بارے میں فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ. (البقرہ:۲۲۲)

اوران کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں اور جب وہ پاک ہو جائیں (تو ان کے قریب جانے میں کوئی حرج نہیں)۔

اوراس طہارت کی تفسیر بالاتفاق غسل سے کی گئی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے پاس ایک غسل کے ساتھ تشریف لے جاتے (یعنی آخر میں ایک بار غسل فرماتے) اسی کو امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک دن اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے تو ان کے پاس بھی غسل فرمایا اوران کے پاس بھی' فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ صرف آخر میں ایک بار غسل نہیں فرماتے؟ آپ نے فرمایا: یہ طریقہ زیادہ پاکیزگی اور طہارت کا باعث ہے۔اس حدیث کو امام احمد' امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۱۹' مسند احمد ج ۶ ص ۸'السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۴۔ ج ۷ ص ۱۹۲' المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۰۷)

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دو مرتبہ یا دو بیویوں سے جماع کے درمیان غسل فرض نہیں البتہ جمہور نے وضو کرنا مستحب قرار دیا ہے۔

حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وضو مستحب نہیں مالکیہ میں سے ابن حبیب نے اسے واجب قرار دیا ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

اذا اتی احدکم اھلہ ثم اراد ان یعود فلیتوضأ بینھما وضوء. (رواہ مسلم)

جب تم میں سے کوئی (عورت کے پاس) دوبارہ جانے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ دونوں بار کے درمیان وضو کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۱۷' المستدرک ج ۱ ص ۱۵۲' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۳۔۲۰۴۔ ج ۷ ص ۱۹۲' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۹۵' کنز العمال رقم الحدیث:۴۴۸۵۵)

بعض حضرات نے اس سے لغوی وضو مراد لیا ہے وہ فرماتے ہیں اس سے استنجاء کرنا مراد ہے۔

غسل کا طریقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو ہاتھوں کو دھونے سے ابتدا کرتے پھر نماز کے وضو کی طرح وضو فرماتے پھر اپنی انگلیوں کو پانی میں داخل کر کے ان کے ساتھ بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے (یعنی تر کرتے) اس کے بعد سر انور پر تین چلو پانی ڈالتے اوراس کے بعد پورے جسم پر پانی بہاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۸۔۲۶۲۔۲۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۴۲)

یہ بھی احتمال ہے کہ ہاتھوں کو اس لئے دھوتے ہوں کہ ان کے ذریعے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سونے سے بیدار ہونے کی صورت میں غسل کا شرعی طریقہ یہی ہو۔

اس حدیث میں ابن عیینہ کا اضافہ جو ابن ہشام سے روایت کیا اس بات پر دلالت کرتا ہے اس میں ''برتن میں داخل کرنے سے پہلے'' کے الفاظ کا اضافہ ہے۔

امام شافعی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے بھی اس اضافے کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے' امام ترمذی نے یہ اضافہ بھی نقل کیا کہ پھر استنجاء فرماتے اور امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے بھی اسی طرح نقل کیا۔

اور یہ زیادتی بہت اچھی ہے کیونکہ شرمگاہ کو پہلے دھونے سے غسل کے دوران شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے بچ جاتا ہے۔[1] اور ہو سکتا ہے کہ غسل سے پہلے وضو کے ساتھ ابتدا کرنا مستقل سنت ہو کہ باقی جسم کے ساتھ وضو کے اعضاء کو دھونا واجب ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وضو میں ہاتھوں کو دھونے پر اکتفاء کیا جائے اور دوبارہ نہ دھوئے جائیں تو اس طرح پہلے عضو میں غسل جنابت کی نیت کرنا ضروری ہوگی۔[2]

وضو کے اعضاء کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو شرف حاصل ہے نیز اس لئے کہ دونوں طہارتوں یعنی طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ کی صورت حاصل ہو جائے۔

ابن بطال نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ غسل کے ساتھ وضو واجب نہیں۔

لیکن یہ بات رد کی گئی ہے کیونکہ ایک جماعت جس میں ابوثور اور داؤد وغیرہ بھی ہیں اس بات کی طرف گئے ہیں کہ بے وضو آدمی کے لئے غسل وضو کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔[3]

حدیث میں جو بالوں میں خلال کا ذکر آیا تو اس سے سر کے بال مراد ہیں اور اس پر حماد بن سلمہ کی ہشام سے روایت جو امام بیہقی نے نقل کی ہے' دلالت کرتی ہے اس میں ہے کہ آپ سرِ انور کی دائیں طرف خلال فرماتے اور انگلیوں کو بالوں کی جڑوں تک لے جاتے پھر بائیں جانب اسی طرح کرتے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے بعض حضرات نے غسل کے دوران داڑھی کے بالوں کا خلال کرنے پر استدلال کیا ہے یا تو ''اصول الشعر'' (بالوں کی جڑوں تک) کے الفاظ کے عموم سے یا سر کے بالوں پر قیاس کرتے ہوئے۔

خلال کرنے کا فائدہ بالوں اور چمڑے تک پانی پہنچانا ہے اور بالوں کا ہاتھوں سے تعلق قائم کرنا ہے تاکہ پانی کے ساتھ بالوں کو گھیر لیا جائے اور یہ خلال بالاتفاق واجب نہیں ہے البتہ بالوں پر کوئی چیز مہندی وغیرہ لگی ہوئی ہو جو پانی کے بالوں کی جڑوں تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو (تو یہ خلال ضروری ہے)۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۷۷)

---

[1] بعض ائمہ کرام کے نزدیک شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ گفتگو اس حوالے سے فرمائی گئی ہے لیکن احناف کے نزدیک شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔ ۱۲ ہزاروی۔

[2] احناف کے نزدیک غسل جنابت کی نیت ضروری نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] ہمارے نزدیک غسل میں وضو کرنا سنت ہے اور اس وضو کے بعد دوبارہ وضو کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ۱۲ ہزاروی

اعضاء کا ملنا

اعضاء کو ملنے کے وجوب میں اختلاف ہے اور اکثر حضرات اسے واجب قرار نہیں دیتے۔

حضرت مالک اور مزنی سے اس کا وجوب منقول ہے۔ ابن بطال نے اس پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ غسل کے وقت وضو کے اعضاء پر ہاتھ پھیرنے کے وجوب پر اجماع ہے پس اس پر قیاس کرتے ہوئے غسل میں بھی واجب ہوگا کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ جو لوگ ملنے کو واجب قرار نہیں دیتے وہ اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ ہاتھ کو پھیرنے کی بجائے پانی میں ڈالا جائے لہٰذا اجماع باطل ہوگیا اور لزوم کی نفی ہوگئی۔

غسل میں اعضاء کو تین بار دھونا

اس حدیث میں تین چلو کا ذکر ہے جو اس بات پر دلالت ہے کہ غسل میں تین بار پانی ڈالنا مستحب ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں اس سلسلے میں اختلاف معلوم نہیں مگر ماوردی نے انفرادیت اختیار کی انہوں نے فرمایا کہ غسل میں تکرار مستحب نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''فتح الباری میں'' ذکر کیا جس کا خلاصہ میں نے ذکر کیا میں کہتا ہوں شیخ ابو علی السنجی (یا سخی) نے بھی اسی طرح فرمایا نیز قرطبی نے بھی یہی فرمایا۔

اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے غسل کے لئے پانی رکھا گیا تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو دو یا تین بار دھویا پھر اپنے ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ کو دھویا پھر ہاتھ کو زمین پر ملا اس کے بعد کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے اس کے بعد اپنے جسم پر پانی ڈالا پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں مبارک دھوئے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۵)

اس حدیث میں گنتی کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا بس اسے اس پر محمول کیا جائے جسے کم از کم غسل کہا جاسکے اور وہ ایک بار ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ ایک سے زائد نہ ہو۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا جائز ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ احناف نے ان دونوں باتوں کو واجب قرار دیا اور اس حدیث سے استدلال کیا۔ [1]

لیکن اس پر یہ اعتراض ہوا کہ محض فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا مگر یہ کہ مجمل کا بیان ہو تو اس سے وجوب متعلق ہو جائے گا لیکن یہ ایسی بات نہیں ہے۔

پاؤں کو آخر میں دھونا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز کے وضو جیسا وضو کیا البتہ پاؤں کو چھوڑ دیا

---

[1] غسل جنابت کے حوالے سے قرآن مجید میں ''فاطھروا'' کے الفاظ آئے ہیں جس کا مطلب خوب پاک ہونا ہے اور جب تک کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا نہ پایا جائے خوب پاک ہونے کی صورت پیدا نہ ہوگی اس لئے یہ ضروری ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اور شرمگاہ کو دھویا اور جو کچھ اس سے لگا ہوا تھا پھر اپنے اوپر پانی ڈالا اس کے بعد اپنے پاؤں کو وہاں سے ہٹایا اور ان کو دھویا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۹-۲۵۷-۲۶۶-۲۷۶-۲۸۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۶، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴-۲۲، مسند احمد ج۶ ص ۲۲۷-۲۳۶)

اس حدیث میں واضح ہے کہ غسل کے وضو میں پاؤں کو آخر میں دھویا جائے اور یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ظاہر کے خلاف ہے۔

لیکن دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو مجاز پر محمول کیا جائے یا کسی دوسری حالت پر محمول کیا جائے تو ان دونوں حالتوں کے اختلاف کی وجہ سے علماء کی نظر میں اختلاف ہوا۔

جمہور اس طرف گئے ہیں کہ پاؤں کو دھونے کی تاخیر مستحب ہے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وہ جگہ پاک نہ ہو تو تاخیر مستحب ہے ورنہ پہلے دھونا مستحب ہے۔ شافعی مسلک والوں کے نزدیک افضیلت میں دو قول ہیں امام نووی فرماتے ہیں زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور اور زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ وضو کو مکمل کرے (اگر وہاں پانی نہ ٹھہرتا ہو تو پہلے بھی دھو سکتے ہیں)۔ (فتح الباری ج۱ ص ۴۷۷)

غسل کے وضو میں سر کا مسح نہ کیا جائے

اس حدیث کے کسی طریق میں اس وضو میں سر کے مسح پر واضح حکم نہیں ہے اور مالکی فقہ والوں نے اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ غسل کے لئے کئے جانے والے وضو میں سر کا مسح نہ کیا جائے بلکہ اسے دھونے پر اکتفا کیا جائے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اما انا فافیض علی راسی ثلاثا واشار بیدیہ کلتیھما. جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اپنے سر پر تین بار پانی بہاتا ہوں اور آپ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۷۵، مسند احمد ج۳ ص ۳۰۴۔ ج۴ ص ۸۵، السنن الکبریٰ ج۱ ص ۱۷۶-۱۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۳۰۹، المعجم الکبیر ج۲ ص ۱۱۲-۱۱۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۳۵۱-۲۷۳۸۱)

"صحیح بخاری میں ہی" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نماز کے لئے اقامت کہی گئی اور کھڑے ہونے کی صورت میں صفیں درست کر دی گئیں تو رسول اکرم ﷺ ہماری طرف تشریف لائے جب آپ مصلّے پر کھڑے ہوئے تو جنبی ہونا یاد آیا آپ نے فرمایا: تم لوگ اپنی جگہ ٹھہرو پھر واپس تشریف لے گئے اور غسل کر کے ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے سر انور سے قطرے ٹپک رہے تھے چنانچہ آپ نے تکبیر فرما کر ہمیں نماز پڑھائی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۷-۱۵۸، سنن نسائی ج۲ ص ۸۱-۸۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۵، مسند احمد ج۲ ص ۲۳۷-۲۸۳-۵۱۸- ج۵ ص ۴۱، السنن الکبریٰ ج۲ ص ۳۹۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۶۴۲، نصب الرایۃ ج۱ ص ۸۹)

حدیث میں لفظ "ذکر" ہے جو تذکر یعنی آپ کو یاد آیا کے (معنی) میں ہے اور آپ تشریف لے گئے زبان سے کچھ نہیں فرمایا راوی کو قرائن کے ذریعے علم ہوا یا بعد میں آپ نے بتایا کہ آپ کیوں تشریف لے گئے تھے۔

اور تکبیر کہنے کا جو ذکر ہے کہ تکبیر کہہ کر نماز پڑھائی اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اقامت پر اکتفاء فرمایا پس اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اقامت اور نماز شروع کرنے میں زیادہ وقفہ جائز ہے۔[1]

اعضاء کو خشک کرنے کا حکم

"صحیح بخاری میں" حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت منقول ہے فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کے غسل کے لئے پانی رکھا اور کپڑے کے ساتھ پردہ کیا آپ نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر ان کو دھویا پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر ڈالا اور استنجاء کیا اس کے بعد ہاتھ مبارک کو زمین پر مار کر اس کو زمین پر ملا پھر دھویا' کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا اور چہرے اور بازوؤں کو دھویا پھر سر انور پر پانی ڈالا اور اپنے تمام جسم پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو دھویا میں نے آپ کو کپڑا دیا تو آپ نے نہ لیا اور ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے چلے گئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۵)

بعض حضرات نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے کہ "میں نے آپ کو کپڑا دیا تو آپ نے نہ لیا" غسل کے بعد جسم کو خشک کرنے کی کراہت پر استدلال کیا ہے۔

لیکن اس میں ان کے لئے کوئی حجت نہیں کیونکہ یہ ایک حالت کا وقوع ہے جس میں کئی احتمال ہیں' ہو سکتا ہے کسی دوسری وجہ سے کپڑا نہ لیا ہو خشک کرنے کی کراہت سے تعلق نہ ہو بلکہ کوئی ایسی بات ہو جس کا تعلق اس کپڑے سے ہو یا کوئی اور بات ہو۔

مہلب (بن احمد بن ابی صفرہ تمیمی اندلسی متوفی ۴۳۳ھ) فرماتے ہیں ہو سکتا ہے آپ نے کپڑا اس لئے نہ لیا ہو کہ انگلیوں کی رطوبت کی برکت باقی رہے یا تواضع کے طور پر ایسا کیا ہو یا ممکن ہے کپڑے میں ریشم یا میل وغیرہ دیکھی ہو۔
(کشف الظنون ج ۱ ص ۵۴۵)

اس حدیث کے سلسلے میں امام احمد حضرت اعمش سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے یہ بات ذکر کی تو انہوں نے فرمایا رومال میں کوئی حرج نہیں آپ نے اسے اس لئے نہ لیا کہ کہیں عادت نہ بن جائے۔

حضرت تیمی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ جسم خشک کرتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رومال پیش نہ کرتیں۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۴۵)

ابن دقیق العید فرماتے ہیں آپ کا ہاتھوں سے پانی جھاڑنا اس بات پر دلالت ہے کہ خشک کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دونوں عمل پانی کے ازالہ کے لئے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) نے اس میں پانچ وجوہ پر اختلاف کیا جن میں سے سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ تولیہ وغیرہ استعمال نہ کرنا مستحب ہے' مکروہ بھی کہا گیا محض جائز بھی کہا گیا' مستحب

[1] امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات معمولی وقفہ پر محمول ہے اگر وقت زیادہ ہو جائے تو تکبیر دوبارہ پڑھنا ہوگی اور اس حدیث میں وقت کے کم ہونے پر دلالت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اپنی جگہ کھڑے رہو اور یہ کہ آپ تشریف لائے اور پانی کے قطرے گر رہے تھے۔
(زرقانی ج ۷ ص ۲۷۸)

ہونے کا قول بھی کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ گرمیوں میں مکروہ ہے' سردیوں میں مباح ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہاتھوں سے غسل کا پانی جھاڑنا جائز ہے اسی طرح وضو کا پانی بھی' لیکن اس سلسلے میں ایک ضعیف حدیث ہے جسے امام رافعی وغیرہ نے نقل کیا ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

لا تنفضو ایدیکم فی الوضوء فانها مراوح الشیطان. وضو میں اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑو بے شک یہ شیطانی پنکھے ہیں۔

ابن صلاح نے کہا کہ میں نے اسے نہیں پایا' امام نووی رحمہ اللہ نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔

سونے سے پہلے جنابت سے وضو کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ جب آرام فرمانے کا ارادہ کرتے اور آپ حالتِ جنابت میں ہوتے تو اپنی شرمگاہ کو دھوتے اور نماز کے وضو جیسا وضو کرتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۸)

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس وضو سے محض پاکیزگی حاصل کرنا مراد لیتے ہیں۔

نماز جیسا وضو کے الفاظ سے شرعی وضو مراد ہے لغوی وضو (محض ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) مراد نہیں یہ مطلب نہیں کہ آپ نماز کے لئے وضو فرماتے (اس کے لئے غسل ضروری تھا)۔

اس میں حکمت یہ تھی کہ حدث کم ہو خصوصاً اس قول کے مطابق کہ جماع اور غسل کے درمیان تفریق ہو سکتی ہے (یعنی فوری طور پر ضروری نہیں) پس آپ اس کی نیت کرتے تو ان مخصوص اعضاء سے حدث اٹھ جاتا صحیح بات یہی ہے۔

اس کی تائید حضرت ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہوتی ہے جس کے راوی ثقہ ہیں وہ حضرت شداد بن اوس صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

اذا اجنب احد کم من اللیل ثم اراد ان ینام فلیتوضأ فانه نصف غسل الجنابة. جب تم میں سے کوئی ایک رات کے وقت جنبی ہو جائے پھر سونے کا ارادہ کرے تو وضو کر لے یہ غسلِ جنابت کا نصف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ دو طہارتوں میں سے ایک ہے پس اس بنیاد پر تیمم اس کے قائم مقام ہوگا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب حالتِ جنابت میں ہوتے اور آرام فرمانے کا ارادہ کرتے تو وضو کرتے یا تیمم فرماتے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں تیمم پانی کی تنگی کی وجہ سے ہو اس کے علاوہ بھی کہا گیا۔ (فتح الباری سے خلاصہ مکمل ہوا)۔

دوسری نوع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر

تمہید عام

نماز کے ذریعے بندگی کی حقیقت حاصل ہوتی ہے اور ربوبیت کا حق ادا ہوتا ہے باقی تمام عبادات نماز کے اسرار کو ثابت کرنے کے لئے وسائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نمازی کے لئے ہر رکعت میں وہ تمام باتیں جمع کر دی ہیں جو آسمان والوں پر جدا جدا لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے اس وقت سے رکوع میں ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا وہ قیامت تک رکوع سے نہیں اٹھیں گے اسی طرح سجدے' قیام اور قعدے کا معاملہ ہے۔

اسی طرح نماز میں وہ تمام عبادات جمع کر دی ہیں جو اس کے غیر میں جمع نہیں ہیں۔ ان میں طہارت ہے' خاموشی ہے' قبلہ رخ ہونا' تکبیر سے آغاز' قرأت' قیام' رکوع' سجدہ' رکوع میں تسبیح' سجدے میں دعا (تسبیح) وغیرہ ہے۔

تو نماز متعدد عبادات کا مجموعہ ہے کیونکہ ذکر مستقل عبادت ہے' قرأت بھی الگ عبادت ہے اسی طرح نماز کا ہر فرد مستقل عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو نماز کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ. (العنکبوت: ۴۵) — آپ کی طرف کتاب سے جو وحی کی گئی اسے پڑھیں اور نماز قائم کریں۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. (طٰہٰ: ۱۳۲) — اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور اس پر صبر کریں۔

جس طرح ابن عطاء اللہ کی کتاب ''التنویر فی اسقاط التدبیر'' میں بتایا گیا۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۰۲)

اللہ تعالیٰ اس کی مدد سے ہمیں متمتع فرمائے' اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں تکلیف اور مشقت ہے کیونکہ یہ لوگوں کی مشغولیت کے وقت پڑھی جاتی ہے پس ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ کام کاج چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جائیں اور غیر خدا سے اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ ہو جائیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا:

وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. (طٰہٰ: ۱۳۲) — اس پر صبر کیجئے۔

وہ فرماتے ہیں نماز میں کھڑے ہونا بندگی کی تکالیف سے ہے اور اس کے لئے قیام بشری تقاضوں کے خلاف ہے اس بات پر یہ آیت دلالت کرتی ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ. (البقرہ: ۴۵) — اور صبر و نماز کے ذریعے مدد طلب کرو اور یہ البتہ بھاری ہے مگر خشوع و خضوع کرنے والوں پر۔

پس صبر اور نماز کو ملانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں صبر کی حاجت ہوتی ہے' اس کے اوقات کی پابندی پر صبر' اس کی سنتوں اور واجبات کو قائم کرنے پر صبر اور ایسا صبر جو دلوں کو غفلت سے روکے' اسی لئے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ O (البقرہ:۴۵) اور بے شک یہ بھاری ہے سوائے خشوع کرنے والوں کے۔

تو نماز کا ذکر الگ کیا اور صبر کا ذکر الگ نہیں کیا اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا (صبر مراد ہوتا) تو ''وانہ لکبیر'' ہوتا (یعنی انھانہ ہوتا بلکہ مذکر کی ضمیر ہوتی) پس یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں جو ہم نے کہی (نماز کا گراں ہونا) یا اس لئے کہ صبر اور نماز ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور باہم لازم ہیں پس ان میں سے ایک بعینہ دوسری چیز ہے۔ جس طرح دوسری آیت میں فرمایا:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ. (التوبہ:۶۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان کو راضی کریں۔

''کتاب التنویر سے'' تلخیص مکمل ہوئی۔

پھر اس سلسلے میں کلام پانچ اقسام میں منقسم ہے۔

پہلی قسم

فرائض اور ان کے متعلقات

اس میں کئی ابواب ہیں۔

پہلا باب:

پانچ نمازیں

اس میں کئی فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

فرضیتِ نماز

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: معراج کی رات نبی اکرم ﷺ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر کم ہوتی گئیں حتیٰ کہ پانچ رہ گئیں پھر پکارا اے محمد! (ﷺ) میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی آپ کے لئے ان

پانچ کے بدلے پچاس ہیں (یعنی پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا)۔

امام ترمذی نے اسے اسی طرح مختصر روایت کیا اور امام بخاری و مسلم نے طویل حدیث کے ضمن میں نقل کیا جو معراج شریف کے بیان میں اپنے مباحث کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان پر حالت اقامت میں چار' سفر میں دو اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم' ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۴۷)

''حالت خوف میں ایک رکعت'' کا مطلب یہ ہے کہ ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری الگ پڑھے (ورنہ محض ایک رکعت نماز کو حضور ﷺ نے بتیرا (دم کٹی) نماز قرار دیا)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے (فرماتی ہیں) اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض کی تو دو' دو رکعتیں فرض فرمائی پھر اسے حالتِ اقامت میں چار رکعتوں کی صورت میں پورا کیا اور سفر کی نماز کو پہلی فرضیت (دو رکعتوں) پر برقرار رکھا۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب الہجرۃ میں'' معمر کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت زہری سے وہ حضرت عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نماز دو' دو رکعتوں کی صورت میں فرض ہوئی پھر نبی اکرم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو چار رکعتیں فرض ہوئیں۔

اس روایت سے اس بات کا تعین ہو گیا کہ پہلی روایت میں حالت اقامت کی نماز میں جس اضافے کا ذکر ہے وہ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔

حنفی فقہاء نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا اور اسے اپنے مسلک کی بنیاد قرار دیا کہ سفر میں قصر عزیمت ہے' رخصت نہیں (مطلب یہ کہ اصل ہے لہٰذا قصر ضروری ہے ایسا نہیں کہ اسے دو اور چار رکعتوں میں اختیار دیا گیا ہو۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ان (احناف) کے مخالفین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ. (النساء: ۱۰۱) — تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو۔

(وہ کہتے ہیں) حرج کی نفی عزیمت پر دلالت نہیں کرتی اور قصر کسی ایسی چیز سے ہوتی ہے جو اس کے مقابلے میں طویل ہو۔

اس کے رخصت ہونے پر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی دلالت کرتا ہے آپ نے فرمایا:

صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته. — یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا پس اس کے صدقہ کو قبول کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۹۹۔۱۲۰۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۶۵' سنن نسائی ج ۳ ص ۱۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۔۳۶' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۴۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۳۵' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۰۹' شرح السنہ ج ۱ ص ۵۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۱۷۵)

اور حدیث میں جو آیا کہ نماز دو رکعتوں کے طور پر فرض ہوئی یعنی سفر میں تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو ان دو پر اکتفا کرنا چاہے (وہ ایسا کرے) اس طرح روایات کو جمع کیا جا سکتا ہے۔[1]

یہ بات "المجموع" میں فرمائی ہے۔

فصل نمبر ۲

نماز کے ان اوقات کا تعین جن میں نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی

اوقاتِ نماز

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ کو نماز کے اوقات بتائیں پس حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے اور نبی اکرم ﷺ ان کے پیچھے تھے جب کہ باقی لوگ آپ کے پیچھے تھے انہوں نے ظہر کی نماز پڑھائی جب سورج ڈھل گیا پھر آپ کے پاس اس وقت آئے جب سایہ ان کے اصلی سایہ کی ایک مثل ہو گیا۔

پس اسی طرح کیا جس طرح پہلے کیا تھا حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے ان کے پیچھے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے پیچھے لوگ تھے پس عصر کی نماز پڑھی پھر حضرت جبریل علیہ السلام غروب آفتاب کے وقت آئے اور آگے بڑھے نبی اکرم ﷺ ان کے پیچھے اور لوگ آپ کے پیچھے تھے چنانچہ مغرب کی نماز پڑھی پھر حضرت جبریل علیہ السلام اس وقت آئے جب شفق غائب ہو گئی حضرت جبریل علیہ السلام آگے بڑھے رسول اکرم ﷺ ان کے پیچھے اور لوگ آپ کے پیچھے تھے پس نماز عشاء پڑھی پھر جب فجر پھوٹ گئی تو حاضر ہو کر آگے بڑھے' نبی اکرم ﷺ ان کے پیچھے اور لوگ آپ کے پیچھے تھے چنانچہ فجر کی نماز پڑھی۔

پھر دوسرے دن اس وقت حاضر ہوئے جب آدمی کا سایہ اس کی ایک مثل ہو جاتا ہے تو کل کی طرح کیا اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اس وقت آئے جب آدمی کا سایہ اس کی دو مثل ہو جاتا ہے چنانچہ کل کی طرح کیا اور عصر کی نماز پڑھی پھر غروب آفتاب کے وقت آئے اور کل کی طرح عمل کیا اور مغرب کی نماز پڑھی پھر شفق غائب ہونے پر آئے اور کل کی طرح عمل کرتے ہوئے عشاء کی نماز پڑھی پھر اس وقت حاضر ہوئے جب فجر پھیل گئی اور صبح ہو گئی۔ اور کل کی طرح عمل کرتے ہوئے فجر کی نماز پڑھائی پھر فرمایا ان دو وقتوں کے درمیان (نماز کا) وقت ہے۔

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

---

[1] حدیث میں قصر کو صدقہ قرار دینا اسی بات کی دلیل ہے کہ دو رکعتوں پر اکتفا ضروری ہے ورنہ صدقہ قبول نہ کرنے کا گناہ لازم ہوگا اسی لئے احناف کے نزدیک دو رکعتیں پڑھنا عزیمت ہے رخصت نہیں جہاں تک "لا جناح" کے الفاظ کا تعلق ہے تو وہ صفا مروہ کے درمیان سعی کے بارے میں بھی آئے ہیں حالانکہ سعی واجب ہے۔ ۱۲ ہزاروی

ایک اور روایت میں ہے' فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے کے برابر تھا پھر عصر کی نماز پڑھی جب سایہ تسمے کے برابر تھا اور آدمی کا سایہ اس کی مثل ہو گیا پھر مغرب کی نماز پڑھی جب سورج غروب ہوگیا پھر عشاء کی نماز پڑھی جب شفق غائب ہوگئی پھر فجر کی نماز فجر ہونے پر پڑھی پھر دوسرے دن (ظہر کی) نماز پڑھی جب سایہ آدمی کے قد کے برابر ہوگیا پھر عصر کی نماز پڑھی جب آدمی کا سایہ اس کی دو مثل ہوگیا پھر مغرب کی نماز پڑھی جب سورج غروب ہوگیا پھر عشاء کی نماز پڑھی جب رات کا ایک تہائی ہوگیا یا آدھی رات گزر گئی' ایک راوی کو شک ہے پھر فجر کی نماز سفیدی میں پڑھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام نے دو مرتبہ میری امامت کی پس مجھے پہلی مرتبہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سایہ تسمے کی مثل تھا پھر عصر کی نماز پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہوگیا پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج غروب ہوگیا اور روزہ دار نے روزہ افطار کرلیا پھر عشاء کی نماز شفق کے غروب ہونے پر پڑھی پھر فجر کی نماز پڑھی جب فجر چمک گئی اور روزہ دار پر کھانا حرام ہوگیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۳۔۳۵۴' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۴۔۳۶۶۔ ۳۷۲' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۷۶' المستدرک ج ۱ ص ۱۹۶' نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۲۱۔۲۲۵۔۲۲۷' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۱۵' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۵۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۲۵۵۔۱۹۲۵۵)

اور دوسری مرتبہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہوگیا جو پہلے دن عصر کا وقت تھا پھر عصر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی دو مثل ہوگیا پھر مغرب کی نماز پہلے دن کی طرح اسی وقت میں پڑھائی پھر عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب رات کا تہائی حصہ چلا گیا اس کے بعد صبح کی نماز پڑھائی جب سفیدی (روشنی) ہوگئی پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: اے محمد! ﷺ! یہ آپ سے پہلے کے انبیاء کرام کا وقت ہے اور آپ کا وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔

اور یہ فرمانا کہ ''ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہوگیا'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب فارغ ہوئے تو یہ وقت تھا جس طرح پہلے دن عصر کی نماز شروع کرنے کا یہی وقت تھا اس طرح ان دونوں وقتوں (ظہر وعصر) میں اشتراک نہیں ہوگا اس پر ''صحیح مسلم کی'' حدیث دلالت کرتی ہے جس میں فرمایا: ظہر کا وقت وہ ہے جب سورج ڈھل جائے جب تک عصر کا وقت نہ ہوجائے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو آیا ہے کہ ''سورج ڈھلنے پر ظہر کی نماز پڑھی'' تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز پڑھنا جائز ہے اور سائے کے تسمے کے برابر ہونے کا انتظار کرنا واجب یا مستحب نہیں ہے جس طرح ہمارے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے اور اس پر صحیح روایات دلالت کرتی ہیں جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا ہے تو اس وقت سایہ تسمے کی مثل ہوجاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ سائے کے تسمے کی مثل ہونے تک نماز کو مؤخر کیا۔ ''مجموعہ (امام نووی رحمہ اللہ کی شرح المہذب)'' میں' اسی طرح ذکر کیا ہے۔

معراج کی صبح اوقاتِ نماز

ابن اسحاق نے "المغازی میں" بیان کیا کہ جس رات نماز فرض ہوئی اور وہ شب معراج تھی' اس کی صبح جبریل علیہ السلام نے نماز پڑھائی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت نافع بن جبیر اور دوسرے حضرات رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: جب اس رات کی صبح ہوئی جس میں آپ کو سیر کرائی گئی تھی تو آپ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد پر خوف زدہ ہوئے وہ سورج ڈھلنے کے وقت آئے اسی لئے اس کو پہلی نماز کہا گیا یعنی ظہر کی نماز' نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام میں اعلان کروایا کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے چنانچہ وہ جمع ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو نماز پڑھائی اور آپ نے اپنے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد باقی حدیث ذکر کی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۔۲۰' صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۶۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۔۱۰۔۱۲' مسند احمد ج ۲ ص ۹۳۔۱۶۱۔ ج ۳ ص ۸۴۔ ج ۵ ص ۲۹۹' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۲' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۴۔ ج ۷ ص ۳۳۹' الدر المنثور ج ۶ ص ۵۶۔۱۲۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۹۴' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۱۸۰۴۳' کنز العمال رقم الحدیث:۳۰۲۴۲)

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اوقات کا بیان ہجرت کے بعد واقع ہوا اور حق یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ہجرت سے پہلے اوقات بیان کر دیئے تھے۔

اور اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا:

آپ نے "الصلاۃ جامعۃ" (نماز کھڑی ہونے والی ہے) کے الفاظ سے صحابہ کرام کو بلایا کیونکہ اس وقت تک اذان کا حکم نہیں تھا۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ جو شخص کسی اور کی اقتدا کر رہا ہو اس کی اقتدا بھی ہو سکتی ہے۔

لیکن اس کا جواب اسی طرح دیا گیا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نبی اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے واقعہ کے بارے میں دیا گیا کہ صحابہ کرام' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھے تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ صرف آواز پہنچا رہے تھے جیسا کہ اس کی تقریر آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عصر اور مغرب کی نماز جلدی پڑھنا

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب سایہ آپ کے حجرۂ مبارکہ سے ظاہر نہیں ہوا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر کی نماز پڑھتے اور سورج بلند واضح ہوتا پس جانے والا مدینہ طیبہ کی بلند بستی (عوالی) کی طرف جاتا اور ان کے پاس پہنچتا تو ابھی سورج بلند ہوتا بعض عوالی (بستیاں) مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر تھیں۔

اس حدیث میں عصر کی نماز جلدی پڑھنے پر دلیل ہے کیونکہ چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بھی سورج بلند ہوتا تھا اور سورج سے اس کی روشنی مراد ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مغرب کی نماز پڑھتے جب سورج غروب ہو جاتا اور پردے کی اوٹ میں ہو جاتا۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز پڑھتے پھر ہم میں سے ایک سلام پھیرتا تو اپنے تیر لگنے کی جگہ کو دیکھ لیتا۔

مطلب یہ ہے کہ جب وہ تیر پھینکتا تو اس کے لگنے کی جگہ کو دیکھتا اس حدیث کا مقتضا یہ ہے کہ مغرب میں جلدی کرتے اور اول وقت میں پڑھتے کہ جب فارغ ہوتے تو روشنی باقی ہوتی۔

حدیث میں نبل کا لفظ استعمال ہوا اور نبل' عربی میں ''تیر'' کو کہتے ہیں۔

احوال کی رعایت کرنا

جب گرمی ہوتی تو نبی اکرم ﷺ (ظہر کی) نماز کو ٹھنڈی کر کے پڑھتے (گرمی کم ہونے پر پڑھتے) اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے یہ حدیث امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

اور آپ عصر کو مؤخر کرتے جب تک دھوپ سفید چمک رہی ہوتی۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے حضرت علی بن شیبان کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب کھانا حاضر ہو تو نماز مغرب سے پہلے اس کے کھانے میں جلدی کرو اور کھانا چھوڑ کر نماز کی جلدی نہ کرو۔[1]

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲' نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۳۱' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۷۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۹۳)

ایک روایت میں ہے کہ کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز کو مؤخر نہ کرو۔

نمازِ عشاء میں تاخیر

ایک رات نبی اکرم ﷺ نے نماز عشاء میں تاخیر فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی ''الصلوۃ'' (نماز کا وقت ہے) عورتیں اور بچے سو گئے' نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمایا: تمہارے علاوہ کوئی بھی اس نماز کی انتظار نہیں کرتا۔ راوی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن مدینہ طیبہ میں (اس وقت) کوئی بھی نماز نہیں پڑھ رہا اور اہل مدینہ شفق (سفیدی) غائب ہونے کے بعد رات کی پہلی تہائی کے درمیان نماز عشاء پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶۔ ۵۶۹۔ ۸۶۴' مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۲' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۷۴)

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اسلام پھیلنے سے پہلے اس طرح تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ باہر تشریف لائے تو آپ کے سر انور سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' آپ نے فرمایا:

[1] احادیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ جس شخص کا دل کھانے کی طرف زیادہ متوجہ ہو اور اسے سخت بھوک لگی ہو وہ پہلے کھانا کھائے ورنہ پہلے نماز پڑھے۔ ۱۲ ہزاروی۔

لو لا ان اشق علی امتی او علی الناس لامرتھم بالصلاۃ فی ھذہ الساعۃ.

اگر میں اپنی امت پر یا (فرمایا:) لوگوں پر باعث مشقت نہ سمجھتا تو ان کو اس وقت (عشاء کی) نماز پڑھنے کا حکم دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۱، سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۶۷، سنن نسائی ج۱ص ۲۶۶، مسند احمد ج۱ص ۲۲۱۔ ۳۳۶۔ ج۲ص ۲۸، السنن الکبریٰ ج۱ص ۴۴۹، المعجم الکبیر ج۱۱ص ۱۸۰، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۱۱۲، اتحاف السادۃ المتقین ج۲ص ۳۵۰، الدر المنثور ج۱ ص۱۱۴، کنز العمال رقم الحدیث:۱۹۴۶۴۔ ۱۹۴۶۶۔ ۲۱۸۴۷)

امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف نہ لائے حتیٰ کہ نصف رات ہوگئی (پھر تشریف لائے) تو فرمایا: اپنی اپنی جگہوں پر رہو چنانچہ ہم اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے تو آپ نے فرمایا بے شک لوگ نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستروں میں جا چکے ہیں اور تم جب نماز کے منتظر رہے، مسلسل نماز میں رہے (یعنی ثواب ملتا رہا) اگر مجھے کمزور کی کمزوری اور بیمار کی بیماری کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس نماز (نمازِ عشاء) کو آدھی رات تک مؤخر کر دیتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۲۲، مسند احمد ج۳ص ۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۳۴۵، کنز العمال ۱۹۴۵۹۔ ۲۱۸۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (آپ نے فرمایا):

لو لا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفہ.

اگر میں اپنی امت پر بھاری نہ جانتا تو انہیں (نماز) عشاء رات کی تہائی یا نصف تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا۔

اس بنیاد پر جو شخص اس نماز کو مؤخر کرنے پر قادر ہو اور اس پر نیند کا غلبہ نہ ہو اور جن کو حکم دیا جاتا ہے ان میں سے کسی پر بھی باعث مشقت نہ ہو تو اس کے حق میں تاخیر افضل ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' اس بات پر جزم فرمایا اور شافعی مسلک اور دیگر مسالک کے اکثر علمائے حدیث نے اسی بات کو اختیار کیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں (پہلی) تہائی (کے اختتام) تک (مؤخر کرنا) مستحب ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ نیز اکثر صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم نے یہی بات فرمائی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول بھی یہی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا پہلا قول یہ تھا کہ جلدی پڑھنا افضل ہے اسی طرح ''الاملاء'' میں فرمایا اور امام نووی رحمہ اللہ نے ایک جماعت کے ساتھ اسے صحیح قرار دیا اور ان حضرات نے فرمایا کہ پہلے اسی پر فتویٰ دیا جاتا تھا اس پر یہ اعتراض ہوا کہ املاء کا ذکر کیا گیا حالانکہ ''الاملاء'' آپ کی جدید کتب میں سے ہے۔

اور دلیل کے اعتبار سے تاخیر کرنے کی افضلیت مختار ہے۔ (فتح الباری میں یہ بات فرمائی ہے)۔

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کی نماز کا طریقہ

پہلی نوع

نماز کا آغاز کیسے فرماتے؟

اقامت سنتے وقت

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہتے ہوئے سنا جب انہوں نے ''قد قامت الصلوة'' کہا تو آپ نے فرمایا: ''اقامها الله و ادا مها'' اللہ تعالیٰ اسے قائم ودائم رکھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۸' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱۱' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۸۱' شرح السنہ ج ۲ ص ۲۸۸' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۶۷۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۲۴_۲۳۲۶۳)

تکبیر کے ساتھ نماز شروع کرنا

نبی اکرم ﷺ ''اللہ اکبر'' کہنے کے ساتھ نماز کو شروع فرماتے۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز کے شروع میں تکبیر کہی۔

ان دونوں حدیثوں سے استدلال کیا گیا کہ لفظ تکبیر (اللہ اکبر) ہی مقرر ہے اس کے علاوہ دیگر الفاظِ تعظیم نہیں کہہ سکتے۔ یہ جمہور کا قول ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

احناف سے منقول ہے کہ ہر وہ لفظ جس سے تعظیم مقصود ہو اس سے نماز کا آغاز ہو جاتا ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ امام مسلم کی شرط پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے' امام احمد اور امام نسائی نے حضرت واسع بن حبان سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نبی اکرم ﷺ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا آپ جب بھی سر نیچے رکھتے اور اٹھاتے ''اللہ اکبر'' کہتے۔

یہ بات جاننی چاہیے کہ جمہور کے نزدیک تکبیر تحریمہ رکن ہے یہ بھی کہا گیا کہ شرط ہے اور احناف کا یہی مذہب ہے شافعی مسلک والوں کے نزدیک اس کی توجیہ کی گئی اور کہا گیا ہے کہ یہ سنت ہے یہ بات ابن منذر نے کہی اور امام زہری کے علاوہ اس (سنت ہونے) کا کوئی بھی قائل نہیں۔

نماز کی نیت کرنا

نماز میں نیت کے واجب ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایمان کی بحث کے آخر میں فرمایا:

"باب ما جاء فی قوله علیه السلام الاعمال بالنیة"

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۱ فتح الباری ج۱ ص ۱۷۹ رقم الحدیث:۵۴)

یہ بات نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے بارے میں ہے کہ اعمال کا تعلق نیت سے ہے پھر انہوں (امام بخاری) نے اس میں ایمان وضو نماز اور زکوٰۃ کو داخل کیا۔

ابن قیم نے "الہدی النبوی میں" کہا کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو "اللہ اکبر" کہتے اور اس سے پہلے کچھ نہ فرماتے اور نیت الفاظ میں نہ کرتے اور یہ بھی نہ فرماتے ہیں کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں قبلہ رخ ہوں چار رکعتیں ہیں امامت اقتدا ادا قضا اور وقت کے فرائض وغیرہ الفاظ نہ فرماتے۔

ابن قیم نے کہا یہ دس باتیں بدعت ہیں آپ سے کسی نے بھی نقل نہیں کیں نہ صحیح سند کے ساتھ نہ ضعیف سند سے نہ مسند اور نہ مرسل کسی طرح کوئی لفظ بالکل نقل نہیں کیا۔

بلکہ کسی صحابی سے بھی منقول نہیں ہے اور تابعین میں سے بھی کسی نے مستحب قرار نہیں دیا اور نہ ہی چاروں اماموں نے اس کو مستحب قرار دیا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ روزے کی طرح نہیں پس اس میں کوئی بھی ذکر نہیں یعنی تکبیر تحریمہ کے بغیر داخل نہ ہو اور صرف یہی الفاظ کہے (یعنی اللہ اکبر) اور امام شافعی رحمہ اللہ ایسے کام کو کس طرح مستحب قرار دے سکتے ہیں جسے نبی اکرم ﷺ نے اور آپ کے کسی بھی صحابی نے کسی ایک نماز میں بھی نہیں کیا؟

اور "کتاب المناسک میں" امام شافعی رحمہ اللہ کی عبارت اس طرح ہے کہ اگر وہ دل سے احرام کی نیت کرے اور تلبیہ نہ کہے تو بھی کافی ہے اور یہ نماز کی طرح نہیں کیونکہ اس کے شروع میں بولنا واجب ہے۔ یہ اس کا واضح کلام ہے۔

حضرت شیخ ابو علی السنجی نے "شرح التلخیص میں" ابن الرفعہ نے "المطلب میں" اور الزرکشی نے "الدیباج میں" اور ان کے علاوہ دوسروں نے فرمایا کہ امام شافعی نے اس سے صرف تکبیر تحریمہ مراد لی ہے۔ ابن قیم کی عبارت مکمل ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی نے بھی نبی اکرم ﷺ کا الفاظ کے ساتھ نیت کرنا نقل نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے کسی صحابہ کو نیت کا تلفظ سکھایا اور نہ اس پر برقرار رکھا بلکہ آپ سے سنن میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم.

نماز کی چابی طہارت ہے اس کی تحریمہ تکبیر ہے اور اس کی تحلیل (باہر آنا) سلام پھیرنا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۔۲۳۸ مسند احمد ج۱ ص ۱۲۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۶۱ سنن دارمی ج۱ ص ۱۷۵ سنن دار قطنی ج۱ ص ۳۵۹۔۳۷۹ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۵۳۹ مجمع الزوائد ج۲ ص ۱۰۴ الکامل فی الضعفاء ج۴ ص ۱۴۴۸۔ ج۶ ص ۲۴۰۵ التمہید ج۹ ص ۱۸۵ المغنی ج۱ ص ۱۲۵ الحلیہ ج۷ ص ۱۲۴۔ ج۸ ص ۳۷۲ کنز العمال رقم الحدیث:۱۹۶۳۲)

صحیحین میں ہے جب نبی اکرم ﷺ نے درست انداز میں نماز نہ پڑھنے والے (خلاد بن رافع زرقی) کو نماز

سکھائی تو اس سے فرمایا:

اذا قمت الی الصلوۃ فکبر ثم اقرأ ما تیسر معک من القران۔ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو پھر قرآن مجید سے جو آسان لگے اس کی قرأت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۷۔۷۹۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۳، مسند احمد ج۲ص ۴۳۷، السنن الکبریٰ ج۲ص ۳۷۔۶۲، نصب الرایۃ ج۱ص ۱۴۷۔ ۳۶۶۔ ۳۷۷، اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص ۱۰۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۶۲۵)

(اس میں) آپ نے تکبیر سے پہلے کسی عمل کے تلفظ کا حکم نہیں دیا۔

الفاظ کے ساتھ نیت کے قائلین سے مناقشہ

ہاں علماء کرام نے الفاظ کے ساتھ نیت کرنے میں اختلاف کیا ہے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ عمل نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا یہ مستحب ہے کیونکہ یہ قلبی نیت کو حاضر کرنے میں مدد ہے اور زبان کے ساتھ ذکر ہے جس طرح یہ قلبی عبادت ہے اور جن افعال کی نیت کی جاتی ہیں وہ اعضاء کی عبادت ہے، شیخ تقی الدین سبکی اور حافظ عماد الدین بن کثیر نے اسی قسم کا جواب دیا ہے۔

ابن قیم نے ''الہدی النبوی'' کے علاوہ کتاب میں (زبان سے نیت کرنے کے) استحباب کے رد میں طویل کلام کیا اور بہت زیادہ استدلال کیا لیکن اس کے ذکر کرنے میں طوالت ہے جو ہمیں اپنے مقصود سے نکال دے گی خصوصاً جب کہ ہمارے اصحاب نے زبانی نیت کو مستحب قرار دیا ہے۔

بعض حضرات نے صحیحین کی روایت پر قیاس کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو حج وعمرہ دونوں کا اکٹھا تلبیہ کہتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے میں حج وعمرہ کے لئے حاضر ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۔۲۱۴۔۲۱۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۵، سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۶۸۔۲۹۶۹، مسند احمد ج۳ص ۹۹۔۱۰۰۔۱۸۷، السنن الکبریٰ ج۵ص ۹۔۴۰، اتحاف السادۃ المتقین ج۴ص ۳۰۸)

اور ''صحیح بخاری میں'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جب آپ وادی عقیق میں تھے کہ گذشتہ رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے کہا اس مبارک وادی میں نماز پڑھیں اور یوں کہیں ''عمرۃ فی حجۃ'' (حج میں عمرہ)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۳۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۰، مسند احمد ج۱ص ۲۴، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۶۱۷، شرح السنہ ج۷ص ۴۳، نصب الرایۃ ج۳ص ۱۰۰۔۱۰۶، مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۲۵۸۵، اتحاف السادۃ المتقین ج۴ص ۳۰۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۹۷۳۔۳۹۷۵۲)

ان احادیث میں الفاظ کے ساتھ نیت کی تصریح ہے اور حکم جس طرح نص (آیات واحادیث کے الفاظ) سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح قیاس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

لیکن اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ یہ کلمات ابتدا میں صحابہ کرام کو تعلیم دینے کے لئے فرماتے تھے کہ

وہ کس طرح احرام کی نیت کریں اور مناسک حج کا قصد کریں اور اس حکم کی تعمیل تھی جو اس وادی میں آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آیا تھا۔

جب کہ نبی اکرم ﷺ نے تیس ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں لیکن آپ سے منقول نہیں کہ آپ نے یوں فرمایا میں فلاں فلاں نماز کی نیت کرتا ہوں۔ اور نبی اکرم ﷺ کا کسی عمل کو چھوڑنا بھی سنت ہے جس طرح آپ کا کسی عمل کو کرنا سنت ہے۔

پس ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم آپ کے فعل اور ترک فعل کو برابر قرار دیں اور جہاں آپ نے زبان سے کہنا چھوڑ دیا وہاں ہم اس پر قیاس کر کے جہاں آپ نے زبان سے نیت کی' نیت کرنے کا قول کریں' اور حج و نماز میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کے مقابلے میں ان کا فرق زیادہ ظاہر ہے۔ [1]

اس معترض کا قول مکمل ہوا اس پر غور کیجئے۔

ہاتھ اٹھانے کے مقامات

اور نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ وہ آپ کے کاندھوں کے برابر ہوتے پھر تکبیر کہتے جب رکوع کا ارادہ کرتے تو پھر بھی اسی طرح کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح کرتے۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھوں کو پھر اسی طرح اٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمدہ وربنا لک الحمد کہتے۔ [3]

ایک اور روایت میں اس کی مثل ہے اور یہ بھی فرمایا کہ آپ سجدے میں اور سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے اس طرح نہ کرتے۔

امام ابوداؤد نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب دونوں سجدوں سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ ان دونوں کو کاندھوں کے برابر لے جاتے جس طرح نماز شروع کرتے وقت کرتے تھے یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے اور اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں قیاس کو منع کرنا محل نظر ہے کیونکہ دونوں میں جو بات مشترک ہے اور جامع ہے وہ ان دونوں کا عبادت ہونا ہے اور نیت کا بلند سے نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے آہستہ نیت کی ہو۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۹۲)

[2] شروع شروع میں آپ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر منع فرما دیا اور اس سلسلے میں احادیث وارد ہیں اور بے شمار کتب اس مسئلہ پر لکھی جا چکی ہے' جاء الحق'' کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] نبی اکرم ﷺ کا عمل مبارک دونوں طرح مروی ہے آپ نے رفع یدین بھی کیا اور منع بھی فرمایا اور آپ کا آخری عمل یہی تھا کہ صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے تھے ''مشکوٰۃ شریف میں ہے'' حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں چنانچہ انہوں نے صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے۔

(مشکوٰۃ شریف باب ما یقرأ بعد التکبیر ص ۷۷)

امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ (رکوع کے لئے) جھکتے اور سر اٹھاتے وقت تکبیر کہتے۔
امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کے مستحب ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے لیکن اس کے علاوہ میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی' امام احمد اور صحابہ کرام میں سے جمہور علماء کے نزدیک رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی ہاتھ اٹھانا مستحب ہے' حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول اس طرح ہے کہ چوتھی جگہ بھی ہاتھ اٹھانا مستحب ہے یعنی جب پہلے تشہد (قعدہ) سے کھڑا ہو اور یہی قول بہتر ہے اس سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی اکرم ﷺ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اس طرح کرتے تھے۔

قیام کے دوران ہاتھ کہاں رکھیں؟

نبی اکرم ﷺ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے۔
اور امام شافعی اور اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ نمازی جب اپنے ہاتھ رکھے تو سینے سے نیچے اتار کر ناف کے اوپر رکھے' حضرت امام ابوحنیفہ اور بعض شافعی فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے رکھے۔ [1]

دعائے افتتاح

نبی اکرم ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ دیر خاموش رہتے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ تکبیر اور قرأت کے درمیان خاموش رہتے ہیں اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں یہ کلمات پڑھتا ہوں:

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ' اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ' اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ.

یا اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان دوری پیدا کر دے جس طرح مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ ہے یا اللہ! مجھے خطاؤں سے اس طرح پاک رکھ جس طرح سفید کپڑے کو میل سے پاک کیا جاتا ہے یا اللہ! میری خطاؤں کو پانی' برف اور اولوں سے دھو دے۔ [2]

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۵' سنن دارمی ج ۱ ص ۲۸۴' سنن نسائی ج ۱ ص ۵۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱۔ ۴۹۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۴۵' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۱۴)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے۔ ایک روایت میں ہے جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر فرماتے:

---

[1] ''سنن ابی داؤد میں ہے کہ'' ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

[2] آئندہ صفحات پر مذکور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ دعا نوافل میں پڑھی جاتی تھی۔ ۱۲ ہزاروی

وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین' ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریک له' وبذلک امرت وانا اول المسلمین ' اللهم انت الملک لا اله الا انت' انت ربی وانا عبدک' ظلمت نفسی' واعترفت بذنبی فاغفر لی ذنوبی جمیعا' لایغفر الذنوب الا انت' واهدنی لاحسن الاخلاق' لا یهدی لاحسنها الا انت' واصرف عنی سیئها' لا یصرف عنی سیئها الا انت' لبیک وسعدیک' والخیر کله فی یدیک' والشر لیس الیک' انا بک والیک' تبارکت وتعالیت استغفرک واتوب الیک.

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۷)

میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا خالص اسی کا ہو کر اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں' بے شک میری نماز' میری قربانی میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے سب سے پہلا (مسلمان) ہوں۔ یا اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور میں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا پس تو میرے تمام گناہ معاف کر دے صرف تو ہی گناہوں کو بخشتا ہے مجھے سب سے اچھے اخلاق کی ہدایت عطا فرما' اچھے اخلاق کی ہدایت صرف تو ہی دیتا ہے اور مجھ سے برے اخلاق کو دور کر دے برے اخلاق کو صرف تو ہی دور کرتا ہے میں حاضر ہوں اور تمام بھلائی تیرے قبضہ و اختیار میں ہے اور برائی تیری طرف (منسوب) نہیں ہے میں تیرے دامن رحمت سے وابستہ ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں تو برکت والا ہے اور بلند ہے میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے:

سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک.

یا اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح بیان کرتا ہوں تیرا نام برکت والا ہے' تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۴۲۔۲۴۳' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۷۷۵۔۷۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۰۴۔۸۰۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۸' سنن دارمی ج۱ص۲۸۲' مسند احمد ج۳ص۵۰۔۶۹' السنن الکبریٰ ج۲ص۳۴۔۳۵' المستدرک ج۱ ص۲۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص۴۶' مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث:۸۱۵۔۸۱۶' سنن دارقطنی ج۱ص۲۹۸' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۲۵۵۴' الدر المنثور ج۴ص۱۳۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۴۷۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۲۳۲' مجمع الزوائد ج۲ص۱۰۷۔۲۶۵' کنز العمال رقم الحدیث:۱۷۸۸۷۔۲۲۰۸۵)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ فرما

رہے تھے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ مِنْ نَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ وَھَمْزِہٖ۔

اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے' اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے بہت زیادہ تعریف ہے میں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہوں میں شیطان سے اس کے تکبر' شعر گوئی اور جنون سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۷' مسند احمد ج ۴ ص ۸۰_۸۳_۸۵' المستدرک ج ۱ ص ۲۳۵' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۱۱_۱۴۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۴۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۵۷۳' المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۴۰' کنزالعمال رقم الحدیث: ۱۹۶۴۲_۲۳۴۳۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: شیطان کے نفخ سے مراد اس کا تکبر ہے اور اس کے نفث سے شعر مراد ہیں اور اس کے ہمزہ سے جنون مراد ہے۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو یوں فرماتے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

اللہ سب سے بڑا ہے میں نے اپنے چہرے کو اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا خالص اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

(المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۳۱' علل الحدیث رقم الحدیث: ۴۳۸' نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۱۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل ذکر کیا البتہ "انا من المسلمین" فرمایا۔ پھر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ۔

یا اللہ! تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح بیان کرتا ہوں۔

اس کے بعد آپ قرأت کرتے۔

دوسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا قرأت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا

بسم اللہ پڑھنے سے متعلق روایات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے قرأت شروع کرتے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی سند مضبوط نہیں ہے۔

امام حاکم' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ پھر فرمایا یہ حدیث صحیح ہے (امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)۔

صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی اور اسے آیت شمار کیا لیکن یہ عمر بن ہارون بلخی کی روایت سے ہے اور اس ابن جریج کی جانب سے جو بواسطہ ابن ابی ملیکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں' ضعف ہے۔

حافظ ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" (سورۂ فاتحہ) سات آیات ہیں "بسم الله الرحمن الرحيم" ان میں سے ایک ہے اور یہ بار بار پڑھی جانے والی سات آیات ہیں اور قرآن عظیم ہے اور یہ کتاب کی اصل ہے۔

امام دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مرفوع حدیث نقل کی ہے اور فرمایا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

امام بیہقی' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ان حضرات نے "سبعا من المثانی" کی تفسیر سورۂ فاتحہ سے کی ہے اور بسم الله کو اس کی ساتویں آیت شمار کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایات

حضرت شعبہ' حضرت قتادہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قراءت کو "الحمد لله رب العالمين" سے شروع کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا یعنی وہ فاتحہ سے شروع کرتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے (حضرت انس رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: میں نے کسی کو "بسم الله الرحمن الرحيم" پڑھتے نہیں سنا۔ امام مسلم وغیرہ نے اسی طرح نقل کیا لیکن یہ حدیث حفاظِ حدیث کے نزدیک معلول ہے جس طرح علم حدیث کی کتب میں ہے (جس حدیث کی سند میں کوئی علت ہو)۔

ہمارے شیخ ابوالخیر السخاوی رحمہ اللہ' اللہ تعالیٰ ان کے وجود سے نفع دے' کی شرح "الفیہ عراقی" کے باب العلل میں یہ الفاظ ہیں:

وعلة المتن القادحة فيه كحديث نفي قراة البسملة في الصلاة المروی عن انس.

متن کی علت وہ ہے جو اس میں خرابی پیدا کرے جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نماز کے سلسلے میں مروی حدیث میں بسم اللہ پڑھنے کی نفی ہے۔

کیونکہ اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول سنا کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ ' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' سے نماز شروع کرتے تھے۔

اس سے راوی نے ''بِسْمِ اللّٰهِ'' کی نفی کا گمان کیا پس اپنے گمان کو واضح انداز میں نقل کیا اور کہا کہ یہ حضرات قرأت کے شروع اور آخر میں ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' نہیں پڑھتے تھے۔

بعض روایات میں اس طرح ہے کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' سے قرأت کا آغاز نہیں کرتے تھے' اس طرح یہ حدیث مرفوع کہلائی اور راوی کے گمان میں خطا ہے۔

اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الام'' میں فرمایا اور ان سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ وہ لوگ باقی قرأت سے پہلے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے یہ مطلب نہیں کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ'' پڑھنا بالکل چھوڑ دیتے تھے۔

''صحیح بخاری میں'' سورۂ فاتحہ کو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' کا نام دیا گیا اس سے بھی یہ بات مضبوط ہوتی ہے۔[1]

اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کی قرأت کس طرح تھی؟ تو انہوں نے فرمایا مد کے ساتھ تھی پھر انہوں نے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' پڑھتے ہوئے ''بسم الله'' کو مد کے ساتھ پڑھا پھر الرحمن اور پھر اس کے بعد الرحیم میں مد کے ساتھ پڑھا (لفظ اللہ کی لام الرحمٰن کی میم اور الرحیم کی حاء میں مد طبعی سے زیادہ نہیں کھینچا)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح نقل کیا ہے امام دار قطنی اور حازمی (یا دارمی) نے بھی اسی طرح صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس حدیث میں کوئی علت نہیں کیونکہ جس طرح ابوشامہ نے اشارہ کیا ہے ظاہر یہ ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نماز کو کس سورت سے شروع کیا جائے اور انہوں نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' کے ساتھ جواب دیا تو انہوں نے اس میں قرأت کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا اور گویا انہوں (ابوشامہ) نے سائل کے ابہام کو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعیین میں مانع خیال نہیں کیا خصوصاً جب کہ سائل وہی تھے (یعنی سائل حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ہی تھے)۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حدیث نقل کی اور دارقطنی نے اسے صحیح قرار دیا کہ ابومسلمہ سعید بن یزید رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا نبی اکرم ﷺ الحمد للہ سے نماز شروع کرتے تھے یا بسم اللہ کے ساتھ؟ تو انہوں نے فرمایا مجھے کچھ یاد نہیں۔ وہ فرماتے ہیں یہ ان باتوں میں سے ہے جن سے نفی کرنے والے کی خطا کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں حضرت حمید اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما بھی ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ صرف حمید کی روایت میں علت ہے کیونکہ اس کا مرفوع ہونا ولید بن مسلم کا وہم

---

[1] اس روایت میں یہ بات ثابت کی جا رہی ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے لیکن امام زرقانی فرماتے ہیں اس سے کیسے ثابت ہوا کہ بسم اللہ سورت کا جزء ہے حالانکہ موطا امام مالک میں ہے نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے نماز شروع کرنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے آپ کے سامنے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' پڑھی اور اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۹۹)

ہے ولید نے حضرت امام مالک سے اور انہوں نے حضرت حمید سے روایت کی ہے بلکہ حضرت حمید کے بعض اصحاب (ابن عیینہ اور عبید اللہ بن عمر وغیرہ) کے واسطہ سے حمید (الطویل البصری) سے روایت کیا کیونکہ حضرت امام مالک سے مروی تمام موطاٴت میں ہے وہ حضرت حمید سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ تمام ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' نہیں پڑھتے تھے اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر نہیں ہے اسی طرح حمید کے تمام حفاظ اصحاب نے جوان سے نقل کرتے ہیں سب کے نزدیک اسی طرح ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ ابن معین نے حضرت ابن ابی عدی سے نقل کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا کہ حضرت حمید جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تو مرفوعاً روایت نہیں کرتے تھے اور جب بواسطہ حضرت قتادہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تو مرفوعاً نقل کرتے۔

جہاں تک حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے تو ولید بن مسلم وغیرہ نے اوزاعی سے نقل کیا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا تاکہ انہیں اس بات کی خبر دیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نماز پڑھی پس انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ یہ حضرات (یعنی نبی اکرم ﷺ حضرت صدیق اکبر حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم) ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' قراٴت کے شروع اور آخر میں نہیں پڑھتے تھے پس ان کے اصحاب ان الفاظ پر متفق نہیں ہیں بلکہ ان میں سے اکثر کے نزدیک اس میں نفی کا ذکر نہیں ہے اور ان میں سے ایک جماعت نے اس نفی کا ذکر کیا ہے پس وہ بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں پڑھتے تھے۔

اس سلسلے میں آپ کے اصحاب میں سے جن لوگوں نے اس مسئلہ میں آپ سے اختلاف کیا ان میں حضرت شعبہ بن حجاج ہیں پس ان لوگوں کی ایک جماعت جن میں غندر بھی ہیں وہ نفی کا ذکر نہیں کرتے اور صرف ابوداؤد طیالسی سے متعدد طرق سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ وہ حضرات ''بِسْمِ اللّٰهِ'' کے ساتھ قراٴت شروع نہیں کرتے تھے یہ اوزاعی کے موافق ہے۔

ابوعمر (حفص بن عمر بن عبدالعزیز) دوری اور اسی طرح طیالسی اور غندر نے بھی یوں نقل کیا کہ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دوسرے اصحاب (حضرت قتادہ کے علاوہ) نے بھی اختلاف کیا۔ اسحاق بن ابی طلحہ اور ثابت بن بنانی اور ان میں سے تیسرے مالک بن دینار حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نفی کے بغیر نقل کرتے ہیں جب کہ اسحاق اور ثابت نیز منصور بن زاذان ابوقلابہ اور ابونعامہ یہ تمام حضرات صرف بلند آواز سے پڑھنے کی نفی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے اسحاق کے الفاظ اس طرح ہیں:

یفتحون القراۃ بالحمد لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فیما یجھر فیہ.	جہری نمازوں میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' سے شروع کرتے تھے۔

اس صورت میں ان تمام روایت کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا کہ قراٴت کی نفی کو سننے کی نفی پر محمول کیا جائے اور سننے کی نفی کو بلند آواز سے نہ پڑھنے پر محمول کیا جائے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ منصور بن زاذان کی روایت میں ہے کہ ہم نے بسم اللہ کی قراٴت نہیں سنی اور اس سے زیادہ واضح

حضرت حسن کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جیسا کہ ابن خزیمہ نے نقل کیا کہ وہ لوگ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ان روایات کو یوں جمع کرنے سے حدیث میں اضطراب کا دعویٰ زائل ہو گیا۔

جس طرح یہ بات ظاہر ہوئی کہ اوزاعی جنہوں نے حضرت قتادہ سے کتابت کی صورت میں روایت کی حالانکہ قتادہ پیدائشی طور پر نابینا تھے اور ان کا کاتب مجہول ہے کیونکہ ان کا نام نہیں بتایا تو اس سلسلے میں اوزاعی اکیلے نہیں (بلکہ ایک جماعت نے حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہوئے اوزاعی کی اتباع کی) تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ مجھے یاد نہیں' کا جواب یوں دیا جائے گا کہ مثبت (دلیل)' نافی (نفی کرنے کی دلیل) پر مقدم ہوتی ہے خصوصاً جب کہ نفی اس بات کو متضمن ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو وہ بات یاد نہ تھی جس کا یاد ہونا اہم تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو مسلمہ کے سوال کے وقت ان کو یاد نہ ہو اور بعد میں یاد آ گئی ہو کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ سوال بھی کیا تھا کہ کیا آدمی نماز میں بسم اللہ پڑھے؟ تو انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی ہے پس میں نے ان میں سے کسی ایک کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ماحصل بلند آواز سے پڑھنے کی نفی قرار پایا تو اس کی دلیل ضروری ہو گی اگرچہ یہ ہماری بحث سے نہیں ہے۔

بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کے قائلین کے بعض دلائل

شارح ''الفیہ'' نے دلیل ذکر کی اور ہمارے شیخ یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ہماری رہنمائی فرمائی کہ اس میں سے کیا اخذ کیا جائے؟

بلکہ انہوں نے فرمایا کہ نعیم مجمر کا قول یہ ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھی اور اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی حتیٰ کہ ''والا الضالین'' تک پہنچے تو لوگوں نے آمین کہا۔وہ جب بھی سجدہ کرتے اور دو رکعتوں کے بعد قعدہ سے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور سلام پھیرنے کے بعد کہتے اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تمہاری نمازوں کے مقابلے میں میری نماز' رسول اکرم ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں اس سلسلے میں یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے اور اس میں کوئی علت نہیں۔

اس حدیث کو صحیح قرار دینے والوں میں ابن خزیمہ اور ابن حبان بھی ہیں۔امام نسائی اور امام حاکم نے اسے روایت کیا اور امام نسائی نے یہ عنوان مقرر فرمایا۔''الجھر ببسم اللہ الرحمن الرحیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند سے پڑھنا''۔

لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ہو سکتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس مشابہت سے نماز کے تمام اجزاء میں نہیں بلکہ بڑی بڑی باتوں میں مشابہت کا ارادہ کیا ہو خصوصاً جب کہ ان سے نعیم مجمر کے علاوہ ایک جماعت نے بسم اللہ کے ذکر کے بغیر یہ حدیث روایت کی ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ نعیم (راوی) ثقہ ہیں پس ان کی زیادتی مقبول ہے اور حدیث تمام اجزاء میں ظاہر

ہے پس اس کو اپنے عموم پر محمول کیا جائے گا حتیٰ کہ کوئی ایسی دلیل ثابت ہو جو اس کو (بعض باتوں سے) خاص کر دے۔

اس کے باوجود یوں کہا جا سکتا ہے کہ نعیم کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آہستہ پڑھنے کے حوالے سے ہو کیونکہ وہ ان کے قریب ہوتے تھے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فاتحہ کے بارے میں اپنی تصنیف میں فرمایا نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا اور امام حاکم نے ''اپنی المستدرک میں'' ذکر کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو نماز پڑھائی لیکن آپ نے بسم اللہ نہیں پڑھی اور رکوع و سجود کے لئے جاتے ہوئے تکبیر بھی نہ کہی جب سلام پھیرا تو مہاجرین وانصار نے پکارا اے معاویہ! آپ نے نماز میں چوری کی' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہاں ہے' رکوع وسجود کے وقت کی تکبیر کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے بسم اللہ اور تکبیر کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھائی۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم قوت اور شدید دبدبے والے حکمران تھے اگر تمام صحابہ کرام مہاجرین وانصار کے نزدیک بلند آواز سے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' اور تکبیر پڑھنا مقرر وثابت نہ ہوتا تو یہ حضرات ان کے چھوڑنے کے بعد اعتراض نہ کر سکتے۔

یہ حدیث حسن ہے اور اس کو امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نیز امام دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے اور فرمایا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ ان کا (اعتراض) جس کا ذکر ہوا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کلمات کو بلند آواز سے کہنا ان لوگوں کے درمیان متواتر عمل کی طرح تھا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے عنوان قائم کیا کہ ''بلند آواز سے بسم اللہ پڑھی جائے'' اس کے بعد معتمر بن سلیمان کی حدیث نقل کی وہ اسماعیل بن حماد بن ابی سلیمان سے روایت کرتے ہیں وہ خالد والبی کوفی سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' سے نماز شروع کرتے تھے۔

اس تخریج (حدیث لانے) پر امام دارقطنی نے ان کی موافقت کی اور امام ابوداؤد نے بھی موافقت کی اور اسے ضعیف قرار دیا بلکہ امام ترمذی نے بھی فرمایا کہ اس کی سند مضبوط نہیں ہے امام بیہقی نے ''المعرفۃ میں'' ذکر کیا اور اس کے لئے سالم افطس کی حدیث سے استشہاد پیش کیا وہ حضرت سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں' نبی اکرم ﷺ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن پڑھتے اور اس کے ساتھ آواز کو لمبا کرتے امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے ''اپنی مستدرک میں'' ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے متعدد اہلِ علم کا یہی مؤقف ہے ان میں حضرت ابوہریرہ' ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور بعد کے تابعین بھی ہیں جنہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا مؤقف اختیار کیا امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ شارح ''الفیہ'' کا قول مکمل ہوا۔

تحقیق مسئلہ

شیخ ابوامامہ بن نقاش فرماتے ہیں جو شخص اس مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلہ کا

قرائتوں سے زیادہ تعلق ہے اور وہ اس طرح کہ قراء میں سے بعض جن کی قرائتیں صحیح ہیں اور نبی اکرم ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان میں سے بعض حضرات اسے سورۂ فاتحہ کی جزء قرار دے کر پڑھتے تھے اور یہ قراء حضرت حمزہ' عاصم' کسائی اور ابن کثیر اور ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام اور تابعین میں سے ہیں۔

اور ان میں سے بعض بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کی جزء قرار نہیں دیتے جس طرح ابن عامر' ابو عمرو اور نافع ہیں ان کی ایک روایت اسی طرح ہے۔

نماز میں اس (بسم اللہ) کے پڑھنے کا حکم وہی ہے جو نماز سے باہر ہے جو لوگ اسے ان لوگوں کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں جن کے نزدیک یہ سورۂ فاتحہ کا حصہ ہے تو ان پر اس کا پڑھنا فرض ہے اور جو لوگ ان لوگوں کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں جن کے نزدیک یہ سورۂ فاتحہ کی جزء نہیں ہے ان کو پڑھنے اور چھوڑنے کا اختیار ہے۔

پس اس صورت میں اس میں اختلاف قرآن مجید کے کسی حرف کے بارے میں اختلاف کی طرح ہوا اور دونوں قول صحیح ثابت ہیں ثابت کرنے والے اور نفی کرنے والے کسی پر طعن نہیں ہو سکتا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے بعض اوقات پڑھا اور کبھی نہیں پڑھا۔ انصاف یہی ہے۔

اس کے بعد انہوں (حضرت ابو امامہ بن نقاش) نے فرمایا یقینی بات جس کی طرح رجوع کرنا چاہیے' یہ ہے کہ دونوں عمل ثابت ہیں۔

کیونکہ اہلِ سلام میں سے دو آدمیوں کا بھی اس بات میں اختلاف نہیں کہ یہ ساتوں قرائتیں یقینی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہ پہلا کلمہ اور پہلا حرف نہیں ہے جس کو ثابت کرنے یا حذف کرنے میں اختلاف ہوا اور قرآن مجید کی بہت کم سورتیں ایسی ہیں جن میں یہ اختلاف نہیں ہے جس طرح سورۂ الحدید کی آیت:

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ. (الحدید:۲۴) وہ بے نیاز تعریف والا ہے۔

میں لفظ ''ھو'' اور ارشادِ خداوندی:

جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ. (التوبہ:۷۲) باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

میں لفظ ''مِن'' ہے (بعض لفظ ھو کو پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے اسی طرح لفظ ''مِن'' میں اختلاف ہے بعض پڑھتے ہیں بعض نہیں پڑھتے)۔ اور بے شمار الف' واؤ اور ہاء کا یہی حکم ہے۔

اور یہ سب کچھ اس بات کا نتیجہ ہے کہ قرآن مجید سات قرائتوں میں نازل ہوا اور یہ اس بات پر تمہاری رہنمائی کرے گا کہ جن حضرات نے لوگوں کے اختلاف کی وجہ اسے سورۂ فاتحہ کی جز قرار نہیں دیا اور کہا کہ قرآن مجید میں اس قسم کا اختلاف ثابت نہیں ہوتا تو ان کا قول باطل ہے (قرائتوں کا اختلاف مراد ہے) میں نہیں جانتا کہ یہ کیا گمان ہے؟ [1]

یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اسی سے تمہیں ان تقریروں سے راحت ملے گی۔

پھر فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے دونوں باتیں وقوع پذیر ہوئی ہیں' بلند آواز سے پڑھنا بھی اور آہستہ پڑھنا بھی' آپ نے جہر بھی فرمایا اور آہستہ بھی پڑھا لیکن بلند آواز کی نسبت آہستہ آواز سے زیادہ زیادہ پڑھا۔ اور

[1] ابو بکر بن عربی کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی جز نہیں کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور قرآن میں اختلاف نہیں ہوتا (زرقانی ج ۷ ص ۳۰۴) یعنی اس دلیل پر اعتراض کیا گیا۔ ۱۲ ہزاروی

بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں صحیح احادیث ہیں جن میں کوئی انصاف کرنے والا طعن نہیں کرسکتا جیسا کہ تین احادیث ہیں (جو پہلے ذکر ہوئیں)۔

جس طرح آپ سے آہستہ پڑھنے کے بارے میں صحیح احادیث ثابت ہیں جن میں ایسا شخص طعن نہیں کرسکتا جو عصبیت سے خالی ہو اور اس شخص کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے جو کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بسم اللہ صرف اونچی آواز سے پڑھی ہے۔

کسی عارف سے کہا گیا کہ آپ کے خیال میں امام شافعی رحمہ اللہ کا نام کیسے مشہور ہوا اور ان کا ذکر عام کس طرح ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا اس کی وجہ ان کا ہر نماز میں بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کو ظاہر کرنا ہے۔[1]

تیسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا سورۂ فاتحہ پڑھنا اور اس کے بعد آمین کہنا

نبی اکرم ﷺ جب "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" پڑھتے تو آمین فرماتے اور اس کے ساتھ آواز کو کھینچتے۔ ایک روایت میں ہے کہ پست آواز رکھتے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آواز کو بلند کرتے اور انہی کی ایک روایت میں (رفع کی بجائے جھر) ہے یعنی اونچی آواز سے آمین کہتے۔

ابن شہاب نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ جب "ولا الضالین" کہتے تو اونچی آواز سے آمین کہتے' سراج نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

ابن حبان نے زبیدی کی روایت سے نقل کیا وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے اور آمین کہتے۔

حمیدی نے حضرت سعید مقبری کے طریق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب "ولا الضالین" پڑھتے۔

ابوداؤد نے زبیدی کی روایت کی طرح حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا۔

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو منسوخ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اسلام کے آغاز میں مسلمانوں کی تعلیم کے لئے اونچی آواز سے آمین کہتے تھے' کیونکہ حضرت وائل بن حجر آخری دور میں مسلمان ہوئے۔[1]

---

[1] نبی اکرم ﷺ کبھی کبھی بلند آواز سے آمین کہتے تھے تا کہ اس کا جواز بیان کریں۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۰۵)

چوتھی نوع

نبی اکرم ﷺ کا صبح کی نماز میں فاتحہ کے بعد قرأت کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز میں ساٹھ سے ایک سو آیات تک پڑھتے تھے۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو فجر کی نماز میں سورۂ ''واللیل اذا عسعس'' پڑھتے ہوئے سنا۔

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فجر کی نماز میں سورت ''اذا الشمس کورت'' پڑھی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ فجر کی نماز میں ''ق والقران المجید'' اور اس قسم کی سورتیں پڑھتے تھے اور اس کے بعد ہلکی پھلکی قرأت کرتے تھے۔

سورت کے کچھ حصے کی قرأت

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں صبح کی نماز پڑھی تو سورۂ مومنون شروع کی حتیٰ کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ذکر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر تک پہنچے (راوی کو شک ہے یا اس میں اختلاف ہے) تو نبی اکرم ﷺ کو کھانسی آ گئی پس آپ نے رکوع فرمایا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے قرأت کے ٹوٹ جانے اور سورت کا بعض حصہ پڑھنے (دونوں باتوں) کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اختیار کے ساتھ سورت کے بعض پر اکتفا کو مکروہ قرار دیا ہے اور جس حدیث سے استدلال کیا جا رہا ہے وہ اس بارے میں ظاہر ہے کہ یہ انقطاع ضرورت کے تحت تھا لیکن اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح جس نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ آیت کا بعض حصہ پڑھنا مکروہ نہیں اور اس نے حدیث کے ان الفاظ کو دلیل بنایا کہ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا (تو چھینک کی وجہ سے رکوع کیا) کیونکہ یہ دونوں جگہیں آیت کے درمیان میں ہیں تو اس پر اعتراض ہوگا کہ یہ تو ضرورت کے تحت تھا (لہٰذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا) ہاں کراہت دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔

اور جواز کے دلائل بے شمار ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتوں میں سورۂ اعراف پڑھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھائی تو دونوں رکعتوں میں سورۂ بقرہ پڑھی اور یہ صحابہ کرام کی طرف سے اجماع ہے نیز نبی اکرم ﷺ نے صبح کی نماز میں ''سورۂ زلزال'' دونوں رکعتوں میں پڑھی۔ راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ آپ سے بھول ہوئی یا جان بوجھ کر پڑھی۔

جمعہ کی صبح کی قرأت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی صبح سورۂ الم التنزیل (سورہ نمبر ۳۲) اور سورۂ "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر" (سورۂ نمبر ۷۶) پڑھتے تھے اور ان دونوں سورتوں کو مکمل پڑھتے تھے اور ان کا کچھ حصہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔

ان دونوں سورتوں کو پڑھنے میں حکمت یہ تھی کہ یہ انسان کی ابتدا و انتہا (آخرت) تخلیق آدم علیہ السلام، جنت و دوزخ میں داخل ہونے اور قیامت کے احوال پر مشتمل ہیں کیونکہ قیامت جمعہ کے دن واقع ہوگی۔

یہ بات ابن دحیہ نے "العلم المشہور میں" ذکر کی اور اسے خوب ثابت قرار دیا جس طرح ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بتایا وہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں واضح طور پر مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ صبح کی نماز میں یہ دو سورتیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے نقل کیا اور ان کے الفاظ "یدیم ذلک" ہیں (ہمیشہ یہ عمل کرتے تھے) اس کی اصل "سنن ابن ماجہ میں" ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں اور اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں البتہ ابوحاتم نے اس کے ارسال کو صحیح قرار دیا (یہ حدیث مرسل ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ابن دقیق العید اس پر آگاہ نہیں ہوئے چنانچہ انہوں نے اس باب کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جو آپ کے اس عمل کے دوام کا تقاضا کرتی ہو۔ بات وہی ہے جو انہوں نے فرمائی ہے کیونکہ الفاظ میں دوام کا ذکر نہیں ہے لیکن مذکورہ اضافہ "یدیم ذلک" اس بات کی تصریح ہے اور اس اضافہ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے یہ الفاظ شاہد ہیں آپ نے فرمایا: "کل جمعۃ" (ہر جمعہ کے دن)۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے "الکبیر میں" نقل کیا ہے۔

رکعت کے لئے سورت کو معین کرنے کے بارے میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی حدیث آئی ہے جو امام طبرانی نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ جمعۃ المبارک کے دن صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں "الم تنزیل" اور دوسری رکعت میں "ھل اتی علی الانسان" پڑھتے تھے۔

نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت

مالکی فقہ والوں نے نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے مکروہ ہونے کی جو علت بیان کی ہے اس میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ فرض نماز میں سجدے کا اضافہ ہے۔ امام قرطبی نے کہا کہ حدیث کی شہادت سے یہ تعلیل فاسد ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس طرح نمازیوں کو شبہ ہوسکتا ہے اسی لئے بعض نے جہری اور سری نماز میں فرق کیا ہے کیونکہ جہری نماز میں اشتباہ کا خوف نہیں ہوتا (لہٰذا جہری میں مکروہ نہیں، سری میں مکروہ ہے)۔

لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز میں ایسی سورت پڑھی جس میں سجدہ تھا تو آپ نے مع صحابہ کرام نماز میں سجدہ کیا پس تفریق باطل ہوگئی۔

بعض حضرات نے کہا کہ مکروہ ہونے کی وجہ اس بات کا خوف ہے کہ عوام اس کے فرض ہونے کا اعتقاد نہ رکھیں۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ مطلقاً مکروہ قرار دینے کا حدیث انکار کرتی ہے لیکن جب اس قسم کی خرابی کی صورت پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ کبھی چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ خطرہ ٹل جائے کیونکہ مستحب کام کو کبھی چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ متوقع فساد دور ہو جائے اور یہ فائدہ بعض اوقات چھوڑنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

احناف میں سے صاحب المحیط نے کہا کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں آیتِ سجدہ والی سورت پڑھنا اس شرط کے ساتھ مستحب ہے کہ کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھے تاکہ جاہل آدمی یہ خیال نہ کرے کہ اس کے علاوہ (سورت) پڑھنا جائز نہیں۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کسی حدیث میں یہ وضاحت نہیں دیکھی کہ نبی اکرم ﷺ نے ''سورۂ الم تنزیل'' پڑھ کر اس مقام پر سجدہ کیا ہو ہاں ابوداؤد (یہ عبداللہ بن سلیمان بن اشعث ہیں بغداد میں وفات پائی)[1] کی کتاب ''الشریعۃ'' میں ایک دوسرے طریق سے ہے جو حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں جمعہ کے دن صبح کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے سجدہ والی سورت پڑھ کر سجدہ کیا۔ اس حدیث میں ایسا راوی بھی ہے جس کی حالت قابل جائزہ ہے۔

امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جمعہ کے دن صبح کی نماز میں ''الم تنزیل'' میں سجدہ کیا اور یہ اضافہ حسن ہے کیونکہ اس سے یہ احتمال دور ہو جاتا ہے کہ آپ نے سورت پڑھی اور سجدہ نہ کیا۔[2]

پانچویں نوع

ظہر و عصر کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور دوسری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں آیت سناتے (بلند آواز سے پڑھتے) پہلی رکعت کو دوسری رکعت کے مقابلے میں لمبا کرتے۔ نماز عصر اور فجر کی نماز میں بھی اسی طرح کرتے تھے۔

شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ دوسری رکعت کے مقابلے میں پہلی رکعت کو لمبا کرنے کا سبب یہ تھا کہ پہلی رکعت میں آدمی زیادہ ہشاش بشاش ہوتا ہے پس ملال میں پڑنے کے خوف سے دوسری رکعت میں تخفیف مناسب ہے۔

[1] (الاعلام ج ۴ ص ۹۱' تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۶۷' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۱۴' تاریخ بغداد ج ۹ ص ۴۶۴' طبقات الحنابلہ ج ۲ ص ۵۱' لسان المیزان ج ۳ ص ۲۹۳)

[2] آج کل لوگ عام طور پر آیات سجدہ سے آگاہ نہیں ہوتے لہٰذا آیت سجدہ نہ پڑھی جائیں البتہ تراویح میں چونکہ مکمل قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے لہٰذا وہ صورت الگ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا نیز صحابہ کرام آیات سجدہ سے آگاہ تھے۔ ۱۹۹۴ء میں حرم کعبہ میں امام کعبہ نے حج کے موقعہ پر صبح کی نماز میں آیت سجدہ پڑھی تو بے شمار لوگوں کی نماز میں خلل واقع ہوا لہٰذا اجتناب کیا جائے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت عبدالرزاق نے حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت یحییٰ سے حدیث کے آخر میں نقل کیا کہ ہم نے گمان کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگ پہلی رکعت کو پالیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم ظہر اور عصر میں نبی اکرم ﷺ کے قیام کا اندازہ لگاتے تو ہم نے ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں ''الم تنزیل السجدہ'' (کی مقدار) کا اندازہ لگایا اور ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیات کا اندازہ لگایا اور پچھلی دو رکعتوں میں اس سے نصف کا اندازہ لگایا۔

عصر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں کا اندازہ ظہر کی پچھلی دو رکعتوں میں قیام کے مطابق اور عصر کی پچھلی دو رکعتوں میں اس کے نصف کا اندازہ لگایا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی نماز میں ''وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى'' پڑھتے اور ایک روایت کے مطابق ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى'' پڑھتے تھے اور عصر میں اس کی مثل پڑھتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ظہر اور عصر میں ''وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ'' اور ''وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ'' پڑھتے تھے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں ظہر کی نماز پڑھتے تو سورۂ لقمان اور سورۂ الذاریات کی ایک آدھ سنتے۔ [1]

ابن دقیق العید نے فرمایا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کے ظاہر حال پر اکتفا کرنا جائز ہے یقین پر توقف ضروری نہیں کیونکہ سری نمازوں میں کسی سورت کے پڑھنے کا علم صرف سماع (سننے) سے ہو سکتا ہے اور یقین کا فائدہ تو جہری نمازوں میں ہوتا ہے گویا انہوں نے بعض کو سننے اور باقی پر قرینہ پائے جانے سے یہ حکم اخذ کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ یا کبھی کبھی نماز کے بعد ان کو دو سورتیں پڑھنے کی خبر دیتے ہوں لیکن یہ بات عقل سے بعید نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى'' اور ''هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ'' پڑھی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز کھڑی ہوتی پس کوئی جانے والا بقیع میں جاتا اور قضائے حاجت کے بعد واپس گھر میں آکر وضو کرتا تو نبی اکرم ﷺ کو پہلی رکعت میں پاتا۔

چھٹی نوع

نماز مغرب میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ ''وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا'' پڑھتے ہوئے سنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۶۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۸۴، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۲۹۳، مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۸-۳۴۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۱۰، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۴)

---

[1] کبھی کبھی تعلیم امت کے لئے آپ بلند آواز سے قرأت فرماتے تھے۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت عقیل نے حضرت ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے واضح الفاظ میں بیان کیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی آخری نماز تھی ان کے الفاظ اس طرح ہیں۔

پھر آپ نے ہمیں کوئی نماز نہیں پڑھائی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک واپس فرمالی۔ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے باب العرفاۃ میں نقل کی ہے۔

امام بخاری نے ہی باب "انما جعل الامام لیؤتم بہ" (امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مرض الوصال میں صحابہ کرام کو جو نماز پڑھائی وہ نماز ظہر تھی۔

ان دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس نماز کا ذکر کیا ہے وہ مسجد میں تھی اور جس نماز کے بارے میں حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے بیان کیا وہ گھر میں تھی۔

لیکن حضرت ابن اسحاق کی حضرت ابن شہاب سے روایت اس بات کے خلاف ہے اور اس کا رد کرتی ہے وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے بیماری کی وجہ سے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی پس آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔

"ہماری طرف تشریف لائے" کے الفاظ کو اس بات پر محمول کرنا ممکن ہے کہ جس مکان میں آپ آرام فرماتے تھے وہاں سے ان لوگوں کے پاس تشریف لائے جو گھر میں تھے پس ان کو نماز پڑھائی۔ اس طرح روایات باہم متفق ہوں گی۔ [1]

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے۔

امام مسلم نے جہاد کے باب میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بدر کے قیدیوں میں آئے تھے۔ اسماعیل نے یہ اضافہ کیا کہ ان دنوں وہ مشرک تھے۔

امام بخاری نے "المغازی" میں نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں ایمان داخل ہوا۔

امام طبرانی نے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کی قرأت سے میں پریشان ہو گیا' سعید بن منصور فرماتے ہیں: انہوں نے کہا گویا میرا دل نکلا جا رہا ہے۔

اور حضرت جبیر بن مطعم کا یہ کہنا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا' جہری قرأت کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

حضرت مروان بن حکم سے مروی ہے کہ زید بن ثابت نے مجھ سے فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ تم مغرب کی نماز میں قصار مفصل (لم یکن الذین سے آخر قرآن تک) پڑھتے ہو حالانکہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ دو لمبی سورتوں کی طوالت کے برابر پڑھتے تھے۔ ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا کہ مروان بن حکم نے کہا اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا سورۂ اعراف مراد ہے۔

"نسائی شریف کی روایت میں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف کو دو رکعتوں پر تقسیم کر کے پڑھا۔

---

[1] روایات کو یوں جمع کیا جائے گا کہ جس کمرے میں تشریف فرما تھے اس سے دوسرے کمرے میں تشریف لائے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۱۰)

حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مغرب کی نماز میں حم الدخان پڑھی۔
قرأت کے بارے میں ان احادیث میں مختلف مقدار کا ذکر ہے کیونکہ سورۂ اعراف سات لمبی سورتوں میں سے ہے سورۂ طور طوال مفصل سے ہے اور سورۂ مرسلات اوساط مفصل سے ہے۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کوئی ایسی مرفوع حدیث نہیں دیکھی جس میں قصار مفصل سے قرأت کا ذکر کیا گیا ہو البتہ ''سنن ابن ماجہ میں'' ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں سورۂ الکافرون اور سورۂ اخلاص کا ذکر ہے اس کی مثل ابن حبان نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔
جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق ہے تو اس کی سند ظاہری طور پر صحیح ہے مگر یہ معلول ہے۔
دار قطنی نے کہا کہ بعض راویوں نے اس میں خطا کی ہے۔
اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سعد بن سماک متروک ہیں اور محفوظ حدیث یہ ہے کہ آپ نے مغرب کی بعد والی دو رکعتوں (سنتوں) میں یہ دو سورتیں (الکافرون اور الاخلاص) پڑھی ہیں۔
ہمارے بعض اصحاب اور دوسرے حضرات نے حضرت سلیمان بن یسار کی حدیث پر اعتماد کیا وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں نے فلاں شخص کے مقابلے میں کسی شخص کو رسول اکرم ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا' سلیمان کہتے ہیں کہ وہ فلاں صبح کی نماز میں طوال مفصل اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے۔[1]
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل دائمی لیکن اس سے استدلال محل نظر ہے ہاں حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ صحابہ کرام نماز مغرب کے بعد تیر اندازی کرتے تھے' اس نماز میں ہلکی قرأت پر دلالت ہے۔
ان احادیث کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کبھی کبھار مغرب کی نماز میں طویل قرأت کرتے تھے یا تو بیانِ جواز کے لئے ایسا کرتے یا اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ اس سے مقتدی مشقت میں نہیں پڑتے اور حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ آپ کا یہ عمل تکرار کے ساتھ ہوتا تھا۔
جب کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بات (تکرار) کی خبر دیتی ہے کیونکہ انہوں نے قصار مفصل کی مسلسل قرأت کے حوالے سے مروان پر اعتراض کیا اگر مروان کے علم میں یہ بات ہوتی کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ قصار مفصل پڑھتے تھے تو حضرت زید کے مقابلے میں استدلال کرتے انہوں نے مروان سے اس بات کا ارادہ کیا کہ جس طرح انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے دیکھا ہے وہ کبھی کبھی اس پر عمل کیا کریں (تاکہ یہ طریقہ بھول نہ جائے) حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ حالتِ صحت میں ''والمرسلات'' سے بھی لمبی سورت کی قرأت کرتے تھے کیونکہ سخت مرض کی حالت میں یہ سورت پڑھتے تھے اور یہ حالت تخفیف کا تقاضا کرتی ہے۔
اور یہ ابوداؤد کے اس دعویٰ کا رد ہے کہ مغرب کی نماز میں لمبی سورت پڑھنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حدیث روایت کی کہ نبی اکرم

[1] سورۂ الحجرات سے سورۂ البروج تک طوال مفصل' سورۂ بروج سے لم یکن الذین تک اوساط مفصل اور لم یکن الذین سے آخر تک قصار مفصل ہے۔ ۱۲ ہزاروی

ﷺ مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے اور یہ بات حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن امام ابوداؤد نے دلالت کی وجہ بیان نہیں کی۔

اور منسوخ ہونے کا دعویٰ کیسے صحیح ہوسکتا ہے جب کہ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو جو سب سے آخری نماز پڑھائی اس میں سورۂ ''والمرسلات'' پڑھی ہے۔

ابن خزیمہ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں: کہ یہ مباح کام میں اختلاف ہے نمازی کے لئے جائز ہے کہ وہ مغرب کی نماز اور باقی تمام نمازوں میں بھی جو چاہے پڑھے البتہ جب امام ہو تو قرأت میں تخفیف کرے (لمبی قرأت نہ کرے)۔

امام نووی رحمہ اللہ کے نزدیک اس بات کو ترجیح ہے کہ مفصل سورۂ حجرات سے قرآن مجید کے آخر تک ہے (طوال مفصل اوساط مفصل اور قصار مفصل تینوں سورۂ حجرات سے آخر تک ہیں)۔

ساتویں نوع

نماز عشاء میں نبی اکرم ﷺ کی قرأت

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عشاء کی نماز میں سورۂ ''والتین'' پڑھتے تھے تو میں نے کسی ایک کو آپ سے اچھی آواز اور اچھی قرأت والا نہیں سنا۔

بعض آیات کے بعد دعا

نبی اکرم ﷺ جب کسی عذاب والی آیت پر پہنچتے تو توقف کر کے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھتے۔ یہ حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور جب آپ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی'' پڑھتے تو فرماتے ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے مروی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص ''وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ'' پڑھے حتیٰ کہ ''اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ'' تک پہنچے (مکمل سورت پڑھے) تو یوں کہے:

بَلٰی وَاِنَّا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ. ہاں کیوں نہیں میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

اور جو آدمی ''لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ'' پڑھتے ہوئے ''اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقَادِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی'' تک پہنچے تو کہے (بلیٰ ہاں کیوں نہیں)۔

اور جو آدمی ''وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا'' پڑھے پس ''فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ'' تک پہنچے یعنی مکمل سورت پڑھ لے تو کہے ''امنا باللہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے''۔[1] (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۱۰' شرح السنہ ج ۳ ص ۱۰۴۔ ج ۴ ص ۳۳۳' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۸۶۰' تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۳۰۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۹۲)

[1] ''اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقَادِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی'' کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا وہ (اللہ تعالیٰ) مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ ''فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ'' کا ترجمہ ہے اس کے بعد تم کس بات پر ایمان لاؤ گے؟ ۱۲ ہزاروی

یہ حدیث امام ابوداؤد نے روایت کی اور امام ترمذی نے "وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ" تک روایت کی ہے۔[1]

نماز میں سکتے

اور نبی اکرم ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان سکتہ کرتے (خاموشی اختیار کرتے)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی بارے میں پوچھا تھا اور سورۂ فاتحہ کے بعد بھی سکتہ فرماتے اور تیسرا سکتہ سورت پڑھنے کے بعد کرتے اور یہ نہایت لطیف (ہلکا پھلکا) سکتہ ہوتا حتیٰ کہ سانس ٹوٹ آئے اور آپ رکوع میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

پہلا سکتہ ثناء کی مقدار میں کرتے تھے اور دوسرا سکتہ اس لئے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے پس اس کے مطابق لمبا ہونا چاہیے۔ یہ بات "زاد المعاد میں" ذکر کی ہے۔[2]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے دو سکتے یاد رکھے ہیں جب آپ نماز میں داخل ہوتے اور جب قرأت سے فارغ ہوتے اس کے بعد حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور جب آپ "ولا الضالین" پڑھتے (تو سکتہ کرتے) وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ جب آپ قرأت سے فارغ ہوں تو سکتہ کریں حتیٰ کہ سانس واپس آ جائے (ظاہر یہ ہے کہ معمولی سا سکتہ ہوتا اور اس کی وجہ سانس کی واپسی تھی مقتدی کی قرأت کے لئے انتظار نہیں فرماتے تھے۔ ۱۲ ہزاروی)

آٹھویں نوع

نبی اکرم ﷺ کا رکوع

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ کاندھوں کے برابر لے جاتے[3] پھر انہوں نے مکمل حدیث ذکر کرتے ہوئے کہا پھر تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو کاندھوں کے برابر لے جاتے پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھتے پھر (پیٹھ کو) برابر کرتے پس سر کو نہ تو جھکاتے اور نہ (پیٹھ سے) بلند کرتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۳۰)

---

[1] چونکہ یہ دعا اور ثناء ہے لہٰذا بلند آواز سے نہ پڑھے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۱۴)

[2] حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کا امام ہو تو اس امام کی قرأت ہی اس (مقتدی) کی قرأت ہے لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنا اور سکتہ کی یہ تاویل حدیث میں نہیں بلکہ ابن قیم نے بیان کی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] یعنی ہاتھ کاندھوں کے برابر ہوتے اور انگلیاں کانوں کے برابر ہوتیں جس طرح ہمارے ہاں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

نویں نوع

نبی اکرم ﷺ کے رکوع کی مقدار

حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے بعد اس نوجوان یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی کی نماز کو رسول اکرم ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا پس ہم نے آپ کے رکوع کو دس تسبیحات اور آپ کے سجدے کو دس تسبیحات کے برابر شمار کیا۔ (سنن ابوداؤ درقم الحدیث: ۸۸۸)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا رکوع یا سجدہ دونوں سجدوں کے درمیان وقفہ اور جب رکوع سے اٹھتے (قومہ) تقریباً برابر ہوتے سوائے قیام اور قعدہ کے (اس میں زیادہ دیر ٹھہرتے)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث بعض حالتوں پر محمول ہے ورنہ حدیث شریف میں طویل قیام ثابت ہے کیونکہ آپ صبح کی نماز میں ساٹھ سے ایک سو تک آیات اور ظہر میں ''الم السجدہ'' پڑھتے اور نماز کھڑی ہوتی تو جانے والا بقیع کی طرف جاتا اور قضائے حاجت کے بعد گھر کی طرف لوٹ کر وضو کرتا اور پھر مسجد میں آتا تو پہلی رکعت کو پالیتا اور آپ نے سورۂ مومنون حتیٰ کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ذکر تک پہنچے اور مغرب کی نماز میں سورۂ طور اور سورۂ المرسلت پڑھی اور ''صحیح بخاری میں'' سورۂ اعتراف کا بھی ذکر ہے پس یہ تمام باتیں اس پر دلالت ہے کہ آپ حالات کے مطابق قیام کو لمبا کرتے تھے۔

ابن قیم نے کہا حضرت براء رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ آپ کی نماز اعتدال پر مبنی ہوتی تھی پس جب آپ کی قرأت طویل ہوتی تو رکوع اور سجدہ بھی لمبا ہوتا اور جب نماز ہلکی پھلکی ہوتی تو رکوع اور سجدہ بھی مختصر ہوتا اور کبھی آپ رکوع اور سجدہ کے برابر قیام کرتے تھے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز میں اعتدال اور تناسب اختیار فرماتے (یعنی رکوع اور سجدہ وغیرہ قیام کی مناسبت سے ہوتا تھا)۔

دسویں نوع

نبی اکرم ﷺ رکوع میں اور اس سے اٹھتے ہوئے کیا پڑھتے تھے؟

رکوع کے کلمات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں عام طور پر یہ کلمات پڑھتے تھے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ. اے اللہ! ہمارے رب! میں تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہوں یا اللہ! مجھے بخش دے۔

آپ قرآن مجید میں تاویل کرتے۔ مطلب یہ کہ جو کچھ قرآن مجید میں حکم دیا گیا اس پر عمل کرتے اور وہ حکم اس طرح ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا. (النصر:۳) پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں اور اس سے بخشش مانگیں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ آیت کریمہ (مذکورہ) میں دیئے گئے حکم کی بھرپور تعمیل میں یہ عمدہ کلام کرتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے رکوع میں یہ کلمات پڑھتے تھے:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ. فرشتوں اور روح کا رب پاک ہے مقدس ہے۔
(صحیح بخاری)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" اور سجدے میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" پڑھتے تھے۔

اور جب آپ رکوع سے پیٹھ اٹھاتے تو یوں کہتے:[1]

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءُ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءُ الْاَرْضِ وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ. اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سن لی جس نے اس کی حمد کی اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے حمد (تعریف) ہے تمام آسمان بھرے ہوئے تمام زمین بھری ہوئی اور جو کچھ اس کے بعد تو چاہے وہ بھرا ہوا۔

نمازی قومہ میں کیا پڑھے؟

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نمازی جب رکوع سے کھڑا ہونا شروع ہو تو "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہے اور اسے لمبا کرے حتیٰ کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر کھڑا ہونے کی حالت کا ذکر شروع کرے یعنی "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" پڑھے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں امام شافعی اور ایک جماعت کے لئے دلالت ہے کہ ہر نماز کے لئے وہ امام ہو یا مقتدی یا تنہا مستحب ہے کہ وہ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" اور "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کو جمع کرے جب وہ رکوع سے کھڑا ہو۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ان دونوں کو جمع کرنا ثابت ہے اور آپ نے فرمایا:

صلوا كما رأيتموني اصلي. نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

(السنن الکبریٰ ج۲ص۳۴۵'التمہید ج۵ص۱۱۷' سنن دارقطنی ج۱ص۲۷۳-۳۴۶' مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث ۶۹۳' اتحاف السادۃ المتقین ج۳ص۷۱-۳۰۳-۳۹۶' شرح السنہ ج۲ص۲۹۶)

---

[1] رکوع اور سجدے میں نیز قومہ اور جلسہ میں پڑھے جانے والے یہ تمام کلمات نفل نماز میں پڑھے جائیں فرائض میں نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ جب سیدھے کھڑے ہوجاتے تو ''**ربنا ولک الحمد**'' پڑھتے۔
اور کبھی ''**ربنا لک الحمد**'' (واؤ کے بغیر) پڑھتے لیکن ''**اللھم**'' اور واؤ دونوں کو جمع کرنا صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں ''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے اور اصیلی کی روایت میں مرفوعاً آتا ہے کہ جب امام ''**سمع الله لمن حمده**'' کہے تو تم ''**اللهم ربنا ولک الحمد**'' کہو۔[1] (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱‘ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۴۸‘ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷‘ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۶‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۷۶۔۸۷۷‘ مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۴۔۴۵۹‘ سنن دارمی ج ۱ ص ۳۰۰‘ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۹۶‘ سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۴۰‘ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۸‘ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۲‘ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۹۰۹۔۲۹۱۳‘ نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۷۷‘ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۷۴۵۔۲۰۲۷۱۔۲۰۲۷۲)

پس اللھم اور واؤ کو جمع کیا اور یہ ابن قیم کا رد ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

شیخ تقی الدین نے ''شرح العمدہ میں'' کہا کہ واؤ کو ثابت رکھنا زائد معنیٰ پر دلالت ہے کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ''**ربنا استجب**'' (اے ہمارے رب دعا قبول فرما) یا جو اس کے قریب ہو ''**ولک الحمد**'' اور تیرے ہی لئے حمد ہے پس کلام دعا کے معنیٰ اور خبر کے معنیٰ پر مشتمل ہوگا اور جب واؤ کو ساقط کرنے کا قول کیا جائے تو ان دو میں سے ایک بات پر دلالت ہوگی۔

ابن عراقی نے کہا کہ واؤ کو ساقط کرنے کا قول ابن قدامہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور کہا کہ واؤ عطف کے لئے ہوتی ہے اور یہاں کوئی ایسی بات نہیں جس پر عطف کیا جائے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ سے اس سلسلے میں اختلاف مروی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں باتوں کے بارے میں بے شمار روایات آئی ہیں اور مختار بات یہ ہے کہ یہاں جواز ہے اور دونوں باتیں جائز ہیں‘ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یوں فرماتے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَھْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَ کُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

یا اللہ! اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے تعریف ہے تمام آسمان بھرے ہوئے زمین بھری ہوئی اس کے بعد جو چیز تو چاہے وہ بھری ہوئی تو تعریف اور بزرگی والا ہے جو کچھ بندہ کہے تو اس سے زیادہ کا حق دار ہے ہم سب تیرے بندے ہیں یا اللہ! جو کچھ تو عطا کرے اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جو کچھ تو روک دے اسے عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی مالدار کا مال (تیرے عذاب سے بچاتے ہوئے) اسے نفع نہیں دے گا (عمل نفع دے گا)۔

---

[1] اس حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ امام صرف **سمع الله لمن حمده** کہے اور مقتدی صرف **ربنا لک الحمد** کہے۔ ۱۲ ہزاروی

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۰۱_۲۰۲_۲۰۶' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۱۱_ ج۲ ص۱۹۵_۱۹۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۴۲۱_۳۴۲۳' مسند احمد ج۱ ص۲۷۰_۲۷۵_۳۷۰_ ج۴ ص۲۸۵_۳۵۶_۳۸۱' السنن الکبریٰ ج۲ ص۹۴' نصب الرایہ ج۱ ص۳۷۶' المعجم الکبیر ج۱۰ ص۲۰۸)

''ملء السماوات وملء الارض'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر حمد کا جسم ہوتا تو اس سے تمام آسمان اور زمین بھر جاتے۔

''سمع الله لمن حمده'' کا معنیٰ قبول کیا یعنی جو شخص ثواب حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قبول کرتا ہے اور اسے وہ کچھ عطا کرتا ہے جس کا وہ قصد کرتا ہے۔

تو میں ''ربنا لک الحمد'' کہتا ہوں تا کہ یہ مقصد حاصل ہو۔

اور لفظ ''اھل'' ''ندا (منادیٰ مضاف) ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ''وکلنا لک عبد'' ''واؤ'' کے ساتھ ہے یعنی بندے کا سب سے سچا قول یہ ہے کہ ''جو کچھ تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں'' اور دونوں کے درمیان ''وکلنا لک عبد'' جملہ معترضہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی:

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى. (آل عمران:۳۶)

(حضرت عمران کی بیوی نے) کہا اے میرے رب! بے شک میں نے اس کو بچی جنا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو انہوں نے جنا اور وہ (مطلوب) لڑکا (اس) لڑکی کی طرح نہیں۔

اس میں ''والله اعلم بما وضعت'' ان لوگوں کے نزدیک جملہ معترضہ ہے جو عین پر فتح اور تاء کو ساکن پڑھتے ہیں۔

''الجد'' میں جیم پر فتح (زبر) ہے مالداری کو کہتے ہیں یعنی کسی مالدار کو اس کی مالداری تجھ سے (تیرے عذاب سے) بچا نہیں سکتی' فائدہ تو صرف ایمان اور اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مطالب بھی بیان کئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ (اس دعا میں) ''من شیء'' کے بعد یہ الفاظ بھی کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِيْ بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَآءِ الْبَارِدِ.

یا اللہ! مجھے برف' اولوں اور ٹھنڈے پانی کے ساتھ پاک کر دے۔

گیارہویں نوع

نبی اکرم ﷺ کے سجدے کا طریقہ اور اس کے کلمات

نبی اکرم ﷺ جب رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد والے ذکر سے فارغ ہوتے تو تکبیر کہتے اور سجدے میں چلے جاتے اور اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھاتے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ہاتھ بھی اٹھاتے تھے اور بعض حفاظِ حدیث مثلاً ابن حزم وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ان کو جس بات سے مغالطہ ہوا وہ راوی کا اس قول میں غلطی کرنا ہے کہ ''کان یکبر فی کل خفض ورفع آپ جب بھی نیچے جاتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے'' آگے یوں ہے ''کان یرفع یدیه فی کل خفض ورفع آپ جب بھی نیچے جاتے اور اوپر کی طرف اٹھتے تو ہاتھ اٹھاتے'' اور چونکہ راوی ثقہ ہے پس وہ اس کی غلطی کے سبب کو سمجھ نہ سکے اور اس کا وہم کرتے ہوئے صحیح قرار دیا اس بات سے ''زاد المعاد میں'' آگاہ کیا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھا کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔

پھر اپنی پیشانی اور ناک کو رکھتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

امرت ان اسجد علی سبعة اعظم الجبهة والیدین والرکبتین واطراف القدمین.

مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا پیشانی' ہاتھ' گھٹنے اور قدموں کے کنارے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۰۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۴' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۳۱۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۹-۳۰۵' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۵۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۹۱' الکامل فی الضعفاء ج ۲ ص ۳۱۶)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

پس نمازی کو چاہیے کہ ان تمام اعضاء پر سجدہ کرے اور پیشانی اور ناک دونوں پر سجدہ کرے جہاں تک پیشانی کا تعلق ہے تو اسے ننگا کرتے ہوئے زمین پر رکھنا واجب ہے اور بعض حصے پر کفایت بھی ہو سکتی ہے اور ناک کا (زمین پر) رکھنا مستحب ہے اگر اسے چھوڑ بھی دے تو جائز ہے اور صرف ناک پر سجدہ کرے اور پیشانی لگانا چھوڑ دے تو جائز نہیں۔

یہ امام شافعی' امام مالک اور اکثر (فقہاء) رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ظاہر حدیث کے مطابق (پیشانی اور ناک) دونوں کو اکٹھا رکھنے کا قول کیا ہے اور اکثر حضرات نے فرمایا کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک عضو کے حکم میں ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے سات کا حکم دیا اگر ان کو دو عضو قرار دیا جاتا تو آٹھ اعضاء کہا جاتا۔

اور نبی اکرم ﷺ جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی رکھتے حتیٰ کہ آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ اپنے بازوؤں کو اس طرح کشادہ کرتے کہ اگر آپ کے ہاتھوں کے درمیان سے بکری کا بچہ گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔

اور نبی کریم ﷺ سے یہ بات مذکور نہیں ہے کہ آپ نے اپنے عمامہ شریف کے کنارے پر سجدہ کیا اور کسی صحیح اور حسن حدیث میں بھی آپ سے یہ بات ثابت نہیں لیکن امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے مصنف (مصنف عبد الرزاق) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے عمامہ شریف کے کنارے پر سجدہ کرتے تھے یہ حدیث عبد اللہ بن محرز (راوی) کی روایت سے مروی ہے اور وہ متروک ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے مراسیل میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا اس نے اپنی پیشانی پر سجدہ کیا اور اس نے عمامہ باندھ رکھا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے (پیشانی سے) ہٹا دیا۔

نبی اکرم ﷺ سجدے میں ان کلمات کے ساتھ دعا مانگتے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ دِقَّہٗ وَجِلَّہٗ اَوَّلَہٗ وَ اٰخِرَہٗ عَلَانِیَتَہٗ وَسِرَّہٗ۔

یا اللہ! میرے تمام گناہ بخش دے تھوڑے اور زیادہ پہلے اور پچھلے ظاہر اور پوشیدہ۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا۔

''دقہ و جلہ'' دونوں کا پہلا حرف مکسور ہے یعنی تھوڑے اور زیادہ (گناہ)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: میں نے ایک رات نبی اکرم ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو آپ کو تلاش کیا چنانچہ میرے ہاتھ آپ کے قدموں کے نچلے حصے پر لگے آپ حالت سجدہ میں تھے اور دونوں پاؤں کھڑے تھے اور یہ کلمات فرما رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ (صحیح مسلم)

یا اللہ! بے شک میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے اور تیرے عفو کے ساتھ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے (تیرے عذاب سے) تیری ہی پناہ میں آتا ہوں' میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو اسی طرح جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی۔

خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں لطیف معنیٰ ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور اس سے سوال کیا کہ وہ اپنی ناراضگی سے اپنی رضا میں اور اپنے عذاب سے اپنی عفو و درگزر میں پناہ دے' رضا اور سخط (ناراضگی) ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کے مقابل ہیں اسی طرح معاف کرنا اور عذاب بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں تو جب آپ نے اس کا ذکر کیا جس کی کوئی ضد نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ ہے تو اس سے اسی کی پناہ طلب کی۔ اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تعریف سے جو کچھ واجب ہے اس میں کوتاہی سے طلب مغفرت ہے۔ ''لا احصی ثناء علیک'' کا معنیٰ یہ ہے کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ مکمل طور پر اس کو عمل میں لا سکتا ہوں۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں تیری نعمت اور احسانات اور ان کی وجہ سے تیری ثناء کا شمار نہیں کر سکتا اگرچہ میں تیری ثناء کی کوشش کرتا ہوں۔

اور ''انت کما اثنیت علی نفسک'' میں تفصیلی ثناء سے عاجزی کا اعتراف ہے کہ آپ اس کی حقیقت تک پہنچنے پر قادر نہیں ہیں اور اس کی اجمالی ثناء کرنے کا اعتراف ہے تفصیل' گنتی اور تعیین کا اعتراف نہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جو ہر چیز کا اجمالاً اور تفصیلاً احاطہ کرنے والا ہے۔ اور جس طرح اس کی صفات کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح اس کی ثناء کی بھی کوئی انتہا نہیں کیونکہ ثناء اس ذات کے تابع ہوتی ہے جس کی ثناء کی جاتی ہے پس جس چیز کے ساتھ اس کی تعریف کی جائے وہ اگرچہ زیادہ اور طویل ہو اور اس میں مبالغہ کیا جائے اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سے زیادہ غالب' اس کی صفات اس سے زیادہ بڑی اور اس کا فضل و احسان زیادہ وسیع اور کامل ہے۔

یہاں ایک لطیف فائدہ ہے جو بعض محققین نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رکوع اور سجدے میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا' لطیفہ یہ ہے کہ قرآن مجید سب سے زیادہ شرف والا کلام ہے اور رکوع اور سجدہ بندے کی ذلت اور جھکنے

کی حالتیں ہیں پس کلام الٰہی کا ادب یہ ہے کہ ان دو حالتوں میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے اور قیام کی حالت اس (قرأت) کے زیادہ لائق ہے۔ واللہ اعلم

امام ابوداؤد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پانی اور گارے پر سجدہ فرمایا۔[1]

اور نبی اکرم ﷺ سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے سرِ انور اٹھاتے لیکن ہاتھ نہ اٹھاتے پھر بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے۔

اور نبی اکرم ﷺ استراحت کے لئے معمولی قدر بیٹھتے اس طرح کہ آپ کے اعضاء مبارک واضح طور پر پُرسکون ہو جاتے پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے جیسا کہ "صحیح بخاری میں" ہے۔[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اور ہمارا (شافعی مسلک والوں کا) مذہب یہ ہے کہ ہر اس رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد یہ جلسۂ خفیفہ مستحب ہے جس میں اٹھنا ہو اور نماز میں سجدۂ تلاوت کے وقت مستحب نہیں ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ دو سجدوں کے درمیان یہ کلمات کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ. یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے، مجھے عافیت عطا فرمایا اور مجھے رزق عطا کر۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام دارمی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

بارہویں نوع

نبی اکرم ﷺ کا تشہد کے لئے بیٹھنا

نبی کریم ﷺ جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا لیتے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھتے تھے اور اس حدیث میں حضرت (امام اعظم) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی موافقت کرنے والوں کے لئے دلیل ہے کہ نماز میں پاؤں کو بچھا کر بیٹھنا ہوتا ہے اور اس سلسلے میں بیٹھنے کے تمام مواقع برابر ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تورک سنت ہے یعنی اپنے بائیں پاؤں کو اپنے نیچے سے نکال کر سرین کو زمین سے ملائے۔

---

[1] لیلۃ القدر کی صبح ایسا ہوا "سنن ابوداؤد میں" نہایت اختصار ہے جب کہ "صحیح بخاری و مسلم، سنن ابی داؤد (میں بھی) سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں ہے" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں ہے اور میں نے اپنے آپ کو گارے اور پانی میں سجدہ کرتے دیکھا اور مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی اور آسمان میں بادل نہ تھے پھر ایک ٹکڑا آیا اور بارش برسنا شروع ہوئی تو حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور آپ کی پیشانی پر میں نے گارے اور پانی کا نشان دیکھا۔ (زرقانی ص ۳۲۳)

[2] اس کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں احناف کے نزدیک بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ٹیک لگائے بغیر سیدھا کھڑا ہونے کا حکم دیا آپ نے کمزوری کی وجہ سے ایسا کیا لہٰذا اس عذر کے بغیر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ بیٹھنے کی تمام حالتوں میں پاؤں کو بچھائے سوائے اس بیٹھنے کے جس کے بعد سلام ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بیٹھنے کے چار مواقع ہیں (یا چار جلسے ہیں) دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا' ہر اس رکعت میں جلسۂ استراحت جس کے بعد قیام ہو' پہلے تشہد کے لئے جلسہ اور آخری تشہد کے لئے جلسہ۔

نوٹ: اصطلاحی طور پر جلسہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو کہتے ہیں یہاں اس سے بیٹھنا مراد ہے۔ ۱۲ ہزاروی

(امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک) ان تمام جلسوں میں پاؤں کو بچھا کر بیٹھنا سنت ہے سوائے آخری قعدے کے۔

اگر نمازی پر سجدۂ سہو لازم ہو تو زیادہ صحیح قول یہ کہ وہ تشہد میں پاؤں کو بچھا کر بیٹھے پس جب سہو کے دو سجدے کرلے تو پھر تورک کرے (بائیں پاؤں کو باہر نکالے) پھر سلام پھیرے یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تفصیل ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس (مندرجہ بالا) حدیث کے اطلاق سے استدلال کیا ہے (کہ اس میں مطلق حکم ہے کسی جلسہ کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے جو "صحیح بخاری میں" منقول ہے اور اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ پہلے قعدے میں پاؤں کو بچھائے اور نماز کے آخری قعدے میں تورک کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو آخری تشہد کے علاوہ بیٹھنے پر محمول کیا جائے گا تاکہ ان احادیث کو جمع کیا جاسکے۔

اس میں اور اس کے ساتھ ساتھ ابن قیم کے اس قول میں جو "الھدی النبوی" میں ہے بھی غور کریں۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی نے نقل نہیں کیا کہ پہلے تشہد میں آپ ﷺ کے بیٹھنے کا یہ طریقہ تھا (یعنی پاؤں کو بچھانا) اور میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے یہ قول کیا ہو۔[1]

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کی موجودگی میں فرمایا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں انہوں نے فرمایا پھر بیان کیجئے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث ذکر کرتے کرتے فرمایا حتیٰ کہ جب وہ سجدہ ہوتا جس میں سلام پھیرنا ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اپنے بائیں پاؤں کو باہر نکال کر تورک کرتے ہوئے بائیں جانب (سرین) پر بیٹھتے پھر سلام پھیرتے۔ صحابہ کرام نے فرمایا آپ نے سچ کہا' نبی اکرم ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

"سنن ابی داؤد میں ہے کہ" جب آپ دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بائیں پاؤں کے پیٹ پر بیٹھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کردیتے اور جب چوتھی رکعت میں ہوتے تو سرین مبارک زمین پر لگاتے اور بایاں پاؤں ایک جانب کو نکال دیتے۔

اور رسول اکرم ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپن (۵۳) کی گرہ بناتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔

نوٹ: انگوٹھے اور درمیان والی انگلی کا گول دائرہ بناتے ہوئے جو پانچ کا ہندسہ معلوم ہوتا اور باقی انگلیاں تین کا ہندسہ نظر آتیں اور آپ کلمۂ شہادت کے وقت ایسا کرتے تھے۔ ۱۲ ہزاروی

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں غور کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ایسا کیا اور بہت سے لوگوں نے روایت کیا لہٰذا ان سے نقل کرنے کی نفی صحیح نہیں' نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے مستحب قرار دیا اور ابن قیم شافعی المسلک ہیں۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۲۵)

''صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور انگوٹھے سے ملی ہوئی دائیں (ہاتھ کی) انگلی کو اٹھاتے اور دو انگلیوں کو بند کر کے دائرہ بناتے پھر اپنی انگلی کو اٹھاتے ہم نے دیکھا کہ اسے حرکت دیتے اور دعا مانگتے اور آپ کا بایاں ہاتھ گھٹنے پر ہوتا اور آپ اسے اس سے کھلا رکھتے۔

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس (انگلی) کے ساتھ اشارہ کرتے اور اسے حرکت نہ دیتے۔[1]

امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی دائیں کہنی کو دائیں ران پر بچھاتے اور دو انگلیوں کو بند رکھتے ہوئے (درمیان انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ) گھیرا بناتے پھر (شہادت والی) انگلی کو اٹھاتے میں نے دیکھا کہ آپ اسے حرکت دیتے اور دعا مانگتے۔

نبی اکرم ﷺ اپنی انگلیوں کو ہاتھوں کو اٹھانے کی صورت میں رکوع میں'[2] سجدے اور تشہد کی حالت میں (ہاتھوں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرتے) اور سجدے کی حالت میں پاؤں کی انگلیوں کو بھی قبلہ رخ رکھتے۔

تیرہویں نوع

نبی اکرم ﷺ کا تشہد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ اس جلسہ (آخری جلسہ) میں تشہد پڑھتے اور صحابہ کرام کو سکھاتے کہ یوں کہیں:

التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله. (صحیح مسلم)

تمام بابرکت قولی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اے نبی! آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو اختیار کیا ہے کیونکہ ان میں ''المبارکات'' کا اضافہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد کو اختیار نہیں کیا اگرچہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ بات کہی ہے (کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے تشہد ابن مسعود کو اختیار کیا لیکن یہ سبقت قلم سے لکھا گیا)۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے جو ربیع بن سلیمان سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت امام شافعی' حضرت ابن

[1] بیان جواز کے لئے دونوں عمل فرمائے تا کہ کسی ایک کو ضروری نہ سمجھ لیا جائے' احناف کا عمل حرکت نہ دینے پر ہے کیونکہ نماز کے موافق یہی ہے۔۱۲ ہزاروی

[2] رکوع کی حالت میں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑنا ہوتا ہے جس میں انگلیاں قبلہ رخ نہیں ہوسکتیں۔۱۲ ہزاروی

عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کرنے کے بعد پوچھنے والے کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم دیکھتے ہیں اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے مختلف روایات آئی ہیں پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا پس جب میں نے اس میں گنجائش دیکھی اور میں نے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث صحیح سنی اور دوسری مرفوع روایات کے مقابلے میں اس میں زیادہ الفاظ دیکھے تو میں نے اسے اختیار کیا میں اس کو اختیار کرتے ہوئے دوسری روایت کو اختیار کرنے والوں کو ملامت نہیں کرتا۔

یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام کا آخری حصہ ہے اور اس میں افضلیت کی وضاحت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی علم ہے۔

امام ابوحنیفہ' امام احمد' جمہور فقہاء اور علمائے حدیث رحمہم اللہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد افضل ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک یہ زیادہ صحیح ہے۔

نوٹ: ہمارے ہاں جو تشہد پڑھا جاتا ہے یہ تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد جو ان کا اپنا قول ہے' افضل ہے کیونکہ انہوں نے منبر پر لوگوں کو اس کی تعلیم دی اور کسی نے ان سے اختلاف نہیں کیا پس یہ اس کی فضیلت پر دلالت ہے۔

نوٹ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے تشہد میں ''التحیات للہ'' کے بعد ''الزاکیات للہ'' ہے اور اس کے بعد ''الطیبات الصلوات للہ'' کے کلمات ہیں باقی الفاظ میں کوئی اختلاف نہیں۔

تشہد پڑھنے کا حکم

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ پہلا تشہد سنت اور دوسرا واجب ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا واجب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا واجب ہے اگر (بھول کر) رہ جائے تو اس نقصان کو سجدۂ سہو سے پورا کیا جائے اور دوسرا فرض ہے اس کو چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ' امام مالک اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قعدوں میں تشہد سنت ہے۔ [1]

امام مالک رحمہ اللہ سے ایک (ضعیف) روایت مروی ہے کہ آخری تشہد واجب ہے اور نبی اکرم ﷺ دونوں قعدوں میں تشہد پڑھتے تھے۔

تشہد کے کچھ معانی

''غیلانیات (ابوطالب بن غیلان کی طرف منسوب ہے اور یہ حدیث کی تخریج ہے) میں'' حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سکھاتے ہوئے فرمایا یہ نبی اکرم ﷺ کا تشہد ہے:

[1] احناف کے نزدیک تشہد دونوں قعدوں میں واجب ہے ہدایہ میں ہے ویتشهد وهو واجب عندنا (اور تشہد پڑھے اور ہمارے نزدیک یہ واجب ہے)۔ (ہدایہ اولین ص ۹۴)

واجبات نماز کے ضمن میں ہے دونوں قعدوں میں پورا تشہد پڑھنا یوں ہیں جتنے قعدے کرنا پڑیں سب میں پورا تشہد واجب ہے۔

(بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۷) ۱۲ ہزاروی

التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ.	تمام قولی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اے نبی! ﷺ آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکتیں ہوں' ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

یہ کلمات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے کلمات جیسے ہیں۔اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں ایک اچھا فائدہ ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا تشہد ہمارے تشہد کی طرح ہے (یعنی واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ کے کلمات ہیں)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گویا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے امام رافعی سے منقول ان کے اس قول کا رد کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ تشہد میں ''اشھد انی رسول اللہ'' پڑھا کرتے تھے۔

اور محدثین کرام نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ سے واضح الفاظ میں اس طرح مروی نہیں ہے۔

ہاں! ''صحیح بخاری میں'' حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کا زادِ راہ کم ہو گیا پھر انہوں نے حدیث بیان کی کہ اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں''۔

امام بیضاوی نے تشہد کے لطائف میں سے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو سکھایا کہ وہ آپ کے شرف اور ان پر آپ کے زائد حق کی وجہ سے آپ کا ذکر الگ کریں۔

پس اگر کہا جائے کہ یہ لفظ (السلام علیک ایھا النبی) کیسے جائز ہو گا جب کہ یہ انسان کو خطاب ہے اور نماز میں ایسا کرنا منع ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اگر تم کہو کہ ''السلام علیک ایھا النبی'' میں بطور غائب ذکر سے خطاب کی طرف عدول میں کیا حکمت ہے جب کہ سیاقِ کلام کا تقاضا ہے کہ بطور غائب ''السلام علی النبی'' کہا جاتا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کلماتِ تحیت پیش کرنے (التحیات للہ آخر تک) کے بعد نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں تحیت (سلام) پیش کیا جاتا اور پھر نیک لوگوں کی خدمت میں سلام پیش ہوتا۔

طیبی نے اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تو نبی اکرم ﷺ کے الفاظ کی اتباع کرتے ہیں جو آپ نے صحابہ کرام کو سکھائے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں کے طریقے پر اس بات کا بھی احتمال ہے کہ جب نماز کی التحیات کے ذریعے ملکوت (عالم غیب) کا دروازہ کھلواتے ہیں تو انہیں اس ذات کے حرمِ پاک میں داخل ہونے کی اجازت ملتی ہے جو زندہ ہے' کبھی نہیں مرے گا تو شرف ہمکلامی سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اب ان کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہ (اعزاز) نبی رحمت کے واسطے اور ان کی متابعت کی برکت سے حاصل ہوا ہے پس جب وہ متوجہ ہوتے ہیں تو محبوب' حرم محبت میں موجود ہوتے ہیں تو وہ ''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہتے ہوئے آپ

ﷺ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

امام حکیم ترمذی نے "السلام علینا و علی عباد الله الصالحین" کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص اس سلام سے حصہ حاصل کرنا چاہے جسے لوگ اپنی نمازوں میں بطور سلام پڑھتے ہیں تو اسے نیک بندہ بننا چاہیے ورنہ اس فضل عظیم سے محروم ہو جائے گا۔

قفال (ابوبکر محمد بن علی اسماعیل) متوفی ۳۶۵ھ[1] نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ نماز کا چھوڑنا تمام مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ نمازی کہتا ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. یا اللہ! مجھے بخش دے اور تمام مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو بخش دے۔

اور تشہد میں السلام علینا و علی عباد الله الصالحین کہنا ضروری ہے پس نماز نہ پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کی عبادت، نبی اکرم ﷺ کے حق، اپنے ذاتی حق اور عام مسلمانوں کے حق میں کوتاہی کرتا ہے اسی لئے نماز چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔[2]

امام سبکی نے اس سے بطور اجتہاد یہ ثابت کیا ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ ساتھ بندوں کا حق بھی ہے اور جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے وہ تمام مومنوں کی حق تلفی کرتا ہے چاہے وہ مومن گذر گئے یا قیامت تک آتے رہیں گے کیونکہ نماز میں "السلام علینا و علی عباد الله الصالحین" پڑھنا ضروری ہے۔

تشہد کے بعد درود شریف کا حکم

آخری تشہد کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے وجوب سے[3] متعلق گفتگو اور اس سلسلے میں مباحث، درود شریف کی فضیلت کے ضمن میں پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

امام طبرانی سے مرفوع حدیث منقول ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا صلوة لمن لم يصل على نبيه. جو شخص اپنے نبی ﷺ پر درود شریف نہیں بھیجتا اس کی نماز (کامل) نہیں۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۷۹، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۵۵، نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۲۶)

اسی طرح (یہ حدیث) ابن ماجہ اور دارقطنی (رحمہما اللہ سے بھی مروی ہے)۔

امام دارقطنی کے نزدیک حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

[1] (الاعلام ج ۶ ص ۲۷۴، وفیات الاعیان ج ۱ ص ۴۵۸، طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۷۶، مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۲۵۲، اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۱۷، عیون التواریخ ج ۱۲ ص ۱۶۹)

[2] بلکہ ماں باپ کے حق کو بھی ترک کرتا ہے کیونکہ نماز میں ماں باپ کی مغفرت کے لئے بھی دعا ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] احناف کے نزدیک نماز میں درود شریف پڑھنا سنت ہے، واجب نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

من صلی صلاۃ لم یصل فیھا علی وعلی اھل بیتی لم تقبل منہ. (سنن دار قطنی ج اص ۳۵۵ رقم الحدیث:۶'نصب الرایۃ ج ۳ص ۴۲۷)

جو شخص نماز پڑھے لیکن اس میں مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود شریف نہ پڑھے اس سے (نماز) قبول نہیں ہو گی۔

کیا رسول اکرم ﷺ کے لئے رحمت کی دعا مانگی جائے؟

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا تشھد احدکم فی الصلوۃ فلیقل اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وارحم محمدا وال محمد کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید. (المستدرک)

جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں تشہد پڑھے تو یوں کہے اے اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما اور حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور آپ کی آل پر رحمت و برکت نازل فرمائی اور رحم فرمایا' بے شک تو تعریف کیا ہوا' بزرگی والا ہے۔

ایک جماعت اس کی تصحیح میں دھوکے کا شکار ہوئی کہ یہ یحییٰ بن سباق کی روایت سے ہے اور وہ مجہول ہے وہ ایک مبہم (غیر معروف) شخص سے روایت کرتا ہے۔ ابن عربی نے اس کے انکار میں مبالغہ سے کام لیا اور فرمایا کہ ابن ابی زید نے لفظ ترحم کا جو اضافہ کیا ہے اس سے بچو کیونکہ یہ بدعت کے قریب ہے' نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز کی کیفیت وحی کے ذریعے بتائی پس اس میں اضافہ اس (کیفیت) پر زیادتی ہے (جو جائز نہیں)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ابن ابی زید نے ''الرسالہ'' میں تشہد کی کیفیت کے ضمن میں بیان کیا جب انہوں نے تشہد میں مستحب امور کا ذکر کیا اسی سے یہ ہے: اللھم صلی علی محمد وال محمد (آخر تک)

اس میں وترحم علی محمد وال محمد وبارک علی محمد وآل محمد (آخر تک) بھی ہے۔

(ترجمہ پہلے ہو چکا ہے)۔

اگر اس کا انکار اس لئے ہے کہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو یہ بات تسلیم ہے ورنہ کسی شخص کا یہ دعویٰ کہ ''ارحم محمدا'' (یا اللہ حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما) نہ کہا جائے تو یہ بات مردود ہے کیونکہ متعدد احادیث میں یہ بات ثابت ہے جن میں سے سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ تشہد میں ''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' ہے (اس میں رحمت کا ذکر ہے)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: پھر مجھے ابن ابی زید کا ماخذ مل گیا۔ طبری نے اپنی کتاب ''تہذیب الآثار'' میں حضرت حنظلہ بن علی کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

(کشف الظنون ج ۱ص ۵۱۴)

من قال اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم

وبارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت عی ابراهیم وعلی ال ابراهیم وترحم علی محمد وعلی آل محمد کما ترحمت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم. شهدت له یوم القیامة وشفعت له.

جوشخص یہ (مندرجہ بالا) درود شریف پڑھے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

اس کی سند کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں البتہ سعید بن سلیمان جو سعید بن عاص کے آزاد کردہ غلام ہیں اور حضرت حنظلہ بن علی سے روایت کرتے ہیں' مجہول ہیں۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے اس میں رحمت کا ذکر سلام یا صلوٰۃ سے ملا ہوا ہے۔

ابن عربی رحمہ اللہ نے انکار کے سلسلے میں شافعی مسلک کے صیدلانی کی موافقت کی ہے اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جمہور سے مطلق جواز نقل کیا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ''المفہم میں'' فرمایا کہ یہی بات (رحمت کا ذکر) صحیح ہے کیونکہ اس سلسلے میں احادیث آئی ہیں لیکن ان کے علاوہ حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے' حنفی فقہ کی کتاب ''الذخیرہ میں'' حضرت محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں نقص کا وہم پایا جاتا ہے کیونکہ عام طور پر رحمت ایسے فعل سے متعلق ہوتی ہے جس پر ملامت کیا جائے۔

ابن عبدالبر نے اسے قطعی طور پر منع کیا اور فرمایا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر کرے تو رحمہ اللہ کہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یوں فرمایا ''من صلی علی'' (جس نے مجھ پر درود بھیجا) یہ نہیں فرمایا ''من ترحم علی'' (اور جس نے میرے لئے رحمت کی دعا کی) اور نہ یہ فرمایا ''من دعالی'' (جس نے میرے لئے دعا کی) اگرچہ صلوٰۃ کا معنیٰ رحمت ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے پیش نظر آپ کے لئے یہ لفظ مخصوص ہے اس سے کسی دوسرے شخص کی طرف نہ پھرا جائے۔[1]

تشہد کے بعد حضور ﷺ پر درود شریف بھیجنا

ابوالعباس السراج نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں؟ فرمایا یوں کہو:

''اللهم صل علی محمد وعلی ال محمد و بارک علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت وبارکت علی ابراهیم وال ابراهیم انک حمید مجید'' (ترجمہ واضح ہے)۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں یوں منقول ہے:

---

[1] مطلب یہ کہ کسی دوسرے شخص کے لئے صلاۃ کا لفظ استعمال نہ کیا جائے اگرچہ معنوی اعتبار سے درست ہے جیسے عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا حضور ﷺ کے لئے نہیں بولا جاتا اگرچہ معنیٰ کے اعتبار سے صحیح ہے (زرقانی ج ۷ ص ۳۳۱) راقم کے خیال میں اسی ضابطے کے مطابق رضی اللہ عنہ کا لفظ بھی صرف صحابہ کرام کے لئے بولا جائے اور بزرگان دین کے لئے رحمۃ اللہ علیہ استعمال کیا جائے اسی طرح علیہ السلام بھی صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے استعمال کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲ ہزاروی

اللھم اجعل صلواتک ورحمتک وبرکاتک علی محمد وعلی ال محمد کما جعلتھا علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم.

یا اللہ! اپنی صلوات اور رحمتیں اور برکتیں حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر نازل کردے جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو (یہ رحمتیں اور برکتیں) عطا فرمائی ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے نقل کی ہے "علی محمد النبی الامی" کے الفاظ بھی ہیں (یعنی حضرت محمد ﷺ پر جو نبی ہیں اور کسی سے پڑھے ہوئے نہیں ہیں)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

علی محمد عبدک ورسولک کما صلیت علی ابراھیم.

حضرت محمد ﷺ پر (رحمت نازل فرما!) جو تیرے خاص بندے اور تیرے رسول ہیں جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی ہے۔

اس روایت میں "آل محمد ﷺ اور آل ابراہیم علیہ السلام" کا ذکر نہیں ہے۔

"سنن ابی داؤد میں" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

اللھم صل علی محمد النبی وازواجه امھات المومنین وذریته واھل بیته.

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر جو نبی ہیں اور آپ کی ازواجِ مطہرات پر جو مومنوں کی مائیں ہیں اور آپ کی اولاد اور آپ کے اہل بیت پر رحمت نازل فرما۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں "فی العالمین انک حمید مجید" کے الفاظ بھی ہیں (یعنی تمام جہانوں میں آپ پر درود ہو بے شک تو تعریف کیا ہوا بزرگی والا ہے)۔

امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح المہذب میں" فرمایا کہ صحیح احادیث میں جو کچھ ہے اسے جمع کر کے یوں کہے:

اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آل محمد وازواجه وذریته کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید. (ترجمہ واضح ہے)۔

امام نووی رحمہ اللہ سے "الاذکار میں" اس کی مثل منقول ہے البتہ "صل علی محمد" کے بعد "عبدک ورسولک" کا اضافہ ہے اور "بارک" میں یہ اضافہ نہیں ہے۔

انہوں نے ہی "التحقیق والفتاوی" میں اس کی مثل ذکر کیا البتہ "النبی الامی" کے الفاظ ذکر نہیں کئے "الاسنوی" نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ صحیح احادیث میں ثابت ہے امام نووی نے اس سب کا احاطہ نہیں کیا علاوہ ازیں ان کے کلام میں اختلاف بھی ہے۔

اذرعی نے فرمایا کہ جو کچھ امام نووی نے فرمایا ان سے پہلے کسی نے نہیں کہا اور زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ تشہد پڑھنے والا سب سے زیادہ کامل روایت پر عمل کرے اور جیسے ثابت ہے اسی طرح پڑھے کبھی یہ اور کبھی وہ جہاں تک (روایات کے الفاظ کو) ملانے کا تعلق ہے تو اس سے تشہد میں ایک نئی صفت پیدا کرنا لازم آتا ہے کہ کسی ایک حدیث میں یہ تمام باتیں جمع

نہیں ہیں ابن قیم نے اس معنیٰ (اعتراض) کی طرف سبقت کی ہے (یہ نئی صفت ممنوع نہیں کیونکہ وہی لفظ پڑھے جائیں گے جو منقول ہیں ابن قیم وغیرہ کا تو یہی طریقہ ہے کہ عام مسلمانوں کے طریقے کی مخالفت کریں۔۱۲ ہزاروی)۔

نماز میں دعا

نبی اکرم ﷺ نماز میں یوں دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰھُمَّ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ.

یا اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! اور میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ایک شخص نے پوچھا آپ اکثر قرض سے پناہ طلب کرتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے؟) تو آپ نے فرمایا جب کوئی شخص قرض دار ہو جاتا ہے تو بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ابن دقیق نے کہا کہ فتنۃ المحیا (زندگی کے فتنہ) سے مراد وہ فتنہ ہے جو انسان کو زندگی میں درپیش ہوتا ہے وہ دنیا' خواہشات اور جہالتوں کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں سب سے بڑا فتنہ موت کے وقت خاتمہ کا فتنہ ہے اور موت کے فتنہ (فتنۃ الموت) سے مراد ہو سکتا ہے موت کے وقت فتنہ مراد ہو اور موت کی طرف اضافت اس کے قریب ہونے کی وجہ سے کی گئی ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے قبر کا فتنہ مراد ہو اس صورت میں ''عذاب القبر'' (کے ذکر) کے ساتھ تکرار نہیں ہوگا کیونکہ عذاب' فتنہ پر مرتب ہوتا ہے اور سبب' مسبب کا غیر ہوتا ہے (یعنی فتنہ سبب ہے اور عذاب اس کے نتیجے میں آتا ہے جو مسبب ہے)۔

حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے ''نوادر الاصول میں'' حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب میت سے سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تو شیطان اس کے سامنے آ کر اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تمہارا رب ہوں اسی لئے حدیث میں (قبر میں) سوال کے وقت ثابت قدمی کی دعا کرنے کا ذکر آیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۷۹)

سوال: اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اگلے پچھلے ہر قسم کے خلافِ اولیٰ کام بخش دیئے گئے تو آپ کا دعا کرنا کس مقصد کے تحت ہے؟

جواب: تو اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دینے کا ارادہ کیا۔

(۲) اس سوال سے مقصود امت کے لئے (ثابت قدمی کا) سوال کرنا تھا (اپنے لئے نہیں) پس یہاں معنیٰ یہ ہوگا کہ میں اپنی امت کے لئے پناہ طلب کرتا ہوں۔[۱]

---

[۱] اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کی طرف ذنب کی اضافت سے امت کے اگلوں پچھلوں کے گناہ مراد لئے ہیں کیونکہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں اس جواب سے اعلیٰحضرت رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام کی اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہاں امت کی پناہ کی دعا ہے لیکن اضافت حضور ﷺ کی طرف ہے۔۱۲ ہزاروی

(۴) یہ تواضع کے راستے پر چلنا بندگی کا اظہار اللہ تعالیٰ کے خوف کو اپنے اوپر لازم کرنا اس کی بڑائی اور اس کی طرف محتاجی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کے سلسلے میں اس کے حکم کی تعمیل ہے اور قبولیت کے ثابت ہونے کے باوجود بار بار کی طلب منع نہیں ہے کیونکہ یہ نیکیوں کے حصول اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے نیز اس میں امت کو رغبت دینا ہے کہ اس طریقے کو لازم پکڑیں کیونکہ مغفرت کے باوجود بارگاہ خداوندی میں گڑگڑانے کا عمل ترک نہیں کیا جاتا تو جس کے لئے مغفرت ثابت نہیں ہوئی اس کے لئے اس عمل کو ہمیشہ اختیار کرنا زیادہ لائق ہے۔

فتنۂ دجال سے استعاذہ

نبی اکرم ﷺ نے دجال کے فتنہ سے پناہ مانگی حالانکہ یہ بات ثابت تھی کہ آپ اس میں مبتلا نہیں ہوں گے تو اس پر (اوپر بیان کی) پہلی دو وجہوں کی بنیاد پر اعتراض نہیں ہوتا ہے اور ایک قول کے مطابق تیسری وجہ بھی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس میں مبتلا نہ ہونے کے ثبوت سے پہلے یہ دعا کی گئی ہو اور اس پر "صحیح مسلم کی" یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر وہ (دجال) ظاہر ہوا اور میں تم میں موجود ہوا تو میں اس کے مقابلے میں حجت پیش کروں گا (اور اس کے دجل وفریب کو واضح کروں گا)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۱، مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۱، المستدرک ج ۴ ص ۴۹۲، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۲۱، مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۵۴۷۵، مسند الحمیدی ج ۱ ص ۸۷، رقم الحدیث: ۳۶۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۷۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تشہد کے بعد یہ (دعائیہ کلمات پڑھتے تھے):

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ الْاَعْوَرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ. (سنن ابوداؤد)

یا اللہ! میں عذابِ جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، کانے دجال کے فتنہ سے تیری پناہ کا طالب ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تشہد اور سلام کے درمیان (یعنی درود شریف کے بعد) یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَمَآ اَسْرَفْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ. (صحیح مسلم)

یا اللہ! میرے لئے (ان گناہوں کو) بخش دے جو میں نے آگے بھیجے اور جو میں اس کے بعد کروں جو کچھ میں چھپاؤں اور جو علانیہ کروں اور جو زیادتی کروں اور جو کچھ تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے رکھنے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

ان ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جب آپ سلام پھیرتے تو "اللھم اغفرلی ما قدمت آخر تک" پڑھتے۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ دوسری روایت کو سلام کے ارادے پر محمول کیا جائے کیونکہ دونوں روایتوں کا مخرج ایک ہی ہے (مطلب یہ کہ جب سلام پھیرنے کا ارادہ فرماتے تو یہ کلمات پڑھتے)۔

ابن حبان نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرتے (تو یہ کلمات پڑھتے) اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ سلام کے بعد یہ کلمات پڑھتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ سلام سے پہلے اور بعد میں بھی پڑھتے ہوں۔

نبی اکرم ﷺ کی اس دعا کے حوالے سے اشکال کا جواب عنقریب آپ کی دعاؤں کے باب میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نبی اکرم ﷺ نماز کے اندر جن مقامات پر دعا مانگتے تھے اس کا خلاصہ چھ مقامات ہیں۔

(۱) تکبیر تحریمہ کے بعد۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے ''جو صحیح بخاری و مسلم میں'' منقول ہے کہ آپ یوں دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ خَطَايَايَ. یا اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان دوری پیدا کردے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵' سنن دارمی ج ۱ ص ۲۸۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۰۳)

(۲) رکوع میں دعا مانگتے تھے۔ جیسا کہ شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آپ اپنے رکوع و سجود میں اکثر یوں دعا مانگتے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ. یا اللہ! تو پاک ہے اور تیرے لئے ہی تعریف ہے یا اللہ! مجھے بخش دے۔

(۳) رکوع سے کھڑے ہونے کی حالت میں دعا مانگتے۔ جیسا کہ حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ آپ ''من شی بعد'' کے بعد یوں دعا مانگتے:[1]

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِيْ بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ. یا اللہ! مجھے برف' اولوں اور ٹھنڈے پانی کے ساتھ پاک کردے۔

(۴) آپ سجدے میں دعا مانگتے اور آپ کی زیادہ دعا سجدے میں ہوتی تھی اور آپ اس کا حکم بھی دیتے تھے۔

(۵) دونوں سجدوں کے درمیان اللھم اغفرلی (آخر تک) کے الفاظ سے دعا مانگتے۔

(۶) تشہد میں دعا مانگتے تھے۔

نوٹ: یہ تمام دعائیں تفصیلاً گذر چکی ہیں یہاں صرف ان مقامات کا بطور خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔

آپ قنوت (قیام) میں بھی دعا مانگتے تھے اور قرأت کے دوران جب کسی آیتِ رحمت پر گزرتے تو دعا مانگتے اور جب آیتِ عذاب پر گزرتے تو پناہ مانگتے تھے۔ یہ تمام باتیں گذر چکی ہیں۔ واللہ اعلم

[1] رکوع کے بیان میں ایک دعا گزر چکی ہے جس میں ''من شی بعد'' کے الفاظ ہیں۔ ۱۲ ابزاروی

چودھویں نوع

نبی اکرم ﷺ کا نماز سے سلام پھیرنا

سلام پھیرنے کے سلسلے میں آپ کی سیرتِ طیبہ

نبی اکرم ﷺ دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ انور کی سفیدی نظر آتی۔ اسی حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کے واسطے سے ان کے والد سے نقل کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے ''السلام علیکم ورحمة الله'' کے الفاظ کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا۔

امام ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا ہے حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ انور کی سفیدی نظر آجاتی۔

امام نسائی کی روایت میں ہے حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ انور کی سفیدی یہاں سے نظر آتی اور (دوسری طرف کے) چہرۂ انور کی سفیدی یہاں سے نظر آتی ہے۔

آپ کا دائمی فعل یہ تھا اس حدیث کو پندرہ صحابہ کرام نے آپ سے روایت کیا وہ صحابہ کرام یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت سہل بن سعد' حضرت وائل ابن حجر' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت حذیفہ بن الیمان' حضرت عمار بن یاسر' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت جابر بن سمرہ' حضرت براء بن عازب' حضرت ابو مالک اشعری' حضرت طلق بن علی' حضرت اوس بن اوس' حضرت ابوثور اور حضرت عدی بن عمرو (رضی اللہ عنہم)۔ (نوٹ: الاصابہ کے مطابق عدی بن عمرو کی بجائے عدی بن عمیرہ صحیح ہے)

(الاصابہ ج ۴ ص ۲۳۱ رقم الترجمہ: ۵۴۷۹)

یہ (مذکورہ بالا) حضرت امام شافعی' حضرت امام ابوحنیفہ' حضرت امام احمد اور جمہور (فقہاء) رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔

سلام پھیرنے سے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

ایک جماعت کے ساتھ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک ایک سلام پھیرنا ہے۔

ہمارے مذہب کی دلیل گزر چکی ہے اور وہ جو مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صرف ایک سلام چہرے کے سامنے پھیرتے تھے تو یہ صحیح سند سے ثابت نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ عمدہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سلام پھیرتے تھے' السلام علیکم بلند آواز سے کہتے حتیٰ کہ ہمیں جگا دیتے' یہ حدیث معلول ہے اور یہ سنن میں منقول ہے لیکن قیام لیل کے بارے میں ہے۔

اور جن حضرات نے آپ سے دو سلام روایت کیے ہیں انہوں نے وہ بات روایت کی ہے جس کا انہوں نے فرض اور نفل (دونوں قسم کی نمازوں) میں مشاہدہ کیا۔

(نیز) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ایک سلام پر اکتفاء میں صریح نہیں ہے بلکہ انہوں نے تو اس بات کی خبر

دی ہے کہ آپ ایک سلام ایسا پھیرتے تھے جس کے ساتھ ان کو جگا دیتے تھے ام المومنین نے دوسرے سلام کی نفی نہیں کی بلکہ اس سے خاموشی اختیار فرمائی اور ان کا خاموش رہنا ان لوگوں کی روایت سے مقدم نہیں جنہوں نے اسے یاد کیا اور یاد رکھا ان حضرات کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ان کی احادیث بھی صحیح ہے۔ واللہ اعلم

سلام پھیرنے کا حکم

سلام پھیرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت امام مالک' امام شافعی اور امام احمد (رحمہم اللہ) اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ فرض ہے' اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔

حضرت امام ابوحنیفہ' امام ثوری اور امام اوزاعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں یہ سنت ہے اگر چھوڑ دیا جائے تو نماز ہو جائے گی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر (نمازی) نماز کے آخر میں کوئی ایسا کام (جان بوجھ کر) کرے جو نماز کے منافی ہے مثلاً بے وضو ہو جانا وغیرہ تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

انہوں نے یوں استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ایک اعرابی کو نماز سکھائی تو اسے سلام نہیں سکھایا۔[1]

جمہور نے حضرت امام ابوداؤد کی (روایت کردہ) حدیث سے استدلال کیا ہے کہ:

مفتاح الصلوۃ الطھور وتحلیلھا السلام. نماز کی چابی طہارت ہے اور اس سے باہر نکلنا سلام (کے ساتھ) ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٦١' سنن ترمذی ج ٣ ص ٢٢٨' مسند احمد ج ١ ص ١٢٣' سنن دارقطنی ج ١ ص ٣٧٩' سنن دارمی ج ١ ص ١٧٥' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٢٢٩' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ٢٥٣٩' مجمع الزوائد ج ٢ ص ١٠٤' الکامل ج ٤ ص ١٤٢٨' التمہید ج ٩ ص ١٨٥' اتحاف السادۃ المتقین ج ٣ ص ٣٠٢' المغنی ج ١ ص ١٢٥' الحلیہ ج ٧ ص ١٢٤۔ ج ٨ ص ٣٧٢' کنز العمال رقم الحدیث: ١٩٦٣٢)

نماز کے دوران طریقہ رسول ﷺ

نبی اکرم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے سرِ انور کو جھکا دیتے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور آپ کی نگاہِ مبارک انگشت شہادت سے تجاوز نہ کرتی (بلکہ اس پر رہتی) اور اللہ تعالیٰ نے نماز کو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا تھا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ. اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کو مقتدیوں کے احوال کی رعایت سے کوئی بات پھیر نہ سکتی باوجودیکہ آپ کو اپنے رب کی طرف کامل توجہ اور اس کا قرب حاصل ہوتا اور اس کے حضور قلبی حاضری حاصل ہوتی۔

رسول اکرم ﷺ نماز شروع کرتے اور اس کو لمبا کرنے کا ارادہ فرماتے پس کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس

[1] اگرچہ ایسا کرنا جائز ہے اور سلام کے علاوہ قصداً ایسا عمل کرنے سے نماز مکمل ہو جائے گی جو عمل نماز کے منافی ہے لیکن لفظ سلام چھوڑنے سے گناہ گار ہوگا۔ ١٢ ہزاروی

خوف سے نماز میں اختصار فرماتے کہ اس (بچے) کی ماں کے لئے باعث مشقت نہ ہو۔[1]

نماز کے دوران بچے کو اٹھانا

نبی اکرم ﷺ لوگوں کو نماز پڑھاتے اور آپ کے کاندھے پر امامہ بنت ابی العاص بن ربیع ہوتیں۔

(الاصابہ ج ۸ ص ۱۴ رقم الترجمہ: ۷۰)

حضرت امامہ نبی اکرم ﷺ کی نواسی یعنی آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ان لوگوں کے مسلک پر دلالت کرتی ہے جو ان کے موافق ہیں کہ فرض اور نفل (ہر قسم کی نماز) میں امام مقتدی اور تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے کسی بچے یا بچی یا کسی حیوان کو اٹھانا جائز ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب نے اسے نفل نماز پر محمول کیا ہے اور فرض نماز میں اس کو منع کیا ہے۔

لیکن ان کی یہ تاویل فاسد ہے کیوں کہ حدیث میں یؤم الناس کے الفاظ صریح ہیں یا صریح کی طرح ہیں کہ یہ واقعہ فرض نماز میں ہوا بعض مالکی حضرات نے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے بعض حضرات نے کہا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور کچھ نے فرمایا کہ ضرورت کے تحت ایسا کیا۔ یہ سب تاویلات مردود ہیں اور ان پر کوئی دلیل نہیں اور ان کی کوئی ضرورت نہیں۔[2]

بلکہ صحیح حدیث اس کے جواز میں صریح ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو شریعت کے خلاف ہو کیونکہ انسان پاک ہے اور اس کے پیٹ میں جو نجاست ہے وہ معاف ہے کیونکہ وہ اس کے معدے میں ہے اور بچوں کے کپڑوں اور ان کے جسموں کو طہارت پر محمول کیا جاتا ہے اور دلائل شرعیہ اس پر ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں اور نماز میں عمل تھوڑا ہو یا متفرق ہو تو وہ اسے باطل نہیں کرتا اور نبی اکرم ﷺ کا فعل جواز کے لئے ہے (ضروری اور لازمی نہیں) اور ان قواعد پر تنبیہ ہے جو ذکر کئے ہیں۔

یہ (مندرجہ بالا تقریر) ابوسلیمان خطابی کے دعویٰ کو رد کرتی ہے وہ فرماتے ہیں مناسب یہ ہے کہ یہ فعل نماز میں ان کو اٹھانے کے قصد کے بغیر ہوا ہو بلکہ وہ بچی آپ سے چمٹ گئی اور آپ نے اسے دور نہ فرمایا جب آپ کھڑے ہوئے تو پھر بھی وہ آپ کے ساتھ رہی وہ فرماتے ہیں یہ وہم نہ کیا جائے کہ آپ نے اسے اٹھایا اور پھر رکھ دیا کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور دل کو دوسری طرف متوجہ کرتا ہے جب نبی اکرم ﷺ کی چادر کے بیل بوٹوں نے آپ کی توجہ کو (نماز سے) ہٹا دیا تو اس عمل کی وجہ سے آپ کی توجہ کیسے نہ ہٹتی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۳۔۷۵۲۔۵۸۱۷)

---

[1] نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اس لئے آپ سب کا خیال فرماتے خصوصاً کمزور لوگوں عورتوں اور بچوں کی رعایت زیادہ فرماتے اور نماز مختصر فرما دیتے لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ دین کے نام پر ایسے کام نہ کریں جو امت کے لئے مشقت کا باعث ہوں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اگر نماز میں عمل قلیل پایا جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی اور عمل کثیر سے ٹوٹ جاتی ہے قلیل عمل وہ ہوتا ہے جسے دیکھنے والا دیکھے تو خیال نہ کرے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا۔ ۱۲ ہزاروی

یہ خطابی کا کلام ہے اور یہ باطل اور محض دعویٰ ہے اس کو رد کرنے والی باتوں میں ''صحیح مسلم کی'' حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں:

فاذا قام حملها واذا رفع من السجود اعادها. جب آپ کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اسے دوبارہ اٹھاتے۔

''صحیح مسلم کے علاوہ'' کتب میں یہ الفاظ بھی ہیں ''خرج حاملا امامة وصلی'' نبی اکرم ﷺ حضرت امامہ کو اٹھائے ہوئے تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ جہاں تک نقش و نگار والی چادر کا تعلق ہے تو وہ کسی فائدے کے بغیر دل کی توجہ کو ہٹا دیتی ہے اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ان کی وجہ سے توجہ (نماز سے) ہٹ گئی ہو اور اگر آپ کی توجہ ادھر مبذول ہوئی بھی ہو تو اس پر فوائد مرتب ہوتے ہیں اور ان قواعد کا ذکر ہے جو ہم نے بیان کئے پس اس مشغولیت میں ان فوائد کا احتمال ہے جبکہ چادر والے واقعہ میں یہ بات نہیں تھی۔

بہتر بات جس سے پھرا نہیں جا سکتا یہ ہے کہ یہ حدیث ان قواعد کے بیان اور تنبیہ کے لئے ہے پس ہمارے لئے یہ جائز ہے اور قیامت تک ہمیشہ جائز رہے گا۔

نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے پس حضرت حسن یا حضرت حسین (رضی اللہ عنہما) آ کر آپ کی پیٹھ مبارک پر سوار ہو جاتے تو آپ سجدہ لمبا کر دیتے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ وہ آپ کی پیٹھ سے گر جائیں۔

نماز میں حرکت

نبی اکرم ﷺ نماز کے دوران سلام کرنے والے کو اشارہ سے جواب دیتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا (واپسی پر) میں نے آپ کو نماز کی حالت میں پایا تو سلام کیا' آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں حبشہ سے آیا تو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے سر کے ساتھ اشارہ کیا۔ [1]

اور آپ نماز پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوتی تھیں جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے دست مبارک سے ان کو ٹٹولتے چنانچہ وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں اور جب آپ کھڑے ہوتے تو وہ پھیلا دیتیں۔

- اور نبی اکرم ﷺ نماز میں ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اچکنا ہے جو شیطان' بندے کی نماز سے اچکتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۱' سنن ترمذی ۵۹' سنن نسائی رقم الباب: ۱۰' مسند احمد ج ۶ ص ۷۔۱۰۶)

[1] نماز میں سلام کا جواب دینا جائز نہیں نہ زبان سے اور نہ اشارے سے' اسلام کے آغاز میں بعض احکام کی پابندی نہیں تھی ہو سکتا ہے اس وقت کی بات ہو نیز حضور ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا ہو کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت امام ابوداؤ رحمہ اللہ نے حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ غزوۂ حنین کے دن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

آج رات کون ہماری دربانی کرے گا؟ حضرت انس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں (کروں گا) آپ نے فرمایا سوار ہو جاؤ پس وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس گھاٹی کی طرف جاؤ حتیٰ کہ اس کے اوپر چلے جاؤ صبح ہوئی تو ہمیں نماز کے لیے پکارا گیا نبی اکرم ﷺ نماز پڑھنے لگے اور آپ گھاٹی کی طرف دیکھ رہے تھے حتیٰ کہ جب نماز مکمل ہوئی تو فرمایا تمہیں خوشخبری ہو تمہارا سوار آ گیا ہے۔

(سنن ابوداؤ در قم الحدیث: ۲۵۰۱' مسند احمد ج اص ۳۹۱' السنن الکبریٰ ج ۲ص ۷۔ ج ۹ص ۱۴۹' المعجم الکبیر ج ۶ص ۱۱۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ص ۳۵۰' مجمع الزوائد ج اص ۳۱۸' دلائل النبوۃ ج ۴ص ۲۷۵۔ ج ۵ص ۱۲۶' نصب الرایہ ج ۲ص ۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۸۴۵)

تو آپ کی یہ توجہ نماز میں جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے تھی اور یہ عبادات میں شامل ہے جس طرح نمازِ خوف ہے (کہ اس میں آنے جانے سے نماز نہیں ٹوٹتی)۔

اسی کے قریب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: فرمایا ''میں جہاد کے لئے تیاری کر رہا تھا اور میں نماز میں تھا'' تو یہ جہاد اور نماز کو جمع کرنا ہے اس کی مثال قرآن مجید کے معانی میں غور و فکر کرنا اور اس سے علم کے خزانے نکالنا ہے۔

نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان سامنے آیا تا کہ آپ کی نماز توڑ دے آپ نے اس کو پکڑ کر اس کا گلا دبایا حتیٰ کہ اس کا تھوک آپ کے مبارک ہاتھوں پر بہنے لگا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت مطرف بن عبد اللہ بن شخیر اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ کے بطن اقدس سے ہنڈیا کے ابلنے کی طرح آواز آ رہی تھی یعنی آپ رو رہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کے سینۂ مبارک سے رونے کی وجہ سے چکی کی آواز جیسی آواز آ رہی تھی۔ (مسند احمد)

اور نبی اکرم ﷺ نماز کے دوران آنکھیں بند نہیں کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک پتلا دوپٹہ تھا جس سے گھر کی ایک جانب میں پردہ کرتی تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس پردے کو ہم سے ہٹا دو اس کی تصاویر نماز میں مسلسل میرے سامنے آتی رہیں۔ (مسند احمد ج ۳ص ۱۵۱) اگر آپ اپنی آنکھیں بند کرتے تو نماز میں وہ (تصاویر) سامنے نہ آتیں۔

علماء کرام کا اس عمل کے مکروہ ہونے میں اختلاف ہے اور حق بات یہ ہے کہ کہا جائے اگر آنکھیں کھولنے سے خشوع میں خلل واقع نہ ہو تو یہ افضل ہے اور اگر اس کے اور خشوع کے درمیان رکاوٹ بنے مثلاً اس کے قبلہ کی جانب کوئی نقش و نگار وغیرہ ہو جس سے دل کی توجہ پھر جاتی ہو تو اس صورت میں آنکھیں بند رکھنا قطعاً مکروہ نہیں بلکہ اس حالت میں بند رکھنا مستحب ہونا مناسب ہے۔

نماز میں وسوسہ

نبی اکرم ﷺ کی نماز اعتدال پر ہوتی تھی وہ غلو (حد سے تجاوز) سے خالی ہوتی تھی مثلاً عقدِ نیت میں وسوسہ نیت بلند آواز سے کرنا' وہ اذکار اور دعائیں جو آہستہ پڑھنے کا حکم ہے ان کو بلند آواز سے پڑھنا' جس عمل کو مختصر کرنا ہو اس کو طویل کرنا جس طرح پہلا تشہد وغیرہ وہ امور جن کو اکثر ایسے لوگ کرتے ہیں جو وسوسوں میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان (وسوسوں) سے محفوظ رکھے۔

اور یہ بھی ایک قسم کا جنون ہے اور ایسا شخص یقیناً بدعتی اور اپنے افعال و اقوال میں ایسی باتیں نکالتا ہے جو نبی اکرم ﷺ نے نہیں کی ہیں اور نہ ہی کسی صحابی نے ایسا کیا ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان خیر الهدی هدی محمد (ﷺ) و شر الامور محدثاتها.

بے شک بہترین سیرت حضرت محمد ﷺ کی سیرت ہے اور برے کام ان میں سے نو پید کام ہیں۔

اور آپ سے اس طرح بھی مروی ہے:

ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة.[1]

نئے کاموں سے بچو! بے شک ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(تلبیس ابلیس ص ۱۵' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶)

امام الحرمین کی طرف جو کچھ منسوب ہے اس میں یہ بھی ہے کہ وسوسہ عقل کا نقصان ہے یا احکام شریعت سے جہالت ہے۔

ان وسوسہ والوں کی عجیب باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں بعض بار بار طہارت میں مشغول ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان سے جماعت رہ جاتی ہے بعض اوقات تو (نماز) وقت ہی نکل جاتا ہے۔ اور ان میں سے بعض نیت میں مشغول ہوتے ہیں حتیٰ کہ تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات ایک یا زیادہ رکعتیں نکل جاتی ہیں اور ان میں سے بعض قسم کھاتے ہیں کہ وہ اس تکبیر پر زیادہ نہیں کرے گا پھر جھوٹ بولتا ہے (یعنی زیادہ کرتا ہے)۔

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ ان میں سے بعض حالتِ قیام میں وسوسے میں مبتلا ہوتے ہیں حتیٰ کہ امام رکوع میں چلا جاتا ہے جب رکوع کے نکلنے کا خوف ہوتا ہے تو جلدی جلدی تکبیر کہہ کر رکوع کو پالیتا ہے پس جس شخص کو طویل قیام کی حالت میں فارغ دل کے ساتھ نیت حاصل نہ ہوا سے تنگ وقت میں رکعت کے فوت ہونے کے خیال میں مشغولیت کی صورت میں نیت کیسے حاصل ہوگی؟

ان لوگوں میں سے بعض بار بار اللہ اکبر کہتے ہیں جس سے دوسرے مقتدی تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات مکروہ ہے۔

ان میں سے بعض کے اعضاء میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے وہ پیشانی کو ٹیڑھا کرتا ہے اس کی آنکھوں کی رگیں کھڑی

[1] بدعت کا لغوی معنیٰ ہے نیا کام لیکن نئے کام دو قسم کے ہوتے ہیں اچھے بھی اور برے بھی لہٰذا جو اچھا ہوگا وہ مذموم نہیں ہوگا اسی لئے محدثین کرام نے فرمایا کہ یہاں اصل عبارت "کل بدعة سیئة ضلالة یعنی ہر بری بدعت گمراہی کا باعث ہے"۔ ۱۲ ہزاروی

ہو جاتی ہیں اور وہ واضح الفاظ میں تکبیر کہتا ہے گویا وہ دشمن پر (حملہ کے وقت) نعرۂ تکبیر بلند کر رہا ہو۔
ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اپنے عضو کو دھوتا' اس کا مشاہدہ کرتا اور اسے دیکھتا ہے' تکبیر کہتا اور زبان سے قرأت کرتا ہے' اپنے کانوں سے سنتا ہے اور دل سے جانتا ہے اس کے باوجود اپنے یقین کا انکار کر کے شیطان کی تصدیق کرتا ہے اور جس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور کانوں سے سنتا ہے اس کا انکار کرتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابوالوفاء بن عقیل سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ میں تکبیر کہتا ہوں پھر کہتا ہوں کہ میں نے تکبیر نہیں کہی' وضو میں اعضاء کو دھوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں نے نہیں دھوئے تو ابن عقیل نے کہا نماز چھوڑ دو وہ تم پر واجب نہیں ہے اس نے کہا ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے فرمایا اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجنون سے قلم اٹھا لیا گیا (مواخذہ نہیں ہوگا) حتیٰ کہ اسے افاقہ ہو جائے اور جو شخص تکبیر کہنے کے بعد کہے کہ میں نے تکبیر نہیں کہی وہ عقل والا نہیں اور مجنون پر نماز واجب نہیں۔
جو شخص اس آفت سے نکلنا چاہتا ہو وہ اپنے نبی ﷺ کی ارفع و اعلیٰ سنت کی اتباع اور باطل سے جدا ملت کی اقتداء کرے پس اگر اس پر معاملہ غالب آ جائے اور راستے تنگ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے اور اس حالت کی دوری کے لئے اس کی طرف انکساری اور دعا کے ساتھ رجوع کرے (اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس حالت کو ختم کر دے گا)۔

پندرہویں نوع

نبی اکرم ﷺ کے قنوت کا ذکر

قنوت کے معانی

جاننا چاہیے کہ قنوت کا اطلاق' قیام' خاموشی' عبادت کے دوام' دعا' تسبیح اور خضوع پر ہوتا ہے۔
جیسے ارشادِ خداوندی ہے:
وَلَـهٗ مَنْ فِـى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ ○ (الروم:۲۶)
اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے لئے جھکتے ہیں۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:
اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا. (الزمر:۹)
کیا وہ جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں رہتا ہے؟

(یہاں دوام عبادت مراد ہے)۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ ○ (التحریم:۱۲)
اور اس (حضرت مریم) نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور فرمانبرداروں میں ہوئی۔

یہاں قیام کی مخصوص حالت میں دعا مانگنا مراد ہے۔

قنوت کی مشروعیت سے متعلق نصوص

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے ستر افراد بھیجے جن کو قراء کہا جاتا تھا تو (بنو) سلیم کے دو قبیلے رعل اور ذکوان ایک کنویں کے پاس ان کے سامنے آئے اس کنویں کو بئر معونہ کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے ان (اقراء) کو شہید کر دیا' نبی اکرم ﷺ نے ایک مہینہ صبح کی نماز میں ان کے خلاف دعا کی' یہ قنوت کا آغاز تھا اور ہم قنوت نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبدالعزیز بن صہیب فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فراغت کے وقت؟ فرمایا بلکہ قرأت سے فراغت کے وقت ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت کیا اس میں آپ عرب کے کچھ قبیلوں کے خلاف دعا کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ایک مہینہ صبح کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت کیا جس میں رعل اور ذکوان کے خلاف دعا فرماتے اور فرماتے یہ عصیہ قبیلہ ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۴۔ ۲۹۷۔ ۲۹۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۔ ج ۳ ص ۱۱۶۔ ج ۴ ص ۵۷' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۴۳' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷۔ ۲۰۸' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۱۷' الدر المنثور ج ۲ ص ۷۱۔ ج ۶ ص ۴۲۲' دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۵۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دستہ بھیجا جن کو قراء کہا جاتا تھا جن کو شہید کر دیا گیا (راوی کہتے ہیں) میں نے نبی اکرم ﷺ کو کسی دوسری بات پر اس قدر غمگین نہیں دیکھا جس قدر اس (واقعہ) پر غمگین دیکھا چنانچہ آپ نے ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں قنوت فرمایا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

"صحیح بخاری میں ہے کہ" آپ نے مغرب اور فجر میں قنوت پڑھی۔ ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مہینہ قنوت پڑھی پھر اسے چھوڑ دیا۔

نسائی کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مہینہ قنوت فرمایا جس میں رعل' ذکوان اور لحیان کے خلاف دعا فرماتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مہینہ مسلسل ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہر نماز کے آخر میں جب آخری رکعت میں "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو بنو سلیم کے قبیلوں رعل' ذکوان اور عصیہ کے خلاف دعا فرماتے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے آمین کہتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا کہ جب آپ فجر کی نماز میں آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے تو یوں دعا مانگتے "یا اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت بھیج"۔ یہ کلمات آپ "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ' رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" کے بعد کہتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (آل عمران: ۱۲۸) یہ بات آپ کے اختیار میں نہیں۔

(مسند احمد ج ۲ص ۲۵۵ سنن نسائی ج ۲ص ۲۰۳ السنن الکبریٰ ج ۲ص ۱۹۷ المعجم الکبیر ج ۱۲ص ۲۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب دوسری رکعت (کے رکوع) سے سر اٹھایا تو یوں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اَنْجِ الْوَلِیْدَ بْنَ الْوَلِیْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ ھِشَامٍ وَعَیَّاشَ بْنَ اَبِیْ رَبِیْعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ بِمَکَّةَ اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَکَ عَلٰی مُضَرَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا عَلَیْھِمْ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ.

یا اللہ! ولید بن ولید' سلمہ بن ہشام' عیاش بن ابی ربیعہ اور مکہ مکرمہ میں موجود کمزور کیے گئے مسلمانوں کو کامیابی عطا کر اور قبیلہ مضر کو سخت عذاب دے اور اسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی قحط سالی کی طرح ان پر قحط سالی بنا دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰۴' سنن نسائی ج ۲ص ۲۰۱' مسند احمد ج ۲ص ۲۳۹۔ ۲۵۵۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۴۴' السنن الکبریٰ ج ۲ص ۱۹۷' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۳۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۳۱۶' نصب الرایۃ ج ۱ص ۱۲۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۹۹۶)

ایک روایت میں ہے کہ صبح کی نماز میں یہ دعا مانگی' ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر ہمیں یہ بات پہنچی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ "لیس لک من الامر شی" (پہلے گذر چکی ہے) نازل فرمائی تو آپ نے یہ دعا مانگنا چھوڑ دی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صبح اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ صبح کی نماز میں (پڑھتے تھے) مغرب کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد ماجد سے کہا ابا جان! آپ نے نبی اکرم ﷺ' حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے پیچھے یہاں کوفہ میں پانچ سال نماز پڑھی ہے کیا یہ حضرات قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے! یہ بدعت ہے۔

(جامع ترمذی)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔[1]

قنوت کے بارے میں علماء کرام کی آراء

بعض علماء فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قنوت پڑھی بھی ہے اور چھوڑی بھی ہے اور پڑھنے کے مقابلے میں چھوڑنا زیادہ ہے۔ آپ نے مصائب کے نازل ہونے پر بعض لوگوں کے حق میں دعا کرنے اور دوسروں کے خلاف دعا کرتے وقت قنوت پڑھی ہے۔ پھر وہ حضرات جن کے حق میں دعا فرمائی تھی واپس آ گئے اور قید سے چھوٹ گئے اور جن کے خلاف دعا کرتے تھے وہ اسلام لا کر توبہ کرتے ہوئے حاضر ہوئے تو آپ نے قنوت کا پڑھنا چھوڑ دیا۔ آپ کا قنوت پڑھنا کسی سبب سے تھا جب وہ زائل ہو گیا تو آپ نے قنوت کو ترک دیا۔

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات قنوت نہیں پڑھتے تھے اور یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ شروع میں فرض ہونے والی نمازوں میں سے ہو کیونکہ یہ تو ہجرت کے بعد پڑھی گئی۔ (زرقانی ج ۷ص ۳۴۵)

(قنوت) فجر کے ساتھ مختص نہ تھی بلکہ آپ فجر اور مغرب کی نمازوں میں پڑھتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت میں مروی ہے' فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! نبی اکرم ﷺ کی نماز کے سب سے زیادہ قریب میری نماز ہے' آپ فجر کی نماز میں "سمع الله لمن حمده" کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔

ابن ابی فدیک فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ عمل کیا پھر چھوڑ دیا۔ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو فجر کی نماز میں قنوت کو مطلقاً مکروہ قرار دیتے چاہے وہ حادثات اترنے کے وقت ہو یا اس کے علاوہ اور کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے اور اس پر عمل بدعت ہے۔[1]

اصحاب حدیث کا عمل ان لوگوں کے عمل اور مستحب کہنے والوں کے عمل کے درمیان ہے وہ کہتے ہیں اس پر عمل بھی سنت ہے اور چھوڑنا بھی سنت ہے اور جو شخص ہمیشہ یہ عمل کرے وہ اس پر اعتراض نہیں کرتے نہ اس کے عمل کو مکروہ خیال کرتے ہیں اور نہ بدعت سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرنے والے کو سنت کا مخالف جانتے ہیں (وہ فرماتے ہیں) جو قنوت پڑھے تو اس نے اچھا کام کیا اور جو چھوڑ دے اس نے بھی اچھا کام کیا ہے۔

قنوت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے کھڑے ہو کر قنوت پڑھنا ہمیشہ جائز ہے' انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

ابن صلاح کہتے ہیں متعدد حفاظِ حدیث نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ان میں حضرت امام حاکم' امام بیہقی اور ابو عبداللہ محمد بن علی بلخی رحمہم اللہ متوفی ۲۹۸ھ بھی شامل ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۴ رقم الترجمہ: ۷۱۵)

اور "سنن بیہقی میں" اس حدیث کے مقتضیٰ پر خلفائے اربعہ کا عمل بھی ثابت ہے۔

ان میں سے بعض نے فرمایا کہ صبح کی نماز میں نبی اکرم ﷺ کے قنوت پڑھنے پر اجماع ہے پھر اختلاف ہے کہ کیا آپ نے اسے چھوڑ دیا تھا؟ تو اجماعی بات سے استدلال کیا جائے' حتیٰ کہ وہ بات ثابت ہو جائے جس میں اختلاف ہو۔

ابن ابی فدیک کی روایت جو انہوں نے بواسطہ عبداللہ بن سعید بن ابو سعید مقبری ان کے والد (سعید بن ابو سعید مقبری) سے روایت کی اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ جب فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ الخ. یا اللہ! مجھے ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت عطا فرما (آخر تک)

---

[1] فجر وغیرہ نمازوں میں قنوت کو بدعت تو اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ حضور ﷺ نے قنوت پڑھی ہے لیکن وہ ایک خاص وقت کے لئے حکم تھا نہ اس سے پہلے قنوت پڑھی گئی اور نہ بعد میں صحابہ کرام نے پڑھی لہٰذا یہ حکم منسوخ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

ابن قیم نے ''زاد المعاد میں'' کہا ہے اگر یہ حدیث صحیح یا حسن ہو تو اس سے استدلال کس قدر واضح ہے؟ لیکن یہ عبداللہ (راوی) قابلِ حجت نہیں ہیں اگر چہ امام حاکم نے قنوت کے بارے میں ان کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کر کے صحیح قرار دیا لیکن اس کا رد کیا گیا جیسا کہ ابن قیم نے کہا اور عبداللہ بن سعید کے ضعف پر اتفاق ہے۔

دعائے قنوت کی صریح عبارت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز اور رات کی وتر نماز میں ان کلمات کے ساتھ قنوت پڑھتے تھے:

اللھم اھدنی فیمن ھدیت (آخر تک) یہ حدیث محمد بن نصر نے اپنی کتاب ''قیام اللیل'' میں نقل کی ہے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی مخصوص دعا متعین نہیں ہے بلکہ ہر دعا سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں بعض شافعی حضرات کا قول ہے کہ یہ مقصد صرف مشہور دعا سے حاصل ہوتا ہے۔

اور وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ وَاِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَتَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ۔

یا اللہ! مجھے ہدایت عطا کر ان لوگوں میں جنہیں تو نے ہدایت دی اور میری مدد فرما ان لوگوں میں جن کی تو نے مدد فرمائی جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا اس میں میرے لئے برکت پیدا فرما اور اس چیز کے شر سے مجھے بچا جس کا تو نے فیصلہ کیا بے شک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا اور بے شک وہ شخص ذلیل نہیں ہوتا جو تجھ سے دوستی لگائے اے ہمارے رب! تو برکت والا اور بلند ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے کہ میں ان کو وتروں میں پڑھا کروں پس یہ (الفاظ) ذکر کئے اور اس (حدیث) کی سند صحیح ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح ثابت ہے کہ اس دعا کی تعلیم صبح کی قنوت اور قنوت وتر (دونوں) کے لئے واقع ہوئی ہے۔

''فانک تقضی'' فاء کے ساتھ ہے اور ''وانہ لا یذل'' واؤ کے ساتھ اسی طرح ''وتعالیت'' سے پہلے ''وربنا'' ہے لیکن ابوداؤد کی روایت میں فاء کے ساتھ نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''انہ لا یذل من والیت'' کے بعد ان الفاظ کا اضافہ (نقل) کیا ہے ''ولا یعز من عادیت'' (تیرے دشمن کے لئے عزت نہیں ہے)۔

ابن ابی عاصم نے ''کتاب التوبہ میں'' یہ اضافہ (نقل) کیا ہے:

نَسْتَغْفِرُکَ اللّٰھُمَّ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ. اے اللہ! ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔

دعائے قنوت کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا

اسی (دعا) کے آخر میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنا سنت ہے کیونکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صحیح یا حسن سند کے ساتھ روایت کیا جیسا کہ ''شرح مہذب'' میں فرمایا اور ''سنن نسائی کے'' الفاظ یوں ہیں ''وصلی اللہ علی النبی '' (اور اللہ تعالیٰ نبی ﷺ پر رحمت نازل فرمائے)۔

''الاذکار'' میں قطعیت کے ساتھ بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنا مستحب ہے لیکن صاحب ''الاقلید'' (امام تاج الدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم الشافعی' متوفی ۶۹۰ھ) نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے اصحاب کی کتب میں ''وسلم '' کا جو اضافہ ہے اور جو کچھ ائمہ نے آج کل عادت بنالی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ کی) آل' ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کا ذکر کرتے ہیں ان سب باتوں کی کوئی اصل نہیں۔ (کشف الظنون ج۱ص۱۳۹)

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ ''الاذکار'' میں امام نووی رحمہ اللہ کی عبارت اس طرح ہے کہ اس دعا کے بعد یہ پڑھنا مستحب ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ. یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آل محمد پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

''نسائی شریف کی'' حدیث میں حسن سند کے ساتھ ''وصلی اللہ علی النبی '' کے الفاظ آئے ہیں۔

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ دعویٰ کے الفاظ دلیل کے خلاف ہیں اور انہوں نے اس پر آل اور سلام کا اضافہ کیا (مطلب یہ ہے کہ دعویٰ میں آل اور سلام کا ذکر ہے اور دلیل میں صرف درود شریف کا ذکر ہے۔۱۲ ہزاروی)۔

ہاں امام رافعی اور ''رویانی'' کے نزدیک اضافہ ہے جو ''نسائی شریف میں منقول'' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث کی طرف منسوب ہے لیکن ان کے نزدیک کسی بھی راوی سے جس نے ان سے روایت کیا یہ بات منقول نہیں کہ ''صلی اللہ علی النبی '' کے الفاظ امام ترمذی کی روایت سے زائد ہیں اور یہ حدیث غریب ہے' عبداللہ بن علی جو اس کے راوی ہیں' کی وجہ سے ثابت نہیں کیونکہ یہ غیر معروف ہیں۔

اور اس بات کو فرض کرنے پر کہ یہ عبداللہ بن علی بن حسن بن علی (رضی اللہ عنہم) ہیں' یہ حدیث منقطع ہوگی کیونکہ انہوں (حضرت عبداللہ) نے اپنے جدامجد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے سماعت نہیں کی۔ تو واضح ہوا کہ یہ حدیث منقطع ہونے یا راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے حسن حدیث کی شرط پر نہیں اور کوئی دوسری روایت لا کر اس اضافہ کی وجہ سے ہونے والی خرابی کو پورا نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت اس حدیث کا شاذ ہونا واضح ہو گیا جیسا کہ مخفی نہیں ہے ہاں اصل حدیث ''وتعالیت'' تک حسن ہے کیونکہ ترمذی وغیرہ کی روایت اس کو تقویت دیتی ہے جب کہ زائد الفاظ کسی دوسری روایت میں نہیں آئے۔

اور جب ہم آل پر صلوٰۃ کو امام نووی کے اعتماد کے مطابق سنت قرار دیں تو مناسب ہے کہ اسے قنوت کا ایک حصہ شمار

کریں۔

قنوت کے احکام

''المجموع'' میں امام بغوی سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا کہ پہلے تشہد کی طرح قنوت کو لمبا کرنا بھی مکروہ ہے اور یہ اس طریقے پر ظاہر ہے جسے ''المجموع'' میں صحیح قرار دیا اور ''سجدۂ سہو'' کے باب میں اس کی جو تحقیق ہے کہ اعتدال رکن طویل ہے اور وہ جو ان دونوں کتابوں میں با جماعت کے بارے میں صحیح قرار دیا کہ یہ چھوٹا رکن ہے تو یہ ''المنہاج اور الروضہ میں ہے تو'' کہا جائے گا کہ قیاس اس کے باطل ہونے کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ چھوٹے رکن کو جان بوجھ کر لمبا کرنا نماز کو باطل کرنے والا ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اسے مقام قنوت کے علاوہ پر محمول کیا جائے گا کیونکہ امام بغوی تو خود طوالت کی کراہت کے قائل ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ چھوٹے رکن کو جان بوجھ کر لمبا کرنا نماز کو باطل کرتا ہے۔

تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے اپنی مرضی سے اور امام کے لئے نمازیوں کی مرضی سے دونوں کو جمع کرنا سنت ہے یعنی قنوت وتر میں وہ قنوت جس کا پہلے ذکر ہوا اور قنوت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یعنی **اللھم انا نستعینک** آخر تک کو جمع کرنا اور بہتر یہ ہے کہ قنوت عمر کو بعد میں پڑھے۔

ہاتھوں کو اٹھانا بھی سنت ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ یہ بات نقل کی ہے۔

''المجموع'' میں فرمایا کہ ہاتھوں کو چہرے پر ملنے کے سلسلے میں دو قول ہیں زیادہ مشہور یہ ہے کہ ملے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ نہ ملے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں مجھے یہاں بزرگوں میں سے کسی سے کوئی چیز چہرے پر ہاتھ ملنے کے حوالے سے یاد نہیں اگرچہ نماز سے باہر دعا کے بارے میں بعض سے مروی ہے۔

اور سینے پر ہاتھ پھیرنے کی طرح جسم کے دوسرے حصوں پر پھیرنا بھی مکروہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) کا قنوت میں ہاتھ اٹھانے کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ اور ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنے کے بارے میں تین طریقے ہیں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کو اٹھانا مستحب ہے لیکن چہرے پر نہ ملے' دوسرا یہ کہ اٹھائے اور چہرے پر ملے' اور تیسرا یہ کہ نہ ملے اور نہ اٹھائے۔

اس بات پر ان حضرات کا اتفاق ہے کہ چہرے کے علاوہ سینے وغیرہ پر نہ ملے بلکہ اسے انہوں نے مکروہ کہا ہے۔

امام' قنوت بلند آواز سے پڑھے' تنہا نماز پڑھنے والا ایسا نہ کرے اگرچہ نماز سری ہو (جس میں آہستہ آواز سے قرأت ہوتی ہے) کیونکہ بلند آواز سے پڑھنے میں حضور ﷺ کی اتباع ہے۔[1]

ماوردی نے کہا کہ اس میں آواز کی بلندی قرأت کی بلندی سے کم ہونی چاہیے اگر مقتدی سنے تو آمین کہے جس طرح صحابہ کرام اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کے پیچھے آمین کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

---

[1] کیونکہ قنوت صبح اور مغرب میں پڑھی جاتی تھی اور مغرب کی تیسری رکعت سری ہے لہٰذا سری نمازوں یعنی جن میں قرأت آہستہ ہوتی ہے ... قیاس کر کے امام بلند آواز سے قنوت پڑھے گا (جن حضرات کے نزدیک قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے)۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۴۸)

ثناء میں امام کے موافق کرتے ہوئے آہستہ پڑھے یا خاموش رہے کیونکہ یہ ثناء ہے یا ذکر جس پر آمین کہنا لائق نہیں۔
اور دعا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے پر مشتمل ہوتی ہے پس اس میں آمین کہے طبری نے اس کی تصریح کی ہے۔
اور اگر مقتدی امام کی قنوت نہ سنے تو باقی اذکار اور دعاؤں کی طرح امام کے ساتھ قنوت آہستہ آواز سے پڑھے۔ وتر نماز اور صبح کے علاوہ قنوت نہیں ہے البتہ جب کوئی خوف' قحط یا وبا۔ اور ٹڈیوں وغیرہ کی کیفیت پیدا ہو تو مستحب ہے کہ صبح کے علاوہ فرض نمازوں میں قنوت پڑھے نذر کی نمازوں' نماز جنازہ اور نفل نماز میں نہ پڑھے۔
"صحیح بخاری میں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آنے والی آفت میں بلند آواز سے قنوت پڑھی۔
یہ تمام گفتگو شیخ الاسلام ابو یحییٰ زکریا الانصاری کی کتاب "شرح البہجہ" سے لی گئی ہے اور اس میں کچھ اضافہ کیا گیا۔
واللہ اعلم

فصل نمبر ۴

نبی اکرم ﷺ کا نماز میں سجدۂ سہو

سہو کی تعریف

جان لو! سہو' کسی چیز سے غافل ہونے اور دل کے دوسری طرف متوجہ ہونے کا نام ہے یہ بات الازہری نے کہی ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔
بعض حضرات نے سہو اور نسیان میں معنوی طور پر فرق کیا ہے اور ان کے خیال میں نماز میں انبیاء کرام علیہم السلام سے سہو جائز ہے جب کہ نسیان جائز نہیں۔ وہ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نسیان' غفلت اور آفت ہے اور سہو' (دوسری طرف) مشغولیت ہے اور نبی اکرم ﷺ کو نماز میں سہو ہوتا لیکن آپ اس سے غافل نہیں ہوتے تھے اور آپ کو نماز کے امور میں مشغولیت کی وجہ سے نماز کی حرکات سے توجہ ہٹ جاتی' نماز سے غفلت نہیں ہوتی تھی۔
ابن کیلکدی [1] نے کہا کہ یہ بات (یہ فرق کہ سہو ہوتا غفلت نہ ہوتی) حدیث کی جہت سے اور لغت کے اعتبار سے ضعیف ہے' حدیث کی جہت سے اس لئے ہے کہ صحیحین میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ثابت ہے:

(الاعلام ج ۲ ص ۳۲۱' الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الترجمہ: ۱۶۶۶)

انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون. بے شک میں تمہاری طرح انسان ہوں میں بھی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔

[1] ابن کیلکدی امام فقیہ حافظ' اصولی' نحوی' مفتی تھے' صلاح ابو سعید خلیل بن کیلکدی علائی المشہور مقدسی شافعی المذہب تھے' ۶۹۴ھ میں پیدا ہوئے حافظ زین الدین عراقی نے ان سے علم حاصل کیا اور انہوں نے کہا کہ حافظ مشرق و مغرب ۳ محرم الحرام ۷۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

(زرقانی ج ۷ ص ۳۴۹)

(صحیح البخاری رقم الحدیث :۴۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث :۹۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث :۱۰۲۲' سنن نسائی رقم الباب :۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۱۲۹۔۱۳۳' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹۔۴۵۵)

اور لغت کے اعتبار سے اس طرح جیسے ازہری کا قول گزر چکا ہے اور جوہری وغیرہ کا قول بھی اس کی طرح ہے۔

''نہایہ'' میں ہے:

السھو فی الشیٔ ترکہ من غیر علم والسھو عنہ ترکہ مع العلم. کسی چیز میں سہو اسے علم کے بغیر چھوڑنا ہے اور کسی چیز سے سہو اسے علم کے باوجود ترک کرنا ہے۔

یہ ایک باریک فرق ہے اور اسی سے اس سہو میں جو نبی اکرم ﷺ سے کئی مرتبہ واقع ہوا اور اس سہو میں جو نماز سے غافل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے فاعل کی مذمت کی ہے' (دونوں) میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا سہو آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پورا کرنا اور ان کے دین کی تکمیل ہے تا کہ وہ سہو کے وقت ان امور میں آپ کی اقتدا کریں جو آپ نے ان کے لئے جائز قرار دیئے اور ''مؤطا میں مروی'' منقطع حدیث کا یہی معنیٰ ہے۔ اس کی حدیث میں ہے کہ:

انما انسی او انسی لأسن. میں بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تا کہ تمہارے لئے سنت جاری کروں۔

پس آپ کو نسیان ہوتا (بھول جاتے یا بھلائے جاتے) تو آپ کے سہو پر شرعی احکام جاری ہوتے جو قیامت تک آپ کی امت کے سہو پر جاری ہوں گے۔

سجدۂ سہو کا حکم

سجدۂ سہو کے حکم میں اختلاف ہے۔

شافعی اور مالکی حضرات فرماتے ہیں ہر قسم کا سجدۂ سہو مسنون ہے اور مالکی حضرات سے یہ بھی منقول ہے کہ (نماز میں) نقصان ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب ہے' اضافہ ہو تو (واجب) نہیں۔

حنبلی فقہ والوں کے نزدیک واجبات اور قولی سنتوں میں فرق ہے پس واجبات کو بھول کر چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے جبکہ سنن قولیہ کے چھوڑنے سے واجب نہیں ہوتا اسی طرح جب سہوا ایسے فعل یا قول کے اضافہ کی صورت میں ہو جو نماز کے کسی بنیادی امر (رکن) کو باطل کرتا ہو تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

احناف کے نزدیک سجدۂ سہو ہر صورت میں واجب ہے اور ان کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے' میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے' ''یسجد سجدتین'' (اسے چاہیے کہ دو سجدے کرے) اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہے اور آپ کے افعال بیان پر محمول ہیں اور واجب کا بیان بھی واجب ہوتا ہے خصوصاً جب کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے:

صلوا کما رأیتمونی اصلی. اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کرنا۔

حضرت اعرج' حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک نماز میں دو رکعتیں پڑھائیں پھر کھڑے ہو گئے اور قعدہ نہ کیا' صحابہ کرام بھی کھڑے ہو گئے' جب نماز مکمل ہو گئی اور ہم آپ کے سلام کے منتظر تھے کہ آپ نے سلام سے پہلے اللہ اکبر کہا اور بیٹھے بیٹھے دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔

انہی کی ایک روایت یحییٰ بن سعید سے مروی ہے وہ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی نماز میں دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے اور دونوں کے درمیان قعدہ نہ کیا جب نماز مکمل کر لی تو دو سجدے کیے پھر اس کے بعد سلام پھیرا۔

انہی کی ایک روایت حضرت اعرج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی نماز میں کھڑے ہو گئے حالانکہ آپ پر قعدہ لازم تھا' جب نماز مکمل کر لی تو دو سجدے کیے اور ہر سجدے میں تکبیر کہی آپ نے یہ سجدے سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے کیے' صحابہ کرام نے بھی آپ کے ہمراہ دونوں سجدے کیے اور یہ سجدے اس قعدہ کی جگہ تھے جو بھول گیا تھا۔

ابن خزیمہ کے نزدیک ضحاک کی اعرج سے روایت میں یہ اضافہ ہے۔

''پھر آپ کھڑے ہوئے اور نہ بیٹھے صحابہ کرام نے اس پر سبحان اللہ کہا (یعنی آپ کو متوجہ کیا) آپ نے اپنی نماز کو جاری رکھا حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو گئے''۔

''جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ'' آپ ظہر کی نماز میں کھڑے ہو گئے حالانکہ آپ پر قعدہ واجب تھا جب نماز مکمل کی تو دو سجدے کیے آپ نے بیٹھے بیٹھے سلام سے پہلے دونوں سجدوں کے لئے تکبیر کہی (اور سجدے کیے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو جائز ہے اور یہ دو سجدے ہیں اگر بھول کر ایک سجدہ کر لے تو اس پر کچھ بھی لازم نہ ہو یا جان بوجھ کر چھوڑے تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ایک زائد سجدہ کیا جو جائز نہیں اور دونوں سجدوں کے لئے اس طرح تکبیر کہے جس طرح دوسرے سجدوں کے لئے تکبیر کہتا ہے۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے پہلے ہے لیکن اس میں ان تمام باتوں کے اس طرح ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہاں ان لوگوں پر اعتراض ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ تمام عمل سلام کے بعد ہو گا جیسا کہ احناف کا مسلک ہے (احناف کی دلیل آگے آ رہی ہے)۔

اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا کہ مقتدی بھی امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے جب امام بھول جائے اگرچہ مقتدی نہ بھولے نیز یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ سجدۂ سہو کے بعد تشہد نہیں اور اس کا مقام نماز کا آخر ہے اور اگر بھول کر تشہد سے پہلے سجدہ کرے تو جن حضرات کے نزدیک آخری قعدہ واجب ہے ان کے نزدیک سجدۂ سہو کو لوٹائے اور یہ جمہور حضرات ہیں۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص پہلا قعدہ بھول جائے حتیٰ کہ (تیسری) رکعت کے لئے کھڑا

ہو جائے پھر اسے یاد آئے تو واپس نہ لوٹے جیسا کہ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سبحان اللہ کہا لیکن نبی اکرم ﷺ واپس نہیں لوٹے پس اگر نمازی دوسرے رکن کو اختیار کرنے کے بعد جان بوجھ کر واپس لوٹے گا تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی (احناف بلکہ جمہور کے نزدیک بھی یہ نماز باطل نہیں ہوتی)۔

سلام کے بعد سجدہ

حضرت ابو سلمہ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا' حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔[1] یا رسول اللہ! آپ نے نماز کم پڑھائی ہے آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں' ٹھیک ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے مزید دو رکعتیں پڑھائیں پھر دو سجدے کئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۰۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷-۹۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۔۲۶۰' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵' سنن نسائی ج ۳ ص ۲۲' سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۶۶' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۳' نصب الرایہ ج ۲ ص ۶۸' التمہید ج ۱ ص ۳۱۱' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۲۶۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۲۶۸-۲۲۲۸۰-۲۲۲۹۰)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور میں نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے مغرب کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام پھیرا' گفتگو کی پھر باقی نماز پڑھی اور دو سجدے کئے اور فرمایا نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا ہے۔[2]

حدیث شریف کے یہ الفاظ کہ "نبی اکرم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی" سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں موجود تھے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسے مجاز پر محمول کیا اور فرمایا اس سے مراد مسلمانوں کو نماز پڑھانا ہے اور اس کا سبب حضرت زہری کا قول ہے کہ جن سے واقعہ متعلق ہے (یعنی حضرت ذوالیدین) وہ بدر میں شہید ہوئے تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ واقعہ بدر سے پہلے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پانچ سال سے بھی زائد عرصہ پہلے کا ہو۔

لیکن ائمہ حدیث کا اتفاق ہے جیسا کہ ابن عبدالبر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت زہری کو اس میں وہم ہوا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسے ذوالشمالین کا واقعہ قرار دیا اور ذوالشمالین ہی بدر میں شہید ہوئے ان کا تعلق قبیلہ بنو خزاعہ سے تھا اور ان کا نام عمیر تھا۔

حضرت ذوالیدین نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ایک مدت تک زندہ رہے کیونکہ انہوں نے یہ حدیث آپ کے وصال کے بعد بیان کی جیسا کہ "طبرانی" وغیرہ میں ہے اور وہ سلمی ہیں ان کا نام حضرت خرباق رضی اللہ عنہ ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

پس جب حضرت زہری کے نزدیک یوں ہے کہ حضرت ذوالشمالین کھڑے ہوئے اور وہ جانتے تھے کہ وہ بدر میں

---

[1] حضرت خرباق سلمی رضی اللہ عنہ کو ذوالیدین کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے ہاتھ لمبے تھے یہ جنگل میں رہتے تھے اور حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے حاضر ہوتے تھے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۵۱)

[2] احناف کے نزدیک گفتگو سے نماز ٹوٹ جاتی ہے چاہے جان بوجھ کر کرے یا بھول کر۔ ۱۲ ہزاروی

پیدا ہوئے تو اس وجہ سے انہوں نے فرمایا کہ یہ واقعہ بدر سے پہلے ہوا۔

بعض ائمہ نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ذوالشمالین اور حضرت ذوالیدین (رضی اللہ عنہما) دونوں کے لئے ہوا ہو اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے دونوں حدیثیں روایت کی ہوں ان میں سے ایک کو مرسل روایت کیا اور دوسرے واقعہ میں خود حاضر ہوئے اور وہ حضرت ذوالیدین والا واقعہ ہے۔

دونوں روایتوں کو جمع کرنے کی صورت میں یہ احتمال ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ہی حضرت ابن سیرین کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عشاء کی دو نمازوں (مغرب وعشاء) میں سے ایک نماز پڑھائی' حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں: میرا غالب گمان یہ ہے کہ عصر کی نماز تھی آپ نے دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا پھر مسجد کے اگلے حصے میں ایک لکڑی کے پاس کھڑے ہو کر اس پر ہاتھ رکھا ان لوگوں میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے ان دونوں کو آپ کی ہیبت نے کلام سے روکا اور جلدی جانے والے چلے گئے اور کہا کہ نماز کم ہو گئی ہے ایک صحابی جن کو حضور ﷺ ذوالیدین کہا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھول گئے یا نماز کم ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی انہوں نے عرض کیا ہاں! کیوں نہیں یا رسول اللہ! بھول واقع ہوئی ہے پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا اور اپنے (عام) سجدے کی طرح سجدہ کیا یا اس سے لمبا سجدہ کیا پھر سر انور اٹھایا اور تکبیر کہی پھر سر مبارک رکھ دیا تکبیر کہی اور سجدہ کیا عام سجدے کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ' پھر سر مبارک اٹھایا اور تکبیر کہی۔

حضرت ابن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عصر کی نماز تین رکعات پڑھائی پھر گھر تشریف لے گئے تو ایک صاحب آپ کی طرف کھڑے ہوئے ان کو خرباق رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا اور ان کے ہاتھ قدرے لمبے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر آپ کا عمل بتایا (یعنی نماز کم پڑھی گئی ہے) آپ غصے کی حالت میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے تشریف لائے اور پوچھا کیا یہ سچ کہہ رہے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں' پس آپ نے ایک رکعت پڑھائی پھر سلام پھیرا اس کے بعد دو سجدے کر کے سلام پھیرا۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا اور یہ آپ کی مفردات (احادیث) سے ہے اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نہیں کیا' (البتہ) امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔

"خرباق" میں خاء کے نیچے زیر ہے' راء ساکن ہے اس کے بعد باء اور آخر میں قاف ہے اور یہ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے جیسا کہ اکثر حضرات کا یہ نظریہ ہے۔ اور ان کے ہاتھوں کی لمبائی کو حقیقت پر محمول کرنا بھی ممکن نہیں ہے اور عمل یا (راہ خداوندی میں) خرچ کرنے سے کنایہ بھی ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری نظر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث منفرد ہے اگرچہ ابن خزیمہ اور ان کے متبعین اس واقعہ کے تعدد کی طرف گئے ہیں اس اختلاف پر ان کو مجبور کرنے والی بات اس کا دو طریقوں سے مروی ہونا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا اور نبی اکرم ﷺ مسجد میں ایک لکڑی کی طرف کھڑے ہوئے۔

جب کہ حضرت عمران کی اس حدیث میں ہے کہ آپ نے تین رکعتوں کے بعد سلام پھیرا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو گھر تشریف لے گئے۔

پہلی روایت کے بارے میں کیلکدی علائی سے منقول ہے کہ ان کے بعض اساتذہ نے اسے اس بات پر محمول کیا کہ تیسری رکعت کے شروع میں سلام پھیرا انہوں نے اس کو بعید از عقل قرار دیا لیکن اس میں جمع کے طریقے ہیں' ادنیٰ مناسبت پر اکتفاء کیا جاتا ہے اور یہ واقعہ کے متعدد ہونے کے دعویٰ سے بعید نہیں ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت ذوالیدین نے ہر مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا ہوگا اور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے ان کے قول کی صحت سے متعلق پوچھا۔

جہاں تک دوسری روایت کا تعلق ہے تو شاید راوی نے جب آپ کو اپنی جگہ سے آگے لکڑی کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا ہو تو خیال کیا کہ دولت خانے میں تشریف لے گئے ہیں کیونکہ لکڑی دولت خانہ کی جانب تھی اگر ایسا ہو (تو ٹھیک ہے) ورنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو زیادہ ترجیح ہے کیونکہ اس حدیث کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ امام شافعی' امام ابوداؤد' ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ (حدیج بغیر نقطہ والی حاء اور آخر میں جیم کے ساتھ ہے) سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن نماز پڑھائی اور ابھی نماز سے ایک رکعت باقی تھی کہ سلام پھیر دیا ایک شخص نے آپ کو پایا تو عرض کیا یارسول اللہ! آپ نماز سے ایک رکعت بھول گئے ہیں؟ چنانچہ واپس ہوئے' مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے نماز کے لئے اقامت کہی تو آپ نے لوگوں کو ایک رکعت پڑھائی میں نے لوگوں کو یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا تم اس شخص کو جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں ہاں دیکھ کر (پہچان سکتا ہوں) چنانچہ وہ شخص میرے پاس سے گزرا تو میں نے کہا یہی وہ شخص ہے' انہوں نے کہا یہ تو حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۳)

اس حدیث کو امام ابوداؤد' امام بیہقی نے اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا اور نماز مغرب کی تعیین کی۔

ابن خزیمہ فرماتے ہیں: یہ واقعہ' حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے علاوہ ہے کیونکہ اس واقعہ میں نبی اکرم ﷺ کو مطلع کرنے والے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے واقعہ میں حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ ہیں نیز حضرت ذوالیدین والے واقعہ میں ظہر یا عصر کی نماز میں بھول واقع ہوئی اور اس واقعہ میں بھول مغرب کی نماز میں ہوئی ظہر یا عصر میں نہیں۔

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتوں پر سلام پھیرا تو حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا کیا ذوالیدین صحیح کہتے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے پھر دو رکعتیں مزید پڑھائیں' سلام پھیرا پھر تکبیر کہہ کر عام سجدے کی طرح سجدہ کیا یا لمبا سجدہ کیا پھر سر انور اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر نماز کے عام سجدے کی طرح سجدہ کیا یا لمبا سجدہ فرمایا پھر سر انور اٹھایا۔

حضرت سلمہ بن علقمہ فرماتے ہیں میں نے حضرت محمد یعنی ابن سیرین رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا سہو کے دو سجدوں کے بعد تشہد ہے؟ انہوں نے فرمایا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہیں ہے۔ اسے امام بخاری' مسلم' مالک' ابوداؤد'

ترمذی اور نسائی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس روایت کے علاوہ کہیں بھی قیام کا ذکر نہیں اور اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ کھڑے تھے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ کھڑے ہونے کا مطلب سیدھا کھڑا ہونا ہے کیونکہ آپ نے لکڑی کا سہارا لے رکھا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حضرت محمد بن سیرین کا یہ کہنا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشہد کا ذکر نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کی روایت میں اس کا ذکر ہے اور بات بھی یہی ہے۔

امام ابوداؤد' ترمذی' ابن حبان اور حاکم (رحمہم اللہ) نے حضرت اشعث بن عبدالملک کے طریقے سے روایت کیا وہ حضرت محمد بن سیرین سے وہ حضرت خالد حذاء سے وہ ابوقلابہ سے وہ ابوالمہلب سے اور وہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی تو بھول واقع ہوئی پس آپ نے دو سجدے کئے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے' امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث حضرت امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے' ابن حبان فرماتے ہیں ابن سیرین نے جو کچھ حضرت خالد سے روایت کیا ہے وہ اس حدیث کا غیر ہے' امام بیہقی' ابن عبدالبر اور دوسرے حضرات نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

انہوں نے حضرت اشعث کی روایت کا وہم کیا کیونکہ ابن سیرین سے روایت کرنے والے دیگر حفاظ نے ان کی مخالفت کی ہے پس حضرت اشعث کی روایت شاذ ہے۔

لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے جس میں سجدۂ سہو میں تشہد کا ذکر ہے اور حضرت مغیرہ کی روایت امام بیہقی نے نقل کی ہے اور ان دونوں میں ضعف ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تشہد کے سلسلے میں یہ تین احادیث درجہ حسن تک پہنچتی ہیں۔ حضرت علائی کہتے ہیں یہ بات عقل سے بعید نہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں یہ بات صحیح حدیث میں ثابت ہے اسے ابن ابی شیبہ نے نقل کیا یہ "فتح الباری سے" بطور تلخیص نقل کیا گیا۔

"صحیح مسلم میں" حضرت ابوسفیان کی روایت نقل کی گئی ہے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا' حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کچھ تو ہوا ہے۔

ابوداؤد میں حماد بن زید کے طریق سے مروی ہے وہ ہشام بن حسان سے وہ ابن سیرین سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا پس آپ نے تکبیر کہی پھر تکبیر کہہ کر سجدۂ سہو کیا۔

یہ روایت ان لوگوں کی تائید کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو میں سلام کے بعد تکبیر تحریمہ ضروری ہے اور جمہور کے نزدیک صرف تکبیر سجدہ پر اکتفا کیا جائے گا یہی بات اکثر احادیث سے ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت امام ابوداؤد فرماتے ہیں حماد بن زید کے علاوہ کسی نے بھی نہیں کہا کہ آپ نے تکبیر کہی پھر تکبیر کہی' تو انہوں

نے اس اضافہ کے شاذ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔
یہ بھی احتمال ہے کہ اس حدیث میں جس لکڑی کا ذکر ہے یہ وہی کھجور کا (خشک) تنا ہو جس کے ساتھ منبر پر تشریف لے جانے سے پہلے آپ ٹیک لگاتے (اور خطبہ ارشاد فرماتے) تھے۔
یہ سوال کہ کیا نماز کم ہو گئی؟ اس لئے تھا کہ یہ نسخ کا زمانہ تھا (یعنی اس وقت احکام منسوخ ہوتے رہتے تھے)۔
اور نبی اکرم ﷺ کا فرمانا کہ نہ میں بھولا ہوں نہ نماز کم ہوئی ہے۔
یہ نسیان کی نفی اور کم ہونے کی نفی (دونوں میں) صریح بات ہے اور یہ ابوسفیان کی روایت میں مذکورہ الفاظ کہ ''کل ذلک لم یکن '' (ان میں سے کچھ نہیں ہوا) کی تفسیر ہے اور ان اصحاب معانی کی تائید ہے جو کہتے ہیں کہ لفظ ''کل'' جب پہلے ہو اور اس کے بعد نفی ہو تو یہ ہر فرد کی نفی ہوگی' مجموعہ کی نفی نہ ہوگی بخلاف اس کے جب یہ نفی سے مؤخر ہو مثلاً کہے ''لم یکن کل ذلک'' یہ سب کچھ نہیں ہوا (مجموعہ کی نفی ہے' ہر فرد کی نفی نہیں)۔
اسی لئے ابوسفیان کی روایت کے مطابق حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''قد کان بعض ذلک اس میں سے کچھ تو ہوا ہے'' اور اس روایت میں یوں جواب دیا ''بلی قد نسیت '' (ہاں آپ سے بھول ہوئی ہے) کیونکہ جب آپ نے دونوں باتوں پر نفی کی اور صحابہ کرام کے نزدیک یہ بات ثابت تھی کہ نبی اکرم ﷺ سے تبلیغی امور میں سہو جائز نہیں تو انہوں نے وقوعِ نسیان کا قطعی انداز میں ذکر کیا' نماز کے کم ہونے کا ذکر قطعی طور پر نہیں کیا۔
اور یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ میں انبیاء کرام علیہم السلام سے سہو جائز ہے۔ ابن دقیق نے کہا عام علماء اور اہلِ نظر کا یہی قول ہے لیکن ایک جماعت نے شدت کا طریقہ اختیار کیا اور کہا کہ نبی پر سہو جائز نہیں' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان لوگوں کا رد کرتی ہے کیونکہ اس حدیث میں ''انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون '' کے الفاظ ہیں یعنی میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔
اگر حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا کہ تبلیغی امور میں سہو کا داخل ہونا جائز نہیں انہوں نے اختلاف کو افعال کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن علماء کرام نے ان کا تعاقب کیا (اعتراض اور رد کیا)۔
ہاں جن لوگوں کے نزدیک یہ (سہو) جائز ہے انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے وہ اس پر برقرار نہیں رہتے بلکہ ان کے لئے اس فعل سے متصل یا اس کے بعد بیان آ جاتا ہے جیسے اس حدیث میں ہے کہ میں نہیں بھولا اور نہ ہی نماز کم ہوئی ہے پھر ظاہر ہوا کہ بھول واقع ہوئی ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ میں نہیں بھولا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد میں نہیں بھولا' نفس الامر کی نفی نہیں اور اس سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ یقین نہ ہونے کی صورت میں اعتقاد' یقین کے قائم مقام ہوتا ہے اس قسم کی صورت میں بھول واقع ہونے کی حکمت یہ ہے کہ جب کسی اور سے بھول واقع ہو تو اس کے لئے حکم شرعی بیان کر دیا جائے۔
جو لوگ مطلقاً بھولنے کی نفی کرتے ہیں انہوں نے اس حدیث کے کئی جوابات دیئے ہیں۔
پس کہا گیا کہ ''لم انس '' نسیان کی نفی ہے' اس سے سہو کی نفی لازم نہیں آتی اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اور اس قول کی کمزوری پہلے بیان ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں اس روایت میں صحابی کا یہ قول کافی ہے کہ ''ہاں آپ سے بھول واقع ہوئی'' اور آپ نے اس کو برقرار رکھا (رد نہیں کیا)۔
یہ بھی کہا کہ ''لم انس '' مجھ سے بھول نہیں ہوئی اپنے ظاہر اور حقیقت پر ہے اور اس سلسلے میں آپ سے جو کچھ واقع

ہوتا آپ اس کا قصد کرتے تھے تا کہ عملی طور پر شرعی حکم بیان ہو کیونکہ قول کے مقابلے میں (فعل) بلیغ ہے۔

''صحیح بخاری اور مسلم میں مروی'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس بات کا رد کیا گیا ہے' حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

صلی رسول الله ﷺ فزاد او نقص. نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھائی تو اس میں زیادہ کیا یا کم کیا۔

بعض راویوں کو شک ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اضافہ ہوا' جب سلام پھیرا تو آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نئی بات آئی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا آپ نے اس اس طرح نماز پڑھی ہے' فرماتے ہیں آپ نے اپنے پاؤں مبارک کو دوہرا کیا' قعدے کی طرح بیٹھے اور قبلہ رخ ہو کر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا پھر جب ہماری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا اگر نماز میں کوئی نئی بات آتی تو میں تمہیں بتا دیتا لیکن میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں' بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو جب مجھ سے بھول واقع ہو تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو تو درست بات کے لئے غور کرے پس اس کے مطابق مکمل کرے پھر سلام پھیرے پھر دو سجدے کرے۔

اس حدیث میں حکم سے پہلے علت کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے فرمایا'' انما انا بشر مثلکم '' اور اپنے لئے نسیان کے ثبوت پر اکتفاء نہیں کیا (یعنی اس نسیان کی علت پہلے بیان کی اور وہ بشریت ہے) حتیٰ کہ ان لوگوں کے قول کو دور کیا جو کہہ سکتے تھے کہ آپ کا بھولنا ہمارے بھولنے کی طرح نہیں پس آپ نے فرمایا جس طرح تم بھولتے ہو (میں بھی بھولتا ہوں)۔

اس حدیث کے ذریعے ان لوگوں کا رد بھی ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ ''لم انس'' (میں نہیں بھولا) کے ذریعے اس لفظ کا انکار کیا جس کی اپنے آپ سے نفی کی کہ آپ نے فرمایا:

لا انس ولکن انسی لاسن. میں بھولا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تا کہ سنت بنے۔

(التمہید رقم الحدیث: ۸۲۸' الاستذکار ج ۱ ص ۱۰۰' التمہید ج ۵ ص ۲۰۶۔ ج ۶ ص ۳۹۲۔ ج ۱۰ ص ۱۸۴' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۰۰' الشفاء ج ۲ ص ۳۲۰۔ ۳۴۲۔ ۳۴۶)

اور اس لفظ کا انکار ہے جس کا آپ نے دوسروں سے انکار کیا کہ فرمایا:

بئسما لاحد کما ان یقول نسیت اية کذا و کذا. تم میں سے کسی ایک کے لئے برا ہے کہ وہ کہے میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۳۲۔ ۵۰۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰)

اس کا رد بھی کیا گیا کہ حدیث ''لا انس'' کی کوئی اصل نہیں یہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پہنچنے والی روایات ہیں کہ شدید بحث کے بعد ان کا وصل ثابت نہیں ہوا اور وہ چار ہیں[1]۔ یہ بات ابن عبدالبر نے کہی ہے دوسری بات یہ ہے کہ آیت

[1] یہ چار احادیث موطا امام مالک میں ہیں کسی دوسرے مجموعہ میں نہیں ہیں نہ مرسل اور نہ ہی مسند' (لیکن یہ ضعیف ہیں باطل نہیں) پہلی یہ مذکورہ بالا دوسری استسقاء کے بارے میں تیسری روزے کے بارے میں اور چوتھی ''کتاب الجامع'' میں'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ حضور ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی (تفصیل زرقانی ج ۷ ص ۳۵۹ پر دیکھیں)۔ ۱۲ ہزاروی

کے نسیان کی مذمت سے ہر چیز کے بھولنے کی مذمت لازم نہیں آتی کیونکہ دونوں میں فرق بہت واضح ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'لم انس' سلام کی طرف راجع ہے یعنی میں نے قصداً سلام پھیرا ہے کیونکہ میں نے اپنے اعتقاد کے مطابق چار رکعتیں پڑھ لی تھیں اور یہ عمدہ ہے۔

جب کہ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے اس سے عموم سمجھا تو عرض کیا ہاں آپ سے بھول ہوئی ہے اور یہ قول زیادہ شک میں ڈالنے والا تھا جس کے ساتھ حاضرین سے ثبوت طلب کرنے کی ضرورت پڑی۔

اس تقریر سے ان لوگوں کا اعتراض دور ہو گیا جو حضرت ذوالیدین کے عدل پر اعتراض کرتے ہیں اور تنہا ہونے کی وجہ سے ان کی خبر کو قبول نہیں کرتے پس اس میں توقف کی نسبت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایسی خبر دی ہے جو ایسے عمل سے متعلق ہے جس کے بارے میں پوچھا گیا اور وہ ان کے اعتقاد کے خلاف ہے۔

اسی کے ساتھ ان لوگوں کو بھی جواب دیتے ہیں جو کہتے ہیں کہ جو شخص کسی جماعت کی موجودگی میں کسی محسوس بات کی خبر دے جو ان لوگوں پر مخفی نہ ہو اور ان کا اس کے خلاف متفق ہونا جائز نہ ہو اور نہ ہی ان کی خاموشی کا کوئی باعث ہو پھر وہ اسے نہ جھٹلائیں تو اس کو قطعی طور پر سچا نہیں کہا جائے گا' کیونکہ اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی خبر میں اس وجہ سے تعارض ہے کہ مسئول اس بات کے خلاف ہے جس کی اس نے خبر دی ہے (لفظ ''کیونکہ'' سے آگے جواب ہے)۔[1]

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ثقہ راوی جب خبر میں اکیلا ہو اور مجلس متحد ہو اور عام طور پر ایسی صورت میں غفلت نہ ہوتی ہو تو اس کی خبر قبول نہیں کی جائے گی۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص نماز میں بھول کر ایسا کام کرے جو نماز کے منافی ہے تو اس کی (اسی نماز) پر بنا جائز ہے۔

حضرت سحنون فرماتے ہیں: وہ شخص بنا کر سکتا ہے جو دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرے جس طرح حضرت ذوالیدین کے واقع میں ہے کیونکہ یہ حکم قیاس کے خلاف ہے پس مورد نص پر بند ہوگا (یعنی جس طرح حدیث میں بیان ہوا اسی طریقے پر ہوگا)۔

اور زیادہ لازم یہی ہے کہ یہ قصر مغرب یا عشاء میں سے کسی ایک نماز سے متعلق ہے پس صبح کی نماز میں منع ہوگا اور جن لوگوں نے مطلقاً جواز کا قول کیا ہے انہوں نے اسے اس صورت کے ساتھ مقید کیا ہے جب زیادہ وقفہ نہ ہوا ہو۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بھول کر کلام کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی جب کہ احناف کا اختلاف ہے۔ اسی سے استدلال کیا گیا کہ کلام کا قصد نماز کی بہتری کے لئے ہو تو وہ نماز کو نہیں توڑتا۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھول کر کلام فرمایا تھا اور حضرت ذوالیدین کا نبی اکرم ﷺ سے عرض کرنا کہ ہاں کیوں نہیں؟ آپ سے بھول ہوئی ہے اور صحابہ کرام کا یہ کہنا کہ حضرت ذوالیدین نے سچ کہا ہے تو انہوں نے اس اعتقاد کے ساتھ کلام کیا کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ (ابھی احکام شریعت آرہے تھے لہٰذا) یہ نسخ کا وقت تھا پس انہوں نے یہ خیال کرتے ہوئے گفتگو کی کہ وہ نماز میں نہیں ہیں اسی طرح کہا گیا لیکن یہ فاسد ہے کیونکہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ

[1] یہاں استدلال کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت ذوالیدین کی خبر پر خاموش تھے اس کے باوجود حضور ﷺ نے سوال کیا۔

(زرقانی ج ۷ ص ۳۶۰)

کے ارشاد گرامی ''کہ نماز کم نہیں ہوئی'' کے بعد کلام کیا۔

اس کا جواب دیا گیا کہ ان حضرات نے کلام نہیں کیا بلکہ اشارہ کیا جیسا کہ امام ابوداؤد کے نزدیک ایسی روایت میں ہے جس کی سند کو امام مسلم نے چلایا ہے۔

خطابی نے اس پر اعتماد کیا ہے اور کہا کہ قول کو اشارے پر محمول کرنا مجاز ہے اور معروف ہے بخلاف اس کے برعکس کرنے کے پس مناسب ہے کہ وہ روایت جن میں گفتگو کا صراحتاً ذکر ہے ان کو اس روایت کی طرف پھیر دیا جائے اور یہ قوی ہے اور دوسرے حضرات کے اس قول کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ ان میں سے بعض نے زبان سے کلام کیا اور بعض نے اشارے سے' لیکن وہ کہتے ہیں حضرت ذوالیدین کا قول ''بلی قد نسیت'' زبانی بات تھی۔

جب اس بات کو ترجیح ہو کہ ان حضرات نے زبان سے گفتگو کی ہے (اشارے سے نہیں) تو حضرت ذوالیدین اور دوسرے حضرات کے اقوال کا جواب یوں دیا گیا کہ ان کا کلام نبی اکرم ﷺ کے جواب میں تھا اور آپ کو جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

اس پر اعتراض ہوا کہ آپ کو جواب دینا واجب ہے لیکن اس سے نماز کا نہ ٹوٹنا لازم نہیں آتا۔

اسی کا جواب دیا گیا کہ تشہد میں آپ کو خطاب کرنا ثابت ہے کہ آپ ظاہری حیات کے ساتھ موجود تھے اور صحابہ کرام ''السلام علیک ایھا النبی'' کہتے تھے لیکن نماز فاسد نہیں ہوتی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعات پڑھائی تو عرض کیا گیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں چنانچہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کئے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۰۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۱۹' مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۳۔ ج ۲ ص ۲۸۱۔ ج ۶ ص ۲۸' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰' سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۲' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۵۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۲۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۰۱۵۔ ۲۲۲۸۱۔ ۳۷۷۵۵۔ ۴۰۷۰۱)

امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا البتہ امام مسلم نے ''سلام کے بعد'' کے الفاظ نقل نہیں کئے۔ اور یہ عبداللہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔[1]

سلام کے بعد سجدہ کرنے کے بارے میں آرائے مذاہب

ان احادیث میں سلام کے بعد سجدہ (سجدۂ سہو) کا ذکر ہے اور اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

حضرت مالک اور مزنی اور ابوثور جو شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں کمی کے ساتھ سجدۂ سہو اور اضافے کی صورت میں سجدۂ سہو میں فرق کرتے ہیں پہلی صورت میں سلام سے پہلے سجدہ کرے اور دوسری صورت (زائد ہو جانے کی صورت)

[1] یہ اہل کوفہ کی روایت ہے اور وہ جب مطلقاً عبداللہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہوتے ہیں۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۶۱)

میں سلام کے بعد سجدہ کرے۔ ابن عبدالبر کے خیال میں دوسرے لوگوں کے قول سے یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں دونوں بہتر باتیں جمع ہیں۔

وہ فرماتے ہیں: نظر وفکر کے موافق یہی ہے کیونکہ کمی کی صورت میں اسے پورا کرنا ہوتا ہے پس چاہیے کہ وہ اصل نماز سے ہو اور اضافہ کی صورت میں شیطان کی مخالفت کرنا ہے پس وہ نماز سے خارج ہونا چاہیے۔

ابن دقیق العید نے کہا اس میں شک نہیں کہ ترجیح یا دعویٰ نسخ کے مقابلے میں جمع کرنا زیادہ مناسب ہے اور مذکورہ بالا مناسبت کے ساتھ جمع مذکور کو ترجیح حاصل ہوگی اور جب مناسبت ظاہر ہے اور اسی کے مطابق حکم ہوگا تو حکم تمام مقامات کو شامل ہوگا لہٰذا نص کے بغیر تخصیص نہ ہوگی۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ اضافہ کی صورت میں سجدہ بھی محض شیطان کی مخالفت نہیں بلکہ وہ بھی اس پیدا ہونے والے خلل کو دور کرنا ہے کیونکہ یہ خلل اگرچہ اضافہ کی صورت میں ہے لیکن معنوی طور پر نقص ہے۔

خطابی فرماتے ہیں اضافے یا کمی کے درمیان کوئی صحیح فرق نہیں ہے نیز حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ والے واقعہ میں سجدہ سلام کے بعد ہوا حالانکہ وہ کمی والی صورت تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا مسلک سب سے قوی ہے تو ان کے غیر نے کہا بلکہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا طریقہ سب سے زیادہ قوی ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا ہر اس حدیث کو اسی جگہ استعمال کیا جائے جہاں وہ وارد ہوئی ہے اور جہاں کوئی حکم نہیں آیا وہاں سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے وہ فرماتے ہیں اگر اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے مروی حکم نہ ہوتا تو میرے خیال میں تمام صورتوں میں سجدہ سلام سے پہلے ہوتا کیونکہ وہ نماز کے افعال میں سے ہے پس سلام سے پہلے ہونا چاہیے۔

ہمارے (مصنف علیہ الرحمۃ کے) امام حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سجدۂ سہو تمام صورتوں میں سلام سے پہلے ہوگا۔ احناف کے نزدیک تمام صورتوں میں سلام کے بعد ہوتا ہے اور حنفیوں کا اعتماد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ہے اس پر اعتراض کیا گیا کہ رکعت کے زائد ہونے کا پتہ سلام کے بعد چلا جب انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ کیا نماز میں اضافہ ہوگیا ہے؟ اور تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس صورت میں سجدہ سلام کے بعد ہے کیونکہ اس سے پہلے سہو کا علم نہ ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو مشکل ہے' صحابہ کرام نے زائد نماز میں نبی اکرم ﷺ کی اتباع اس لئے کی کہ ان کے نزدیک اس میں اضافہ ہوسکتا تھا کیونکہ اس زمانے میں نسخ کی توقع تھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اضافہ کا ذکر ہے اور وہ حدیث یوں ہے کہ جب تم میں سے کسی ایک کو نماز میں شک ہو تو درست صورت کے بارے میں غور وفکر کرے پس اس پر پورا کرے پھر سلام پھیرے اس کے بعد سہو کے دو سجدے کرے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ یہ حدیث حضرت ابوسعید کی اس روایت کے معارض ہے جو امام مسلم نے نقل کی اس کے الفاظ یہ ہیں۔ جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو پس اسے معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تو وہ شک کو چھوڑ دے اور یقین پر بنا کرے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸' مسند احمد ج ۳ ص ۷۲' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۵' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۷۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۴۶۶' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: 1015' التمہید

ج ۵ ص ۱۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۹)

شافعی حضرات نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

بعض حضرات نے دونوں صورتوں کو دو (مختلف) حالتوں پر محمول کرتے ہوئے جمع کیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے سہو میں اختیار دینے کے طریقے کو ترجیح دی ہے' سلام سے پہلے ہو یا بعد میں' (یعنی اختیار ہے جیسے چاہے کرے)۔

ماوردی نے (دونوں طرح) جواز پر اجماع نقل کیا ہے اختلاف افضیلت میں ہے' امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح مطلق جواز کا قول کیا ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ امام الحرمین نے "النہایہ میں" (شافعی) مذہب سے جواز کے بارے میں اختلاف نقل کیا اور جواز کے قول کو بعید قرار دیا۔ ممکن ہے کہا جائے کہ ماوردی اور نووی نے جو اجماع نقل کیا ہے وہ مذاہب مذکورہ کی ان آراء سے پہلے کی بات ہے۔ واللہ اعلم

یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

اگر کسی شخص سے دو یا زیادہ سہو ہو جائیں تو امام شافعی' امام مالک' امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک سب کے لئے دو سجدے کافی ہیں اور جمہور کے نزدیک فرض کی طرح نفل میں بھی سجدۂ سہو کرے۔

فصل نمبر ۵

نبی اکرم ﷺ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کون سے کلمات پڑھتے تھے' نیز نماز کے بعد آپ کا بیٹھنا اور اس کے بعد جلدی پھر جانا

نماز کے بعد سنت کیا ہے؟

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تو تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھتے اور یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ	یا اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا ہے' تیری طرف سے
تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ.	ہی سلامتی ہے' تو برکت والا ہے' اے جلال اور عزت والے!

اور آپ قبلہ رخ اتنی دیر رہتے جس میں یہ کلمات کہہ سکیں۔ یہ بھی ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز پڑھ لیتے تو صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۵-۱۳۸۶ شرح السنہ ج ۳ ص ۲۱۴' تغلیق التعلیق رقم الحدیث: ۵۰۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۲۴۴)

نماز کے بعد آپ سے جو دعا منقول ہے اسے اس بات پر محمول کیا جائے کہ آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہونے کے

بعد یہ کلمات دعائیہ پڑھتے تھے اور آپ جلدی جلدی مقتدیوں کی طرف پھر جاتے اور دائیں اور بائیں دونوں طرف پھرتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اکثر بائیں طرف پھرتے ہوئے دیکھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سلام پھیرنے کے بعد تھوڑی دیر اپنی جگہ پر ٹھہرتے' آپ فرماتی ہیں حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہمارا خیال یہ تھا کہ (آپ اس لئے ٹھہرتے) تاکہ مردوں کے پہنچنے سے پہلے عورتیں واپس چلی جائیں۔

نماز کے بعد دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ صرف اتنی مقدار ٹھہرتے جس میں یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

اے اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا اور تجھ ہی سے سلامتی ہے' تو برکت والا ہے اے جلال وعزت والے!

جن حضرات نے کہا ہے کہ نماز کے بعد دعا مسنون نہیں ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ نفی سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سلام سے پہلے صرف اتنی مقدار اپنی حالت پر رہتے جس میں یہ کلمات پڑھتے۔

اور آپ یہ کلمات بھی پڑھتے تھے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یا اللہ! جو کچھ تو عطا کرے اسے روکنے والا کوئی نہیں اور جو کچھ تو نہ دے وہ عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی مالدار کو اس کی مالداری تیری طرف سے نفع نہیں دے سکتی۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اسے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

اور بلند آواز سے پڑھتے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَآءُ الْحَسَنُ الْجَمِیْلُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں وہی نعمت وفضل کا مالک ہے وہی اچھی تعریف کا مستحق ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے لئے خالص عبادت کرتے ہیں اگرچہ کافر ناپسند کریں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو یہ کلمات سکھاتے اور فرماتے: کہ نبی اکرم ﷺ نمازوں کے بعد ان کلمات کے ساتھ پناہ مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ.

یا اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں نہایت گھٹیا عمر کی طرف لوٹائے جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں دنیا کے فتنے اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّکَ الرَّبُّ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ کُلَّھُمْ اِخْوَۃٌ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اِجْعَلْنِیْ مُخْلِصًا لَکَ وَاَھْلِیْ فِیْ کُلِّ سَاعَۃٍ مِّنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ.

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۰۸، مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۹، الدرالمنثور رقم الحدیث: ۴۷۱۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۹۴۔ ج ۵ ص ۹۸، الاسماء والصفات رقم الحدیث: ۱۳۶)

اے اللہ! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب ہم گواہ ہیں کہ بے شک تو رب ہے اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں، یا اللہ اے ہمارے رب! اور ہر چیز کے رب ہم گواہ ہیں کہ (حضرت) محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں یا اللہ! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمام بندے (مسلمان) بھائی بھائی ہیں یا اللہ! اے ہمارے رب اور ہر چیز کے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو دنیا اور آخرت کی ہر ساعت میں اپنے لئے خالص بنا دے اے جلال و عزت والے! (میری دعا) سن اور قبول فرما، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔

نماز کے بعد دعا کے بارے میں ابن قیم کی رائے

میں (مصنف) نے ابن قیم کی کتاب ''الہدیٰ'' میں دیکھا (لکھا ہے) نماز سے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ ہونے کی حالت میں دعا مانگنا، تنہا ہو یا امام یا مقتدی نبی اکرم ﷺ کی سنت سے بالکل نہیں ہے اور نہ آپ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے بلکہ سند حسن کے ساتھ بھی مروی نہیں ہے۔ بعض حضرات نے اسے فجر اور عصر کی نماز کے ساتھ خاص کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے یہ عمل نہیں کیا اور نہ اپنی امت کو اس کی طرف رہنمائی فرمائی یہ مستحب عمل ہے جس نے اسے اچھا قرار دیا تو نبی اکرم ﷺ اور خلفاء کے بعد سنت کی جگہ قرار دیا۔

ابن قیم نے کہا زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ نماز سے متعلق جتنی دعائیں ہیں وہ نماز کے اندر مانگی ہیں اور ان کا حکم بھی دیا ہے۔

ابن قیم کا کہنا ہے کہ نماز کے حال کے زیادہ لائق یہی بات ہے کیونکہ (اس وقت) وہ اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب وہ نماز سے سلام پھیرتا ہے تو اس کی مناجات ختم ہو جاتی ہے اور اس کا وہاں کھڑا ہونا اور قرب ختم ہو جاتا ہے تو کیسے وہ حالتِ مناجات اور قربِ خداوندی کے وقت سوال کرنا چھوڑے گا حالانکہ وہ اس کی طرف متوجہ ہے؟ پھر جب اس (نماز) سے پھر جاتا ہے تو سوال کرتا ہے۔

ابن قیم نے اس کے بعد کہا لیکن وہ اذکار جو فرض نمازوں کے بعد ہیں جو شخص ان کو پڑھنا چاہے وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے اور جو دعا چاہے مانگے اس کی یہ دعا اس دوسری عبادت کے بعد ہوگی یعنی اس ذکر کے بعد جو فرض نمازوں کے بعد منقول ہے' یہ دعا فرض نماز کے بعد نہیں ہوگی۔

ابن قیم کا مناقشہ

میرے (مصنف کے) دل میں اس کے مطلق نفی کے دعویٰ سے متعلق کوئی بات تھی جیسا کہ عنقریب آئے گا پھر میں نے اپنے شیخ المشائخ امام الحفاظ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا۔

اس (ابن قیم) نے جو مطلق نفی کا دعویٰ کیا ہے وہ مردود ہے کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا اے معاذ! اللہ کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں پس ہر نماز کے بعد یہ (کلمات) کہنا ترک نہ کرنا:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ. یا اللہ! اپنے ذکر' اپنے شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۲' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۹۸' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۴۱' نصب الرایۃ ج ۲ ص ۲۳۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۷)

اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (فرماتے ہیں) میں نے نبی اکرم ﷺ کو نماز کے بعد یوں کہتے ہوئے سنا:

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ. اے اللہ! ہمارے رب اور ہر چیز کے رب۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو یہ کلمات پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیْ. یا اللہ! میرے لئے میرے دین کو بہتر بنادے۔

اس حدیث کو امام نسائی نے نقل کیا اور ابن حبان وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا اگر کہا جائے کہ نماز کے بعد سے مراد اس کے آخر کا قریب یعنی تشہد ہے تو ہم کہتے ہیں کہ نماز کے بعد ذکر کا حکم آیا ہے اور اس سے بالاتفاق سلام مراد ہے۔ (یعنی لفظ ''دبر'' آیا ہے اور وہ تشہد

نہیں بلکہ سلام کے بعد پڑھنا مراد ہے اسی طرح یہاں بھی لفظ "دبر" آیا ہے)۔
یہاں بھی اسی طرح ہوا گا حتیٰ کہ اس کے خلاف ثابت ہو۔
امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا: رات کے درمیان اور فرض نمازوں کے بعد (مانگی جانے) والی دعا۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حسن ہے۔
امام طبرانی نے حضرت جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' فرماتے ہیں:

الدعاء بعد المکتوبۃ افضل من الدعاء بعد النافلۃ کفضل المکتوبۃ علی النافلۃ.	فرض نماز کے بعد دعا نفل کے بعد دعا سے افضل ہے جس طرح نفل نماز سے فرض نماز افضل ہے

حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اکثر حنبلی حضرات نے یہی سمجھا کہ ابن قیم نے نماز کے بعد مطلق دعا کی نفی مراد لی ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مسلسل قبلہ رخ ہونے کی قید اور سلام کے (فوراً) بعد کی قید کے ساتھ نفی کی ہے لیکن جب قبلہ کی طرف سے رخ پھیر لے اور پہلے وہ اذکار کرے جو مسنون ہیں تو اس وقت دعا مانگنا منع نہیں ہے۔

امامت کے بعض احکام

جب مسجد میں اقامت ہوتی تو نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو دیکھتے اگر وہ تھوڑے ہوتے تو آپ بیٹھ جاتے اور جب ان کو جماعت کی صورت میں دیکھتے تو نماز پڑھاتے۔[1]
حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نماز میں ہمارے کاندھوں کو ہاتھ لگاتے اور فرماتے:

استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم لیلنی منکم اولو الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم.	سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہوگا چاہیے کہ تم میں سے عقلمند لوگ میرے قریب کھڑے ہوں پھر وہ جو ان کے قریب ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۲' سنن نسائی رقم الباب: ۲۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۰۸۸' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۲۵' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۵۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۵۹۵)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہوا آپ نے اپنی پیٹھ مبارک کی طرف سے میرا ہاتھ پکڑ کر اسی طرح پیٹھ کے پیچھے سے دائیں طرف کر دیا۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ نماز باجماعت مسلمانوں کی شوکت کی علامت ہے لہٰذا بھرپور اجتماع ہو اسی لئے ہر ایسے کام سے احتراز کیا جائے جو نمازیوں کی کمی کا باعث بنتا ہو۔ ۱۲ ہزاروی

بیٹھے ہوئے امام کی اقتدا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو آپ کے دائیں پہلو میں خراش آ گئی ہم آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو نماز کا وقت ہو گیا پس آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو حتیٰ کہ (بیان کرتے کرتے) فرمایا: جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۲' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۷' سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴۲' مسند احمد ج ۶ ص ۵۱' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۱' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۷۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۳' شرح السنہ ج ۳ ص ۴۲۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۸۹' الکامل فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۲۶۱' الکنز رقم الحدیث: ۲۳۰۶۵)

بعض راویوں نے یہ اضافہ کیا کہ جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔[1]

حمیدی فرماتے ہیں: ان تمام روایات کے معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں اور امام بخاری نے (اپنے شیخ حمیدی مذکور سے نقل کرتے ہوئے یہ) اضافہ کیا کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو"۔

یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کی پہلی علالت کے دوران ہوا اور جس علالت میں آپ کا وصال ہوا اس میں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے کھڑے تھے آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور آخری عمل کو اختیار کیا جاتا ہے پس نبی اکرم ﷺ کا آخری عمل یہ تھا۔

امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور جمہور اسلاف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو اس کے لئے بیٹھنے والے امام کے پیچھے کھڑے ہونے کے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

انہوں نے اس بات سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مرض وصال میں بیٹھ کر نماز پڑھائی جب کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات آپ کے پیچھے کھڑے تھے اگرچہ بعض علماء کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی امام تھے اور حضور علیہ السلام نے ان کی اقتدا فرمائی لیکن صحیح یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی امام تھے۔

دوسرا باب

نمازِ جمعہ کا ذکر

یوم جمعۃ المبارک کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ حضرت جبریل علیہ السلام' نبی اکرم ﷺ کے

[1] جیسا کہ آگے وضاحت آ رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہ کرام کھڑے تھے اور آخری عمل سے استدلال ہوتا ہے لہٰذا جب امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہوں گے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ قیام ہر ایک پر فرض ہے امام کو عذر لاحق ہے' مقتدیوں کو نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

پاس ایک سفید شیشہ لے کر حاضر ہوئے جس میں سیاہ نکتہ تھا' نبی کریم علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ جمعہ ہے جس کے ساتھ آپ کو اور آپ کی امت کو فضیلت دی گئی ہے (دوسرے) لوگ اس سلسلے میں تم لوگوں کے تابع ہیں دوسروں سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں اور تمہارے لئے اس (دن) میں بھلائی ہے اور تمہارے لئے اس میں ایک گھڑی (ایسی) ہے جس سے کسی مومن کی دعا موافق نہیں ہوتی جب وہ اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی دعا مانگتا ہے مگر وہ قبول ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک یہ "یوم مزید" ہے نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا "یوم مزید" کیا ہے؟ عرض کیا آپ کے رب نے جنت الفردوس میں ایک وسیع وادی بنائی ہے جس میں کستوری کا ٹیلہ ہے جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جس قدر چاہتا ہے بھیجتا ہے اس ٹیلے کے گرد نور کے منبر ہیں جن پر انبیاء کرام کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں ان منبروں کو سونے کے منبروں سے گھیرا گیا ہے جو یاقوت اور زمرد سے مرصع ہیں ان پر شہدا اور صدیقین ہیں وہ فرشتے ان کے پیچھے ٹیلے پر بیٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہارا رب ہوں میں نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا پس مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم تجھ سے تیری رضا کا سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تم سے راضی ہوا اور تمہارے لئے وہ ہے جس کی تم نے تمنا کی اور اس کے ساتھ مزید بھی ہے پس وہ جمعہ کے دن کو پسند کرتے ہیں اس بھلائی کے سبب جو ان کا رب ان کو عطا کرتا ہے اس دن آپ کا رب عرش پر استواء فرماتا ہے۔ (لسان العرب ج ۱۰ ص ۳۶۳)

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا: بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے' جمعہ کا دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اسی دن ان کو وہاں سے باہر لایا گیا اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۔۱۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۹۱' سنن نسائی ج ۳ ص ۹۰' مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۱' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۵۱' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۵۰)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "الدعوات" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ جب رجب کا مہینہ داخل ہوتا تو نبی اکرم علیہ السلام دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ۔ یا اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں ماہِ رمضان تک پہنچا دے۔

اور جمعۃ المبارک کی رات یوں فرماتے:

لیل اغرو یوم الجمعۃ یوم ازھر۔ روشن رات ہے اور جمعہ کا دن نہایت چمکدار دن ہے۔

جمعہ کے دن کو کچھ خصوصیات حاصل ہیں جو بیس کی تعداد تک پہنچتی ہیں۔ ابن قیم نے "الہدی النبوی" میں ان کو ذکر کیا ہے' میں ان کے ذکر کے ساتھ بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتا خصوصاً جب کہ یہ میری غرض بھی نہیں ہے۔

یہ دن' ہفتہ کے تمام دنوں سے افضل ہے جس طرح یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ کا دن) عام دنوں سے افضل ہے اسی طرح لیلۃ القدر اور جمعہ کی رات (افضل ہے) اسی لئے یوم عرفہ' جمعہ کے دن ہو جائے تو اسے تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

ابوامامہ بن نقاش فرماتے ہیں: جمعہ کا دن ہفتہ کے دنوں میں سے افضل دن ہے اور قربانی کا دن عام دنوں سے افضل ہے انہوں نے کہا کہ اس کے علاوہ بات کرنے والا ایسے اعتراض سے بچ نہیں سکتا جس کا جواب دینے سے وہ عاجز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

ہم آخر میں آنے والے ہیں' قیامت کے دن سبقت کرنے والے ہوں گے البتہ ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی پھر یہ (جمعہ کا) دن اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی تو لوگ ہمارے تابع ہیں یہودی کل (یعنی ہفتہ کے دن) اور عیسائی پرسوں (اتوار کے دن) والے ہیں۔

صحیح مسلم میں ابن عیینہ نے حضرت ابوالزیاد سے روایت کیا ہے اس میں یوں ہے:

ہم پچھلے ہیں اور ہم پہلے ہیں یعنی زمانے کے اعتبار سے آخری اور مرتبہ کے اعتبار سے پہلے ہیں۔

حدیث میں جس دن کا ذکر ہوا اس سے جمعہ کا دن مراد ہے اور حدیث میں لفظ ''بید'' استعمال ہوا جس میں باء پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے اور دال پر بھی زبر ہے ''غیر'' کے معنی میں ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی:

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَى الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا۔ (النحل:۱۲۴) بے شک ہفتہ کا دن ان لوگوں پر مقرر کیا گیا جنہوں نے اختلاف کیا۔

یعنی جنہوں نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اختلاف کیا جب انہوں نے ان کو جمعہ (کا دن) اختیار کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے ہفتے کا دن اختیار کرلیا تو ان کا اسی وجہ سے ہفتے میں اختلاف اپنے نبی سے اختلاف تھا۔ (یعنی اختلاف سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جمعہ کا دن اختیار کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے ہفتے کا دن اختیار کیا یہ اختلاف ہے)۔ (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جمعہ چاہتے تھے اور وہ ہفتہ تو یہ اختلاف تھا)۔

سوال: اگر کہا جائے کہ کیا کوئی عقلی دلیل بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کا دن ہفتہ اور اتوار سے افضل ہے؟ کیونکہ تمام ملتوں والے اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا' تخلیق و تکوین کا آغاز اتوار کے دن ہوا اور جمعہ کے دن تکمیل ہوئی پس ہفتہ کے دن فراغت ہوئی پس یہودیوں نے کہا ہم اعمال کو چھوڑنے میں اللہ تعالیٰ کے موافق ہیں (یعنی اتوار کو چھٹی کرتے ہیں) پس انہوں نے اس وجہ سے ہفتے کا دن مقرر کیا اور عیسائیوں نے کہا تخلیق و تکوین کا آغاز اتوار کے دن ہوا پس ہم اسے اپنے لیے عید قرار دیتے ہیں تو ان دونوں دنوں کی عقلی وجہ ہے' جمعہ کے دن کو عید بنانے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: جمعہ کا دن تکمیل کا دن ہے اور کسی چیز کا کامل و مکمل ہونا کامل خوشی اور عظیم سرور کا موجب ہوتا ہے پس جمعہ کے دن کو اس وجہ سے عید کا دن قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم

ابن بطال نے کہا حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ان (اہل کتاب) پر جمعہ بعینہ فرض کیا گیا تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا کیونکہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ حکم کو چھوڑ دے اور وہ مومن بھی ہو۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ ان پر جمعہ فرض کیا گیا اور ان کو اختیار دیا گیا کہ اس میں اپنی شریعت کو قائم

کریں پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور جمعہ کے دن کی طرف ہدایت نہ پائی۔

انہوں نے اسی طرح کہا لیکن ابن ابی حاتم نے سدی سے صریح الفاظ میں نقل کیا کہ ان پر تعین کے ساتھ جمعہ فرض کیا گیا تھا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ ان کے الفاظ یوں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر جمعہ فرض کیا تو انہوں نے انکار کیا اور کہا اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لئے ہفتے کا دن مقرر فرمائیں تو آپ نے ان پر اسے لازم کیا اور یہ بات ان کی مخالفت سے عجیب نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں (ان کی مخالفت کا ذکر) ہے:

اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ. دروازے سے جھکتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو ہمارے گناہوں کی معافی ہو۔ (البقرہ:۵۸)

اور ان لوگوں نے ہی کہا تھا:

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا. (البقرہ:۹۳) ہم نے سنا اور نہ مانا۔

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی "فھدانا اللہ لہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت دی" اس میں احتمال ہے کہ ہمارے لئے (اس کا تعین) واضح الفاظ میں ذکر فرمایا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اجتہاد کے ذریعے اس کی طرف ہماری رہنمائی کی (یعنی اس کی توفیق سے ہم نے سوچ و بچار کر کے اس دن کا تعین کیا)۔

دوسرے احتمال پر حضرت عبدالرزاق کی روایت شاہد ہے وہ صحیح سند کے ساتھ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری اور جمعہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے اہل مدینہ جمع ہوئے تو انصار نے کہا یہودیوں کا ایک (مخصوص) دن ہے وہ ہر ہفتے میں اس دن جمع ہوتے ہیں اور عیسائیوں کے لئے بھی اسی طرح ہے پس آؤ ہم بھی اپنے لئے ایک دن مقرر کریں جس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جمع ہوں' نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں انہوں نے یوم عروبہ (جمعہ) کا تعین کیا چنانچہ وہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس اکٹھے ہوئے تو انہوں نے اسی دن ان کو نماز پڑھائی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ. جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے (تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے دوڑ پڑو اور تجارت چھوڑ دو)۔ (الجمعہ:۹)

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن حسن سند کے ساتھ اس کی شاہد حدیث موجود ہے جسے حضرت امام احمد' امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا۔ ابن خزیمہ نے اسے حضرت کعب بن مالک سے روایت کرتے ہوئے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی کرم ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعہ پڑھایا۔

تو حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کی مرسل حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان صحابہ کرام نے غور و فکر کے ذریعے جمعہ کا دن اختیار فرمایا اور یہ بات اس کے خلاف نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں وحی کے ذریعے یہ بات بتائی گئی پس آپ اس جگہ اس (جمعہ) کو قائم کرنے پر قادر نہ ہوئے۔ اسی لئے جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو صحابہ کرام کو (جمعہ کے دن) جمع فرمایا۔

نمازِ جمعہ کا وقت

ابن اسحاق فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو قباء میں بنو عمرو بن عوف کے ہاں (سوموار) پیر' منگل' بدھ اور جمعرات کے دن ٹھہرے اور ان کی مسجد (مسجدِ قباء) کی بنیاد رکھی پھر جمعہ کے دن باہر تشریف لائے تو بنو سالم میں جمعہ کا وقت ہوا تو آپ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو وادی کے دامن میں ہے (یہ مسجد' مسجد جمعہ کہلاتی ہے) تو نبی اکرم ﷺ نے پہلا جمعہ مدینہ طیبہ میں پڑھایا۔ اور یہ' مسجد نبوی کی بنیاد رکھنے سے پہلے کی بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا (یعنی اس کے بعد پڑھتے)۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جلدی پڑھتے اور جب گرمی ہوتی تو نماز کو ٹھنڈا کرتے (گرمی کم ہونے پر پڑھتے)۔ اس سے جمعہ کی نماز مراد ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے اور جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے تھے (کچھ دیر سو جاتے)۔

خطبۂ جمعہ کا حکم

جان لو! کہ انعقاد جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے اس کے بغیر نمازِ جمعہ صحیح نہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ ظہر کی نماز میں سے دو رکعتوں کی طرح ہے پس جب اس کو چھوڑ دیا اور جمعہ کی نماز پڑھی تو نمازِ ظہر سے دو رکعتیں چھوڑ دیں۔

نماز جمعہ کے لئے اذان

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مینار پر اور آپ کے سامنے اذان نہیں ہوتی تھی صرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے اذان دیتے تھے جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے تھے جس طرح حنفی' مالکی اور شافعی ائمہ وغیرہ نے واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے (یعنی دو اذانیں نہیں ہوتی تھیں)۔

حضرت برہان الدین مرغینانی حنفی (یہ ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی ہیں' متوفی ۵۹۳ھ) کے ہدایہ میں عبارت اس طرح ہے:

(الاعلام ج۴ص ۲۶۶' الفوائد البہیۃ رقم الحدیث: ۱۴۱' الجواہر المضیۃ ج۱ص ۳۸۳' کشف الظنون ج۲ص ۲۰۳۱)

اور جب امام منبر پر چڑھ جائے تو بیٹھ جائے اور موذن' منبر کے سامنے اذان دے امت کا طریقہ نسل در نسل اسی طرح چلا آ رہا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں صرف یہی اذان ہوتی تھی۔

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے ابن حاجب کی عبارت اس طرح ہے:

جب خطبہ کے لئے بیٹھتے وقت اذان ہو تو اس وقت سعی (دوڑنا) حرام ہے اور یہی اذان معروف ہے پس جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور نمازی زیادہ ہوئے تو آپ نے خطبے سے پہلے زورا (مدینہ طیبہ کے بازار میں ایک

جگہ کا نام) پر اذان کا حکم دیا۔ پھر ہشام نے اسے مسجد کی طرف منتقل کیا اور دوسری اذان کو امام کے سامنے رکھا۔

ابن عبدالحق نے ''تہذیب الطالب میں'' اس کی مثل ذکر کیا۔ ابن ابی زید نے جو اپنے رسالے میں کہا ہے کہ دوسری اذان بنوامیہ نے جاری کی تو اس کے شارحین فاکھانی وغیرہ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جاری ہونے میں یہ دوسری اذان ہے اور دوسری اذان وہی ہے جو پہلے ہوتی ہے اور اس کو جاری کرنے کی وجہ گزر چکی ہے۔

امام زرکشی کی عبارت بھی دوسرے شافعی حضرات کی طرح ہے: کہ امام مستراح (آرام کرنے کی جگہ) پر بیٹھے تاکہ اوپر چڑھنے کی مشقت سے آرام پائے پھر اس کے بیٹھنے کے بعد مؤذن اذان کہے کیونکہ اذان اس وقت پڑھی جاتی تھی جب نبی اکرم ﷺ (منبر پر) تشریف فرما ہوتے تھے اس سے پہلے اذان نہیں ہوتی تھی۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہوا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے ان کو دوسری اذان کا حکم دیا پھر مؤذن کے فارغ ہونے تک بیٹھنا ہے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر تشریف فرما ہوتے۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی یہی طریقہ تھا جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو تیسری اذان کا اضافہ ہوا جو زوراء پر دی جاتی تھی۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا اور الزوراء مدینہ طیبہ میں بازار میں ایک جگہ تھی۔

(نوٹ: اقامت کو شامل کر کے تین اذانیں قرار دی گئیں)۔

انہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جمعہ کی دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس وقت دیا جب نمازیوں کی کثرت ہوگئی۔

اس کی وضاحت وہی ہے جو ابن ابی زید کے گذشتہ قول کی وضاحت ہے (یعنی پہلی اذان مراد ہے)۔

ابن خزیمہ کے نزدیک یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جمعہ کے دن دو اذانیں ہوتی تھیں۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں: دو اذانوں سے مراد اذان اور اقامت ہے' اذان کو غالب قرار دیتے ہوئے یا اعلان ہونے میں دونوں کے اشتراک کی وجہ سے اقامت کو بھی اذان کہا گیا۔

''سنن نسائی میں ہے کہ'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت اذان کہتے جب نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوتے جب آپ اترتے تو وہ اقامت کہتے۔

حضرت وکیع نے ابن ابی ذئب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان کا حکم دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

''فتح الباری میں فرمایا کہ'' دونوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس اذان کے زائد ہونے کی وجہ سے اس کو تیسری اذان کہا گیا اور اذان و اقامت پر مقدم ہونے کی وجہ سے اس کو پہلی اذان کہا گیا اور ''صحیح بخاری میں'' جو دوسری اذان کہا گیا تو حقیقی اذان کے اعتبار سے ہے' اقامت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

شیخ خلیل نے ''التوضیح میں'' فرمایا کہ کیا امام کے سامنے اذان کہی جائے یا مینار پر؟ تو اس میں روایات مختلف ہیں۔

ہمارے اصحاب سے منقول ہے کہ مینار پر ہو۔ ابن قاسم نے ''المجموعہ میں'' حضرت مالک سے نقل کیا۔
ابن عبدالبر نے ''کافیہ میں'' حضرت مالک سے نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان کہنا پرانی بات نہیں۔
ان کے غیر نے کہا جمعہ کی اذان میں یہی اصل ہے ''تہذیب الطالب'' کے مصنف اور مازری نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

''الاستذکار میں ہے کہ'' ہمارے اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہوگئی انہوں نے اس بات کا انکار کیا کہ جمعہ کے دن اذان نبی اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (امام کے سامنے) ہوتی تھی اور کہا کہ یہ ہشام کے زمانے کی بدعت ہے۔

فرماتے ہیں: یہ اس شخص کا قول ہے جس کا علم کم ہے پھر انہوں نے حضرت سائب بن یزید کی روایت سے استدلال کیا جو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے مروی ہے اور پہلے گذر چکی ہے۔

پھر فرمایا: کہ اسحاق نے امام زہری کے واسطہ سے حضرت سائب بن یزید سے حدیث کی روایت کی ہے جس سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

کان یوذن بین یدی النبی اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة و ابی بکر و عمر.

نبی اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے سامنے اذان دی جاتی تھی جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے۔

اور اس مقام پر اذان کے ہونے میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ امام منبر پر بیٹھ گیا ہے پس جب وہ خطبہ دے تو لوگ خاموش رہیں یہ بات مہلب نے کہی ہے۔

''فتح الباری میں فرمایا'' یہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ ''طبرانی وغیرہ میں'' محمد بن اسحاق کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ (اذان) مطلق اعلان کے لئے ہے خاص خاموش کرنے کے لئے نہیں۔

اور ظاہر بات یہ ہے کہ لوگوں نے اس وقت تمام شہروں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فعل کے مطابق عمل کیا کیونکہ اس وقت آپ خلیفہ تھے اور آپ کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا لیکن فاکہانی نے کہا کہ پہلی اذان مکہ مکرمہ میں حجاج نے اور بصرہ میں زیاد نے جاری کی۔

جو یبر کی تفسیر میں ہے وہ حضرت ضحاک سے اور وہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو مؤذنوں کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کے دن لوگوں کے لئے مسجد سے باہر اذان دیں حتیٰ کہ لوگ سنیں اور حکم دیا کہ آپ کے سامنے اذان کہی جائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہ کام کیا ہے۔

یہ حدیث منقطع ہے حضرت مکحول اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے اور یہ ثابت نہیں اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے یہ اضافہ کیا پس اسی بات پر اعتماد ہے۔

امام عبدالرزاق نے ایک حدیث ابن جریج سے نقل کی جو اس بات کو قوت بخشتی ہے وہ فرماتے ہیں:
سلیمان بن موسیٰ نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے اذان کا اضافہ کرنے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں' حضرت عطاء نے فرمایا ہرگز نہیں وہ لوگوں کو بلاتے تھے لیکن ایک اذان کے علاوہ اذان نہیں دیتے تھے۔
لیکن حضرت عطاء نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا پس جس نے ان سے یہ بات ثابت کی ہے اس کی روایت ان کے انکار سے مقدم ہے اور یوں جمع کرنا بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو کام تھا وہ عہد عثمانی میں جاری رہا پھر انہوں نے مناسب سمجھا کہ اس کو اذان کی شکل دی جائے اور یہ اونچی جگہ پر ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اس لئے ان کی طرف اذان کے الفاظ کے ساتھ منسوب ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل بھی چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ محض اعلام (خبر دینا) تھا۔
ابن ابی شیبہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔
تو اسے اس بات پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس کا انکار کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی مراد اس عمل کا نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ ہونا ہے۔
کیونکہ جو عمل نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا اس کو بدعت کہتے ہیں لیکن ان میں سے بعض حسن ہیں اور کچھ اس کے علاوہ ہیں۔
پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر اجماع سکوتی ہے کیونکہ انہوں (صحابہ کرام) نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

پہلا جمعہ اور پہلا خطبہ

سب سے پہلا جمعہ جو نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھایا جیسا کہ پہلے حدیثِ ہجرت میں گزر چکا ہے' بنو سالم بن عوف میں ان کی وادی کے دامن میں پڑھایا پس آپ نے ان کو خطبہ دیا اور یہ مدینہ طیبہ میں آپ کا پہلا خطبہ تھا آپ نے اسی میں فرمایا:

الحمد لله احمده ' واستعينه واستغفره' واستهديه واومن به ولا اكفره' واعادى من يكفر به' واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له' واشهد ان محمدا عبده ورسوله' ارسله بالهدى ودين الحق والنور والموعظة والحكمة' على فترة من الرسل' وقلة من العلم' وضلالة من الناس ' وانقطاع من الزمان' ودنو من الساعة ' وقرب من الاجل. من يطع الله ورسوله فقد رشد' ومن يعص الله ورسوله فقد

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں' اس سے بخشش مانگتا ہوں' اس سے ہدایت طلب کرتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں اس کا انکار نہیں کرتا اور اس شخص کو دشمن جانتا ہوں جو اس کا انکار کرے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت سچے دین' نور' وعظ اور حکمت کے ساتھ اس وقت بھیجا جب

غوی وفرط وضل ضلالا بعيدا' اوصيكم بتقوى الله' فانه خير ما اوصى به المسلم المسلم ان يخضه على الاخرة' وان يامره بتقوى الله' واحذروا ما حذركم الله من نفسه' فان تقوى الله لمن عمل بها على وجل ومخافة من ربه عون وصدق على مايبتغون من الاخرة' ومن يصل الذى بينه وبين الله من امره فى السر والعلانية لا ينوى به الا وجه الله يكن له ذكرا فى عاجل امره' وذخرا فيما بعد الموت حين يفتقر المرء الى ما قدم' وما كان مما سوف ذلک يود لو ان بينه و بينه امدا بعيدا' ويحذركم الله نفسه والله رؤوف بالعباد' هو الذى صدق وانجز وعده لا خلف له فانه يقول ﴿ما يبدل القول لدى وما انا بظلام للعبيد﴾. (ق:۲۹)فاتقوا الله فى عاجل امركم واجله' فى السر والعلانية' فانه من يتق الله يكفر عنه سيئاته ويعظم له اجرا' ومن يتق الله فقد فاز فوزا عظيما' وان تقوى الله توقى مقته وتوقى عقوبته وسخطه' وان تقوى الله تبيض الوجه وترضى الرب' وترفع الدرجة' فخذوا بحظكم ولا تفرطوا فى جنب الله' فقد علمكم كتابه ونهج لكم سبيله' ليعلم الذين صدقوا ويعلم الكاذبين. فاحسنوا كما احسن الله اليكم' وعادوا اعداء ه' وجاهدوا فى الله حق جهاده' هو اجتباكم وسماكم المسلمين' ليهلک من هلک عن بينة' ويحيى من حيى عن بينة' ولا حول ولا قوة الا بالله.

رسولوں کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا' علم کم ہو گیا' لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے' زمانہ گزر چکا' قیامت قریب آ گئی اور وقت مقرر قریب آ گیا (دنیا ختم ہونے والی ہے)۔ جس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اس نے ہدایت پائی اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی وہ سرکش ہو گیا اور حد سے بڑھ گیا اور دور کی گمراہی میں جا پڑا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہوں ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے لئے بہترین نصیحت یہ ہے کہ وہ اس کو آخرت کی ترغیب دے اور اس کو تقویٰ کا حکم دے۔ اور اللہ تعالیٰ کا خوف (تقویٰ) اس شخص کے لئے جو اس (تقویٰ) پر کانپتے ہوئے اور اپنے رب سے ڈرتے ہوئے عمل کرتا ہے مددگار ہے اور جو کچھ وہ آخرت سے تلاش کرتے ہیں اس پر صداقت ہے اور جو شخص اس کام سے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے ظاہری اور باطنی طور پر رشتہ جوڑتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت کرتا ہے تو وہ عمل اس کے لئے فوری طور پر ذکر کا باعث اور موت کے بعد کے لئے ذخیرہ ہو گا جب آدمی اس چیز کا محتاج ہو گا جو اس نے آگے بھیجا ہے۔ اور جو شخص اس میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہے وہ (قیامت کے دن) چاہے گا کہ اس کے اور اس عمل کے درمیان دور کا فاصلہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہے۔ وہی ذات ہے جس نے سچ فرمایا اور اپنا وعدہ پورا فرمایا جس میں کوئی بدعہدی نہیں وہ فرماتا ہے میرے ہاں بات بدلتی نہیں اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا اپنے فوری اور مستقبل کے امور میں ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ مٹا دیتا ہے اور اسے اجر عظیم عطا کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ

فاكثروا ذكر الله' واعملوا لما بعد الموت' فانه من يصلح ما بينه و بين الله يكفه الله ما بينه و بين الناس' ذلك بان الله يقضى على الناس ولا يقضون عليه' ويملك من الناس' ولا يملكون منه' الله اكبر' ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم. (دلائل النبوۃ ج ۱ص ۷۷' مراسیل ابوداؤد رقم الحدیث :۹' تفسیر قرطبی ج ۱۸ص ۹۸' البدایہ والنہایہ ج ۳ص ۲۱۳' تاریخ بغداد ج ۱۴ص ۴۴۱)

سے ڈرتا ہے وہ بہت بڑی کامیابی پائے گا اور اللہ سے تقویٰ یہ ہے کہ اس کی ناپسندیدگی سے ڈرے اور اس کے عذاب اور ناراضگی سے ڈرے اور بے شک اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چہروں کو روشن کرتا ہے اور رب کی رضا کا سبب ہے اور درجہ بلند کرتا ہے پس تم اپنا حصہ حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی کمی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی کتاب سکھادی اور تمہارے لئے اپنا راستہ متعین کر دیا تاکہ سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز پیدا ہو جائے پس احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو اور اس کے راستے میں جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں چن لیا اور تمہارا نام مسلمان رکھا تاکہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل (سننے) کے بعد ہلاک ہو اور جس نے زندہ رہنا ہے وہ بھی دلیل (دیکھنے) کے بعد زندہ رہے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو اور موت کے بعد کے لئے عمل کرو جو شخص اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان کا معاملہ درست کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان باتوں سے بچاتا ہے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہیں (یعنی لوگوں کی شرارتوں سے محفوظ رکھتا ہے)۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلہ فرماتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے' وہ لوگوں کا مالک ہے وہ اس کے مالک نہیں ہیں' اللہ سب سے بڑا ہے اور نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے جو بلند' عظمت والا ہے۔

یہ خطبہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور دوسروں نے بھی نقل کیا ہے۔

خطبہ کے کچھ احکام

نبی اکرم ﷺ کمان یا عصا مبارک پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے ''سنن ابن ماجہ'' میں ہے:

نبی اکرم ﷺ جب لڑائی کے دوران خطبہ دیتے تو کمان پر (ٹیک لگا کر) خطبہ دیتے اور جب جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے تو عصا پر (ٹیک لگا کر) خطبہ ارشاد فرماتے۔

''سنن ابوداؤد میں'' حسن سند کے ساتھ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے ہوئے خطبہ دیتے تھے۔

محدثین کرام فرماتے ہیں: تلوار پر ٹیک لگانے میں حکمت اس بات کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ یہ دین تلوار کے ذریعے قائم ہے اسی لئے آپ اسے بائیں ہاتھ سے اٹھاتے جس طرح جہاد کا ارادہ کرنے والے کی عادت ہے۔

ابن قیم نے ''الھدی النبوی میں'' اس کے مقابلے میں کہا کہ دین قرآن اور وحی کے ذریعے قائم ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰) ابن قیم نے اسی طرح کہا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ [1]

اور نبی اکرم ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو سلام کرتے۔ رسول اکرم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے پھر تشریف فرما ہوتے پھر کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں خطبہ دیتے تھے۔

یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

ان ہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے آپ دونوں کے درمیان بیٹھتے۔ قرآن مجید پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرماتے۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے۔

جب آپ منبر پر تشریف لے جاتے تو بیٹھ جاتے حتیٰ کہ مؤذن فارغ ہو جاتا پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے اور کلام نہ فرماتے پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے۔

ابن منذر نے کہا مختلف شہروں کے علماء کے نزدیک خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا صحیح ہے۔ ابن منذر کے علاوہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ خطبہ میں کھڑا ہونا سنت ہے' واجب نہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ (کھڑا ہونا) واجب ہے اگر چھوڑے گا تو گناہ گار ہوگا لیکن خطبہ صحیح ہو جائے گا۔

باقی حضرات کے نزدیک قیام شرط ہے یعنی نماز کی طرح کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے والے کے لیے شرط ہے۔ ان حضرات نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے' نبی اکرم ﷺ کے ہمیشہ کھڑا ہو کر خطبہ دینے' اور دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے جواز سے استدلال کیا ہے۔ اگر دونوں خطبوں میں بیٹھنا جائز ہوتا تو بیٹھنے کے ذریعے دونوں کے درمیان امتیاز کرنے کی ضرورت نہ ہوتی نیز جن سے بیٹھنا منقول ہے اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں' وہ معذور تھے۔

ابن ابی شیبہ نے شعبی کے طریقے سے روایت کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ کی چربی زیادہ ہوگئی تو آپ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے۔

---

[1] یہ مطلب نہیں کہ تلوار کے ذریعے قائم ہوا بلکہ حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور اس دین کی جامعیت اس کا باعث ہے البتہ اس کو قائم رکھنے کے ذریعے مسلمانوں کا رعب و دبدبہ باقی رہنا ضروری ہے۔ ۱۲ ہزاروی

امام شافعی رحمہ اللہ نے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وجوب سے (کھڑا ہو کر خطبہ دینے کے وجوب پر) استدلال کیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا نیز آپ نے فرمایا:

صلوا کما رایتمونی اصلی. نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

نبی اکرم ﷺ خطبہ کے بعد "اما بعد" کے الفاظ پڑھتے جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا۔

اور نبی اکرم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے: تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں' آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور سخت غصہ پیدا ہوتا گویا آپ کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں آپ فرماتے "صبح تم پر حملہ ہونے والا ہے اور شام کو دشمن تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے" اور آپ فرماتے: مجھے یوں بھیجا گیا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں آپ اپنی انگشت شہادت اور درمیان والی کو ملاتے اور فرماتے: اما بعد! بے شک بہترین حدیث (بات) اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت (بدعت سیئہ) گمراہی ہے۔

پھر ارشاد فرماتے: میں ہر مومن کے نفس کے مقابلے میں اس سے زیادہ قریب ہوں پس وہ جو مال چھوڑ کر جائے تو وہ اس کے گھر والوں کے لئے ہے اور جو قرض یا (ضائع ہونے والی) اولاد چھوڑ کر جائے تو میری طرف یا مجھ پر (یعنی میرے ذمہ) ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳' سنن نسائی ج ۳ ص ۲۰۶' المستدرک ج ۴ ص ۵۲۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۴۔ ج ۱۰ ص ۲۵۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۷۴)

(ایسی اولاد اور بیوہ جن کا کوئی ذریعہ معاش وغیرہ نہ ہو)۔

اسے حضرت امام مسلم اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

خطبہ میں آپ کے بعض اقوال

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا جمعہ کے دن خطبہ یوں ہوتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء فرماتے پھر اس کے بعد یوں فرماتے (جس طرح ابھی گزرا) اس حال میں کہ آپ کی آواز بلند ہو جاتی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے جس طرح اس کے شایانِ شان ہے۔ پھر فرماتے:

من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ وخیر الحدیث کتاب اللہ. جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور بہترین حدیث اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

پھر اس طرح ذکر کیا جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے (قرآن مجید کی سورت) "ق والقرآن المجید" نبی اکرم ﷺ سے سیکھی آپ ہر جمعہ کے دن جب صحابہ کرام کو خطبہ دیتے تو منبر پر اس کی

امام شافعی رحمہ اللہ نے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وجوب سے (کھڑا ہو کر خطبہ دینے کے وجوب پر) استدلال کیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا نیز آپ نے فرمایا:

صلوا کما رایتمونی اصلی. نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

نبی اکرم ﷺ خطبہ کے بعد "اما بعد" کے الفاظ پڑھتے جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا۔

اور نبی اکرم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے: تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور سخت غصہ پیدا ہوتا گویا آپ کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں آپ فرماتے "صبح تم پر حملہ ہونے والا ہے اور شام کو دشمن تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے" اور آپ فرماتے: مجھے یوں بھیجا گیا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں آپ اپنی انگشت شہادت اور درمیان والی کو ملاتے اور فرماتے: امابعد! بے شک بہترین حدیث (بات) اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت (بدعت سیئہ) گمراہی ہے۔

پھر ارشاد فرماتے: میں ہر مومن کے نفس کے مقابلے میں اس سے زیادہ قریب ہوں پس وہ جو مال چھوڑ کر جائے تو وہ اس کے گھر والوں کے لئے ہے اور جو قرض یا (ضائع ہونے والی) اولاد چھوڑ کر جائے تو میری طرف یا مجھ پر (یعنی میرے ذمہ) ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳، سنن نسائی ج ۳ ص ۲۰۶، المستدرک ج ۴ ص ۵۲۳، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۴۔ ج ۱۰ ص ۲۵۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۷۴)

(ایسی اولاد اور بیوہ جن کا کوئی ذریعہ معاش وغیرہ نہ ہو)۔

اسے حضرت امام مسلم اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

خطبہ میں آپ کے بعض اقوال

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا جمعہ کے دن خطبہ یوں ہوتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء فرماتے پھر اس کے بعد یوں فرماتے (جس طرح ابھی گزرا) اس حال میں کہ آپ کی آواز بلند ہو جاتی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے جس طرح اس کے شایانِ شان ہے۔ پھر فرماتے:

من یهد الله فلا مضل له و من یضلل فلا هادی له و خیر الحدیث کتاب الله.

جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور بہترین حدیث اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

پھر اس طرح ذکر کیا جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے (قرآن مجید کی سورت) "ق والقران المجید" نبی اکرم ﷺ سے سیکھی آپ ہر جمعہ کے دن جب صحابہ کرام کو خطبہ دیتے تو منبر پر اس کی

تلاوت فرماتے۔

حضرت حکم بن حزن الکلفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں بارگاہ نبوی میں سات میں سے ساتویں یا نویں میں سے نویں دن حاضر ہوا (یعنی سات یا نو دن بعد) پس ہم آپ کے پاس کئی دن ٹھہرے اور ان ایام میں جمعہ میں حاضر ہوئے نبی اکرم ﷺ کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے یا فرمایا عصا پر (ٹیک لگائی) پس آپ نے چند مختصر پاکیزہ اور مبارک کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا:

یا ایھا الناس انکم لن تفعلوا اولن تطیقوا کل ما امرتکم به ولکن سددوا وابشروا.

اے لوگو! بے شک تم ہرگز نہیں کر سکتے یا فرمایا ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ ہر وہ کام کرو جس کا میں نے تمہیں حکم دیا لیکن درست راہ پر رہو اور خوشخبری حاصل کرو۔

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ منبر پر (یہ آیت) پڑھ رہے تھے:

وَنَادَوْا یَا مَالِکُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ. (الزخرف:۷۷)

اور انہوں نے پکارا اے مالک! (فرشتے) اللہ تعالیٰ ہمارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں جمعہ کا خطبہ دیا تو فرمایا: مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو، مشغولیت سے پہلے نیک اعمال میں جلدی کرو، اللہ تعالیٰ اور تمہارے درمیان جو تعلق ہے اسے ملائے رکھو نیک بخت بن جاؤ گے، صدقہ زیادہ دیا کرو تمہیں رزق ملے گا، نیکی کا حکم دو تر و تازہ رہو گے، برائی سے روکو تمہاری مدد کی جائے گی۔

اے لوگو! تم میں سے سب سے زیادہ سمجھدار وہ ہے جو موت کا زیادہ یاد کرنے والا ہے، تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو موت کی تیاری زیادہ کرتا ہے۔

سنو! عقل کی علامات میں سے ایک علامت دھوکہ دینے والی دنیا سے پہلو تہی کرنا اور ہمیشگی کے گھر کی طرف لوٹنا ہے قبروں میں ٹھہرنے کے لئے زادراہ اختیار کرنا اور قیامت کے دن کے لئے تیاری کرنا ہے۔

اس حدیث کو حضرت امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اختصار کے ساتھ اس کی مثل روایت کیا۔

ابوداؤد کی مراسیل (مرسل روایات) میں حضرت زہری سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے خطبہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا تھا:

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له واشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله ارسله بالحق بشيرا ونذيرا بين يدى الساعة من يطع

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں اور ہم اپنے نفسوں کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کے

الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى .

لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں' اس نے آپ کو قیامت سے پہلے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا' جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم مانا' اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ بھٹک گیا۔

نسأل الله ربنا ان يجعلنا ممن يطيعه ويطيع رسوله ويتبع رضوانه ويجتنب سخطه.

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں کر دے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اتباع کرتے ہیں' اس کی رضا چاہتے اور اس کی ناراضگی سے بچتے ہیں۔

امام ابوداؤد نے ہی حضرت زہری سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبہ دیتے وقت ارشاد فرماتے:

كل ما هو آت قريب لا بعد لما هو آت يريد الله امرا ويريد الناس امرا ماشاء الله كان ولو كره الناس ولا مبعد لما قرب الله ولا مقرب لما بعد الله لا يكون شيء الا باذن الله عزوجل.

جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے آنے والی چیز کے لئے دوری نہیں' اللہ تعالیٰ ایک بات کا ارادہ فرماتا ہے اور لوگ دوسری بات کا ارادہ کرتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اگرچہ لوگ اسے ناپسند کریں' جس چیز کو اللہ تعالیٰ قریب کرے اسے دور کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو وہ دور کرے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں' کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دیتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور انبیاء کرام علیہم السلام پر درود شریف بھیجنے کے بعد فرماتے:

ايها الناس ان لكم معالم فانتهوا الى معالمكم وان لكم نهاية فانتهوا الى نهايتكم ان العبد المومن بين مخافتين اجل قد مضى لا يدرى ما الله قاض فيه وبين اجل قد بقى لا يدرى ما الله صانع فيه فلياخذ العبد من نفسه لنفسه ومن دنياه لاخرته ومن التشبيبة قبل الكبر ومن الحياة قبل الممات والذى نفسى بيده ما بعد الموت من مستعتب وما بعد الدنيا

اے لوگو! تمہارے لئے کچھ نشان منزل ہیں ان نشانات تک پہنچو اور تمہاری ایک انتہا ہے اپنی اس انتہاء تک پہنچو بے شک مومن بندہ دو خوفوں کے درمیان ہے ایک وقت جو گزر گیا اس کو معلوم نہیں کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ فرماتا ہے اور دوسرا وہ وقت ہے جو باقی ہے وہ نہیں جانتا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے پس آدمی کو اپنے نفس کے لئے خود اپنے نفس سے حصہ لینا چاہیے' اپنی دنیا سے اپنی آخرت کے لئے' بڑھاپے سے پہلے جوانی

من دار الا الجنة او النار اقول قولي هذا واستغفر الله العظيم لي ولكم.

سے اور موت سے پہلے زندگی سے فائدہ حاصل کرے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے موت کے بعد تھکاوٹ نہیں' دنیوی گھر کے بعد جنت ہے یا جہنم' میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ عظمت والے سے اپنے لئے اور تمہارے لئے بخشش طلب کرتا ہوں۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الا ان الدنيا عرض حاضر يا كل منها البر والفاجر الا وان الاخرة اجل صادق يقضي فيها ملك قادر الا وان الخير كله بحذا فيره في الجنة الا وان الشر كله بحذا فيره في النار الا فاعلموا وانتم من الله على حذر واعلموا انكم معرضون على اعمالكم فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره.

سنو! دنیا حاضر سامان ہے' اسے نیک اور بدکار سب کھاتے ہیں سنو! آخرت ایک سچا وقت ہے جس میں طاقت والا بادشاہ فیصلہ کرے گا۔ سنو! بھلائی تمام کی تمام جنت میں ہے' سنو! برائی تمام کی تمام جہنم میں (جانے کا باعث) ہے۔ سنو! پس جان لو اور تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں حکم ہے کہ اس کے عذاب سے بچو اور جان لو تمہیں اعمال کا سامنا کرنا ہوگا۔ پس جس نے ذرہ بھی نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ بھی دیکھ لے گا۔

یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کی اور ابو نعیم نے "الحلیہ میں" اس کی مثل روایت کی ہے۔

خطبہ کے وقت خاموشی

اس میں اختلاف ہے کہ کیا (خطبہ کے وقت) خاموشی واجب ہے اور حالتِ خطبہ میں ہر قسم کے کلام سے منع کیا جائے یا نہیں؟ (اس کے لیے حدیث کی وضاحت کافی ہے) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۳۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۸' مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۳۸۵)

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے دو قول مشہور ہیں اور بعض اصحاب شافعی نے ان کو اختلاف کی بنیاد بنایا کہ دو خطبے دو رکعتوں کے بدلے میں ہیں یا نہیں پہلے قول کے مطابق خطبہ کے دوران گفتگو حرام ہے (کیونکہ یہ نماز کی جگہ ہے) اور دوسرے قول کے مطابق حرام نہیں اور ان حضرات کے نزدیک دوسرے قول کو ترجیح ہے اسی وجہ سے اجازت دینے والوں نے گفتگو کی اجازت دی ہے حتیٰ کہ ان کے مخالفین میں سے بعض نے ان کی اس بات کو برا قرار دیا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایتیں ہیں اور ان دونوں حضرات سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے خطبہ سننے اور نہ سننے والے میں فرق کیا ہے۔

ابن عبد البر نے عجیب بات کی ہے کہ خطبہ سننے والوں پر خاموشی کے وجوب پر اجماع نقل کیا البتہ کچھ تابعین کا اختلاف ہے۔

تحیۃ المسجد اور نماز جمعہ

حضرت سلیک الغطفانی (بعض نسخوں میں ابوسلیک ہے) (مسجد میں) داخل ہوئے تو نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے' نبی اکرم ﷺ نے پوچھا آپ نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۱۴۴ ارقم الترجمہ: ۳۴۴۳)

اس (حدیث) سے استدلال کیا گیا کہ خطبہ' مسجد میں داخل ہونے والے کو تحیۃ المسجد سے نہیں روکتا۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ یہ ایک معین واقعہ ہے' عام نہیں ہے لہٰذا یہ احتمال ہے کہ یہ حضرت سلیک سے خاص ہو۔

اور اس بات پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے جو سنن (سنن ابی داؤد وغیرہ) میں مذکور ہے کہ ایک شخص آیا اور نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور وہ شخص شکستہ حال تھا آپ نے اس سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی؟ اس نے عرض کیا نہیں فرمایا دو رکعتیں پڑھو اور لوگوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی (آخر تک)۔

تو آپ نے اس شخص کو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا کہ لوگ اس کو کھڑے ہونے کی حالت میں دیکھ کر صدقہ دیں۔

ایک ایسی حدیث بھی آئی ہے جو اس واقعہ کے خاص ہونے پر دلالت کرتی ہے اور وہ حدیث ابن حبان نے نقل کی حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سلیک سے فرمایا: آئندہ اس طرح نہ کرنا۔

جن لوگوں نے اس حدیث سے اس حالت میں تحیۃ المسجد پر استدلال کو ضعیف قرار دیا ہے انہوں نے کہا کہ بیٹھ جانے کی وجہ سے سے تحیۃ المسجد کی نماز فوت ہو جاتی ہے۔

اس واقعہ سے تحیۃ کے جواز پر استدلال کے سلسلے میں طعن کرنے والوں نے یہ علت بیان کی ہے اور یہ سب باتیں قابلِ رد ہیں کیونکہ اصل بات عدم خصوصیت ہے اور یہ علت کہ نبی اکرم ﷺ نے صدقہ دینے کا ارادہ فرمایا: تحیۃ المسجد کے جواز کا قول کرنے کے خلاف نہیں کیونکہ منع کرنے والے صدقہ کی وجہ سے (تحیۃ المسجد کے) نفل پڑھنا جائز قرار نہیں دیتے۔

ابن منیر نے کہا اگر اس طرح کی گنجائش ہوتی تو طلوع آفتاب اور تمام مکروہ اوقات میں نفل پڑھنے کی گنجائش بھی ہوتی اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

یہ بات کہ نبی اکرم ﷺ کا ان کو نماز کا حکم دینا صدقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے جمعہ پر آپ نے ان کو پھر نماز پڑھنے کا حکم دیا حالانکہ پہلے جمعہ پر ان کو دو کپڑے بطور صدقہ مل چکے تھے وہ دوسرے جمعہ کو ان کپڑوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک صدقہ کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے منع فرما دیا۔

امام نسائی اور ابن خزیمہ نے بھی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اسے نقل کیا۔ امام احمد اور ابن حبان نے یوں نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے تین جمعوں پر ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ان کے لئے صدقہ کا حکم علت کا ایک حصہ ہے کامل علت نہیں ہے۔

اور جن حضرات نے کہا کہ بیٹھ جانے سے تحیۃ المسجد کی نماز فوت ہو جاتی ہے تو امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' محققین سے نقل کیا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو جان بوجھ کر قصداً بیٹھ جاتا ہے لیکن لاعلم اور بھولنے والے کا یہ حکم نہیں۔

اور داخل ہونے والے (حضرت سلیک) کی حالت کو پہلی مرتبہ ان دو باتوں میں سے ایک پر محمول کیا جائے گا اور دوسری دومرتبہ نسیان پر محمول کیا جائے گا (یعنی پہلی مرتبہ ان کو علم نہ تھا اور دوسری اور تیسری مرتبہ وہ بھول گئے تھے) اور جو لوگ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے سے منع کرتے ہیں ان کی مذکورہ تاویل کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں اس عمل کا ظاہر نبی اکرم ﷺ کے اس حکم کے خلاف ہے جو آپ نے خاموش رہنے اور غور سے خطبہ دینے کے بارے میں فرمایا۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بات کا اور روکنے والے حضرات کے دیگر دلائل کا جواب دیا ہے جس کا ذکر طویل ہے پھر انہوں نے فرمایا:

یہ جوابات جن کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کے عموم کی وجہ سے مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ آپ کا ارشاد مبارک حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس طرح ہے:

اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین۔ جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔

وہ فرماتے ہیں: اس سے بھی خاص حدیث خطبہ کے سلسلے میں آئی ہے۔

حضرت شعبہ حضرت عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا جاء احدکم والامام یخطب او قد خرج فلیصل رکعتین۔ جب تم میں سے کوئی آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا خطبہ کے لئے نکل چکا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے ابوسفیان کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے حضرت سلیک کے واقعہ میں ان الفاظ کے بعد 'فارکعھما وتجوز'' (یہ دونوں رکعتیں جلدی پڑھو) فرمایا:

اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما۔ جب تم میں سے کوئی ایک جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے اور ان میں اختصار کرے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ واضح الفاظ ہیں جن میں تاویل کا دخل نہیں اور میں کسی عالم کے بارے میں یہ خیال نہیں کرتا کہ اس تک یہ الفاظ پہنچیں اور وہ ان کو صحیح سمجھتے ہوئے مخالفت کرے۔

عارف ابومحمد بن ابوجمرہ نے فرمایا امام مسلم نے جو یہ حدیث روایت کی ہے تو یہ اس سلسلے میں نص ہے اس تاویل کا احتمال نہیں۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو جمعہ کی پہلی سنتیں پڑھنے کا حکم دیا تھا اور ان کی دلیل حضرت سلیک کے واقعہ میں نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:

اصلیت رکعتین قبل ان تجیء۔ کیا آپ نے آنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لی ہیں؟

کیوں کہ اس سے ظاہری طور پر گھر سے آنے سے پہلے پڑھنا مراد ہے اسی لئے امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر (مسجد

میں) آنے سے پہلے گھر میں پڑھ لے تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد نہ پڑھے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ تحیۃ المسجد سے ممانعت حالت خطبہ میں کسی قسم کے نفل پڑھنے کی اجازت نہیں دیتی اور یہ بھی احتمال ہے کہ "آنے سے پہلے" کے الفاظ سے مراد یہ ہو کہ اس جگہ آنے سے پہلے جہاں آپ اس وقت موجود ہیں اور سوال کا مقصد اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے مسجد کے پچھلے حصے میں دو رکعتیں پڑھی ہوں اور پھر خطبہ سننے کے لئے آگے آئے ہوں اور اس کی تائید "صحیح مسلم کی" اس روایت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا:

اصلیت الرکعتین. کیا آپ دو رکعتیں پڑھ چکے ہیں؟

یہاں الرکعتین الف لام کے ساتھ ہے اور وہ الف لام عہد کے لئے ہے اور یہاں تحیۃ المسجد سے زیادہ قریب معہود نماز نہیں (جس کی طرف اشارہ کیا ہو)۔

جہاں تک جمعہ سے پہلے کی سنتوں کا تعلق ہے تو اس میں کلام ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

خطبہ ' نماز اور قرأت کی مقدار

نبی اکرم ﷺ کی نماز جمعہ اعتدال پر ہوتی اور خطبہ بھی اعتدال پر مبنی ہوتا' یہ حدیث امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ آپ قرآن پاک کی چند آیات پڑھتے اور لوگوں کو وعظ کرتے۔

ان ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ جمعہ کے دن لمبا وعظ نہیں فرماتے تھے وہ چند کلمات ہوتے تھے۔

حضرت عمرو بن حریث سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیا تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا آپ نے اس کا کنارہ دونوں کاندھوں کے درمیان ڈال رکھا تھا۔

ابن قیم نے "الھدی النبوی میں" کہا ہے کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو نبی اکرم ﷺ یوں تشریف لاتے کہ آپ کے آگے چیخ و پکار کرنے والے نہ ہوتے اور کسی تکبر کے بغیر تشریف لاتے نہ چادر ڈالی ہوتی نہ دستار کا کنارہ لٹکا ہوتا اور نہ سیاہ عمامہ ہوتا۔

جب مسجد میں داخل ہوتے تو ان (حاضرین) کو سلام کہتے پھر منبر پر تشریف فرما ہوتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کو سلام کہتے پھر بیٹھ جاتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان شروع کر دیتے جب وہ فارغ ہوتے تو نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے' اذان اور خطبہ کے درمیان کسی خبر وغیرہ کا کوئی وقفہ نہ ہوتا آپ اپنے ہاتھ میں تلوار یا اور کوئی چیز بھی نہ پکڑتے بلکہ کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے اور یہ طریقہ منبر بننے سے پہلے کا تھا' لوگوں کو قریب ہونے اور خاموش رہنے کا حکم فرماتے تھے۔

ابن قیم کا یہ قول کہ آپ اپنے ہاتھ میں تلوار یا کوئی اور چیز نہ رکھتے بلکہ کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے اور یہ منبر بننے سے پہلے کی بات ہے (ابن قیم کا یہ قول) محل نظر ہے۔[1]

---

[1] جبکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کمان یا عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے "سنن ابی داؤد میں ہے کہ" آپ خطبہ دیتے وقت عصا مبارک پکڑے ہوتے اور اسی پر ٹیک لگاتے اور اس وقت آپ منبر پر ہوتے۔

نبی اکرم ﷺ پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں ''اذا جاء ک المنافقون '' پڑھتے سورۂ جمعہ کی تلاوت میں حکمت یہ تھی کہ یہ سورت جمعہ کے وجوب اور دیگر باتوں پر مشتمل ہے اس میں ضوابط وقواعد نیز توکل اور ذکر وغیرہ کی ترغیب دی گئی ہے اور سورۂ منافقین کی تلاوت کا مقصد ان منافقین میں سے حاضرین کو جھڑک اور توبہ پر تنبیہ اور دیگر قواعد سے آگاہی تھا کیونکہ وہ لوگ جس قدر جمعہ کے اجتماع میں جمع ہوتے تھے' دوسرے اجتماعات میں اس قدر جمع نہ ہوتے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے' یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کی نمازوں اور جمعہ کی نماز میں ''سبح اسم ربک الاعلی '' اور ''ھل اتاک حدیث الغاشیة '' کی تلاوت فرماتے تھے۔

کتنی تعداد کے ساتھ جمعہ منعقد ہوتا ہے؟

جتنی تعداد کے ساتھ جمعہ کا انعقاد ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں علماء کرام کے پندرہ اقوال ہیں:

(۱) ایک آدمی سے بھی منعقد ہو جاتا ہے یہ بات ابن حزم نے نقل کی ہے۔

(۲) جماعت کی طرح دو آدمی ہوں' یہ امام نخعی اور اہل ظاہر کا قول ہے۔

(۳) امام کے علاوہ دو آدمی ہونے چاہئیں یہ امام ابویوسف' امام محمد اور حضرت لیث کا قول ہے۔

(۴) امام کے ساتھ تین آدمی ہوں یہ امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔

(۵) سات آدمی ہوں یہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

(۶) حضرت ربیعہ کے نزدیک نو افراد ہوں۔

(۷) حضرت ربیعہ سے ہی ایک روایت میں بارہ افراد کا قول منقول ہے۔

(۸) اسحاق کے نزدیک بھی امام کے علاوہ بارہ افراد ہوں۔

(۹) ابن حبیب نے حضرت مالک سے بیس افراد کا قول نقل کیا ہے۔

(۱۰) تیس افراد ہوں۔ یہ بھی ابن حبیب کی مالک سے روایت ہے۔

(۱۱) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے ساتھ چالیس آدمی ہونے چاہئیں اور انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ آزاد' بالغ' عقل مند اور مقیم ہوں' سردیوں گرمیوں میں سفر پر نہ ہوں ہاں حاجت کے لئے جانا مستثنیٰ ہے اور یہ کہ خطبہ کے آغاز نماز جمعہ قائم ہونے تک حاضر رہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام دارقطنی اور ابن ماجہ نے نیز امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بینائی چلی گئی تو میں ان کو لے جاتا تھا جب میں ان کو لے کر جمعہ کی طرف جاتا اور وہ اذان سنتے تو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے لئے رحمت کی دعا مانگتے اور ان کے لئے بخشش طلب کرتے' فرماتے ہیں وہ ایک عرصہ تک اسی طرح رہے جب بھی جمعہ کی اذان سنتے یہی کلمات کہتے میں نے عرض کیا اے ابا جان! آپ جب بھی جمعہ کی اذان سنتے ہیں ابوامامہ کے

لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اے بیٹے! یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمعہ پڑھایا میں نے پوچھا اس وقت آپ کتنے لوگ تھے؟ فرمایا چالیس مرد تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہی طریقہ جاری ہے کہ ہر تین میں ایک امام ہوتا ہے اور ہر چالیس یا زیادہ سے جمعہ ہوتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں جمعہ قائم کیا تو چالیس افراد شریک تھے۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود سے نفع عطا فرمائے انہوں نے ''المجموع میں'' فرمایا:

''ہمارے اصحاب نے فرمایا امت کا تعداد کی شرط پر جمع ہونا وجہ دلالت ہے اور اصل ظہر ہے پس جمعہ اسی تعداد کے ساتھ صحیح ہے جو توقیفانہ ثابت ہے (یعنی اجتہاد کے بغیر محض حضور ﷺ کے بتانے سے ثابت ہے)۔

اور اس کا جواز چالیس کے ساتھ ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اور آپ کی نماز اس تعداد سے کم کے ساتھ ثابت نہیں اس سے کم کے ساتھ جائز نہ ہو گی۔

وہ فرماتے ہیں: جہاں تک نمازیوں کے جانے کی خبر کہ صرف بارہ باقی رہ گئے تو اس میں یہ نہیں کہ شروع میں بارہ تھے بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ واپس آ گئے ہوں یا ان کے علاوہ آئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں (چھوڑ جانے والوں) نے خطبہ سنا ہو۔

''صحیح مسلم'' میں ہے ''انفضوا فی الخطبة وہ خطبہ میں چھوڑ کر چلے گئے''۔ ''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں ہے ''انفضوا فی الصلوة وہ نماز میں چھوڑ کر چلے گئے''۔

یہ روایت خطبہ پر محمول ہے تاکہ تمام روایات میں تطبیق ہو۔

(۱۲) امام شافعی رحمہ اللہ سے ہی منقول ہے کہ امام کے علاوہ چالیس افراد ہوں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

(۱۳) امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں پچاس کا قول منقول ہے اور یہی بات حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ایک گروہ سے بھی نقل کی گئی ہے۔

(۱۴) اسی (۸۰) افراد ہونے چاہئیں یہ بات امام رازی نے بیان کی ہے۔

(۱۵) تعداد متعین نہیں البتہ بہت بڑی جماعت ہونی چاہیئے۔

شاید اس آخری قول کو دلیل کے اعتبار سے سب سے زیادہ ترجیح ہو۔ (یہ فتح الباری میں فرمایا)۔

تیسرا باب

نبی اکرم ﷺ کی نماز تہجد کا بیان

آیتِ کریمہ کی تفسیر

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ. اور رات کے کچھ حصے میں اس (قرآن مجید) کے ساتھ تہجد پڑھیں یہ خاص آپ کے لئے زائد ہے۔ (الاسراء: ۷۹)

''بہ'' یعنی قرآن کے ساتھ اس سے مراد نماز ہے جس میں قرآن مجید کی قرأت بھی ہوتی ہے۔

''الھجود'' لغت میں نیند کو کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ سے منقول ہے کہ ھاجد' سونے والے شخص کو اور رات کے وقت نماز پڑھنے والے کو کہا جاتا ہے۔

ازہری سے منقول ہے کہ الھاجد' سونے والے کو کہتے ہیں۔ مازری[1] نے کہا سونے کے بعد کی نماز کو تہجد کہا جاتا ہے پھر ایک اور نماز جو سونے کے بعد ہے پھر سونے کے بعد مزید نماز پھر سونے کے بعد مزید نماز' وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی نماز اسی طرح تھی۔[2]

''نافلة لک'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ عبادت' فرائض سے زائد (واجب) ہے اس قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فتھجد'' سے بھی ہوتی ہے کیوں کہ یہ امر کا صیغہ ہے اور امر کا صیغہ وجوب کے لئے آتا ہے پس اس تہجد نماز کا واجب ہونا ضروری ہوا۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ نافلہ (نماز تہجد) خاص نبی اکرم ﷺ کے لیے ہے کیونکہ آپ کو قیام لیل کا حکم دیا گیا پس آپ پر فرض کی گئی' امت پر فرض نہیں ہوئی۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص آپ کے لئے زائد ہے کیونکہ دوسروں کی نفلی نماز ان کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور نبی اکرم ﷺ کے نوافل خالص آپ کے لئے ہیں کیونکہ آپ پر کوئی گناہ نہیں پس نبی اکرم ﷺ فرض عبادت کے علاوہ جو عبادت بھی کرتے وہ آپ کے درجات کو بڑھانے اور آپ کی نیکیوں کے اضافہ کا باعث ہوتی اسی لئے اس کو نافلہ کہا گیا جب کہ امت کا یہ معاملہ نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے کفاروں کے محتاج ہوتے ہیں۔

پس ان عبادات کے لئے وہ گناہوں کے کفارہ اور نیکیوں کے حصول کے سلسلے میں محتاج ہیں۔

امام مسلم نے حضرت سعد بن ہشام کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں: اس سورت یعنی ''یا یھا المزمل'' کے ذریعے قیام لیل فرض کیا گیا تو نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور

[1] شرح زرقانی میں مازری کی بجائے مازنی (ابوعثمان) ہے۔

[2] مطلب یہ کہ حضور ﷺ آرام فرماتے پھر نماز پڑھتے پھر آرام فرماتے پھر نماز پڑھتے اور پھر آرام فرما ہونے کے بعد نماز پڑھتے تھے۔

آپ کے صحابہ کرام آپ کے گرد تھے حتیٰ کہ اس سورت کے آخر میں تخفیف کا حکم نازل ہوا تو قیام میں فرض ہونے کے بعد نفلی نماز ہوگئی۔

حضرت محمد بن نصر نے قیام لیل کے سلسلے میں حضرت سماک کے طریقے سے روایت کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کرتے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شاہد ہے کہ (تہجد کو) فرض قرار دینے اور اس (حکم) کو منسوخ کرنے کے درمیان ایک سال کا وقفہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض اہل علم سے روایت کیا کہ سورت کے آخر میں قیام لیل کی فرضیت کا نسخ ہے۔ مگر جو اس میں سے آسان ہو پھر پانچ نمازوں کے ذریعے یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا (اب تہجد کی نماز محض نفل ہے)۔

حضرت محمد بن نصر' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ قیام لیل کا نسخ اس وقت ہوا جب صحابہ کرام حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''جیش الخبط'' میں گئے اور یہ ہجرت کے بعد کی بات ہے۔ لیکن اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہیں جو ضعیف ہیں۔

پس قیام لیل کا وجوب ہمارے حق میں منسوخ ہوگیا اور کیا نبی اکرم ﷺ کے حق میں بھی منسوخ ہوا؟ اکثر اصحاب کے نزدیک منسوخ نہیں ہوا صحیح یہ ہے کہ ہاں (منسوخ ہوا) یہ بات شیخ ابو حامد نے (امام شافعی کی) نص یعنی واضح الفاظ سے نقل کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا نماز تہجد میں مسلسل کھڑا رہنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ آپ کے مبارک قدم پھول گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ پاؤں مبارک پھٹ گئے' میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دیئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''افلا اکون عبدا شکورا کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں؟''

ام المؤمنین فرماتی ہیں: جب آپ کا جسم بھاری ہوگیا اور چربی کی کثرت ہوگئی تو آپ بیٹھ کر نماز ادا فرماتے جب رکوع کرنے کا ارادہ ہوتا تو کھڑے ہوجاتے' قرأت کرتے پھر رکوع فرماتے۔

''افلا اکون'' میں فاء سببیت کا ہے اور محذوف عبادت سے ہے تقدیر عبارت یوں ہے ''اتـرک تھجدی فلا اکون عبدا شکورا کیا میں تہجد چھوڑ دوں اس طرح تو میں شکرگزار بندہ نہیں ہوں گا''۔ معنیٰ یہ ہے کہ مغفرت' تہجد کے شکر ہونے کا سبب ہے پس میں اس کو کیسے چھوڑوں؟

ابن بطال نے کہا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ انسان عبادت میں اپنے آپ کو سختی میں ڈال سکتا ہے اگرچہ اس سے بدن کو ضرر پہنچے کیونکہ جب نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو جاننے کے باوجود (مغفرت کے علم کے باوجود) یہ طریقہ اختیار کیا تو جس کو علم نہیں اس کا کیا حال ہوگا چہ جائے کہ وہ شخص جو مستحق جہنم ہونے سے بے خوف نہ ہو۔

اس (شدت) کا محل جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری میں'' فرمایا' یہ ہے کہ جب تک یہ ملال تک نہ پہنچائے (یعنی آدمی اکتا نہ جائے) کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا حال تمام احوال سے زیادہ کامل تھا اور آپ اپنے رب کی عبادت سے

تھکتے نہیں تھے اگر چہ اس کی وجہ سے بدن کو تکلیف پہنچے بلکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے آپ نے فرمایا:

وجعلت قرة عینی فی الصلوة. اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

جیسا کہ امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

لیکن آپ کے علاوہ لوگوں میں سے کسی کو اکتا جانے کا خوف ہو تو اسے مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو مشقت میں ڈالے اور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشادگرامی کو اسی بات پر محمول کیا گیا ہے:

خذوا من الاعمال ما تطیقون فان الله لا یمل حتی تملوا. اس قدر اعمال اختیار کرو جن کی طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا البتہ تم تھک جاؤ گے۔

لیکن بعض اوقات نفس یا شیطان اس شخص کے ساتھ سازش کرتا ہے جو عبادت میں اس قدر کوشش کرتا ہے جس کا (ابھی ذکر ہوا) خصوصاً جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے تو وہ (نفس یا شیطان) کہتا ہے تو کمزور اور بوڑھا ہو چکا ہے تو اپنے نفس پر رحم کھا تا کہ تیرا عمل مکمل طور پر ختم ہو نہ جائے اگر چہ اس بات کا ظاہر خوبصورت ہے لیکن اس میں سازشیں اور ہلاکتیں ہیں کیونکہ اگر وہ اس کی بات مانتا ہے تو بعض اوقات وہ آہستہ آہستہ اس کو عمل کے چھوڑنے کی طرف لے جاتا ہے یہاں تک کہ وہ عمل کا سلسلہ کلی طور پر منقطع ہو جاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ جن کی خلافِ اولیٰ بات بھی معاف کی گئی تھیں آپ نے بڑھاپے کے بعد بھی اپنے عمل میں سے کچھ نہیں چھوڑا۔

ہاں ایسا ہوا کہ پہلے آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک پھول جاتے اس کے بعد نفلی نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے پس جس شخص کی پیٹھ کو گناہوں اور بوجھوں نے بھاری کر دیا ہو اور جہنم سے بے خوف نہ ہو وہ بڑھاپے کی حالت میں کس طرح بے خوف ہو سکتا ہے اور وہ کیسے بڑھاپا ظاہر ہونے کے بعد سستی کر سکتا ہے؟ پس انسان کو چاہیے کہ وہ بڑھاپا آنے سے پہلے تیاری کرے۔

(حدیث شریف میں ہے:)

''پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو' جوانی کو بڑھاپے سے پہلے کیونکہ جو شخص جوان ہوا اس کے سیاہ بالوں کی رات صبح کی شکل میں روشن ہونے لگی۔ اور جو شخص صبح تک پہنچنے والا ہے اس کو ڈراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ○ (ھود:۸۱) بے شک ان کا وقت عہد صبح ہے کیا صبح قریب نہیں؟

تو جو شخص صبح میں داخل ہو گیا اور اس کے دن کا ستارہ اس کے سر کے افق میں ظاہر ہو کر چمکنے لگا اس کے قرب کا کیا حال ہو گا۔

قرطبی نے کہا جس شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عبادت میں مشقت اٹھانے کا سبب دریافت کیا تھا اس نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گناہوں کے خوف اور مغفرت و رحمت طلب کرنے کے لئے کی جاتی ہے پس جس شخص کے لئے ثابت ہے کہ اس کی بخشش ہو چکی ہے وہ اس کا محتاج نہیں تو آپ نے ان کو بتایا کہ یہاں عبادت کی ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ مغفرت پر اور نعمت کو اس تک پہنچانے پر شکر ادا کرنا ہے جو اس میں سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہے پس اس پر کثرتِ شکر کا تعین ہو گیا اور شکر نعمت کا اعتراف کرنا اور عبادت کے لئے کھڑا ہونے کا نام ہے پس جو شخص اس میں کثرت اختیار کرے

اسے ''شکور'' کہا جاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ○ (سباء:۱۳) اور میرے بندوں میں زیادہ شکر کرنے والے کم ہیں۔

اس سلسلے میں ایک بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ عبادت اور خشیتِ خداوندی میں جو کوشش کرتے تھے تو علماء کرام فرماتے ہیں انبیاء کرام خود اپنے نفسوں پر شدتِ خوف کو لازم کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو استحقاق سے پہلے خود یہ انعام عطا فرمایا پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پوری کوشش کی تاکہ کچھ نہ کچھ شکر ادا کریں جب کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق بہت زیادہ ہیں' بندہ ان کو ادا نہیں کر سکتا۔

نبی اکرم ﷺ کی رات کی نماز

حضرت شریح بن ہانی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد میرے گھر تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعات پڑھتے۔

نبی اکرم ﷺ جب مرغ کی آواز سنتے تو کھڑے ہو جاتے۔ (لسان العرب ج ۷ ص ۳۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۱' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۰۳' المغنی ج ۱ ص ۳۶۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۹۳)

یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کی ہے اور اس سے (رات کے) نصف ثانی کی وضاحت ہوتی ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے پہلے حصے میں آرام فرما ہوتے اور آخری حصے میں اٹھ کھڑے ہوتے پس نماز پڑھ کر بستر پر تشریف لے جاتے جب مؤذن اذان کہتا تو جلدی جلدی اٹھتے اگر ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر تشریف لے جاتے۔

آپ یہ بھی فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کبھی رات کے پہلے حصے میں غسل فرماتے اور کبھی رات کے آخری حصے میں اور بعض اوقات رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھتے اور کبھی رات کے آخری حصے میں پڑھتے کبھی بلند آواز سے قرأت کرتے اور کبھی آہستہ آواز سے (قرأت کرتے)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے پھر اتنا وقت آرام فرماتے جتنا وقت نماز پڑھی پھر اس قدر نماز پڑھتے جس قدر آرام فرما ہوتے پھر اس نماز کی مقدار آرام فرماتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔

''سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ'' نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز پڑھاتے پھر تسبیح پڑھتے پھر اس کے بعد رات میں جس قدر چاہتے نماز پڑھتے پھر واپس تشریف لا کر اتنا وقت آرام فرماتے جتنا وقت نماز پڑھتے پھر نیند سے بیدار ہوتے اور جس قدر آرام فرماتے اس قدر نماز پڑھتے اور آپ کی یہ آخری نماز صبح تک ہوتی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم رات کے وقت جب بھی حضور ﷺ کو نماز میں دیکھنا چاہتے تو آپ کو (اسی حالت میں) دیکھتے اور جب بھی آرام فرما دیکھنا چاہتے اسی طرح دیکھتے۔

نبی اکرم ﷺ رات کے وقت جب بیدار ہوتے تو یہ کلمات پڑھتے:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اَللّٰهُمَّ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تیری پاکیزگی بیان کرتا

وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ وَاَسْأَلُکَ رَحْمَتَکَ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ اِذْ ھَدَیْتَنِیْ وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ.

ہوں اے اللہ! اور تیری تعریف کرتا ہوں تجھ سے اپنی لغزشوں کی بخشش طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں یا اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما اور میرے دل کو ٹیڑھا نہ کرنا اس کے بعد کہ تو نے مجھے ہدایت دی اور مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرما بے شک تو ہی بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

یہ حدیث امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت (کرتے ہوئے نقل) کی ہے۔

ام المؤمنین ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر اور دس مرتبہ الحمد للہ پڑھتے' دس مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہٖ دس مرتبہ سبحان الملک القدوس پڑھتے' دس مرتبہ استغفر اللہ اور دس مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے پھر یوں دعا مانگتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ.

یا اللہ! میں دنیا کی تنگی اور یوم قیامت کی تنگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پھر نماز شروع فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ کے قیام لیل اور آپ کی وتر نماز سے متعلق حدیث' حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جب نبی اکرم ﷺ کے قیام لیل کے سلسلے میں کسی بات میں حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہو جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو ترجیح ہوگی کیونکہ آپ کے قیام لیل کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ علم رکھتی ہیں۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے' فرماتے ہیں: میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری اور نبی اکرم ﷺ بھی ان کے پاس تھے' نبی اکرم ﷺ کچھ دیر گھر والوں سے گفتگو کرتے رہے پھر آرام فرما ہوئے جب رات کا تیسرا تہائی یا نصف رات ہوئی تو آپ بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے آپ نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ.

بے شک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے اور رات اور دن کو بدلنے میں عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

(آل عمران: ۱۹۰)

پھر آپ مشکیزے کی طرف کھڑے ہوئے اور اس کی رسی کھولی (لسان العرب ج ۷ ص ۲۱۵) پھر بڑے پیالے (ٹب) میں پانی ڈالا پھر آپ نے نہایت اچھی طرح وضو کیا جو دو (قسم کے) وضوؤں کے درمیان تھا جس میں زیادہ پانی

بھی استعمال نہ کیا اور تمام اعضاء تک بھی پہنچایا پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی میں کھڑا ہوا اور وضو کر کے آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ نے میرا کان پکڑ کے مجھے اپنی دائیں جانب پھیر دیا (اس طرح) آپ کی نماز تیرہ رکعتیں (دو تحیۃ الوضو' آٹھ تہجد کے نوافل اور تین وتر) پوری ہو گئیں۔ پھر آپ سیدھے لیٹ گئے اور آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ سانس کی آواز آنے لگی اور آپ جب بھی آرام فرما ہوتے تو سانس کی آواز آتی تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا (کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں دل جاگتا تھا) اور نبی اکرم ﷺ اپنی دعا میں یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ نُوْرًا.

یا اللہ! میرے دل میں نور ڈال دے' میری آنکھوں میں نور' میرے کانوں میں نور پیدا فرما دے' میرے دائیں جانب نور' میری بائیں طرف نور' میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور کر دے اور مجھے (سراپا نور بنا دے)۔

بعض نے یہ اضافہ کیا:

وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا.

اور میری زبان کو نور بنا دے۔

اور یہ بھی ذکر کیا:

عَصَبِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَبَشَرِیْ.

میرے پٹھوں' میرے گوشت' میرے خون' میرے بالوں اور میرے ظاہری جسم کو نور بنا دے۔

ایک روایت میں ہے (حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:) کہ آپ نے دو ہلکی پھلکی رکعتیں ادا کیں آپ نے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھی پھر سلام پھیرا پھر وتروں سمیت گیارہ رکعات پڑھیں اس کے بعد آرام فرما ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''الصلوة یا رسول الله. یا رسول اللہ! نماز کا وقت ہو گیا''۔

پس آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں ادا فرمائیں (یعنی سنتیں پڑھیں) پھر صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر تیرہ رکعات پڑھیں ان میں سے دو فجر کی (سنتیں تھیں) میں نے ہر رکعت میں آپ کے قیام کا اندازہ سورۂ مزمل کی مقدار لگایا۔

ایک روایت میں ہے آپ نے دو دو رکعتیں پڑھیں حتیٰ کہ آٹھ رکعات ادا کیں پھر پانچ رکعات کے ساتھ طاق نماز پڑھی ان میں آپ تشریف فرما نہیں ہوئے۔[1]

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وتر نماز سمیت گیارہ رکعات پڑھیں پھر آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ طبیعت مبارک بوجھل ہو گئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔

---

[1] ابن خزیمہ کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ دو دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے گویا وتر نماز میں تین رکعتوں پر اور باقی نماز میں دو دو رکعتوں پر سلام پھیرا اور یہی بات واضح ہے کیونکہ وتر اور نفل الگ الگ پڑھے جاتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ ہزاروی

ان ہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا اور مسواک کی اور آپ یہ آیت ''ان فی خلق السموت والارض'' پڑھ رہے تھے۔ حتیٰ کہ فارغ ہوئے تو دو رکعتیں پڑھیں پھر واپس لوٹ کر آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ میں نے آپ کی سانس کی آواز سنی پھر کھڑے ہوئے وضو کیا اور مسواک کی پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر آرام فرما ہوئے پھر کھڑے ہوئے وضو کیا' مسواک کی اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے (یا تین رکعت پڑھ کر تمام نماز کو طاق بنا دیا)۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ بیدار ہوئے پس آپ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے''ان فی خلق السموات والارض'' حتیٰ کہ سورت کے آخر تک پڑھا پھر کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں جن میں طویل قیام' رکوع اور سجدہ کیا۔

پھر واپس تشریف لائے اور آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ سانس کی آواز آنے لگی پھر یہ کام تین مرتبہ چھ رکعات کے ساتھ کیا (ہر مرتبہ دو دو رکعت پڑھیں) ہر مرتبہ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور یہ (مندرجہ بالا) آیات پڑھتے پھر تین رکعت وتر ادا فرماتے۔

حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے سلسلے میں حضرت سعد بن ہشام سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے ام المؤمنین! مجھے رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ (عاداتِ مبارکہ) کے بارے میں خبر دیجئے انہوں نے فرمایا کیا تم قرآن مجید نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں پڑھتا ہوں' فرمایا آپ کے اخلاق وسیرت قرآن مجید (پرعمل) ہے' میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین! مجھے نبی اکرم ﷺ کی وتر نماز (طاق نماز یعنی رات کی نماز) کے بارے میں بتایئے' انہوں نے فرمایا: ہم' نبی اکرم ﷺ کے لئے آپ کی مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے اللہ تعالیٰ جب چاہتا رات کے وقت آپ کو بیدار کرتا پس آپ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور نو رکعتیں پڑھتے اور صرف آٹھویں رکعت پر بیٹھتے پس اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تعریف کرتے اور دعا مانگتے پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے پس نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھ جاتے' اللہ تعالیٰ کے ذکر وحمد اور دعا میں مشغول ہوتے پھر سلام پھیرتے جو ہمیں سناتے (یعنی بلند آواز سے سلام پھیرتے) پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعتیں پڑھتے تو اس طرح اے بیٹے! یہ گیارہ رکعات ہو جاتیں جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی اور گوشت بڑھ گیا تو آپ نے سات رکعات کے ساتھ طاق نماز پڑھی اور دو رکعتوں میں پہلی نماز کی طرح کرتے پس اے بیٹے! یہ نو رکعتیں ہوگئیں۔

''سنن نسائی میں ہے'' (ام المؤمنین فرماتی ہیں:) ہم' نبی اکرم ﷺ کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے پس جب اللہ تعالیٰ چاہتا رات کے وقت آپ کو بیدار کرتا تو آپ مسواک کرتے اور وضو فرما کر نو رکعات پڑھتے اور آٹھویں رکعت پر بیٹھتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے' اس کے نبی پر درود بھیجتے اور ان رکعات کے دوران دعا مانگتے اور سلام نہ پھیرتے پھر نماز پڑھتے اور بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے اور درود شریف پڑھتے پھر سلام پھیرتے جس کی آواز ہم سنتے پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اے بیٹے! یہ گیارہ رکعات ہیں پس جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی اور گوشت بڑھ گیا تو آپ سات رکعتوں کے ساتھ نماز کو طاق بناتے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعتیں پڑھتے تو اے بیٹے! یہ نو رکعات ہوگئیں۔

''سنن نسائی کی ہی'' ایک روایت میں ہے کہ آپ نے سات رکعات پڑھیں میرا خیال ہے کہ آپ نے ان میں قرأت رکوع اور سجدے کو برابر برابر رکھا پھر ایک رکعت کے ذریعے اس نماز کو طاق بنایا پھر دو رکعتیں پڑھیں اور آپ بیٹھے ہوئے تھے پھر پہلو کے بل لیٹ گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے نماز شروع کرتے۔

ان ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد اور فجر سے پہلے گیارہ رکعات پڑھتے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور ایک رکعت کے ساتھ تمام نماز کو طاق بنا لیتے آپ کا سجدہ اس قدر طویل ہوتا جتنا تم میں سے کوئی ایک سر اٹھانے سے پہلے پچاس آیات پڑھے' جب مؤذن فجر کی نماز کے لئے اذان سے خاموش ہو جاتا اور ہمارے لئے فجر ظاہر ہو جاتی تو آپ اٹھ کر دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے حتیٰ کہ مؤذن آپ کے پاس اقامت کے لئے حاضر ہوتا۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ آپ تیرہ رکعتیں پڑھتے اس میں سے پانچ رکعات کے ساتھ نماز کو طاق بناتے اور ان میں صرف آخر میں بیٹھتے تھے۔

''صحیح بخاری'' میں حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ سات' نو اور گیارہ رکعات ہوتی تھیں۔

امام بخاری نے ہی حضرت قاسم بن محمد کے واسطہ سے حضرت ام المؤمنین سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے ان میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں شامل ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں بہت سے اہل علم کے لئے اشکال پیدا ہوا حتیٰ کہ بعض نے ان کی حدیث میں اضطراب کا قول کیا لیکن یہ اضطراب اس وقت ثابت ہوتا ہے جب ان سے روایت کرنے والا راوی ایک ہوتا اور وہ ایک وقت کے بارے میں خبر دے رہی ہوں۔

درست بات یہ ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ متعدد اوقات اور متعدد احوال پر محمول ہے (اور یہ اختلاف) طبیعت کی چاہت اور بیان جواز کی بنیاد پر ہے۔ [1]

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما کی ان سے روایت غالب احوال پر محمول ہے (کہ اکثر ایسا ہوتا تھا)۔

کہا گیا ہے کہ گیارہ رکعات پر اضافہ نہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ تہجد اور وتر رات کی نماز سے خاص ہیں اور دن کے

---

[1] رسول اکرم ﷺ کا عمل امت کے لئے سنت بنتا تھا اس لئے آپ نے امت کے مختلف طبقات کو پیش نظر رکھا نیز بتایا کہ کم رکعات پڑھیں یا زیادہ دونوں طرح جائز ہے۔ ۱۲ ہزاروی

فرائض ظہر کی نماز ہے جو چار رکعات ہیں عصر کی نماز بھی دن کی نماز ہے جو چار رکعات پر مشتمل ہے اور مغرب کی تین رکعات دن کے وتر ہیں پس مناسب یہ ہوا کہ رات کی نماز اجمالی اور تفصیلی طور پر دن کی نماز کی طرح ہو۔

اور تیرہ رکعات کی مناسبت یہ ہے کہ اس میں صبح کی نماز کو ملایا جائے کیونکہ وہ اس (نماز تہجد) کے بعد دن کی نماز ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے قیام لیل کی انواع

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی رات کی نماز کو اچھی طرح غور سے دیکھوں گا وہ فرماتے ہیں آپ نے دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھیں پھر دو نہایت طویل رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعتیں پہلی نماز سے ذرا مختصر پڑھیں پھر دو رکعتیں اس پہلی نماز سے مختصر اور پھر دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں سے مختصر پڑھیں اس کے بعد دو رکعتیں پچھلی دو رکعتوں سے مختصر پڑھیں پھر نماز وتر پڑھی تو یہ تیرہ رکعات ہو گئیں۔

حدیث میں جو فرمایا کہ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے مختصر تھیں یہ قول چار مرتبہ ہے۔ (صحیح مسلم موطا امام مالک سنن ابی داؤد اور ابن اثیر کی جامع الاصول میں اسی طرح ہے)۔

تو نبی اکرم ﷺ کا رات کو قیام مختلف انواع پر مشتمل تھا۔

(۱) چھ رکعات پڑھتے ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے جیسا کہ "صحیح مسلم میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

(۲) آپ دو ہلکی پھلکی رکعتوں سے آغاز فرماتے پھر گیارہ رکعات وظیفہ مکمل فرماتے ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور ایک رکعت (کے ساتھ) وتر پڑھتے۔

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کی۔

(۳) تیرہ رکعات اسی طرح پڑھتے تھے یہ حدیث امام مسلم نے حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

(۴) آٹھ رکعات ادا فرماتے ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے پھر پانچ رکعات مسلسل ادا کرتے صرف ان کے آخر میں قعدہ فرماتے۔ [1]

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

(۵) نو رکعات پڑھتے تھے صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر و حمد کرتے اور دعا مانگتے پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے پس نو رکعتیں پڑھتے (مکمل کرتے) پھر قعدہ فرماتے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے اور دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھنے کی حالت میں دو رکعتیں پڑھتے اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا۔

---

[1] وتر اور نفل الگ الگ پڑھنے کی احادیث زیادہ ثابت اور اکثر ہیں اور اکثر حفاظِ حدیث نے بواسطہ حضرت ہشام ان کے والد سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲)

(۶) نو رکعتوں کی طرح سات رکعات ادا فرماتے پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے یہ حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

(۷) دو دو رکعتیں کر کے پڑھتے تھے پھر تین رکعات نفل پڑھتے اور ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے تھے اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

(۸) امام نسائی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رمضان شریف میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے رکوع کیا اور رکوع میں قیام کی مقدار ٹھہرے اور سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے پھر بیٹھ گئے اور رب اغفرلی رب اغفرلی (اے میرے رب! مجھے بخش دے اے میرے رب! مجھے بخش دے) پڑھتے رہے۔

آپ نے صرف چار رکعات پڑھیں حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر آپ کو نماز فجر کے لئے عرض کیا۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی اسے نقل کیا ہے ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ انہوں (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ) نے نبی اکرم ﷺ کو رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ نے اللہ اکبر کہنے کے بعد تین بار یہ کلمات کہے:

ذُوالْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ۔ بادشاہی طاقت بڑائی اور عظمت والی ذات۔

پھر نماز شروع کرتے ہوئے سورۂ بقرہ پڑھی پھر رکوع فرمایا جو قیام کے قریب قریب تھا آپ نے رکوع میں "سبحان ربی العظیم" پڑھا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور رکوع کی مقدار کھڑے رہے اس (قومہ) میں آپ نے "لربی الحمد" (میرے رب کے لئے ہی حمد ہے) کہا پھر سجدہ کیا تو آپ کا سجدہ بھی قیام کے برابر تھا آپ سجدے میں "سبحان ربی الاعلی" پڑھتے پھر سجدے سے سر اٹھایا اور دو سجدوں کے درمیان سجدے کی مقدار بیٹھے اور "رب اغفرلی" پڑھا آپ نے چار رکعات اسی طرح پڑھیں ان میں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، النساء اور مائدہ یا انعام پڑھی حضرت شعبہ (راوی) کو شک ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک رات نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ بقرہ شروع کی میں نے (دل میں) کہا کہ آپ ایک سو آیات پر رکوع کریں گے آپ پڑھتے رہے میں نے کہا ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھیں گے آپ نے قرأت جاری رکھی میں نے کہا اس پر رکوع کریں گے پھر آپ نے سورۂ نساء شروع کی اور اسے پڑھا پھر سورۂ آل عمران شروع کی اور اس کی قرأت کی آپ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے جب کسی ایسی آیت پر پہنچتے جس میں تسبیح ہوتی تو سبحان اللہ کہتے اور جب کوئی سوال والی آیت کو پڑھتے تو سوال کرتے، تعوذ والی آیت پڑھتے تو پناہ مانگتے پھر رکوع فرمایا تو اس میں سبحان ربی العظیم پڑھا آپ کا رکوع قیام جیسا تھا۔ پھر آپ نے "سمع الله لمن حمده" پڑھا ایک روایت میں "ربنا لک الحمد" کا اضافہ ہے۔ پھر دیر تک کھڑے رہے جو رکوع کی مقدار کے قریب قریب تھا پھر سجدہ کیا اور اس میں سبحان ربی الاعلی پڑھا آپ کا سجدہ قیام کے قریب قریب تھا۔

امام نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ایسی آیت پر پہنچتے جس میں خوف دلایا گیا یا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ذکر ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔

نبی اکرم ﷺ کی نماز کس شکل میں ہوتی؟

نبی اکرم ﷺ کی نماز کی تین صورتیں تھیں۔

(۱) آپ اکثر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو بیٹھ کر نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ وصال سے ایک سال پہلے آپ بیٹھ کر نفل پڑھنے لگے۔

اس حدیث کو امام احمد' امام مسلم اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا۔

(۲) نبی اکرم ﷺ (بعض اوقات) بیٹھ کر نماز پڑھتے اور بیٹھے ہوئے ہی رکوع کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم اور ان کے علاوہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

واذا قرأ وھو قاعد رکع وسجد وھو قاعد. اور جب آپ بیٹھنے کی حالت میں قرأت کرتے تو بیٹھے ہوئے رکوع اور سجدہ بھی کرتے۔

(۳) (کبھی) آپ بیٹھنے کی حالت میں قرأت فرماتے پس جب تھوڑی سی قرأت باقی رہتی تو کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں ہی رکوع میں جاتے۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ بیٹھنے کی حالت میں نماز پڑھتے اور بیٹھے ہوئے ہی قرأت فرماتے جب قرأت میں سے تیس یا چالیس آیات کی مقدار باقی رہتی تو کھڑے ہو جاتے اور باقی قرأت کھڑے کھڑے کرتے پھر رکوع کرتے اس کے بعد سجدہ کرتے پھر دوسری رکعت میں اسی طرح کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چوکڑی مار کر (بھی) نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ وتر نماز کے بعد کبھی بیٹھ کر دو رکعتیں (نفل) پڑھتے اور کبھی بیٹھنے کی حالت میں قرأت کرتے پس جب رکوع کا ارادہ فرماتے' تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک رکعت کے (اضافہ کے) ساتھ نماز کو وتر (طاق) بناتے پھر دو رکعتیں پڑھتے اور ان میں بیٹھنے کی حالت میں قرأت کرتے پس جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہو کر رکوع میں جاتے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ وتر نماز کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے جن میں ''اذا زلزلت الارض'' اور ''قل یا یھا الکفرون'' کی قرأت کرتے۔

ان دو رکعتوں میں اختلاف ہے' حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے ان کا انکار کیا اور اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے بھی ''المجموع'' میں انکار کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا میں نہ اس پر عمل کرتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔

درست یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ دو رکعتیں یہ بات بتانے کے لئے پڑھی ہیں کہ وتر نماز کے بعد نماز پڑھنا جائز

ہے اور بیٹھ کر (نفل) پڑھنا بھی جائز ہے۔

اور حدیث میں لفظ "کان" آیا ہے (یعنی آپ ایسا کرتے تھے) یہ لفظ اس مقام پر دوام یا اکثریت کا فائدہ نہیں دیتا جن لوگوں نے ان دو رکعتوں کو سنت مؤکدہ خیال کیا انہوں نے غلط گمان کیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ دو رکعتیں ہمیشہ نہیں پڑھیں اور سنت کو فرض سے مشابہت نہیں کہ وتر کے بعد نماز قرار پائے۔[1]

شعبان کی پندرہویں رات کا قیام

شعبان المعظم کی پندرہویں رات کو (نماز کے لئے) نبی اکرم ﷺ کے قیام کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رات کے ایک حصے میں کھڑے ہوئے تو نماز پڑھی اور نہایت لمبا سجدہ کیا حتیٰ کہ میں نے سمجھا آپ کی روح مبارک پرواز کر گئی ہے۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو اٹھ کر آپ کے انگوٹھے کو حرکت دی تو اس میں حرکت پیدا ہوئی میں واپس آ گئی جب آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے عائشہ! یا (فرمایا) اے حمیرا! (حمراء کی تصغیر سفید رنگ میں سرخی ہو) کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ نبی ﷺ نے تم سے دھوکہ کیا میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! ایسا نہیں یا رسول اللہ! لیکن میں نے آپ کے طویل سجدے کی وجہ سے خیال کیا کہ آپ کی روح پرواز کر گئی ہے آپ نے فرمایا کیا تم جانتی ہو آج کی رات کونسی رات ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے فرمایا: یہ شعبان المعظم کی پندرہویں رات ہے بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں تاریخ کو اپنے بندوں کی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے پس بخشش مانگنے والوں کو بخش دیتا ہے اور رحم طلب کرنے والوں پر رحم فرماتا اور کینہ پرور لوگوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۷)

اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت علاء بن حارث کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور فرمایا یہ مرسل حدیث ہے لیکن عمدہ ہے یعنی حضرت علاء نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا۔

شعبان المعظم کی پندرہویں رات کی فضیلت میں بے شمار احادیث آئی ہیں لیکن اکثر حضرات نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ البتہ ابن حبان نے ان میں سے بعض کو صحیح قرار دیتے ہوئے اپنی (کتاب) "صحیح ابن حبان" میں نقل کیا ہے۔

ان میں سے سب سے زیادہ قابل قبول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جیسا کہ ابن رجب نے اس بات کی خبر دی ہے کہ ام المؤمنین فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو نہ پایا تو میں باہر نکلی پس آپ بقیع (قبرستان) میں تھے اور سر انور آسمان کی طرف اٹھا رکھا تھے فرمایا کیا تمہیں ڈر تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خیال کیا کہ آپ کسی دوسری زوجہ مطہرہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے (اس کی رحمت قریب ہو جاتی ہے) پس وہ (قبیلہ) کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کو بخش دیتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹ مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۲۹۹ العلل المتناہیہ رقم الحدیث: ۶۶)

---

[1] مطلب یہ ہے کہ وتر نماز فرض کے برابر نہیں کہ جس طرح فرض نماز مثلاً ظہر اور عشاء کے بعد سنت مؤکدہ ہیں اسی طرح وتر نماز کے بعد بھی سنت مؤکدہ ہوں۔ ۱۲ ہزاروی

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

''سنن ابن ماجہ میں'' ضعیف سند کے ساتھ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب نصف شعبان کی رات (پندرہویں رات) ہو تو اس رات میں قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات غروبِ آفتاب سے آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے (جیسے اس کے شایانِ شان ہے) پس فرماتا ہے: سنو! ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا پس میں اس کو بخش دوں' سنو! ہے کوئی رزق طلب کرنے والا پس میں اس کو رزق عطا کروں' کوئی بیماری وغیرہ میں مبتلا میں اس کو عافیت دوں۔ سنو! ہے کوئی ایسا' ہے کوئی ایسا' (یہ ندا جاری رہتی ہے) حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

اہل شام میں سے تابعین جیسے خالد بن معدان اور مکحول رحمہما اللہ پندرہویں شعبان کی رات عبادت میں خوب کوشش کرتے تھے اور لوگوں نے ان سے ہی اس رات کی تعظیم کا درس حاصل کیا اور کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں ان تک اسرائیلی روایات پہنچی تھیں پس جب ان سے وہ مشہور ہو گئیں تو لوگوں میں اختلاف ہو گیا بعض نے ان سے قبول کیا اور اکثر علمائے حجاز نے انکار کیا جن میں حضرت عطا اور ابن ابی ملیکہ بھی شامل ہیں۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے فقہاء اہل مدینہ سے نقل کیا اور یہی قول امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں کا ہے وہ کہتے ہیں یہ سب بدعت ہے (بدعت حسنہ ہے)۔

علماء اہل شام سے اس رات کو عبادت میں گزارنے کی صفت میں دو مختلف قول منقول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو مسجدوں میں جمع ہو کر زندہ رکھا جائے اور حضرت خالد بن معدان اور لقمان بن عامر اس رات نہایت عمدہ لباس پہنتے' خوشبو لگاتے اور سلگاتے' سرمہ لگاتے اور اس رات مسجد میں قیام کرتے' اسحاق بن راھویہ نے بھی اس سلسلے میں ان کی موافقت کی اور ان کے مساجد میں قیام کے بارے میں کہا کہ یہ بدعت نہیں ہے۔ یہ بات حرب الکرمانی نے اپنے مسائل میں نقل کی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس رات نماز' واقعات کے بیان اور دعا کے لئے مساجد میں اجتماع مکروہ ہے اور یہ بات مکروہ نہیں کہ کوئی شخص الگ تھلک نماز پڑھے یہ قول امام اوزاعی کا ہے جو اہل شام کے امام' فقیہ اور عالم ہیں۔

اور امام احمد رحمہ اللہ سے پندرہویں شب شعبان کے بارے میں کوئی بات معروف نہیں البتہ ان سے عیدوں کی راتوں میں قیام سے متعلق جو دو روایتیں مروی ہیں ان سے اس رات میں قیام کے مستحب ہونے کے بارے میں دو روایتوں کی تخریج کی جا سکتی ہے ایک روایت کے مطابق وہ عیدوں کی راتوں میں اجتماعی طور پر قیام کو مستحب نہیں جانتے کیونکہ یہ طریقہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے منقول نہیں ہے اور ایک روایت کے مطابق وہ مستحب سمجھتے ہیں کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسود نے ایسا کیا ہے اور وہ تابعین میں سے ہیں اسی طرح شعبان کی پندرہویں رات کا قیام ہے کہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے کوئی بات منقول نہیں ہے البتہ اہل شام کے جلیل القدر فقہاء تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ یہ ابن رجب کے لطائف سے بطور خلاصہ ہے۔

سورۂ دخان میں ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ. (الدخان:۳) بے شک ہم نے اس (قرآن مجید) کو مبارک رات میں اتارا۔

تو اس سے قرآن مجید کے لیلۃ القدر میں اتارنا مراد ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ. (القدر:۱) بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اتارا۔

اور یہ رات رمضان المبارک کے مہینے میں ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ. (البقرہ:۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں جو شخص کہتا ہے کہ اس سے شعبان کی پندرہویں رات مراد ہے جیسا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو انہوں نے عجیب قول کیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں وہ واضح الفاظ میں بتایا گیا کہ یہ ماہ رمضان میں ہے۔

اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جسے عبداللہ بن صالح نے بواسطہ لیث' حضرت عقیل زہری سے روایت کیا وہ کہتے ہیں مجھے عثمان بن محمد بن مغیرہ نے خبر دی کہ حضرت اخنس نے فرمایا' رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تقطع الاجال من شعبان الی شعبان حتی ان الرجل لینکح ویولد وقد اخرج اسمه فی الموتی.

شعبان سے شعبان تک مرنے والوں کا فیصلہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے حالانکہ اس کا نام مرنے والوں کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج۱۰ص۲۸۰' الدر المنثور ج۶ص۲۶' کنز العمال رقم الحدیث:۴۲۷۸۰)

تو یہ حدیث مرسل ہے اس قسم کی احادیث نصوص کے مقابلے میں نہیں آ سکتیں۔[۱]

نمازِ تراویح

احادیثِ تراویح

نبی اکرم ﷺ کے ماہِ رمضان المبارک میں قیام کو تراویح کہا جاتا ہے 'تراویح' روحیة '' کی جمع ہے اور یہ ایک مرتبہ راحت (آرام کرنے) کو کہتے ہیں اور (اس نماز کو) تراویح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ ہر دو سلاموں (دو نمازوں) کے درمیان آرام کرتے تھے۔

[۱] سورۂ دخان میں لیلۂ مبارکہ کا ذکر ہے جس میں ہر حکمت والے کے فیصلے کا بیان ہے اس رات سے لیلۃ القدر ہی مراد لی گئی ہے اور شب برأت بھی' حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اس سے لیلۃ القدر مراد ہے تاہم شب برأت کی فضیلت بھی احادیث سے ثابت ہے۔ (ضیاء القرآن سورۂ دخان) ۱۲ ہزاروی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارکہ تھا کہ جب ماہ رمضان کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ راتوں کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے اور عبادت میں خوب کوشش فرماتے۔

''صحیح مسلم میں ہے'' ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں (عبادت کی) جس قدر کوشش فرماتے دوسرے مہینوں میں اتنی کوشش نہیں فرماتے تھے۔

''جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ'' آپ آخری عشرہ میں جس قدر کوشش کرتے تھے دوسرے مہینوں میں اتنی کوشش نہ کرتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی اور صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر آئندہ رات نماز پڑھی تو لوگ زیادہ ہو گئے پھر تیسری رات جمع ہوئے تو آپ ان کی طرف تشریف نہ لائے صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں نے تمہارے عمل کو دیکھا اور مجھے تمہارے پاس آنے سے اس بات کے خوف نے روکا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور یہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔

''صحیح بخاری (رقم الحدیث: ۱۱۲۹-۲۰۱۲) اور صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۱۷۸) کی'' ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت باہر تشریف لائے پس مسجد میں نماز پڑھی' صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی چنانچہ صحابہ کرام نے اس سلسلے میں گفتگو شروع کر دی (تو یہ بات معروف ہوگئی) پس ان سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے' نبی اکرم ﷺ دوسری رات تشریف لائے اور ان کو نماز پڑھائی لوگوں نے صبح اس کا تذکرہ کیا تو تیسری رات مسجد میں زیادہ لوگ آئے آپ تشریف لائے اور ان کو نماز پڑھائی جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد' نمازیوں سے تنگ پڑ گئی آپ تشریف نہ لائے کچھ لوگوں نے ''الصلوۃ'' کہنا شروع کیا (یعنی نماز کا وقت ہوگیا) لیکن آپ ان کی طرف تشریف نہ لائے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے جب صبح کی نماز ہو چکی تو آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے پھر کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا: امابعد! گذشتہ رات کا تمہارا معاملہ مجھ پر پوشیدہ نہ تھا لیکن مجھے ڈر ہوا کہ تم پر رات کی نماز فرض نہ ہو جائے پس تم اس سے عاجز ہو جاؤ۔

ایک دوسری روایت میں اسی طرح اس کا مفہوم اختصار کے ساتھ مروی ہے اس میں فرمایا: کہ یہ بات رمضان المبارک میں ہوئی۔

آپ کا ارشاد گرامی کہ'' مجھے ڈر ہے کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے''۔ اس کی تشریح کے سلسلے میں ''فتح الباری میں'' فرمایا: کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ توقع تھی کہ اگر اس عمل کو ہمیشہ کیا تو رات کی نماز جماعت کے ساتھ فرض ہو جائے گی اور اس میں ایک اشکال ہے جس کی بنیاد بعض مالکیوں کا یہ قاعدہ ہے کہ شروع کرنے سے عمل لازم ہو جاتا ہے اور یہ محل نظر ہے۔[1]

محب طبری نے جواب دیا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہو کہ اگر آپ یہ کام پابندی سے صحابہ کرام کے ہمراہ کریں گے تو میں اسے ان پر فرض کر دوں گا پس آپ نے ان کے لئے تخفیف کو پسند فرمایا۔

---

[1] جو عمل فرض نہ ہو اگر اس کو شروع کر دیا جائے تو واجب ہو جاتا ہے جس طرح نذر ماننے سے نفل نماز واجب ہو جاتی ہے اسی طرح شروع کرنے سے بھی لازم ہو جاتی ہے بلکہ اس طرح بدرجہ اولیٰ واجب ہو گی ہاں ایسا نہیں ہے کہ اگر آج رات دو نفل پڑھے تو ہمیشہ پڑھنے ہوں گے یہ امت کے لئے ہے' حضور ﷺ کا معاملہ الگ ہے۔۱۲ ہزاروی

کہا گیا ہے کہ آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ آپ کے دوام سے کوئی امتی اس عمل کو واجب نہ سمجھ لے۔
امام قرطبی نے فرمایا یعنی فرض نہ سمجھ لیں پس وہ اس پر واجب ہو جائے گی جس طرح کوئی مجتہد کسی چیز کو حلال یا حرام سمجھے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس پر عمل کرے۔

خطابی نے اس خوف پر یوں اعتراض کیا کہ جب حدیث اسراء سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ پانچ نمازیں ہیں اور وہ (ثواب کے اعتبار سے) پچاس ہیں' میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں آتی۔
پس جب تبدیلی کا خوف نہیں ہے تو (فرائض میں) اضافہ کا خوف کیسے ہوگا؟ یہ بات پہلے دیئے گئے جوابات سے دور جاتی ہے (یعنی کوئی امتی لازم نہ سمجھ لے)۔

خطابی نے اس بات کا یہ جواب بھی دیا ہے کہ رات کی نماز نبی اکرم ﷺ پر واجب تھی' امت پر واجب ہے کہ وہ افعال شرعیہ میں آپ کی اقتدا کرے جب حضور ﷺ ان کو ہمیشہ کریں پس آپ نے ان کی طرف آنا اس لئے چھوڑا تا کہ یہ اس واجب میں داخل نہ ہو جائے جس کا وجوب آپ کے حکم کی پیروی کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ کوئی نیا فرض ہوگا' نمازوں سے زائد ہوگا یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص نذر مان کر اپنے اوپر نماز کو واجب کر لیتا ہے پس یہ اس پر واجب ہوتی ہے لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ اصل شرع میں کسی فرض کا اضافہ ہوا ہے۔
خطابی نے فرمایا کہ اس میں ایک اور احتمال بھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کیں پھر ان کا زیادہ حصہ اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے چھوڑ دیا پس جب امت اس کی طرف لوٹ آئے جسے وہ بطور ہبہ طلب کرے اور اس کو (اپنے اوپر) لازم کر دے جسے ان کے نبی نے ان سے معاف کروایا تھا تو اس کے ان پر بطور فرض ثابت ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں خطابی سے یہ دو جواب ایک جماعت نے حاصل کئے مثلاً ابن جوزی نے ان کو اختیار کیا اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ قیام لیل نبی اکرم ﷺ پر واجب تھا اور آپ کے افعال مبارکہ کی اقتدا واجب ہے۔
لیکن یہ دونوں باتیں اختلافی ہیں۔ پھر ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے تین جواب دیئے ہیں۔
(۱) یہ بھی احتمال ہے کہ قیام لیل کے فرض ہونے کا خوف اس طریقے پر تھا کہ رات کے نوافل کے درست ہونے کے لئے مسجد میں باجماعت تہجد پڑھنا شرط ہو جائے وہ فرماتے ہیں اس بات کی طرف اشارہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ان الفاظ سے ہوتا ہے:

حتی خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم به فصلوا ایها الناس فی بیوتکم.

حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر تم پر (یہ نماز) فرض ہو جاتی تو تم اس کی پابندی نہ کر سکتے پس اے لوگو! اپنے گھروں میں ادا کرو۔

تو آپ نے ان کو مسجد میں جمع ہونے سے اس لئے روکا کہ اس کے شرط ہونے کا خوف تھا اور گھروں میں پڑھنے کی وجہ سے اگرچہ ہمیشہ پڑھی جائے' فرض ہو جانے سے امن ہو گیا۔
(۲) یہ خوف تھا کہ قیام لیل (تراویح) فرض کفایہ نہ ہو جائے' فرض عین ہونے کا ڈر نہ تھا پس (اس صورت میں) یہ پانچ

نمازوں سے زائد نہ ہوگی بلکہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ عید وغیرہ کی طرح ہوجائے گی (یعنی فرض کفایہ ہوگی)۔

(۳) یہ خوف تھا کہ قیام رمضان خاص طور پر فرض ہوجائے اور حدیث میں آیا ہے کہ یہ واقعہ ماہِ رمضان کا ہے۔

حضرت سفیان بن حسین کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

خشیت ان یفرض علیکم قیام ھذا الشھر.	مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر اس مہینے کا قیام فرض نہ ہو جائے۔

فرماتے ہیں: اس اعتبار سے اشکال اٹھ جائے گا کیونکہ قیام رمضان سال میں ہر دن نہیں آیا پس یہ پانچ نمازوں پر اضافہ نہیں ہوگا۔

(علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:) میری نظر میں ان تین جوابوں میں سے پہلا جواب زیادہ مضبوط ہے۔

تراویح جماعت کے ساتھ یا الگ الگ؟

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک کی تیسویں رات کو رات کی پہلی تہائی تک کھڑے رہے پھر پچیسویں رات کو نصف رات تک قیام کیا پھر ستائیسویں رات کو آپ کے ساتھ قیام کیا حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ فلاح کو نہیں پاسکیں گے وہ سحری کو فلاح کہتے تھے۔

علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کیا نماز تراویح باجماعت مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا گھر میں تنہا پڑھنا؟

امام شافعی اور ان کے اکثر شاگرد، امام ابوحنیفہ اور بعض مالکی وغیرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اور مسلمانوں کا یہی طریقہ جاری ہے کیونکہ یہ (اسلام کی) ظاہری علامات میں سے ہے پس نماز عید کے مشابہ ہے۔

سوال: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو کہ ''مجھے تم پر فرض ہونے کا ڈر ہے'' کو مسجد میں جمع ہونے پر محمول کیا اور فرمایا کہ یہ سب سے قوی توجیہ ہے؟

جواب: نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اس بات کا خوف نہیں رہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمع کرنے کو ترجیح دی کیونکہ اختلاف میں افتراقِ کلمہ ہے نیز ایک آدمی پر جمع ہونا بہت سے نمازیوں کے لئے زیادہ خوشی اور قلبی سرور کا باعث ہوتا ہے۔

امام مالک، امام ابو یوسف، شافعی مسلک کے بعض حضرات اور ان کے علاوہ بزرگوں نے فرمایا کہ گھروں میں تنہا پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''فرض نماز کے علاوہ آدمی کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے''۔ (المعجم الکبیر ج۵ ص۱۶۰، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۷۵۴)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا مسجد میں پڑھنا بیانِ جواز کے لئے تھا یا اس لئے کہ آپ معتکف تھے۔

(نوٹ: امام زرقانی فرماتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک گھر میں پڑھنے کی فضیلت اس صورت میں ہے جب مساجد کے بے آباد ہونے کا خوف نہ ہو نیز وہ تنہا پڑھنے میں زیادہ سرور محسوس کرتا ہو (زرقانی ج۷ ص۴۱۸) ۱۲ ہزاروی)۔

تعدادِ رکعات

نبی اکرم ﷺ جو نماز رمضان شریف میں (رات کے وقت) پڑھتے تھے اس کی رکعات کے سلسلے میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کی رمضان کی نماز کیسی تھی؟ ام المؤمنین نے فرمایا آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پر اضافہ نہ فرماتے آپ چار رکعات پڑھتے تم ان (رکعات) کے حسن اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھو پھر چار رکعات پڑھتے ان کے حسن اور لمبا ہونے کے بارے میں سوال نہ کرو (یعنی نہایت اچھی طرح اور طویل انداز میں ہوتی تھیں) پھر تین رکعات پڑھتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے آرام فرماتے ہیں؟ فرمایا اے عائشہ! بے شک میری آنکھ سوتی ہے لیکن دل نہیں سوتا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۶، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۷۲، التمہید رقم الحدیث: ۲۰۹، الحلیہ ج ۱۰ ص ۳۸۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۲۰، نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۹۷۹)

اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے [1] تو اس کی سند ضعیف ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ (مذکورہ بالا حدیث اس کے معارض ہے)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو تراویح پر جمع کیا

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں یہ طریقہ جاری رہا کہ ہر شخص رمضان المبارک میں اپنے گھر میں اکیلا قیام کرتا تھا حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ابتدائی دور گزر گیا۔

"صحیح بخاری میں ہے کہ" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رمضان المبارک کی ایک رات مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ لوگ منقسم متفرق ہیں، کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور کسی شخص کے ساتھ ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ان لوگوں کو کسی قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو یہ زیادہ مناسب ہے پھر آپ نے ارادہ فرمایا تو ان کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کیا پھر ایک رات آپ تشریف لائے اور صحابہ کرام اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعمة البدعة هذه. یہ کتنی اچھی بدعت ہے؟ [2]

(رات کے) جس وقت سے (غافل ہو کر) تم سوتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جس میں تم قیام کرتے ہو مطلب یہ ہے کہ رات کا آخری حصہ بہتر ہے اور لوگ رات کے پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔

---

[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اور اس حدیث میں تعارض نہیں ہے کیونکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی روایت میں تہجد کا ذکر ہے اسی لئے انہوں نے رمضان اور غیر رمضان ہر دونوں کا ذکر فرمایا جب کہ اس حدیث میں رمضان المبارک کی مخصوص نماز (تراویح) کا ذکر ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] معلوم ہوا کہ بدعت اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی لہٰذا ہر بدعت گمراہی نہیں ہوگی۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا انتخاب اس لئے فرمایا کہ وہ سب سے زیادہ قرأت جانتے تھے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا۔

حضرت سعید بن منصور، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں جمع کیا پس وہ مردوں کو نماز پڑھاتے تھے اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ عورتوں کو نماز پڑھاتے تھے۔[1]

''موطأ میں ہے کہ'' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ رمضان المبارک میں لوگوں کو نماز (تراویح) پڑھائیں۔

امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان شریف میں لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے۔

حضرت حلیمی فرماتے ہیں بیس رکعات میں حکمت یہ ہے کہ رمضان شریف کے علاوہ سنت مؤکدہ دس رکعات ہیں (شافعی مسلک کے نزدیک کل سنتیں بارہ ہیں جن میں سے دس رکعات مؤکدہ ہیں جبکہ ہمارے نزدیک بارہ رکعات مؤکدہ ہیں)۔

پس ان کو دوگنا کیا گیا کیونکہ یہ (رمضان شریف) عبادت کے زیادہ اہتمام کا وقت ہے۔

''موطأ میں تیئس رکعات کا ذکر ہے'' امام بیہقی رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا کہ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

''موطأ میں'' حضرت محمد بن یوسف سے مروی ہے وہ حضرت سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ یہ گیارہ رکعات ہیں اور عبدالعزیز کے نزدیک اکیس رکعات ہیں۔

ان روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ یہ مختلف احوال کا بیان ہے یہ بھی احتمال ہے کہ قرأت کے لمبا اور مختصر ہونے کے اعتبار سے اختلاف ہو جہاں قرأت لمبی ہوتی رکعات کم ہوئیں اور اسی طرح اس کے برعکس ہوا (یعنی قرأت کم ہونے کی وجہ سے رکعات زیادہ ہو گئیں)۔

حضرت محمد بن نصر، داؤد بن قیس کے طریق سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کی حکومت (یعنی مدینہ طیبہ میں حکومت) کے زمانے میں لوگوں کو یوں پایا کہ وہ چھتیس رکعات کے ساتھ قیام کرتے اور تین وتر پڑھتے۔ حضرت مالک فرماتے ہیں ہمارے نزدیک قدیم طریقہ یہی ہے۔

حضرت زعفرانی (حسن بن محمد بن الصباح البغدادی، متوفی ۲۶۰ھ یا ۲۵۹ھ)[2] حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے لوگوں کو مدینہ طیبہ میں انتالیس رکعات کے ساتھ اور مکہ مکرمہ میں تیئس

---

[1] ممکن ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی امامت میں مرد اور عورتیں مشترکہ طور پر نماز پڑھتے ہوں ورنہ صرف عورتوں کی امامت مرد نہیں بلکہ عورت کر سکتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] (الوافی بالوفیات ج ۱۱ ص ۲۶، مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۱۷۱، شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۴۰، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۱۸، روضات الجنات رقم الحدیث: ۲۱۴)

رکعات کے ساتھ قیام کرتے ہوئے دیکھا اور اس سلسلے میں کوئی تنگی نہیں (یعنی یہ نماز فرض نہیں لہٰذا کسی نے زائد رکعات پڑھیں اور کسی نے کم تو اس میں کوئی حرج نہیں)۔

ان ہی سے مروی ہے فرماتے ہیں اگر قیام لمبا کریں اور سجدے کم کریں تو اچھی بات ہے اور اگر سجدے زیادہ کریں اور قرأت کم کریں تو بھی اچھا ہے لیکن پہلی بات زیادہ پسندیدہ ہے۔

کیا مدینہ طیبہ والوں کے علاوہ لوگوں کے لئے چھتیس رکعات پڑھنا جائز ہے؟ تو امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دوسرے لوگوں کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ ان لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کی ہجرت اور قبرِ انور کی وجہ سے شرف حاصل ہے اور حلیمی کا قول اس کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں جو شخص اہلِ مدینہ کی اقتداء کرتے ہوئے چھتیس رکعات پڑھے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔

اور مناسب ہے کہ دو رکعتوں پر سلام پھیرے اور اگر ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھے تو صحیح نہیں، یہ بات قاضی حسین کے فتاوی کے موافق ہے اور اگر ظہر یا عصر کی سنتیں ایک سلام سے پڑھے تو جائز ہے فرق یہ ہے کہ تراویح کی جماعت جائز ہونے کی وجہ سے یہ فرض نماز کے مشابہ ہے یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمائی ہے اور "الروضہ" میں اس کو واضح الفاظ میں ذکر فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں رات کے وقت دوسرے مہینوں کے مقابلے میں طویل قرأت کرتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف کی ایک رات آپ کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ فرماتے ہیں آپ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی پھر سورۂ نساء اور پھر سورۂ آل عمران پڑھی آپ کسی آیت پر گزرتے جس میں خوف دلایا گیا تو رک کر سوال کرتے۔ وہ فرماتے ہیں آپ نے دو رکعات نہیں پڑھی تھیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کو نماز (نمازِ فجر) کی اطلاع دی۔

ان ہی سے مروی ہے کہ آپ نے صرف چار رکعات پڑھیں اور امام شافعی رحمہ اللہ رمضان المبارک میں نماز کے علاوہ ساٹھ مرتبہ قرآن مجید کا ختم کرتے۔

چوتھا باب

وتر نماز

نمازِ وتر کا طریقہ

نبی اکرم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ پانچ رکعات وتر پڑھتے اور صرف ان کے آخر میں بیٹھتے تھے لیکن (درمیان میں) فصل کی احادیث زیادہ ثابت ہیں اور ان کے طرقِ روایت زیادہ ہیں (یعنی تین رکعات پر سلام پھیرتے پھر دو نفل پڑھتے تھے)۔

حنفی فقہاء نے ان حضرات کے مؤقف سے استدلال کرتے ہوئے وصل کی تعیین اور تین رکعات پر اکتفاء کے لئے

استدلال کیا یعنی صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ تین رکعتوں کو ملا کر وتر پڑھنا حسن جائز ہے' اس سے زائد یا کم میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے متفقہ بات کو لیا اور اختلافی بات کو چھوڑ دیا۔

محمد بن منصور مروزی نے عراک بن مالک کی روایت کے ذریعے اس پر اعتراض کیا وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً و موقوفاً روایت کرتے ہیں کہ تین رکعات کے ساتھ وتر نہ پڑھو اس طرح تم اسے مغرب کی نماز کے مشابہ کر دو گے۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ اور حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ وتر میں تین رکعات (اکٹھی) مکروہ جانتے تھے اور فرماتے کہ نفل کو فرض کے مشابہ نہ کرو۔

لیکن امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے اور صرف ان کے آخر میں بیٹھتے تھے۔

امام نسائی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کی مثل روایت کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ ''سبح اسم ربک الاعلی'' ''قل یا یھا الکفرون'' اور ''قل ھو اللہ احد'' کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے تھے اور متعدد طرق سے بیان کیا کہ تین سورتیں تین رکعتوں میں پڑھتے تھے۔

اس روایت اور پہلی روایت جس میں نماز مغرب کے ساتھ تشبیہ سے منع فرمایا' کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ دو تشہدوں کے ساتھ تین رکعات پڑھنے سے منع فرمایا اور اسلاف نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا ہے۔

حضرت محمد بن نصر نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے طریق سے روایت کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وتر نماز کی تیسری رکعت کے لئے تکبیر کے ساتھ اٹھتے اور حضرت مسور بن مخرمہ کے طریق سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق تین رکعات وتر پڑھتے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے' ابن طاؤس کے طریق سے مروی ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ تین وتر اس طرح پڑھتے کہ ان کے درمیان قعدہ نہ کرتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وتر نماز کی ایک رکعت اور دو رکعتوں پر سلام پھیرتے حتیٰ کہ بعض کاموں کا حکم دیتے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تینوں رکعات ملا کر پڑھا کرتے تھے پس اگر کوئی کام پیش آتا تو ان کو جدا جدا کرتے پھر جو پڑھ چکے ہوتے اس پر باقی کی بنا کرتے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ وتر صرف ملا کر ہی پڑھے جا سکتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ واضح وہ ہے جو امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) کے طریق سے روایت کیا وہ اپنے والد (حضرت ابن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ دو رکعتوں اور ایک وتر کے درمیان ایک سلام کے ساتھ تفریق کرتے اور بتاتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ اس طرح کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

بعض حضرات نے تفریق کرنے کی فضیلت پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم بھی دیا اور خود بھی عمل کیا جب کہ ملا کر پڑھنا صرف آپ کے عمل سے ثابت ہے۔

حنفی فقہاء میں سے مخالفت کرنے والوں نے تین رکعات کے سلسلے میں جو کچھ آیا ہے اسے وصل پر محمول کیا ہے حالانکہ بے شمار احادیث تفریق کے سلسلے میں ظاہر ہیں جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے تو اس میں آخری دو رکعتوں سے پہلے والی نماز بھی داخل ہے تو یہ حدیث اختلافی مقام پر تصریح کی طرح ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث اور اس کی مثل (احادیث) کو اس بات پر محمول کیا کہ ایک رکعت پچھلی دو رکعتوں کے ساتھ ملائی جاتی تھی اور اس سلسلے میں انہوں نے صرف اس بات سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بتیراء (دم کٹی نماز) سے منع فرمایا (یعنی کسی شخص کا صرف ایک رکعت پڑھنا)۔

حالانکہ اس بات کا احتمال ہے کہ بتیراء سے مراد صرف ایک رکعت پڑھنا ہے اس سے پہلے کچھ نہ ہو اور یہ وصل اور فصل سے عام ہے (یعنی ایک رکعت میں فصل اور وصل کا احتمال نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ رکعات ہوں گی تو ان کو ملا کر پڑھنے یا الگ الگ کر کے پڑھنے کا احتمال ہوگا)۔

وتروں کے بعد نماز

اسلاف کا دو باتوں میں اختلاف ہے۔

(۱) وتروں کے بعد بیٹھ کر دو رکعتوں (نوافل) کے جواز میں۔

(۲) جو شخص وتر پڑھنے کے بعد رات کے وقت نفل پڑھنے کا ارادہ کرے تو کیا اس کے لئے پہلے وتر کافی ہیں اور وہ جس قدر چاہے نوافل پڑھ سکتا ہے یا اپنی وتر نماز کو ایک رکعت سے ملائے پھر نفل پڑھے؟ پھر جب ایسا کر لے تو مزید وتر نماز کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو ''مسلم شریف میں'' ابوسلمہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ وتر نماز کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے بعض اہلِ علم نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ''اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا'' (اپنی رات کی آخری نماز کو وتر بناؤ) کو اس کے ساتھ خاص کیا جو رات کے آخر میں وتر پڑھتا ہے۔

جو لوگ اس بات کے قائل نہیں ہیں وہ جواب دیتے ہیں کہ ان دو مذکورہ رکعتوں سے فجر کی دو رکعتیں مراد ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے اسے اس بات پر محمول کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا فعل وتر نماز کے بعد نفل پڑھنے کا جواز بتانے کے لئے ہے نیز یہ کہ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اکثر حضرات کا موقف ہے کہ وہ جس قدر چاہے دو دو رکعت پڑھے اور اپنے وتر نہ توڑے تاکہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول پر عمل ہو جائے آپ نے فرمایا ''لا وتران فی لیلۃ'' (ایک رات میں دو بار وتر نہیں)۔

یہ حدیث حسن ہے اسے امام نسائی اور ابن خزیمہ نے حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے' ان لوگوں کے نزدیک وتر توڑنا جائز ہے جو وتر نماز کے علاوہ ایک رکعت کے ساتھ نفل پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں۔

وتر نماز کا وقت اور اس کی قضاء

اسلاف کا وتر نماز قضاء کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہے اکثر نے اس کی نفی کی ہے اور ''صحیح مسلم میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی درد وغیرہ کی وجہ سے رات کے وقت آرام فرما ہو جاتے اور رات کو نہ اٹھ سکتے تو دن کے وقت بارہ رکعات پڑھتے۔

حضرت محمد بن نصر فرماتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ سے کوئی ایسی حدیث نہیں پاتے کہ آپ نے وتر قضا پڑھے ہوں

اور نہ آپ نے قضا کا حکم دیا۔

حضرت عطاء اور اوزاعی سے مروی ہے کہ قضاء کیے جائیں اگرچہ سورج طلوع ہو جائے' غروب آفتاب تک (قضا کرسکتا ہے) امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی یہ بات منقول ہے امام نووی نے ''شرح صحیح مسلم میں'' نقل کیا۔ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آئندہ رات قضاء کرے اور شافعی مسلک والوں کے نزدیک مطلقاً قضا کرسکتا ہے (وقت کی پابندی نہیں)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے ہر حصے میں وتر پڑھتے تھے پہلے حصے میں' درمیان میں اور آخر میں (جب چاہتے پڑھتے) آپ کی وتر نماز کا وقت سحری تک پہنچتا۔ اول وقت سے مراد عشاء کے بعد کا وقت ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ وتر نماز کے وقت میں اختلاف' احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہو جب آپ نے رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھے تو شاید اس کی وجہ درد کا پایا جانا تھا۔

جب رات کے درمیان والے حصے میں پڑھے تو شاید مسافر ہوں اور آخری وقت میں وتر پڑھنا آپ کا عام معمول تھا کیونکہ آپ صبح سے پہلے رات کے آخری حصے اور سحری کے وقت میں ہمیشہ نماز پڑھتے تھے۔

ماوردی نے کہا کہ اس سے آخری چھٹا حصہ مراد ہے یہ بھی کہا گیا کہ اول وقت' فجر اول کا وقت (سحری) ہے۔

''صحیح ابن خزیمہ میں ہے'' حضرت طلحہ بن نافع' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب فجر ہو گئی تو آپ نے کھڑے ہو کر ایک رکعت کا اضافہ کر کے نماز کو وتر بنا دیا۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں اس سے فجر اول (سحری کا وقت) مراد ہے۔

نمازِ وتر کا حکم

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) میرے رب نے میرے لئے ایک نماز زیادہ کی یہ وہ وتر نماز ہے اس کا وقت عشاء سے طلوع فجر تک ہے۔ اس حدیث کی سند میں کمزوری ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۲' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۵۲۰)

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ''سنن'' میں ہے اس میں بھی اسی طرح ہے۔ وتر نماز کو واجب قرار دینے والوں نے اس سے استدلال کیا لیکن یہ وجوب کے بارے میں صریح نہیں ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا. وتر لازم ہیں پس جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۱۹' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۷۰' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۰۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۷' الکامل ج ۳ ص ۱۲۵۲۔ ج ۴ ص ۱۶۳۷)

آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ اس حدیث کی سند میں ابوالمنیب ہے جس میں ضعف ہے اگر اس (حدیث) کو قبول کر

بھی لیا جائے تو اس سے استدلال کرنے والا یہ بات ثابت کرنے کا محتاج ہوگا کہ لفظ حق' عرف شریعت میں واجب کے معنیٰ میں ہے اور لفظ واجب' ثابت کے معنیٰ میں خبر واحد کے طریقے سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ (رات کے وقت) نماز پڑھتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بستر پر چوڑائی میں آرام فرما ہوتی تھیں جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو ان کو جگا دیتے پس وہ بھی وتر پڑھتیں۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ وتر نماز رات کے آخری حصے میں پڑھنا مستحب ہے چاہے تہجد پڑھنے والا ہو یا کوئی دوسرا اور یہ اس صورت میں ہے کہ خود جاگنے یا اور کسی کے جگانے کا یقین ہو۔

اس بات سے بھی اس نماز کے وجوب پر استدلال کیا گیا کہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے واجب (نماز) والا طریقہ اختیار کیا کہ آپ نے ام المؤمنین کو وتر نماز کے وقت سویا ہوا نہ چھوڑا جب کہ تہجد کے وقت سونے دیا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس سے وجوب لازم نہیں آتا ہاں وتروں کے حکم کی تاکید پر دلالت ہے نیز اس نماز کو رات کے نوافل سے زیادہ فوقیت حاصل ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لئے سوتے ہوئے کو جگانا مستحب ہے اور یہ (جگانا) فرض نماز اور وقت نکل جانے کے خوف سے مختص نہیں ہے بلکہ جماعت کو پانے کے لئے بھی اس کا حکم ہے' پہلے وقت وغیرہ کو پانا مستحبات میں سے ہے۔

قرطبی کہتے ہیں یہ بات کہنا بعید از عقل نہیں کہ واجب کے لئے جگانا واجب اور مستحب کے لئے مستحب ہے کیونکہ سویا ہوا آدمی اگرچہ مکلف نہیں ہے لیکن اس کی رکاوٹ (سونا) جلدی زائل ہونے والا ہے پس وہ غافل کی طرح ہے اور غافل کو خبردار کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم

نمازِ وتر میں قراءت

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے ان میں نو سورتیں مفصل سے پڑھتے ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے ان کے آخر میں "قل ھو اللہ احد" ہوتی تھی۔ (قصار مفصل مراد ہے جو "لم یکن الذین" سے "والناس" تک ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ وتروں میں "سبح اسم ربک الاعلی" "قل یا یھا الکفرون" اور "قل ھو اللہ احد" ہر رکعت میں (ایک ایک رکعت میں) پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الاعلی" دوسری رکعت میں "قل یا یھا الکفرون" اور تیسری رکعت میں "قل ھو اللہ احد" اور معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) پڑھتے تھے۔

"سنن ابی داؤد میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ جب سلام پھیرتے تو یہ کلمات پڑھتے "سبحان الملک القدوس" امام نسائی کے مطابق تین بار پڑھتے ان کے آخر میں آواز لمبا کرتے یعنی آواز کو کھینچتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ تیسری بار آواز کو بلند کرتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے وتروں کے آخر میں یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ بِرَضَاکَ مِنْ سُخْطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَآ اَحْصٰی ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ.

یا اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے اور تیرے معاف کرنے کے ساتھ تیرے عذاب سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں تیری تعریف نہیں کرسکتا تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

سنت فجر اور وتروں کے درمیان (مطابقت)

ابن تیمیہ نے کہا کہ سنت فجر عمل کے آغاز اور وتر (عمل کے) خاتمہ کی طرح ہیں اور نبی اکرم ﷺ فجر کی سنتوں اور وتروں میں اخلاص کی دو سورتیں ''سورۂ الکافرون'' اور ''قل ھو اللہ احد'' پڑھتے تھے اور یہ دونوں سورتیں علم وعمل کی توحید معرفت وارادت کی توحید اور توحید اعتقاد کی جامع ہیں۔

''قل ھو اللہ احد'' میں معرفت واعتقاد کی توحید اور ان باتوں کا بیان ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ضروری ہے مثلاً اس کا ایک ہونا' بے نیاز ہونا (اور بے نیاز ہونا ایک ایسی صفت ہے) جو تمام صفات کمال کو ثابت کرتی ہے جن میں کوئی نقص نہیں' نیز اس سورت میں اولاد' والد اور کفو (ہم پلہ) کی نفی ہے اور یہ نفی تشبیہ' اور مثیل ونظیر کی نفی کو متضمن ہے۔ پس یہ سورت تمام صفات کمالیہ کو ثابت کرنے اور ہر قسم کے نقص کی نفی اور ہر قسم کی مشابہت کی نفی پر مشتمل ہے' توحید عملی اور توحید اعتقادی میں یہی باتیں آتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ سورت قرآن مجید کا تیسرا حصہ ہے کیونکہ قرآن مجید کا دارومدار خبر اور انشاء پر ہے اور انشاء تین چیزیں ہیں۔ امر' نہی' اباحت اور خبر کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم خالق اور اس کے اسماء' صفات اور احکام کی خبر دینا اور دوسری قسم مخلوق کے بارے میں خبر دینا پس سورۂ اخلاص اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات وصفات کے بارے میں خبر دینے میں خالص ہے لہٰذا یہ قرآن کے تہائی حصے کے برابر ہوا۔

اس نے اپنے پڑھنے والے مومن کو علمی شرک سے خالص کردیا جس طرح سورۂ کافرون نے شرک عملی سے خالص کر دیا ہے۔ ابن قیم نے اسی طرح کہا ہے۔

ماہِ رمضان میں وتروں میں قنوت

جہاں تک قنوت پڑھنے کا تعلق ہے تو وہ رمضان شریف کے نصف آخر میں وتروں کی آخری رکعت میں پڑھی جائے امام نووی نے ''الاذکار میں'' اس کے مستحب ہونے کا ذکر کیا اور اس پر کوئی دلیل نہیں دی۔ امام ابوداؤد نے دو سندوں کے ساتھ ذکر کیا جن کے راوی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں لیکن ایک سند منقطع ہے اور دوسری میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔ اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ صرف رمضان کے دوسرے نصف میں قنوت پڑھتے تھے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میرے نانا (نبی اکرم ﷺ) نے مجھے کچھ کلمات سکھائے کہ میں وتر نماز میں پڑھا کروں' وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ اِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ وَاَنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ.

یا اللہ! مجھے ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت دے ان لوگوں میں مجھے (بھی) عافیت عطا فرما جن کو تو عافیت عطا کرے میری حفاظت فرما ان میں جن کی تو حفاظت فرمائے اور جو کچھ تو نے عطا کیا اس میں میرے لئے برکت ڈال دے اور جو فیصلہ تو نے کیا اس کے شر سے مجھے بچا لے بے شک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جاتا جس کا تو نگہبان (یا دوست) ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا اور جس سے تیری دشمنی ہو اس کو عزت نہیں ملتی اے ہمارے رب! تو برکت والا اور بلند ہے۔

یہ شریک راوی کی روایت کے الفاظ ہیں جسے طبرانی وغیرہ نے ذکر کیا۔

پانچواں باب

نبی اکرم ﷺ کی نمازِ چاشت

اس کے ثابت ہونے میں اختلاف

یہ نماز نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں شمار کی جاتی ہے' راویوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز چاشت پڑھی ہے یا نہیں؟ ان میں سے بعض اس کو ثابت کرتے ہیں اور بعض نے نفی کی ہے۔

علماء کرام میں سے بعض نے ثابت کرنے والے کی روایت کو نفی کرنے والوں کی روایت پر ترجیح دی ہے انہوں نے اسے معروف قاعدہ کی بنیاد پر جاری کیا (یعنی مثبت کی روایت کو نافی کے قول پر ترجیح ہوتی ہے)۔

کیونکہ یہ روایت زائد کو متضمن ہوتی ہے جو نافی سے پوشیدہ ہوتا ہے وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے اس قسم کے آدمی کا علم (دوسروں کے علم سے بڑھ جائے اور وہ لاعلمی کی وجہ سے نفی کرتے ہوں)۔

نمازِ چاشت کو ثابت کرنے والی نصوص

امام حاکم نے فرمایا کہ اس باب میں حضرت ابوسعید' حضرت ابوذر غفاری' حضرت زید بن ارقم' حضرت ابوہریرۃ' حضرت بریدہ اسلمی' حضرت ابودرداء' حضرت عبداللہ بن ابی اوفی' حضرت عتبان بن مالک' حضرت عتبہ بن عبدالسلمی' حضرت نعیم بن ہمار (اصل میں ہمام ہے) غطفانی (الاصابہ ج۶ ص ۲۵۰ رقم الترجمہ: ۸۷۸۵)' حضرت ابوامامہ باھلی' حضرت عائشہ بنت ابی بکر' حضرت ام ہانی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے روایت آتی ہے۔ ان سب نے شہادت دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاشت کی نماز پڑھی ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام حاکم اور امام ترمذی نے حضرت عطیہ عوفی کے واسطے سے ان سے

روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے حتیٰ کہ ہم کہتے آپ اسے نہیں چھوڑیں گے اور (کبھی) آپ اسے چھوڑ دیتے حتیٰ کہ ہم کہتے آپ اسے نہیں پڑھیں گے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عطیہ ضعیف (راوی) ہیں پس شاید اس حدیث کو تقویت حاصل ہوئی ہو۔

حضرت ابوذر غفاری رحمہ اللہ کی حدیث کو امام بزار نے ''اپنی مسند میں'' روایت کیا ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بزار نے ان الفاظ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ سفر اور اس کے علاوہ چاشت کی نماز نہیں چھوڑتے تھے اس حدیث کی سند ضعیف ہے اس میں یوسف بن خالد سمتی بہت ضعیف (راوی) ہے۔ مصنف نے فرمایا: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کیا۔ (آگے جگہ خالی چھوڑی گئی ۔۱۲ ہزاروی)۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام طبرانی نے روایت کیا۔

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابن عدی اور حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ نے چاشت کی دو رکعات اس دن پڑھیں جب ابوجہل کا سر تن سے جدا کرنے کی خوشخبری ملی۔

(نماز چاشت کی) نفی کرنے والے بعض علماء ثابت کرنے والوں کی روایت کے بارے میں کہتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہ نماز شکر ہے جو چاشت کے وقت واقع ہوئی جس طرح آپ نے فتح مکہ کے دن شکر ادا کیا۔

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد نے محمود بن ربیع کے واسطے سے ان سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے گھر میں چاشت کے نفل پڑھے۔

نوٹ: حضرت عتبہ بن عبد' حضرت نعیم بن ہمار' اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم کی روایت کے بارے میں مصنف نے فرمایا کہ اس حدیث کو روایت کیا۔ (آگے جگہ خالی چھوڑی گئی ہے۔۱۲ ہزاروی)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام مسلم' امام احمد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ام المومنین فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی چار رکعات پڑھتے تھے اور جس قدر چاہتے اضافہ فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں مگر یہ کہ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پڑھتے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں: فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے پس آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعات پڑھیں میں نے اس سے زیادہ ہلکی پھلکی نماز کبھی نہیں دیکھی البتہ آپ رکوع اور سجدہ کو پورا کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے' فرماتی ہیں: یہ چاشت کا وقت تھا۔

"صحیح مسلم میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے سال ان کے گھر میں آٹھ رکعات ایک کپڑے میں ادا کیں اور اس کے دونوں کناروں کو مخالف سمت میں ڈال رکھا تھا۔

"سنن نسائی میں ہے کہ" حضرت ام ہانی فتح مکہ کے سال (دن مراد ہے) نبی اکرم ﷺ کی طرف گئیں تو انہوں نے آپ کو یوں پایا کہ آپ غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے سے آپ کے لئے پردہ کر رکھا تھا حضرت ام ہانی نے سلام کیا تو آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ (فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا میں ام ہانی ہوں فرماتی ہیں جب غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہو کر آٹھ رکعات پڑھیں اور آپ نے ایک کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: 1918' مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۳۔۴۲۵)

"سنن ابی داؤد میں ہے کہ" فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے چاشت کے نوافل آٹھ رکعات پڑھے آپ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے۔

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی" روایت سے استدلال کیا گیا کہ چاشت کی نماز کا ہلکا پھلکا ہونا مستحب ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح کے مسائل کے لئے جلدی فارغ ہونا چاہتے ہوں کیونکہ آپ اس میں مشغول تھے اور آپ کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ نے چاشت کی نماز پڑھی اور اس کو لمبا کیا۔ یہ بات ابن ابی شیبہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام حاکم نے اسحاق بن بشر محاربی کی روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز بارہ رکعات پڑھتے تھے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ حضرت ابن جبیر بن مطعم سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو چاشت کے وقت چھ رکعات پڑھتے دیکھا ہے یہ حدیث بھی امام حاکم نے روایت کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو سفر میں چاشت کی نماز آٹھ رکعات پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور ابن خزیمہ اور ابن حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے "اپنی السنن الکبریٰ میں" روایت کیا امام احمد اور ابو یعلیٰ نے بھی اسے روایت کیا اور اس کی سند عمدہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز صرف دو دن پڑھتے تھے جس دن مکہ مکرمہ تشریف لاتے اور جس دن مدینہ طیبہ تشریف لاتے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن عدی نے "الکامل میں" نقل کی۔ عمرو بن عبید' حضرت حسن سے اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ابھی آپ بچے تھے جب حضور ﷺ نے سجدہ کیا تو وہ آپ کی پیٹھ پر سوار ہو گئے (آگے پوری حدیث ہے)۔ اس حدیث میں عمرو بن عبید متروک ہیں (ان سے حدیث نہیں لی جاتی)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاشت کی چھ رکعات پڑھیں یہ حدیث

امام حاکم نے روایت کی ہے۔

شیخ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں: اس سلسلے میں بہت سی مشہور احادیث مروی ہیں حتیٰ کہ محمد بن جریر طبری نے فرمایا کہ یہ احادیث حد تواتر کو پہنچتی ہیں۔

ابن عراقی کہتے ہیں: یہ (چاشت کی نماز) نبی اکرم ﷺ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز بھی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ. (ص:۱۸)	بے شک ہم نے ان (داؤد علیہ السلام) کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا ان کے ساتھ شام اور چاشت کے وقت تسبیح کرتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے دین میں اس کی جگہ عصر کو باقی رکھا اور اشراق کی نماز منسوخ ہوگئی۔

قائلینِ نفی کے دلائل

جو لوگ نماز اشراق کی نفی کے قائل ہیں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کسی عمل کو چھوڑ دیتے حالانکہ وہ اس پر عمل کرنا پسند کرتے تھے لیکن اس خوف سے (چھوڑتے تھے) کہ لوگ اس پر عمل کریں گے اور وہ ان پر فرض ہو جائے گا۔ اور نبی اکرم ﷺ نے چاشت کبھی نہیں پڑھی اور میں پڑھتی ہوں۔

نیز مورق عجلی کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں؟ فرمایا: نہیں، میں نے کہا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ؟ فرمایا: نہیں، میں نے کہا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ؟ فرمایا نہیں، میں نے پوچھا: نبی اکرم ﷺ؟ فرمایا: میرے خیال میں آپ بھی نہیں پڑھتے۔ آپ نے ''لا اخالہ'' کا لفظ استعمال فرمایا یعنی میرا گمان نہیں ہے یہ لفظ ہمزہ کے نیچے کسرہ اور اس کے اوپر فتح کے ساتھ دونوں طرح ہے اور خاء نقطے والی ہے۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے نماز چاشت سے زیادہ فضیلت والی بدعت نہیں نکالی (یعنی یہ بدعت حسنہ ہے)۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں اور حضرت عروہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے ہم نے ان سے لوگوں کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ بدعت ہے (اچھی بدعت مراد ہے جیسا کہ پچھلی حدیث میں ان کا قول گذر چکا ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت حکم بن اعرج سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز چاشت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ بدعت ہے اور کیا ہی اچھی بدعت ہے؟

حضرت عبد الرزاق صحیح سند کے ساتھ حضرت سالم سے اور وہ اپنے والد (عبد اللہ بن عمر) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو (اس وقت تک) کوئی بھی چاشت کی نماز نہیں پڑھتا تھا اور میرے

نزدیک لوگوں نے اس سے زیادہ پسندیدہ بدعت نہیں نکالی۔

نصوص کو جمع کرنا

علماء کرام نے ان احادیث کو یوں جمع کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس خوف سے چاشت کی نماز ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے کہ آپ کی امت پر فرض نہ ہو جائے پس اُپ اس سے عاجز ہو جائیں لیکن آپ پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واضح الفاظ میں بتایا جو پہلے گذر چکا ہے اور جس طرح ام ہانی وغیرہ (رضی اللہ عنہم) نے ذکر کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ "میں نے آپ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا" یہ آپ کے اس قول کے منافی نہیں کہ "آپ پڑھتے تھے" کیونکہ چاشت کے وقت نبی اکرم ﷺ ان کے پاس کبھی کبھار ہی ہوتے تھے۔ اس لئے کہ بعض اوقات آپ سفر میں ہوتے اور کبھی موجود ہوتے اور موجودگی کی صورت میں کبھی مسجد میں ہوتے اور کبھی کسی دوسری زوجہ مطہرہ کے ہاں یا کسی اور کے ہاں ہوتے اور انہوں نے آپ کو ان نادر اوقات میں نماز چاشت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا پس فرمایا میں نے آپ کو نہیں دیکھا لیکن دیکھنے کے بغیر خود نبی اکرم ﷺ کے بتانے یا کسی اور کے خبر دینے سے اس بات کا علم حاصل ہوا تو یہ بات روایت فرمادی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ میرے خیال میں ایسا نہیں تو ان کے توقف کا سبب یہ تھا کہ ان کو کسی دوسرے سے یہ بات پہنچی کہ آپ نے یہ نماز پڑھی ہے اور ان کو راوی سے یقین حاصل نہ ہوا۔

ان کا یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ ان تک مذکورہ احادیث نہیں پہنچیں یا ان کی مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ نماز ہمیشہ نہیں پڑھی یا یہ کہ اس کو مساجد وغیرہ میں ظاہری طور پر پڑھنا بدعت ہے، یہ سنت بطور نفل ہے جو گھروں میں پڑھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ان احادیث میں ایسی کوئی بات نہیں جو نماز چاشت کے جواز کو دور کرتی ہو کیونکہ ان کی نفی نہ دیکھنے پر محمول ہے نفس الامر میں اس نماز کے واقع نہ ہونے پر نہیں یا آپ نے ایک مخصوص صفت کی نفی کی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے ایک جماعت کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان پر اعتراض کیا اور فرمایا اگر یہ ضروری ہے تو گھروں میں پڑھو۔

دوسرے حضرات اس کو کبھی کبھار پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں چند دن پڑھی جائے اور کچھ ایام میں نہ پڑھی جائے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ نماز ایک دن پڑھتے اور دس دن نہیں پڑھتے تھے۔[1]

نمازِ چاشت کی رکعات اور اس کے پڑھنے کا سبب

دوسرے حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یہ نماز کسی سبب کی بنیاد پر پڑھی جائے اور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فتح کی وجہ سے پڑھی تھی اور امراء اسے 'صلاۃ الفتح' کہتے تھے۔

---

[1] ہو سکتا ہے وہ پابندی اس لئے نہ کرتے ہوں کہ لوگ اسے فرض نہ سمجھ لیں اور یہ بھی امکان ہے کہ وہ روزانہ پڑھتے ہوں لیکن انہیں بھی پتہ نہ ہو۔ ۱۲ ہزاروی

ان کی دلیل حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اوران کے علاوہ حضرات کا قول ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث اس سلسلے میں ظاہر نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سنتِ چاشت کا قصد فرمایا انہوں نے صرف نماز کے وقت کے بارے میں خبر دی ہے وہ فرماتے ہیں یہ گذشتہ رات کے وظیفہ کی قضاء تھی جو مشغولیت کی وجہ سے رہ گیا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا کہ اس سے استدلال صحیح ہے۔ کیونکہ امام ابوداؤد نے حضرت کریب کی سند سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے چاشت کے نفل پڑھے۔

اور ''صحیح مسلم میں کتاب الطہارت میں'' ابومرہ کے طریق سے حضرت ام ہانی سے فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ کے غسل کے بارے میں مروی ہے کہ پھر آپ نے چاشت کے نفل آٹھ رکعات پڑھے۔

ابن عبدالبر نے ''التمہید میں'' حضرت عکرمہ بن خالد کے طریق سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ نے آٹھ رکعات پڑھیں میں نے عرض کیا یہ کونسی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ چاشت کی نماز ہے۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ چاشت کی زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات ہیں۔

امام سبکی نے اسے بعید قرار دیا اوراس کی وجہ یوں بیان کی کہ عبادت میں اصل توقف ہے (یعنی جو نبی اکرم ﷺ سے معلوم ہو وہی تعداد معتبر ہوگی) اور نبی اکرم ﷺ نے زیادہ سے زیادہ رکعات یہی (آٹھ) پڑھیں اور آپ کا عمل اس سے کم تعداد میں بھی آیا ہے جس طرح حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے چاشت کی دو رکعتیں پڑھیں۔

اور نبی اکرم ﷺ کا جو ارشادِ گرامی آیا ہے اوراس میں اس سے زیادہ کا ذکر ہے جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا:

من صلی الضحی ثنتی عشرة رکعة بنی الله له قصرا فی الجنة.

جس نے چاشت کی بارہ رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں محل بنائے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۷۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۰، کشف الخفاء ج۲ص۵۷۵، اتحاف السادۃ المتقین ج۳ ص ۳۶۸، الدرالمنثور ج۵ص۲۹۹، الترغیب والترہیب ج اص ۴۶۳)

اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کر کے غریب قرار دیا اوراس کی سند میں کوئی ایسا شخص نہیں جسے ضعیف قرار دیا جائے۔

اسی لئے رویانی نے فرمایا کہ اس کی زیادہ سے زیادہ رکعات بارہ ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المہذب میں'' فرمایا کہ اس میں ایک ضعیف حدیث ہے گویا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ کررہے ہیں لیکن جب اس سے حضرت ابودرداء رضی اللہ کی مرفوع حدیث ملائی جائے جس میں آیا ہے:

ومن صلی ثنتی عشرة رکعة بنی الله له بیتا فی الجنة.

اور جو شخص بارہ رکعات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

(سنن نسائی ج۳ص۲۶۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۸۹)

اس کو امام طبرانی نے روایت کیا۔
اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ملایا جائے جس کو امام بزار نے نقل کیا اور اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔ تو یہ حدیث (حضرت انس رضی اللہ عنہ والی) قوی ہو جائے گی اور اس میں یہ صلاحیت ہوگی کہ اس سے استدلال کیا جائے۔
امام ترمذی نے امام احمد سے نقل کیا کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح روایت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے اور بات وہی جو انہوں نے فرمائی ہے اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضہ میں" فرمایا: افضل آٹھ رکعات ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں۔ تو انہوں نے اکثر اور افضل کے درمیان فرق کیا ہے۔
جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ چاشت کی نماز کسی سبب کے بغیر نہ پڑھی جائے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا جواب دیتے ہیں جو "صحیح بخاری میں" مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

اوصانی خلیلی ﷺ بثلاث لا ادعھن حتی اموت صوم ثلاثۃ ایام من کل شھر و صلاۃ الضحی (ونوم علی وتر)	میرے خلیل (نبی اکرم) ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں تین چیزوں کو نہ چھوڑوں ہر مہینے میں تین روزے اور چاشت کی نماز (اور وتر پڑھ کر سونا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳-۲۵۸-۲۶۰' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۱۷)

اس کا جواب یوں دیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رات کے وقت درس حدیث کو نماز پر ترجیح دیتے تھے تو آپ کو قیام لیل کی جگہ چاشت کی نماز کا حکم دیا اسی لئے ان کو حکم فرمایا کہ وہ وتر پڑھ کر سویا کریں جب کہ حضرت ابو بکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور دوسرے کسی صحابی (رضی اللہ عنہم) کو یہ حکم نہیں دیا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے اس وصیت کی طرح حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے لئے وصیت بھی آتی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی ہے اسے امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں اس وصیت میں حکمت یہ ہے کہ اس بات کی پابندی سے نفس نماز اور روزے کا عادی بن جائے اور کھلے دل کے ساتھ واجب (کی ادائیگی) میں داخل ہو اور شاید کوئی کمی وغیرہ واقع ہو تو اس کو بھی پورا کیا جا سکے۔

نمازِ چاشت کے فوائد

نمازِ چاشت کے فوائد میں سے یہ بات ہے کہ یہ انسانی جسم کے تین سو ساٹھ جوڑوں پر واجب ہونے والے صدقہ کی جگہ کفایت کرتی ہے۔
جیسا کہ "صحیح مسلم میں" حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے اس میں فرمایا کہ اس (صدقہ) کی جگہ چاشت کی دو رکعتیں کفایت کرتی ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۴۷)
ہمارے (مصنف کے) اصحاب (شافعی مسلک والے حضرات) نے ذکر کیا کہ سنت مؤکدہ کے بعد سب سے افضل نفل چاشت کی نماز ہے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے "شرح المہذب میں" نماز تراویح کو ان پر مقدم کیا ہے۔ انہوں نے تراویح کو فضیلت میں سنت مؤکدہ اور چاشت کے درمیان رکھا ہے۔

حافظ ابوالفضل عراقی نے ''شرح ترمذی میں'' نقل کیا کہ عوام کے درمیان مشہور ہے کہ جو شخص چاشت کی نماز پڑھتے پڑھتے چھوڑ دے وہ اندھا ہو جاتا ہے تو اس وجہ سے کئی لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا لیکن ان لوگوں کی بات کی کوئی اصل نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ان باتوں میں سے ہے جو شیطان' عوام کی زبانوں پر جاری کرتا ہے تاکہ ان کو خیر کثیر سے محروم کردے۔

خصوصاً وہ بات جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئی ہے اور وصیت میں صرف ان تین باتوں کو رکھا گیا جن کا حدیث میں ذکر کیا گیا کیونکہ نماز اور روزہ بدنی عبادت میں سے سب سے زیادہ شرف والی عبادتیں ہیں۔ اور وہ مذکورہ حضرات مالدار نہیں تھے پس ان کے لئے اعضاء کے صدقہ کی جگہ یہ کافی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ واللہ اعلم

امام حاکم نے حضرت ابوالخیر کے طریق سے حضرت عقبہ بن عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مختلف سورتوں کے ساتھ چاشت کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ان سورتوں میں سے ''والشمس و ضحاها'' اور ''والضحی واللیل اذا سجی'' بھی ہے اور ان سورتوں کی مناسبت بہت واضح ہے (کیونکہ ان میں چاشت کا ذکر ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نمازِ چاشت نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے نہیں ہے

تنبیہ۔ شیخ الاسلام والحفاظ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''صحیح بخاری میں (مروی)'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا وہ فرماتی: ''میں نے نبی اکرم ﷺ کو چاشت کے نوافل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا''۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان سے جو مروی ہے کہ چاشت کی نماز نبی اکرم ﷺ پر واجب تھی' یہ ضعیف قول ہے جب کہ ایک جماعت نے اسے آپ کی خصوصیات میں ذکر کیا لیکن یہ بات صحیح خبر میں ثابت نہیں ہے۔

''الحاوی میں'' الماوردی کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے بعد وصال تک اسے پابندی سے پڑھتے تھے تو یہ' حدیث ام ہانی کے خلاف ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں آپ نے اس (فتح مکہ) سے پہلے اور بعد نماز چاشت نہیں پڑھی۔

یہ نہ کہا جائے کہ حضرت ام ہانی کے نفی کرنے سے عدم (نہ پڑھنا) لازم آتا ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں جو شخص یہ حدیث ثابت کرتا ہے وہ دلیل دینے کا محتاج ہے اور اگر کوئی دلیل پائی جائے تو بھی یہ حجت نہ ہوگی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب کوئی عمل کرتے تو اسے قائم رکھتے تو اس مواظبت (ہمیشگی) سے آپ پر وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

ابن عربی نے ''عارضة الاحوذی میں'' فرمایا ہمیں ابوالحسن ارذی نے خبر دی وہ فرماتے ہیں ہمیں طاہر نے خبر دی وہ فرماتے ہیں: ہمیں علی نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں ابوالعباس عبداللہ بن عبدالرحمٰن عسکری نے خبر دی کہ حسین ختنی نے ہم سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ابوغسان نے وہ کہتے ہیں ہم سے قیس نے حضرت جابر سے انہوں نے حضرت عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر قربانی فرض کی گئی اور تم پر فرض نہیں ہوئی اور مجھے چاشت (کی نماز) کا حکم ہوا تمہیں نہیں ہوا (یعنی تم پر واجب

نہیں مستحب ہے)۔ (مسند احمد ج۱ص۳۱۷، السنن الکبریٰ ج۷ص۸۹۔ج۹ص۲۶۴، المعجم الکبیر ج۱۱ص۳۰۱، سنن دارقطنی ج۴ ص۲۸۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۵۰۷۷، الکامل فی الضعفاء ج۲ص۵۱۳)

دوسری قسم

نبی اکرم ﷺ کے نوافل اور ان کے احکام

اس قسم میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

اوقاتِ مخصوصہ میں پڑھے جانے والے نوافل

اس باب میں دو فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

پانچ نماز اور جمعہ کی سنت مؤکدہ

پہلی نوع

تمام سنت مؤکدہ کی جامع احادیث

حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں خانۂ اقدس میں پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے، جمعہ کے بعد نماز نہ پڑھتے حتیٰ کہ گھر تشریف لے جاتے پس وہاں دو رکعتیں پڑھتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۹۳۷۔۱۱۶۵۔۱۱۷۲۔۱۱۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ مؤذن جب صبح کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا اور صبح ظاہر ہو جاتی تو نبی اکرم ﷺ (فرض) نماز کھڑی ہونے سے پہلے دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۷، سنن نسائی ج۳ص۲۵۵، مسند احمد ج۶ص۲۸۴، السنن الکبریٰ ج۲ ص۴۶۱)

تو یہ دس رکعات ہیں کیونکہ جمعہ کے بعد کی دو رکعتیں ظہر کے بعد کی دو رکعتوں کے ساتھ جمع نہیں ہوتیں البتہ کوئی

عارضہ ہو مثلاً جمعہ کی نماز اور اس کے بعد کی سنتیں پڑھے پھر اس کے لئے واضح ہو کہ جمعہ کی نماز فاسد ہوگئی ہے تو ظہر کی نماز پڑھے اور اس کے بعد اس کی سنتیں پڑھے جس طرح شیخ ولی الدین عراقی نے بتایا ہے۔

حدیث شریف میں ''کان'' کا لفظ ہے (ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی) کیا یہ تکرار پر دلالت کرتا ہے؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ ابن حاجب نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ تکرار کا تقاضا کرتا ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے یہ بات اہل عرب کے اس قول سے حاصل کی ''کان حاتم یقری الضیف حاتم مہمانوں کی مہمان نوازی کیا کرتا تھا'' (یعنی عمل میں تکرار ہے)۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ''المحصول'' میں اس بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ (کان) تکرار کو نہیں چاہتا نہ لغوی اعتبار سے اور نہ ہی عرفی اعتبار سے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' فرمایا: کہ مختار بات جس پر اکثر حضرات متفق ہیں یہی ہے اور محقق اصولی بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابن دقیق العید نے ذکر کیا کہ عرفی اعتبار سے یہ تکرار کو چاہتا ہے۔

اس بنیاد پر حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ سے ان نوافل (سنتوں) کے تکرار پر دلالت پائی جاتی ہے اور یہ کہ آپ کا طریقہ اور عادت مبارکہ تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے گھر میں چار رکعات پڑھتے پھر تشریف لے جاتے اور صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے پھر گھر میں تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے۔

اور صحابہ کرام کو مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد گھر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے پھر صحابہ کرام کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور گھر میں تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب فجر طلوع ہو جاتی تو دو رکعتیں پڑھتے۔ تو اس طرح بارہ رکعات ہوئیں۔ (احناف کا اسی پر عمل ہے۔ ۱۲ ہزاروی) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۱۶۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۳۴۰۔ ج ۵ ص ۱۴۵، تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۳۷۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعات اور فجر سے پہلے دو رکعات نہیں چھوڑتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۵۳)

ایک روایت میں ہے کہ آپ دو نمازوں کو پوشیدہ اور ظاہر کسی صورت میں سفر ہو یا حضر نہیں چھوڑتے تھے، صبح سے پہلے دو رکعتیں اور عصر کے بعد دو رکعتیں۔

دوسری نوع

فجر کی دو رکعتیں

ان رکعتوں کی تاکید و تخفیف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ فجر کی دو رکعتوں سے زیادہ کسی نفل نماز (سنتیں اور نوافل

دونوں مراد ہیں) کی پابندی اور پرواہ نہیں کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۲۵۴)

"صحیح مسلم میں ہے کہ" آپ نے فرمایا یہ دو رکعتیں مجھے تمام دنیا سے زیادہ پسند ہیں۔ ۱؎ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۷)

جب مؤذن خاموش ہو جاتا اور صبح کی روشنی ہو جاتی تو اس وقت نہایت اختصار کے ساتھ یہ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

اسی حدیث کو امام بخاری و مسلم نے روایت کیا اور یہ سنن نسائی کے الفاظ ہیں۔

ان رکعتوں کو ہلکا پھلکا پڑھنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مقصد صبح کی نماز اول وقت میں پڑھنے کی جلدی ہوتی تھی۔

امام قرطبی نے اس بات کو قطعی قرار دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ دن کی نماز کو مختصر رکعتوں سے شروع کرنا مقصود تھا۔ جیسا کہ آپ رات کی نماز میں یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تاکہ فرض نماز یا جو اس کے مشابہ ہے اس میں ہشاش بشاش اور پوری مستعدی سے داخل ہوں۔

بعض حضرات ان دو رکعتوں میں طویل قرأت کی طرف گئے ہیں اکثر حنفی حضرات کا یہی قول ہے اور امام شعبی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

امام بیہقی نے اس سلسلے میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ارسال کے ساتھ مرفوع حدیث نقل کی ہے (یعنی حضرت سعید بن جبیر نے براہ راست نہیں سنی) اور اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے جس کا نام نہیں لیا' بعض حضرات نے کہا کہ طویل قرأت اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس کی رات کی نماز سے کچھ قرأت رہ جائے تو وہ فجر کی ان دو رکعتوں میں اسے پالے۔ ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت امام حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کی ہے۔

فجر کی سنتوں میں قرأت

نبی اکرم ﷺ اکثر ان میں سے پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی آیت "قولوا امنا باللہ وما انزل الینا" (البقرہ:۱۳۶) اور دوسری رکعت میں "قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ۔۔۔ واشھدوا بانا مسلمون" (آل عمران:۶۴) تک پڑھتے۔

اس حدیث کو امام مسلم' ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ابوداؤد کی روایت جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یوں ہے کہ پہلی رکعت میں "قولوا امنا باللہ وما انزل الینا" اور دوسری رکعت میں "ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشھدین" (آل عمران:۵۳) یا "انا ارسلنک بالحق بشیرا ونذیرا ولا تسال عن اصحاب الجحیم" (البقرہ:۱۱۹) پڑھتے تھے' امام ابوداؤد فرماتے ہیں راوی کو شک ہے۔

۱؎ ایک دفعہ جب عبدالقیس کا وفد مسلمان ہو کر آیا تو ظہر کے بعد کی دو سنتیں رہ گئیں تو نبی اکرم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی عمل شروع کرتے تو اسے جاری رکھتے اس لئے آپ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے یہ آپ کی خصوصیت تھی (دوسرے کسی کے لئے عصر کے بعد نوافل جائز نہیں)۔ زرقانی ج ۸ ص ۱۷

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں "قل یا یھا الکفرون" اور "قل ھو اللہ احد" کی قرأت فرمائی۔

امام ابن ماجہ نے قوی سند کے ساتھ بواسطہ حضرت عبداللہ بن شقیق' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے اور فرماتے تھے: یہ دو نہایت اچھی سورتیں ہیں جو فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں پڑھی جائیں ایک "قل یا یھا الکفرون" اور دوسری "قل ھو اللہ احد"۔

ابن ابی شیبہ نے ابن سیرین کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا (وہ فرماتی ہیں:) کہ نبی اکرم ﷺ ان دو سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔

امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے ایک مہینہ نبی اکرم ﷺ کی نماز کو غور سے دیکھا تو آپ ان دو سورتوں کی قرأت فرماتے تھے۔

بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ فجر کی دو سنتوں میں بلند آواز سے قرأت کی جائے لیکن اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بات آپ کو اس طرح معلوم ہوئی ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے سورت کا کچھ حصہ (بلند آواز سے) پڑھا ہو۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ابن سیرین کی مذکورہ بالا روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے ان رکعتوں میں مختصر قرأت کی۔ ابن عبدالبر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

بعض حضرات نے ان احادیث سے اس بات پر بھی استدلال کیا ہے کہ فاتحہ متعین نہیں کیونکہ اخلاص کی دو سورتوں (الکافرون اور الاخلاص) کے ساتھ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ فاتحہ کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ یہ واضح بات ہے۔

سنتِ فجر کے بعد لیٹنا

نبی اکرم ﷺ فجر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۶۰)

کیونکہ نبی کریم ﷺ دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ دل بائیں جانب ہوتا ہے اگر اس پہلو پر لیٹا جائے تو نیند گھیر لیتی ہے کیونکہ اس میں آرام زیادہ ہے بخلاف دائیں جانب کے پس دل لٹک رہا ہوتا ہے تو نیند گہری نہیں ہوتی اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے علاوہ لوگوں کے لئے ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے (کیونکہ آپ غافل نہیں ہوتے تھے)۔

اور وہ روایت جس میں آیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے صبح کی دو رکعتیں پڑھیں پھر لیٹ گیا تو آپ نے فرمایا تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا میں نے نماز کے درمیان تفریق کے لئے کیا تو آپ نے فرمایا سلام سے افضل فرق کیا ہے؟ اس نے کہا یہ سنت ہے' آپ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔

اس حدیث کو ابن اثیر نے اپنی جامع میں حضرت رزین سے نقل کیا اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی

انکار مروی ہے اور حضرت ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ یہ شیطان کا لیٹنا ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۴۷)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ ان لوگوں تک نبی اکرم ﷺ کے فعل کی خبر نہیں پہنچی۔

سب سے زیادہ ترجیح اس قول کو ہے کہ (سنتوں اور فرض میں) فرق اور جدائی کرنے کے لیے یہ جائز ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ اس طرح نہیں کیا اسی لئے ائمہ کرام نے عدم وجوب پر استدلال کیا اور ابوداؤد وغیرہ کے نزدیک جو امر کی روایات ہیں ان کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ صبح کی (فرض) نماز کے لئے طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے اسی لئے یہ مستحب ہے البتہ جو عبادت میں خوب کوشش کرتا ہے اس کے لئے مستحب نہیں' ابن عربی نے اسی بات کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے۔

اس بات کی شہادت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو عبدالرزاق نے نقل کی ہے آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سنت کے طور نہیں لیٹتے تھے لیکن آپ رات کو تھک جاتے تو آرام فرماتے۔

اس حدیث میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔

کہا گیا ہے کہ اس کا فائدہ فجر کی سنتوں اور فرض نماز کو الگ الگ کرنا ہے اسی وجہ سے یہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص نہیں۔ اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر اس کام سے سنت ادا ہو جاتی ہے جس سے فصل حاصل ہو مثلاً چلنا اور گفتگو وغیرہ۔ یہ بات امام بیہقی نے ذکر کی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مختار یہ ہے کہ یہ سنت ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ظاہر ہے حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسجد کی طرف جانے کی صورت میں فصل کا پایا جانا کافی ہے۔

ابن حزم نے حد سے بڑھتے ہوئے کہا کہ ہر ایک پر واجب ہے اور اس کو نماز فجر کے صحیح ہونے کے لئے شرط قرار دیا لیکن بعد کے علماء نے ان کا رد کیا حتیٰ کہ ابن تیمیہ نے حدیث کی صحت پر طعن کیا کیونکہ اس میں عبدالواحد بن زیادہ تنہا ہیں اور اس شخص کے حافظہ کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور حق یہ ہے کہ اس حدیث کو حجت بنایا جا سکتا ہے۔

بعض بزرگوں کے نزدیک گھر میں مستحب ہے' مسجد میں نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی بات منقول ہے اور ہمارے بعض شیوخ نے اسے یوں قوی بنایا کہ نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ نے مسجد میں یہ طریقہ اختیار کیا ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ جو شخص مسجد میں اس طرح کرتا آپ اسے کنکری سے مارتے۔

یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے۔ (الفتح الباری ج ۳ ص ۵۵)

اور نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکے وہ سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۲۷۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۲۳' شرح السنہ ج ۳ ص ۳۳۵' تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۰۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۳۳۱) اسے امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

تیسری نوع

ظہر کی سنت مؤکدہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ظہر سے پہلے دو اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے چار اور صبح سے پہلے دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ جب گھر میں پڑھتے تو چار رکعات پڑھتے اور جب مسجد میں پڑھتے تو دو رکعات پڑھتے تو یہ زیادہ ظاہر ہے اور یہ کہا کہ اس طرح بھی کرتے اور اس طرح بھی (دونوں طرح کرتے تھے) تو ہر ایک نے یعنی حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے وہی بیان کیا جو دیکھا اور دونوں حدیثیں صحیح ہیں' ان میں سے ایک پر بھی طعن نہیں۔

حضرت ابو جعفر طبری فرماتے ہیں عام طور پر آپ چار رکعات پڑھتے اور بہت کم دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعات ظہر کی سنتیں نہیں ہیں بلکہ یہ مستقل نماز ہے جسے آپ زوال کے بعد پڑھتے تھے۔

امام بزار حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نصف النہار (زوال) کے بعد نماز پڑھنا پسند کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ اس وقت نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف رحمت سے دیکھتا ہے اور یہ وہ نماز ہے جس کی حفاظت (اور پابندی) حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) نے بھی کی ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۴۵' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۱۹' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۰۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۴۶۳)

حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ زوال شمس کے بعد اور ظہر سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے اور فرماتے: یہ وہ ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ اس میں میرا اچھا عمل اوپر کو جائے۔

امام ترمذی نے ہی یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ ظہر سے پہلے اور زوال کے بعد چار رکعات جیسی نماز سحری کی نماز جیسی شمار ہوتی ہے اور اس وقت ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ. (النحل: ۴۸)

اس کی پرچھائیاں داہنے بائیں جھکتی ہیں' اللہ کو سجدہ کرتی اور اس کے حضور ذلیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ہو سکتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ چار رکعات ہوں کہ آپ ان کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

لیکن ظہر کی سنتیں دو رکعت ہوں جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ تمام نمازوں کی سنتیں وہ دو رکعتیں ہیں اس بنیاد پر یہ چار رکعات مستقل نماز کے طور پر آئی ہیں اور اس کا سبب دن کا نصف ہونا اور سورج کا ڈھل جانا ہے۔

اس میں راز یہ ہے کہ دن کا نصف، رات کے نصف کے مقابل ہے اور سورج ڈھلنے کے بعد آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور نصف رات کے بعد رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو یہ دونوں رحمت کے قریب ہونے کا وقت ہیں اس میں (زوال کے وقت میں) آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور اس میں (نصف رات کے وقت) رب تبارک وتعالیٰ کا نزول ہوتا ہے جو جسمانی حرکت سے پاک ہے (جیسا اس کے شایانِ شان ہے تو اس کی رحمت کا نزول مراد ہے)۔

چوتھی نوع

سنتِ عصر

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر سے پہلے چار رکعتیں اس طرح پڑھتے کہ درمیان میں ملائکہ مقربین اور ان کی اتباع کرنے والے مسلمانوں اور مومنین پر سلام فرماتے۔

ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

رحم الله امرأ صلى قبل العصر اربعا. اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۲۷۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۰، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۷۳، موارد الظمان رقم الحدیث: ۶۱۶، مشکوۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۱۷۰، شرح السنہ ج ۳ ص ۴۷۰، الکامل ج ۶ ص ۲۲۴۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۳۱۰_۱۹۳۹۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس دن میری باری ہوتی تو نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے میرے ہاں کبھی بھی عصر کے بعد دو رکعتوں کو (پڑھنا) نہیں چھوڑا۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین سے ان دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا جو نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا آپ عصر سے پہلے پڑھا کرتے تھے پھر ان سے (دوسری طرف) مشغول ہو گئے اور ان کو بھول گئے تو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں پھر ان کو برقرار رکھا کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی نماز پڑھتے تو پھر اسے ثابت رکھتے یعنی ہمیشہ پڑھتے تھے۔

ابو داؤد کی روایت میں ہے ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اور

(دوسروں کو) منع فرماتے تھے اور صوم وصال رکھتے اور (دوسروں کو) صوم وصال سے منع فرماتے۔[1]

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۸۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں اس لئے پڑھیں کہ آپ اس مال کی تقسیم میں مشغول ہوئے جو آپ کے پاس آیا اور ظہر کے بعد کی دو رکعتیں رہ گئیں پس آپ نے ان کو عصر کے بعد قضاء کیا پھر دوبارہ یہ دو رکعتیں نہیں پڑھیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ان دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے پھر میں نے دیکھا کہ آپ ان کو پڑھتے جب عصر کی نماز پڑھ لیتے پھر میں نے آپ سے ان دونوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: میرے پاس عبدالقیس کے کچھ لوگ مسلمان بن کر آئے تو انہوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مصروف رکھا تو یہ دو رکعتیں وہ ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۵۷)

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ لوگوں کو ان رکعتوں سے روکتا تھا۔

ابن قیم نے کہا کہ ممنوع اوقات میں سنت مؤکدہ کا نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت سب کے لئے ایک ہی حکم ہے لیکن ممنوع وقت میں ان دو رکعتوں کا ہمیشہ پڑھنا آپ کے ساتھ خاص ہے۔ ابن قیم نے کہا کہ یہ عمل آپ کے خصائص میں شمار کیا گیا ہے۔

اس پر دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے اور دوسروں کو منع فرماتے تھے اور آپ صوم وصال رکھتے لیکن دوسروں کو منع فرماتے لیکن امام بیہقی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اس نماز کا ہمیشہ پڑھنا خاص ہے محض قضاء نہیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت نقل کی ہے کہ آپ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں کیونکہ آپ مال تقسیم کرنے میں مشغول ہوئے جو آپ کے پاس آیا تھا تو یہ جریر کی روایت ہے وہ حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اسے ان سے (اس وقت) سنا جب اس میں (الفاظ کا) اختلاط ہو گیا اور اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی شاہد ہو گی لیکن ان کے قول "پھر آپ نے نہیں پڑھیں" کا ظاہر بتاتا ہے کہ یہ حدیث اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ٹکراتی ہے لیکن نفی کو راوی کے علم کی نفی پر محمول کیا جائے گا کہ ان کو اس پر اطلاع نہ ہوئی پس ثابت کرنے والوں کا قول نفی کرنے والوں کے قول پر مقدم ہے۔

اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے حجرۂ مبارکہ میں ایک مرتبہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں ان ہی سے ایک روایت ہے کہ میں نے آپ کو اس سے پہلے اور بعد یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا تو ان دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا جائے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ رکعتیں صرف اپنے خانۂ اقدس میں پڑھیں اسی لئے حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو (ہمیشہ پڑھتے ہوئے) نہیں دیکھا اور اس بات کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت

[1] اس روایت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عصر کے بعد کی دو رکعتیں نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت میں شمار ہوتی ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

میں ان کا اشارہ ملتا ہے' فرماتی ہیں کہ آپ مسجد میں اس بات کے خوف سے نہیں پڑھتے تھے کہ آپ کی امت پر بوجھ ہوگا۔
اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ جس دن بھی میرے پاس ہوتے (میری باری ہوتی) تو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تو اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ جب مشغولیت کی وجہ سے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں رہ جاتیں تو ان کو پڑھتے ان کی مراد یہ نہیں کہ نماز فرض ہونے کے بعد سے عمر کے آخری وقت تک آپ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے رہے۔

پانچویں نوع

مغرب کی سنتِ مؤکدہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے بے شمار مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے مغرب کی نماز کے بعد والی دو رکعتوں میں اور فجر کی (فرض) نماز سے پہلے والی دو رکعتوں میں ''قل یا یھا الکفرون'' اور ''قل ھو اللہ احد'' پڑھتے ہوئے سنا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مغرب کے بعد والی دو رکعتوں میں لمبی قرأت فرماتے حتیٰ کہ اہلِ مسجد (نمازی) چلے جاتے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۱۔۱۳۰۲' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۰' مشکوٰۃ المصابیح للتبریزی رقم الحدیث: ۱۱۸۳)
اور نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام' نبی اکرم ﷺ کا ان کے پاس تشریف لانے سے پہلے مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمھم اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔
''سنن ابوداؤد میں'' ایک روایت ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں (مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہوئے) دیکھا تو نہ حکم دیا اور نہ ہی منع فرمایا۔
حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اس طرح کیا کرتے تھے۔
اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غروب آفتاب کے بعد اور مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتوں پر صحابہ کرام کو برقرار رکھا اور انہوں نے اس پر عمل کیا اور یہ مستحب ہونے کی دلیل ہے۔
اور نبی اکرم ﷺ کا یہ دو رکعتیں نہ پڑھنا استحباب کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہ سنت مؤکدہ نہیں (بلکہ سنت غیر مؤکدہ بھی نہیں کیونکہ آپ نہیں پڑھتے تھے اس لئے مطلقاً سنت نہیں۔ ۱۲ ہزاروی)۔
امام احمد' اسحاق اور اصحاب حدیث ان دو رکعتوں کو مستحب قرار دیتے ہیں۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے دور میں کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے یہ دو رکعتیں پڑھی ہوں۔
چاروں خلفاء اور صحابہ کرام کی ایک جماعت یہ دو رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔

بعض مالکی حضرات نے ان دو رکعتوں کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ نسخ کی کوئی دلیل نہیں اور ثابت کرنے والے یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت' نفی کرنے والے یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے مقدم ہے۔

حضرت سعید بن میسب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے تھے: کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ موذن کی اذان کے بعد دو رکعتیں پڑھے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے ان کا آخری قول یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے۔

شافعی مسلک والوں کے نزدیک بھی یہی بات ہے جسے امام نووی اور ان کی اتباع کرنے والوں نے ترجیح دی ہے انہوں نے ''شرح مسلم میں'' فرمایا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ان دو رکعتوں کی وجہ سے مغرب کی نماز اول وقت سے موخر ہو جاتی ہے تو یہ فاسد خیال ہے جو سنت کو دور کرنے والا ہے پھر یہ کہ اس کے لئے تھوڑا سا وقت ہے جس سے نماز کی اول وقت سے تاخیر نہیں ہوتی اور دلائل کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو چاہے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۳' سنن ابوداود رقم الحدیث: ۱۲۸۱' السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۴۷۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۲۸۹' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۶۵' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۱۶۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۳۵۰' شرح السنہ ج ۳ ص ۴۷۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۴۱۸) (یہ اختیار) اس حد کی بنیاد پر (ہے) کہ لوگ اسے سنت نہ بنالیں۔

محب طبری نے کہا کہ اس سے استحباب کی نفی مراد نہیں کیونکہ ممکن نہیں کہ آپ غیر مستحب کا حکم دیتے بلکہ یہ حدیث اس نماز کے نفل ہونے پر سب سے بڑی دلیل ہے۔

سنت بنانے کا مطلب اسے شریعت اور طریقہ لازمہ بنانا ہے۔

اور مراد یہ تھی کہ ان دو رکعتوں کا مقام سنت موکدہ سے کم ہے اسی لئے اکثر شافعی مسلک والوں نے اس نماز کو سنت موکدہ میں شمار نہیں کیا جب کہ بعض نے ان کو سنت موکدہ قرار دیا اس پر اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کا ان دو رکعتوں کو ہمیشہ پڑھنا ثابت نہیں۔

نماز مغرب کے بعد والی سنتوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ گھروں میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۳۴۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۸۲ے' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۴۲۴) اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ جس نے مغرب کے بعد کلام کرنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں اس کی نماز علیین کی طرف اٹھائی جاتی ہے۔ اس حدیث کو رزین نے نقل کیا ہے۔

چھٹی نوع

عشاء کی سنتِ مؤکدہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد جب بھی میرے گھر تشریف لاتے تو آپ نے چار یا چھ رکعات پڑھتے۔

''صحیح مسلم میں ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر آپ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد میرے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے ''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح حدیث آئی ہے۔ اس قسم کے شروع میں یہ احادیث گزر چکی ہیں۔ (مطلب یہ ہے کہ جیسے مناسب سمجھتے پڑھتے کبھی چار کبھی چھ اور کبھی دو رکعات)۔

ساتویں نوع

جمعۃ المبارک کی سنتیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھتے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے اور جمعہ کے بعد نماز نہ پڑھتے حتیٰ کہ واپس (گھر) تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی اور جمعہ کی نماز سے پہلے کسی نماز (سنتوں) کا ذکر نہیں کیا۔

ابن منیر نے کہا جیسا کہ ''فتح الباری میں'' نقل کیا کہ گویا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اصل یہ ہے کہ ظہر اور جمعہ برابر ہیں حتیٰ کہ کوئی دلیل اس کے خلاف پر دلالت کرے کیونکہ جمعہ ظہر کا بدل ہے۔

ابن بطال نے کہا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ظہر کے ذکر کے بعد جمعہ کا ذکر اس لئے کیا کہ نبی اکرم ﷺ جمعۃ المبارک کی سنتیں گھر میں پڑھتے تھے جب کہ ظہر کی یہ صورت نہیں تھی۔

وہ فرماتے ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ جمعہ جب ظہر کا بدل ہے اور اس میں دو رکعتوں پر اکتفاء کیا گیا تو اس کے بعد مسجد میں نفل پڑھنا اس خوف سے چھوڑ دیئے کہ کوئی شخص یہ گمان کرے کہ یہ وہی نماز ہے جو چھوڑی گئی ہے (یعنی ظہر کی چار رکعتوں میں سے جو رکعتیں چھوڑی گئیں اور جمعہ کے دو فرض ہوئے)۔

اس بنیاد پر مناسب ہے کہ جمعہ سے پہلے اس نماز سے ملاتے ہوئے دو رکعتیں مسجد میں نہ پڑھے (کیونکہ یہاں بھی وہی شبہ ہوگا)۔

ابوداؤد اور ابن حبان نے ایوب کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ سے پہلے طویل نماز پڑھتے اور اس کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے اور وہ بیان کرتے کہ نبی اکرم ﷺ

اسی طرح کرتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''الخلاصہ'' میں اس روایت سے جمعہ سے پہلے کی سنتوں پر استدلال کیا ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ ان کا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ اس طرح کرتے تھے یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آپ جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس پر حضرت لیث کی روایت دلالت کرتی ہے وہ بواسطہ حضرت نافع' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو واپس تشریف لا کر گھر میں دو رکعتیں پڑھتے پھر فرماتے: کہ نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ نماز جمعہ سے پہلے طویل نماز پڑھتے تھے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ وقت داخل ہونے کے بعد پڑھتے تھے تو اس کا مرفوع حدیث ہونا صحیح نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ اس وقت تشریف لاتے جب سورج ڈھل جاتا پس آپ خطبہ میں اور پھر نماز جمعہ میں مشغول ہو جاتے اور اگر وقت داخل ہونے سے پہلے پڑھنا مراد ہے تو مطلق نفل ہیں' سنت مؤکدہ نہیں پس اس سے نماز جمعہ سے پہلے کی سنتوں پر کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ مطلق نفل ہیں۔

ایک جماعت نے جمعہ سے پہلے سنتوں کا انکار کیا اور خوب انکار کیا ان میں امام شہاب الدین ابو شامہ بھی شامل ہیں۔ (ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن ابراہیم الدمشقی' متوفی ۶۶۵ھ) (الاعلام ج ۳ ص ۲۹۹' فوات الوفیات ج ۲ ص ۲۶۹' طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۶۱' البدایۃ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۵۰' غایۃ النہایہ ج ۱ ص ۳۶۵' بغیۃ الوعاۃ رقم الحدیث: ۲۹۷' تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۴۶۰)

کیونکہ جمعہ کی اذان' نبی اکرم ﷺ کے سامنے دی جاتی تھی اور آپ منبر پر ہوتے تھے پس آپ سنتیں نہیں پڑھتے تھے اسی طرح صحابہ کرام کا معاملہ تھا کیونکہ جب امام آ جائے تو نماز چھوڑ دی جاتی ہے۔

ابن عراقی کہتے ہیں میں نے حنفی مالکی فقہاء کے کلام میں نہیں دیکھا کہ جمعہ سے پہلے سنتوں کو مستحب قرار دیا ہو۔

جمعہ کی نماز سے پہلے سنتوں کے بارے میں کچھ دوسری ضعیف احادیث آئی ہیں ان میں سے ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام بزار نے نقل کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ سے پہلے چار اور بعد میں چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔[1]

اور سب سے زیادہ قوی حدیث جس سے جمعہ کی نماز سے پہلے کی دو رکعتوں کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے اس حدیث کا عموم ہے جسے ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا کہ ہر فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ (یہ بات فتح الباری میں فرمائی ہے)۔

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو آگے بڑھ کر دو رکعتیں پڑھتے پھر آگے بڑھ کر چار رکعتیں پڑھتے اور جب مدینہ طیبہ میں ہوتے تو جمعہ کی نماز پڑھتے پھر گھر واپس آ کر دو رکعتیں پڑھتے اور مسجد میں نہ پڑھتے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

---

[1] یعنی یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ سے پہلے چار اور بعد میں چار سنتیں ثابت نہیں ہیں۔ امام عبدالرزاق نے اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا اور یہی درست ہے اسی طرح ابن سعد نے ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً روایت کیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۶)

جامع ترمذی کی روایت میں ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے پھر اس کے بعد چار رکعات پڑھتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

ایک روایت میں کہ جمعہ کے بعد گھر میں دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھتے ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے بعد دو طویل رکعتیں پڑھتے اور فرماتے کہ نبی اکرم ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

پہلے ایک حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن حاضر ہوئے اور نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ عرض کیا نہیں تو آپ نے فرمایا: اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو۔

اس کے علاوہ بھی نمازِ جمعہ کے بارے میں مباحث ہیں۔

فصل نمبر۲

نبی اکرم ﷺ کی عیدین کی نماز

اس فصل میں کئی انواع ہیں۔

پہلی نوع

تعدادِ رکعات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کے دن باہر تشریف لائے تو دو رکعتیں پڑھائیں نہ ان سے پہلے (نفل) نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد' پھر خواتین کی طرف تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے آپ نے ان کو صدقہ دینے کا حکم فرمایا پس کوئی عورت اپنا بُندا صدقہ کر رہی تھی (لسان العرب ج۴ص ۶۳) اور کوئی خاتون صدقہ میں ہار دے رہی تھی۔ (لسان العرب ج۶ ص ۲۰۱)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن تشریف لائے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید الفطر کی نماز دو رکعتیں پڑھائی۔

دوسری نوع

تکبیرات کی تعداد

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر پہلی رکعت میں سات

تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ یہ تکبیریں' تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے علاوہ تھیں۔

حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے والد سے اور وہ ان کے داد (عمرو بن عوف بن زید انصاری) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عیدین میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں پڑھیں۔[1]

تیسری نوع

وقت اور جگہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے تو سب سے پہلے آپ نے نماز سے آغاز کیا۔

اس حدیث میں ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ عید کی نماز کے لئے عید گاہ کی طرف جانا مستحب ہے اور مسجد کے مقابلے میں عید گاہ میں نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ یہی طریقہ اختیار کیا حالانکہ آپ کی مسجد شریف کو فضیلت حاصل ہے' اسلامی ممالک میں یہی طریقہ رائج ہے۔ لیکن اہل مکہ شروع سے مسجد میں ہی نماز پڑھتے ہیں۔

اور ہمارے اصحاب شافعیہ کے نزدیک دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ اسی حدیث کی وجہ سے صحراء افضل ہے اور دوسری وجہ جو ان میں اکثر کے نزدیک زیادہ صحیح ہے' یہ ہے کہ مسجد افضل ہے ہاں تنگ ہو جائے (تو الگ بات ہے) وہ فرماتے ہیں اہل مکہ نے مسجد کے وسیع ہونے کی وجہ سے وہاں نماز پڑھی اور نبی اکرم ﷺ مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے باہر تشریف لے گئے پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں گنجائش ہو تو وہ افضل ہے۔

مذکورہ بالا عید گاہ سے مراد وہ جگہ ہے جو باب مدینہ شرقی پر ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز عید مسجد میں صرف ایک بار پڑھی ہے' بارش ہو گئی تو صحابہ کرام کو مسجد میں نماز عید پڑھائی بشرطیکہ یہ حدیث ثابت ہو۔ (اور یہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے)۔

''سنن ابی داؤد'' کے الفاظ اس طرح ہیں:

اصابنا مطرفی یوم فطر فصلی بنا رسول الله ﷺ فی المسجد. عید الفطر کے دن ہم پر بارش ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مسجد میں نماز پڑھائی۔

رزین نے یہ اضافہ کیا کہ آپ ہمیں عید گاہ میں لے کر نہیں گئے۔

---

[1] احناف کے نزدیک دونوں رکعتوں میں زائد تکبیرات چھ ہیں تین پہلی رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں ہیں مذکورہ بالا حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

چوتھی نوع

اذان اور اقامت

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عیدین کی نماز ایک اور دو سے زیادہ بار (متعدد بار) اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید کی نماز اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی۔

پانچویں نوع

عیدین کی نماز میں قرأت

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں "ق والقران المجید" اور "اقتربت الساعۃ وانشق القمر" کی تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربک الاعلی" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" پڑھتے تھے اور بعض اوقات ایک ہی دن میں دونوں (عید اور جمعہ) کا اجتماع ہو جاتا تو ان دونوں سورتوں کی قرأت فرماتے (مطلب یہ کہ مختلف جمعات میں مختلف سورتیں پڑھتے تھے)۔

چھٹی نوع

نبی اکرم ﷺ کا خطبہ اور اس سے نماز عیدین کا پہلے ہونا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر کے دن باہر تشریف لائے تو خطبہ سے پہلے نماز ادا فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کھڑے ہوئے تو نماز سے آغاز فرمایا پھر صحابہ کرام کو خطبہ دیا پھر آپ مستورات کے پاس تشریف لائے اور آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا سہارا لیا ہوا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کپڑا پھیلا رکھا تھا جس میں خواتین صدقہ (کا مال) ڈال رہی تھیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ عید کے لئے حاضر ہوا آپ نے خطبہ

سے پہلے نماز پڑھائی اس میں اذان اور اقامت نہیں تھی پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ٹیک لگائے ہوئے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا' اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دی اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی پھر تشریف لے گئے حتیٰ کہ عورتوں کے پاس تشریف لائے اور ان کو وعظ و نصیحت فرمائی اور فرمایا: صدقہ کرو کیونکہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن ہیں عورتوں کے درمیان میں سے ایک عورت جس کے رخساروں میں سیاہی تھی' (لسان العرب ج۶ ص۲۸۱) کھڑی ہوئی اور کہا یارسول اللہ! کیوں (جہنم میں جائیں گی؟) فرمایا اس لئے تم شکایات زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو۔ راوی فرماتے ہیں پس انہوں نے اپنے زیورات صدقہ کرنا شروع کر دیئے وہ اپنے بُندے اور انگوٹھیاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۷۹)

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز سے آغاز فرمایا پھر سلام پھیرنے کے بعد صحابہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام اپنی صفوں میں تھے آپ ان کو وعظ و نصیحت کرنے لگے اور ان کو حکم دیتے تھے اگر کوئی لشکر ترتیب دینا چاہتے تو ترتیب دیتے کسی بات کا حکم دینا چاہتے تو حکم دیتے۔

پھر واپس چلے جاتے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کا مسلسل یہی طریقہ رہا حتیٰ کہ میں مروان کے ساتھ عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کے لئے نکلا اس وقت وہ مدینہ طیبہ کا امیر تھا جب ہم عیدگاہ کے پاس آئے تو وہاں منبر تھا جسے کثیر بن صلت نے بنایا تھا تو مروان اس پر چڑھنے لگا تو میں نے کہا اللہ کی قسم! تم نے (طریقہ) تبدیل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۵۶)

ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ عید کے دن نبی اکرم ﷺ نے پاؤں مبارک پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔

یہ اس بات کی خبر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں عیدگاہ میں منبر نہیں تھا اور اس پر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ (وہ فرماتے ہیں) ''لوگوں کا طریقہ یہی رہا حتیٰ کہ میں مروان کے ساتھ نکلا''۔

(المدونہ ج۱ ص۲۴۶)

یہ قول اور اس کا مقتضیٰ (دلالت کرتا ہے) یا پہلا شخص جس نے (عیدگاہ میں منبر) اختیار کیا وہ مروان ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی ''المدونہ'' میں ہے کہ سب سے پہلے منبر پر لوگوں کو خطبہ دینے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں' آپ نے گارے سے بنے ہوئے منبر پر ان (سامعین) سے کلام فرمایا' اس منبر کو کثیر ابن الصلت نے بنایا تھا لیکن یہ حدیث معضل ہے[1] اور جو کچھ ''صحیح بخاری و مسلم میں'' ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے داؤد بن قیس سے امام بخاری کی روایت کی طرح روایت کیا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایسا کیا ہو پھر اسے چھوڑ دیا ہو حتیٰ کہ مروان نے اس کا اعادہ کیا اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اس پر مطلع نہ ہوئے۔ یہ بات شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کی ہے۔

[1] حدیث معضل وہ حدیث ہوتی ہے جس کی سند سے دو راوی ایک ہی جگہ سے چھوٹے ہوئے ہوں۔

ساتویں نوع

عیدالفطر کے دن نبی اکرم ﷺ کا نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عیدالفطر کے دن تشریف نہ لے جاتے حتیٰ کہ چند کھجوریں تناول فرماتے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور فرمایا: کہ مرجاً بن رجاء نے کہا مجھ سے عبیداللہ نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں) مجھ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ آپ طاق کھجوریں تناول فرماتے تھے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عتبہ بن حمید کی روایت سے وہ ان سے (بواسطہ عبیداللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے) ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ عیدالفطر کے دن کبھی بھی تشریف نہیں لے گئے حتیٰ کہ آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تین یا پانچ یا سات یا اس سے کم یا زیادہ ہوتیں لیکن طاق ہوتیں۔

کھانے میں حکمت

مہلب فرماتے ہیں: نماز سے پہلے کھانے میں حکمت یہ ہے کہ کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ نماز عید پڑھنے سے پہلے روزہ رکھنا لازم ہے گویا آپ نے اس راستے کو بند کرنے کا ارادہ فرمایا۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں: جب روزے کی فرضیت کے بعد روزہ چھوڑنا لازم ہوا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں چھوڑنے کی جلدی کرنا مستحب ہے' کم کھانے پر آپ کا اکتفا کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے اگر تعمیل حکمِ خداوندی کی بات نہ ہوتی تو آپ سیر ہو کر کھاتے اس بات کی طرف ابن ابی جمرہ نے اشارہ کیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان جسے رمضان المبارک میں قید کر دیا جاتا ہے اسے نماز عید کے بعد کھولا جاتا ہے پس اس کے وسوسوں سے بچنے کے لئے جلد از جلد روزے کو چھوڑنا مستحب ہے۔

اور کھجوریں کھانے میں حکمت یہ ہے کہ میٹھی چیز آنکھوں کی بینائی کو تقویت دیتی ہے جسے روزہ کمزور کرتا ہے اور میٹھی چیز ایمان کے موافق ہے اور خواب کی تعبیر اسی کے ساتھ کی جاتی ہے (جو شخص خواب میں میٹھا کھاتا ہے تو اس کی تعبیر ایمان کی مضبوطی کے ساتھ کی جاتی ہے)۔

اور اس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے اسی لئے بعض تابعین نے مطلقاً میٹھے سے افطار کو مستحب قرار دیا جیسا کہ شہد ہے۔

یہ بات ابن ابی شیبہ نے حضرت معاویہ بن قرہ' ابن سیرین اور ان کے علاوہ حضرات سے نقل کی ہے۔

''سنن ترمذی میں ہے'' اور امام حاکم نے بھی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ

نبی اکرم ﷺ عید الفطر کے دن جب تک کچھ تناول نہ فرماتے عید کے لئے تشریف نہ لے جاتے اور عید الاضحیٰ کے دن اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک نمازِ عید نہ پڑھ لیتے۔

اسی قسم کی حدیث امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

طبرانی اور دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ عید الفطر کے دن اس وقت تک نہ جائے جب تک صدقہ فطر ادا نہ کرے اور کوئی چیز کھا نہ لے۔

تینوں روایات کی اسناد پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔

اکثر فقہاء نے ان احادیث سے وہ مسائل اخذ کئے جن پر یہ دلالت کرتی ہیں (اور یہ ایک دوسری کو مضبوط کرتی ہیں)۔

ابن منیر نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے دونوں عیدوں میں اس وقت تناول فرمایا جس وقت ان عیدوں کا مخصوص صدقہ دینا جائز ہے پس صدقۂ فطر' عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے ہوتا ہے اور عید الاضحیٰ کا صدقہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد ہوتا ہے پس اس ایک جہت سے دونوں جمع ہیں اور دوسری جہت سے مختلف ہیں (یعنی وقت دونوں کا مختلف ہے لیکن صدقہ دینے اور کھانے کے وقت میں مطابقت ہے)۔

نمازعید کے لئے پیدل جانا

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الام میں'' فرمایا کہ ہمیں امام زہری رحمہ اللہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کی نماز اور نماز جنازہ کے لئے کبھی بھی سوار ہو کر تشریف نہیں لے گئے۔ (الام الشافعی ج ا ص ۲۳۳)

''جامع ترمذی میں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ عیدگاہ کی طرف پیدل جائے۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت سعد قرظی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عید کے لئے پیدل جاتے تھے۔

اس میں حضرت ابو رافع سے اس کی مثل مروی ہے اور تینوں احادیث کی اسناد ضعیف ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب عید کے دن ایک راستے سے تشریف لے جاتے تو دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے۔

اس حدیث کے مفہوم میں بہت سے مختلف اقوال ہیں' حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے پاس بیس سے زیادہ قول جمع ہیں میں نے ان کی تلخیص کی اور کمزور اقوال کی وضاحت کی ہے۔ ان اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے یہ عمل اس لئے اختیار کیا کہ دونوں راستے آپ کے لئے گواہی دیں۔

کہا گیا ہے کہ دونوں راستوں میں رہنے والے جن اور انسان گواہی دیں یہ بھی کہا گیا کہ دونوں راستوں کو آپ کے گزرنے کی وجہ سے برابر کی فضیلت اور برکت حاصل ہو یا یہ کہ آپ جس راستے سے گزریں وہاں سے کستوری کی خوشبو سونگھی جائے کیونکہ آپ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے (کہ آپ جدھر سے گزرتے تھے کستوری کی خوشبو آتی تھی)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عید گاہ کی طرف آپ کا راستہ دائیں جانب تھا اگر ادھر سے ہی لوٹتے تو بائیں جانب سے لوٹتے تو آپ نے دائیں جانب کو ترجیح دی۔ اور یہ بات دلیل کی محتاج ہے۔

کہا گیا کہ اس کا مقصد دونوں راستوں میں شعائر اسلام کو ظاہر کرنا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ظاہر کرنا مقصود تھا۔ کہا گیا کہ منافقین یا یہودیوں کو غصہ دلانا تھا' یہ بھی کہا گیا کہ دونوں گروہوں یا ان میں سے ایک کے مکرو فریب سے بچنا مقصود تھا۔ یہ قول بھی کیا گیا کہ آپ کے گزرنے سے سب کو خوشی حاصل ہو یا ان کو برکت حاصل ہو یا مسائل پوچھنے' تعلیم' اقتداء' طلب ہدایت اور آپ کا ان کو سلام کرنا وغیرہ امور کے ذریعے ان کو فائدہ حاصل ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے زندہ اور فوت شدہ اقارب کی زیارت و ملاقات کریں۔ ایک قول یہ ہے کہ صلہ رحمی فرمائیں۔ کہا گیا ہے کہ حالت کی تبدیلی (راستے کی تبدیلی) سے مغفرت اور رضائے الٰہی کی طرف حالت کو بدلنے کی نیک فال لینا مقصود تھا۔

کسی نے کہا کہ آپ جاتے ہوئے صدقہ کرتے تھے' واپس لوٹتے تو آپ کے پاس کچھ بھی باقی نہ ہوتا تو آپ دوسرے راستے سے تشریف لاتے تاکہ کسی سائل کے سوال کو رد نہ کیا جائے۔ یہ قول بہت کمزور ہے اور دلیل کا بھی محتاج ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ہجوم کم کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا' شیخ ابو حامد نے اس بات کو ترجیح دی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ آپ جس راستے سے تشریف لے جاتے تھے وہ اس راستے کے مقابلے میں زیادہ دور تھا جس سے آپ واپس تشریف لاتے پس آپ نے جاتے وقت زیادہ قدموں کے ذریعے زیادہ اجر کا ارادہ فرمایا لیکن واپسی پر آپ جلدی جلدی گھر پہنچنا چاہتے تھے۔ یہ بات امام رافعی رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ یہ دلیل کی محتاج ہے نیز واپسی پر بھی چلنے کا اجر مطلوب ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو امام ترمذی وغیرہ نے نقل کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملائکہ راستوں میں کھڑے ہوتے ہیں تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان میں سے دونوں فریق آپ کے لئے گواہی دیں۔

ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں: یہ اس قول کے معنیٰ میں ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا کہ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا تو اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ آپ نے یہ عمل نظر لگنے سے بچنے کے لئے کیا۔

عورتوں کا نماز عید کے لئے جانا

نبی اکرم ﷺ نوجوان' بوڑھی' کنواری اور حیض والی (سب) عورتوں کو عیدین (کی نماز) کے لئے نکلنے کا حکم دیتے تھے۔ حیض والی عورتیں عید گاہ سے الگ رہتیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوتیں۔ ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی (خاتون) کے پاس بڑی چادر نہیں ہوتی (تو کیا کریں) آپ نے فرمایا: دوسری خاتون اس کو اپنی چادر کے نیچے کر لے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۰۷' مسند احمد ج ۵ ص ۸۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۶۱) اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا اور الفاظ جامع ترمذی کے

ہیں۔

اس حدیث میں (عورتوں پر) نماز عید کے واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان میں وہ خواتین بھی شامل ہیں جو مکلف نہیں (جیسے حیض والی عورتیں) تو واضح ہوا کہ مقصود زیادہ اجتماع کے ذریعے شعائر اسلام کو ظاہر کرنا تھا اور یہ کہ سب کو برکت حاصل ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کا عید کے موقع پر حاضر ہونا مستحب ہے وہ جوان ہوں یا نہ' اچھی صورت والی ہوں نہ ہو۔

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الام'' میں فرمایا کہ یہ حدیث خوبصورت عورتوں کے استثناء کا تقاضا کرتی ہے وہ فرماتے ہیں میں ان بوڑھی عورتوں کا نماز میں حاضر ہونا پسند کرتا ہوں جو' خوبصورت نہ ہوں اور عیدوں میں ان کی حاضری تو زیادہ مستحب ہے۔ (الام الشافعی ج ا ص ۲۴۰)

ان میں سے بعض حضرات نے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حیض والی عورتوں اور پردہ نشین عورتوں کو عید کی نماز کے لئے جانے کا حکم دیا تو اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ آغاز اسلام میں ایسا اس لئے ہوا کہ مسلمانوں کی جماعت کم تھی تو آپ نے دشمنانِ اسلام کو مرعوب کرنے کے لئے عورتوں کی حاضری کے ذریعے تعداد بڑھانے کا ارادہ فرمایا لیکن اس زمانے میں اس کی ضرورت نہیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ محض احتمال سے نسخ ثابت نہیں ہوتا جب کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس حکم کی علت واضح الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے اور وہ علت ان (خواتین) کا بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا نیز اس دن کی برکت اور طہارت (کے حصول) کی امید رکھنا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ایک مدت تک حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فتویٰ دیا اور کسی ایک صحابی سے بھی ان کی مخالفت ثابت نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ اگر نبی اکرم ﷺ دیکھ لیتے کہ آپ کے بعد عورتوں نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے تو آپ ان کو مساجد (میں آنے) سے روک دیتے۔

تو یہ حدیث اس پہلی حدیث سے نہیں ٹکراتی کیونکہ یہ نادر ہے' اگر ہم مان لیں کہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے خلاف فتویٰ دیا حالانکہ اس میں ایسی دلالت کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روکنے کا فتویٰ دیا ہو' صریح نہیں ہے۔

امام طحاوی کا یہ قول کہ دشمن کو ڈرانے کی خاطر ایسا کیا تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ عورتوں کے ذریعے لڑائی میں مدد حاصل کرنا اور کثرت دکھانا کمزوری پر دلالت ہے۔

سب سے بہتر بات یہ ہے کہ یہ طریقہ (عورتوں کی حاضری) ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو عورتوں کے ذریعے حاصل ہونے والے فتنہ سے محفوظ ہوں اور ان کی حاضری سے کوئی شرعی مخالفت لازم نہ آئے نیز راستے اور اجتماع میں مردوں کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہو۔ یہ بات ''فتح الباری'' میں فرمائی ہے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن نبی اکرم ﷺ ایک چھوٹے عصا (جس کے آگے لوہا لگا ہوتا تھا) کو لے کر تشریف

لے جاتے اور اس کو گاڑ کر اس کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ (نوٹ: یہ سترہ ہوتا تھا تا کہ آگے سے گزرنے والے گزر سکیں۔ ۱۲ ہزاروی)۔

مسلمانوں کی عیدیں

جب تم سب باتیں معلوم کر چکے ہو تو جان لو کہ مومنوں کی اس دنیا میں تین عیدیں ہیں ایک عید ہر ہفتے آتی ہے اور دو عیدیں ہر سال ایک ایک بار تکرار کے بغیر آتی ہیں۔

جو عید بار بار ہر ہفتے آتی ہے وہ جمعہ کا دن ہے اور یہ ہفتہ وار عید ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نمازوں کی تکمیل پر مرتب ہوتی ہے پس ان کے لئے عید رکھی گئی۔

اور دو عیدیں جو سال میں بار بار نہیں آتیں بلکہ دونوں' سال میں ایک مرتبہ آتی ہیں تو ان میں سے ایک عید' عید الفطر ہے جو رمضان شریف کے روزوں کے بعد آتی ہے وہ رمضان المبارک کے روزے مکمل کرنے پر ہوتی ہے اور یہ روزے اسلام کے ارکان میں سے تیسرا رکن اور بنیاد ہیں۔

پس جب مسلمان رمضان کے روزے جو ان پر فرض ہیں' پورے کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور جہنم سے آزادی کے مستحق ہو جاتے ہیں کیونکہ اس مہینے کے روزے گذشتہ گناہوں سے بخشش کو لازم کرتے ہیں اور اس کا آخری عشرہ جہنم سے آزادی ہے جو شخص گناہوں کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس سے آزاد کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے روزوں کے بعد عید رکھی ہے کہ اس میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں' اس کا ذکر کریں اور اس کی بڑائی بیان کریں کہ اس نے اس عبادت کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

اور اس عید میں ان کے لئے نماز اور صدقہ کا حکم دیا اور یہ اجرتیں ملنے کا دن ہے' اس دن روزہ داروں کو ان کے روزوں کا اجر ملتا ہے اور وہ مغفرت کے ساتھ واپس لوٹتے ہیں۔

دوسری عید قربانی کی عید ہے اور یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی اور افضل عید ہے اور یہ حج کی تکمیل پر ہوتی جو اسلام کے ارکان اور بنیادوں میں سے چوتھا رکن ہے جب مسلمان اپنا حج پورا کر لیتے ہیں تو ان کو بخش دیا جاتا ہے اور حج عرفہ کے دن (نو ذوالحجہ کو) مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ عرفات میں وقوف' حج کا رکن اعظم ہے اور یوم عرفہ جہنم سے آزادی کا دن ہے پس اللہ تعالیٰ اس دن ان لوگوں کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے جو عرفات میں وقوف کرتے ہیں (ٹھہرتے ہیں) اور جو مسلمان دوسرے شہروں میں ہونے کی وجہ سے وہاں وقوف نہیں کر سکتے ان کو بھی بخش دیا جاتا ہے۔

اس لئے اس سے ملا ہوا دن تمام ممالک کے مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہو گیا۔ ان میں کوئی حج کے لئے حاضر ہو یا نہ' کیونکہ عرفہ کے دن (جہنم سے) آزادی اور بخشش میں تمام مشترک ہیں۔

اور سب کے لئے اس دن قربانی کے جانوروں کا خون بہانے کے ذریعے قرب خداوندی کا حصول رکھا گیا پس یہ دن ان کی طرف سے اس نعمت پر شکر ادا کرنے کا دن ہے۔

اس دن نماز اور قربانی کا اجتماع عید الفطر کے دن نماز اور صدقۂ فطر کے اجتماع سے افضل ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ کو کوثر (خیر کوثر) کی عطا پر اپنے رب کا شکر' نماز اور قربانی کے ذریعے ادا کرنے کا حکم دیا گیا (سورۂ کوثر میں یہ حکم

دیا)۔

نبی اکرم ﷺ نے دو چت کبرے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی اپنے دست مبارک سے پیش کی اور بسم اللہ' اللہ اکبر کے کلمات پڑھے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک ان کی گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں اور ''بسم اللہ و اللہ اکبر'' پڑھ رہے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسا مینڈھا لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا اور سیاہی میں بیٹھتا ہو (یعنی پاؤں اور پیٹ سیاہ ہو) پس وہ لایا گیا تاکہ آپ قربانی کریں آپ نے فرمایا: اے عائشہ! چھری لاؤ پھر فرمایا اس کو پتھر پر تیز کرو پس میں نے یہ کام کیا پھر آپ نے اسے پکڑا اور مینڈھے کو بھی پکڑا اور اس کو لٹا کر ذبح کیا آپ نے یہ کلمات پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ.

اللہ کے نام سے (ذبح کرتا ہوں) یا اللہ! اس کو حضرت محمد ﷺ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کی آل اور آپ کی امت کی طرف سے قبول فرما۔

پھر آپ نے اس کی قربانی پیش فرمائی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۲' مسند احمد ج۶ ص۷۸' السنن الکبریٰ ج۹ ص ۲۶۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۵۴' نصب الرایہ ج۴ ص ۱۸۴' اتحاف السادۃ المتقین ج۴ ص ۳۹۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن دو سینگوں والے چت کبرے خصی کئے ہوئے مینڈھے ذبح کئے۔ (لسان العرب ج۱۵ ص ۲۱۴)

جب ان کو قبلہ رخ کیا تو یہ کلمات پڑھے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُّحَمَّدٍ وَّاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ.

بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف پھیرا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا' میں ملت ابراہیمی پر ہوں جو ہر باطل سے جدا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں' بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی و موت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اسی بات کا مجھے حکم دیا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں' یا اللہ! یہ تیری طرف سے اور تیرے لئے ہے حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کی طرف سے' اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

پھر آپ نے اسے ذبح کیا۔

امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیا اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا عَنِّيْ وَ عَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ. اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے یا اللہ! یہ میری طرف سے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے جو قربانی نہیں کر سکتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۱' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۵۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۶۱' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۹)

تو یہ مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور یہ سب اس وقت ہوتی ہیں جب وہ اپنے مولا' بادشاہ' بہت عطا کرنے والے کی عبادات مکمل کر لیتے ہیں اور حسب وعدہ بہت بڑا اجر و ثواب حاصل کرتے ہیں پس عید اس کی نہیں جو نئے کپڑے پہنتا ہے بلکہ اصل عید اس کی ہے جو زیادہ عبادت کرتا ہے عید اس کی نہیں ہوتی جو لباس اور سواری کے ذریعے حسن و جمال حاصل کرتا ہے بلکہ عید اس کی ہوتی ہے جس کے گناہ بخش دیئے جائیں' عید کی رات (جہنم سے) آزادی اور بخشش کے جوڑے بندوں پر تقسیم ہوتے ہیں پس جس کو اس سے کچھ حصہ ملا تو یہ اس کے لئے عید ہے ورنہ اسے بہت دور پھینکا جاتا ہے۔

اور جنت میں مومنوں کی عیدیں وہ دن ہیں جن میں وہ اپنے رب عزوجل کی زیارت کریں گے۔ وہ اس کی زیارت کریں گے اور وہ ان کو بہت زیادہ اعزاز بخشے گا' ان کے لئے تجلی فرمائے گا۔

اور وہ اس کی زیارت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جو کچھ عطا کرے گا وہ ان کے لئے اس سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت ہے کیونکہ محب کے لئے محبوب کے قرب کے علاوہ کوئی عید نہیں ہوتی۔ شاعر نے کہا:

ان یوما جامعا شملی بھم ذاک عیدی لیس لی عید سواہ

''بے شک جس دن میں اور وہ لوگ اکٹھے ہوں گے وہ میری عید ہوگی اس کے علاوہ میری کوئی عید نہیں''۔

دوسرا باب

وہ نوافل جو اسباب سے ملے ہوئے ہیں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز)

کسوف لغت میں سیاہی کی طرف تبدیلی کو کہتے ہیں جب سورج کا رنگ سیاہ ہو جائے اور اس کی شعاعیں چلی جائیں تو کہا جاتا ہے ''کسفت الشمس سورج کی روشنی چلی گئی'' (اور وہ سیاہ ہو گیا)۔

سورج گرہن اور علم الفلک

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ گھبرائے ہوئے کپڑے کو کھینچتے ہوئے باہر تشریف لائے' میں اس دن مدینہ طیبہ میں آپ کے ساتھ تھا آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں اور ان میں لمبا قیام کیا پھر سلام پھیرا تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد فرمایا یہ ایک نشانی ہے' اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس جب تم یہ حالت دیکھو تو نماز پڑھو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۸۵' المستدرک ج۱ ص ۳۳۳)

اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ 'اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے' تو یہ ان علم ہیئت والوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ سورج ایک جاری امر ہے جو آگے پیچھے نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر اس طرح ہوتا جیسے وہ کہہ رہے ہیں تو اس میں ڈرانے والی بات نہ ہوتی۔

ابن عربی وغیرہ نے ان لوگوں کا رد اس حدیث کے ذریعے کیا جو امام بخاری نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' وہ فرماتے ہیں:

فقام فزعا یخشی ان تکون الساعة. پس نبی اکرم ﷺ خوفزدہ ہو کر کھڑے ہوئے' آپ کو اس بات کا ڈر ہوا کہ یہ قیامت ہو۔

ان حضرات نے فرمایا اگر سورج گرہن' علم حساب کے اعتبار سے ہوتا تو گھبراہٹ نہ ہوتی اور اگر اس کا تعلق علم حساب سے ہوتا تو غلام آزاد کرنے' صدقہ دینے اور نماز پڑھنے کا کوئی مطلب نہ ہوتا یعنی جس طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے اور اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورج گرہن کے موقع پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح بخاری میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فاذا رایتم ذلک فادعوا اللہ وکبروا وصلوا وتصدقوا. پس جب تم یہ حالت دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو' اس کی بڑائی بیان کرو' نماز پڑھو اور صدقہ دو۔

احادیث مبارکہ سے یہی بات ظاہر ہے کہ یہ ڈرانے کا فائدہ دیتی ہیں اور جب مختلف قسم کی عبادات کی جائیں تو اس بات کی امید ہوتی ہے کہ سورج گرہن کے جن اثرات کا خوف ہے وہ دور ہو جائیں گے۔

ابن عربی وغیرہ نے اس انداز میں اعتراض کیا کہ علم ہیئت والوں کا خیال ہے کہ سورج کو حقیقتاً گرہن نہیں لگتا بلکہ اس کے اور زمین والوں کے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے جب وہ (سورج اور چاند) دو عقدوں میں جمع ہوتے ہیں وہ فرماتے ہیں ان لوگوں کا خیال ہے' سورج چاند سے کئی گنا بڑا ہے تو چھوٹی چیز جب بڑی چیز کے سامنے آئے تو کیسے آڑ بن سکتی ہے؟ اور قلیل کی وجہ سے کثیر پر کیسے تاریکی چھا سکتی ہے حالانکہ وہ اس کی جنس سے ہے اور کس طرح زمین پر سورج کی روشنی کے پہنچنے میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے؟

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات سے مروی حدیث میں سورج گرہن کا ایک اور سبب بھی آیا ہے جو علم ہیئت والوں کے بیان کردہ سبب کے علاوہ ہے۔ امام احمد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے یہ حدیث نقل کی ہے

اور ابن خزیمہ اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے' اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ان الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاته ولکنهما آیتان من آیات الله وان الله اذا تجلی لشیء من خلقه خشع له.

بے شک سورج اور چاند کو کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا بلکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے دو آیتیں ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ جب اپنی مخلوق میں سے کسی کے لئے تجلی فرماتا ہے تو وہ اس کے لئے جھک جاتی ہے۔

(سنن نسائی ج ۳ص ۱۲۶' مسند احمد ج ۲ص ۱۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۱' المستدرک ج ۱ص ۳۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۷' مجمع الزوائد ج ۲ص ۲۰۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ص ۴۲۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۵۱۔۲۳۵۲۱)

امام غزالی رحمہ اللہ نے اس اضافہ (وان اللہ اذا تجلی آخر تک) پر اعتراض کیا اور فرمایا یہ ثابت نہیں پس اس کے ناقل کو جھوٹا قرار دینا واجب ہے اور اگر یہ قول صحیح ہو تو اس کی تاویل کرنا ان قطعی امور کے انکار سے آسان ہے جو اصول شریعت سے بالکل نہیں ٹکراتے۔

ابن بزبزہ نے کہا کہ امام غزالی سے یہ بات تعجب خیز ہے' انہوں نے فلسفیوں کا دعویٰ کیسے تسلیم کرلیا اور یہ خیال کیا کہ ان کا خیال شریعت سے نہیں ٹکراتا حالانکہ اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دنیا گول شکل کی ہے جب کہ شریعت کا ظاہر اس کے خلاف ہے اور قواعد شریعت سے ثابت ہے کہ سورج گرہن (اللہ تعالیٰ کے) ارادۂ قدیمہ اور فاعل مختار کا فعل ہے وہ جب چاہے ان دو وجودوں (چاند اور سورج) میں روشنی پیدا کرے اور جب چاہے ان میں تاریکی پیدا کرے اور یہ کسی سبب پر موقوف نہ ہو اور نہ کسی بات سے ملا ہوا ہو۔

اور جس حدیث کو امام غزالی رحمہ اللہ نے رد کیا ہے اسے متعدد اہل علم نے ثابت کیا ہے اور وہ معنوی طور پر بھی ثابت ہے کیونکہ کسی چیز کا نورانی اور روشن ہونا جمال حسی کے عالم سے ہے اور جب صفتِ جلال ظاہر ہوتی ہے تو اس کی ہیبت سے روشنیاں بجھ جاتی ہیں۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا (الاعراف: ۱۴۳)

جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر چمک ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اس حدیث کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ہم نے حضرت طاؤس سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورج کو دیکھا اور اسے گرہن لگا ہوا تھا پس آپ روئے حتیٰ کہ قریب تھا کہ روح پرواز کر جاتی اور فرمایا: ہمارے مقابلے میں یہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

ابن دقیق العید نے کہا بعض حضرات کا عقیدہ کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ جو کچھ اہل حساب ذکر کرتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول کے منافی ہے کہ "ان دونوں کے گرہن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے"۔

تو اس اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کچھ کام عادت کے مطابق ہوتے ہیں اور کچھ امور عادت سے باہر ہوتے ہیں اور اس کی قدرت سب پر حاکم ہے' وہ بعض امور میں سبب اور مسبب کے درمیان تعلق کو توڑ دیتا ہے۔

اور جب یہ بات ثابت ہے تو اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے چونکہ اس بات کا پختہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس کی قدرت ان امور کو بھی شامل ہے جو عادت کے خلاف ہیں اور وہ جو چاہے کرے تو جب کوئی عجیب واقعہ ہوتا ہے تو اس اعتقاد کی وجہ سے ان کو خوف لاحق ہوتا ہے۔

اور یہ (خوف) اس بات کا خلاف نہیں کہ وہاں کچھ اسباب ہوں جو عادت کے مطابق ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس عادت کو توڑ دے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ حساب نے جو کچھ ذکر کیا ہے اگر یہ حقیقت میں صحیح اور حق ہے تو یہ اس بات کے خلاف نہیں کہ گرہن بندوں کو ڈرانے کا باعث ہو۔ یہ بات ''فتح الباری'' میں فرمائی ہے۔

اس موضوع پر احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے ایک طویل قیام فرمایا جو تقریباً سورۂ بقرہ کی قرأت کے برابر تھا پھر طویل رکوع کیا پھر سر مبارک اٹھایا تو دیر تک کھڑے رہے اور وہ پہلے قیام سے کم تھا پھر طویل رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے مختصر تھا پھر سر انور اٹھایا پھر سجدہ کیا پھر (دوسری رکعت میں) طویل قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تھا پھر ایک طویل رکوع فرمایا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا پھر سجدہ کیا اور جب سلام پھیرا تو سورج روشن ہو گیا تھا۔[1]

آپ نے فرمایا بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے ان کو گرہن نہیں لگتا پس جب تم یہ حالت دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو' صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ جب یہاں کھڑے تھے تو آپ نے کسی چیز کو پکڑا پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے؟ آپ نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا تو اس سے انگور کا گچھا پکڑا اگر میں اسے لے لیتا تو تم اس سے رہتی دنیا تک کھاتے اور میں نے جہنم کو دیکھا تو آج کی طرح کا برا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا اور میں نے جہنم میں زیادہ تعداد میں عورتوں کو دیکھا۔

انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا ان کی ناشکری کی وجہ سے' پوچھا گیا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کی ناقدری کرتی ہیں اگر تم ان میں سے کسی ایک کے ساتھ پورا زمانہ احسان کرو پھر وہ تم سے کوئی بات دیکھے تو کہے گی میں نے تجھ سے کبھی بھی بھلائی نہیں دیکھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ا' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴۳)

آپ کا ارشاد گرامی کہ میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا تو قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں آنکھ سے دیکھنے کا بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (جنت و جہنم) کو آپ کے لئے ظاہر کر دیا ہو اور آپ کے اور ان کے درمیان سے پردہ اٹھا دیا ہو جیسا کہ مسجد اقصیٰ آپ کے لئے ظاہر کر دی گئی جب آپ نے (معراج شریف کے سفر کے بعد) اس کا

---

[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک رکعت میں دو کی طرح تین رکوع بھی مروی ہیں' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی تین کی روایت آتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا سے چار رکوع کی روایت مروی ہے' حضرت ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ایک رکوع کی روایت بھی ہے جو ابوداؤد میں ہے لہٰذا ان تمام احادیث میں اضطراب ہے لہٰذا ان سے استدلال صحیح نہیں۔ (شرح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی ج ۲ ص ۷۱۱)

وصف بیان کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس دیوار کی چوڑائی میں (مجھے جنت دکھائی گئی) یعنی اس طرف دکھائی گئی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ علمی طور پر اور وحی کے ذریعے اس کی اطلاع اور ان دونوں کے امور کی تفصیل بتانا مراد ہو جو تفصیل اس سے پہلے نہیں بتائی گئی۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلا احتمال الفاظ حدیث کے زیادہ مناسب اور مشابہ ہے کیونکہ اس میں ایسی باتیں ہیں جو آنکھ سے دیکھنے پر دلالت کر رہی ہیں جس طرح انگور کا خوشہ لینا اور آگ کی لپٹ کے پہنچنے کے خوف سے پیچھے ہٹنا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "ولا اصبته" (اگر میں اسے حاصل کرتا) اور فرمایا: "تناولت میں نے اس کو پکڑا" تو دونوں باتیں (بظاہر) متضاد ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ "تناول" سے مراد پکڑنے کے لئے کوشش مراد ہے حقیقتاً پکڑنا مراد نہیں یہ بھی کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اسے اپنے لئے پکڑا اور اگر میں تمہارے لئے پکڑتا (تو تم اسے کھاتے رہتے)۔ یہ بات کرمانی نے ذکر کی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ بات عمدہ نہیں۔ کہا گیا ہے کہ پکڑنے سے مراد اس پر ہاتھ رکھنا ہے کہ میں اس کو پھیرنے پر قادر تھا لیکن میرے لئے اس کو چننا مقدر نہ تھا اور اگر میں اسے حاصل کرتا' کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر میں اس کو چننے پر قادر ہوتا۔

اس مفہوم پر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا وہ قول دلالت کرتا ہے جو ابن خزیمہ نے نقل کیا کہ آپ نے اپنا دستِ مبارک اس کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھایا۔

اور "صحیح بخاری میں" حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں "حتیٰ کہ اگر میں اس پر جرأت کرتا"۔

گویا آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی تھی پس آپ نے اس کی طرف ہمت و جرأت نہ فرمائی۔

ابن بطال کہتے ہیں آپ نے وہ خوشہ اس لئے نہیں لیا کہ وہ جنتی کھانے میں سے تھا جو فنا نہیں ہوتا اور دنیا فانی ہے اس میں وہ چیز کھانا جائز نہیں جو فانی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے امام بخاری' امام مسلم' امام مالک' امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے' اس میں آپ نے فرمایا: میں نے جو کچھ اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا اس مقام پر دیکھ لیا حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا اور میری طرف وحی بھیجی گئی کہ قبروں میں مسیح دجال کے فتنہ کی مثل یا قریب' تمہاری آزمائش ہوگی۔ راوی کہتے ہیں (مجھے معلوم نہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مثل کا لفظ فرمایا یا قریب کا لفظ کہا)۔

فرمایا: تم میں سے ایک کو قبر میں لایا جائے گا تو پوچھا جائے گا اس شخصیت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ تو مومن یا یقین رکھنے والا (راوی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کیا لفظ فرمایا؟) کہے گا یہ حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) ہیں' آپ ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر تشریف لائے پس ہم نے اسے قبول کیا اور آپ کی اتباع کی یہ محمد (ﷺ) ہیں تین بار کہے گا کہا جائے گا سو جاؤ تم صالح ہو' ہمیں معلوم ہے کہ تم یقین رکھنے والے تھے لیکن منافق یا شک کرنے والا (معلوم نہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کونسا لفظ بولا تھا؟) کہے گا مجھے معلوم نہیں' میں نے لوگوں سے سنا وہ کچھ کہتے تھے تو میں نے بھی وہی بات کہی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک عورت کو دیکھا جسے بلی نوچ رہی تھی اس نے اس کو باندھ رکھا تھا حتیٰ کہ وہ

بھوک اور پیاس کی وجہ سے مرگئی۔

ایک روایت میں ہے آپ نے عمرو بن مالک کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتوں کو کھینچ رہا ہے اور یہ پہلا شخص تھا جس نے دین ابراہیمی میں تبدیلی کی (اس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑے)۔

آپ نے جہنم میں حاجیوں کی چوری کرنے والے کو بھی دیکھا کہ اسے عذاب ہو رہا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے پھر فرمایا: اے امت محمد! کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت نہیں رکھتا یہ کہ اس کا کوئی بندہ زنا کرے یا کوئی عورت زنا کا ارتکاب کرے' اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے' سنو! کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴۴۔۵۲۲۱' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳۸' نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۳۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۸۳)

یعنی اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا انتقام کتنا بڑا ہے جو جرم کرنے والوں سے لیتا ہے نیز اس کا عذاب اور قیامت کا ہولناک منظر کس قدر شدید ہے' جو کچھ میں جانتا ہوں اور جو اس کے بعد ہے جیسا کہ میں جانتا ہوں اور تم آگ کو دیکھ لیتے جس طرح میں نے اس مقام پر اور اس کے علاوہ دیکھا ہے تو تم بہت زیادہ روتے اور تم کم ہنستے کیونکہ جو کچھ تم جان لیتے اس پر فکر مند ہوتے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صف بندی کی پس ہم نے تکبیر کہی تو آپ نے ایک طویل قرأت فرمائی پھر تکبیر کہہ کر ایک طویل رکوع فرمایا پھر ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہنے کے بعد کھڑے ہو گئے اور سجدہ نہ کیا اور طویل قرأت فرمائی جو پہلی قرأت کے مقابلے میں کم تھی۔ ایک روایت میں ''ربنا ولک الحمد'' کا اضافہ ہے۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ پہلی رکعت کے دوسرے قیام کے شروع میں ذکر مستحب ہے۔

اس پر بعض متاخرین شافعیوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ قرأت کا قیام تھا' اعتدال (یعنی قومہ) کا قیام نہ تھا کیونکہ جو علماء ہر رکعت میں زائد رکوع کے قائل ہیں وہ اس میں فاتحہ پڑھنے پر متفق ہیں اگرچہ محمد بن مسلمہ مالکی نے اس کی مخالفت کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورج گرہن کی نماز مخصوص طریقے پر آئی ہے لہٰذا اس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں بلکہ اس میں جو کچھ بھی نبی اکرم ﷺ کے فعل سے ثابت ہے وہ جائز ہے کیونکہ یہی مستقل بنیاد ہے اسی لئے جمہور نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو اسے نفل نماز پر قیاس کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس میں زائد رکوع کو منع کرتے ہیں پس نماز کسوف ان باتوں کی وجہ سے جو اس میں جمع ہیں' مطلق نوافل کے مقابلے میں نماز عید وغیرہ کے زیادہ مشابہ ہے پس نوافل سے نماز جنازہ ممتاز ہے کہ اس میں رکوع اور سجدے کو چھوڑ دیا گیا' عید کی نماز ممتاز ہے کہ اس میں زائد تکبیریں ہیں' نمازِ خوف ممتاز ہے کہ اس میں بہت سے افعال زیادہ ہیں اور قبلہ سے پیٹھ بھی پھر جاتی ہے اسی طرح رکوع کے زائد ہونے کی وجہ سے نماز کسوف بھی مطلق نوافل سے ممتاز ہے پس اس پر عمل کرنے والا عملوں (دلیلوں) نص اور قیاس پر عمل کرتا ہے بخلاف اس کے جو اس پر عمل نہیں کرتا۔

اور یہ بات واضح ہے کہ نماز کسوف کی ایک خاص شکل ہے جو اس کو خاص کرتی ہے مثلاً قیام وغیرہ عام عادت کے

مقابلے میں طویل ہیں ہر رکعت میں ایک رکوع زیادہ ہے یہ اضافہ دوسرے طرق سے بھی مروی ہے۔ [1]

پس امام مسلم نے ایک اور سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہر رکعت میں تین رکوع ہیں امام مسلم نے ہی ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ہر رکعت میں چار رکوع ہیں اور ابوداؤد نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور امام بزار نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ ہر رکعت میں پانچ رکوع ہیں اور ان میں سے کوئی سند علت سے خالی نہیں۔

ابن قیم نے ''الہدی النبوی میں'' حضرت امام شافعی امام احمد اور امام بخاری سے نقل کیا کہ وہ رکعت میں دو رکوعوں پر اضافہ کو بعض راویوں کی طرف غلطی قرار دیتے تھے کیونکہ حدیث کے اکثر طرق ہوں تو بعض کے ذریعے دوسرے بعض کو رد کرنا ممکن ہے اور ان تمام روایات کو یوں جمع کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اس دن ہوا جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ (نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادہ) کا انتقال ہوا اور جب واقعہ ایک ہے تو راجح قول کو اختیار کرنا متعین ہو گیا۔

ابن خزیمہ ابن منذر خطابی اور دیگر شافعی حضرات نے کہا کہ اس سلسلے میں جو کچھ ثابت ہے سب پر عمل کرنا جائز ہے اور یہ جائز اختلاف ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح صحیح مسلم میں'' اس کو قوی قرار دیا۔

بعض حضرات نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ رکوع میں اضافہ اور کمی جلدی روشن ہونے اور اس میں تاخیر کی وجہ سے تھا جب پہلے رکوع میں سورج روشن ہو گیا تو آپ نے نفل نماز کی طرح اس پر اکتفا کر لیا اور جب تاخیر ہوئی تو ایک زائد رکوع کیا اور جب زیادہ تاخیر ہوئی تو تین رکوع فرمائے اسی طرح اس تعداد تک جو حدیث میں وارد ہوئی ہے۔

امام نووی وغیرہ نے اس پر اعتراض کیا کہ روشنی کی تاخیر اور عدم تاخیر کا شروع میں پتہ نہیں ملا اور نہ پہلی رکعت میں معلوم ہوا اور تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ دونوں رکعتوں میں رکوع برابر تھے اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہی مقصود ذاتی ہے پہلی حالت میں ہی اس کی نیت کی گئی۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یوں ہے کہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا:

اے لوگو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اگر تمہارے علم کے مطابق میں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچانے میں کوتاہی کی ہے تو مجھے بتاؤ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے اپنی امت کی خیر خواہی کی اور اپنی ذمہ داری کو پورا کیا۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں جب نماز کے لئے کھڑا ہوا تو میں نے وہ سب کچھ دیکھا جو تمہیں دنیا اور آخرت میں ملنے والا ہے اور قسم بخدا! قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تیس کذاب (بہت جھوٹے) ظاہر ہوں گے ان میں سے آخری کانا دجال ہوگا جو اس کی پیروی کرے گا اسے اس کا کوئی نیک عمل فائدہ نہیں دے گا۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۱۱)

صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

---

[1] احناف کے نزدیک نماز کسوف میں ہر رکعت میں ایک رکوع ہے جس طرح عام نمازوں میں ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اس خطبہ میں اختلاف ہے امام شافعی' اسحاق اور اکثر اصحاب حدیث نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔
ابن قدامہ کہتے ہیں' ہمیں حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں پہنچی۔
صاحب ہدایہ جو حنفی ہیں فرماتے ہیں کہ نماز کسوف میں خطبہ نہیں کیونکہ یہ منقول نہیں ہے۔
ان پر اعتراض کیا گیا کہ اس سلسلے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔[1]
مالکی فقہ والوں کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اس میں خطبہ نہیں ہے اس کے باوجود حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے حدیث ذکر کی اور اس میں خطبہ کا ذکر فرمایا ہے۔
ان میں سے بعض نے یوں جواب دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے خاص خطبہ کا ارادہ نہیں فرمایا آپ نے صرف ان لوگوں کے رد کا ارادہ فرمایا جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ سورج گرہن کسی کی وفات کی وجہ سے ہوتا ہے۔
اس پر اعتراض کیا گیا کہ احادیث صحیحہ میں صراحتاً خطبے کا ذکر ہے نیز اس کی شرائط یعنی حمد وثناء اور وعظ وغیرہ امور جن پر احادیث مشتمل ہیں' ان کا ذکر ہے آپ نے صرف سببِ کسوف کی خبر دینے پر اکتفاء نہیں فرمایا اور اصل یہ ہے کہ آپ کی اتباع کی جائے جہاں تک خصائص کا تعلق ہے تو وہ دلیل سے ثابت ہوتے ہیں۔

دورِ جاہلیت کے اعتقاد کا ابطال

''صحیح بخاری میں'' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی (روایت) ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اس دن سورج گرہن ہوا جس دن (نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا' لوگوں نے کہا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے ان کو گرہن نہیں لگتا پس جب تم ان دونوں کو (اس حالت میں) دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔
حضرت ابراہیمؑ نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے تھے اور جمہور اہلِ سیرت نے ذکر کیا کہ آپ کا وصال ہجرت کے دسویں سال ہوا' کہا گیا ہے کہ ربیع الاول شریف میں انتقال ہوا ایک قول رمضان المبارک اور ایک قول ذوالحجہ کے بارے میں ہے' اکثر حضرات کے نزدیک مہینے کی دس تاریخ کو' ایک قول کے مطابق چار تاریخ اور ایک قول کے مطابق چودہ تاریخ کو ہوا لیکن ان میں سے کوئی قول بھی صحیح نہیں کیونکہ ان دنوں نبی اکرم ﷺ حج کے سلسلے میں مکہ مکرمہ میں تھے۔
اور یہ بات ثابت ہے کہ آپ' ان کی وفات کے وقت موجود تھے۔ اور یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔
ہاں کہا گیا کہ ان کا وصال نو ذوالحجہ کو ہوا پس اگر یہ حدیث ثابت ہو تو صحیح ہے اور امام نووی نے اس بات کو قطعی قرار دیا کہ صلح حدیبیہ کا سال تھا تو شاید یہ ذی قعدہ کے آخر کی بات ہے جب آپ اس (حدیبیہ) سے واپس لوٹے۔
اس حدیث میں اہل جاہلیت کے اس عقیدے کو باطل قرار دیا گیا کہ زمین میں ستاروں کی تاثیر ہوتی ہے۔

---

[1] اس کا جواب چند سطور بعد آ رہا ہے کہ اس سے خاص خطبہ مراد نہیں بلکہ ان لوگوں کا رد کرنے کے لئے خطبہ ارشاد فرمایا جو کہتے تھے کہ سورج گرہن کسی کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

خطابی نے کہا کہ وہ لوگ دور جاہلیت میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ کسوف (سورج گرہن) زمین میں تبدیلی پیدا کرنے کا موجب ہے۔ یعنی کسی کی موت واقع ہوتی ہے یا کوئی نقصان ہوتا ہے۔
تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ یہ عقیدہ باطل ہے اور سورج و چاند دونوں مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ (کے حکم) کے لئے مسخر ہیں۔ ان دونوں میں ایسی قوت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو بدل دیں اور نہ ہی اپنے آپ سے کسی بات کو دور کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

نمازِ کسوف کے احکام

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج کو گرہن لگا تو اعلان کیا گیا کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے۔
حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں ''ان الصلاۃ جامعۃ توان'' میں ہمزہ مفتوح اور نون غیر مشدد ہے اور یہ تفسیر کے لئے ہے۔
''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک منادی بھیجا جس نے اعلان کیا کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے۔
ابن دقیق العید نے کہا کہ یہ حدیث اعلان کو مستحب قرار دینے والوں کے لئے حجت ہے۔ اور اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ اس نماز کے لئے نہ اذان دی جائے اور نہ ہی اقامت کہی جائے۔
ابن حبان نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورج اور چاند گرہن میں تمہاری نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھیں۔ اس حدیث کو دار قطنی نے بھی روایت کیا۔
اس حدیث میں ان لوگوں یعنی ابن رشید وغیرہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے چاند گرہن کی نماز نہیں پڑھی ان میں سے بعض نے (صلی) نماز پڑھی کی تاویل یوں کی ہے کہ آپ نے نماز کا حکم دیا تا کہ دونوں روایتیں جمع ہو جائیں۔
ابن قیم نے ''الہدی النبوی میں'' کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ نے چاند گرہن کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ہو لیکن ابن حبان نے اپنی سیرت (کی کتاب) میں نقل کیا کہ جب ہجرت کے پانچویں سال چاند گرہن ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو گرہن کی نماز پڑھائی۔ تو اسلام میں یہ گرہن کی پہلی نماز تھی۔
اگر یہ روایت ثابت ہو تو مذکورہ بالا تاویل کی نفی ہو جائے گی۔ مغلطائی نے اپنی مختصر سیرت میں اسے قطعیت کے ساتھ ذکر کیا اور حافظ زین الدین عراقی نے اس کی نظم میں ان کی اتباع کی (لہٰذا اس سے اس کی قوت میں اضافہ ہوا)۔
''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز خسوف میں بلند آواز سے قرأت فرمائی جب قرأت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور جب رکوع سے فارغ ہوئے تو ''سمع اللہ لمن حمدہ' ربنا ولک الحمد'' کہا' نماز کسوف میں دوبارہ قرأت فرمائی یہ چار رکوع اور چار سجدے تھے۔
اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ دن کے وقت اس نماز میں بلند آواز سے قرأت کی جائے اور جو لوگ بلند آواز

سے قرأت جائز نہیں سمجھتے انہوں نے اس سے چاند گرہن کی نماز مراد لی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات عمدہ نہیں کیونکہ اسماعیلی نے یہ حدیث ایک اور سند کے ساتھ' ولید سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا۔

''مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے سورج گرہن کی نماز میں بلند آواز سے قرأت کی اور اس سلسلے میں حضرت علی المرتضیٰ سے مرفوع اور موقوف (دونوں طرح) حدیث مروی ہے جسے ابن خزیمہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دو شاگردوں حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد' امام احمد' اسحاق ابن خزیمہ' ابن منذر اور دیگر شافعی محدثین اور مالکیوں میں سے ابن عربی کا یہی نقطہ نظر ہے۔ طبری نے کہا کہ بلند آواز سے پڑھیں یا آہستہ آواز سے دونوں میں اختیار ہے۔

تینوں ائمہ امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں سورج گرہن میں قرأت آہستہ ہو اور چاند گرہن میں بلند آواز سے ہونی چاہیے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سورۂ بقرہ کی مثل قرأت کی۔ (وہ فرماتے ہیں) اگر آپ بلند آواز سے قرأت کرتے تو اندازہ بتانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند کے بغیر روایت کیا کہ انہوں نے سورج گرہن کی نماز نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں پڑھی تو انہوں نے کوئی حرف نہ سنا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے تین طرق سے متصل حدیث روایت کی جن کی سندیں کمزور ہیں اور اگر ان کو صحیح مانا جائے تو بلند آواز سے قرأت کو ثابت کرنے والے کے پاس زائد مقدار ہے پس اس کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے (دونوں طرح مروی ہے لہٰذا اپنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کی اجازت ہے)۔

ابن عربی نے کہا کہ میرے نزدیک بلند آواز سے پڑھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ باجماعت نماز ہے جس کے لئے اعلان ہوتا ہے اور خطبہ دیا جاتا ہے پس یہ عید اور نماز استسقاء کے مشابہ ہوگئی۔ یہ ''فتح الباری کی'' عبارت کا خلاصہ ہے۔

فصل نمبر۲

نبی اکرم ﷺ کی نمازِ استسقاء

جان لو! استسقاء' ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنے کو کہتے ہیں جس طرح تم کہتے ہو' استعطی اس نے عطیہ طلب کیا''۔

نماز استسقاء سنت ہے

نمازِ استسقاء کے سنت ہونے میں علماء کا اختلاف نہیں لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے سنت قرار نہیں دیتے وہ ان احادیث استسقاء سے استدلال کرتے ہیں جن میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔

جمہور نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے" جو صحیح بخاری و مسلم" اور ان کے علاوہ کتب احادیث میں ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے استسقاء کی دو رکعتیں پڑھیں اور جن احادیث میں نماز کا ذکر نہیں ان میں سے بعض راوی کے بھولنے پر محمول ہیں اور بعض میں یہ ہے کہ آپ نے خطبہ جمعہ دیا اور اس کے بعد نماز جمعہ تھی پس اسی پر اکتفاء فرمایا اگر یہ نماز بالکل نہیں پڑھی گئی تو اس بات کا جواز بیان کرنا تھا کہ استسقاء نماز کے بغیر صرف دعا کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور جو احادیث نماز کو ثابت کرتی ہیں وہ مقدم ہوں گی کیونکہ ان میں زیادہ علم ہے اور دونوں قسم کی احادیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

اور استسقاء کی کئی قسمیں ہیں۔

نماز اور خطبہ کے ساتھ استسقاء

(۱) الاستسقاء دو رکعتوں اور دو خطبوں کے ساتھ ہے اس سے پہلے صدقہ' روزے اور توبہ کے ساتھ تیاری کی جائے نیکی کی طرف توجہ ہو اور برائی سے اجتناب کیا جائے اور اسی طرح کی دیگر عبادات خداوندی میں مصروفیت ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کام کاج کے لباس میں تواضع اور خشوع کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے باہر تشریف لائے حتیٰ کہ عید گاہ تک پہنچے تو منبر پر تشریف لے گئے آپ نے تمہارے اس خطبہ کی طرح خطبہ نہ دیا بلکہ مسلسل دعا کرتے گڑگڑاتے اور تکبیر میں مصروف رہے پھر عید کی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت عبداللہ بن زید مازنی کی روایت میں ہے' فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اس عید گاہ کی طرف تشریف لائے تا کہ نماز استسقاء ادا فرمائیں پھر آپ قبلہ رخ ہوئے اور چادر کو پلٹ دیا (دائیں طرف کو بائیں طرف بائیں کو دائیں طرف اوپر والے حصے کو نیچے اور نیچے والے حصے کو اوپر کی طرف کیا) پھر نماز پڑھی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صحابہ کرام کو لے کر نکلے تا کہ نمازِ استسقاء پڑھیں پس ان کو دو رکعتیں پڑھائیں دونوں میں بلند آواز سے قرأت کی اور قبلہ رخ ہونے کی حالت میں دعا مانگی دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب قبلہ رخ ہوئے تو چادر کو پھیر دیا۔

ایک روایت میں ہے فرمایا کہ چادر کو یوں پھیرا کہ اس کی بائیں جانب کو دائیں کاندھے پر کیا پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث کے طرق میں سے کسی پر مطلع نہ ہوا کہ اس کا سبب کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے عید گاہ کی طرف جانے اور واپسی کی کیفیت کیا تھی؟ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جسے امام ابوداؤد اور ابن حبان نے روایت کیا۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں: لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بارش کے رک جانے کی شکایت کی تو آپ نے عید گاہ میں منبر رکھنے کا حکم دیا چنانچہ وہ رکھ دیا گیا اور لوگوں کو ایک دن بتایا جس میں وہ نکلیں چنانچہ آپ اس وقت تشریف لے گئے جب سورج کا کنارہ ظاہر ہوا' منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا تم نے اپنے شہروں کی خشکی اور ایک عرصہ سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اس سے دعا مانگو اور تم سے وعدہ فرمایا کہ وہ تمہاری دعا کو قبول کرے گا۔

پھر آپ نے پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ O الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ O (الفاتحہ:۱۔۴)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے وہ بدلے کے دن کا مالک ہے' اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

الذی لا الہ الا ھو یفعل ما یرید اللھم انت اللہ الذی لا الہ الا انت الغنی ونحن الفقراء اللھم انزل علینا الغیث واجعل ما انزلت لنا قوۃ وبلاغا الی حین.

وہی ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو ارادہ فرماتا ہے کرتا ہے اے اللہ! تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو غنی ہے اور ہم فقیر ہیں یا اللہ! ہم پر بارش نازل فرما اور جو کچھ نازل فرمائے اسے ہمارے لئے قوت اور ایک وقت تک پہنچانے والی بنادے۔

پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اس کے بعد لوگوں کی طرف پیٹھ پھیری اور چادر مبارک کو الٹایا اس حال میں کہ آپ نے ہاتھ بلند کئے ہوئے تھے۔

پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اتر کر دو رکعتیں پڑھیں' اللہ تعالیٰ نے بادل ظاہر کر دیئے' گرج پیدا ہوئی اور بجلی چمکی پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش ہوئی' آپ کے مسجد میں تشریف لانے تک نالے بہنے لگے جب آپ نے لوگوں کو چھتوں کے نیچے جانے کے لئے جلدی کرتے دیکھا (لسان العرب ج۱۲ص۱۷۲) تو آپ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی مبارک داڑھیں نظر آنے لگیں آپ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۱۷۳' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ج۳ص۳۴۹' المستدرک ج۱ص۳۲۸' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۱۵۰۸' الدر المنثور ج۱ص۱۴' کنز العمال رقم الحدیث:۲۱۵۸۷)

ابن منذر نے اس نماز کے وقت میں اختلاف ذکر کیا ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں۔ اور اس کے اکثر احکام عید کی طرح ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ یہ کسی معین دن کے ساتھ خاص نہیں۔

اور کیا نماز استسقاء رات کے وقت بھی پڑھی جاسکتی ہے تو بعض حضرات نے اس بات سے کہ نبی اکرم ﷺ نے دن کے وقت اس نماز میں جہری قرأت فرمائی ہے' استدلال کیا کہ یہ عید کی طرح دن کی نماز ہے ورنہ اگر رات کی نماز ہوتی تو آپ مطلق نفل نماز کی طرح دن کے وقت پست آواز سے قرأت فرماتے اور رات کے وقت بلند آواز میں قرأت کرتے۔

ابن قدامہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ نماز مکروہ وقت میں نہ پڑھی جائے۔

ابن حبان نے اس بات کا فائدہ دیا کہ نبی اکرم ﷺ کے استسقاء کے لئے عیدہ گاہ کی طرف جانا رمضان المبارک ۶ھ میں ہوا۔

واقدی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی چادر مبارک کی لمبائی چھ گز اور چوڑائی تین گز تھی۔ آپ کی ازار (تہبند

مبارک) کی لمبائی چار گز تھی اور چوڑائی دو گز اور ایک بالشت تھی جسے آپ جمعہ اور عیدین کے موقعہ پر پہنتے تھے (شرعی گز مراد ہے جو ایک ہاتھ یعنی دو فٹ کا ہوتا ہے)۔

ابوداؤد نے حضرت عبادہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے استسقاء کے وقت سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس کے نچلے حصے کو اوپر والے حصے پر کر دیں تو جب بوجھ محسوس ہوا تو اس کو اپنے کاندھے پر الٹ دیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے جدید قول میں اس فعل کو مستحب قرار دیا جس کا نبی اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ چادر کو پھیرنے کے ساتھ الٹایا بھی کیا جائے اور قرطبی نے دوسروں کی اتباع میں یہ خیال فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جدید قول میں چادر کو الٹانا پسند کیا اس کو پھیرنا نہیں اور ''کتاب الام'' میں وہ بات ہے جو میں نے ذکر کر دی ہے۔

اور جمہور صرف پھیرنے کے قائل ہیں اور اس میں شک نہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جس بات کو اختیار کیا اس میں زیادہ احتیاط ہے حضرت امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس سلسلے میں کوئی بات بھی مستحب نہیں (نہ الٹانا اور نہ پھیرنا) جمہور نے اس بات کو بھی مستحب قرار دیا کہ امام کے الٹانے کے ساتھ لوگ بھی الٹائیں اور اس پر امام احمد کی روایت دلالت کرتی ہے جو انہوں نے اس حدیث کے سلسلے دوسری سند کے ساتھ حضرت عباد رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی کہ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ چادر کو الٹایا۔

حضرت لیث اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں صرف امام الٹائے۔ ابن ماجشون نے عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا اور فرمایا ان کے حق میں مستحب نہیں۔

اس الٹانے میں حکمت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ مہلب نے قطعیت کے ساتھ بتایا کہ یہ موجودہ حالت کو بدلنے کے لیے نیک فال لینا ہے۔ ابن عربی نے ان پر یوں اعتراض کیا کہ فال کی شرط یہ ہے کہ اس کا ارادہ نہ کیا جائے وہ فرماتے ہیں: چادر کو الٹانا آپ کے اور رب کے درمیان علامت ہے آپ سے کہا گیا (یا الہام ہوا) کہ اپنی چادر کو الٹا دیں تاکہ آپ کی حالت بدل جائے اس پر اعتراض ہوا کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی نقلی دلیل چاہیے اور جس بات کو رد کیا ہے اس پر حدیث سے دلیل ہے اور اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اسے امام دارقطنی اور امام حاکم نے حضرت جعفر بن محمد بن علی سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

دارقطنی نے اس حدیث کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے بہر حال محض گمان سے تو یہ بہتر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو آیا ہے کہ پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور منبر پر بیٹھنے کے بعد کی بات ہے تو اس سے استدلال کیا گیا کہ نماز استسقاء میں خطبہ نماز سے پہلے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مقتضاء بھی یہی ہے۔

لیکن حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں وضاحت ہے کہ آپ نے خطبے سے پہلے نماز پڑھائی۔ اسی طرح ''ابن ماجہ میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اذان اور اقامت کے بغیر ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں۔

شافعی اور مالکی مسلک والے دوسری روایت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کی کسی سند میں مذکورہ نماز کی کیفیت بیان نہیں ہوئی اور نہ یہ کہ اس میں

کن آیات کی قرأت کی جائے۔

امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس میں عید کی طرح سات یا پانچ تکبیریں پڑھتے تھے اور ''سبح للہ'' اور ''ھل اتاک'' پڑھتے۔

اس کی سند پر اعتراض کیا گیا ہے لیکن اس حدیث کی اصل سنن (ابی داؤد وغیرہ) میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

''پھر آپ نے نماز پڑھی جس طرح عیدین کی نماز پڑھتے تھے''۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ظاہر کو اختیار کیا اور فرمایا ان دونوں میں تکبیر کہی جائے۔

خطبہ جمعہ میں استسقاء

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبہ جمعہ میں بارش کے لئے دعا مانگتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن ایک شخص مسجد میں اس دروازے سے داخل ہوا جو دار القضاء کی طرف تھا اور نبی اکرم ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے وہ کھڑا کھڑا نبی اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوا پھر عرض کیا یارسول اللہ! مال ہلاک ہوگئے اور راستے ٹوٹ گئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے راوی فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے پھر یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا. یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما (تین مرتبہ فرمایا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم آسمان میں کوئی بادل یا بادل کا ٹکڑا بھی نہیں دیکھتے تھے اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی گھر اور حویلی بھی نہ تھی (کہ آڑ بنتی) تو اس (پہاڑ) کے پیچھے سے ڈھال کی طرح کا بادل طلوع ہوا جب آسمان کے درمیان پہنچا تو بکھر گیا پھر بارش برسنے لگی۔ وہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم ہم نے ہفتہ بھر سورج نہ دیکھا پھر آئندہ جمعہ وہی شخص اسی دروازے سے داخل ہوا اور نبی اکرم ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے وہ آپ کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! مال ہلاک ہوگئے اور راستے ٹوٹ گئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم سے بارش کو روک دے' راوی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی۔ یا اللہ! ہمارے اردگرد ہو ہمارے اوپر نہ ہو' پہاڑوں پر وادیوں کے دامن میں اور درختوں کی جڑوں پر برسے' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بارش ٹھہر گئی اور ہم باہر نکلے تو دھوپ پر چلتے تھے' حضرت شریک فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کیا یہ شخص وہی پہلا شخص تھا؟ انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۔۹' سنن نسائی ج ۳ ص ۱۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۵۳' الدر المنثور ج ۶ ص ۲۸' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۲' نصب الرایۃ ج ۲ ص ۲۳۹' المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۴۶)

ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے جس جس کنارے کی طرف اشارہ فرماتے بادل کھل جاتے حتیٰ کہ میں نے مدینہ طیبہ کو بالکل خالی دیکھا اور وادیٔ قناۃ ایک مہینے تک بہتی رہی اور مضافات سے جو بھی آیا اس نے تیز بارش کی خبر دی۔

نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ 'یغیثنا ہم پر بارش نازل فرمائے' یہاں یاء پر فتح ہے کہا

جاتا ہے "غاث الله البلاد یغیثھا اللہ تعالیٰ نے شہروں پر بارش بھیجی"۔

دارقضاء کی طرف دروازے کا ذکر ہوا تو اس سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مکان مراد ہے اس کو دارقضاء اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مکان آپ پر قرض کی ادائیگی کے لئے بیچا گیا۔

ایک روایت میں ہے "ھلک الاموال مال ہلاک ہو گئے" اور ایک روایت میں ہے جسے کریمہ بنت احمد اور حضرت ابوذر ابن محمد ہروی دونوں نے الکشمیھنی سے روایت کیا "ھلک المواشی" کے الفاظ ہیں یعنی جانور ہلاک ہو گئے۔

مالوں سے بھی جانور ہی مراد ہیں "صحیح بخاری کی" ایک روایت میں "ھلک الکراع" (کاف پر ضمہ) کے ساتھ ہے اور اس کا اطلاق اونٹوں وغیرہ پر ہوتا ہے "صحیح بخاری" میں ہی "ھلک الماشیہ' ھلک العیال اور ھلک الناس" کے الفاظ ہیں جانور ہلاک ہو گئے' بچے ہلاک ہو گئے اور لوگ ہلاک ہو گئے' عام کے بعد خاص کا ذکر ہے اور ان کی ہلاکت سے مراد یہ ہے کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے ان کی روزی نہیں جس کے ذریعے زندہ رہ سکیں۔

اور راستے ٹوٹ گئے کیونکہ رزق کی کمی کی وجہ سے اونٹ سفر سے کمزور ہو گئے یا یہ کہ ان کو راستے میں گھاس وغیرہ نہیں ملتا جس سے ان کا ٹیڑھا پن ختم ہو جائے۔

"الاکام" ہمزے کے نیچے کسرہ ہے' کبھی فتح اور مد کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں یہ اکمه کی جمع ہے' ہمزہ' کاف اور میم پر فتح ہے' مٹی جمع ہو جائے تو اسے اکمہ (ٹیلہ) کہتے ہیں کہا گیا کہ چھوٹے پہاڑ کو کہا جاتا ہے۔

ایک قول کے مطابق زمین کے اٹھے ہوئے حصے کو کہتے ہیں الظراب' ظاء کے نیچے کسرہ ہے ظرب کی جمع ہے اس میں راء مکسور ہے بلند پھیلے ہوئے پہاڑ کو کہتے ہیں۔ "مثل الجوبه" جیم پر فتح' واؤ ساکن اور باء پر فتح ہے گول کشادہ گڑھا یہاں بادلوں میں کشادگی مراد ہے۔

"الجود" تیز بارش "قناة شھرا" وادی قناۃ میں ایک مہینے تک بارش ہوتی رہی۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے عظیم معجزہ پر دلیل ہے وہ یہ کہ تمام بادل آپ کے لئے مسخر ہیں جب آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے صرف اشارے پر حکم کی تعمیل کی حالانکہ آپ نے کلام نہیں فرمایا تھا کیونکہ آپ کا کلام تو اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات میں تھا اور بادلوں کو صرف اشارہ کیا اگر بادلوں کو نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم نہ ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی اس لئے کہ وہ بھی حدیث کی روشنی میں مامور ہیں جہاں جاتے ہیں کس قدر اور کہاں ٹھہرتے ہیں (حکم خداوندی کے تحت سب کچھ ہوتا ہے) شقراطیسی پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے کیا اچھا کہا:

دعوت للخلق عام المحل مبتھلا	افدیک بالخلق من داع ومبتھل
صعدت کفیک اذ کف الغمام فما	صوبت الا بصوب الواکف الھطل
اراق بالارض ثجا صوب ریقه	فحل بالروض نسجا رائق الحلل
زھر من النور حلت روض ارضھم	زھرا من النور صافی النبت مکتمل
من کل غصن نضیر مورق خضر	وکل نور نضید مونق خضل
تحیة احیت الاحیاء من مضر	بعد المضرة تروی السبل بالسبل

دامت علی الارض سبعا غیر مقلعة لو لا دعاؤک بالاقلاع لم تزل

''آپ نے قحط سالی کے موقع پر مخلوق کے لئے خوب کوشش کے ساتھ دعا مانگی میں دعا مانگنے اور اس میں کوشش کرنے والی مخلوق کو آپ پر قربان کرتا ہوں آپ نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے جب بادل روک دیئے گئے تھے اور اس وقت تک ہاتھوں کو نیچے نہیں کیا جب تک بارش کے موٹے موٹے قطرے بہہ نہیں گئے۔ زمین پر شدید بارش برسائی تو وہ باغوں میں یوں اتری کہ تعجب خیر جوڑے بنتی تھی (سبزیاں مراد ہیں)۔ سفید روشنی ان کی زمین کے باغوں میں اتری اور وسیع و کامل شگوفہ کھلا۔ ہر عمدہ شاخ پر سبز پتے لگے اور ہر شگوفہ دوسرے سے متصل تعجب خیز اور تر تھا۔ یہ ایسی دعا جس نے مضر کے قبیلوں کو ضرر کے بعد زندہ کر دیا اور اس نے بارش کے ذریعے راستوں کو سیراب کر دیا اس کے اثرات زمین پر سات دن رہے کہ بارش نہ رکی اگر اس کے رکنے کے لئے آپ دعا نہ فرماتے تو وہ جاری رہتی''۔

حدیث شریف میں ''سبتا'' کا لفظ ہے یعنی ہفتہ سے ہفتہ تک دراصل یہ مجازاً ہے ورنہ آغاز جمعہ سے ہوا اور جمعہ پر اختتام ہوا۔

''ثم دخل رجل'' سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا آدمی تھا کیونکہ جب نکرہ کا تکرار ہو تو تعدد پر دلالت کرتا ہے اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ وہی شخص کھڑا ہوا یا کوئی دوسرا آدمی تھا۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے:

فتقشعت عن المدینة فجعلت تمطر حوالیها وما تمطر بالمدینة قطرة فنظرت الی المدینة وانها لفی مثل الاکلیل.

پس مدینہ طیبہ سے بادل ہٹ گئے اور اردگرد بارش ہونے لگی مدینہ طیبہ میں ایک قطرہ بھی نہ برسا میں نے مدینہ طیبہ کی طرف دیکھا تھا' دائرہ کی طرح کھلا لگتا تھا۔

''الاکلیل'' ہمزہ مکسور ہے اور کاف ساکن ہے ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کناروں سے لپیٹا جائے اور یہ اس چیز کے لئے مشہور ہے جس کو سر پر رکھ کر اس سے گھیرا ڈالا جاتا ہے اور یہ تاج کی طرح بادشاہوں کے لباس میں سے ہے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو لپیٹ دیا اور وہ ٹھہر گئے حتیٰ کہ میں نے مضبوط آدمی کو دیکھا کہ وہ گھر جانے کے لئے پریشان تھا۔

ان ہی کی ایک روایت میں ہے:

فرایت السحاب یتمزق کانه الملاء حین تطوی.

پس میں نے بادلوں کو دیکھا کہ وہ پھٹ گئے گویا وہ ایک چادر ہے جسے لپیٹ دیا گیا۔

''الملاء'' میم پر ضمہ اور الف غیر ممدودہ ہے مد کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے یہ ''ملاءة'' کی جمع ہے معروف کپڑا (تہبند وغیرہ)۔

اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ مخصوص نماز کے بغیر بھی استسقاء ہوتی ہے اور یہ کہ استسقاء (طلب بارش) میں نماز نہیں پہلی بات امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے اور دوسرا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

اس پر یوں گرفت کی گئی کہ اس واقعہ میں محض دعا تھی جو جوازِ نماز کے منافی نہیں اور دوسرے واقعہ میں ثابت ہو چکا

ہے (کہ اس کے لئے نماز پڑھی گئی) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم

منبر پر بارش کے لئے دعا

تیسری صورت یہ ہوتی کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں منبر پر بارش کے لئے دعا فرمائی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "الدلائل" میں یزید بن عبید السلمی سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنوفزارہ کا ایک وفد آپ کے پاس حاضر ہوا اور یہ لوگ دس سے کچھ اوپر تھے ان میں خارجہ بن حصن اور حر بن قیس بھی تھے یہ سب سے چھوٹے تھے۔ یہ لوگ رملہ بنت حارث جو انصاریہ تھیں ان کے گھر اترے' یہ لوگ قحط زدہ کمزور اونٹوں پر سوار تھے وہ اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے' نبی اکرم ﷺ نے ان سے ان کے علاقے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے شہر اور ہمارے صحن قحط سالی کا شکار ہو گئے' ہمارے بچے بھوکے ہو گئے اور ہمارے جانور ہلاک ہو گئے' آپ اپنے رب سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں بارش عطا فرمائے اور ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں سفارش فرمائیں اور آپ کا رب آپ کے ہاں سفارش کرے۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تمہارے لئے خرابی ہو میں اپنے رب کے ہاں سفارش کروں گا لیکن کون ہے جس کے پاس ہمارا رب سفارش کرے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بہت بلند بڑی عظمت والا ہے۔ اس کی کرسی (قدرت) آسمانوں اور زمین کو شامل ہے اس کی عظمت وجلال کی وجہ سے کرسی بھی چرچراتی ہے جس طرح نیا کجاوہ چرچراتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ڈرنے اور تمہاری مدد کے قریب ہونے پر ہنستا ہے (خوش ہوتا ہے)۔

اعرابی نے کہا کیا ہمارا رب ہنستا ہے یارسول اللہ! آپ نے فرمایا ہاں تو اعرابی نے کہا یارسول اللہ! ہم ایسے رب کو مفقود نہیں پائیں گے جو بھلائی کے ساتھ ہنستا ہے (رحمت کا نزول مراد ہے ورنہ اللہ تعالیٰ ہنسنے سے پاک ہے کیونکہ جب کوئی کسی سے سوال کرتا ہے اور وہ ہنستا ہے تو گویا وہ امید کو پوری کرے گا)۔ نبی اکرم ﷺ اس کی بات پر مسکرا پڑے پس آپ کھڑے ہوئے اور منبر پر تشریف لے گئے اور کچھ کلمات کہے اور ہاتھ اٹھائے اور نبی اکرم ﷺ دعا کے لئے صرف استسقاء کے موقعہ پر ہاتھ اٹھاتے تھے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی۔ [1]

اور آپ کی دعا سے جو کلمات یاد کئے گئے وہ یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اسْقِ بَلَدَکَ وَبَھِیْمَتِکَ' وَانْشُرْ رَحْمَتَکَ' وَاحْیِ بَلَدَکَ الْمَیِّتَ' اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُّغِیْثًا مَّرِیْئًا مُّرِیْعًا طَبَقًا وَّاسِعًا' عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ نَّافِعًا غَیْرَ ضَآرٍّ' اَللّٰھُمَّ سُقْیَا رَحْمَۃٍ لَا سُقْیَا	یا اللہ! اپنے ملک اور جانوروں کو سیراب کر دے' اپنی رحمت کو پھیلا دے' اپنے مردہ ملک کو زندہ کر دے یا اللہ! ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو مددگار ہو' اس کا انجام اچھا ہو (نقصان دہ نہ ہو) سرسبز کرنے والی' تمام جگہوں کو گھیرنے

[1] علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات ان احادیث کے خلاف ہے جن سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ استسقاء کے علاوہ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے یہ بے شمار احادیث ہیں جن کو امام منذری نے صرف اسی موضوع پر کتاب میں جمع کیا ہے امام نووی نے "شرح مہذب" میں تیس کے قریب احادیث ذکر کی ہیں امام بخاری نے بھی اس سلسلے میں مستقل باب باندھا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے علم میں یہ بات نہیں آئی یا یہ کہ اس مخصوص طریقے پر کہ بغلیں نظر آئیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے مطلق اٹھانے کی نفی ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۶۱)

عَذَابٌ وَّلَا هَدَمَ وَلَا غَرَقَ وَلَا مَحِقَ، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَانْصُرْنَا عَلَى الْاَعْدَآءِ.

والی اور کشادہ ہو فوری ہو اس میں تاخیر نہ ہو نفع بخش ہو نقصان دہ نہ ہو یا اللہ! رحمت والی بارش ہو عذاب والی بارش نہ ہو مکانوں کو گرانے والی غرق کرنے والی اور مٹانے والی نہ ہو یا اللہ! ہم پر بارش نازل فرما اور ہمیں دشمنوں پر فتح فرما۔

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کھجوریں سٹور میں ہیں (جس جگہ خشک کرنے کے لئے رکھتے ہیں) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اللھم اسقنا'' یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کھجوریں سٹور میں ہیں۔ تین مرتبہ عرض کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اللھم اسقنا'' یا اللہ! ہمیں بارش عطا فرما حتیٰ کہ حضرت ابولبابہ اسی طرح برہنہ (پورے جسم کا ننگا ہونا مراد نہیں) کھڑے ہوئے اور کھجوروں کے سٹور کا سوراخ اپنی چادر سے بند کرنے لگے۔

راوی کہتے ہیں اللہ کی قسم! آسمان میں بادل کی کوئی ٹکڑی نہیں تھی نہ ہی بادل جمع تھے مسجد اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی پردہ بھی حائل نہ تھا پس سلع پہاڑ سے ڈھال جیسے بادل نمودار ہوئے جب آسمان کے درمیان میں پہنچے تو پھیل گئے اور لوگ دیکھ رہے تھے پھر بارش برسنے لگی پس اللہ کی قسم! انہوں نے ہفتہ بھر سورج نہ دیکھا حضرت ابولبابہ ننگے جسم (ستر ڈھانپا ہوا تھا) کھڑے ہوئے اور اپنے سٹور کے سوراخ کو چادر سے بند کر دیا تاکہ اس سے کھجوریں نہ نکلیں۔

ایک شخص نے سوال کیا یعنی وہ جس نے طلب بارش کی دعا کے لئے عرض کیا تھا کہ مال ہلاک ہوئے اور راستے ٹوٹ گئے پس نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور دعا مانگی آپ نے اپنے ہاتھوں کو خوب پھیلا کر بلند کیا حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی پھر یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ.

یا اللہ! ہمارے اردگرد ہو ہمارے اوپر نہ ہو یا اللہ! ٹیلوں اور پہاڑوں پر اور وادیوں کے دامن میں اور درختوں کی جڑوں میں برسے۔

پس بادل مدینہ طیبہ سے اس طرح ہٹ گئے جس طرح کپڑے اپنے پہننے والے سے الگ ہو جاتے ہیں۔

اطیط آنتوں کو کہتے ہیں یعنی کرسی اس کو اٹھانے اور اس کی عظمت سے عاجز ہو گئی کیونکہ یہ معلوم ہے کہ سوار کی وجہ سے کجاوے کا چرچرانا اس کے اوپر جو کچھ ہے (سوار ہے) اس کی قوت کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ اس کو اٹھانے سے عاجز ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی مثال دی گئی وہاں حقیقتاً چرچرانا نہیں تھا یہ بات سمجھانے کے لئے ہے اور مقصد اللہ تعالیٰ کی عظمت کا عقیدہ پکا کرنا تھا۔

''طبقا'' طاء اور باء کے فتح کے ساتھ ہے یعنی زمین کو بھرنے والی اور ڈھانپنے والی ہے۔ کہا جاتا ہے ''غیث طبق'' یعنی عام وسیع بارش۔ ''المربد'' وہ جگہ جہاں کھجوریں خشک کرتے ہیں۔ ''ثعلبہ'' اس مربد کا وہ سوراخ جس سے پانی جاری ہوتا ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

یا رسول اللہ اتیناک ومالنا صبی یغط ولا بعیر یئط.

یارسول اللہ! ہم آپ کے پاس اس حال میں آئے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی بچہ نہیں جو سو سکے اور نہ کوئی اونٹ جو آواز نکالے۔

یعنی ہمارے پاس بالکل کوئی اونٹ نہیں کیونکہ اونٹ کے لئے آواز نکالنا ضروری ہے اور یہ شعر پڑھے:

اتیناک والعذراء یدمی لبانھا وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

والقی بکفیہ الفتی لاستکانۃ من الجوع ضعفا ما یمر ولا یحلی

ولا شیء مما یاکل الناس عندنا سوی الحنظل العامی والعلھز الغسل

ولیس لنا الا الیک فرارنا وابن فرار الناس الا الی الرسل

''ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ ہماری کنواری لڑکیوں کے سینے خون آلود ہو گئے اور بچے کی ماں بچے سے غافل ہو گئی ہے۔

نوجوان بہادر بھوک کی وجہ سے کمزور ہو گیا اس لئے نہیں ذلت کے طور پر ہار مان لی نہ وہ کڑوی گفتگو کرتا ہے اور نہ میٹھی۔

اور ہمارے پاس سوائے عام حنظل (اندرائن کڑوا پھل) اور علہز (ایک کھانا جو وہ لوگ کھاتے تھے) کے سوا کچھ نہیں جس سے لوگ کھائیں۔

اور ہمارے لئے آپ کے پاس آنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور لوگوں کے لئے رسولوں کے پاس ہی بھاگ کر جانا ہوتا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ چادر کھینچتے ہوئے کھڑے ہوئے حتیٰ کہ منبر پر تشریف فرما ہوئے' آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُّغِیْثًا مُّرِیْعًا غَدَقًا طَبَقًا نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَیْرَ رَائِثٍ تَمْلَأُ بِهِ الضَّرْعَ وَتُنْبِتُ بِهِ الزَّرْعَ وَتُحْیِیْ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا.

یا اللہ! ہمیں مدد دینے والی' زیادہ سبزی پیدا کرنے والی' شاخیں نکالنے والی' ہمہ گیر نفع بخش' نہ نقصان دینے والی' فوری' دیر نہ کرنے والی بارش عطا فرما جس سے تو تھنوں کو بھر دے اور اس کے ذریعے کھیتی (میں سبزی) اگائے' اس کے ذریعے زمین کو اس کے ویران ہونے کے بعد آباد کرے۔

راوی کہتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ابھی اپنے دست مبارک اپنے سینے کی طرف نہیں لوٹائے تھے کہ آسمان نے اپنی چمک ڈال دی (بارش ہو گئی) اور مضافاتِ شہر کے رہنے والے ''ڈوب گئے'' ''ڈوب گئے'' کی فریاد کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہمارے اردگرد ہو ہم پر نہ ہو پس بادل مدینہ طیبہ سے چھٹ گئے حتیٰ کہ اس کے گرد تاج کی طرح گول دائرہ بن گیا اور نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں مبارک ظاہر ہو گئیں پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوطالب کو جزائے خیر دے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں ان کا یہ کلام کون پڑھے گا؟ حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! گویا آپ کا ارادہ اس کلام کا ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للا رامل
تطیف به الهلاک من ال هاشم فهم عنده فی نعمة وفواضل
کذبتم وبیت الله نبزی محمدا ولما نطاعن حوله ونناضل
ونسلمه حتی نصرع حوله ونذهل عن ابنائنا والحلائل

''وہ سفید چہرے والے جن کے چہرے کے صدقہ میں بارش برسائی جاتی ہے' یتیموں کے ملجاء اور بیواؤں کی حفاظت کرنے والے۔

آل ہاشم میں سے ہلاک ہونے والے ان کے گرد چکر لگاتے ہیں پس وہ بنو ہاشم ان کے نزدیک نعمتوں اور فضل والے ہیں اور بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا کہ ہم حضرت محمد ﷺ کو غالب نہیں کریں گے۔

اور ہم ان کے گرد ان کا دفاع کرتے ہوئے تیر اندازی نہیں کریں گے۔ اور ہم ان کو تمہارے حوالے کر دیں (جس طرح تمہارا مطالبہ ہے نہیں ایسا نہیں ہوگا) حتیٰ کہ ہم ان کے گرد بچھاڑ دیئے جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھی بھول جائیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں (اسی کی طرف اشارہ ہے)۔

''یدمی لبانها'' ان کے سینے خون آلود ہو گئے کیونکہ انہوں نے خدمت میں اپنے نفسوں کو مشقت میں ڈالا کہ اس سخت حالت اور قحط سالی کی وجہ سے ان سے خدمت لینے والا ان کو کچھ دے نہیں سکتا۔

''لبان'' اصل میں گھوڑے کی ہار والی جگہ (گردن) کو کہتے ہیں پھر مجازاً انسانوں کے لئے بولا گیا۔

''ما یمر وما یحلی'' بھوک اور کمزوری کی وجہ سے نہ اچھی بات کرتا ہے اور نہ بری بات۔

''سوی الحنظل العامی'' عام کی طرف نسبت ہے کیونکہ یہ قحط سالی کے موقعہ پر لیا جاتا ہے جس طرح خشک سالی کو ''السنة'' (سال) کہا جاتا ہے۔

''العلهز'' (کسرہ کے ساتھ) جوہری نے کہا کہ علہز وہ کھانا جو بھوک کے ساتھ خون اور اونٹوں کے بالوں سے تیار کرتے تھے۔ ''الغسل'' ذلت ورسوائی۔

سہیلی کہتے ہیں اگر تم کہو کہ ابو طالب نے کیسے کہہ دیا ''وابیض یستسقی الغمام بوجهه'' اور انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کے ذریعے بارش طلب کی گئی ہو یہ تو ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس سوال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو طالب نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جو حضرت عبدالمطلب کے زمانے میں ہوا جب انہوں نے قریش کے لئے بارش طلب کی اور نبی اکرم ﷺ ان کے ہمراہ تھے اور ابھی آپ کا بچپن تھا۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ ابو طالب نے خود ان الفاظ کے ساتھ آپ کی تعریف کی ہو جب انہوں نے آپ میں یہ آثار دیکھے اگرچہ انہوں نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا۔

میں مصنف کہتا ہوں ابن عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ سے روایت نقل کرتے ہوئے کہا کہ میں مکہ مکرمہ میں آیا اور وہ لوگ قحط میں مبتلا تھے' قریش نے کہا اے ابو طالب! وادی میں قحط پڑ گیا اور اہل وعیال خشک سالی کا شکار ہو گئے اور آپ ان

میں موجود ہیں کیا آپ ان کے لئے بارش طلب نہیں کرتے' ابو طالب باہر نکلے اور ان کے ساتھ ایک بچہ تھا گویا وہ اندھیرے میں چمکنے والا سورج ہے اس سے سیاہ بادل چھٹ گئے اور ان کے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' ابو طالب نے اس بچے کو پکڑ کر اس کی پیٹھ کو کعبہ شریف کے ساتھ لگا دیا بچہ نے اپنی انگلی (کے اشارے) سے پناہ طلب کی اور آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا بادل ادھر ادھر سے آنے لگے' اور وہ پانی سے بھر گئے اور آپ کے لئے وادی کھل گئی (بارش کے پانی سے بھر گئی) نیز شہروں اور دیہاتوں کے لئے زمین سرسبز و شاداب ہوگئی اسی سلسلے میں ابو طالب نے کہا "وابیض یستسقی الغمام بوجهه"۔

دعا کے ذریعے طلبِ بارش

چوتھی صورت یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز کے بغیر دعا کے ذریعے بارش طلب فرمائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قریش نے اسلام لانے میں تاخیر کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی چنانچہ وہ قحط سالی کا شکار ہو گئے حتیٰ کہ وہ ہلاک ہوئے اور انہوں نے مردار اور ہڈیاں کھانا شروع کر دیں ابو سفیان' نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے محمد! (ﷺ) آپ صلہ رحمی کی تعلیم دینے کے لئے تشریف لائے اور آپ کی قوم ہلاک ہوگئی پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ (الدخان: ۱۰)
پس اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان سے واضح دھواں آئے گا۔

پھر وہ لوگ کفر کی طرف لوٹ گئے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۝ (الدخان: ۱۶)
جس دن ہم ان کو بڑی پکڑ کے ساتھ پکڑیں گے۔

اس سے یوم بدر مراد ہے۔

اسباط نے منصور سے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ ذکر کیا۔

"پس نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی تو ان پر بارش ہوئی جس نے ان کو سات دن گھیرے رکھا اور لوگوں نے بارش کے زیادہ ہونے کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی: یا اللہ! ہمارے اردگرد ہو ہم پر نہ ہو"۔ پس آپ کے سرِ انور سے بادل ہٹنے لگے اور اردگرد کے لوگوں پر بارش برسائی گئی۔

دمیاطی نے اس بات کا فائدہ دیا کہ قریش کے خلاف دعا کا آغاز اس واقعہ کے بعد ہوا جب انہوں نے آپ کی پیٹھ مبارک پر ذبح شدہ اونٹ کی اوجھڑی ڈالی اور یہ واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا اور نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا مدینہ طیبہ میں قنوت کے دوران فرمائی۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے۔

اس سے واقعات کا اتحاد لازم نہیں آتا کیونکہ متعدد بار ان کے خلاف دعا مانگنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ابو سفیان ہجرت سے پہلے آئے تھے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے دوبارہ کفر کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی سلسلے میں ہے:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۝ (الدخان: ۱۶)
جس دن ہم ان کو سخت پکڑ کے ساتھ پکڑیں گے۔

اس سے یوم بدر مراد ہے۔

اور یہ بات منقول نہیں کہ ابوسفیان بدر سے پہلے مدینہ طیبہ میں آئے ہوں اس بنیاد پر اس بات کا احتمال ہے کہ ابوطالب اس موقع پر حاضر ہوں اسی لئے انہوں نے یہ کلمات کہے ''وابیض یستسقی الغمام بوجھہ'' لیکن حدیث میں اس طرح بھی آیا ہے جو اس کے مدینہ طیبہ میں واقع پر دلالت کرتا ہے اگر ان واقعات کو متعدد واقعات پر محمول نہ کریں تو اعتراض واقع ہوگا۔

امام بیہقی کی کتاب ''الدلائل'' میں حضرت کعب بن مرہ یا مرہ بن کعب سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مضر قبیلے کے خلاف دعا کی تو ابوسفیان نے حاضر ہو کر عرض کیا اپنی قوم کے لئے دعا کریں وہ ہلاک ہو گئے۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت کعب بن مرہ سے روایت کیا اور (نام میں) شک نہیں کیا اور ابوسفیان کا ذکر ابہام کے ساتھ کیا اور کہا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا مضر قبیلے کے لئے بارش کی دعا کریں اور کہا یا رسول اللہ! آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اس نے آپ کی مدد کی آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اس نے آپ کی دعا قبول کی چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُّغِیْثًا. یا اللہ! مدد کرنے والی بارش عطا فرما۔

تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ مبہم شخص جس کے لئے کہا گیا کہ تم جرأت کرنے والے ہو وہ ابوسفیان ہیں۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ جس نے کہا ''یا رسول اللہ! آپ نے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی'' وہ کعب بن مرہ ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

امام احمد اور امام حاکم نے حضرت کعب بن مرہ (مذکور) سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ مضر کے خلاف دعا کی تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی' آپ کو عطا کیا اور آپ کی دعا کو قبول کیا اور آپ کی قوم ہلاک ہو گئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان اور کعب دونوں حاضر ہوئے۔

اور ابوسفیان نے بھی کچھ بات کی۔ یہ اس واقعہ کے ایک ہونے پر دلالت ہے اور اس میں وہ بات ثابت ہے جو آپ کے اس قول میں کہ ''آپ جرأت کرنے والے ہیں'' اور ''اللھم حوالینا ولا علینا'' میں ثابت ہے اور حضرت کعب کا انداز کلام اس بات کی خبر دیتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں ہوا کیونکہ انہوں نے عرض کیا ''آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی''۔

اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ واقعہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا سابقہ واقعہ ایک ہی ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ''کہ نبی اکرم ﷺ ابھی منبر سے نہیں اترے تھے کہ بارش شروع ہو گئی''۔

اور اسی روایت میں ہے ''کہ جمعہ کا دن یا اس کی مثل تھا کہ بارش ہوئی''۔ اور اس واقعہ میں عرض کرنے والا اس واقعہ کے سائل کے علاوہ ہے پس یہ دونوں الگ واقعات ہیں اور دونوں میں طلب بارش کے لئے استدعا ہے پھر بارش اس وقت طلب کی گئی جب بادل نہیں تھے۔

اور اگر ثابت ہو جائے کہ حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے پہلے ایمان لائے تھے تو ان کا قول ''آپ نے

اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی' دشمنانِ اسلام کے خلاف آپ کی دعا کے قبول ہونے پر محمول کیا جائے گا اور پہلے مذکور اعتراض زائل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

بعض مقامات پر نبی اکرم ﷺ کا بارش کے لئے دعا کرنا

پانچویں صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زوراء کے پاس زیتون کے درختوں کے قریب دعا مانگی اور یہ مسجد کے دروازے باب السلام سے باہر اتنی دور ہے جہاں پھینکا ہوا پتھر پہنچ جائے اور یہ مسجد سے باہر دائیں جانب ہے۔

حضرت عمیر جو ابی اللحم کے آزاد کردہ غلام ہیں' سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا' آپ نے اپنے ہاتھوں کو چہرے کی طرف کر کے اٹھایا ہوا تھا اور وہ سر سے بلند نہیں تھے' اس حالت میں آپ بارش کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ آپ نے بعض غزوات میں بارش کے لئے دعا مانگی جب مشرکین پانی کی طرف آپ سے آگے بڑھ گئے اور مسلمان پیاسے ہوئے تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی اور بعض منافقوں نے کہا اگر یہ نبی ہوتے تو اپنی قوم کے لئے پانی طلب کرتے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے طلب فرمایا تھا۔ یہ بات نبی اکرم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: کیا انہوں نے یہ بات کہی ہے عنقریب تمہارا رب تمہیں بارش عطا کرے گا پھر آپ نے ہاتھ پھیلائے اور دعا مانگی پس آپ نے دعا سے ہاتھ واپس نہیں کئے تھے کہ بادلوں سے اندھیرا چھا گیا اور ان پر بارش برسنے لگی یہاں تک کہ وادی میں پانی جاری ہو گیا اور لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۷' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۴)

فصل نمبر ۳

استسقاء کی بعض دعائیں

حضرت سالم' حضرت عبداللہ سے اور وہ اپنے والد سے (رضی اللہ عنہم) مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بارش کے لئے دعا مانگتے تو یوں فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ' اَللّٰھُمَّ اِنَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ وَالْبَھَائِمِ وَالْخَلْقِ مِنَ اللَّاْوَاءِ وَالْجُھْدِ وَالضَّنْکِ مَا لَا نَشْکُوْہُ اِلَّا اِلَیْکَ' اَللّٰھُمَّ اَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ' وَاَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ' وَاسْقِنَا مِنْ بَرَکَاتِ السَّمَاءِ' وَاَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَکَاتِ الْاَرْضِ' اَللّٰھُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجُھْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرْیَ' وَاکْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا

یا اللہ! ہم پر بارش نازل فرما اور ہمیں ناامید ہونے والوں میں سے نہ کرنا' یا اللہ! بندے' شہر' جانور اور مخلوق سخت مشقت اور تنگی میں ہیں جس کی شکایت ہم صرف تیری بارگاہ میں کر سکتے ہیں یا اللہ! ہمارے لئے کھیتی اُگا دے' تھنوں کو (دودھ سے) بھر دے' ہمیں آسمان کی برکات سے سیراب کر دے اور زمین کی برکات سے سبزی اُگا دے' یا اللہ! ہم سے مشقت' بھوک اور برہنگی کو دور کر دے اور ہم سے اس

يَكْشِفُهُ غَيْرُكَ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ اِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا، فَاَرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْنَا مِدْرَارًا.

مصیبت کو دور کر دے جسے تیرے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا یا اللہ! ہم تجھ سے بخشش کا سوال کرتے ہیں تو بخشنے والا ہے پس ہم پر موسلا دھار بارش نازل فرما۔

اسے امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

فصل نمبر ۴

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش طلب کرنا

ابو الجوزاء روایت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی' ام المؤمنین نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی طرف دیکھو پس اس سے آسمان کی طرف (چھت میں) طاق (چھوٹی کھڑکیاں) بناؤ حتیٰ کہ قبر شریف کے اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے انہوں نے اسی طرح کیا تو بارش ہوگئی حتیٰ کہ گھاس (اُگی) اور اونٹ اس قدر موٹے ہو گئے کہ چربی پھیلنے لگی چنانچہ اس کو ''عام الفتق'' (وسعت کا سال) کہا گیا۔

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو صالح سمان کی روایت سے حضرت مالک الدار سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط ہو گیا تو ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کے پاس آیا اور عرض کیا اپنی امت کے لئے بارش کا سوال کیجئے' یہ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں تو اس شخص کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔

عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عیدگاہ میں طلبِ بارش کے لئے اہتمام کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اٹھیں اور بارش کے لئے دعا کریں۔

حضرت زبیر بن بکار نے ذکر کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ (راء پر زبر اور میم غیر مشدد ہے) میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگی۔ اس سال کو عام الرمادہ اس لئے کہتے ہیں کہ سخت خشک سالی کی وجہ سے بارش نہ ہوئی اور زمین بہت غبار آلود ہوگئی (رماد راکھ کو کہتے ہیں)۔

ابن عساکر نے کتاب الاستقاء میں ذکر کیا کہ اس دن جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارش کے لئے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ عِنْدَكَ سَحَابًا وَّعِنْدَكَ مَآءً، فَانْشُرِ السَّحَابَ ثُمَّ اَنْزِلْ مِنْهُ الْمَآءَ ثُمَّ اَنْزِلْهُ عَلَيْنَا، وَاشْدُدْ بِهِ الْاَصْلَ وَاَطِلْ بِهِ الْفَرْعَ وَاَدِرَّ بِهِ الضَّرْعَ. اَللّٰهُمَّ تُشَفِّعُنَا اِلَيْكَ بِمَنْ لَا مَنْطِقَ لَهٗ مِنْ بَهَآئِمِنَا وَاَنْعَامِنَا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا سُقْيًا وَّادِعَةً

یا اللہ! بے شک تیرے پاس بادل ہیں اور تیرے پاس پانی ہے تو بادلوں کو پھیلا دے پھر ان سے پانی اتار دے پھر اسے ہم پر نازل فرما' اس کے ذریعے جڑوں کو مضبوط اور شاخوں کو لمبا کر دے اور تھنوں کو بہت دودھ والا کر دے' یا اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے جانور اور چوپایوں

بَالِغَۃً طَبَقًا، اَللّٰھُمَّ لَا نَرْغَبُ اِلَّا اِلَیْکَ وَحْدَکَ، لَا شَرِیْکَ لَکَ، اَللّٰھُمَّ نَشْکُوْ اِلَیْکَ سَغَبَ کُلِّ سَاغِبٍ، وَعَدَمَ کُلِّ عَادِمٍ، وَجُوْعَ کُلِّ جَائِعٍ، وَعُرْیَ کُلِّ عَارٍ، وَخَوْفَ کُلِّ خَائِفٍ.

کا واسطہ پیش کرتے ہیں جو بول نہیں سکتے' یا اللہ! ہمیں (حاجت کے مطابق) جاری خوب پہنچنے والی اور وسیع بارش عطا فرما' یا اللہ! ہم صرف تیری طرف رغبت رکھتے ہیں' تیرا کوئی شریک نہیں' یا اللہ! ہم مشقت کے ساتھ بھوکے کی بھوک' ہر معدوم کے عدم اور ہر (مطلق) بھوکے کی بھوک ہر ننگے کے ننگا پن اور ہر خوف زدہ کے خوف کی فریاد تیری بارگاہ میں کرتے ہیں۔

حضرت زبیر بن بکار کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے دعا مانگی تو انہوں نے یوں کہا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَمْ یَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ، وَلَمْ یَکْشِفْ اِلَّا بِتَوْبَۃٍ، وَقَدْ تَوَجَّہَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْکَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَّبِیِّکَ. وَھٰذِہٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْکَ بِالذُّنُوْبِ، وَنَوَاصِیْنَا اِلَیْکَ بِالتَّوْبَۃِ، فَاسْقِنَا الْغَیْثَ.

یا اللہ! مصیبت گناہوں کی وجہ سے اترتی ہے اور توبہ کے ساتھ دور ہوتی ہے اور قوم نے میرے وسیلے سے تیری بارگاہ کی طرف توجہ کی ہے کیونکہ مجھے تیرے نبی کی نسبت سے ایک مقام حاصل ہے ہمارے یہ ہاتھ گناہوں کے ساتھ تیری طرف (اٹھے ہیں)' ہماری پیشانیاں توبہ کے ساتھ تیری طرف ہیں پس ہم پر بارش نازل فرما۔

چنانچہ پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے اور زمین شاداب ہوگئی اور لوگ خوشحال ہوگئے۔

ان (زبیر بن بکار) کے نزدیک یوں ہے کہ لوگ قحط زدہ ہوگئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس طرح سمجھتے تھے جس طرح بچہ اپنے والد کو سمجھتا ہے اے لوگو! نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں آپ کی اقتدا کرو اور ان کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بناؤ اس حدیث میں یوں آیا کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں تھے کہ بارش ہوگئی۔[1]

اس سلسلے میں عباس بن عتبہ بن ابولہب نے کہا:

بعمی سقی اللہ الحجاز واھلہ ... عشیۃ یستسقی بشیبتہ عمر

توجہ بالعباس فی الجدب راغبا ... الیہ فما ان رام حتی اتی المطر

ومنا رسول اللہ فینا تراثہ ... فھل فوق ھذہ للمفاخر مفتخر

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں اور اہل بیت نبوت کے وسیلہ سے دعا مانگنا مستحب ہے نیز حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تواضع بھی واضح ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت امام بخاری نے نقل کی وہ فرماتے ہیں کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگتے اور یوں کہتے یا اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلے سے تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے تو ہمیں بارش عطا کرتا اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں تو ہمیں بارش عطا کر' راوی فرماتے ہیں اسی وقت بارش ہو جاتی تھی۔

''میرے چچا کے وسیلہ سے حجاز اور حجاز والوں کو اللہ تعالیٰ نے بارش عطا فرمائی اس رات جب ان کے بڑھاپے کے وسیلے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے لئے دعا کی۔

آپ نے خشک سالی میں امید کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو ان کے ارادہ کرتے ہی بارش آ گئی۔

رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہیں اور ان کی وراثت (علوم ومعارف وشرافت) ہمارے پاس ہے تو کیا کسی فخر کرنے والے کے لئے اس سے بڑی فخر کی بات ہو سکتی ہے''؟

تیسری قسم

نبی اکرم ﷺ کی نمازِ سفر

اس میں کئی فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

نماز میں آپ کا قصر کرنا اور اس کے احکام

پہلی نوع

کتنی رکعات میں نبی اکرم ﷺ قصر فرماتے تھے؟

اس مقصد کے شروع میں یہ بات گزر گئی ہے کہ قصر رخصت ہے یا عزیمت؟

اور دونوں قولوں کے دلائل بھی بیان ہو چکے ہیں۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ میں چار رکعات پڑھی ہیں اور آپ مکہ مکرمہ کے ارادے سے نکلے تو ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔

اہل ظاہر نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ہر قسم کے سفر میں قصر کو جائز قرار دیا وہ لمبا سفر ہو یا چھوٹا۔ کیونکہ مدینہ طیبہ اور ذوالحلیفہ کے درمیان چھ میل اور ایک قول کے مطابق سات میل کی مسافت ہے۔

جمہور کے نزدیک صرف اس سفر میں قصر جائز ہے جو دو مرحلوں کو پہنچے حضرت امام ابوحنیفہ اور ایک گروہ نے تین مراحل کی شرط رکھی ہے اور صحابہ کرام سے مروی آثار پر اعتماد کیا ہے۔

لیکن اس حدیث میں اہل ظاہر کے لئے کوئی دلالت نہیں کیونکہ مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حجۃ الوداع

[1] سفر میں چار رکعتیں ہی پڑھنا عزیمت ہے اور دو پڑھنا رخصت ہے' احناف کے نزدیک رخصت پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ گناہ گار ہوگا۔۱۲ ہزاروی

کے موقعہ پر مکہ مکرمہ کی طرف سفر کیا تو مدینہ طیبہ میں ظہر کی نماز چار رکعات پڑھیں۔

جب عصر کا وقت ہوا تو اس وقت آپ ذوالحلیفہ میں حالتِ سفر میں تھے پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں یہ مراد نہیں کہ سفر کی انتہاء ذوالحلیفہ پر ہوئی پس اس میں قطعاً (اس بات پر) دلالت نہیں (کہ تھوڑی مسافت پر قصر کا حکم ہے)۔

اور مطلق احادیث قرآن مجید (کی آیت) کے ساتھ مل کر ایک دوسری کو مضبوط کرتی ہیں کہ جب کوئی شخص گھر سے نکلے تو اس کے لئے قصر جائز ہے جب وہ شہر (کی حدود) سے نکلے کیونکہ وہ اس وقت مسافر ہوتا ہے۔

طویل سفر ہاشمی میل کے حساب سے اڑتالیس میل ہے اور یہ بارہ فرسخ ہیں جو چار برید بنتے ہیں اور زمین کا میل حد نگاہ کو کہتے ہیں کیونکہ آدمی کی نگاہ اس سے زمین کی طرف مائل (متوجہ) ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کا ادراک فنا ہو جاتا ہے۔ ابن جوزی نے اس بات کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کی حد یہ ہے کہ تم کسی ہموار زمین میں کسی شخص کو دیکھو تو پتہ نہ چلے کہ یہ مرد ہے یا عورت' یا معلوم نہ ہو کہ وہ جا رہا ہے یا آ رہا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میل چھ ہزار گز کا ہوتا ہے اور ایک گز چوبیس انگلیوں کی چوڑائی کے حساب سے ہے دوسرے حضرات نے لوہے کے گز سے جو آج کل مصر اور حجاز مقدس میں استعمال ہوتا ہے' اس کا اندازہ لگایا تو وہ لوہے کے گز سے آٹھویں حصے کے برابر کم نکلا۔

پس اس بنیاد پر لوہے کے گز کے حساب سے میل پانچ ہزار دو سو پچاس گز بنتے ہیں یہ بہت بڑا فائدہ بہت کم لوگ اس سے آگاہ ہیں (آج کل مسافت سفر بانوے (۹۲) کلومیٹر ہے)۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عطاء رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) دو رکعتیں پڑھتے تھے یعنی چار برید یا اس سے زیادہ مسافت کی صورت میں چار رکعات میں قصر کرتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں تعلیقاً ایسے الفاظ کے ساتھ نقل کیا جو قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے اسے ''صحیح ابن خزیمہ سے'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا۔

شروع میں نماز دو دو رکعتیں فرض تھی جب نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کی تو چار فرض ہو گئیں۔

یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کی ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس سے ٹکراتی ہے وہ فرماتے ہیں نماز غیر سفر میں چار رکعات اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہوئی۔

ان دونوں روایتوں کو جمع کرنے کے سلسلے میں طویل بحث ہے۔

پھر جب چار رکعات فرض مستقل ہو گئے تو سفر کی حالت میں ان میں تخفیف کر دی گئی جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ. (النساء:۱۰۱) — پس تم پر کوئی حرج نہیں کہ نماز میں قصر کرو۔

اس کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے ابن اثیر نے ''شرح مسند میں'' ذکر کیا کہ چار ہجری میں نماز میں قصر کا حکم ہوا یہ بھی کہا گیا کہ ۲ھ کے مہینے ربیع الثانی میں نماز میں قصر کا حکم ہوا یہ بات دولابی نے ذکر کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہجرت

کے چالیس دن بعد یہ حکم دیا گیا۔

دوسری نوع

اقامت کے ساتھ قصر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے تو آپ دو دو رکعتیں پڑھتے تھے حتیٰ کہ ہم مدینہ طیبہ کی طرف واپس آئے پوچھا گیا کیا تم مکہ مکرمہ کچھ دن ٹھہرے؟ فرمایا ہم وہاں دس دن ٹھہرے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا اور امام مسلم نے اختصار کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ دس دن ٹھہرے اور ہم قصر کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ انیس دن ٹھہرے اور آپ قصر کرتے رہے پس ہم جب انیس دن ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں اور جب زیادہ ٹھہریں تو پوری نماز پڑھتے ہیں۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں سترہ دن رہے اور نماز میں قصر کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر نبی اکرم ﷺ مزید ٹھہرتے تو پوری نماز پڑھتے۔

پہلی روایت میں تاء سین سے مقدم ہے (تسع ہے) اور دوسری روایت میں سین تاء پر مقدم ہے (سبعۃ ہے)۔

ابوداؤد نے عمران بن حصین سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ فتح مکہ میں شرکت کی پس آپ مکہ مکرمہ میں اٹھارہ راتیں رہے اور صرف دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

انہوں (ابوداؤد) نے محمد بن اسحاق کے طریق سے بھی روایت کیا وہ امام زہری سے وہ حضرت عبیداللہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں پندرہ دن ٹھہرے اور نماز میں قصر کرتے رہے۔

امام بیہقی نے اس اختلاف کو یوں جمع کیا کہ جس نے انیس دن کا قول کیا اس نے داخل ہونے اور تشریف لے جانے کے دو دنوں کو بھی شامل کیا اور جس نے سترہ دن کا قول کیا اس نے ان دونوں کو حذف کیا جس نے اٹھارہ دن کا قول کیا اس نے ایک کو شامل کیا۔ امام بیہقی نے اسی طرح جمع کیا جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

پندرہ دنوں والی روایت کو امام نووی رحمہ اللہ نے ''الخلاصہ میں'' ضعیف قرار دیا لیکن یہ تضعیف (کمزور قرار دینا) صحیح نہیں کیونکہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس میں ابن اسحاق منفرد نہیں ہیں کیونکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے عراک (راوی) کی روایت سے نقل کیا۔

جب ثابت ہو گیا کہ یہ روایت صحیح ہے تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ راوی نے اصل سترہ دن گمان کئے اور ان میں داخل ہونے اور واپسی کا دن نکال دیا اور پندرہ کا ذکر کیا اس کا تقاضا یہ ہے کہ انیس دنوں والی روایت کو سب سے

زیادہ ترجیح ہے۔[1]

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی حدیث کو اختیار کیا (جس میں اٹھارہ دنوں کا ذکر ہے) لیکن اس کا محل ان کے نزدیک اس شخص سے متعلق ہے جو اقامت کی نیت نہ کرے کیونکہ جب مدت مذکورہ گزر جائے تو نماز کو پورا کرنا ضروری ہے اگر شروع میں چار دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے تو نماز کو پورا کرے پھر آپ کے شاگردوں میں اختلاف ہے کہ داخل ہونے اور واپسی کا دن داخل ہیں یا نہیں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث فتح مکہ کے بارے میں ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام چوتھے دن کی صبح پہنچے اور اس میں شک نہیں کہ مکہ مکرمہ سے چودھویں دن کی صبح واپس ہوئے پس مکہ مکرمہ اور اس کے نواحی میں ٹھہرنے کی مدت دس دن اور دس رات ہوئی جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور مکہ مکرمہ میں اس کے علاوہ چار دن ٹھہرے کیونکہ چوتھے دن تشریف لائے اور آٹھویں دن وہاں سے باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز منیٰ میں ادا کی۔

اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسافر جب کسی شہر میں مقیم ہو تو چار دن قصر کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو مدت بیان ہوئی ہے اس سے ان لوگوں کے حوالے سے استدلال صحیح ہے جو اقامت کی نیت نہ کریں بلکہ انہیں تردد ہو کہ جب بھی ان کا کام ہو گیا وہ واپس چلے جائیں گے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس مدت کا ذکر ہے وہ اس کے بارے میں ہے جو اقامت کی نیت کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے دنوں میں اس مدت میں ٹھہرنے کی پکی نیت کی تھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جب مقیم کے لئے اصل پوری نماز پڑھنا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نہیں آئی کہ آپ نے سفر میں اس مدت سے زیادہ قیام کیا ہو تو اس کو قصر نماز کی انتہا قرار دیا۔ واللہ اعلم

فصل نمبر ۲

دو نمازوں کو جمع کرنا

اس میں دو نوع ہیں۔

---

[1] پندرہ دن پر سب کا اتفاق ہے اور یہ روایت صحیح بھی ہے تو اس پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے احناف کے نزدیک کم از کم پندرہ دن ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

پہلی نوع

نبی اکرم ﷺ کا جمع کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو وقت عصر تک مؤخر کرتے پھر اتر کر دونوں نمازوں کو جمع کرتے اور جب سورج ڈھل چکا ہوتا تو کوچ کرنے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھتے پھر سوار ہوتے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا ارادہ فرماتے تو ظہر کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ وقت عصر کا آغاز ہو جاتا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ نے جلدی سفر پر نکلنا ہوتا تو ظہر کو عصر کے ابتدائی وقت تک موخر کرتے پھر دونوں کو جمع کرتے اور مغرب کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ اسے اور عشاء کو جمع کرتے۔

''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں نمازوں کو سفر میں جمع فرماتے تھے یعنی مغرب اور عشاء کو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر اور عصر کی نماز کو جمع کرتے جب سفر کرنا ہوتا۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے جب غزوۂ تبوک کی طرف سفر کیا تو آپ نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا۔

امام مسلم' امام مالک' امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا کہ صحابہ کرام' غزوۂ تبوک میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تشریف لے گئے تو آپ نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع فرمایا پس ایک دن ظہر کو مؤخر کر دیا پھر باہر تشریف لائے تو ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھا اور اندر تشریف لے گئے پھر تشریف لائے تو مغرب وعشاء کو اکٹھا پڑھا۔[1]

ابوداؤد اور ترمذی کی ایک روایت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ آپ غزوۂ تبوک میں تھے جب سورج ڈھل گیا اور ابھی آپ نے کوچ نہیں کیا تھا تو آپ نے ظہر وعصر کو جمع کیا اگر آپ سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ نماز عصر کے لئے اترتے۔

مغرب میں بھی اسی طرح کرتے تھے اگر کوچ کرنے سے پہلے سورج غروب ہو جاتا تو مغرب وعشاء کو جمع کرتے اور اگر سورج کے غروب ہونے سے پہلے کوچ کرتے تو مغرب کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ عشاء کے لئے اترتے پھر ان کو جمع کرتے۔[2]

---

[1] احناف کے نزدیک جمع صوری جائز ہے ہر نماز اپنے وقت پر ہو ظہر آخر وقت میں اور عصر اول وقت میں ہو ان احادیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آپ نے ظہر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جمع صوری تھی یعنی ظہر کی نماز آخر وقت میں اور عصر کی شروع وقت میں اس طرح مغرب وعشاء کی نمازوں کو پڑھا لہٰذا ہر نماز اپنے وقت پر ہوئی اور قرآن مجید میں اس بات کا حکم ہے کہ نماز اپنے اپنے وقت پر فرض ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کو ظہر کے وقت میں اور عشاء کو مغرب کے وقت میں پڑھا جاتا تھا لیکن امام زرقانی فرماتے ہیں یہ حدیث معلول ہے ائمہ کی ایک جماعت نے اسے معلول قرار دیا لیث سے روایت میں قتیبہ متفرد ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۷۳)

دوسری نوع

عرفات اور مزدلفہ میں جمع کرنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھا۔
اس حدیث کو امام بخاری' امام مسلم' امام مالک' اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ نے نقل کیا اور امام بخاری نے یہ اضافہ کیا کہ دونوں نمازوں کو ایک ہی اقامت سے پڑھا اور درمیان میں نفل (اور سنتیں وغیرہ) نہیں پڑھے۔
"صحیح مسلم میں ہے کہ" آپ نے مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع کیا اور مغرب کی تین جب کہ عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں۔
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں اکٹھی پڑھی۔
"سنن نسائی کی" ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اقامت سے پڑھیں۔
حضرت جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان سے پڑھیں اور ان کے درمیان (سنتیں اور) نفل نہیں پڑھے اور نہ ہی اقامت کہی اور مغرب و عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں اور درمیان میں نفل نہیں پڑھے۔

فصل نمبر ۳

سفر میں نبی اکرم ﷺ کا نفل پڑھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفر کیا یہ حضرات ظہر اور عصر کی دو' دو رکعتیں پڑھتے اور ان سے پہلے اور بعد میں نماز (نفل وغیرہ) نہ پڑھتے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر میں ان رکعتوں سے پہلے اور بعد میں کچھ پڑھوں تو ان کو پورا کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۰۲)
ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی تو میں نے آپ کو سفر میں نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا یعنی فرض نماز سے پہلے اور بعد وہ نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا جو آپ ہمیشہ پڑھتے تھے اور یہ بات ان کے اس قول سے حاصل کی گئی ہے جو دوسری روایت میں ہے کہ آپ سفر میں دو رکعتوں پر اضافہ نہیں فرماتے تھے۔
ابن دقیق العید نے کہا کہ اس لفظ میں احتمال ہے کہ فرض نماز کی رکعتوں پر اضافہ مراد ہو تو یہ نماز مکمل نہ کرنے سے

کنایہ ہوگا اور اس سے مراد ہمیشہ قصر کرنا ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ نفل نماز کا اضافہ نہیں کرتے تھے اور ممکن ہے اس سے بھی عام مراد ہو۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ہے (حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں) میں نے مکہ مکرمہ کے راستے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحبت اختیار کی تو آپ نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر آپ بھی چل پڑے اور ہم بھی چلے حتیٰ کہ جب منزل پر پہنچے تو آپ بھی تشریف فرما ہوئے اور ہم بھی بیٹھے اچانک آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہیں فرمایا یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا نفل پڑھ رہے ہیں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں نفل پڑھنے والا ہوتا تو (فرض نماز کو) مکمل کرتا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کرام نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کا جواب یوں دیا ہے کہ فرض نماز حتمی ہے اگر اس کو پورا کرنا جائز ہوتا تو اس کا پورا کرنا بھی حتمی ہوتا لیکن نفل نماز کے لئے نمازی کو اختیار ہے کہ اس میں نرمی کا طریقہ یہ ہے کہ نفل پڑھنا جائز ہو لیکن اس سلسلے میں اختیار دیا جائے۔

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے مراد یہ ہے کہ اگر فرض نماز کو پورا کرنے اور نفل (سنتیں وغیرہ) پڑھنے کے درمیان اختیار دیا جاتا تو فرض نماز کو مکمل کرنا مجھے زیادہ پسند تھا لیکن انہوں نے قصر سے یہ بات سمجھی کہ تخفیف مطلوب ہے اس لئے وہ نوافل (اور سنتیں وغیرہ) بھی نہیں پڑھتے تھے اور نماز کو مکمل (چار رکعات) نہیں کرتے تھے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سواری پر وتر پڑھتے تھے انہوں نے ''باب الوتر فی السفر'' کے عنوان سے باب قائم کیا اور ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا جو کہتے ہیں کہ سفر میں وتر پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ یہ بات حضرت ضحاک سے منقول ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۶۲۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ اگر میں نے نوافل (وغیرہ) پڑھنے ہوتے تو (فرائض کو) پورا کرتا جیسے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے تو انہوں نے سنت مؤکدہ مراد لئے ہیں' مقصودی نفل جیسے وتر مراد نہیں یہ بات امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث سے معلوم ہوئی جو ان الفاظ میں منقول ہے کہ اگر میں ان (دو فرض رکعتوں) سے پہلے یا بعد میں کچھ پڑھتا تو اسی کو پورا کر دیتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے چار اور بعد کی دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔ تو اس میں واضح نہیں کہ آپ سفر میں بھی اسی طرح کرتے تھے' ہوسکتا ہے کہ ام المؤمنین نے آپ کے عام حالات یعنی اقامت کے بارے میں خبر دی ہو اور سفر کے حالات عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے دوسروں کی اتباع میں ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا ہے کہ شاید نبی اکرم ﷺ سنت مؤکدہ اپنی منزل میں پڑھتے ہوں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کو نہ دیکھا ہو یا بعض اوقات یہ بتانے کے لئے چھوڑ دیئے ہوں کہ نہ پڑھنا بھی جائز ہے۔

''جامع ترمذی کی'' روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ

کے ہمراہ ظہر کی نماز سفر میں دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد بھی دو رکعتیں پڑھیں۔

ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ سفر و حضر میں نماز پڑھی ہے حضر (حالتِ اقامت میں) میں نے آپ کے ساتھ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور سفر میں آپ کے ہمراہ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھی ہیں اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد کچھ نہیں پڑھا اور مغرب کی نماز سفر و حضر میں تین رکعات ہیں وہ حضر اور سفر میں کم نہیں ہوتیں اور یہ دن کی وتر (طاق) نماز ہے اور اس کے بعد دو رکعتیں ہیں۔

''صحیح مسلم میں'' صبح کی نماز سے سو جانے والے واقعہ کے سلسلے میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صبح سے پہلے دو رکعتیں ادا فرمائیں پھر صبح کی نماز پڑھی جیسا کہ پڑھا کرتے تھے۔

''الہدی النبوی کے'' مصنف (ابن قیم) نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے یہ بات یاد نہیں کہ آپ نے سفر میں (فرض) نماز سے پہلے یا بعد سنتیں پڑھی ہوں مگر فجر کی سنتیں پڑھتے تھے۔

ابن قیم کے اس مطلق قول پر اس حدیث کے ذریعے اعتراض ہوتا ہے جو ہم نے ترمذی کی روایت سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے اور جو کچھ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ اٹھارہ سفر کیے ہیں لیکن میں نے نبی کریم ﷺ کو سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے دو رکعتوں کو ترک کرتے ہوئے نہیں دیکھا گویا یہ حدیث ابن قیم کے نزدیک ثابت نہیں لیکن امام ترمذی نے اس کو غریب قرار دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اسے حسن قرار دیا بعض علماء نے اسے وقتِ زوال کی سنتوں پر محمول کیا ظہر سے پہلے کی سنت مؤکدہ قرار نہیں دیا (کیونکہ ظہر سے پہلے چار سنتیں ہیں)۔

فصل نمبر ۴

نبی اکرم ﷺ کا حالتِ سفر میں جانور پر نفل پڑھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی نفل نماز پڑھتے آپ کی اونٹنی جدھر بھی متوجہ ہوتی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نماز پڑھتے اس حالت میں کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے جاتے جدھر بھی رخ ہوتا اور اسی سلسلے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ: ۱۱۵) جدھر بھی پھرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دراز گوش پر (نفل) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ خیبر کی طرف متوجہ تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ اونٹ پر (نفل) نماز پڑھ رہے تھے۔

مختلف شہروں کے فقہاء کرام نے ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے حالتِ سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا۔ سواری کا رخ جدھر بھی ہو البتہ امام احمد اور ابوثور رحمہما اللہ اس بات کو مستحب قرار دیتے ہیں کہ نماز کے آغاز

میں تکبیر کے وقت قبلہ رخ ہو اور اس سلسلے میں دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب سفر میں نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو قبلہ رخ ہوتے پھر آپ کی سواری جدھر بھی رخ کرتی آپ نماز پڑھتے۔

جمہور اس طرف گئے ہیں کہ جانور (سواری) پر نفل پڑھنا جائز ہے چاہے سفر لمبا ہو یا چھوٹا البتہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے لمبے سفر کے ساتھ خاص کیا ہے اور اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ احادیث نبی اکرم ﷺ کے سفروں کے سلسلے میں وارد ہیں اور آپ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے کوئی چھوٹا سفر کیا ہو اور اس میں یہ طریقہ اختیار کیا ہو۔ جبکہ جمہور کی دلیل اس سلسلے میں روایات کا اطلاق ہے۔

یہ الفاظ کہ ''آپ دراز گوش پر نماز پڑھتے تھے'' اس سلسلے میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دارقطنی وغیرہ نے فرمایا کہ یہ عمرو بن یحییٰ مازنی سے غلط (منقول) ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی نماز اونٹنی یا اونٹ پر معروف ہے اور درست بات یہ ہے کہ دراز گوش پر نماز حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل ہے جیسا کہ امام مسلم نے ذکر کیا۔

پھر فرمایا کہ اس کے راوی کو غلط قرار دینا محلِ نظر ہے کیونکہ یہ ثقہ راوی ہیں انہوں نے ایسی بات نقل کی جس میں احتمال ہے۔ شاید ایک آدھ مرتبہ دراز گوش ہو اور اونٹ ایک یا زیادہ مرتبہ ہو لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ شاذ ہے جمہور کی روایت کے خلاف ہے اور شاذ روایت مردود ہوتی ہے۔

حضرت یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (حضرت یعلیٰ کے دادا سے) روایت کرتے ہیں [1] کہ وہ لوگ ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے وہ ایک تنگ مقام تک پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا پس ان پر اوپر سے بارش برسنے لگی اور نیچے زمین گیلی ہو گئی' نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر تھے آپ کو اجازت دی گئی تو آپ نے ان کو نماز پڑھائی آپ اشارہ فرماتے اور رکوع (کے اشارے) سے سجدے (کے اشارے) کو کچھ پست رکھتے۔

چوتھی قسم

نبی اکرم ﷺ کی نمازِ خوف

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آئے حتیٰ کہ جب ''ذات الرقاع'' تک پہنچے تو ایک درخت کے پاس پہنچے جس کا سایہ گھنا تھا ہم نے وہ درخت نبی اکرم ﷺ کے لئے چھوڑ دیا اس دوران مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور نبی اکرم ﷺ کی تلوار درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی اس نے اسے میان سے نکالا اور کہا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں؟ فرمایا نہیں اس نے کہا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ فرمایا اللہ' صحابہ کرام نے اسے ڈرایا دھمکایا اور تلوار کو میان میں کیا اس کے بعد نماز کھڑی ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر وہ

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت یعلیٰ بن مرہ حدیبیہ وغیرہ میں شریک ہوئے اور ان کے والد مرہ کے لئے صحابیت ثابت ہے لیکن ان کے دادا کے لئے صحبت ثابت نہیں اور یہ حدیث خود حضرت یعلیٰ سے مروی ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۷۷)

پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں تو اس طرح نبی اکرم ﷺ نے چار رکعات پڑھیں اور صحابہ کرام نے دو رکعتیں ادا کیں۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ''ہم نے نبی اکرم ﷺ کے پیچھے دو صفیں باندھیں اور دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا' نبی اکرم ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم سب نے بھی تکبیر کہی پھر آپ نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ہم سب نے بھی اٹھایا پھر آپ اور جو صف آپ سے متصل تھی' سجدے میں چلے گئے اور پچھلی صف دشمنوں کے مقابلے میں کھڑی رہی' نبی کریم ﷺ سجدے سے فارغ ہوئے اور آپ سے متصل صف کھڑی ہو گئی تو دوسری صف سجدے میں گئی اور پھر کھڑے ہو گئے پھر پچھلی صف آگے آ گئی اور پہلی صف پیچھے چلی گئی اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے رکوع کیا اور ہم نے بھی رکوع کیا پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ہم سب نے بھی اٹھایا پھر آپ اور آپ سے متصل صف سجدے میں چلی گئی جو پہلی رکعت میں پیچھے تھی اور دوسری صف دشمن کے سامنے کھڑی رہی جب نبی اکرم ﷺ اور آپ سے متصل صف سجدے سے فارغ ہوئی تو پچھلی صف سجدے میں چلی گئی اور انہوں نے سجدہ کیا پھر نبی کریم ﷺ نے سلام پھیرا اور ہم سب نے بھی سلام پھیرا۔

''صحیح مسلم و بخاری میں''یزید بن رومان کی حدیث ہے جو صالح بن خوارت سے مروی ہے وہ اس سے روایت کرتے ہیں جس نے ذات الرقاع والے دن نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نمازِ خوف ادا کی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ایک گروہ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صف باندھی اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابل تھا آپ نے اس گروہ کو ایک رکعت پڑھائی پھر کھڑے رہے اور ان لوگوں نے اپنی نماز خود مکمل کی اور واپس جا کر دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور دوسرا گروہ آیا آپ نے ان کو وہ رکعت پڑھائی جو باقی تھی پھر آپ بیٹھے رہے اور ان لوگوں نے اپنی نماز خود مکمل کی اور آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے نماز خوف کے بارے میں جو کچھ سنا ہے یہ (مذکورہ بالا) اس میں سے سب سے اچھا ہے' امام مالک رحمہ اللہ نے اس طریقے کو ترجیح دی ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے اس ترجیح پر ان کی موافقت کی ہے کیونکہ یہ طریقہ زیادہ مخالفت سے محفوظ ہے اور لڑائی کے سلسلے میں زیادہ محتاط بھی ہے۔

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کیا تو ہم نے دشمن کے مقابلے میں صف بندی کی' نبی اکرم ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہوا اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل گئی' نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ کھڑے نمازیوں نے رکوع کیا اور دو سجدے کئے پھر وہ لوگ اس گروہ کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی' وہ لوگ آئے اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو ایک رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی پھر ان میں سے ہر ایک نے خود ایک رکوع اور دو سجدے کئے (اور نماز مکمل کی)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لوگوں کو حالتِ خوف میں وادیٔ نخل کے دامن میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے تو آپ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا اس کے بعد دوسرا گروہ آیا تو ان کو دو

رکعتیں پڑھا کر سلام پھیرا۔ اس حدیث کو امام بغوی نے ''شرح السنہ'' میں روایت کیا۔ [1]

(معجم ما استعجم ج ۴ ص ۱۳۰۲ معجم البلدان ج ۵ ص ۲۷۶)

انہی (حضرت جابر رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ضجنان اور عسفان کے درمیان اترے تو مشرکین نے کہا ان لوگوں کی ایک نماز ہے جو ان کو ان کے باپوں' بیٹوں اور ماؤں سے بھی زیادہ محبوب ہے اور یہ نماز عصر ہے پس انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان پر یک دم حملہ کر دیں' حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنے صحابہ کرام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں اور ان کو نماز پڑھائیں ایک گروہ ان کے پیچھے کھڑا ہو اور اپنا بچاؤ اختیار کریں اور اسلحہ سے لیس ہوں پس ان کے لیے ایک رکعت اور حضور علیہ السلام کی دو رکعتیں ہوئیں۔

ابن حزم نے کہا اس میں یعنی نماز خوف کے سلسلے میں چودہ طریقے صحیح ثابت ہیں اور انہوں نے مستقل رسالے میں ان کو بیان کیا۔

ابن عربی نے ''القبس میں'' فرمایا کہ اس سلسلے میں بے شمار روایات ہیں جن میں سے سولہ روایات مختلفہ صحیح ہیں انہوں نے ان کو بیان نہیں کیا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' اسی طرح فرمایا لیکن انہوں نے بھی ان کو بیان نہیں کیا۔

حافظ زین الدین عراقی نے ''شرح ترمذی میں'' ان کو بیان کیا اور مزید ایک وجہ بیان کی پس یہ سترہ طریقے ہو گئے لیکن ممکن ہے کہ ایک دوسرے میں داخل ہوں۔

''الھدی کے'' مصنف (ابن قیم) نے کہا کہ اصولی طور پر چھ طریقے ہیں اور بعض نے ان کو زیادہ قرار دیا اور ان لوگوں نے جب بھی کسی واقع میں راویوں کا اختلاف دیکھا تو اس کو نبی اکرم ﷺ کا الگ مستقل عمل قرار دیا حالانکہ وہ راویوں کا اختلاف ہے۔

یہی بات قابلِ اعتماد ہے حافظ عراقی نے جو تداخل کا امکان بیان کیا وہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

ابن قصار مالکی نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز خوف دس مرتبہ پڑھی ہے۔ ابن عربی نے کہا چوبیس بار پڑھی ہے۔ خطابی کہتے ہیں مختلف دنوں میں مختلف شکلوں میں پڑھی ہے۔

اس میں اس صورت کو تلاش کیا جائے جو نماز کے لئے زیادہ محتاط ہے اور زیادہ حفاظت کا باعث ہو اگرچہ صورتیں مختلف ہیں لیکن معنیٰ ایک ہی ہے۔

کتب فقہ میں ان صورتوں کی بہت تفصیل ہے اور اس کے فروع ہیں جن کا ذکر طویل ہے۔ (فتح الباری میں ان کو نقل کیا گیا ہے)۔ [2]

---

[1] اس حدیث کی سند ضعیف ہے (زرقانی ج ۸ ص ۸۰) ویسے بھی خلاف عقل ہے کیونکہ دو مرتبہ الگ الگ سلام کے ساتھ ذکر ہے گویا حضور ﷺ نے دو مرتبہ فرض پڑھے یا ایک نماز کو دو مرتبہ ملانے کے ساتھ پڑھا۔ ۱۲ ہزاروی

[2] نماز خوف کے سلسلے میں یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں جب سب لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں ورنہ آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک امام ایک گروہ کو نماز پڑھائے اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابل ہو اور پھر دوسرا امام دوسرے گروہ کو پڑھائے اور پہلا گروہ دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہو۔ ۱۲ ہزاروی

پانچویں قسم

نبی اکرم ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا

اس قسم میں چار انواع ہیں۔

پہلی نوع

تکبیرات کی تعداد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو نجاشی بادشاہ کے وصال کی اطلاع ہوئی جب اس کا انتقال ہوا' آپ صحابہ کرام کو لے کر عید گاہ میں تشریف لے گئے اور ان کی صف بندی کر کے چار تکبیریں کہیں۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں اور پہلی تکبیر میں ہاتھ بلند کر کے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔

دوسری نوع

قرأت و دعا

ابن منذر نے حضرت ابن مسعود' حسن بن علی' ابن زبیر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم سے نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کی قرأت کے جواز کا قول نقل کیا ہے۔ امام شافعی' امام احمد اور اسحاق بھی یہی بات کہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں ابن مالک اور کوفیوں کا یہی قول ہے۔ (حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے مصنف نے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا نام لینے کی بجائے کوفیوں کا ذکر کیا۔ ۱۲ ہزاروی)۔

عبد الرزاق اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ بن سہیل بن حنیف سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر کہے' سورۂ فاتحہ پڑھے پھر نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجے پھر خالص میت کے لئے دعا کرے اور صرف پہلی تکبیر کے بعد قرأت کرے۔

''صحیح بخاری میں ہے'' حضرت سعد' حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور فرمایا (اس لئے پڑھی ہے) تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔[1]

[1] چونکہ نماز جنازہ دعا ہے لہٰذا اگر اس میں سورۂ فاتحہ بطور دعا پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں البتہ قرأت کے طور پر نہیں پڑھ سکتے کیونکہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں اسی لئے احناف کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی بجائے دعا پڑھی جاتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ سورۂ فاتحہ کب پڑھی؟ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی اس میں وضاحت ہے اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ تکبیر اولیٰ کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی جس طرح حافظ زید الدین عراقی نے ''شرح ترمذی میں'' ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی تو اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ صحیح نہیں اور صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''من السنة'' کے الفاظ مروی ہیں یعنی سنت یہ ہے۔ اور ان کا یہ قول دونوں صیغوں کے درمیان فرق کی طرف لوٹتا ہے اور شاید انہوں نے صراحت اور احتمال کے درمیان فرق کا ارادہ کیا۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی تو ہمیں آپ کی دعا کے یہ الفاظ یاد ہیں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ' وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ' وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ' وَاغْسِلْہُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ' وَنَقِّہٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ' وَاَبْدِلْہُ دَارًا خَیْرًا مِّنْ دَارِہٖ' وَاَھْلًا خَیْرًا مِّنْ اَھْلِہٖ' وَزَوْجًا خَیْرًا مِّنْ زَوْجِہٖ' وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَاَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ.

یا اللہ! اس کو تو بخش دے! اس پر رحم فرما' اس کو عافیت عطا فرما اور معاف کر دے' اس کی اچھی مہمان نوازی فرما اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے' اس کو پانی' برف اور اولوں سے دھو دے اور اس کو خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح سفید کپڑا میل سے پاک کر دیا جاتا ہے اور اس کے اس گھر کو اچھے گھر میں بدل دے اس گھرانے سے اچھا گھرانہ اور اس کی بیوی سے اچھی بیوی عطا فرما اس کو جنت میں داخل فرما اور اس کو عذاب قبر اور جہنم کے عذاب سے بچا لے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۲۔۶۶۳' سنن نسائی ج ۱ ص ۵۲۔ ج ۴ ص ۷۳' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳)

حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حتیٰ کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی دعا کی وجہ سے تمنا کی کہ یہ میت میں ہوتا۔

حضرت واسلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مسلمان کی نماز جنازہ پڑھائی تو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِیْ ذِمَّتِکَ' وَحَبْلِ جِوَارِکَ' فَقِہٖ مِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ' وَاَنْتَ اَھْلُ الْوَفَآءِ وَالْحَقِّ' اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ' اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ.

یا اللہ! بے شک فلاں بن فلاں تیرے ذمہ ہے' تیری جوارِ رحمت میں اترا ہے پس اس کو عذاب قبر اور جہنم کے عذاب سے بچا تو (وعدہ) پورا کرنے والا سچا ہے' یا اللہ! اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما' بے شک تو ہی بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۹' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۶۷۷' الحلیہ ج ۵ ص ۲۵۲' موارد الظمآن رقم الحدیث: ۷۵۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۹۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۳۹۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز جنازہ پڑھاتے تو یہ دعا مانگتے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا. اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ. اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ.

یا اللہ! ہمارے زندہ اور ہمارے فوت شدہ ہمارے حاضر اور ہمارے غائب ہمارے چھوٹوں اور ہمارے بڑوں ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کو بخش دے یا اللہ! ہم میں سے جس کو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو موت دے اسے ایمان پر موت دے۔

یا اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ رکھ اور اس کے بعد فتنہ میں مبتلا نہ کر۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۸' سنن نسائی ج ۴ ص ۷۴' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۴۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۵۸' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۳۰۰)

ان ہی سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ دعا سنی:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّھَا وَاَنْتَ خَالِقُھَا' ھَدَیْتَھَا اِلَی الْاِسْلَامِ' قَبَضْتَ رُوْحَھَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّھَا وَعَلَانِیَتِھَا' جِئْنَاکَ شُفَعَآءَ' فَاغْفِرْ لَھَا.

یا اللہ! تو اس (میت) کا رب ہے' تو ہی اس کا خالق ہے' تو نے اس کو اسلام کی طرف ہدایت دی' تو نے اس کی روح کو قبض کیا تو اس کی پوشیدہ اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے' ہم تیرے پاس سفارشی بن کر آئے ہیں پس اس کو بخش دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۰' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۵۔۳۶۳' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۴۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۶۸۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۹۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۳۰۲)

تیسری نوع

قبر پر نماز پڑھنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سیاہ رنگ کی خاتون مسجد کی خدمت کرتی تھی ایک دن نبی اکرم ﷺ نے اسے نہ پایا تو اس کے بارے میں پوچھا' صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ انتقال کر گئی ہے فرمایا: مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں کی؟ گویا صحابہ کرام نے اس کے معاملہ کو معمولی سمجھا (اور آپ کو مطلع نہ کیا) فرمایا مجھے اس کی قبر دکھاؤ پس انہوں نے آپ کو اس کی قبر بتائی تو آپ نے اس پر نماز پڑھی۔

ابن حبان نے یہ اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حماد بن سلمہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) یہ قبریں اپنے اصحاب (میت) پر اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ

ان کو میرے ان پر نماز پڑھنے سے روشن کر دیتا ہے انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بعض مخالفین نے اس اضافہ سے استدلال کیا کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ سے خاص ہے پھر حدیث کو حضرت خارجہ بن زید بن ثابت کے طریق سے چلایا وہ اپنے چچا حضرت یزید بن ثابت سے اس واقعہ کی طرح نقل کرتے ہیں اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ قبر پر تشریف لائے تو ہم نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں اور آپ نے چار تکبیریں کہیں۔

ابن حبان فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا اپنے ساتھ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے والوں پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دوسروں کے لئے بھی یہ عمل جائز ہے اور یہ آپ کے خصائص میں سے نہیں ہے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ جو عمل بالتبع ہو وہ اصل کے لئے دلیل نہیں بن سکتا (اور صحابہ کرام کا عمل بالتبع تھا)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے اور احد کے شہداء پر اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر پڑھتے ہیں پھر واپس تشریف لے گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آٹھ سال بعد شہداء احد پر نماز پڑھی ایسا معلوم ہوتا تھا جس طرح کوئی شخص' زندہ اور فوت شدہ کو رخصت کرنے والا (یا رخصت ہونے والا) ہو۔

امام بخاری و مسلم نے بھی اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ ایک دن آپ باہر تشریف لائے اور احد والوں پر' میت پر نماز جنازہ کی طرح نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا میں تم سے پہلے جانے والا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو جائیں ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور اسحاق اور جمہور اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ دوسروں کی نماز جنازہ کی طرح ہے۔

امام مزنی نے بھی یہی کہا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے' الخلال نے اسے پسند کیا۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شہداء احد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اس نماز سے مراد دعا ہے' معروف نماز جنازہ مراد نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ آپ نے ان کے لئے اس طرح دعا کی جس طرح میت کی نماز جنازہ میں دعا کی جاتی ہے۔ اور یہ نماز شہداء احد کے ساتھ مخصوص ہے آپ نے ان کو دفن کرنے سے پہلے معروف طریقے پر نماز نہیں پڑھی اور آٹھ سال بعد جب وہ اپنی قبروں میں تھے تو ان پر نماز پڑھی۔

اور احناف قبر پر نماز پڑھنے کو مطلقاً منع کرتے ہیں اگر شہداء پر نماز واجب ہوتی تو آپ شروع میں اسے ترک نہ فرماتے۔

پھر شافعی مسلک والوں کا اس قول میں اختلاف ہے ''کہ شہید پر نماز نہ پڑھی جائے'' ان میں سے اکثر فرماتے ہیں معنیٰ یہ ہے کہ ان پر نماز پڑھنا حرام ہے اور ان کے نزدیک یہی صحیح ہے اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں ان پر نماز پڑھنا واجب نہیں' جائز ہے۔

ابن قدامہ نے ذکر کیا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا کلام اس قول کے مطابق جس میں انہوں نے فرمایا کہ ان پر نماز پڑھی

جائے'اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مستحب ہے'واجب نہیں۔ ابن قاسم نے جو امام مالک کے شاگرد ہیں' فرماتے ہیں: کہ شہید پر نماز نہ پڑھی جائے یعنی اس صورت میں جب مسلمان کفار سے لڑیں اور اگر کفار مسلمانوں سے لڑیں تو ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔[1]

چوتھی نوع

غائبانہ نماز جنازہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آج ایک نیکو کار حبشی کا انتقال ہو گیا ہے پس آؤ ان پر نماز پڑھو وہ فرماتے ہیں ہم نے صفیں باندھیں تو نبی اکرم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہم آپ کے پیچھے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۲۰'سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۰'مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۵'مشکل الآثار ج ۱ ص ۱۴۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نجاشی بادشاہ کے وصال کی اطلاع دی جس دن ان کا انتقال ہوا آپ صحابہ کرام کو لے کر عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور صف بندی فرمانے کے بعد چار تکبیرات کہیں۔

''صحیح بخاری میں'' ابن عیینہ کے طریق سے حضرت ابن جریج سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی اصحمہ (نجاشی) پر نماز پڑھو۔ (الکامل ج ۶ ص ۲۲۷۸'التمہید ج ۶ ص ۳۳۱'مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۲۹۱)

اس حدیث سے استدلال کیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا منع ہے یہ حنفی مالکی فقہاء کا قول ہے لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مسجد فوت شدہ لوگوں پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بنائی گئی ہو تو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں کیونکہ حنفی حضرات کے نزدیک میت کو مسجد میں لانا منع ہے صرف نماز پڑھنا نہیں حتیٰ کہ اگر میت مسجد سے باہر ہو تو وہ لوگ ان پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں جو مسجد کے اندر ہیں۔

ابن بزیزہ وغیرہ نے فرمایا کہ بعض مالکیہ نے اس سے استدلال کیا اور یہ باطل ہے کیونکہ اس حدیث میں نہی کا صیغہ نہیں ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کو کسی اور وجہ سے عید گاہ میں لے گئے ہوں اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ پر مسجد میں نماز پڑھی پس کسی احتمال والی بات کے لئے اس واضح عمل کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ (صحیح مسلم)

بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسمانوں کو عید گاہ کی طرف اس لئے لے گئے تھے تاکہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی کثرت ہو جائے اور اس بات کی اشاعت مقصود تھی کہ نجاشی کا انتقال اسلام پر ہوا کیونکہ بعض حضرات کو معلوم نہ تھا کہ وہ اسلام لائے۔

ابن ابی حاکم نے تفسیر میں' دارقطنی نے ''الافراد'' میں اور امام بزار نے نقل کیا کہ ان دونوں (حضرت ثابت اور حضرت حمید) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے جب نجاشی بادشاہ کی نماز جنازہ پڑھی تو

[1] جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں احناف کے نزدیک شہداء کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی چاہے کفار مسلمانوں سے لڑیں' یا مسلمان جہاد کریں یہ فرق نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

بعض صحابہ کرام نے کہا کہ آپ نے حبشہ کے مقام پر نماز پڑھی؟

اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ (آل عمران:۱۹۹) اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا اس پر ایمان لاتے ہیں۔ (اسباب نزول الواحدی ص۸۱)

اور اس (مذکورہ بالا) حدیث کی شاہد حدیث ہے جو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور امام طبرانی نے اسے ''المعجم الکبیر'' میں نقل کیا اس میں یہ اضافہ ہے کہ ''یہ طعن کرنے والا شخص منافق تھا''۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان قائم کیا ہے۔ ''باب الصلوۃ علی الجنازة بالمصلی و المسجد'' (عیدگاہ اور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا) اور پھر انہوں نے ایک حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک مرد اور عورت کو لائے' جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا آپ نے حکم دیا تو ان دونوں کو مسجد کے پاس جنازہ گاہ کے قریب رجم کیا گیا۔

ابن بطال نے حضرت ابن حبیب سے نقل کیا کہ مدینہ طیبہ میں جنازہ گاہ مسجد سے مشرقی جانب ملی ہوئی تھی۔

اگر یہ بات ثابت ہو جائے جو انہوں نے فرمائی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ احتمال یہ ہوگا کہ مسجد سے یہاں عیدگاہ مراد ہے جو عیدین اور استسقاء کی نماز کے لئے بنائی گئی تھی' کیونکہ اس وقت مسجد نبوی کے پاس کوئی جگہ رجم کرنے کے لئے مہیا نہ تھی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے جگہ مقرر تھی جو اس مقصد کے لئے تیار کی گئی تھی۔

اس سے اس بات کا فائدہ حاصل ہوا کہ بعض جنازے جو مسجد میں پڑھے گئے وہ کسی عذر کی وجہ سے یا بیان جواز کے لئے پڑھے گئے تھے۔ اس سے استدلال کیا گیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور اس بات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے تقویت ملتی ہے' آپ فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ہی پڑھی۔ اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا اور جمہور نے یہی کہا ہے۔

لیکن جو لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے انہوں نے اس واقعہ کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ وہ (جنازہ) مسجد سے باہر تھا اور نمازی مسجد کے اندر تھے۔ اور یہ طریقہ بالاتفاق جائز ہے۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ سے استدلال اس وقت کیا جب انہوں نے ام المومنین کے موقف کا انکار کیا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ لے کر ان کے حجرے سے گزرے تاکہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں اور صحابہ کرام نے ام المومنین کی اس بات کو تسلیم کر لیا پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ بات یاد تھی جسے وہ حضرات بھول چکے تھے۔ [1]

---

[1] صحابہ کرام کا بھولنا اگرچہ جائز ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کے افعال مبارکہ اور اقوال کو یاد رکھنے کی ان کی شدید حرص اس بات کے خلاف ہے کہ ان کو یہ واقعہ بھول گیا ہو لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اسے بیان جواز پر محمول کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ادب کی وجہ سے خاموش رہے۔ (زرقانی ج۸ ص۸۶)

ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جنازہ مسجد میں منبر کے سامنے رکھا گیا اور یہ حدیث اس مسئلہ پر اجماع کا تقاضا کرتی ہے۔

نجاشی بادشاہ کے واقعہ سے اس بات پر بھی استدلال کیا گیا کہ جو بہت غائب ہو اور دوسرے شہر میں ہو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جا سکتی ہے امام شافعی' امام احمد' اور جمہور اسلاف نے یہی بات کہی ہے حتیٰ کہ ابن حزم نے کہا کہ کسی صحابی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں۔

احناف اور مالکیوں کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں۔

بعض اہل علم سے منقول ہے کہ اس دن (غائبانہ نماز جنازہ) جائز ہے جس دن وہ شخص فوت ہوا یا اس کے قریب کا وقت ہو' جب زیادہ مدت گزر جائے تو جائز نہیں۔ یہ بات ابن عبد البر نے نقل کی ہے۔

ابن حبان نے کہا یہ اس کے لئے جائز ہے جو قبلہ کی جہت میں ہو اور اگر میت کا شہر قبلہ کی دوسری جانب ہو تو جائز نہیں۔ محب طبری نے کہا کہ یہ بات میں نے کسی اور کے لئے نہیں دیکھی۔

جو لوگ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں انہوں نے نجاشی کے واقعہ کا چند طریقوں سے عذر پیش کیا (جواب دیا)۔

(۱) نجاشی ایک ایسا علاقہ میں تھے جہاں ان کی نماز جنازہ کسی نے نہ پڑھی تو ان پر نماز جنازہ پڑھنا متعین ہو گیا اسی لئے خطابی نے کہا کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں مگر جب موت ایسی زمین میں واقع ہو جہاں کوئی نماز جنازہ پڑھنے والا نہ ہو۔ اور شافعیوں میں سے رویانی نے اسے اچھی بات قرار دیا۔

(۲) بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ان کو سامنے کیا گیا تو آپ نے ان کو دیکھا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء'' میں ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ ''اور نبی اکرم ﷺ کے لئے نجاشی کو اٹھایا (سامنے کیا) گیا تو آپ کا ان کی نماز جنازہ پڑھنا اسی طرح تھا جس طرح امام اس میت پر نماز پڑھتا ہے جسے وہ دیکھتا ہے'' اور مقتدیوں نے اسے نہ دیکھا اس نماز کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

ابن دقیق العید نے کہا یہ بات نقلی دلیل کی محتاج ہے محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتی۔

بعض احناف نے ان کے اعتراض کا جواب یوں دیا کہ اس قسم کی بات میں احتمال کافی ہوتا ہے اور اس قائل نے واحدی کی اس روایت سے استدلال کیا جسے انہوں نے اسبابِ نزول میں ذکر کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت نہیں کی۔

(اس میں اس طرح ہے کہ) نجاشی کی چارپائی نبی اکرم ﷺ کے سامنے کی گئی حتیٰ کہ آپ نے ان کو دیکھ کر ان پر نماز پڑھی۔ (المصدر السابق ص ۸۱)

ابن حبان نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صف بندی کی اور ان کا خیال یہی تھا کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے۔

ان جوابات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ نجاشی کے ساتھ خاص ہے کیوں کہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں کہ آپ

نے ان کے علاوہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

مہلب نے یہی بات کہی ہے گویا ان کے نزدیک معاویہ بن معاویہ لیثی کا واقعہ ثابت نہیں۔ [1]

جن لوگوں نے کہا کہ یہ عمل نجاشی کے لئے مخصوص ہے انہوں نے اس بات سے استدلال کیا جو پہلے گزر چکی ہے کہ ان کے حالتِ اسلام میں فوت ہونے کی اشاعت اور ان مسلمان بادشاہوں کے دلوں کو نرم کرنا مقصود تھا جو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اسلام لائے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ دروازہ (تخصیص کا دروازہ) کھل گیا تو شریعت کے بہت سے ظاہری امور کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اگر وہ بات ہوتی جو ان لوگوں نے ذکر کی ہے تو اس کے نقل کے داعی زیادہ ہوتے۔

ابن عربی کہتے ہیں مالکی حضرات فرماتے ہیں: کہ یہ بات صرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جس بات پر عمل کیا اس پر آپ کی امت بھی عمل کرتی ہے یعنی اصل عدم خصوصیت ہے، انہوں نے کہا نبی اکرم ﷺ کے لئے زمین لپیٹی گئی اور جنازہ آپ کے سامنے حاضر کیا گیا۔

ہم کہتے ہیں بے شک ہمارا رب قادر ہے اور ہمارے نبی ﷺ اس کے اہل ہیں لیکن تم وہی بات کہو جسے روایت کرو اور خود اپنی طرف سے کوئی حدیث نہ بناؤ اور وہی احادیث روایت کرو جو ثابت ہیں اور ضعیف روایات کو چھوڑ دو کیونکہ یہ اس چیز کو ضائع کرنے کا راستہ ہے جس کو ضائع ہونا نہیں ہے۔

کرمانی فرماتے ہیں محدثین کا یہ قول کہ آپ سے پردہ اٹھایا گیا' یہ بات ممنوع ہے اور اگر ہم تسلیم کریں تو وہ ان صحابہ کرام سے غائب تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔

یہ فتح الباری کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

تیسری نوع

زکوٰۃ سے متعلق سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

زکوٰۃ کا معنیٰ

''زکوٰۃ'' لغت میں بڑھنے اور پاک کرنے کو کہتے ہیں۔

اور زکوٰۃ کے ذریعے مال اس طرح بڑھتا ہے کہ دکھائی نہیں دیتا اور اس سے زکوٰۃ دینے والے کو گناہوں سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑھتا ہے۔

شریعت میں زکوٰۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لغوی معنیٰ پایا جاتا ہے اور کہا گیا کہ یہ اپنے صاحب (زکوٰۃ دینے والے) کو پاک کرتی اور اس کے ایمان کے صحیح ہونے کی شہادت ہے اور یہ نعمت کو قید میں رکھتی (زائل ہونے سے بچاتی) ہے۔

---

[1] حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا اور حضور ﷺ نے تبوک میں نماز جنازہ پڑھی۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث ضعیف ہے (تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ ج ۴ رسالہ الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب دیکھیں)۔

اور صدقہ کو صدقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صدقہ دینے والے کی اور ظاہر و باطن میں اس کے ایمان کی صحت کی تصدیق ہے۔

اقسامِ اموال جن میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے

نبی اکرم ﷺ کی شریعت مطہرہ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ زکوٰۃ خیر خواہی کے لئے واجب ہے اور خیر خواہی اسی مال میں ہوتی ہے جس کی کوئی قدر و قیمت ہو اور وہ نصاب ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے بڑھنے والے مالوں میں زکوٰۃ لازم کی ہے اور یہ چار اقسام ہیں۔

۱۔ سونا اور چاندی جن کے ساتھ دنیا کا نظام قائم ہے۔

۲۔ غلہ اور پھل [1]

۳۔ جانور اونٹ' گائے اور بکریاں

۴۔ تجارت کے مال جن کی مختلف انواع ہیں

مقدار نصاب

نبی اکرم ﷺ نے ہر قسم میں نصاب اس قدر مقرر فرمایا جس میں خیر خواہی ہو سکتی ہے۔

پس چاندی میں پانچ اوقیہ ہے اور وہ دو سو درہم (ساڑھے باون تولے) ہیں یہ حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔

اور سونے میں بیس مثقال (ساڑے سات تولے ہیں)۔

غلے اور پھلوں میں پانچ وسق ہیں' بکریاں چالیس' گائے تیس اور اونٹ پانچ ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے واجب کی مقدار کو مال میں قیمت اور مشقت کے اعتبار سے مرتب فرمایا۔

قیمت میں سب سے اعلیٰ اور تھکاوٹ کے اعتبار سے سب سے کم مقدار دفینے ہیں اور ان میں پانچواں حصہ ہے کیونکہ تھکاوٹ نہیں اور اس کے لئے سال کا اعتبار نہیں کیا بلکہ جب بھی اس پر کامیابی پائے (زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

اس کے ساتھ غلے اور پھل ہیں اگر بارش کا پانی وغیرہ ملتا ہو تو اس میں عُشر (دسواں حصہ) ہے ورنہ اس کا نصف (بیسواں حصہ) ہوگا۔

پھر اس سے سونا' چاندی اور تجارت کا مال متصل ہے اس میں چالیسواں حصہ ہے کیونکہ وہ تمام سال عمل کا محتاج ہے۔

اور اس سے متصل جانور ہیں ان میں ''اوقاص'' داخل ہیں (لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۶۸) (یعنی دو فریضوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ وقص ہے اس پر زکوٰۃ نہیں مثلاً تیس اور چالیس کے درمیان بکریاں ہیں ان میں وہی ہے جو تیس میں ہے) بخلاف پہلی انواع کے (کیونکہ ان میں سے جزء میں زکوٰۃ لازم ہے)۔

اور جب اونٹوں میں ان کی جنس سے خیر خواہی نہیں ہو سکتی تو ان میں بکری واجب کی پس جب پچیس ہو جائیں اور ان کے نصاب میں ایک اونٹ دیا جا سکے تو اونٹ ہی واجب ہوگا۔ پھر اونٹوں کے کم یا زیادہ ہونے کا اعتبار عمر کا اعتبار کر کے

[1] حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غلہ اور پھلوں میں عشر یعنی دسواں حصہ ہے چاہے وہ پانچ وسق ہو یا کم۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو چیز زمین سے پیدا ہو اس میں عشر ہے البتہ گھاس اور لکڑیوں میں کچھ نہیں۔ (ہدایہ اولین ص ۱۸۱)

مقرر کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے صدقہ کے بارے میں جو مکتوب گرامی لکھا اور عاملین کو عطا نہ فرمایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا تو اس میں اس طرح ہے۔ پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے' دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں ہیں' بیس میں چار بکریاں' پچیس میں ایک بنت مخاض (جو دوسرے سال میں داخل ہو جائے) پینتیس تک۔ جب ایک زیادہ ہو جائے تو ان میں ایک بنت لبون ہے (دو سال کی ہو اور تیسرا سال شروع ہو) یہ پینتالیس تک ہے جب ایک کا اضافہ ہو جائے تو ان میں ایک حقہ ہے (تین سال کی ہو اور چوتھا سال شروع ہو) یہ ساٹھ تک ہے۔ جب (ساٹھ سے) ایک بڑھ جائے تو ایک جذعہ ہو گا (جو پانچویں سال میں قدم رکھ چکی ہو) یہ سلسلہ پچھتر تک رہے گا۔ جب ایک کا اضافہ ہو جائے تو یہاں سے نوے تک بنت لبون ہوں گے جب (نوے پر) ایک کا اضافہ ہو تو ایک سو بیس تک دو حقے ہوں گے' اور جب اونٹوں کی تعداد اس سے زیادہ ہو جائے تو ہر پچاس میں ایک حقہ ہو گا اور ہر چالیس میں ایک بنت لبون ہو گی۔

بکریوں میں چالیس بکریوں میں ایک بکری ایک سو بیس تک یہی سلسلہ ہو گا جب ایک زیادہ ہو جائے تو دو بکریاں ہوں گی اور جب دو سو سے بڑھ جائیں تو تین بکریاں ہوں گی تین سو تک یہی سلسلہ ہو گا پھر جب بکریوں کی تعداد اس سے بڑھ جائے تو ہر سو بکری میں ایک بکری ہو گی پھر جب تک ایک سو نہ پہنچیں مزید کچھ نہ ہو گا۔

یہ حدیث امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کی ہے۔

صدقۂ فطر

نبی اکرم ﷺ نے صدقۂ فطر کھجوروں سے ایک صاع یا جو سے ایک صاع غلام' آزاد' مرد' عورت' چھوٹے اور بڑے مسلمانوں پر واجب فرمایا اور حکم دیا کہ نماز (نمازِ عید) کے لئے جانے سے پہلے ادا کیا جائے۔

یہ حدیث امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کی۔

(نوٹ) اگر گندم دینا ہو تو نصف صاع یا اس کی قیمت دینا ہو گی۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صدقۂ فطر روزہ دار کو لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنے اور مساکین کی خوراک کے طور پر لازم فرمایا۔

مستحقینِ زکوٰۃ

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ صدقات کے سلسلے میں کسی نبی یا کسی اور کے حکم پر راضی نہیں ہوا حتیٰ کہ اس نے خود اس میں حکم دیا تو ان لوگوں کو آٹھ اجزاء میں تقسیم کیا۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو زیاد بن حارث صدائی سے روایت کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۳۰' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۷۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۹۷۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۹۹' المعجم الکبیر ج ۵ ص ۳۰۳' سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۴۹۷)

ان آٹھ اقسام کو لوگوں کی دو قسموں میں جمع کیا جا سکتا ہے۔

(۱) وہ جو حاجت کے لئے لیتے ہیں وہ حاجت کی شدت اور کمی' کثرت اور قلت کے اعتبار سے لیتے ہیں اور یہ فقراء'

مساکین' جن کی گردنیں چھڑائی جائیں اور مسافر ہیں۔

(۲) وہ جو نفع کے اعتبار سے لیتے ہیں اور یہ (زکوٰۃ کا عمل کرنے والے) عاملین ہیں جن کے دلوں کو اسلام کے لئے نرم کیا جائے ان کو مؤلفۃ القلوب کہتے ہیں اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے قرض لینے والے' اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے۔

اور اگر لینے والا محتاج بھی نہ ہو اور اس سے مسلمانوں کے لئے کوئی نفع بھی نہ ہو تو ایسے شخص کا زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

انبیاء کرام پر زکوٰۃ نہیں

انبیاء کرام علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے گہرے تعلق کی وجہ سے ان کی ملکیت میں کچھ نہیں ہوتا جس میں زکوٰۃ فرض ہو تمہارے اوپر زکوٰۃ اس چیز میں فرض ہوتی ہے جس کے تم مالک ہو۔

انبیاء کرام کے پاس جو کچھ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہوتی ہیں وہ ان کو وہاں خرچ کرتے ہیں جہاں ان کو خرچ کرنے کا مقام ہے اور جہاں خرچ کرنے کا مقام نہیں وہاں سے روک رکھتے ہیں۔

نیز زکوٰۃ ان لوگوں کی طہارت کا باعث بنتی ہے جن پر واجب ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا. (التوبہ:۱۰۳) ان کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کر کے اس کے ذریعے ان کو پاک کر دیں اور ان کا تزکیہ کر دیں۔

اور انبیاء کرام علیہم السلام (گناہوں کی) میل سے پاک ہیں کیوں کہ ان کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بچوں پر زکوٰۃ فرض قرار نہیں دی کیونکہ ان میں (شریعت کی) مخالفت کی میل نہیں ہوتی۔ اور مخالفت مکلف ہونے کے بعد ہوتی ہے اور یہ (مکلف ہونا) بلوغت کے بعد ہوتا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے اور اس کی وحدانیت کا مشاہدہ کرنے والے قربِ خداوندی کی وجہ سے کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے جس طرح ان کے واقعات سے مشہور ہے تو انبیاء و رسل (علیہم السلام) اور توحید و معرفت والوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے وہ اپنے (معرفت کے) سمندروں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور انوار سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

یہ گفتگو' عارف کبیر ابوالفضل بن عطاء اللہ شاذلی' اللہ تعالیٰ ان کے مشرب سے ہمیں مٹھاس چکھائے'' کی کتاب ''التنویر'' سے بطور خلاصہ ذکر کی گئی۔

تنبیہ

منقول ہے کہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ شیبان راعی رحمہ اللہ تشریف لائے' حضرت امام احمد بن حنبل نے حضرت امام شافعی سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس شخص سے جس کی طرف (ولایت کا اشارہ کیا جاتا ہے) اسی وقت کچھ پوچھوں' امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ایسا نہ کرو' انہوں نے فرمایا یہ ضروری ہے چنانچہ انہوں نے کہا اے شیبان! جو شخص چار رکعتوں سے چار سجدے بھول جائے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا اے احمد! یہ وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اسے ادب سکھانا ضروری ہے تاکہ وہ آئندہ ایسا نہ کرے۔ فرماتے

ہیں حضرت امام احمد رحمہ اللہ بیہوش ہو کر گر پڑے پھر افاقہ ہوا تو فرمایا جس آدمی کے پاس چالیس بکریاں ہوں اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ ان میں کتنی زکوٰۃ ہے؟ فرمایا ہمارے مذہب پر یا آپ کے مذہب کے مطابق؟ پوچھا کیا یہ دو مذہب ہیں؟ فرمایا ہاں تمہارے مذہب پر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اور ہمارے مذہب کے مطابق غلام اپنے مالک کے ساتھ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے ''المقاصد الحسنہ میں'' ابن تیمیہ سے نقل کیا کہ اہل معرفت کا اس واقعہ کے باطل ہونے پر اتفاق ہے کیونکہ امام شافعی اور امام احمد نے شیبان الراعی سے ملاقات نہیں کی۔ واللہ اعلم

زکوٰۃ دینے والے کے لئے دعا

نبی اکرم ﷺ کے پاس جب کوئی صدقہ لے کر آتا تو آپ یوں دعا کرتے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ فُلَانٍ — یا اللہ! فلاں آل والوں پر رحمت فرما

پس حضرت ابو اوفیٰ رضی اللہ عنہ صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے یوں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اَبِیْ اَوْفٰی. — یا اللہ! ابو اوفیٰ کے گھر والوں پر رحمت نازل فرما۔[1]

فرضیتِ زکوٰۃ کی تاریخ

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ زکوٰۃ کب فرض ہوئی؟ اکثر حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے بعض نے کہا کہ دوسرے سال رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے زکوٰۃ فرض ہوئی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''الروضہ'' کے باب السیر میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

ابن اثیر نے تاریخ میں اس بات کو قطعی قرار دیا کہ نو ہجری میں زکوٰۃ فرض ہوئی۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث' عبدالقیس کے وفد والی حدیث اور ابوسفیان کا ہرقل کے ساتھ مکالمہ اس کے خلاف ہے یہ مکالمہ ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں ہوا اور اس میں یوں آیا کہ وہ (نبی اکرم ﷺ) ہمیں زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔

بعض حضرات نے ابن اثیر کو ثعلبہ بن حاطب کی طویل روایت سے تقویت دی ہے اس حدیث میں یوں ہے کہ جب زکوٰۃ کی آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ایک عامل بھیجا' حاطب نے کہا یہ تو جزیہ ہے یا جزیہ کی جنس سے ہے اور جزیہ نو ہجری میں واجب ہوا پس زکوٰۃ بھی نو ہجری میں فرض ہوئی۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور اس قسم کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں دعویٰ کیا کہ زکوٰۃ کی فرضیت ہجرت سے پہلے ہوئی ہے' انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا جو حبشہ کی طرف صحابہ کرام کی ہجرت سے متعلق ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں خبر دیتے

[1] اس میں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے حوصلہ افزائی اور نیکی کی ترغیب ہے اور یہ رحمت کی دعا ہے اصطلاحی طور پر 'صلوٰۃ' نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے دوسروں کے لئے ضمنی طور پر ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ۱۲ ہزاروی

ہوئے یہ بھی کہا کہ وہ شخص ہمیں نماز' زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیتا ہے۔

اس حدیث سے استدلال بھی محل نظر ہے کیونکہ ابھی تک پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں اور نہ ہی ماہِ رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے پس اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی واپسی نجاشی کے پاس جانے کے اول مرحلے میں نہ ہوئی ہو اور انہوں نے اس بات کی خبر ایک مدت کے بعد دی ہو اور اس میں نماز اور روزے کی فرضیت کا ذکر ہو اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی ہو تو انہوں نے فرمایا ہو کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں یعنی امت کو حکم دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات عقل سے بہت بعید ہے۔

اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہ ہوتا ہو تو جس بات پر اسے محمول کیا گیا وہ زیادہ بہتر ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ آپ ہمیں نماز' زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیتے ہیں یعنی مطلق حکم دیتے ہیں اور اس سے لازم نہیں آیا کہ نماز سے پانچ نمازیں مراد ہوں اور نہ روزوں سے ماہِ رمضان کے روزے مراد ہوں گے اور نہ ہی زکوٰۃ سے یہ مخصوص زکوٰۃ مراد ہوگی جس میں نصاب اور سال گزرنے کی شرط ہے۔

نو ہجری سے پہلے زکوٰۃ کے فرض ہونے پر ایک دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ضمام بن ثعلبہ کے واقعہ سے متعلق ہے اور ضمام بن ثعلبہ (ضمام بن ثعلبہ السعدی ہیں) کا قول کہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ یہ صدقہ ہمارے مالدار لوگوں سے لے کر ہمارے فقراء پر تقسیم کریں؟

(الاصابہ ج ۳ ص ۲۱۷ رقم الترجمہ: ۴۱۷۳)

اور حضرت ضمام کی آمد ۵ ھ میں ہوئی اور ۹ ھ میں عاملین کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجا گیا اور یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ فرضیت زکوٰۃ اس سے مقدم ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت کے ہجرت کے بعد واقع ہونے پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ رمضان المبارک (کے روزوں) کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی کیونکہ جو آیت فرضیت پر دلالت کرتی ہے وہ بلا اختلاف مدنی آیت ہے۔

امام احمد' ابن خزیمہ' نسائی' ابن ماجہ اور حاکم رحمہم اللہ کے نزدیک حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے' وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہمیں صدقہ' فطر (کی ادائیگی) کا حکم دیا پھر فرضیت زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور آپ نے ہمیں صدقہ' فطر کا حکم دیا نہ اس سے منع کیا اور ہم ادا کیا کرتے تھے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی بھی صحیح ہیں سوائے ابو عمار راوی کے جو حضرت قیس بن عمار سے روایت کرتے ہیں لیکن امام احمد اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدقہ' فطر کی فرضیت زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے ہے پس یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت رمضان المبارک کے بعد ہوئی۔ یہ بات حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے' صدقہ قبول نہ کرتے

نبی اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور اس کا بدلہ بھی دیتے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے نقل کیا۔

جب آپ کے پاس کوئی کھانا لایا جاتا تو آپ پوچھتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے صحابہ کرام سے فرماتے: کھاؤ اور خود تناول نہ فرماتے اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو ہاتھ بڑھاتے اور ان کے ساتھ تناول فرماتے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا تم لوگوں کے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں مگر حضرت نسیبہ (ام عطیہ) رضی اللہ عنہا نے کچھ بھیجا ہے جو ان کی طرف بطور صدقہ بھیجا گیا تھا' آپ نے فرمایا: یہ اپنی جگہ کو پہنچ گیا (یعنی ان کے لئے صدقہ تھا اور ہمارے لئے تحفہ ہے)۔

آپ کے الفاظ یوں ہیں ''انها بلغت محلها'' محلها میں حاء کے نیچے زیر ہے یعنی اس سے صدقہ کا حکم زائل ہو گیا اور ہمارے لئے یہ چیز حلال ہو گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹۔۱۷۰۔۱۷۴' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۰۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۳۳۔۱۸۴۱' مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۷' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۳۰۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۴۹' التمہید ج ۵ ص ۱۰۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۷۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۰۲)

اور گوشت لایا گیا جو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بطور صدقہ دیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: یہ ان پر صدقہ تھا اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۔۱۴' مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۱' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۶۹' السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۸۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۳۴' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۴۷' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۳۰۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۵۱۱)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ گھر میں تشریف لائے اور آگ پر ہنڈیا تھی جو جوش مار رہی تھی' آپ نے کھانا طلب فرمایا تو روٹی اور گھر کے سالن سے کچھ سالن لایا گیا آپ نے فرمایا کیا میں آگ پر جوش مارتی ہوئی ہنڈیا نہیں دیکھ رہا؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! لیکن یہ گوشت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا اور انہوں نے اس میں کچھ ہمیں بطور تحفہ دیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے آپ نے فرمایا: یہ ان کے لئے صدقہ تھا اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۷۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴' سنن نسائی ج ۶ ص ۱۶۲' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۸' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۳۲۸' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۲۶' نصب الرایہ ج ۴ ص ۱۴۷)

چوتھی نوع

نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا

جان لو! روزے کا مقصود نفس کو بری عادتوں سے روکنا اور ان کی خواہشات سے دور رکھنا نیز ان کی عادات سے نفس کو چھڑانا ہے یہ متقی لوگوں کے لئے لگام' (شیطان سے) لڑنے والوں کی ڈھال اور نیکوکار اور مقربین کے لئے باغ ہے۔ اور

تمام اعمال میں سے روزہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے ہے (کیونکہ اس میں ریاکاری کا احتمال کم ہوتا ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا:

کل عمل ابن آدم لہ الا الصیام فھو لی وانا اجزی بہ. انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہوتا ہے سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔[1]

(السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۷۰-۲۷۴-۳۰۵' الدرالمنثور ج ۱ ص ۱۷۹- ج ۲ ص ۷۹' الکامل ج ۳ ص ۹۴۵)

اس حدیث کو امام مسلم (اور امام بخاری نے بھی) نقل کیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے شرف اور بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی جیسے "ناقۃ اللہ" (اللہ تعالیٰ کی اونٹنی) فرمایا حالانکہ تمام عالم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہے۔

اس کی وجہ یوں بھی بیان کی گئی ہے کہ روزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پوجا نہیں کی گئی' کفار نے کسی زمانے میں بھی اپنے معبودوں کی روزے کے ذریعے تعظیم نہیں کی۔[1] اگرچہ وہ نماز اور سجدے وغیرہ کے ذریعے ان کی تعظیم کرتے تھے۔

"شرح تقریب الاسانید میں" فرمایا: کہ اس پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ ستارہ پرست اور بتوں وغیرہ کی روزے کے ذریعے پوجا کرتے تھے۔

اس کا جوب یوں دیا گیا کہ وہ ان کے بارے میں ذاتی طور پر عمل کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ روزہ' ریاکاری سے دور ہے کیونکہ یہ پوشیدہ ہوتا ہے بخلاف نماز' حج اور جہاد وغیرہ ظاہری عبادات کے (وہ نظر آتی ہیں) "فتح الباری میں فرمایا" کہ علماء کرام کے قول "لا ریاء فی الصوم" میں نفی کا مطلب یہ ہے کہ عملی اعتبار سے اس میں ریاکاری نہیں آتی اگرچہ قولی طور پر ریاکاری ہوسکتی ہے مثلاً ایک شخص روزہ رکھے اور پھر (دوسروں کو) بتائے کہ وہ روزہ دار ہے تو اس حیثیت سے اس میں دکھاوا ہوتا ہے پس روزے میں دکھاوے کا دخول خبر دینے کے اعتبار سے ہوتا ہے جبکہ دوسرے افعال اس کے خلاف ہیں' ان میں محض فعل سے بھی دکھاوا ہو جاتا ہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صام یرائی فقد اشرک. جو شخص روزہ رکھ کر دکھاتا پھرے اس نے شرک کیا۔

(اس سے شرک خفی مراد ہے کفر مراد نہیں ہے۔۱۲ ہزاروی)۔

(الدرالمنثور ج ۴ ص ۲۵۶' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۶۷-۷۱' تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۷۱' تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۲۰۲)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں روزہ دار کے لئے کوئی (ظاہری) حصہ نہیں (یعنی ایسا نہیں کہ دیکھنے والا تعریف کرے)۔

ایک قول یہ ہے کہ روزہ دار کھانے وغیرہ خواہشات سے بے نیاز ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ پس جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی موافقت میں اس کے قریب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی (جیسے فرمایا "الصوم لی" یعنی روزہ میرے لئے ہے)۔

---

[1] چونکہ روزے میں ریاکاری نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ عمل نظر نہیں آتا اس لئے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے قرار دیا ورنہ ہر عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے۔۱۲ ہزاروی

امام قرطبی نے فرمایا: بندوں کے اعمال ان کے احوال کے مناسب ہوتے ہیں مگر روزہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کے مناسب ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ دار ایسے کام کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے جو میری صفات میں سے کسی صفت سے متعلق ہے یا یہ فرشتوں کی صفات میں سے ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی روزے کے ثواب کی مقدار کا علم رکھتا ہے اور اس کی نیکیوں کو کس قدر بڑھاتا ہے صرف وہی جانتا ہے جب کہ دوسری عبادات کی مقدار ثواب کو اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں پر ظاہر کر دیا اسی لئے حدیث کے باقی حصہ میں فرمایا "انا اجزی به" (میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں)۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ کریم جب اس بات کی خبر دے کہ وہ خود ذاتی طور پر جزا دیتا ہے تو اس میں عطاء کی وسعت کا تقاضا پایا جاتا ہے اور روزہ دار کو یہ جزا اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اپنے معبود کے لئے اپنی خواہش، کھانے اور پینے کو چھوڑتا ہے۔

اور حدیث شریف میں جس شہوت کا ذکر ہے اس سے جماع کی شہوت مراد ہے کیونکہ اس کا عطف طعام اور شراب (مشروب) پر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص کے بعد عام کا ذکر ہو لیکن ابن خزیمہ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یوں آیا ہے:

یدع لذته من اجلی ویدع زوجته من اجلی.

وہ اپنی لذت کو میری (رضا کی) خاطر چھوڑتا ہے اور اپنی بیوی کو میرے حکم کی وجہ سے چھوڑتا ہے۔

اور اس سے بھی واضح الفاظ میں روایت یوں ہے:

من الطعام والشراب والجماع من اجلی.

میرے لئے کھانے پینے اور جماع کو چھوڑتا ہے۔

ظاہری اعضاء کی حفاظت، باطنی اعضاء کی قوت اور ان کو فاسد مواد کی طرف لے جانے والی چیز کے ساتھ ملنے سے بچانے اور ردی مواد جو ان کی صحت میں رکاوٹ ہوئے سے خالی رکھنے کے سلسلے میں روزہ کو عجیب تاثیر حاصل ہے اور تقویٰ پر یہ سب سے بڑا مددگار ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ. (البقرہ:۱۸۳)

تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الصوم جنة.

روزہ ڈھال ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۷۱۴۔ ۲۶۱۶، سنن نسائی ج ۴ ص ۱۶۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۷۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۶۔ ۳۹۳، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۵، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۴، کنز العمال رقم الحدیث:۲۳۶۱۶)

جیم پر پیش ہے اور اس کا معنیٰ بچانا اور ڈھانپنا ہے۔ یعنی یہ جہنم سے آڑ ہے ابن عبدالبر نے اس بات کو قطعی قرار دیا اور "نہایہ میں ہے کہ" روزہ دار موذی خواہشات سے بچ جاتا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں روزے سے مراد اس شخص کا روزہ ہے جو اپنے روزے کو قولی اور فعلی گناہوں سے بچاتا ہے۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ روزہ افضل ہے یا نماز؟ تو کہا گیا کہ اعمال بدنیہ میں روزہ افضل ہے کیونکہ "نسائی شریف میں" ایک حدیث شریف حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسے کام کا حکم دیں جسے میں آپ سے حاصل کروں۔ آپ نے فرمایا:

علیک بالصوم فانه لا عدل له. روزہ لازمی طور پر اختیار کرو اس کے برابر کوئی عمل نہیں۔

(سنن نسائی ج ۴ ص ۱۶۵۔۱۶۶ مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۹ الحلیہ ج ۵ ص ۱۷۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۶۳۸۔۲۴۲۷۵)

اور مشہور یہ ہے کہ نماز کو فضیلت حاصل ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا یہی مذہب ہے (احناف کا بھی یہی قول ہے) کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: "واعلموا ان خیر اعمالکم الصلوة جان لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے"۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے روزے کے بارے میں دو طرح کی گفتگو ہے۔

پہلی قسم

نبی اکرم ﷺ کے ماہِ رمضان المبارک کے روزے

اس میں کئی فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

رمضان المبارک میں نبی اکرم ﷺ سے خاص عبادات اور آپ کی سخاوت کا بڑھ جانا

رمضان المبارک کی وجہ تسمیہ اور روزے کی فرضیت

لفظ "رمضان" رمض سے مشتق ہے اور یہ سخت گرمی کا نام ہے کیونکہ عربی لوگوں نے جب مہینوں کے نام رکھنے کا ارادہ کیا تو یہ مہینہ سخت گرمی میں آیا تو انہوں نے اس کا یہی نام رکھ دیا' جس طرح ربیع الاول اور ربیع الثانی کے مہینے بہار میں آئے تو ان کے یہ نام رکھ دیئے۔

یا یہ نام اس لئے رکھا کہ یہ گناہوں کو جلا دیتا ہے (یرمض الذنوب) اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یہ نام شریعت اسلامیہ کے آنے سے پہلے ثابت تھا۔

رمضان المبارک کا مہینہ تمام مہینوں سے افضل ہے جس طرح "الاسنوی" نے "قواعد کے شیخ عز الدین بن عبد السلام" سے نقل کیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۵۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے' صحیح نہیں اگرچہ اس سلسلے میں

ضعیف روایت آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ توقیفی ہیں (وحی پر موقوف ہیں' اجتہادی نہیں) صحیح دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتے۔

بزرگوں کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا رمضان المبارک کے روزوں سے پہلے بھی روزے فرض تھے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک اور شافعیوں کے نزدیک بھی یہی مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں سے پہلے کوئی روزہ فرض نہیں تھا اور بعض شافعی حضرات کا ایک قول یہ ہے اور احناف کا بھی یہی قول ہے کہ سب سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض ہوا جب رمضان المبارک کے روزوں کا حکم نازل ہوا تو یہ منسوخ ہو گیا۔ عاشوراء کے روزے کے بیان میں دونوں فریقوں کے دلائل آئیں گے۔

رمضان المبارک کے روزے ۲ھ میں فرض ہوئے جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت تک آپ نو رمضانوں کے روزے رکھ چکے تھے۔

رمضان المبارک اور اعمال صالحہ

جب رمضان المبارک کا مہینہ نیکیوں کا موسم اور سخاوت و برکات کا منبع ہے کیونکہ اس میں دوسرے مہینوں کی نسبت نعمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ہمارے سردار رسول اکرم ﷺ اس مہینے میں زیادہ عبادت کرتے اور قرب خداوندی کے لئے طرح طرح کے ایسے اعمال کرتے جو مختلف سعادتوں کے جامع ہیں یعنی صدقہ' احسان' نماز' ذکر اور اعتکاف وغیرہ اور اس مہینے کے ساتھ کچھ ایسی عبادات خاص ہیں جو دوسرے مہینوں میں نہیں ہوتیں اور نبی اکرم ﷺ کی سخاوت دوسرے مہینوں کے مقابلے میں اس ماہ میں بڑھ جاتی تھی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا جود و کرم اس ماہ میں بڑھ جاتا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ اخلاق کریمہ رکھے ہیں جن کو وہ پسند فرماتا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں آپ کی سخاوت سب سے زیادہ ہوتی' جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تو جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے اس وقت آپ کی بھلائی کے ساتھ سخاوت تیز ہوا سے بھی زیادہ ہوتی۔

تو اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا یعنی وقت اور وہ ماہِ رمضان ہے اور جو کچھ اتارا گیا وہ قرآن ہے اور اسے لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور مذاکرہ' قرآن مجید کا باہم سننا سنانا ہے تو ان تمام چیزوں کے مجموعہ سے آپ کو سخاوت میں فضیلت حاصل ہوتی۔

''الریح المرسلہ'' عام اجازت دی گئی ہوا' معنیٰ یہ ہے کہ آپ سخاوت کرنے میں ہوا سے بھی زیادہ تیز تھے اسے ''مرسلہ'' کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ہمیشہ رحمت کے ساتھ چلتی ہے تو اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی سخاوت سے نفع عام ہوتا ہے جس طرح عمومی ہوا ان سب چیزوں تک پہنچتی ہے جن پر وہ چلتی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں اس حدیث کے آخر میں یوں آیا ہے:

لا یسأل شیئا الا اعطاہ. آپ سے جو کچھ مانگا جاتا آپ عطا کرتے۔

نبی اکرم ﷺ کی سخاوت کے سلسلے میں اس سے زیادہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

رمضان میں قرآن

نزولِ قرآن کا آغاز رمضان المبارک میں ہوا' آسمان دنیا پر اس کا نزول یکبارگی ہوا' حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے اور قرآن مجید کا جتنا حصہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک نازل ہوتا اس کا تکرار کرتے پس جب وہ سال آیا جس میں آپ کا وصال ہوا تو انہوں نے آپ سے دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا۔ جس طرح صحیح حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔

''فتح الباری میں ہے کہ'' حضرت جبریل علیہ السلام کے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ماہ رمضان میں دورۂ قرآن میں دو حکمتیں تھیں۔ ایک حکمت یہ تھی کہ قرآن مجید کی حفاظت ہو اور دوسری حکمت اس کا باقی رہنا جو منسوخ نہیں ہوا اور اس کا اٹھ جانا جو منسوخ ہو چکا ہے۔ تو ماہ رمضان اجمالی طور اور تفصیلاً نزول اور پیش کرنے اور مضبوط رکھنے کے اعتبار سے قرآن مجید کا ظرف ہے۔

''مسند میں'' حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے ماہ رمضان کی پہلی رات میں اترے تورات اس وقت اتری جب رمضان المبارک کی چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ انجیل' رمضان المبارک کی تیرہ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی اور قرآن مجید نازل ہوا جب رمضان المبارک کی چوبیس راتیں گزر چکی تھیں۔ [1] (مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۷)

اس حدیث شریف میں اس بات پر دلالت ہے کہ رمضان شریف میں قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا اور اس کے لئے جمع ہونا نیز اپنے سے زیادہ حفظ والے کو سنانا مستحب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان قرآن مجید کی درس و تدریس رات کو ہوتی یہ اس بات پر دلالت ہے کہ رمضان المبارک میں رات کے وقت زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا مستحب ہے کیونکہ رات کے وقت مشاغل ختم ہو جاتے ہیں اور توجہ ایک طرف ہوتی ہے اور اس میں غور و فکر پر دل اور زبان کا اجتماع ہوتا ہے۔

استقبال رمضان

نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارکہ تھا کہ آپ اپنے صحابہ کرام کو ماہ رمضان المبارک کے آنے کی خوشخبری دیتے جس طرح حضرت امام احمد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں وہ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو ماہ رمضان المبارک کے آنے کی خوشخبری دیتے اور فرماتے:

[1] قرآن مجید کا آسمان دنیا پر نزول لیلۃ القدر میں ہوا کسی نے ستائیسویں رات کہا کسی نے پچیسویں وغیرہ وغیرہ تو یہ اس قول کے مطابق ہے جب پچیسویں کو لیلۃ القدر قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ ہزاروی

قد جاء کم شهر رمضان ' شهر مبارک ' کتب علیکم صیامه ' تفتح فیه ابواب السماء ' وتغلق فیه ابواب الجحیم ' وتغل فیه الشیاطین ' فیه لیلة خیر من الف شهر ' من حرم خیرها فقد حرم (الخیر الکثیر).

تمہارے پاس رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا ہے' یہ مبارک مہینہ ہے' اس کے روزے تم پر فرض کئے گئے' اس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں' اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو شخص اس کی بھلائی سے محروم رہا وہ (بہت زیادہ بھلائی سے) محروم رہا۔

علماء کرام فرماتے ہیں یہ حدیث لوگوں کی ایک دوسرے کو ماہ رمضان کی مبارک باد دینے کی اصل ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان شریف کے آنے کے لئے دعا کرتے تھے۔ جب رجب اور شعبان کا مہینہ آ جاتا تو آپ یوں دعا کرتے:

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبٍ وَ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ.

یا اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان المبارک تک پہنچا۔

(مسند احمد ج ۱ص ۲۵۹' الدر المنثور ج ۱ص ۱۸۳' مجمع الزوائد ج ۲ص ۱۶۵۔ ج ۳ص ۱۴۰' کشف الخفاج ۱ص ۲۱۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۶۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۰۴۹۔۳۸۲۸۸)

اس حدیث کو امام طبرانی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ جب رمضان المبارک کا چاند دیکھتے تو فرماتے:

هلال رشد و خیر هلال رشد و خیر امنت بالذی خلقک.

ہدایت اور بھلائی کا چاند' ہدایت اور بھلائی کا چاند' میں اس ذات پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الباب: ۱۱۰' المعجم الکبیر ج ۴ص ۳۲۹' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۱۳۹' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۴۵۱' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۳۸۔۷۳۵۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۷۳۵۳۔۱۸۰۴۰۔۱۸۰۴۷)

اس حدیث کو امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہوتا تو نبی اکرم ﷺ یوں دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِیْ مِنْ رَمَضَانَ ' وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِیْ ' وَسَلِّمْهُ مِنِّیْ. اَیْ سَلِّمْنِیْ مِنْهُ حَتّٰی لَا یُصِیْبَنِیْ فِیْهِ مَا یَحُوْلُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ صَوْمِهٖ مِنْ مَّرَضٍ اَوْ غَیْرِهٖ. وَسَلِّمْهُ لِیْ حَتّٰی لَا یَغُمَّ هِلَالُهٗ عَلَیَّ فِیْ اَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ ' فَیَلْتَبِسَ عَلَیَّ الصَّوْمُ وَالْفِطْرُ ' وَسَلِّمْهُ مِنِّیْ اَنْ تَعْصِمَنِیْ مِنَ الْمَعَاصِیْ فِیْهِ.

یا اللہ! مجھے رمضان شریف سے سلامتی عطا فرما اور رمضان شریف کو میرے لئے سلامت رکھ اور اسے مجھ سے سلامتی عطا کر یعنی مجھے اس سے بچا کہ مجھے کوئی ایسا عارضہ لاحق نہ ہو مثلاً بیماری وغیرہ کہ وہ میرے اور اس کے روزے کے درمیان حائل ہو جائے اور اسے مجھ سے سلامت رکھ حتیٰ کہ اس کے شروع اور آخر میں چاند مجھ سے بادلوں میں ہو

جائے تو مجھ پر روزہ رکھنا اور چھوڑنا مشتبہ ہو جائے اور اسے مجھ سے سلامت رکھ یعنی مجھے اس ماہ میں گناہ کے ارتکاب سے بچا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۲۷۷)

نبی اکرم ﷺ کی طرف سے امت کو تعلیم دینے کے لئے یہ دعا فرمائی (ورنہ آپ گناہوں سے پاک ہیں)۔

فصل نمبر۲

نبی اکرم ﷺ کا چاند دیکھ کر روزہ رکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس قدر شعبان کی حفاظت فرماتے اس قدر کسی دوسرے مہینے کا خیال نہ رکھتے۔

پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے اگر وہ آپ پر پوشیدہ رہتا تو تیس دن شمار کرتے پھر روزہ رکھتے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا رايتموه فصوموا واذا رايتموه فافطروا فان غم عليكم فاقدروا له. جب تم چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند دیکھو تو روزہ رکھنا چھوڑ دو اگر تم پر چاند پوشیدہ ہو جائے تو اس کے لئے تیس دن شمار کرو۔

حدیث میں فرمایا "فان غم عليكم" یعنی تمہارے اور چاند کے درمیان بادل حائل ہو جائیں آپ نے فرمایا "فاقدروا له" یہ تقدیر سے ہے یعنی اس کے لئے گنتی کا اندازہ تیس دن لگاؤ اور اس کی تائید پہلی روایت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا "فان غم عليه عد ثلاثين" اگر بادل ہوتے تو آپ تیس دن شمار کرتے اور یہ "اقدروا له" کی تفسیر ہے اسی لئے یہ دونوں ایک روایت میں جمع نہیں اور اس کی تاکید "فاقدروا له ثلاثين" کے الفاظ ہیں۔

مازری کہتے ہیں جمہور فقہاء نے "اقـــدروا" کو اس بات پر محمول کیا کہ اس سے مراد تیس دن پورے کرنا ہے جس طرح دوسری حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اس سے نجومیوں والا حساب مراد نہیں اس لئے کہ اگر لوگوں کو اس بات کا مکلف بنایا جائے تو ان پر تنگی ہو جائے کیونکہ اس کا علم چند لوگوں کو ہوتا ہے اور شریعت کی پہچان اس چیز سے ہوتی ہے جسے جمہور (عام لوگ) پہچانتے ہیں۔

یہ ہمارا (شافعی حضرات کا) مذہب ہے اور امام مالک، امام ابوحنیفہ اور جمہور سلف و خلف کا مذہب ہے۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شک والے دن کا روزہ جائز نہیں اور تیس شعبان کو رمضان کا روزہ رکھنا بھی جائز نہیں جب تیس تاریخ کی رات کو چاند نظر نہ آئے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک طائفہ کے ساتھ فرمایا کہ اسے بادلوں کے نیچے خیال کرو پس وہ بادلوں والے دن رمضان کا روزہ رکھنا جائز قرار دیتے ہیں بلکہ امام احمد رحمہ اللہ اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

ابن سریج (ابن شریح) اور ایک جماعت جس میں حضرت مطرف بن عبداللہ ابن قتیبہ اور دوسرے حضرات بھی ہیں' فرماتے ہیں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ (چاند کی) منازل کا حساب لگالیا کرو۔

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کا ایک عادل کی شہادت پر روزہ رکھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے چاند دیکھا تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے پس آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ ایک دیہاتی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے رمضان المبارک کا چاند دیکھا ہے آپ نے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے عرض کیا جی ہاں' فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس نے عرض کیا جی ہاں' فرمایا: اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ روزہ رکھیں۔

پہلے جو حدیث گزر چکی ہے اس میں ''اذا رایتموہ'' (جب تم چاند دیکھو) سے بعض مسلمانوں کا دیکھنا مراد ہے' ہر آدمی کا دیکھنا شرط نہیں ہے بلکہ ہمارے مذہب میں واضح قول کے مطابق ایک عادل کا دیکھنا تمام لوگوں کے لئے کافی ہے اور یہ روزے کے بارے میں ہے اور روزہ چھوڑنے کے سلسلے میں عید کے چاند پر ایک عادل کی گواہی کافی نہیں۔ ابوثور کے علاوہ تمام علماء' کا یہی مذہب ہے' حضرت ابوثور ایک عادل کی گواہی کو کافی قرار دیتے ہیں۔

''الاسنوی'' فرماتے ہیں: جب ہم روزے کے سلسلے میں ایک عادل کی بات کرتے ہیں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ اس (روزے) کے علاوہ کی طرف متعدی نہیں ہوتا پس اس صورت میں طلاق اور (غلام کی) آزادی واقع نہ ہوگی جب یہ باتیں رمضان کے آنے سے معلق (مشروط) ہوں اور وہ قرض جس کے لئے وقت مقرر کیا گیا اس کا وقت بھی نہیں ہوگا اور نہ زکوٰۃ کے لئے سال پورا ہوگا۔

امام رافعی نے حضرت بغوی سے نقل کرتے ہوئے یہاں اس طرح مطلق بیان کیا الروضہ میں اس کو برقرار رکھا گیا اور اس کی اتباع کی گئی۔

اس کی صورت یہ ہے کہ جب تعلیق شہادت سے مقدم ہو جب شہادت واقع ہو جائے اور حاکم' رمضان شریف کے داخل ہونے کا فیصلہ کر دے پھر تعلیق جاری ہو تو طلاق و عتاق واقع ہو جائیں گی۔

قاضی حسین نے اپنی ''تعلیق'' میں ابن سریج (ابن شریح) سے اسی طرح نقل کیا اور امام رافعی نے ''کتاب الشہادت'' کے دوسرے باب میں فرمایا کہ قیاس یہی ہے۔[1]

---

[1] اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا جب رمضان کا مہینہ داخل ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہے یا اس کا غلام آزاد ہے تو اگر ایک آدمی کی شہادت سے رمضان کا ثبوت ہے تو یہ صرف روزے کے لئے ثبوت ہوگا طلاق یا عتاق کے لئے نہیں اور اگر پہلے گواہی ہو جائے پھر کہے کہ اگر یہ رمضان کا مہینہ ہو تو بیوی کو طلاق ہے یا غلام آزاد ہے تو طلاق و عتاق واقع ہو جائے گی۔ ۱۲ ہزاروی

فصل نمبر۴
نبی اکرم ﷺ روزے کی حالت میں کیا کیا عمل کرتے تھے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پچھنہ لگوایا اور آپ روزہ دار تھے۔
جان لو! جمہور کے نزدیک پچھنہ لگوانے سے روزہ مطلقاً نہیں ٹوٹتا۔ حضرت علی' حضرت عطاء' اوزاعی' احمد' اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ پچھنہ لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
ان حضرات نے دونوں پر قضا لازم کی ہے۔ بلکہ حضرت عطاء نے سختی سے کام لیتے ہوئے کفارہ بھی واجب قرار دیا۔
انہوں نے حضرت امام احمد اور ان کی اتباع کرنے والے شافعی حضرات جیسے ابن خزیمہ' ابن منذر اور ابن حبان کا قول اختیار کیا۔
امام ترمذی نے حضرت زعفرانی (حسین بن علی بن یزید بغدادی فقیہ' امام فی اللغت) سے نقل کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ قول حدیث کی صحت سے معلق کیا ہے (یعنی اگر حدیث صحیح ہو) امام ترمذی نے فرمایا یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ بغداد میں فرماتے تھے جب کہ مصر میں وہ اجازت کی طرف مائل تھے۔
امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب ''اختلاف الحدیث'' میں حضرت شداد رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے' وہ فرماتے ہیں: ہم فتح (مکہ) کے زمانے میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پچھنہ لگوا رہا ہے اس وقت رمضان المبارک کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے' نبی اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اس حالت میں آپ نے فرمایا:
(کشف الظنون ج۱ص۳۲)

افطر الحاجم والمحجوم. پچھنہ لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی کہ نبی اکرم ﷺ نے پچھنہ لگوایا اور آپ روزہ دار تھے' امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ فضیلت والی ہے۔
پس اگر کوئی شخص پچھنہ لگوانے سے بچے تو میرے نزدیک بطور احتیاط یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے اور قیاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی تائید میں ہے اور صحابہ کرام' تابعین اور عام اہلِ علم سے جو کچھ محفوظ اور یاد ہے وہ یہ کہ پچھنہ لگانے سے کسی کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔
بعض محدثین نے حدیث ''افطر الحاجم والمحجوم'' کی تاویل یوں کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عنقریب وہ روزہ افطار کریں گے جیسے قرآن پاک میں ہے:

اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا. (یوسف:۳۶) میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

تو یہ مستقبل کے اعتبار سے ہے۔ لیکن اس تاویل کا بعید از عقل ہونا مخفی نہیں (کیونکہ یہ بات تو ہر روزہ دار کے لئے ہوتی ہے کہ وہ شام کو روزہ افطار کرتا ہے)۔

امام بغوی نے ''شرح السنہ میں'' فرمایا ''اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے روزے کو ٹوٹنے کی طرف لے جاتا ہے پچھنہ لگانے والا اس لئے کہ کچھ نہ کچھ خون اس کے پیٹ میں جانے سے حفاظت نہیں ہوتی جب وہ اسے چوستا ہے۔ اور جس کو پچھنہ لگایا گیا وہ خون نکلنے کی وجہ سے کمزوری سے بے خوف نہیں پس نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ توڑ دیتا ہے بعض نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے مکروہ کام کیا اور وہ پچھنہ لگاتا ہے گویا وہ عبادت (روزے) کی حالت میں نہیں ہیں''۔

ابن حزم نے کہا کہ حدیث ''افطر الحاجم والمحجوم'' کسی شک وشبہ کے بغیر صحیح ہے لیکن ہم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث پائی ہے' وہ فرماتے ہیں:

ارخص النبی ﷺ فی الحجامة للصائم. نبی اکرم ﷺ نے روزہ دار کو پچھنہ لگوانے کی اجازت دی ہے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے پس اس کو اختیار کرنا واجب ہے کیونکہ رخصت' عزیمت کے بعد ہوتی ہے پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ پچھنہ لگانے کی وجہ سے روزہ ٹوٹنے کا حکم منسوخ ہو گیا چاہے پچھنہ لگانے والا ہو یا لگوانے والا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ والی حدیث کو امام نسائی' ابن خزیمہ اور دار قطنی نے نقل کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں البتہ اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام دار قطنی نے نقل کیا ہے وہ اس کی شاہد ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں سب سے پہلے روزہ دار کے لئے پچھنہ لگوانے کی کراہت کا سبب یہ ہوا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پچھنہ لگوایا اور وہ روزہ دار تھے' نبی اکرم ﷺ ادھر سے گزرے تو فرمایا ''ان دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا'' (پچھنہ لگانے اور لگوانے والے دونوں مراد ہیں)۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے اس کے بعد روزہ دار کو اجازت دے دی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ پچھنہ لگواتے جبکہ آپ روزے کی حالت میں ہوتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۶۸' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۱۸۲' العلل المتناھیہ ج ۲ ص ۵۱)

اس حدیث کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں البتہ اس حدیث کے متن میں کچھ منکر بات ہے کیونکہ اس میں ہے کہ یہ فتح کے موقع پر ہوا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اس سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔

اس سلسلے میں سب سے اچھی روایت وہ ہے جسے امام عبدالرزاق اور امام ابوداؤد نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے کسی شخص سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں:

نھی النبی ﷺ عن الحجامة للصائم وعن المواصلة ولم یحرمھما ابقاء علی اصحابه. نبی اکرم ﷺ نے روزہ دار کو پچھنہ لگوانے اور صوم وصال (مسلسل روزہ رکھنے) سے منع فرمایا اور ان دونوں کاموں کو حرام قرار نہیں دیا صحابہ کرام پر باقی رکھتے ہوئے (ان پر خوف کھاتے ہوئے منع فرمایا)۔[1]

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور صحابی کا مجہول ہونا نقصان دہ نہیں۔

ابن ابی شیبہ نے یہ حدیث حضرت وکیع سے روایت کی وہ حضرت ثوری رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔

[1] منع کرنے کی وجہ صحابہ کرام پر شفقت ہے کہ وہ کمزور ہو جائیں گے ورنہ ذاتی طور پر یہ باتیں منع نہیں ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

اصحاب محمد ﷺ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ نے روزہ دار کو پچھنہ لگانے سے منع فرمایا اور کمزور کے لئے مکروہ قرار دیا۔ یعنی وہ کمزور نہ ہو جائے۔

یہ "فتح الباری سے لیا گیا" خلاصہ ہے۔ واللہ اعلم

بوسہ لینا' سرمہ لگانا اور مسواک کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ روزے کی حالت میں اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تھے پھر ام المؤمنین ہنس پڑیں۔

آپ فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ "وکان املککم لاربہ اپنی حاجت پر تم سب سے زیادہ غالب تھے"۔ یعنی اپنی خواہش پر غالب تھے۔

ابن اثیر کہتے ہیں (لفظ ادب کو) اکثر محدثین ہمزہ اور راء کے فتح سے پڑھتے ہیں اور اس کا معنیٰ حاجت ہے بعض ہمزہ کے کسرہ اور راء سکون سے پڑھتے ہیں اور اس کی دو تاویلیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے حاجت مراد ہے اس سلسلے میں کہا جاتا ہے:

اَلْاَرَبُ' اَلْاِرْبُ' اَلْاِرْبَةُ' اَلْمَأْرَبَةُ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ اس سے عضو مراد لیا اور خاص طور پر عضو تناسل مراد ہے۔

امام شافعی اور ان کے شاگردوں کا مذہب یہ ہے کہ بوسہ لینا اس شخص پر حرام نہیں جس کی شہوت متحرک نہیں ہوتی لیکن اسے چھوڑنا بہتر ہے لیکن جس شخص میں شہوت کی حرکت ہو اس کے حق میں حرام ہے۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

اور حدیث شریف کے یہ الفاظ "فضحکت" (ام المؤمنین مسکرا پڑیں) تو اس سلسلے میں کہا گیا ہے کہ آپ کے مسکرانے میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں پر تعجب کیا ہو! یہ بھی کہا گیا ہے کہ خود اپنے آپ پر تعجب فرمایا جب اس قسم کی بات ذکر کی جو مردوں کے سامنے ذکر کرتے وقت عورتیں شرم محسوس کرتی ہیں' لیکن آپ کو تبلیغ علم کی وجہ سے اس بات کا ذکر کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور کبھی اپنی ذات کے بارے میں اس بات کی خبر دیتے ہوئے شرم محسوس ہوئی یا اس بات سے آگاہ کرنا مطلوب تھا کہ یہ واقعہ خود آپ کا اپنا ہے تاکہ اس پر اعتماد زیادہ ہو یا حضور ﷺ سے اپنے قرب اور محبت پر خوشی کے باعث ایسا کیا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت شریک سے اور انہوں نے حضرت ہشام سے یہ حدیث روایت کی اور اس میں یوں ہے کہ آپ مسکرائیں تو ہم نے خیال کیا کہ خود آپ ہی وہ زوجہ مطہرہ ہیں۔

امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ بوسہ لینے کے لئے میری طرف جھکے تو میں نے عرض کیا کہ میں روزہ دار ہوں آپ نے فرمایا میں بھی روزہ دار ہوں پھر آپ نے میرا بوسہ لیا۔

(مسند احمد ج ۶ص ۱۳۴۔۱۷۶' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۳۳' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۴۱۰)

امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ ان کا بوسہ لیتے اور ان کی زبان چوستے

تھے یعنی وہ روزہ دار ہوتے' اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اگر صحیح ہو تو یہ اس بات پر محمول ہوگی کہ آپ اس لعاب کو نگلتے نہیں تھے جو حضرت ام المؤمنین کے لعاب سے مل جاتا تھا۔

اور نبی اکرم ﷺ اثمد سرمہ لگاتے تھے حالانکہ آپ روزے کی حالت میں ہوتے اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت محمد بن عبداللہ بن ابی رافع سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا۔

پھر امام بیہقی نے فرمایا کہ یہ (راوی) محمد بن عبداللہ قوی نہیں ہیں جب کہ امام حاکم نے ان کو ثقہ قرار دیا اور ''اپنی مستدرک میں'' ان کی روایت نقل کی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ حالتِ جنابت میں صبح کرتے جو جماع کی وجہ سے ہوتی احتلام کی وجہ سے نہیں پھر نہ تو روزہ چھوڑتے اور نہ قضا کرتے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: اس حدیث میں دو فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ آپ رمضان شریف (کی راتوں) میں جماع فرماتے اور بیانِ جواز کے لئے غسل کو طلوعِ فجر تک مؤخر کرتے اور دوسری بات یہ کہ جنابت جماع کی وجہ سے ہوتی' احتلام کی وجہ سے نہیں کیونکہ آپ کو احتلام نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ احتلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور آپ اس سے معصوم تھے۔

امام قرطبی کے علاوہ (دوسروں) نے حدیث کے الفاظ ''احتلام کے بغیر'' کے بارے میں فرمایا کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کے لئے احتلام جائز ہے ورنہ استثناء کا کوئی معنیٰ نہ ہوگا۔

اس کا یوں رد کیا گیا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور آپ اس سے معصوم تھے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ احتلام کا اطلاق انزال پر بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات انزال' خواب میں کچھ دیکھے بغیر بھی ہوتا ہے اور جماع کی قید سے ام المؤمنین نے ان لوگوں کے رد کا ارادہ کیا کہ جو شخص جان بوجھ کر ایسے کرے (جنبی ہو جائے) اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو بے شمار مرتبہ روزے کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا۔

فصل نمبر ۵

نبی اکرم ﷺ کے افطار کا وقت

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم ماہ رمضان میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے جب سورج غروب ہوا تو آپ نے فرمایا: اے بلال! ''انزل فاجدح لنا اترو اور ہمارے لئے ستو تیار کرو' عرض کیا یا رسول اللہ! ابھی دن باقی ہے آپ نے فرمایا: اترو اور ستو تیار کرو' راوی فرماتے ہیں: وہ اترے اور ستو تیار کئے آپ کی خدمت میں لائے گئے تو آپ نے نوش فرمائے پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: جب سورج ادھر سے غائب ہو جائے اور رات ادھر سے آ جائے تو روزہ دار کے افطار کا وقت ہوگیا۔

"الجدح" جیم اوراس کے بعد حاء ہے کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے کو کہتے ہیں اور مراد ستوؤں کو پانی میں ملا کر حرکت دینا ہے حتیٰ کہ وہ برابر ہو جائیں (مل جائیں)۔

حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام روزے کی حالت میں تھے جب سورج غروب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ستو پانی میں ملانے کا حکم فرمایا تا کہ افطار کریں جب مخاطب نے روشنی اور سرخی کے آثار دیکھے جو غروب آفتاب کے بعد باقی رہتے تھے تو گمان کیا کہ اس (سرخی اور سفیدی) کے چلے جانے کے بعد افطاری کا وقت ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان (سرخی اور سفیدی) کو نہ دیکھا ہو تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو یاد دلانے اور خبر دینے کا ارادہ کیا ہو اور اس کی تائید ان کے اس قول سے ہوتی ہے کہ "ابھی دن ہے" کیونکہ ان کو اس بات کا وہم ہوا کہ یہ دن کی روشنی ہے جس میں روزہ واجب ہوتا ہے اور دوسری روایت میں "لو امسیت" کے الفاظ کا یہی مطلب ہے (یعنی اگر شام تک ٹھہرتے تو روزہ پورا ہو جاتا) اور بار بار یہ الفاظ دھرانا اس اعتقاد کے غلبہ کی وجہ سے تھا کہ ابھی دن ہے جس میں کھانا حرام ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کے نزدیک یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس روشنی کی طرف اچھی طرح نہیں دیکھا تو روشنی کے باقی رہنے کی اچھی طرح خبر دینے کا ارادہ کیا۔ واللہ اعلم' یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

فصل نمبر ۶

نبی اکرم ﷺ کس چیز کے ساتھ افطار فرماتے تھے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز سے پہلے چند تازہ کھجوروں کے ساتھ افطار کرتے تھے اگر تازہ کھجوریں نہ ملتیں تو چھوہاروں سے افطار فرماتے (اور اگر چھوہارے بھی نہ ملتے تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرما لیتے)۔ (سنن ترمذی' سنن نسائی)

نبی اکرم ﷺ نے افطار کے لئے یہ چیز اختیار کی کیوں کہ طبیعت کو میٹھی چیز دی جائے جب کہ معدہ خالی ہو تو وہ زیادہ قبول کرتا ہے اور اس سے اعضاء مضبوط ہوتے ہیں خصوصاً دیکھنے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔

اور پانی نوش فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ روزے کی وجہ سے جگر خشک ہو جاتا ہے پس جب پانی سے تر کیا جائے تو اس کے بعد والی غذا سے کامل نفع حاصل ہوتا ہے اسی لئے پیاسے بھوکے شخص کے لئے بہتر ہے کہ وہ پہلے تھوڑا سا پانی پیئے پھر اس کے بعد کھانا کھائے۔ یہ بات ابن قیم نے کہی ہے۔

فصل نمبر ۷

نبی اکرم ﷺ افطاری کے وقت کونسے کلمات کہتے تھے؟

حضرت معاذ بن زہرہ سے مروی ہے ان تک یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ روزہ افطار کرتے وقت یہ کلمات

کہتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ. یا اللہ! تیرے ہی لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر میں نے افطار کیا۔

یہ حدیث مرسل ہے اور ان (معاذ رحمہ اللہ) کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تابعین میں شمار کیا لیکن (معاذ بن زہرہ کی بجائے) معاذ ابوزہرہ کہا ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے ثقات کے ذکر میں امام بخاری کی اتباع کرتے ہوئے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔

یحییٰ بن یونس شیرازی نے ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا اور جعفر مستغفری نے ان کی بات کو غلط قرار دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث موصول ہو اگرچہ حضرت معاذ تابعی ہوں کیونکہ ہو سکتا ہے ان تک اس حدیث کو پہنچانے والے کوئی صحابہ ہوں۔ وہ فرماتے ہیں اسی اعتبار سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سنن میں ذکر کیا اور دوسرے اعتبار سے مراسیل میں ذکر کیا (جس حدیث میں صحابی کا ذکر نہ ہو' تابعی براہ راست نبی اکرم ﷺ سے روایت کرے وہ مرسل ہے اس کی جمع مراسیل ہے)۔

ابن سنی نے اور طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں نہایت کمزور سند کے ساتھ روایت کیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب افطاری فرماتے تو یوں کہتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. یا اللہ! تیرے ہی لیے میں نے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر میں نے افطار کیا' پس تو مجھ سے قبول فرما' بے شک تو سننے والا' جاننے والا ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب افطاری فرماتے تو یوں کہتے:

ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ. پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا ان شاء اللہ۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے نقل کیا اور امام رزین نے اس کے شروع میں ''الحمد للہ'' کا اضافہ کیا ہے۔

ابن السنی کی کتاب میں حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ افطاری کے وقت یہ کلمات کہتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ. اللہ تعالیٰ کے لئے تعریف (اور شکر) ہے جس نے میری مدد کی پس میں نے روزہ رکھا اور رزق عطا کیا پس میں نے افطار کیا۔

فصل نمبر ۸

نبی اکرم ﷺ کے صوم وصال

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وصال سے منع فرمایا' صحابہ کرام نے عرض کیا آپ تو (روزے میں) وصال فرماتے ہیں (یعنی افطار نہیں کرتے اور رات کو بھی دن کے ساتھ ملاتے ہیں) آپ نے فرمایا: میں (میری حالت) تمہاری حالت کی طرح نہیں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے صومِ وصال رکھے تو صحابہ کرام نے صوم وصال رکھنا شروع کئے لیکن ان کو اس سے تکلیف ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو صوم وصال سے منع فرمادیا انہوں نے عرض کیا آپ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں آپ نے فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے ہمیشہ کھلایا پلایا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ماہ رمضان المبارک کے آخر میں رات کو دن کے روزے سے ملایا تو کچھ مسلمانوں نے بھی اسی طرح وصل کے ساتھ روزہ رکھا آپ کو یہ بات پہنچی تو فرمایا: اگر ہمارے لئے مہینہ لمبا کیا جائے تو ہم وصال کے روزے رکھیں گے' حد سے بڑھنے والے اس تجاوز کو چھوڑ دیں تم میری مثل نہیں ہو یا فرمایا میں تمہاری مثل نہیں ہوں میرا رب مجھے ہمیشہ کھلاتا اور پلاتا ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے (کہ آپ نے فرمایا:) روزے میں وصل نہ کرو' صحابہ کرام نے عرض کیا آپ تو وصل کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی ایک کی طرح نہیں ہوں بے شک مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(آپ نے فرمایا ''**یدع المتعمقون تعمقھم** '' تو) **متعمقون** سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی معاملے میں متشدد ہوں اور قول یا فعل میں حد سے بڑھ جائیں۔

حضرت سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ حضرت حسن (رحمہم اللہ) کی مرسل حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا): میں یوں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام پر رحمت کے تحت ان کو صوم وصال سے منع فرمایا انہوں نے عرض کیا آپ تو وصل کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میں تمہاری حالت کی طرح نہیں ہوں بے شک میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا' البتہ امام بخاری نے لفظ ''**نھی** '' فرمایا ''**نھاھم** '' نہیں فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے روزے میں وصل سے منع فرمایا تو صحابہ کرام نے (اس عمل کو چھوڑنے سے) انکار کیا جب انہوں نے باز رہنے سے انکار کیا تو آپ نے ان کے ساتھ ایک دن صوم وصال رکھا پھر ایک اور دن اسی طرح کیا پھر (شوال کا) چاند دیکھا آپ نے فرمایا اگر یہ چاند ٹھہر جاتا تو میں

---

[1] الحمدللہ! مسلمانوں کا عقیدہ ہے' آپ سرکار دو عالم ﷺ بے مثل بشر ہیں' ہماری طرح نہیں۔ یہ عقیدہ کہ حضور ﷺ ہمارے جیسے بشر ہیں کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہوسکتا۔ ۱۲ ہزاروی

تمہارے لئے اس (صوم وصال) میں اضافہ کرتا گویا آپ نے ان کو تنبیہ کی (اور جھڑ کتے ہوئے فرمایا) جب انہوں نے باز رہنے سے انکار کیا۔[1]

''یطعمنی ربی ویسقینی'' کا معنیٰ

وصال کا معنیٰ یہ ہے کہ دو دن یا اس سے زیادہ (دن) یوں روزہ رکھنا کہ درمیان میں نہ کھائے نہ پیئے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے قول ''یطعمنی ربی و یسقینی'' (میرا رب مجھ کھلاتا اور مجھے پلاتا ہے) کے معنیٰ میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ اپنے حقیقی معنیٰ پر محمول ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عزت وکرامت روزوں کی راتوں میں کھانا دیا جاتا تھا۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اگر ایسا ہوتا تو صوم وصال نہ ہوتا۔

نیز آپ کا قول ''اظل'' (مجھے مسلسل کھلایا پلایا جاتا ہے) اس بات پر دلالت ہے کہ دن کو بھی ایسا ہوتا تھا اگر حقیقتاً کھانا پینا ہوتا تو آپ روزہ دار نہ ہوتے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ راجح روایات میں لفظ ''ابیت'' (میں رات گزارتا ہوں) ہیں ''اظل'' کا لفظ نہیں اور اس لفظ کو ثابت مانا جائے تو یہ مطلق ''ہونے'' کے معنیٰ میں ہوگا۔

حقیقت لفظ (تسلسل) مراد نہیں ہوگی کیونکہ آپ کا عمل تو رات کے وقت (کھانے پینے سے) رکنا تھا' دن کے وقت نہیں۔

اور اکثر روایات میں ''ابیت'' ہے تو بعض راویوں نے اس لفظ کو مطلق ''ہونے'' کے معنیٰ میں اشتراک کی وجہ سے ''اظل'' سے تعبیر کیا۔ اہلِ عرب اکثر کہتے ہیں ''اضحی فلان کذا'' (فلاں ایسا ہو گیا) اور وہ (چاشت کے) وقت کے ساتھ تخصیص کو نہیں دیکھتے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا۔ (النحل:۵۸) اور جب ان میں سے کسی ایک کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔

تو اس سے مطلق وقت مراد ہے دن یا رات کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اور کھانے پینے کو مجازی معنیٰ پر محمول کرنا لفظ ''اظل'' کو مجازی معنیٰ پر محمول کرنے سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ اور اگر برسبیل تنزل مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو اعزاز کے طور پر جو جنت کا کھانا اور مشروب دیا جاتا ہے اس پر مکلفین کے احکام جاری نہیں ہوتے جس طرح آپ کا قلب مبارک سونے کے تھال میں دھویا گیا حالانکہ سونے کے دنیوی برتنوں کا استعمال حرام ہے۔

ابن منیر نے کہا کہ جس چیز سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وہ عام کھانا ہے لیکن عام عادت کے خلاف کھانا ہے جیسے جنت سے آیا ہوا کھانا تو وہ اس معنیٰ کے خلاف ہے اور اس کو لینا اعمال کی جنس سے نہیں وہ ثواب کی جنس سے ہے جس طرح جنت

---

[1] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد نبی اکرم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے اسے نہی حقیقی سمجھا بلکہ ان کا خیال تھا کہ آپ ہمیں مشقت سے بچانا چاہتے ہیں اور ہمیں اس عمل سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج۸ ص۱۰۹)

میں جنتیوں کا کھانا اور کرامت (اعزاز) عادت کو باطل نہیں کرتی۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ کھانے اور مشروب کو حقیقی معنیٰ پر محمول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور رات اور دن میں اس کا کھانا وصال کو ختم نہیں کرتا کیونکہ آپ کے ساتھ خاص ہے گویا جب آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ بھی وصل فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میری حالت تمہاری حالت جیسی نہیں یعنی تمہاری صفت پر نہیں کیونکہ تم میں سے جو کھاتا یا پیتا ہے اس کا وصال ختم ہو جاتا ہے بلکہ مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے اور اس (کھانے پینے) سے میرا صوم وصال منقطع نہیں ہوتا پس میرا کھانا اور پینا صورتاً اور معناً تمہارے کھانے اور پینے کا غیر ہے۔

جمہور فرماتے ہیں: اس سے (کھانا پینا مراد نہیں بلکہ) کھانے پینے کا لازم مراد ہے اور وہ قوت ہے گویا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے کھانے اور پینے والے جیسی قوت عطا کرتا ہے اور وہ مجھ پر ایسا فیضان فرماتا ہے جو کھانے اور پینے کے قائم مقام ہوتا ہے اور طاقت میں کسی کمزوری کے بغیر مجھے مختلف عبادات پر قوت دیتا ہے۔

یا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ میں ایسا سیر ہونا اور سیرابی پیدا فرمائی جس کی وجہ سے آپ کو کھانے پینے کی ضرورت باقی نہ رہی اور آپ نے بھوک اور پیاس محسوس نہ کی۔

پہلی تاویل اور اس میں فرق یہ ہے کہ آپ کو سیر ہونے اور سیرابی کے بغیر قوت عطا کی بلکہ بھوک اور پیاس کے باوجود قوت حاصل ہوئی۔ اور دوسری تاویل کے مطابق سیر ہونے اور سیرابی کے ساتھ قوت دی گئی۔

پہلے قول کو ترجیح دی گئی کیونکہ دوسری تاویل روزے دار کی حالت کے منافی ہے اور اس سے روزے اور وصال کا مفہوم فوت ہو جاتا ہے کیونکہ بھوک اس عبادت کی خصوصی روح ہے۔

قرطبی فرماتے ہیں: یہ بات نبی اکرم ﷺ کی حالت کو دیکھتے ہوئے بعید نظر آتی ہے کیونکہ آپ سیر ہونے کے مقابلے میں اکثر بھوک کی حالت میں رہتے اور اپنے بطن مبارک پر پتھر باندھتے تھے۔

اور یہ بھی احتمال ہے جس طرح ابن قیم نے ''الہدی میں'' اور ابن رجب نے ''اللطائف میں'' ذکر کیا کہ اس سے مراد وہ غذا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے معارف (معرفت) کی صورت میں عطا کی' آپ کے قلب مبارک پر اپنی ہمکلامی کا فیضان فرمایا' اپنے قرب سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کی' اپنی محبت وشوق کی نعمت سے نوازا اور اس کے تابع وہ احوال ہیں جو دلوں کی غذا' ارواح کی نعمتیں' آنکھوں کی ٹھنڈک اور نفوس کی تازگی ہے' روح کو ان چیزوں سے بہت بڑی اور زیادہ نفع بخش غذا حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات عرصہ دراز تک یہ غذا' جسمانی غذاؤں سے بے نیاز کر دیتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے:

لها احاديث من ذكراك تشغلها ۔۔۔ عن الشراب وتلهيها عن الزاد

اذا اشتكت من كلال السير اوعدها ۔۔۔ روح القدوم فتحيا عند ميعاد

''وہ اونٹنیاں تیرے ذکر سے متعلق باتوں کی وجہ سے پانی سے غافل ہو جاتی ہیں اور یہ زاد (کھانے) سے بے خبر ہو جاتی ہیں۔

جب وہ چلنے کی مشقت کی شکایت کرتی ہیں تو وہ مشقت ان کو آنے کی روح کا وعدہ دیتی ہیں تو وہ اس مقررہ وقت پر (موت کے بعد) زندہ ہو جاتی ہیں''۔

اور جس شخص کو تھوڑا سا تجربہ اور شوق ہو وہ جانتا ہے کہ جسم کو دل اور روح کی غذا حاصل ہو تو وہ بہت سی حیوانی غذا سے

بے نیاز ہو جاتا ہے خصوصاً مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے خوش ہونے والے کو اپنے محبوب کی وجہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کے قرب و رضا کی وجہ سے لطف اندوز ہوتا ہے اور محبوب کی مہربانیوں سے اسے انتہائی درجے کا اعزاز حاصل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مکمل محبت حاصل ہوتی ہے۔

تو کیا اس محبّ کے لئے یہ بہت بڑی غذا نہیں ہے؟ تو اس محبوب کی کیا کیفیت ہوگی جس کے لئے اس سے بڑی' زیادہ یا جمال و کمال اور احسان میں بڑی کوئی چیز نہیں تو کیا یہ محب اپنے محبوب کے پاس ہو تو وہ رات اور دن میں اسے نہیں کھلائے پلائے گا؟ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انی اظل عند ربی یطعمنی ویسقینی. میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مہذب میں'' نقل کیا جس طرح ''شرح تقریب الاسانید میں'' فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھے کھانے پینے سے بے خبر رکھتی ہے اور کامل محبت ان دونوں سے بے خبر رکھا کرتی ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام ''اللہ'' کی بجائے ''رب'' کو کیوں ترجیح دی یعنی ''**یطعمنی ربی**'' فرمایا ''**یطعمنی اللہ**'' نہیں فرمایا؟

جواب: بندوں پر اسم الوہیت ''اللہ'' کی نسبت اسم ربوبیت کے ساتھ تجلی زیادہ قریب ہوتی ہے کیونکہ یہ عظمت کی تجلی ہے جس کی بندوں کو طاقت حاصل نہیں اور ربوبیت کی تجلی رحمت و شفقت کی تجلی ہے۔

صوم وصال کا حکم

ہمارے لئے صوم وصال کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں یا حرام ہے یا مکروہ؟

ایک گروہ نے کہا کہ یہ جائز ہے اگر اس پر قادر ہو۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر اسلاف سے مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کئی دن وصال کے روزے رکھتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پندرہ دن وصال کے روزے رکھتے تھے اور ان کے ساتھ صحابہ کرام میں سے حضرت ابوسعید کی بہن اور تابعین میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم' عامر بن عبداللہ بن زبیر' ابراہیم بن یزید التیمی اور ابوالجوزا کا ذکر کیا جس طرح ابونعیم نے ''الحلیۃ میں'' نقل کیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج۳ ص ۷۹)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے منع کرنے کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ صوم وصال رکھے۔ اگر یہ نہی حرام قرار دینے کے لئے ہوتی تو آپ ان کو اپنے فعل پر برقرار نہ رکھتے پس معلوم ہوا کہ روکنے سے آپ کا مقصد ان پر رحمت فرمانا اور تخفیف تھی جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی حدیث میں واضح طور پر فرمایا پس جس پر یہ عمل گراں نہ ہو اور نہ ہی اس نے افطار میں تاخیر کے سلسلے میں اہل کتاب کی موافقت کا قصد کیا اور نہ جلدی افطار کے سلسلے میں سنت سے اعراض کیا تو اسے صوم وصال سے منع نہیں فرمایا۔

جواز کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام نے نہی کے بعد یہ عمل کیا پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ انہوں نے اسے نہی تنزیہی سمجھا' نہی تحریمی نہیں ورنہ وہ یہ اقدام نہ کرتے۔

اکثر حضرات نے فرمایا کہ وصال جائز نہیں۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ نے یہی فرمایا جبکہ امام شافعی اور آپ کے اصحاب (رحمہم اللہ) نے اسے مکروہ قرار دیا اور وہ اس کی کراہت کی دو وجہ بتاتے ہیں ان میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے اور دوسرے قول کے مطابق کراہت تنزیہی ہے۔

ابن وہب' امام احمد بن حنبل اور اسحاق رحمہم اللہ نے سحری تک وصال کو جائز قرار دیا کیونکہ ''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے' وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا:

لا تواصلوا فایکم اراد ان یواصل فلیواصل الی السحر.

روزے میں وصل نہ کرو اور اگر وصال کا روزہ رکھنا ہو تو سحری تک رکھو۔

اس وصال پر وہ حکم مرتب نہیں ہوتا جو اس کے غیر پر مرتب ہوتا ہے کیونکہ یہ رات کے کھانے کی طرح ہے مگر اس میں تاخیر ہوتی کیونکہ روزہ دن میں ہوتا تھا اور رات میں کھانا' پس جب سحری کے وقت کھایا تو رات کے پہلے حصے سے آخر کی طرف منتقل کیا اور یہ قیام لیل کے لئے جسم کو زیادہ ہلکا پھلکا رکھتا ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ اس کا محل اسی وقت ہے جب تک روزے دار پر باعث مشقت نہ ہو ورنہ عبادت نہیں بنے گی۔

حدیث شریف میں اس بات کی وضاحت ہے کہ روزے میں وصال' نبی اکرم ﷺ کے خصائص سے ہے پس آپ نے فرمایا:

انی لست کھیئتکم.

میں تمہاری حالت کی طرح نہیں ہوں۔

''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے' آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب رات ادھر (مشرق) سے آجائے اور دن ادھر (مغرب) سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے افطاری کا وقت داخل ہونے پر اسے حکماً افطار کرنے والا قرار دیا اگرچہ وہ افطار نہ کرے اور یہ بات شرعی طور پر وصال کو منع کرتی ہے۔

جمہور نے حرام ہونے پر نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں نہی کے عموم سے استدلال کیا ہے' آپ نے فرمایا:

لا تواصلوا.

صوم وصال نہ رکھو۔

اور ''رحمۃ'' کے الفاظ جو آپ نے فرمائے ہیں ان کا جواب یوں دیا کہ یہ ممنوع کام کے حرام ہونے کے منافی نہیں ہے اور آپ کی شفقت کی وجہ سے ان پر حرام قرار دینا اس لئے تھا کہ وہ اس عمل کا تکلف نہ کریں جو ان پر گراں گزرتا ہے اور ان کے ساتھ دو دن کے وصال میں مصلحت یہ تھی کہ ان کو جھڑکنے کے سلسلے میں تاکید ہو اور نہی کی حکمت نیز وصال پر مرتب ہونے والے فساد کو بیان کیا جائے اور یہ عبادت میں تھکاوٹ کا پیدا ہونا اور بعض وظائف دین میں کمی کا واقع ہونا ہے مثلاً نماز کا خشوع اور اذکار کے ساتھ مکمل نہ ہونا اور وہ تمام وظائف جو دن اور رات میں مشروع (جائز) ہیں۔

انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے ذریعے بھی جواب دیا جس میں آپ نے فرمایا کہ ''جب رات ادھر سے آجائے اور دن ادھر سے چلا جائے تو روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا'' کیونکہ آپ نے رات کو صرف افطار کا وقت

قرار دیا تو اس میں روزہ رکھنا' روزے کی وضع کے خلاف ہے۔

امام طبرانی نے ''الاوسط میں'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے صوم وصال کو قبول کیا اور آپ کے بعد کسی کے لئے جائز نہیں۔ لیکن اس حدیث کی سند صحیح نہیں لہٰذا یہ قابلِ استدلال نہیں۔

فصل نمبر ۹

نبی اکرم ﷺ کا سحری کھانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سحری کھا رہے تھے تو آپ نے فرمایا:

انها بركة اعطاكم الله اياه فلا تدعوه. یہ برکت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہے پس اسے نہ چھوڑو۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے رمضان شریف میں مجھے سحری کھانے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: مبارک ناشتہ کی طرف آؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے سحری کے وقت فرمایا: ''اے انس میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرتا ہوں پس مجھے کھلایئے میں آپ کی خدمت میں ایک کھجور اور ایک برتن لایا جس میں پانی تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے چکے تھے [1] آپ نے فرمایا: اے انس! کسی شخص کو دیکھ جو میرے ساتھ کھائے میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا میں ستو پینے کا ارادہ کرتا ہوں کیونکہ میرا ارادہ ہے کہ روزہ رکھوں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں بھی روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں پس انہوں نے آپ کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ کھڑے ہوئے' دو رکعتیں پڑھیں اور پھر نماز کے لئے (مسجد میں) تشریف لے گئے۔

حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سحری کس وقت کھائی؟ تو انہوں نے فرمایا وہ دن تھا مگر ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ (نوٹ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دن قریب تھا اس لئے اسے مجازاً دن کہا)۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر ہم نماز کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دونوں کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ فرمایا پچاس آیات (پڑھنے کے برابر)۔

اس سے درمیانے انداز کی آیات مراد ہیں جو نہ تو لمبی ہوں اور نہ چھوٹی' نہ جلدی پڑھی جائیں اور نہ بالکل آہستہ۔

ابن ابی جمرہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اس کام کو دیکھتے جو امت کے لئے زیادہ آسان ہو پھر اسے کرتے کیونکہ اگر

[1] حضرت بلال رضی اللہ عنہ سحری کو اذان دیتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فجر کی اذان ہو چکی تھی۔ ۱۲ ہزاروی

آپ سحری نہ کھاتے تو لوگ آپ کی اتباع کرتے اور اس طرح یہ بات ان کے لئے باعث مشقت ہوتی اور اگر رات کے درمیان سحری کھاتے تو بھی ان میں سے بعض پر گراں گزرتی جن پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے کیونکہ بعض اوقات نیند صبح کو چھوڑنے کا ذریعہ بنتی ہے یا شب بیداری کے ساتھ مجاہدہ کی حاجت ہوتی ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ سحری سے فراغت طلوع فجر سے پہلے ہونی چاہیے اور یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کے خلاف ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ وہ دن کا وقت ہوتا مگر ابھی سورج طلوع نہ ہوتا (یہ بات اس قول کے خلاف نہیں کیونکہ اس سے بھی دن مراد نہیں بلکہ فجر کے قریب کا وقت مراد ہے۔۱۲ہزاروی)۔

''فتح الباری میں'' اس کا جواب یوں دیا گیا کہ دونوں میں کوئی معارضہ نہیں بلکہ اختلاف حال پر محمول کیا جائے گا۔ کسی ایک روایت میں بھی ایسی بات نہیں جو اس عمل کو ہمیشہ کرنے کی خبر دیتی ہو۔

فصل نمبر ۱۰

نبی اکرم ﷺ کا سفر میں روزہ رکھنا اور چھوڑ دینا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے سال ماہ رمضان میں تشریف لے گئے تو آپ نے روزہ رکھا حتیٰ کہ جب ''کراع الغمیم'' مقام پر پہنچے اور صحابہ کرام کا بھی روزہ تھا پھر آپ نے پانی کا ایک پیالہ طلب فرمایا اور اسے اٹھایا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے اسے دیکھا پھر اسے نوش فرمایا اس کے بعد آپ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: انہوں نے نافرمانی کی ہے' ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا کہ لوگوں پر روزہ مشکل ہو گیا اور وہ آپ کے عمل کے منتظر ہیں تو آپ نے عرصہ کے بعد پانی کا ایک پیالہ طلب فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک میں سفر فرمایا تو روزہ رکھا حتیٰ کہ مقام عسفان میں پہنچے پھر پانی کا ایک برتن منگوایا اور پانی نوش فرمایا تاکہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ نے افطار کر لیا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے سفر میں روزہ رکھا اور چھوڑا بھی' پس جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نہ اس شخص کو برا کہتے جو روزہ رکھتا اور نہ اسے جو نہ رکھتا۔ نبی کرم ﷺ سفر میں روزہ رکھتے بھی تھے اور (کبھی) چھوڑ بھی دیتے۔ (مسند احمد ج ۱ص ۲۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں حالت سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

بعض اہل ظاہر کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں حالت سفر میں روزہ رکھنا صحیح نہیں اگر روزہ رکھے گا تو منعقد نہیں ہوگا اور اس کی قضاء لازم ہوگی کیونکہ آیت کریمہ کا ظاہر یہی بتاتا ہے۔[1]

---

[1] ارشادِ خداوندی ہے فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرہ:۱۸۴) تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر پر ہو وہ دوسرے دنوں سے شمار کرے۔

نیز حدیث شریف میں ہے:

لیس من البر الصیام فی السفر. سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الباب: ۴۳' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۷۶۔۱۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۶۴۔۱۶۶۵' سنن ترمذی رقم الحدیث ۷۱۰' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۹۔ ج ۵ ص ۴۳۴' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۴۲' سنن دارمی ج ۲ ص ۹' المستدرک ج ۱ ص ۴۳۳' التمہید ج ۲ ص ۳۰۳' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۸۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۴۵)

ایک دوسری حدیث میں ''اولئک العصاۃ'' (یہ نافرمان لوگ ہیں) فرمایا ہے۔

جمہور علماء کرام اور تمام اہل فتویٰ فرماتے ہیں: کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور وہ منعقد بھی ہو جاتا ہے اور کفایت بھی کرتا ہے لیکن ان میں اختلاف یہ ہے کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا چھوڑنا یا دونوں برابر ہیں؟

حضرت امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور اکثر حضرات فرماتے ہیں: کہ جو شخص طاقت رکھتا ہو اور ظاہری طور پر اسے کوئی مشقت یا تکلیف نہ ہوتی ہو اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑنا افضل ہے۔ ان حضرات نے نبی اکرم ﷺ کے روزہ رکھنے سے استدلال کیا نیز اس اعتبار سے فی الحال ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب' اوزاعی' احمد اور اسحاق اور ان کے علاوہ (فقہاء کرام) رحمہم اللہ فرماتے ہیں: روزہ نہ رکھنا مطلقاً افضل ہے۔ ہمارے بعض اصحاب (شافعی المسلک حضرات) نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ غریب (غیر معروف) ہے انہوں نے اہل ظاہر کی مذکورہ بالا دلیل سے استدلال کیا اور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو بھی دلیل بنایا' آپ نے فرمایا:

ھی رخصۃ من اللہ فمن اخذ بھا فحسن ومن احب ان یصوم فلا جناح علیہ. یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے پس جو اسے قبول کرے تو اچھا ہے اور جو شخص روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۸۷' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۴۳' سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۹۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۲۹' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۹۰)

اس حدیث کے ظاہر سے روزہ چھوڑنے کی ترجیح واضح ہوتی ہے۔

اکثر حضرات نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کو تکلیف کا ڈر ہو یا مشقت برداشت کرنا پڑے جس طرح احادیث میں واضح طور پر آیا ہے' انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتماد کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ماہِ رمضان المبارک میں جہاد کر رہے تھے تو ہم میں سے کچھ حضرات روزہ رکھے ہوئے تھے اور بعض کا روزہ نہیں تھا روزہ دار روزہ چھوڑنے والے پر اور چھوڑنے والا روزہ رکھنے والے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا جس کو طاقت ہوتی وہ روزہ رکھتا تو یہ اچھا ہوتا اور ان کا خیال تھا کہ جو کمزور ہو اس کا روزہ نہ رکھنا اچھا ہے۔ (صحیح مسلم)

یہ حدیث اکثر حضرات کے مذہب کی ترجیح میں واضح ہے اور یہ اس شخص کے لئے روزے کے بارے میں تفصیل

ہے جو کسی تکلیف اور ظاہری مشقت کے بغیر اس کی طاقت رکھتا ہے۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ احادیث کے باہم مساوی ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں برابر ہیں لیکن اکثر حضرات کا قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم

دوسری قسم

نبی اکرم ﷺ کا رمضان المبارک کے علاوہ روزہ رکھنا

اس میں کئی فصول ہیں۔

فصل نمبرا

نبی اکرم ﷺ کا کئی دن مسلسل روزہ رکھنا اور کئی دن چھوڑ دینا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسلسل روزے رکھتے تھے پس کہا جاتا ہے کہ روزہ رکھنا ترک نہیں کریں گے اور روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ کہا جاتا روزہ نہیں رکھیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ مہینے میں روزہ نہ رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ اب روزہ نہیں رکھیں گے پھر روزہ رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ روزہ رکھنا کبھی ترک نہیں کریں گے۔

اور ہم جب بھی آپ کو رات کے وقت حالتِ نماز میں دیکھنا چاہتے تو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے اور آرام فرما دیکھنا چاہتے تو اسی حالت میں دیکھتے۔

ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ میں جب بھی آپ کو کسی مہینے میں روزہ دار دیکھنا چاہتا تو اسی طرح دیکھتا اور روزہ چھوڑے ہوئے دیکھنا چاہتا تو اسی حالت میں دیکھتا اور رات کو حالتِ قیام میں دیکھنا چاہتا تو قیام میں دیکھتا' آرام فرما دیکھنا چاہتا تو اسی طرح (آرام فرما) دیکھتا۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ روزہ رکھتے حتیٰ کہ کہا جاتا کہ آپ نے روزہ رکھا' روزہ رکھا اور روزہ رکھنا ترک کر دیتے حتیٰ کہ کہا جاتا آپ نے روزہ نہیں رکھا' آپ نے روزہ نہیں رکھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ماہِ رمضان کے علاوہ کبھی مکمل مہینہ روزہ نہیں رکھا اور آپ روزہ رکھتے حتیٰ کہ کہنے والا کہتا اللہ کی قسم! آپ کبھی روزہ رکھنا ترک نہیں کریں گے اور آپ روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ کہنے والا کہتا اللہ کی قسم! آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔

امام نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت سے آپ نے ماہِ رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں مسلسل (مکمل) روزے نہیں رکھے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے نہ تو عمر بھر کے روزے رکھے اور نہ ہی پوری رات قیام کیا گویا آپ نے

یہ عمل اس لئے ترک فرمایا کہ اس سلسلے میں آپ کی اقتدا نہ کی جائے اس طرح امت پر یہ عمل باعث مشقت ہوگا اگرچہ آپ کو اس قدر قوت عطا کی گئی تھی کہ آپ اس عمل کو اپنے اوپر لازم کرتے تو آپ اس پر قادر تھے لیکن آپ نے عبادت میں ایک درمیانہ راستہ اختیار کیا پس روزہ بھی رکھا اور چھوڑ بھی دیا' قیام بھی کیا اور آرام بھی فرمایا۔

فصل نمبر۲

یوم عاشوراء کا روزہ

یوم عاشوراء کا تعین

یہ لفظ الف مدہ کے ساتھ ہے اور اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ حضرت حکم بن اعرج سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا تو انہوں نے زمزم کے پاس اپنی چادر کا تکیہ لگا رکھا تھا میں نے عرض کیا مجھے عاشوراء کے روزے کے بارے میں بتایئے تو آپ نے فرمایا جب تم محرم کا چاند دیکھو تو اس کو شمار کرو اور نو محرم کو روزہ رکھو میں نے عرض کیا: کیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اسی طرح اس کا روزہ رکھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے وضاحت ہے کہ ان کے مذہب کے مطابق عاشوراء محرم کی نویں تاریخ ہے اور وہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ یہ ''اظماء الابل'' سے ماخوذ ہے (اونٹ کا پیاسا ہونا) کیونکہ اہل عرب پہنچنے کے پانچویں دن (شرح میں تیسرا دن لکھا ہے) کو چوتھا دن کہتے ہیں اسی طرح باقی دنوں کو اس نسبت سے کہتے ہیں پس نواں دن' دسواں ہوگیا۔[1]

لیکن ابن منیر نے فرمایا: کہ ان کا قول ''جب نویں تاریخ کی صبح ہو تو روزہ رکھو'' اس بات کی خبر دیتا ہے کہ انہوں نے دسواں دن مراد لیا ہے کیونکہ نویں تاریخ کو روزہ دار ہونے کے بعد وہ روزے کی حالت میں صبح نہیں کر سکتا مگر اس صورت میں جب آنے والی رات میں نیت کرے اور یہ دسویں رات ہے۔

اور جمہور علماء پہلے اور پچھلے اس بات کی طرف گئے ہیں کہ عاشوراء محرم کی دسویں تاریخ ہے اور یہ بات فرمانے والوں میں حضرت سعید بن مسیب' حضرت حسن بصری' امام مالک' امام احمد' اسحاق اور حضرت خلائق رحمہم اللہ ہیں۔

یہ مسلک ظاہر حدیث سے ثابت ہے اور لفظ کا مقتضاء بھی یہی ہے۔ اس کو ''اظماء'' سے ماخوذ کرنا بعید ہے۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے معنیٰ کی وجہ سے اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے روزہ رکھا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: جب آئندہ سال آئے گا تو ہم نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھیں گے۔

راوی فرماتے ہیں: آئندہ سال ابھی نہیں آیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا۔ (سنن ابوداود رقم الحدیث: ۲۴۴۵)

قرطبی فرماتے ہیں: لفظ عاشوراء' عاشر سے مبالغہ اور تعظیم کے لئے بدلا گیا ہے اصل میں ''لیلۃ عاشرہ'' (دسویں

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں وہ لوگ رات سے تاریخ کا اندازہ لگاتے ہیں پس جب دو دن اونٹوں کو چرائیں پھر تیسرا دن آجائے تو وہ کہتے ہیں چوتھے دن میں آگیا اگرچہ تین دن چرا ہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۱۷)

رات) کی صفت ہے کیونکہ یہ عشر سے ماخوذ ہے جو ایک عقد (گنتی) کا نام ہے۔ اور دن اس کی طرف مضاف ہے جب "یوم عاشوراء" کہا جاتا ہے تو گویا "دسویں رات کا دن" کہا گیا (یوم اللیلۃ العاشرۃ) لیکن جب انہوں نے اس کو صفت سے بدل دیا تو اسمیت غالب آ گئی پس موصوف کی ضرورت نہ رہی لہٰذا اسے حذف کر دیا اس بنیاد پر یوم عاشوراء (اصل میں) یوم عاشر (دسواں دن) ہے یہ خلیل وغیرہ (ائمہ لغت) کا قول ہے۔

ابن منیر نے کہا اکثر حضرات کے نزدیک عاشوراء محرم الحرام کا دسواں دن ہے' اشتقاق اور تسمیہ کا مقتضا بھی یہی ہے (یعنی دسواں دن ہے' عشر سے ماخوذ ہے)۔

ابن قیم نے کہا کہ جو شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات کے مجموعہ میں غور وفکر کرے گا اس کے لئے اعتراض کا زوال اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی علمی وسعت واضح ہو جائے گی انہوں نے عاشوراء نویں تاریخ کو نہیں کہا بلکہ سوال کرنے والے سے فرمایا نویں تاریخ کو روزہ رکھو اور پوچھنے والے کی معرفت پر اکتفاء کیا کہ یوم عاشوراء دسواں دن ہے جسے لوگ بھی عاشوراء کہتے ہیں تو آپ نے سوال کرنے والوں کی یوں رہنمائی فرمائی کہ وہ نو محرم کا روزہ بھی رکھے اور بتایا کہ نبی اکرم ﷺ بھی اسی طرح روزہ رکھا کرتے تھے۔

تو اس سے یا تو آپ کا فعل مراد ہے اور وہ زیادہ مناسب ہے یا فعل کو امر اور مستقبل میں اس کے عزم پر محمول کیا جائے گا اور یہی بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یوم عاشوراء کے روزے کا حکم دیا اور وہ دسواں دن ہے۔

تو یہ تمام روایات ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔

دورِ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ بھی دورِ جاہلیت میں یہ روزہ رکھتے تھے جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو عاشوراء کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم (بھی) دیا۔

پس جب رمضان المبارک (کا روزہ) فرض ہوا تو (بطور فرض) عاشوراء کو چھوڑ دیا' پس جو چاہے اس کا روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

اس روایت سے اس وقت کے تعین کا فائدہ حاصل ہوا جس میں عاشوراء کے روزے کا حکم ہوا اور وہ مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کا ابتدائی وقت ہے اور اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ ربیع الاول شریف میں تشریف لائے تو دوسرے سال کے آغاز میں اس کا حکم ہوا اور دوسرے سال میں ہی ماہِ رمضان کے روزے فرض ہو گئے اس بنیاد پر عاشوراء کے روزے کا حکم صرف ایک سال رہا پھر اس روزے کو نفلی عبادت کرنے والے کی رائے پر سپرد کر دیا گیا۔

تو جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ روزہ فرض تھا اگر ان کا قول صحیح ہے تو ان صحیح احادیث کی وجہ سے وہ فرضیت منسوخ ہو گئی۔

قریش عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے تو شاید انہوں نے پہلی شریعتوں سے لیا ہو اسی لئے وہ اس دن کی تعظیم کعبہ شریف کے غلاف پہنانے کے ذریعے کرتے تھے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا قریش نے دور جاہلیت میں کوئی گناہ کیا تو ان کے دل میں یہ بات بہت بڑی محسوس ہوئی پس ان سے کہا گیا کہ عاشوراء کا روزہ رکھو یہ اس کا کفارہ ہو جائے۔ (یہ بات فتح الباری میں فرمائی ہے)۔

فرضیتِ رمضان سے پہلے عاشوراء کے روزے کا حکم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہل جاہلیت عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان عاشوراء یوم من ایام الله فمن شاء صامه.

بے شک عاشوراء اللہ کے دنوں میں سے ایک دن ہے پس جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے البتہ یہ کہ ان کی عادت کے مطابق یہ دن آ جائے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اسلم قبیلے کا ایک آدمی عاشوراء کے دن بھیجا اور اسے حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جس نے روزہ نہیں رکھا وہ روزہ رکھے اور جس نے کھانا کھایا ہے وہ رات تک روزہ پورا کرے۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسلام کے شروع میں رمضان کا روزہ فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کے روزے کے حکم میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس وقت) واجب تھا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگردوں اور مقلدین کا دو طریقہ پر اختلاف ہے ان کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ یہ روزہ جب سے جائز ہوا سنت رہا ہے اور اس امت میں کبھی بھی واجب نہیں رہا لیکن اس کا استحباب تاکیدی تھا۔

جب رمضان شریف کے روزے کا حکم آیا تو مستحب ہو گیا لیکن پہلے والے مستحب سے کم درجہ میں ہو گیا۔ ان حضرات کا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول جیسا ہے کہ یہ واجب تھا۔

واجب روزے کے لئے رات کے وقت نیت کرنا شرط ہے یا نہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے شرط قرار نہیں دیتے اور فرماتے ہیں کہ لوگوں کا عاشوراء کے دن کے شروع میں روزہ نہ تھا پھر ان کو دن کے وقت نیت کے ساتھ روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور روزہ رکھنے کے بعد اس کی قضاء کا حکم نہیں دیا گیا۔ اصحابِ شافعی فرماتے ہیں یہ روزہ دن کے وقت نیت کے ساتھ مستحب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ "امر بصیامه" (نبی اکرم ﷺ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا) سے استدلال کرتے ہیں کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ نیز اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ جب رمضان شریف کا روزہ فرض ہوا تو نبی اکرم

[1] محض اس دن کی تعظیم کے لئے دن کا باقی حصہ میں کھانے پینے سے رکنے کا حکم دیا' روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے لہٰذا یہ اصطلاحی روزہ نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

ﷺ نے فرمایا: اور جو شخص چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔
شافعی حضرات نبی اکرم ﷺ کے اس قول کو دلیل بناتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا: یہ عاشوراء کا دن ہے اس کا روزہ اللہ تعالیٰ نے تم پر لازم نہیں کیا۔
وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ جس نے روزہ نہیں رکھا وہ روزہ رکھے۔ کا معنیٰ یہ ہے کہ جس نے روزے کی نیت کی ہے وہ اپنا روزہ پورا کرے اور جس نے روزے کی نیت نہیں کی اور کھانا بھی نہیں کھایا یا کھایا ہے وہ اس دن کی حرمت کی خاطر باقی دن (کھانے پینے سے) رک جائے۔
حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے کہ فرض روزہ دن کے وقت نیت سے واجب ہو جاتا ہے اس میں رات کے وقت نیت شرط نہیں وہ فرماتے ہیں کیونکہ انہوں نے دن کے وقت نیت کی اور وہ ان کے لئے کافی ہے۔
جمہور (غیر حنفی) نے اس حدیث کا جواب یوں دیا ہے کہ اس سے مراد دن کے باقی حصہ میں رک جانا ہے' حقیقی روزہ مراد نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کھانا کھایا پھر ان کو روزہ پورا کرنے کا حکم دیا گیا۔
حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ فرض اور نفل میں نیت کی کفایت کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی ایسا عمل مثلاً کھانا وغیرہ نہ پایا جائے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
حافظ شیخ الاسلام ابوالفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان تمام احادیث کے مجموعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ روزہ واجب تھا کیونکہ اس کا حکم ثابت ہے پھر اس امر کی تاکید بھی کی گئی اس کے بعد ندائے عام کے ساتھ مزید تاکید کی گئی پھر اس (تاکید) میں اضافہ یوں ہوا کہ جن لوگوں نے کھانا کھایا ان کو رک جانے کا حکم دیا پھر مزید اضافہ اس طرح ہوا کہ ماؤں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس دن بچوں کو دودھ نہ پلائیں (تاکہ کمزور نہ ہو جائیں) اور "صحیح مسلم میں" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ثابت ہے کہ "جب رمضان فرض ہوا تو عاشورہ چھوڑ دیا گیا"۔ اس سے بھی فرضیت ثابت ہوئی کیوں کہ اس کا استحباب ترک نہیں کیا گیا بلکہ وہ باقی ہے تو یہ اس بات کی دلالت ہے کہ وجوب ترک کیا گیا۔
بعض حضرات کا یہ قول کہ جو کچھ ترک ہوا وہ استحباب کی تاکید ہے اور مطلق استحباب باقی ہے' تو اس قول کی کمزوری پوشیدہ نہیں بلکہ استحباب کی تاکید باقی ہے خصوصاً جب کہ اس کا اہتمام مسلسل رہا حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے سال بھی' جب آپ نے فرمایا: "اگر میں زندہ رہا تو آئندہ سال نویں اور دسویں دونوں تاریخوں میں روزہ رکھوں گا" اور آپ نے روزہ رکھنے کی ترغیب دی نیز یہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے تو اس سے زیادہ بلیغ تاکید کیا ہوگی؟

یہودی اور عاشوراء کا روزہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایک اچھا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی چنانچہ آپ نے روزہ رکھا اور فرمایا تمہاری نسبت

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ حق رکھتا ہوں چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔

ایک روایت میں آپ نے ان سے پوچھا یہ دن کون سا ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ بہت بڑا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام (اور آپ کی قوم) کو نجات دی اور اس میں فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر کے طور پر روزہ رکھا تو ہم بھی یہ روزہ رکھتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۸' مسند احمد ج ۱ص ۲۹۱_۳۱۰' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۸۶' الدرالمنثور ج ۱ص ۶۹' نصب الرایۃ ج ۲ ص ۴۵۴' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۱۵)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارے مقابلے میں ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ حق رکھتے اور زیادہ قریب ہیں چنانچہ آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۸۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۶۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۲۷۲)

ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا ہم اس دن کی تعظیم کی خاطر اس کا روزہ رکھیں گے۔

اس حدیث پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کس طرح فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے حالانکہ آپ ربیع الاول شریف میں مدینہ طیبہ تشریف لائے؟

تو اعتراض کا جواب ''زاد المعاد'' کے مصنف (ابن قیم) نے یوں دیا ہے کہ اس حدیث میں یہ بات نہیں کہ جس دن آپ تشریف لائے اس دن آپ نے ان کو روزہ رکھے ہوئے پایا کیونکہ بارہ ربیع الاول سوموار کے دن تشریف لائے بلکہ اس دن آپ کو پہلی بار علم ہوا اور واقعہ آپ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد دوسرے سال ہوا اور جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تھے اس کا علم نہیں ہوا۔

''فتح الباری میں فرمایا'' خلاصہ یہ ہے کہ کلام میں یہ عبارت مقدر محذوف ہے' مطلب یہ ہے کہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یوم عاشوراء تک ٹھہرے پس یہودیوں کو اس دن روزے کی حالت میں پایا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہودی شمسی سال کے اعتبار سے یوم عاشوراء کا حساب لگاتے ہوں اور وہ اس دن آ گیا ہو جس دن نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

یہ تاویل ان باتوں میں سے ہے جن میں مسلمانوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ حق اور قرب کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ وہ لوگ اس دن سے بھٹک گئے اور مسلمانوں کو اس کی رہنمائی حاصل ہوئی لیکن سیاق حدیث اس تاویل کے خلاف ہے اور پہلی تاویل پر اعتماد ثابت ہوتا ہے۔

یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کی خبر کی طرف کیسے رجوع فرمایا حالانکہ وہ مقبول نہیں۔

مازری نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف ان کے اس قول کی صداقت کے بارے میں وحی آئی ہو یا آپ کے پاس یہ تواتر کے ساتھ نقل ہو کر آئی ہو حتیٰ کہ آپ کو اس کا علم حاصل ہو گیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے مازری کا رد کرتے ہوئے فرمایا ''صحیح مسلم میں'' روایت ہے کہ قریش اس دن کا روزہ رکھتے تھے جب نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے روزہ رکھا اور یہودیوں کے قول سے کوئی نیا حکم

نہیں آیا جو بحث کا محتاج ہو یہ تو ایک حال کی صفت اور سوال کا جواب ہے۔اور حدیث میں جو کہا گیا کہ آپ نے روزہ رکھا تو اس میں یہ بات نہیں کہ آپ کے روزے کا آغاز اس وقت ہوا اگر یہ بات ہوتی تو ہم اسے اس بات پر محمول کرتے کہ آپ کو ان کے علماء میں سے مسلمان ہونے والوں نے خبر دی جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم"۔

وہ فرماتے ہیں: بعض حضرات نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں یہ روزہ رکھتے ہوں پھر روزہ رکھنا چھوڑ دیا حتیٰ کہ آپ کو اہل کتاب کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے روزہ رکھا۔فرماتے ہیں: کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ الفاظ حدیث کے زیادہ لائق ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مازری کا قول مختار ہے اور اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں یہ روزہ رکھتے تھے جس طرح قریش یہ روزہ رکھتے تھے پھر آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودیوں کو یہ روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے وحی کے ذریعے یا خبر متواتر یا اجتہاد کے ذریعے یہ روزہ رکھا محض خبر واحد کی وجہ سے نہیں رکھا۔

قرطبی فرماتے ہیں: شاید قریش اس لئے یہ روزہ رکھتے ہوں کہ اسے پہلی شریعتوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی طرف منسوب کرتے ہوں اور نبی اکرم ﷺ کے روزے میں احتمال ہے کہ وہ ان (قریش) کی موافقت میں ہو جیسا کہ حج کے سلسلے میں ہوا۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دن کے روزے کی اجازت دی ہو کہ یہ اچھا کام ہے پس جب آپ نے ہجرت کی اور یہودیوں کو روزہ رکھتے ہوئے پایا اور ان سے سوال کیا اور روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا تو اس بات کا احتمال ہے کہ یہودیوں کی دل جوئی فرمائی ہو جس طرف ان کے قبلہ کی طرح رخ کرنے میں ان کی دل جوئی فرمائی۔

اس کے علاوہ کا بھی احتمال ہے۔

جو بھی صورت ہو آپ نے یہودیوں کی اقتداء میں یہ روزہ نہیں رکھا کیونکہ آپ پہلے بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ ان امور میں جن سے آپ کو منع نہیں کیا گیا' اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے خصوصاً جب کسی کام میں بت پرستوں کی مخالفت ہو جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام کا معاملہ پھیل گیا تو آپ نے اہل کتاب کی مخالفت کو بھی پسند فرمایا جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہودی اور عیسائی اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: جب آئندہ سال آئے گا تو ان شاء اللہ ہم نو تاریخ کا روزہ بھی رکھیں گے پس آئندہ سال آنے سے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔

نویں محرم کا روزہ

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

لئن بقيت الى قابل لاصومن التاسع. اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نو تاریخ کا روزہ بھی رکھوں گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۵۸ التمہید ج ۷ ص ۲۱۴)

یہ حدیث امام شافعی اور ان کے شاگردوں (ومقلدین) حضرت امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کی دلیل ہے جو نو اور دس دونوں دنوں کا روزہ مستحب قرار دیتے ہیں کیونکہ آپ نے دس تاریخ کا روزہ رکھا اور نو تاریخ کے روزہ کی نیت فرمائی۔

امام نووی فرماتے ہیں: بعض علماء نے فرمایا شاید دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کے روزے کا سبب یہ ہو کہ صرف دس محرم کے روزے کے ذریعے یہودیوں سے مشابہت نہ ہو جائے۔ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے اور کہا گیا ہے کہ عاشوراء کے حصول میں احتیاط کے لئے یہ حکم ہے لیکن پہلی بات زیادہ مناسب ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یوم عاشوراء صوموہ وخالفوا فیہ الیہود وصوموا قبلہ یوما وبعدہ یوما.

عاشوراء کے دن کا روزہ رکھو اور اس میں یہودیوں کی مخالفت کرو (یعنی) ایک دن پہلے اور ایک دن بعد (بھی) روزہ رکھو۔

(مسند احمد ج ۱ص ۲۴۱' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۸۷' الدر المنثور ج ۶ص ۳۴۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۲۲۱۔۲۴۲۳۱)

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

پس اس دن کے روزے کے تین مراتب ہیں۔

سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ صرف عاشوراء کا روزہ رکھا جائے' سب سے کامل درجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھا جائے اور اس کے ساتھ ملا ہوا درجہ یہ ہے کہ نویں اور دسویں محرم (دونوں دنوں) کا روزہ رکھا جائے۔ اکثر احادیث سے یہی بات ثابت ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ اس عبادت میں اہل کتاب کی مخالفت مقصود ہے اور مقصد دو میں سے ایک بات سے حاصل ہوتا ہے یا تو دسویں دن کو نویں دن کی طرف منتقل کیا جائے یا دونوں کا روزہ رکھا جائے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے' فرماتے ہیں: یہودی' عاشوراء کے دن کو عید کا دن قرار دیتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اس دن روزہ رکھو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۹۔۱۳۰' مسند احمد ج ۴ص ۵' السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۸۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ص ۵۵' الدر المنثور ج ۶ص ۳۴۵)

اس سے واضح ہوتا ہے تو اس دن روزہ رکھنے کا حکم یہودیوں کی مخالفت کو پسند کرنا ہے حتیٰ کہ اس دن روزہ رکھا جائے جس دن وہ نہیں رکھتے کیونکہ عید کے دن روزہ نہیں رکھا جاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے روزے کا باعث سبب میں ان کی موافقت تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات پر شکر ادا کرنا ہے۔ لیکن اس کے اس دن کی تعظیم کرنے اور اس کو عید منانے کے اعتقاد سے لازم نہیں آتا کہ وہ اس دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے ہو سکتا ہے ان کی شریعت میں تعظیم کی ایک صورت اس دن کا روزہ رکھنا ہو۔

''صحیح مسلم میں'' یہ بات صراحتاً بیان ہوئی ہے (اس کے الفاظ اس طرح ہیں)۔ اہل خیبر عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے' وہ اس دن کو عید قرار دیتے اور اس دن وہ اپنی عورتوں کو زیورات اور عمدہ کپڑے پہناتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کا یوم عاشوراء میں روزہ رکھنا

نبی اکرم ﷺ کے یوم عاشوراء میں روزہ رکھنے کا خلاصہ چار حالتیں ہیں۔

(۱) آپ مکہ مکرمہ میں روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کرام کو روزہ رکھنے کا حکم نہ دیتے جیسا کہ اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بخاری و مسلم اور دیگر محدثین کے حوالے سے گزر چکی ہے کہ قریش جاہلیت کے دور میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ بھی اس دن کا روزہ رکھتے پس جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے اس دن کا روزہ رکھا۔

(۲) نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور اہل کتاب کو اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے اور اس کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ان امور میں جن کا حکم نہ دیا گیا ان لوگوں کی موافقت کو پسند کرتے تھے تو آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس روزے کو حکم اور ترغیب کے ذریعے تاکیدی بنایا۔
حتیٰ کہ لوگ اپنے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے تھے جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث امام بخاری و مسلم اور دوسرے حضرات کے حوالے سے گذر چکی ہے۔

(۳) جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے یہ روزہ چھوڑ دیا اور فرمایا عاشوراء اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ایک دن ہے جس کا دل چاہے وہ اس دن روزہ رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث اس کی شاہد ہے۔

(۴) نبی اکرم ﷺ نے عمر کے آخری حصے میں پکا ارادہ کرلیا تھا کہ آپ صرف اس دن کا روزہ نہیں رکھیں گے بلکہ اس کے ساتھ ایک اور دن بھی ملائیں گے تاکہ اس دن کے روزے کے سلسلے میں اہل کتاب کی مخالفت ہو جائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

عاشوراء کی فضیلت

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ عاشوراء کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے اور نو ذوالحجہ کا روزہ دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۴۹)
اس سے واضح ہوتا ہے کہ نو ذوالحجہ کا روزہ عاشوراء کے روزے سے افضل ہے۔
کہا گیا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ یوم عاشوراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور یوم عرفہ (نو ذوالحجہ) نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہے اسی لئے یہ افضل ہے۔ واللہ اعلم

عاشوراء کے دن کشادگی

ایک روایت میں ہے:

من وسع علی عیاله فی یوم عاشوراء وسع الله علیه السنة کلها.

جو شخص عاشوراء کے دن اپنے گھر والوں پر (رزق میں) فراوانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ سال بھر اس پر (رزق) کشادہ کرتا ہے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے اور امام بیہقی نے ''الشعب میں نیز فضائل الاوقات میں'' روایت کیا اور ابوالشیخ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے دو (امام طبرانی اور امام بیہقی) نے صرف ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت

کیا اور دوسرے (امام بیہقی) نے ''فقط شعب الایمان میں'' حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور فرمایا کہ ان تمام روایات کی اسناد ضعیف ہیں لیکن جب ان کو ایک دوسرے سے ملایا جائے تو قوت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے بلکہ عراقی نے اپنی امالی (حدیث لکھنا املاء کہلاتا ہے) میں فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے صحیح طرق ہیں۔ ابن ناصر حافظ نے ان میں سے بعض کو صحیح قرار دیا۔

ابن جوزی نے موضوعات میں سلیمان بن ابی عبداللہ کے طریق سے روایت کیا اور کہا کہ سلیمان مجہول ہے اور ابن حبان نے سلیمان کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا پس ان کی رائے میں یہ حدیث صحیح ہے۔

ابن عراقی نے کہا کہ اس حدیث کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کئی طرق ہیں اور وہ مسلم کی شرائط پر ہیں۔ ابن عبد البر نے اسے ''الاستذکار میں'' ابوالزبیر کی روایت سے نقل کیا اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور یہ صحیح طریق سند ہے۔

ابن عبدالبر اور دار قطنی نے اسے ''الافراد میں'' جید سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''شعب الایمان میں'' محمد بن منتشر کی جہت سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے۔ آگے اسی طرح حدیث ذکر کی۔

فصل نمبر۳

نبی اکرم ﷺ کا شعبان میں روزہ رکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو رمضان المبارک کے علاوہ کسی مہینے میں مکمل طور پر روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے آپ کو شعبان المعظم سے زیادہ کسی مہینے میں روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ان دونوں (بخاری و مسلم) کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ شعبان المعظم کے علاوہ کسی مہینے میں زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے اس میں مکمل مہینہ (اس کے قریب قریب مراد ہے) روزہ رکھتے تھے۔

''جامع ترمذی کی'' روایت میں ہے کہ آپ اس مہینے میں چند دنوں کے علاوہ (باقی دنوں میں) روزہ رکھتے تھے بلکہ (یوں سمجھیں کہ) مہینہ بھر روزہ رکھتے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنا زیادہ پسند تھا پھر آپ اسے رمضان المبارک سے ملاتے تھے۔

امام نسائی نے روایت کیا کہ آپ شعبان کا مہینہ یا شعبان کے عام (اکثر) دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ ان ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ شعبان کا مکمل مہینہ روزہ رکھتے تھے۔

ان احادیث میں تطبیق

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے کے زیادہ دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔
امام ترمذی نے حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ سے نقل کیا' وہ فرماتے ہیں: کلام عرب میں جائز ہے کہ اگر کوئی شخص مہینے کا اکثر حصہ روزے میں گزارے تو کہا جائے "صام الشهر كله" (اس نے پورا مہینہ روزہ رکھا)۔
اور کہا جاتا ہے "قام فلان ليلة اجمع فلاں شخص نے رات بھر قیام کیا" اور ہوسکتا ہے کہ وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد کسی کام میں مشغول ہوا ہو۔
امام ترمذی فرماتے ہیں: گویا حضرت ابن مبارک نے دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی روایت' دوسری روایت کی تفسیر اور اس کے لئے مخصص (تخصیص کرنے والی) ہے اور کل سے اکثر مراد ہے' یہ مجاز ہے جس کا استعمال بہت کم ہے۔
طیبی نے اس تطبیق کو بعید از عقل قرار دیا اور کہا کہ اسے اس بات پر محمول کیا جائے کہ کبھی آپ شعبان کا پورا مہینہ روزہ رکھتے اور کبھی اس کا زیادہ حصہ روزے میں گزارتے اور یوں بھی جمع کیا جاسکتا ہے کہ آپ کا دوسرا قول' پہلے قول کے بعد کا ہے تو پہلے امر کی خبر یوں دی کہ آپ شعبان کا زیادہ حصہ روزے میں گزارتے اور دوسری روایت میں آخری معاملے کی خبر دی کہ آپ پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے لیکن اس میں جو تکلف ہے وہ پوشیدہ نہیں اور پہلی تاویل صحیح ہے (یعنی زیادہ دن مراد ہیں' پورا مہینہ مراد نہیں ہے)۔

شعبان میں بکثرت روزے رکھنے میں حکمت

نبی اکرم ﷺ کے شعبان المعظم میں زیادہ روزے رکھنے کی حکمت میں اختلاف ہے۔ کہا گیا کہ آپ سفر وغیرہ کی وجہ سے ہر مہینے کے تین روزے (تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ) نہ رکھ سکتے تو وہ جمع ہو جاتے اور آپ شعبان المعظم میں ان کی قضا کرتے تھے۔
ابن بطال نے اس بات کی طرف اشارہ کیا اور اس سلسلے میں ایک حدیث ہے جسے امام طبرانی نے "الاوسط میں" ابویعلیٰ کے طریق سے نقل کیا وہ اپنے بھائی حضرت عیسیٰ سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں (آپ فرماتی ہیں) نبی اکرم ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے بعض اوقات ان کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ سال بھر کے روزے جمع ہو جاتے پس آپ شعبان میں روزہ رکھتے۔
ابن ابی لیلیٰ (راوی) ضعیف ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ حدیث اپنی طرف سے بناتا تھا۔
کہا گیا ہے کہ آپ ماہِ رمضان المبارک کی تعظیم کے لئے ایسا کرتے تھے اور اس سلسلے میں ایک حدیث آئی ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے صدقہ بن موسیٰ کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت ثابت سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا:

اى الصوم افضل بعد رمضان قال شعبان لتعظيم رمضان.

رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: رمضان کی تعظیم کے لئے شعبان (کا روزہ)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۶۳، شرح السنۃ ج ۶ ص ۳۲۹، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۱۷)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ان (محدثین) کے نزدیک صدقہ (راوی) قوی نہیں ہے۔

لیکن جو حدیث امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے وہ اس سے ٹکراتی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

افضل الصیام بعد رمضان صوم المحرم. رمضان المبارک کے بعد محرم کا روزہ افضل ہے۔

اور اس سلسلے میں زیادہ مناسب بات وہ ہے جو ان گذشتہ احادیث سے زیادہ صحیح حدیث میں آئی ہے' اس حدیث کو امام نسائی اور ابوداؤد نے نقل کیا اور ابن حبان نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (کی روایت) سے اسے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ شعبان میں جتنے روزے رکھتے ہیں میں نے آپ کو کسی دوسرے مہینے میں اس قدر روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ نے فرمایا یہ وہ مہینہ ہے جس سے لوگ غافل ہیں یہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے یہ' وہ مہینہ ہے جس میں اعمال تمام جہانوں کے رب کی طرف اٹھائے جاتے ہیں پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اس حالت میں اٹھائے جائیں کہ میں روزے سے ہوں۔

تو نبی اکرم ﷺ نے شعبان المعظم میں روزہ رکھنے اور دوسرے مہینوں میں (اسی کثرت سے) نہ رکھنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان فرمائی ''کہ اس مہینے سے لوگ غافل ہیں یہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے''۔

آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس مہینے کو دو عظیم مہینوں نے اپنے پہلو میں لے رکھا ہے ایک عزت والا مہینہ [1] (رجب) اور دوسرا روزوں کا مہینہ' ان دونوں میں لوگ مشغول ہوتے ہیں تو شعبان سے غفلت ہو جاتی ہے اور بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رجب کے روزے اس مہینے کے روزوں سے افضل ہیں کیونکہ وہ حرمت والا مہینہ ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔

اور جس وقت سے غفلت برتی جا رہی ہو اس کو عبادت کے لئے زندہ رکھنے میں کئی فوائد ہیں۔

(۱) ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے اور نوافل کو پوشیدہ رکھنا افضل ہے خصوصاً روزہ تو بندے اور اس کے رب کے درمیان ایک راز ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ نفس پر بہت بھاری ہوتا ہے کیونکہ وہ ان کاموں سے مانوس ہوتے ہیں جن کا وہ ہم جنس لوگوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور جب لوگوں کی بیداری اور عبادت زیادہ ہو تو عبادتیں آسان ہو جاتی ہیں اور جب غفلتیں اور غافل لوگ زیادہ ہوں تو عام لوگ ان سے مانوس ہوتے ہیں اور بیدار ہونے والوں پر عبادتیں باعث مشقت ہوتی ہیں کیونکہ جن لوگوں کی اقتدا کی جاتی ہے وہ کم ہوتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے شعبان میں روزہ رکھنے کے بارے میں ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس میں موت کے اوقات لکھے جاتے ہیں۔ [2]

---

[1] اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی چار مہینے حرمت (عزت) والے شمار ہوتے تھے اور ان میں لڑائی بھی نہیں ہوتی تھی وہ چار مہینے رجب' ذی قعدہ' ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] جس نے آئندہ سال مرنا ہو اس کا نام زندہ لوگوں کے ناموں سے نکال کر مرنے والوں کی فہرست میں شامل کر کے ملک الموت کو دیا جاتا ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۲۶)

ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ شعبان میں زیادہ روزے رکھتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ شعبان میں زیادہ روزے رکھتے ہیں آپ نے فرمایا: اس مہینے میں موت کے فرشتے کو ان لوگوں کے نام لکھ کر دیئے جاتے ہیں جن کی روح قبض کرنا ہے۔

پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرا نام (فوت ہونے والوں میں) لکھا جائے تو میں روزے سے ہوں۔ یہ حدیث مرسل بھی مروی ہے (تابعی حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں) اور کہا گیا ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔

شعبان کے روزوں کے بارے میں ایک اور بات بھی کہی گئی ہے کہ اس مہینے کے روزے رمضان کے مہینوں کی مشق ہے پس آدمی رمضان کے مہینوں کی مشقت اور تکلیف محسوس نہیں کرتا بلکہ اسے روزے کی عادت ہو چکی ہوتی ہے اور وہ رمضان سے پہلے شعبان کے روزوں کی مٹھاس اور لذت پاتا ہے اور رمضان کے روزے قوت کے ساتھ اور ہشاش بشاش شروع کرتا ہے۔

اس صورت میں اور رمضان المبارک سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت میں کوئی تضاد نہیں اسی طرح شعبان کے دوسرے نصف میں روزہ رکھنے کی ممانعت کے بارے میں جو حدیث آئی ہے اس کے ساتھ بھی کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ دونوں کو جمع کرنا واضح ہے یعنی نہی کو ان لوگوں کے عمل پر محمول کیا جائے گا جو ان دنوں میں روزہ رکھنے کے عادی نہیں ہیں۔

محرم اور رجب میں روزہ رکھنا

امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کا جواب دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ محرم میں زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے حالانکہ آپ نے فرمایا کہ اس مہینے کے روزے افضل ہیں۔

وہ فرماتے ہیں ممکن ہے آپ کو اس بات کا علم عمر کے آخری حصہ میں ہوا ہو اور آپ کو محرم میں زیادہ رکھنے کی قوت حاصل نہ رہی ہو یا ہو سکتا ہے کہ محرم میں سفر وغیرہ زیادہ روزے رکھنے کی راہ میں رکاوٹ بنا ہو۔

جہاں تک خاص رجب کے مہینے کا تعلق ہے تو بعض شافعی حضرات نے فرمایا کہ یہ تمام مہینوں سے افضل ہے لیکن امام نووی وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا پس معلوم نہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کا اس مہینے میں روزہ رکھنا صحیح ثابت ہے (یا نہیں)؟

بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آپ سے مروی ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے کہ آپ نے رجب کے روزے سے منع فرمایا' یہ روایت ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

لیکن "سنن ابی داؤد" میں ہے کہ "نبی اکرم ﷺ نے عزت والے مہینوں میں روزہ رکھنے کی دعوت دی اور رجب کا مہینہ بھی ان مہینوں میں سے ایک ہے۔

مجیبہ باہلیہ (الاصابہ ج۷ص۷۰) اپنے والد یا اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا (یعنی ان کے باپ یا چچا سے فرمایا):

صم من الحرم و اترک. عزت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ بھی دو۔

آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ (سنن ابوداؤد رقم الباب: ۵۴ السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۹۱ الدر المنثور ج ۳ ص ۲۳۵)

''صحیح مسلم کی'' روایت میں حضرت عثمان بن حکیم انصاری سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے رجب کے روزے کے بارے میں پوچھا اور اس وقت رجب کا مہینہ ہی تھا تو انہوں نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ (مسلسل) روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے اب آپ ترک نہیں کریں گے اور آپ روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس استدلال سے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ خاص اس مہینے میں نہ تو ممانعت ہے اور نہ ہی مستحب ہے بلکہ اس کا حکم دوسرے مہینوں کی طرح ہے۔

(ابن رجب حنبلی کی تصنیف) ''اللطائف میں ہے کہ'' کتانی (عبدالعزیز بن احمد تمیمی) رحمہ اللہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں:) ہمیں ''تمام الرازی'' نے خبر دی (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے قاضی یوسف نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے محمد بن اسحاق سراج' نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے یوسف بن موسیٰ نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا (وہ فرماتے ہیں:) حبیب المعلم نے حضرت عطاء سے روایت کرتے ہوئے ہمیں خبر دی کہ حضرت عروہ نے حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے پوچھا کیا نبی اکرم ﷺ رجب میں روزہ رکھتے تھے؟ فرمایا ہاں اور آپ اس کی فضیلت بھی بیان کرتے تھے۔

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ (یہ عبداللہ بن زید بن عمرو الجرمی ہیں' متوفی ۱۰۴ھ) [1] سے مروی ہے کہ جنت میں ایک محل ہے جو رجب میں بہت زیادہ روزہ رکھنے والوں کے لئے ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو ان تک نہ پہنچی ہو۔

فصل نمبر ۴

نبی اکرم ﷺ کے عشرۂ ذوالحجہ کے روزے

اس سے مراد ذوالحجہ کے شروع میں نو روزے رکھنا ہے۔

حضرت ہنیدہ بن خالد اپنی بیوی سے اور وہ' نبی اکرم ﷺ کی ایک زوجۂ مطہرہ سے روایت کرتی ہیں' وہ فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ یصوم تسع ذی الحجة. (سنن ابوداؤد) — نبی اکرم ﷺ نو ذوالحجہ کا روزہ رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں:

[1] (الاعلام ج ۴ ص ۸۸' تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۴' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸۲ رقم الترجمہ: ۱۹۴' طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۳۶ رقم الترجمہ: ۳۰۵۸)

ما رأیت رسول اللہ ﷺ صائما فی العشر قط. (صحیح مسلم، جامع ترمذی) میں نے نبی اکرم ﷺ کو ذوالحجہ کے دس دنوں کا روزہ رکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

اس حدیث سے وہم پڑتا ہے کہ عشرہ (ذوالحجہ) (مراد نو دن ہیں) کا روزہ مکروہ ہے حالانکہ ان میں کوئی کراہت نہیں بلکہ یہ بہت زیادہ مستحب ہیں خصوصاً ان میں سے نو ذوالحجہ کا روزہ اور وہ عرفہ کا دن ہے۔

''صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من ایام العمل فیھا افضل منہ فی ھذہ. ان (دس دنوں) سے بڑھ کر کسی دن میں عمل کی فضیلت نہیں۔

اس سے ذوالحجہ کا پہلا عشرہ مراد ہے اور اس حدیث سے ذوالحجہ کے عشرۂ اول (پہلے نو دن) میں روزے کی فضیلت پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ روزہ بھی عمل میں داخل ہے۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے تو اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ غالب دنوں پر محمول ہے (یعنی نو دنوں کو عشرہ کہا گیا)۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عشرہ میں روزہ نہیں رکھا تو اس کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ آپ نے کسی عذر مثلاً بیماری یا سفر وغیرہ کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا ہوگا یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ان دنوں میں روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آپ نے روزہ رکھا ہی نہیں اور اس پر (روزہ رکھنے پر) حضرت ھنیدہ ابن خالد کی روایت دلالت کرتی ہے جو پہلے ذکر کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاسم بن ابی ایوب کی روایت میں آیا ہے:

ما من عمل ازکی عند اللہ و لا اعظم اجرا من خیر یعملہ فی عشر الاضحی. اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عمل ذوالحجہ کے دس دنوں میں کئے گئے عمل سے زیادہ پاکیزہ اور عظیم نہیں ہے۔

(سنن دارمی ج۲ ص۲۶، الترغیب والترہیب ج۲ ص۱۹۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۱۸۷)

''صحیح ابی عوانہ اور صحیح ابن حبان میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے:

ما ایام افضل عند اللہ من ایام عشر ذی الحجۃ. کوئی دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذوالحجہ کے (پہلے) عشرہ سے زیادہ فضیلت والے نہیں ہیں۔

تو ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کی فضیلت سال کے دوسرے دنوں پر ثابت ہوگئی اور اس کا فائدہ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص افضل دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر ماننے یا کسی عمل کو ان دنوں سے مشروط کردے اور ان میں سے صرف ایک دن کا ذکر کرے تو نو ذوالحجہ کا دن متعین ہو جائے گا کیونکہ صحیح قول کے مطابق یہی دن ان دس مذکورہ دنوں میں سے افضل ہے۔

اور اگر ہفتہ کے سات دنوں میں سے افضل دن کا ارادہ کرے تو جمعہ کا دن متعین ہوگا۔ یہ بات گذشتہ حدیث اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کو جمع کرنے سے حاصل ہوئی۔ (مرفوع حدیث یوں ہے):

خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعۃ. — بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

داؤدی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ نہیں کہ یہ دن جمعہ کے دن سے بہتر ہے کیونکہ ان میں جمعہ کا دن بھی آتا ہے اگر ایسا ہو تو یہ ایک چیز کی اپنی ذات پر فضیلت لازم آئے گی۔

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ اس سے مراد ان دس دنوں میں سے ہر دن سال کے دوسرے دنوں سے افضل ہے چاہے وہ جمعہ کا دن ہو یا نہ' اور ان دنوں میں جو جمعہ ہے وہ دوسرے دنوں میں پائے جانے والے جمعہ سے افضل ہے کیونکہ اس میں دو فضیلتیں جمع ہو گئیں۔

اور ظاہر بات یہ ہے کہ ذوالحجہ کے دس دنوں کے امتیاز کا سبب ان دنوں میں عبادات کے اصول کا یعنی نماز' روزہ' صدقہ اور حج کا جمع ہونا ہے اور یہ بات دوسرے دونوں میں نہیں ہوتی۔ اس بات پر یہ سوال ہوگا کہ کیا یہ فضیلت حاجیوں کے ساتھ خاص ہے یا جو اپنے گھروں میں مقیم ہیں ان کے لئے بھی ہے؟ اس میں احتمال ہے۔[1]

ابوامامہ ابن النقاش نے کہا اگر تم کہو کہ ذوالحجہ کا پہلا عشرہ افضل ہے یا رمضان المبارک کا آخری عشرہ؟ تو جواب یہ ہے کہ ذوالحجہ کا عشرہ افضل ہے کیونکہ اس عشرہ میں وہ دن بھی شامل ہے کیونکہ اس دن شیطان کو جس قدر بھلائی سے دور' غضب ناک اور حقیر دیکھا گیا بدر کے علاوہ کسی اور دن اس طرح نہیں دیکھا گیا۔

نیز اس دن کا روزہ دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۶۲)

نیز یہ عشرہ ان دنوں پر مشتمل ہے جن کی عزت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہے اور وہ قربانی کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حج اکبر کا دن کہا۔

اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی راتیں افضل ہیں کیونکہ ان میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

جو شخص اس جواب میں غور کرے گا وہ اسے کافی شافی پائے گا اس بات کی طرف اشارہ اس ذات نے کیا جو فضیلت والے اور فضیلت دیئے گئے ہیں یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من ایام العمل فیھن احب الی اللہ من عشر ذی الحجہ. — اللہ تعالیٰ کو ذوالحجہ کے عشرۂ (اول) کے عمل کے مقابلے میں کسی دوسرے دن کا عمل زیادہ پسند نہیں۔

تو ''ما من ایام'' کے الفاظ پر غور کرو آپ نے ''ما من عشر'' نہیں فرمایا (یعنی کسی عشرہ کی نفی نہیں' مطلق دنوں کی نفی ہے)۔

اور جس نے اس تفصیل کے بغیر جواب دیا تو وہ صحیح صریح حجت کے ساتھ دلالت نہیں ہے۔

---

[1] ظاہر یہی ہے کہ مطلق عمل کرنے والے مراد ہیں حاجیوں کی تخصیص نہیں کیونکہ احادیث میں عمومیت کے ساتھ ذکر ہے۔ ۱۲ ہزاروی

فصل نمبر ۵

ہفتہ کے دوران نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سوموار اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کی کوشش فرماتے۔(جامع ترمذی)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سے سوموار کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا(وجہ پوچھی گئی) تو آپ نے فرمایا:

فیه ولدت وفیه انزل علی. اس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر (قرآن) نازل کیا گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۸' مسند احمد ج۵ص۲۹۹' السنن الکبریٰ ج۴ص۲۹۳' دلائل النبوۃ ج۲ص۱۳۳' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۴۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تعرض الاعمال علی الله تعالی یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی وانا صائم. سوموار اور جمعرات کے دن اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش کیے جاتے ہیں تو میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش کیے جائیں تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث :۷۴۷' الترغیب والترہیب ج۲ص۱۲۴' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث :۲۰۵۶' اتحاف السادۃ المتقین ج۴ص۲۵۸' مجمع الزوائد ج۸ص۶۶' کنز العمال رقم الحدیث:۲۴۱۹۱)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(فرماتے ہیں:) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ روزہ رکھتے ہیں حتیٰ کہ قریب نہیں ہوتا کہ آپ روزہ رکھنا ترک کریں گے اور روزہ رکھنا ترک کرتے ہیں حتیٰ کہ قریب نہیں ہوتا کہ آپ روزہ رکھیں گے۔ مگر دو دن ایسے ہیں کہ اگر آپ کے روزوں کے درمیان آجائیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ ان دنوں میں روزہ رکھتے ہیں آپ نے فرمایا کونسے دو دن؟ میں نے عرض کیا سوموار اور جمعرات' فرمایا: یہ دو دن ایسے ہیں کہ ان میں اعمال' تمام جہانوں کے پروردگار کے حضور پیش کیے جاتے ہیں پس میں چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش کیے جائیں تو میں روزے کی حالت میں ہوں۔(مسند احمد ج۵ص۲۰۱' کنز العمال رقم الحدیث:۲۴۵۷۵)

حضرت علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد خداوندی: ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید O(ق:۱۸) کے بارے میں روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: جو بھی اچھی یا بری بات کہی جائے وہ لکھی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کا یہ قول بھی لکھا جاتا ہے کہ میں نے کھایا اور میں نے پیا میں گیا اور میں آیا اور میں نے دیکھا حتیٰ کہ جب جمعرات کا دن ہوتا ہے تو اس کا قول اور عمل پیش کیا جاتا ہے پس جو اچھا یا برا عمل کیا اسے برقرار رکھا جاتا ہے اور باقی تمام

اعمال کو پھینک دیا جاتا ہے۔

یہ پیشی جوان دو دنوں میں ہوتی ہے' یہ خاص ہے اور اس عام پیشی کے علاوہ ہے جو ہر دن ہوتی ہے۔ اور اس پر ''صحیح مسلم'' میں مروی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان پانچ کلمات (کے بیان) کے ساتھ کھڑے ہوئے' آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور نہ ہی سونا اس کے لئے مناسب ہے' ترازو کو جھکاتا اور بلند کرتا ہے' رات کے اعمال دن آنے سے پہلے اور دن کے اعمال رات آنے سے پہلے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۴۔۲۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۵۔۱۹۶' مسند احمد ج۴ ص ۳۹۵۔۴۰۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۴۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۱' شرح السنہ ج۱ ص ۱۷۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر مہینے میں تین دن کا روزہ رکھتے تھے سوموار' جمعرات ایک ہفتہ سے اور آنے والے ہفتہ سے سوموار کا روزہ' ایک دوسری روایت میں ہے مہینے کا پہلا سوموار پھر جمعرات اور پھر اس سے ملی ہوئی جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مہینے میں ہفتہ' اتوار اور سوموار کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینے میں منگل' بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا آزاد کردہ غلام حضرت کریب سے مروی ہے' فرماتے ہیں: مجھے حضرت ابن عباس اور نبی اکرم ﷺ کے چند دیگر صحابہ کرام نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ میں ان سے پوچھوں کہ نبی اکرم ﷺ کن دنوں میں اکثر روزہ رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہفتہ اور اتوار کے دن۔ اور آپ فرماتے تھے یہ دونوں مشرکوں کی عید کے دن ہیں اور میں ان کی مخالفت کو پسند کرتا ہوں۔ (مسند احمد' سنن نسائی)

اس حدیث کے ایک راوی محمد بن عمر ہیں جن کا حال معلوم نہیں اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ بن محمد بن عمر روایت کرتے ہیں اور ان کا حال بھی معلوم نہیں۔

حضرت عبداللہ بن بسر اپنی بہن حضرت ہماء سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تصوموا یوم السبت الا فیما افترض علیکم فان لم یجد احدکم الا لحاء عنبة او عود شجرة فلیمضغه.	ہفتے کے دن روزہ نہ رکھو مگر یہ کہ تم پر فرض ہو جائے پس اگر تم میں سے کوئی ایک انگور یا لکڑی کا چھلکا پائے تو اسے ہی چبا لے۔

(یعنی کھانے کو کچھ نہ ملے تو ان کو چبا کر ہی روزے سے بچے)۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۴۲۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۲۶' مسند احمد ج۴ ص ۱۸۹۔ ج۶ ص ۳۶۸' سنن داری ج۲ ص ۱۹' السنن الکبریٰ ج۴ ص ۳۰۲' المستدرک ج۱ ص ۴۳۵' شرح السنہ ج۶ ص ۳۶۱' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۶۳' اتحاف السادۃ المتقین ج۴ ص ۲۵۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۹۳۷)

بعض حضرات نے کہا اس حدیث میں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ صرف اس دن کا روزہ رکھنے (اور اس کے ساتھ دوسرے دن کا روزہ نہ رکھنے) کی ممانعت ہے چنانچہ سنن ابی داؤد میں یہی عنوان مقرر کیا گیا' وہ فرماتے ہیں: ''باب النھی ان یخص یوم السبت بالصوم'' یہ باب تنہا ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنے کی

ممانعت کے بارے میں ہے۔

اور جن احادیث میں روزے کا ذکر ہے وہ اس کے ساتھ اتوار کا روزہ رکھنے کے حوالے سے ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں اس کی مثال صرف جمعہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت ہے ہاں اس کے ساتھ پہلے یا بعد والے دن کا روزہ رکھے (تو کوئی حرج نہیں)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ نے ''المؤطا میں'' جو فرمایا: کہ میں نے اہل علم وفقہ میں سے کسی سے نہیں سنا اور نہ ان کی اقتدا کرنے والوں سے سنا کہ انہوں نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہو اور اس دن کا روزہ اچھا ہے' میں نے بعض اہل علم کو اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا اور دیکھا کہ وہ اس کے لئے کوشش کرتے (سوچ و بچار کرتے)''۔

امام نووی رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا یہی ان کا عقیدہ ہے اور ان کے علاوہ حضرات نے ان کے مؤقف کے خلاف مؤقف اپنایا اور سنت ان کی اور دوسروں کی رائے سے مقدم ہے اور جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے نہی ثابت ہے پس یہ قول کرنا متعین ہو گیا اور امام مالک رحمہ اللہ معذور ہیں کیونکہ ان تک یہ نہی نہیں پہنچی۔

امام مالک کے شاگردوں میں داؤدی فرماتے ہیں یہ حدیث امام مالک تک نہیں پہنچی اگر ان تک پہنچتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔

علماء کرام فرماتے ہیں جمعہ کے دن روزہ نہ رکھنا بہتر ہے تاکہ جمعہ کے دن جو عبادات کی جاتی ہیں اور شریعت میں وارد ہیں ان کی ادائیگی پر مدد حاصل ہو اور ان عبادات کو خوشی خوشی اور کھلے دل سے کر سکے' کسی تھکاوٹ اور دل کی تنگی کے بغیر ان سے لذت حاصل کرے' جس طرح حاجی صاحبان نو ذوالحجہ کو (روزہ نہیں رکھتے اور) عبادات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

سوال: اگر تم کہو کہ یہ بات ہوتی تو اس سے ایک دن پہلے اور بعد میں اسی وجہ سے روزہ رکھنے کی ممانعت اور کراہت ہوتی؟

جواب: جواب یہ ہے کہ (ممانعت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) اسے ایک دن یا بعد کی فضیلت حاصل ہو جائے اور جمعہ کے دن وظائف میں روزہ رکھنے کی وجہ سے کوتاہی ہو تو اس کا نقصان پورا ہو جائے۔ واللہ اعلم

فصل نمبر ۶

نبی اکرم ﷺ کے ایامِ بیض کے روزے

یہ وہ دن ہیں جن میں چاند رات کے شروع سے آخر تک رہتا ہے اور یہ تیرہویں' چودھویں اور پندرہویں تاریخ ہے مہینہ میں مکمل روشن دن ان تینوں کے علاوہ نہیں ہوتا کیونکہ ان کی راتیں بھی روشن ہوتی ہیں اور دن بھی روشن ہوتے ہیں پس جس نے ان کو اس وصف کی بنیاد پر ایامِ بیض کہا اس نے صحیح کہا اور کامل دن' رات کے ساتھ مل کر ہوتا ہے اور اس میں جو لیقی کا رد ہے وہ کہتے ہیں جس نے ان کو ایامِ بیض کہا اس نے بیض (سفیدی) دنوں کی صفت قرار دیا اور خطا کی۔

واللہ اعلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سفر میں ہوتے یا گھر میں' ایامِ بیض

کے روزے نہیں چھوڑتے تھے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ چار کاموں کو نہیں چھوڑتے تھے (۱) عاشوراء کا روزہ (۲) ذوالحجہ کے پہلے عشرہ (نو دنوں) کے روزے (۳) ہر مہینے میں ایامِ بیض کے روزے اور (۴) فجر کی دو رکعتیں (سنتیں)۔

حضرت معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں (رکھتے تھے) میں نے عرض کیا مہینے کے کونسے دنوں میں روزہ رکھتے تھے؟ فرمایا اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ مہینے کے کونسے دنوں میں روزہ رکھیں؟

بعض علماء کرام نے فرمایا: شاید آپ ﷺ ہمیشہ معین دنوں میں روزہ نہ رکھتے ہوں تاکہ ان دنوں کا تعین ضروری نہ سمجھ لیا جائے۔

وہ فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مہینے کے ان تین دنوں کے روزے کو زمانہ بھر کے روزوں کی جگہ قرار دیا کیونکہ ہر نیکی کا بدلہ اس کی مثل دس نیکیوں (کے ثواب) کی صورت میں ملتا ہے۔

اصحاب سنن (سنن نسائی وغیرہ) نے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ہر مہینے کے شروع میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ مہینے میں جو روزے رکھتے تھے اس کی کئی صورتیں تھیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ مہینے کے پہلے سوموار کا روزہ رکھتے پھر جمعرات کے دن اور پھر اس سے اگلی جمعرات کا روزہ رکھتے۔

(۲) نبی کریم ﷺ ایک مہینے میں ہفتہ' اتوار اور سوموار کا روزہ رکھتے اور دوسرے مہینے میں منگل' بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔

(۳) ایامِ بیض یعنی تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھتے تھے۔

(۴) آپ تین دن روزہ رکھتے لیکن وہ دن متعین نہ تھے جس طرح حضرت معاذہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور امام مسلم نے اسے نقل کیا۔

(۵) سرکار دو عالم ﷺ مہینے کے شروع میں تین دن روزہ رکھتے تھے ایک جماعت نے اسے اختیار کیا اور اصحاب سنن نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام نخعی رحمہ اللہ نے مہینے کے آخر میں تین دن روزہ رکھنے کو پسند کیا تاکہ گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

اور دوسرے حضرات نے مہینے کے پہلے' دسویں اور بیسویں دن کو اختیار کیا اور کہا گیا ہے کہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا روزہ اسی طرح تھا۔

مالکی حضرات میں سے ابن شعبان نے کہا کہ مہینے کے پہلے دن گیارہویں اور اکیسویں دن کا روزہ رکھا جائے اور یہ بات حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے نقل کی اور یہ امام نسائی کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ حدیث کے موافق ہے۔ جس میں یوں آیا ہے:

وصم من کل عشرۃ ایام یوما. ہر عشرہ میں سے ایک دن روزہ رکھو۔
اسنوی نے ماوردی سے نقل کیا کہ سیاہ دنوں (جب چاندنی نہیں ہوتی) میں روزہ رکھو اور وہ ستائیس تاریخ اور اس کے بعد کے دو دن ہیں۔
لیکن ایام بیض کو ترجیح ہے کیونکہ وہ مہینے کے درمیان میں ہیں اور کسی چیز کا درمیان اس کے اعتدال پر ہوتا (اور عمدہ ہوتا ہے) اور عام طور پر سورج گرہن ان تاریخوں پر ہوتا ہے اور حدیث میں یہ حکم آیا کہ جب یہ صورت ہو تو زیادہ عبادت کرو پس جب سورج گرہن ان دنوں میں ہو جن میں ایام بیض عادت کے مطابق واقع ہوں تو اس کیلئے مختلف قسم کی عبادات جمع ہوں گی یعنی روزہ' نماز اور صدقہ بخلاف اس کے جب روزہ نہ رکھا ہو تو اس کے لئے روزے والی عبادت نہیں پائی جائے گی۔
بعض حضرات نے مہینے کے شروع میں تین روزوں کو ترجیح دی ہے کیونکہ آدمی کو معلوم نہیں کہ کیا رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ واللہ اعلم

پانچویں نوع

نبی اکرم ﷺ کا اعتکاف' آخری عشرۂ رمضان میں عبادت کے لئے کوشش اور لیلۃ القدر کی تلاش

اعتکاف کی تعریف' حکمت اور حکم

جان لو! لغت میں اعتکاف رک جانے' ٹھہرنے اور لازم کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح ہیں مخصوص آدمی کا مخصوص صفات کے ساتھ ٹھہرنا اعتکاف ہے۔
اس کا مقصود اور اس کی روح دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا اور اس سے جوڑ لینا اور اس کی رضا حاصل کرنے اور جو عمل اس کے قریب کرے اس کی فکر کرنا ہے پس اس کا انس مخلوق کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے تاکہ وحشت کے دن قبر میں جب کہ کوئی ساتھی نہیں ہوگا یہ انس اس کے کام آئے۔
اعتکاف واجب نہیں اس بات پر اجماع ہے البتہ جو شخص نذر مانے (اس پر واجب ہے) اور اسی طرح جو آدمی شروع کر کے جان بوجھ کر چھوڑ دے تو ایک قوم کے نزدیک اس پر واجب ہے۔[1]

کیا اس کے لئے روزہ شرط ہے؟

اعتکاف کے لئے روزے کے شرط ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اعتکاف کے درست ہونے کے لئے روزہ شرط نہیں ہے بلکہ جس نے روزہ نہ

[1] اگر نفل اعتکاف شروع کر کے چھوڑ دے تو وہیں ختم ہو جاتا ہے اس کی قضا واجب نہیں اگر سنت اعتکاف ہو تو جس دن چھوڑا اسی دن کی قضا واجب ہے۔ (بہار شریعت حصہ پنجم ص ۱۰۳)

رکھا ہو اس کا اعتکاف بھی صحیح ہے۔
امام مالک' امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ روزہ شرط ہے پس جس نے روزہ نہ رکھا ہو اس کا اعتکاف درست نہیں۔
امام شافعی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے اس اعتکاف سے استدلال کیا جو آپ نے شوال کے پہلے عشرہ میں کیا۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔
اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے دورِ جاہلیت میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی' آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو۔ (سنن ابوداؤ درقم الحدیث:۳۳۱۲۔ ۳۳۲۵' سنن ترمذی رقم الحدیث :۱۵۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث :۲۱۳۰' مسند احمد ج۱ص ۳۷۔ ج۳ص ۴۱۹۔ ج۶ص ۳۶۶' السنن الکبریٰ ج۴ص ۳۱۸۔ ج۱۰ص ۷۶' المعجم الکبیر ج۱۲ص ۲۳)
اور رات روزے کا محل نہیں پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں۔ [1]

اعتکاف کی جگہ مسجد ہی ہے

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اعتکاف کے لئے مسجد شرط ہے البتہ محمد بن عمر بن لبابہ مالکی متوفی ۳۳۰ھ [2] نے ہر جگہ اجازت دی ہے' احناف نے عورت کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے گھر کی مسجد میں یعنی اس جگہ اعتکاف بیٹھے جو نماز کے لئے تیار کی گئی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول بھی یہی ہے۔
امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اعتکاف ان مساجد کے ساتھ خاص ہے جن میں نمازوں کے لئے جماعت ہوتی ہے۔ لیکن امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک واجب اعتکاف کے لئے یہ بات ضروری ہے اور ان کے نزدیک نفلی اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔
جمہور کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے البتہ جس پر جمعہ لازم ہو تو امام شافعی نے اس کے لئے جامع مسجد میں اعتکاف مستحب قرار دیا اور امام مالک نے شرط قرار دیا کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ کے ساتھ اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے (لہٰذا جب وہ جمعہ کے لئے باہر جائے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور نہیں جائے گا تو یہ کام حرام ہے) نیز امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اعتکاف شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے۔
اسلاف کے ایک گروہ مثلاً امام زہری رحمہ اللہ نے اسے مطلق جامع مسجد کے ساتھ خاص کیا (اس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو یا نہیں)۔ [3] امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے پہلے قول میں اسی طرح اشارہ کیا ہے۔

---

[1] اس کا جواب یہ ہے کہ "صحیح مسلم میں" رات کی بجائے دن کا ذکر ہے اور ابن حبان وغیرہ نے دونوں حدیثوں کو یوں جمع کیا کہ انہوں نے رات اور دن کے اعتکاف کی نذر مانی تھی تو جس نے دن کا ذکر کیا اس کے ساتھ رات بھی مراد لی اور جس نے رات کا ذکر کیا اس نے دن بھی مراد لیا اور "سنن نسائی اور ابوداؤد میں" یہ بھی آیا کہ حضور ﷺ نے ان کو روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔ (زرقانی ج۸ص ۱۳۵)

[2] (الاعلام ج۷ص ۱۳۶' الدیباج المذہب ج۱ص ۲۰۰' رقم الترجمہ:۵۷۷' بغیۃ الملتمس رقم الحدیث:۱۳۴' جذوۃ المقتبس رقم الحدیث:۹۱)

[3] احناف کا موقف بھی یہی ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے وہاں جمعہ کا ہونا ضروری نہیں۔ ۱۲ہزاروی

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اسے تین مساجد (مسجد حرام' مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور حضرت عطاء اسے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی دو مسجدوں کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں اور ابن مسیب صرف مسجد مدینہ طیبہ (مسجد نبوی) کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

اعتکاف کا کم از کم اور زیادہ سے زیادہ وقت

اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی زیادہ مدت کی کوئی حد نہیں البتہ کم از کم وقت میں اختلاف ہے۔

تو جن لوگوں نے اس میں روزے کی شرط رکھی ہے ان کے نزدیک کم از کم ایک دن ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا کہ روزے کی شرط کے باوجود دن سے کم وقت میں بھی صحیح ہے۔ یہ بات ابن قدامہ نے نقل کی ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ دس دن کی شرط ہے اور ان سے ایک یا دو دن کا قول بھی نقل کیا گیا۔

اور جنہوں نے روزے کی شرط نہیں رکھی انہوں نے فرمایا اعتکاف کی کم از کم مدت یہ ہے کہ اس پر ٹھہرنے کا اطلاق ہو سکے اور بیٹھنا شرط نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا اعتکاف اور لیلۃ القدر کی تلاش

ہمارے سردار رسول اکرم ﷺ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے تھے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر سال دس دن اعتکاف بیٹھتے اور وصال والے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کا پہلا عشرہ اعتکاف میں گزارا' پھر ایک ترکی خیمہ میں دوسرا عشرہ اعتکاف بیٹھے پھر سر انور باہر نکال کر فرمایا میں پہلا عشرہ اعتکاف بیٹھا تا کہ اس رات (یعنی لیلۃ القدر) کو تلاش کروں پھر درمیانے عشرہ میں اعتکاف بیٹھا پھر میرے پاس کوئی آیا اور مجھے کہا گیا کہ یہ آخری عشرہ میں ہے۔ میں نے اس رات کو دیکھا پھر مجھے بھلا دی گئی اور میں نے دیکھا کہ میں اس کی صبح پانی اور گارے میں سجدہ کرتا ہوں پس تم اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو اور اس کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

راوی فرماتے ہیں اس رات بارش ہوگئی اور مسجد چھپر کی طرح تھی (چھت مراد ہے) تو اس سے پانی ٹپکنے لگا' میری آنکھوں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کی پیشانی مبارک پر پانی اور گارے کا اثر ہے اور یہ اکیسویں شب کی صبح تھی۔

(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ لیلۃ القدر میں باہر تشریف لائے تو فلاں فلاں نے آپس میں جھگڑا کیا پس اس کو اٹھا لیا گیا (تعین مراد ہے)۔

اور ہو سکتا ہے کہ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہو پس اس کو تلاش کرو جب نو' سات اور پانچ راتیں باقی ہوں (اکیس' تیئس اور پچیس رمضان کی راتیں مراد ہیں)۔ (صحیح بخاری)

صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے لیلۃ القدر دکھائی

گئی پھر بھلادی گئی اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ اس کی صبح میں پانی اور گارے میں سجدہ کررہا ہوں۔
راوی فرماتے ہیں: پس تیئسویں رات کو بارش ہوئی آپ نے ہمیں نماز پڑھائی تو پانی اور گارے کا نشان آپ کی پیشانی اور ناک پر تھا۔ (صحیح مسلم)

''سنن ابی داؤد میں'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):
اطلبوها ليلة سبع عشره. اس رات کو سترہویں رات میں تلاش کرو۔
امام طبرانی نے مرفوعاً حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے نقل کیا: کہ لیلۃ القدر کو سترہویں یا انیسویں یا اکیسویں یا تیئسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں رات میں تلاش کرو۔

لیلۃ القدر کی حد بندی

علماء کرام نے لیلۃ القدر کے بارے میں بہت اختلاف کیا ہے اور ان میں سے بعض نے خالص اس مسئلہ پر کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں علماء کرام کے قول سے چالیس سے زیادہ قول جمع کئے ہیں جس طرح جمعہ کی (مقبولیت والی) ساعت کے بارے میں متعدد اقوال ہیں (بیالیس اقوال ہیں)۔
امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ صرف آخری عشرہ میں ہے جیسا کہ انہوں نے واضح الفاظ میں بتایا اور الاسنوی نے ان سے نقل کیا۔
محاملی سے ''التجرید'' میں منقول ہے کہ اس رات کو پورے مہینے میں تلاش کیا جائے۔ (راجع ج ا ص ۳۵۱)[1]
شیخ ابواسحاق نے ''التنبیہ نے'' ان کا راستہ اختیار کیا اور فرمایا: کہ لیلۃ القدر کو پورے ماہ رمضان میں تلاش کیا جائے پھر امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں ان کی اتباع کی۔
''التقریب کے'' مصنف نے اس رات کے نصف اخیر میں ہونے کے جواز میں تردد کیا اسی طرح ان سے امام نے نقل کیا اور اس (تردد) کو ضعیف قرار دیا ان سے ابن الملقن نے ''شرح العمدہ میں'' نقل کیا۔
قرطبی کی ''المفہم میں'' قول نقل کیا گیا کہ یہ شعبان کی پندرہویں رات ہے پہلے قول (یعنی آخری عشرہ میں ہونے) پر دلیل حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کا میلان اس طرف ہے کہ اکیسویں یا تیئسویں رات ہے' اکیسویں رات اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جیسا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مجھے یہ رات دکھائی گئی اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ اس کی صبح میں پانی اور گارے میں سجدہ کررہا ہوں راوی فرماتے ہیں میری آنکھوں نے نبی اکرم ﷺ کو اس طرح دیکھا کہ آپ کی پیشانی پر پانی اور گارے کا نشان تھا اور یہ اکیسویں تاریخ تھی۔
تیئسویں رات کی دلیل حضرت عبداللہ بن انیس کی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ شافعی مسلک سے تعلق رکھنے والی ایک جماعت نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ یہ اکیسویں رات ہے لیکن امام سبکی نے فرمایا کہ یہ بات ان کے نزدیک قطعی

[1] علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے شیخ نے فرمایا کہ محاملی کی التجرید کے نام سے کوئی کتاب معروف نہیں اور نہ اسنوی نے الطبقات میں ذکر کیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۳۸)

نہیں ہے کیونکہ ان کا اتفاق ہے کہ جو شخص بیس رمضان کو اپنے غلام کی آزادی کو لیلۃ القدر کے ساتھ مشروط کرے تو وہ اس رات آزاد نہیں ہوگا بلکہ صحیح قول کے مطابق مہینہ ختم ہونے پر آزاد ہوگا کیونکہ یہ رات آخری عشرہ میں (کوئی رات) ہے۔

حضرت ابن خزیمہ جو ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے ہیں ان سے منقول ہے کہ یہ رات ہر سال آخری عشرہ کی کسی رات کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو قول ہیں اور ابن خزیمہ کے قول کی توجیہ کی گئی اور امام نووی نے ''فتاویٰ اور شرح المہذب میں'' ابن خزیمہ کی رائے کو اختیار کیا ہے۔

کیا لیلۃ القدر اس امت کے ساتھ خاص ہے؟

مالکیوں میں سے ابن حبیب نے قطعی طور پر ذکر کیا اور جمہور نے اسے نقل کیا اور شافعی حضرات میں سے ''العدۃ'' کے مصنف نے بھی نقل کیا اور اس بات کو ترجیح بھی دی کہ لیلۃ القدر اس امت کے ساتھ خاص ہے اور ان سے پہلے کسی امت میں یہ رات نہیں تھی۔

اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اعتراض ہوتا ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کیا اس میں وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ (لیلۃ القدر) انبیاء کرام کے ساتھ تھی جب ان کا وصال ہوا تو اسے اٹھا لیا گیا؟ فرمایا بلکہ یہ باقی ہے۔

ان حضرات (کے موقف) کی بنیاد حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا موطا میں یہ قول ہے' فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے گذشتہ امتوں کی عمروں کو مقابلے میں اپنی امت کی عمروں کو کم خیال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی۔

اس روایت میں تاویل کا احتمال ہے پس حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی صریح حدیث کو اس کے ذریعے دور نہیں کیا جا سکتا جس طرح حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا ہے۔

لیلۃ القدر کی علامات

لیلۃ القدر کی کئی علامات ظاہر ہوئی ہیں ان میں ایک وہ ہے جو ''صحیح مسلم میں'' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس رات کی صبح سورج یوں طلوع ہوتا ہے کہ اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی۔

ابن خزیمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ لیلۃ القدر نہ گرم ہوتی ہے اور نہ ہی ٹھنڈی اور اس کی صبح میں سورج سرخ کمزور طلوع ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۸' الدر المنثور ج ۶ ص ۳۷۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۰۵۱-۲۴۰۵۲)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ یہ بالکل صاف ہوتی ہے گویا اس میں چاند چمکتا ہے ٹھہرا ہوا اور آسمان بالکل صاف ہوتا ہے اس میں نہ گرمی ہوتی ہے نہ سردی اور اس رات کسی ستارے کا ٹوٹنا بھی نہیں ہوتا۔

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج برابر طلوع ہوتا ہے' اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی جس

طرح چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور اس وقت اس کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''فضائل الاوقات'' میں روایت کیا کہ اس رات نمکین پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا آخری عشرہ میں کوشش کرنا

نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں (عبادت کے لئے) جس قدر کوشش کرتے تھے اتنی دوسرے مہینوں میں نہیں کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا۔

''صحیح بخاری میں'' ان ہی سے مروی ہے کہ:

اذا دخل العشر شد مئزرہ واحیا لیلہ وایقظ اھلہ.

جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ کمربستہ ہو جاتے اور اس کی راتوں کو (عبادت کے ذریعے) زندہ رکھتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔

عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ ''شد مئزرہ'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات سے الگ رہتے یہ بات انہوں نے حضرت ثوری سے نقل کی ہے۔ خطابی کہتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے عبادت میں کوشش کرنا مراد ہو۔ کہا جاتا ہے ''شددت لھذا الامر مئزری یعنی میں فلاں کلام کے لئے مستعد ہوا'' اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مستعد ہونا اور عورتوں سے الگ ہونا دونوں مراد ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے حقیقت اور مجاز دونوں مراد ہوں پس ''شد مئزرہ'' سے اس کی حقیقت مراد ہو گی پس آپ نے کمربند نہ کھولا اور عورتوں سے الگ رہے نیز عبادت کے لئے مستعد بھی ہوئے۔

''واحیا لیلہ'' کا معنیٰ بیدار رہنا اور عبادت کے ساتھ زندہ رکھنا مراد ہے نیز اپنے آپ کو بیداری کے ذریعے زندہ رکھا کیونکہ نیند موت کی ساتھی ہے اور مجازاً رات کی طرف اضافت مجازی طور پر ہے کیونکہ سونے والا جب بیداری کے ذریعے زندہ رہتا ہے تو اس کی رات اس کی زندگی کے ساتھ زندہ ہوتی ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تجعلوا بیوتکم قبورا. اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۲، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۲۶۔ ۲۱۱۹، الدرالمنثور ج ۱ ص ۱۹، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۶۹، کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۱۵۱۱۔ ۴۱۵۱۲)

یعنی سو نہ جاؤ پس مردوں کی طرح ہو جاؤ گے اور یوں تمہارے گھر قبرستان کی طرح ہو جائیں گے۔

نبی اکرم ﷺ آخری عشرہ میں کچھ خصوصی اعمال کرتے تھے جو مہینے کے باقی دنوں میں نہیں کرتے تھے۔

ان اعمال میں سے شب بیداری ہے پس احتمال ہے کہ پوری رات جاگ کر گزارتے ہوں اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث گواہ ہے جو ضعیف طریقہ پر مروی ہے فرماتی ہیں: ''واحیا اللیل کلہ آپ پوری رات عبادت کرتے رہے۔'' ''مسند میں'' انہی سے ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ بیس دن نماز اور نیند کو ملاتے تھے پس جب آخری عشرہ ہوتا تو مستعد ہو جاتے اور کمربستہ ہوتے۔

ابونعیم نے ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: جب رمضان

المبارک کا مہینہ داخل ہوتا تو نبی اکرم ﷺ (رات کو) قیام بھی فرماتے اور آرام بھی' اور جب چوبیس دن ہو جاتے تو نیند (کا مزا) نہ چکھتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رات کے جاگنے سے اکثر حصہ مراد ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں عشاء اور صبح کے وقت جماعت میں حاضر ہوا اس نے اس (رات) سے حصہ لے لیا۔

ایک مرفوع حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

من صلى العشاء الاخرة في جماعة في رمضان فقد ادرک ليلة الاخرة.

جس نے رمضان میں عشاء کی نماز با جماعت ادا کی اس نے لیلۃ القدر کو پالیا۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۱' الدر المنثور ج ۶ ص ۳۷۷' حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۴۵' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۱۰)

اس حدیث کو ابوالشیخ نے روایت کیا۔

ان خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو آخری دس راتوں میں جگاتے تھے' پہلی راتوں میں نہیں۔

آخری عشرہ کے مخصوص اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ رات کے کھانے کو سحری تک مؤخر کر دینا۔ حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ آخری عشرہ کی راتوں میں شام کا کھانا عشاء تک مؤخر کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ ہوتا تو نبی اکرم ﷺ (رات کو) قیام کرتے اور آرام بھی فرماتے اور جب آخری عشرہ آ جاتا تو کمر بستہ ہو جاتے اور عورتوں سے اجتناب کرتے دونوں اذانوں کے درمیان غسل فرماتے اور رات کا کھانا سحری کے وقت کھاتے تھے۔ اس حدیث کو ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

جب رمضان شریف کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ بستر لپیٹ دیتے' عورتوں سے الگ رہتے اور رات کا کھانا سحری کے وقت تناول فرماتے۔

پہلی حدیث کی سند ٹھیک ہے اور دوسری میں حفص بن غیاث ہے اور اس کے بارے میں ابن عدی نے کہا کہ منکر حدیث روایت کرتا ہے۔ اور اس سے میری ملاقات نہیں ہے لیکن اس کے لئے حدیث وصال شاہد ہے جو ''صحیح بخاری وغیرہ میں'' مذکور ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ان مخصوص اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ مغرب وعشاء کے درمیان نبی اکرم ﷺ غسل فرماتے تھے۔ یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

چھٹی نوع

نبی اکرم ﷺ کے حج اور عمرہ کا ذکر

حج کے لئے جلدی کرنا

جان لو کہ حج معبود برحق کی بارگاہ میں حاضر ہونا' جود و سخا کے میدان میں ٹھہرنا' بلند رحمانی مقام کا مشاہدہ کرنا اور عہد ربانی کے مقام تک پہنچنا ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ ان مقاماتِ مقدسہ میں ہونا ہی شرف اور بلندی ہے اور ان جگہوں میں ادھر ادھر پھرنا فخر اور بلندی ہے کیونکہ قابلِ احترام مقامات پر بھرپور فیض کے بھرے ہوئے ڈول ڈالے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں مجنون بن عامر سے منقول اشعار تجھے کفایت کرتے ہیں:

رای المجنون فی البیداء کلبا ... فجر علیہ للاحسان ذیلا

فلاموہ علی ما کان منہ ... وقالوا لم منحت الکلب نیلا

فقال دعوا الملام فان عینی ... رأتہ مرۃ فی حی لیلا

''مجنوں نے بیابان میں ایک کتے کو دیکھا تو اس کے لئے احسان کا دامن بچھا دیا (اور اس کے آگے بچھ گیا)۔

دیکھنے والوں نے مجنوں کے اس فعل پر اس کی ملامت کرتے ہوئے کہا عزت و کرامت کا تاج تو اللہ تعالیٰ نے بحوائے ''ولقد کرمنا بنی ادم'' انسان کے سر پر سجایا ہے اور تم نے اشرف المخلوقات ہو کر ایک نجس جانور کے آگے یوں بچھ کر اہانتِ کرامت انسانیت کی ہے۔

مجنوں نے یہ سن کر جواب دیا کہ ملامت کرنا چھوڑ دو کیونکہ میری آنکھوں نے اس کتے کو ایک مرتبہ کوچہ لیلیٰ میں دیکھا تھا۔ (اس لئے تجھ سے دُور سے سگ اور سگ سے ہے نسبت مجھ کو' والا معاملہ ہے معاف رکھیے گا)''۔

مجنوں نے جنگل میں ایک کتا دیکھا تو احسان کرتے ہوئے اس پر اپنے دامن کو پھیلا دیا لوگوں نے اسے اس عمل پر ملامت کیا اور کہا تم نے کتے کے ساتھ یہ احسان کیوں کیا؟ اس نے کہا مجھے ملامت نہ کرو کیونکہ میں نے اسے ایک مرتبہ لیلیٰ کے محلے میں دیکھا ہے پس بندے کو چاہیے کہ وہ حج کے معاملے میں اہتمام کرے اور اس کے لئے جلدی کرے اور اپنے کمزور ارادے کو برانگیختہ کرے جو اسے اس کی ترغیب دے اور مغفرت کے صابن کے ساتھ عمر بھر کے گناہوں کی میل کو دھونے میں سستی نہ کرے اور اس کی طرف جلدی کرنے میں کاہلی سے کام نہ لے۔

حج کی فرضیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من اراد الحج فلیتعجل. جو شخص حج کا ارادہ کرے اسے جلدی کرنی چاہیے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۳۳، المستدرک ج ۱ص ۴۴۸، مسند احمد ج ۱ص ۲۲۵، السنن الکبریٰ ج ۴ص ۳۴۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۲۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۸۸۷)

- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

من ملک راحلة وزادا یبلغه الی بیت الله الحرام فلم یحج فلا علیه ان یموت یهودیا او نصرانیا. جو شخص سواری اور زادراہ کا مالک ہو جو اسے عزت والے گھر تک پہنچائے اور وہ حج نہ کرے تو کوئی پرواہ نہیں کہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۱۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ص ۲۶۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۲۱، الدر المنثور ج ۲ص ۵۶، تفسیر قرطبی ج ۴ص ۱۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۸۷۷)

نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا:

قد فرض الله علیکم الحج فحجوا. اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے پس حج کرو۔

اس حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔

''سنن نسائی کی روایت میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

ان الله کتب علیکم الحج. بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا۔

حضرت اقرع بن حابس تمیمی نے عرض کیا: **کل عام یا رسول الله.** یارسول اللہ! کیا ہر سال؟ فرمایا: **لو قلت نعم لوجبت.** اگر میں ہاں کر دیتا تو واجب ہو جاتا۔

پس حج کا وجوب (فرضیت) معلوم ہوا اور یہ ضروریاتِ دین سے ہے اور اس پر اجماع ہے کہ اس میں تکرار نہیں ہاں اگر کوئی سبب ہو مثلاً نذر ماننا (تو اس وجہ سے واجب ہوگا)۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ فوری طور پر فرض ہے یا تاخیر کی صورت میں؟ تو امام شافعی رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور ایک گروہ نے کہا کہ یہ تراخی کے ساتھ واجب ہے (یعنی فوری طور پر نہیں) یہاں تک کہ وہ اس حالت کو پہنچ جائے کہ اب اس کے رہ جانے کا خوف ہو اگر وہ مؤخر کرے، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور دوسرے حضرات کے نزدیک فوری طور پر واجب ہے (یعنی شرائط پائی گئیں تو اب تاخیر کرنا جائز نہیں)۔

فرضیت حج کی ابتداء

حج کب فرض ہوا؟ اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے فرض ہوا بعض نے کہا یہ قول شاذ ہے (جمہور کا قول نہیں ہے)۔

بعض نے کہا کہ ہجرت کے بعد فرض ہوا، پھر سال فرضیت میں اختلاف ہے تو جمہور کے نزدیک ۶ ھ میں فرض ہوا کیونکہ اس کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ. (البقرہ: ۱۹۶) اور حج وعمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔

یہ اس بنیاد پر ہے کہ اتمام سے مراد ابتدائے فرض ہو اور اس کی تائید حضرت علقمہ، حضرت مسروق اور حضرت ابراہیم

نخعی کی قرأت سے ہوتی ہے۔

ان کی قرأت میں ''واقیموا'' کالفظ ہے یعنی قائم کرو(ادا کرو) طبری نے صحیح اسناد کے ساتھ ان حضرات سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اتمام (واتموا) سے مراد شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا ہے۔

یہ قول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ فرضیت اس سے پہلے ہوئی۔ حضرت ضمام کے واقعہ میں حج کے حکم کا ذکر ہے [1] اور جیسا کہ واقدی نے ذکر کیا ان کی آمد ۵ ھ میں ہوئی اگر یہ ثابت ہو تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ حج کی فرضیت ۵ ھ سے پہلے ہوئی یا اسی سال واقع ہوئی۔

ایک دوسرے گروہ نے کہا کہ اس کی فرضیت نو اور دس ہجری تک مؤخر ہوئی (کسی نے نو اور کسی نے دس ہجری کا ذکر کیا) کہ سورۂ آل عمران کا ابتدائی حصہ عام الوفود (جس سال مختلف وفد حاضر ہوئے) میں نازل ہوا اور اسی سال نجران کا وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ ادا کرنے پر مصالحت ہوئی۔

اور جزیہ کا حکم تبوک کے سال ۹ ھ میں نازل ہوا اور اسی سال سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں' آپ نے اہل کتاب سے مناظرہ کیا اور ان کو توحید کی دعوت دی اور اس پر دلالت یہ ہے کہ اہل مکہ نے مشرکین کے ساتھ تجارت نہ ہونے کا دکھ محسوس کیا جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ. اے ایمان والو! مشرک ناپاک ہیں۔

(التوبہ:۲۸)

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے بدلے جزیہ عطا کیا اور ان آیات کا نزول اور ان کے نزدیک ندا' ۹ ھ میں ہوئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حج کے موسم میں ان آیات کے ساتھ بھیجا گیا کہ آپ اعلان فرما دیں اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

نبی اکرم ﷺ کے حج وعمرہ کی تعداد

''جامع ترمذی میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین حج فرمائے' دو حج ہجرت سے پہلے اور ایک حج ہجرت کے بعد کیا جس کے ساتھ عمرہ بھی فرمایا اور اپنے تریسٹھ اونٹ بھی لے گئے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے باقی اونٹ لے کر آئے ان میں ایک اونٹ کے ناک میں چاندی کی بالی تھی (یا ناک کا کوئی بھی زیور) تو آپ نے ان سب کی قربانی دی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت سے پہلے تین حج کیے۔ اس حدیث کو حاکم اور ابن ماجہ نے نقل کیا اس کی بنیاد انصار کے وفود کی تعداد ہے جنہوں نے حج کے بعد منیٰ میں عقبہ کے پاس آپ سے

[1] بنو سعد نے حضرت ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے مختلف سوالات کیے جو آپ کی رسالت اور عبادات سے متعلق تھے اور جاتے ہوئے کہا میں ان میں کمی زیادتی نہیں کروں گا وہ واپس ہوئے' اپنی قوم کو ماجرا سنایا اور ان کی تقریر کا اثر یہ ہوا کہ شام سے پہلے ان کے قبیلے کے سب مرد وزن مسلمان ہو گئے۔ (سیرت النبی ج ۲ ص ۱۴۰' ۴۱)

ملاقات کی اس روایت سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ آپ نے اس سے پہلے بھی حج کئے۔

حاکم نے صحیح سند کے ساتھ جسے حضرت ثوری تک پہنچایا (روایت کیا) کہ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت سے پہلے کئی حج کئے۔

ابن جوزی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے کئی حج کئے جن کی تعداد معلوم نہیں۔ ابن اثیر نے کہا نبی اکرم ﷺ ہجرت سے پہلے ہر سال حج کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کا حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے جانا

''صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۱۲۱۸) میں ہے'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ (مدینہ طیبہ میں) نو سال ٹھہرے اور آپ نے حج نہ کیا پھر دسویں سال لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ حج کرنے والے ہیں پس مدینہ طیبہ میں بہت سے لوگ آئے وہ تمام لوگ نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کرنے اور آپ کے عمل جیسا عمل کرنے کی التماس کر رہے تھے ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نکلے حتیٰ کہ ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس کے ہاں حضرت محمد بن ابی بکر (رضی اللہ عنہم) کی ولادت ہوئی انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں کیا طریقہ اختیار کروں؟ آپ نے فرمایا غسل کرو اور کپڑے کی پٹی سے باندھ کر احرام باندھ لو۔ (لسان العرب ج ۲ ص ۱۰) نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی پھر قصواء (اونٹنی) پر سوار ہوئے حتیٰ کہ جب آپ کی اونٹنی بیداء مقام پر سیدھی کھڑی ہو گئی تو آپ نے دیکھا حدِ نگاہ تک آپ کے سامنے سوار اور پیدل لوگ تھے آپ کی دائیں جانب بھی یہی حال تھا۔ بائیں جانب بھی اس کی مثل اور پیچھے بھی اسی طرح کا نقشہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان تھے اور آپ پر قرآن نازل ہو رہا تھا اور آپ اس کی تاویل جانتے تھے آپ نے جو عمل کیا ہم نے وہی کام ہے کیا۔

امام نسائی کے نزدیک ایک روایت میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذی قعدہ کے پانچ دن باقی تھے کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے ہم بھی آپ کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے (آخر تک)۔

نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ سے ظہر اور عصر کے درمیان نکلے پھر ذوالحلیفہ میں اترے اور وہاں عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں اس کے بعد وہاں ہی رات گزاری اور وہاں مغرب' عشاء' صبح اور ظہر کی نماز پڑھی' آپ کی تمام ازواجِ مطہرات آپ کے ساتھ تھیں اس رات آپ ان سب کے پاس تشریف لے گئے پھر احرام کے لئے دوسرا غسل کیا جو پہلے غسل یعنی جماع والے غسل کے علاوہ تھا۔

نبی اکرم ﷺ کا احرام اور احرام کی جگہ

''جامع ترمذی میں'' حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے احرام باندھنے کے لئے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا۔

''صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ذریرہ خوشبو لگائی گویا میں آپ کے سر انور کی چوٹی میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اور آپ محرم تھے۔

ایک روایت میں ہے آپ فرماتی ہیں: کہ میں نے آپ کے احرام کے وقت آپ کو خوشبو لگائی پھر آپ ازواج

مطہرات کے پاس تشریف لے گئے پھر آپ محرم ہوئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ خوشبو پھیل رہی تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے آپ کو ایسی خوشبو لگائی جو تمہاری خوشبو جیسی نہ تھی ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ باقی رہنے والی نہ تھی۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ احرام کا ارادہ کرتے وقت خوشبو لگانا مستحب ہے اور احرام کے بعد اس کے باقی رہنے میں کوئی حرج نہیں اور اس کے رنگ اور خوشبو کے باقی رہنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

احرام کی حالت میں خوشبو لگانا حرام ہے یہ حضرت امام شافعی' امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مذہب ہے' خطابی نے اسے اکثر صحابہ کرام سے نقل کیا اور نووی رحمہ اللہ نے پہلے اور پچھلے جمہور علماء سے اسے نقل کیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مؤقف یہ ہے کہ احرام سے پہلے ایسی خوشبو لگانا جس کی بو باقی رہے' منع ہے لیکن وہ فرماتے ہیں اگر کوئی ایسا کرے تو وہ گناہ گار ہوگا اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب احرام باندھنے کا ارادہ فرماتے تو خطمی (مٹی) اور اشنان (بوٹی) کے ساتھ سر مبارک دھوتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے جب بیداء پہاڑ کے اوپر تشریف لے گئے تو احرام باندھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسجد کے پاس سے احرام باندھا۔

اس سے مسجد ذوالحلیفہ مراد ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے درخت کے پاس سے احرام باندھا جب وہاں آپ کا اونٹ ٹھہرا۔

ایک دوسری روایت میں ہے جب آپ نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا اور سواری آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو مسجد ذوالحلیفہ کے پاس تلبیہ کہا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان کر دیا گیا پس وہ آپ کے پاس جمع ہو گئے جب آپ بیداء پہاڑ کے پاس تشریف لائے تو احرام باندھا۔

حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مجھے نبی اکرم ﷺ کے احرام کے سلسلے میں صحابہ کرام کے اختلاف پر تعجب ہوا جب آپ نے احرام کی پابندیوں کو اپنے اوپر لازم کیا۔ انہوں نے فرمایا میں اس بات کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتا ہوں' یہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ایک حج تھا اس وجہ سے اختلاف ہوا۔

آپ حج کے ارادے سے نکلے جب مسجد ذوالحلیفہ میں اس (حج کے احرام) کی دو رکعتیں پڑھیں تو اس کو اپنی اس مجلس میں لازم کر لیا جب دو رکعتوں سے فارغ ہوئے تو تلبیہ کہا۔

ایک جماعت نے آپ سے سنا تو اسے یاد رکھا پھر آپ سوار ہوئے جب آپ کی اونٹنی نے آپ کو اٹھالیا تو آپ نے تلبیہ کہا کچھ لوگوں نے آپ سے اس کا ادراک کیا کیونکہ لوگ آپ کے ساتھ متفرق طور پر آ رہے تھے جب آپ اونٹنی پر

تشریف فرماتھے اس وقت انہوں نے آپ سے تلبیہ سنا تو انہوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس وقت تلبیہ کہا ہے جب آپ اونٹنی پر تشریف فرما تھے پھر آپ تشریف لے گئے جب بیداء پہاڑی پر تشریف لے گئے تو کچھ لوگوں نے آپ سے تلبیہ پایا تو انہوں نے کہا کہ جب آپ بیداء پر تشریف لے گئے اس وقت تلبیہ کہا اور اللہ کی قسم! آپ نے اپنے مصلّٰی پر نیت کرلی تھی اور جب اونٹنی پر سوار ہوئے تو تلبیہ کہا اور جب بیداء کے اوپر تشریف لے گئے تو تلبیہ کہا۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اختیار کیا اس نے دو رکعتوں سے فارغ ہونے پر اپنے مصلّٰی پر تلبیہ کہا اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب سے صحیح قول یہ ہے کہ اس وقت احرام باندھے جب سواری اسے لے کر کھڑی ہو جائے۔

ابن قیم نے کہا نبی اکرم ﷺ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے نمازِ ظہر کے علاوہ احرام کی دو رکعتیں پڑھی ہوں۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ ''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں پھر جب آپ کی اونٹنی مسجد ذوالحلیفہ کے پاس آپ کے ساتھ کھڑی ہوئی تو آپ نے تلبیہ کہا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے وقت دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے اور احرام سے پہلے پڑھے اور یہ نفل ہوں گے یہ ہمارا مذہب ہے اور تمام علماء کا مذہب ہے مگر قاضی وغیرہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ دو رکعتیں فرض نماز کے بعد مستحب ہیں۔

کیونکہ یہ بات مروی ہے کہ یہ دو رکعتیں صبح کی نماز تھی اور صحیح بات وہ ہے جو جمہور نے کہی ہے اور یہی حدیث کا ظاہر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے حج اور احرام کے بارے میں اقوال

نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا آپ قارن تھے یا مفرد یا متمتع؟ اور یہ تمام صورتیں ''صحیح بخاری' صحیح مسلم اور ان کے علاوہ'' کتب احادیث میں مروی ہیں' اس سلسلے میں علماء کے چھ اقوال ہیں۔

پہلا قول: نبی اکرم ﷺ نے حج افراد کیا اس کے ساتھ عمرہ نہ کیا۔

دوسرا قول: آپ نے حج تمتع کیا عمرہ کا احرام کھول دیا پھر اس کے بعد حج کا احرام باندھا جیسا کہ قاضی ابویعلیٰ وغیرہ نے کہا ہے۔

تیسرا قول: آپ نے حج تمتع کیا لیکن احرام نہیں کھولا کیونکہ آپ قربانی کے جانور اپنے ساتھ لے گئے تھے لیکن آپ قارن نہیں تھے۔

چوتھا قول: آپ نے قران کیا لیکن اس کے لئے دو طواف اور دو بار سعی کی۔

پانچواں قول: آپ نے حج افراد کیا پھر اس کے بعد تنعیم سے (احرام باندھ کر) عمرہ کیا۔

چھٹا قول: آپ نے حج قران کیا یعنی حج اور عمرہ کو ملایا اور جب تک دونوں کی ادائیگی نہیں ہوئی احرام نہیں کھولا' دونوں کے لئے ایک طواف اور ایک سعی فرمائی اور قربانی کا جانور بھی ساتھ لے گئے۔

نبی اکرم ﷺ کے احرام کے بارے میں بھی چھ مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول: آپ نے صرف عمرہ کا تلبیہ کہا اور اس پر قائم رہے۔
دوسرا قول: صرف حج کا تلبیہ کہا پھر اسی پر برقرار رہے۔
تیسرا قول: حج افراد کا تلبیہ کہا پھر اس پر عمرہ کو داخل کیا۔
چوتھا قول: صرف عمرہ کا تلبیہ کہا پھر اس پر حج کو داخل کیا۔
پانچواں قول: مطلق احرام باندھا اس میں عبادت (حج یا عمرہ) کا تعین نہ فرمایا پھر احرام کے بعد تعین فرمایا۔
چھٹا قول: حج اور عمرہ دونوں کے لئے اکٹھا تلبیہ کہا۔

امام ابوجعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں طویل کلام کیا اس مسئلہ میں آپ نے ایک ہزار سے زیادہ اوراق میں بحث کی ہے۔

جیسا کہ ان سے علماء کی ایک جماعت نے نقل کیا اور ابن حزم نے حجۃ الوداع کے بارے میں شافی بیانات ذکر کئے ہیں اور محب طبری نے اس سلسلے میں تمہید بلیغ لکھی ہے اور قاضی عیاض اور امام نووی رحمہما اللہ دونوں نے شرح مسلم میں اس طرف اشارہ کیا ہے' حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کے اکثر مباحث کو کفایت کے ساتھ پورا کرتے ہوئے اس کی تنقیح کی (نکھار دیا)۔

قائلین افراد کے دلائل

امام شافعی رحمہ اللہ ایک جماعت کے ساتھ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حج افراد کیا اس کے ساتھ عمرہ نہیں کیا' انہوں نے صحیحین میں مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا۔

آپ فرماتی ہیں: حجۃ الوداع کے سال' ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نکلے پس ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور ہم میں سے بعض نے صرف حج کا احرام باندھا جب کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

یہ تقسیم اس بات کو واضح کرتی ہے کہ آپ نے صرف حج کا احرام باندھا۔ ''صحیح مسلم میں'' ان ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا۔ (صحیح بخاری)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان صحابہ کرام کو حجۃ الوداع کے موقعہ پر دوسرے حضرات کے مقابلے میں زیادہ قرب حاصل تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کی حدیث باقی تمام صحابہ کرام سے زیادہ اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں' انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ سے تشریف لے جانے سے آخر تک کا پورا واقعہ بیان کیا پس ان کو یہ واقعہ دوسروں کی نسبت زیادہ یاد ہے۔

جہاں تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر انہوں نے

نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور انہوں نے ان لوگوں کا رد کیا جو ان کے قول پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں' انہوں نے فرمایا حضرت انس رضی اللہ عنہ خواتین کے پاس گئے اور ان کے سر ننگے تھے اور میں نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی کے نیچے تھے' اس کا لعاب مجھے پہنچ رہا تھا میں آپ سے سنتا تھا کہ آپ حج کا تلبیہ کہہ رہے تھے۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعلق ہے تو نبی اکرم ﷺ سے ان کا قرب معروف ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے معاملات کے ظاہر و باطن اور خلوت وجلوت پر ان کا مطلع ہونا بھی معروف ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ کو بہت زیادہ سمجھ دانائی بھی حاصل تھی۔

جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے تو ان کا علم' دین کی سمجھ اور فہم کامل معروف ہے پھر یہ کہ آپ' نبی اکرم ﷺ کے احوال کے بارے میں زیادہ بحث کرتے تھے اور یہ احوال آپ کو دوسروں کی نسبت زیادہ محفوظ تھے نیز انہوں نے یہ سب کچھ جلیل القدر صحابہ کرام سے حاصل کیا۔

حج افراد کے قائلین کی دلیل یہ بھی ہے کہ خلفاء راشدین ہمیشہ حج افراد کرتے رہے اور وہ بڑے بڑے ائمہ اور قائدین اسلام اور مسلمانوں کے مقتدا تھے۔ تو ان کے بارے میں کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ افضل عمل کو ترک کیا ہو پھر یہ کہ ان میں سے کسی سے حج افراد کی کراہت منقول نہیں جب کہ ان سے تمتع اور قران کی کراہت منقول ہے حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ عمل محض بیان جواز کے لئے کیا۔

علاوہ ازیں حج افراد میں قربانی واجب نہیں ہوتی جب کہ تمتع اور قران کا معاملہ اس کے برعکس ہے (ان میں قربانی واجب ہوتی ہے)۔

قائلینِ قران کے دلائل

امام نووی رحمہ اللہ کے نزدیک درست بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے' ان کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سال حج کے بعد عمرہ نہیں کیا وہ فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ افراد سے قران افضل ہے نیز وہ شخص جو اس سال عمرہ نہ کرے ہمارے نزدیک اس کے لئے بھی قران افضل ہے اور کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ صرف حج' قران سے افضل ہے۔

قاضی حسین اور متولی نے افراد کو ترجیح دی ہے اگرچہ اس نے اس سال عمرہ نہ کیا ہو۔

حضرت حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو حضرات قران کی روایت کرتے ہیں ان کی روایت کو چند وجوہ سے ترجیح حاصل ہے۔

(۱) ان لوگوں کے پاس افراد اور تمتع کی روایت والوں سے زیادہ علم ہے

(۲) جس نے افراد اور تمتع کی روایت کی ہے اس سے اس سلسلے میں اختلاف کیا گیا ہے جن سے افراد کی روایت ہے ان میں سے سب سے زیادہ مشہور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے ساتھ عمرہ بھی کیا' دوسرے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عمرہ سے آغاز کیا پھر حج کا احرام باندھا پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان سے بھی یہ بات مروی ہے کہ آپ نے حج کے

ساتھ عمرہ بھی کیا۔

(۳) نبی اکرم ﷺ سے قران کی روایت کرنے والی ایک جماعت ہے اور اس سلسلہ میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا گیا۔

(۴) نبی اکرم ﷺ سے کسی روایت میں یہ بات منقول نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہو میں نے افراد کیا اور نہ یہ کہ میں نے تمتع کیا بلکہ آپ سے صحیح ثابت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ''اگر میرے ساتھ ھدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۵۸۔۱۷۸۵۔۲۰۵۵۔۲۵۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۵۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۵' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۴۔۱۵)

(۵) آپ سے جس نے قران کی روایت کی ہے اس کی حدیث تاویل کا احتمال نہیں رکھتی ہاں کوئی بلاوجہ مخالفت کرے (تو الگ بات ہے) بخلاف اس کے جس نے افراد کی روایت نقل کی تو وہ پہلی حالت پر محمول ہے اور اس طرح تعارض ختم ہوتا ہے اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جس نے آپ سے افراد کی روایت نقل کی ہے اس نے قران والی صورت ذکر کی ہے۔

اور جس نے تمتع کی روایت کی ہے تو وہ دو عبادتوں کے لئے ایک سفر پر محمول ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ تمتع کی روایت کرنے والے اس کا وصف بیان کرتے ہوئے قران کی صورت میں بیان کرتے ہیں کیونکہ وہ اس پر متفق ہیں کہ آپ نے اس وقت تک عمرہ کا احرام نہیں کھولا جب تک حج کے تمام اعمال کو مکمل نہیں کیا۔ اور یہ قران کی ہی ایک صورت ہے۔

(۶) قران کی روایت دس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

ابن قیم نے ان راویوں کی تعداد سترہ شمار کی ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عمر بن خطاب' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عثمان بن عفان انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کے لئے اقرار کیا' حضرت عمران بن حصین' حضرت براء بن عازب' ام المؤمنین حضرت حفصہ' حضرت ابوقتادہ' حضرت ابن ابی اوفیٰ' حضرت ابوطلحہ' حضرت ہرماس بن زیاد' حضرت ام سلمہ' حضرت انس بن مالک' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت جابر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم' تو یہ سترہ صحابہ کرام ہیں ان میں سے بعض نے آپ کا عمل روایت کیا اور بعض نے آپ کے احرام کا لفظ روایت کیا کچھ نے آپ کی ذاتی خبر اور کچھ نے آپ کا امر روایت کیا۔

اعتراض: تم کس طرح ان حضرات میں حضرت ابن عمر' حضرت جابر' حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کو شامل کرتے ہو؟ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کا احرام باندھا اور ایک روایت میں ''افرد بالحج'' کے الفاظ ہیں (یعنی حج افراد کیا)

پہلی روایت ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم'' میں ہے جب کہ دوسری روایت ''صحیح مسلم'' میں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''لبی بالحج وحدہ آپ نے صرف حج کا تلبیہ کہا'' یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''اھل بالحج حج کا احرام باندھا''۔

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''افرد بالحج آپ نے حج افراد

کیا'' اس حدیث کوامام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

جواب: کہا گیا ہے کہ یہ احادیث باہم متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہوگئیں اور باقی حضرات کی احادیث میں تعارض نہیں تو یہ بات بعید ہے کہ جواحادیث تم نے ذکر کیں ان میں قران اور افراد پر کوئی دلیل ہے تو باقی حضرات کی احادیث سے عدول کا باعث کیا ہے حالانکہ وہ صریح بھی ہیں اور صحیح بھی ہیں تو کیسے ہوگا جب کہ ان کی احادیث ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۱۱۷)

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس بات کا تقاضا ہے کہ ان احادیث سے شک دور ہوگیا اور اس بات کی طرف رجوع ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ افراد اور تمتع سے قران افضل ہے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی قول ہے' حضرت امام ابوحنیفہ اور اسحاق بن راہویہ نے یہی فرمایا اور شافعی حضرات میں سے مزنی' ابن منکدر اور ابواسحاق مروزی نے اسی بات کو اختیار کیا اور متاخرین میں سے شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے اسی بات کو پسند کیا اور انہوں نے امام نووی رحمہ اللہ سے بحث کی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے قارن ہونے والے قول کو اختیار کیا لیکن اس کے باوجود افراد افضل ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے حج افراد کو اختیار کیا پھر اس پر عمرہ داخل کیا اور یہ اس بات کے جواز کا بیان تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے کیونکہ وہ لوگ اسے بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ بیان جواز تو نبی اکرم ﷺ کے تین عمروں میں ہو چکا تھا کہ آپ نے ان میں سے ہر ایک کا احرام ذی قعدہ میں باندھا اور وہ عمرۂ حدیبیہ ہے جس میں آپ کو بیت اللہ شریف سے روک دیا گیا' عمرۂ قضا ہے اور پھر عمرۂ جعرانہ ہے۔

اگر آپ نے حج کے ساتھ عمرہ کر کے محض بیان جواز کا ارادہ کیا ہوتا حالانکہ افضل اس کا خلاف ہے تو اس بات پر اکتفا کرتے کہ صحابہ کرام کو حج فسخ کر کے عمرہ کرنے کا حکم دیتے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۴۷ رقم الحدیث: ۱۵۶۴)

افضل حج کونسا ہے؟

حضرت امام شافعی' امام مالک اور بہت سے دوسرے حضرات کا مذہب یہ ہے کہ ان میں سے افضل حج افراد ہے پھر تمتع اور پھر قران ہے۔

اگر تم کہو کہ جب راجح قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے تو شافعی اور مالکی حضرات نے قران پر افراد کو ترجیح کیوں دی؟

تو امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح المہذب میں'' اس کا جواب یوں دیا ہے کہ افراد کو ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے اسے اختیار کیا پس صرف حج کا احرام باندھا اور مصلحت کے تحت یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ کا جواز بیان کرنے کے لئے اس پر عمرہ داخل کیا اور اہل عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ میں (مصنف) نے ذکر کیا۔

صحابہ کرام اور تابعین اور بعد والے حضرات کی ایک جماعت کے نزدیک تمتع افضل ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا

مذہب بھی یہی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی تمنا فرمائی' آپ نے فرمایا:

لو لا انی سقت الھدی لاحللت. اگر میں نے ھدی نہ چلائی ہوتی تو میں احرام کھول دیتا۔

(یعنی اگر قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو بھی احرام کھول دیتا اور پھر حج کے لئے احرام باندھتا)۔

اور تمنا صرف افضل کام کی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ آپ کا تمنا کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے تھا کیونکہ وہ آپ کی موافقت کے فوت ہو جانے پر غمگین تھے ورنہ افضل وہ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے اسے جاری رکھا۔

تمتع وغیرہ کے قائلین کا مناقشہ

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عمرہ کا تلبیہ کہا اور اسی پر برقرار رہے ان کی دلیل حضرت ابن شہاب کی روایت ہے وہ حضرت سالم سے اور وہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

تمتع رسول اللہ ﷺ فی حجۃ الوداع بالعمرۃ الی الحج. (صحیح بخاری ومسلم) نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔

حضرت ابن شہاب' حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے ان کو آپ کے تمتع کی خبر دی کہ آپ نے عمرہ کے ساتھ حج کو ملایا تو صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ تمتع کیا جس طرح مجھے حضرت سالم نے حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے خبر دی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ھذہ عمرۃ استمتعنا بھا. یہ عمرہ ہے جس کے ساتھ ہم نے تمتع کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۰' مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۶-۳۴۱' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸' سنن دارمی ج ۲ ص ۵۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۵۵۸' شرح السنہ ج ۷ ص ۷۹' المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۶۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تمتع کے بارے میں فرماتے ہیں:

صنعھا رسول اللہ ﷺ وصنعناھا معہ. (مؤطا امام مالک) نبی اکرم ﷺ نے یہ عمل کیا اور ہم نے آپ کے ساتھ اسی طرح کیا۔

امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک تمتع' قران کو شامل ہے اور اس پر حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے جو صحیحین میں مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما عسفان میں جمع ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمتع سے منع کرتے تھے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جو کام نبی اکرم ﷺ نے کیا آپ اسے منع کرنے کا ارادہ کیوں کرتے ہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ

ہمیں چھوڑ دیجئے۔ انہوں نے فرمایا: میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔

پس جب انہوں نے یہ بات دیکھی تو دونوں (حج اور عمرہ) کا اکٹھا احرام باندھا۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ ان کے نزدیک متمتع تھا اور نبی اکرم ﷺ نے یہی عمل کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس بات میں موافقت کی کہ حضور ﷺ کا عمل یہی تھا لیکن ان دونوں کے درمیان اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ ہمارے حق میں یہ افضل ہے یا نہیں؟

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تمتع کیا اور ان کے نزدیک تمتع سے مراد قران ہے۔

نیز آپ نے تمتع قران کیا اس اعتبار سے کہ آپ نے دو سفروں میں سے ایک کو چھوڑنے کے ذریعے فائدہ حاصل کیا۔

''فتح الباری میں'' حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے ہے کہ جو شخص ہدی چلائے اس کے لئے قران افضل ہے تا کہ نبی اکرم ﷺ کے فعل کے ساتھ اس کی موافقت ہو جائے اور جو شخص ہدی نہ چلائے تو اس کے لئے تمتع افضل ہے تا کہ اس کی موافقت اس عمل سے ہو جائے جس کی نبی اکرم ﷺ نے تمنا کی اور صحابہ کرام کو حکم دیا۔

جن حضرات نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے حج افراد کیا پھر تنعیم یا اس کے علاوہ مقام سے عمرہ کیا تو یہ بات غلط ہے یہ بات صحابہ کرام اور تابعین میں سے کسی نے نہیں کہی نہ ائمہ اربعہ نے کہی اور نہ ہی اصحاب حدیث نے کہی ہے۔ یہ ابن تیمیہ کا قول ہے۔

اور جس نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے حج تمتع کیا ہے کہ آپ نے (عمرہ کے بعد) احرام کھول دیا اور پھر آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھا اور آپ کے ساتھ ہدی بھی تھی تو اس کی دلیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے مروہ میں چوڑے پھل والے تیر کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے سر انور کے بال چھوٹے کئے ان کی حدیث صحیحین میں ہے۔

اور یہ بات ممکن نہیں کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے علاوہ ہوا ہو کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور فتح کے موقعہ پر نبی اکرم ﷺ محرم تھے اور یہ واقعہ عمرۂ جعرانہ میں بھی نہیں ہو سکتا اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ حدیث صحیح کے بعض الفاظ میں ہے ''وذلک فی حجتہ'' (یہ آپ کے حج کے موقعہ پر ہوا) اور نسائی کی روایت میں صحیح سند کے ساتھ یوں ہے ''وذلک فی ایام العشرۃ'' یہ (ذوالحجہ کے پہلے) عشرہ کے دنوں میں ہوا اور یہ آپ کے حج مبارک میں ہوا۔

تو یہ ان باتوں میں سے ہے جن کے بارے میں لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اور اس سلسلے میں غیر صحیح قرار دیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بات درست ہے کہ آپ نے رجب میں عمرہ کیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

اور تمام صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن تک احرام نہیں کھولا۔ آپ نے خود اپنے بارے میں یہی فرمایا کہ اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے ہدی چلائی اور (حج و عمرہ کو) ملایا پس میں قربانی کرنے تک احرام نہیں کھولوں گا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۷ سنن نسائی ج ۵ ص ۱۴۹) اور یہ آپ کی طرف سے خبر ہے جس میں وہم اور غلطی داخل نہیں ہو سکتی بخلاف اس کے جب کوئی دوسرا آپ

کی طرف سے خبر دے (ہدی وہ جانور ہوتا ہے جسے حاجی صاحبان قربانی کے لئے لے جاتے ہیں)۔

اختلافِ روایات کا سبب

نبی اکرم ﷺ سے روایات میں جو اختلاف ہے کہ آیا آپ کا احرام حج کا تھا یا عمرے کا یا دونوں کا (قران کا) تو ہر ایک نے اپنے مذہب کے مناسب تاویل کی ہے۔

امام بغوی فرماتے ہیں: کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اختلاف الاحادیث'' میں مختصر کلام میں ذکر کیا وہ فرماتے ہیں: ''نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام میں مفرد بھی تھے' قارن بھی اور متمتع بھی' پس ہر ایک آپ سے آپ کے حج کا حکم لیتا اور آپ کی تعلیم کے مطابق عمل کرتا تھا اس لئے یہ سب کچھ آپ کی طرف اس اعتبار سے منسوب ہوا کہ آپ نے حکم دیا اور اجازت دی اور لغت عرب میں جائز ہے کہ فعل کی نسبت حکم کرنے والے کی طرف کی جائے جس طرح اس کی اضافت فاعل کی طرف کرنا جائز ہے جیسے کہا جاتا ہے ''بنی فلان دارا فلاں نے گھر بنایا'' اور اس سے مراد بنانے کا حکم دینا ہے۔

اور جس طرح مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ماعز کو رجم کیا حالانکہ آپ نے رجم کا حکم دیا۔

پھر استدلال کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حج افراد کیا۔ خطابی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ شروع میں نبی اکرم ﷺ مفرد تھے پھر اس کے بعد عمرے کا احرام باندھا اور اسے حج پر داخل کیا تو آپ قارن ہو گئے تو جس نے حج افراد کے بارے میں نقل کیا تو وہ اصل پر ہے یعنی اس نے آپ کے پہلے مرحلے میں باندھے گئے احرام پر محمول کیا اور جس نے قران کا ذکر کیا تو اس نے اس بات کا ارادہ کیا جس پر آپ قائم رہے اور جس نے تمتع کی روایت کی اس نے لغوی تمتع اور ارتفاق (ایک سفر کی آسانی) کا ارادہ کیا کیونکہ آپ نے قران کے ذریعے نفع حاصل کیا جیسے تمتع اور اضافہ کے ذریعے فائدہ اور آسانی حاصل کی اور یہ ایک فعل پر اقتصار کرنا ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ تمتع سے مراد وہ ہے جس کا آپ نے دوسروں کو حکم دیا۔

محدثین کرام فرماتے ہیں اس طرح احادیث کو جمع کیا جا سکتا اور یوں اضطراب اور تناقص دور ہو سکتا ہے۔

ایک گروہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے ابتداءً قران کے طور پر یعنی حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا۔ ان حضرات نے صحیح احادیث سے استدلال کیا جو بیس سے زیادہ ہیں ان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے ''جو صحیح مسلم میں ہے'' فرماتے ہیں:

سمعت رسول الله ﷺ اهل بهما لبيك عمرة وحجا.	میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے دونوں کا احرام باندھا اور فرمایا عمرہ اور حج کے ساتھ لبیک۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۵' سنن نسائی رقم الباب: ۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۶۸۔۲۹۶۹' مسند احمد ج ۳ ص ۹۹۔۱۸۷' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۹۔۴۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۰۸)

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سولہ ثقہ راویوں نے روایت کیا وہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت انس رضی

اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے یہی الفاظ نقل کئے ہیں کہ حج وعمرہ دونوں کا احرام وتلبیہ۔

اور جس نے کہا کہ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور اس پر حج کو داخل کیا تو اس کی دلیل ''صحیح بخاری کی'' یہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا اور ہدی چلائی آپ نے ذوالحلیفہ سے اپنے ساتھ ہدی چلائی آپ نے ابتدایوں کی کہ عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا۔

اس سے پہلے بہت سی صریح احادیث میں گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے احرام حج کے ساتھ آغاز کیا پھر اس پر عمرہ کو داخل کیا اور یہ اس کے برعکس ہے (یعنی پہلے عمرہ اور پھر حج کا احرام باندھا)۔

اس حدیث پر اعتراض ان کے اس قول سے ہوتا ہے کہ شروع میں عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اس سے احرام کی صورت مراد ہے یعنی جب عمرہ کو حج پر داخل کیا تو دونوں کا تلبیہ کہا پس فرمایا ''لبیک بعمرۃ وحج'' (میں عمرہ اور حج کے ساتھ حاضر ہوں)۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے عمرہ کے احرام سے آغاز کیا یعنی پہلے صحابہ کرام کو عمرہ کا حکم دیا مطلب یہ کہ عمرہ کو حج سے مقدم کریں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر طواف سے پہلے حج کو عمرہ پر داخل کرے تو صحیح ہے اور وہ قارن ہو جائے گا اور اگر حج کا احرام باندھے پھر اس پر عمرہ کو داخل کرے تو اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ان میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کا عمرہ کا احرام صحیح نہیں کیونکہ حج اس سے زیادہ قوی ہے اس لئے کہ وہ وقوف اور رمی کے ساتھ خاص ہے اور ضعیف قوی پر داخل نہیں ہو سکتا۔

ھدی کو قلادہ ڈالنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی پھر اپنی اونٹنی طلب کی اور اس کی کوہان کی دائیں جانب کو نشان زدہ کیا اور اس سے خون نکالا نیز اسے جوتوں کا ہار ڈالا۔ (صحیح مسلم' سنن ابوداؤد)

''جامع ترمذی کی'' روایت میں ہے کہ ذوالحلیفہ میں جوتوں کا ہار ڈالا اور ہدی (جانور) کو دائیں جانب نشان لگایا اور اس سے خون نکالا۔

''سنن ابی داؤد میں'' اس کا معنیٰ مراد ہے اور فرمایا پھر اپنے ہاتھ سے خون نکالا اور دوسری روایت میں ہے کہ اپنی انگلی سے خون نکالا۔

''سنن نسائی میں ہے کہ'' آپ نے اپنے جانور (اونٹ) کو دائیں جانب سے نشان لگایا اور اس سے خون جاری کیا اور (اس کے گلے میں) جوتوں کا ہار ڈالا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اونٹنی (لانے) کا حکم دیا اور اس کی کوہان کی دائیں جانب نشان لگایا اور اس سے خون جاری کیا نیز اسے جوتوں کا ہار ڈالا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ایک پرانے کجاوے پر حج فرمایا جس کی قیمت چار درہموں کے برابر تھی۔[1] اس حدیث کو امام ترمذی نے شمائل میں روایت کیا اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جبکہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا۔

تادیب وتوجیہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتی ہیں:

ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حج کے لئے نکلے حتیٰ کہ جب ہم مقام عرج میں پہنچے تو نبی اکرم ﷺ بھی اترے اور ہم بھی اترے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں بیٹھ گئیں اور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھی نبی اکرم ﷺ کی سواری اور سامان اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سامان اکٹھا تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام کے پاس تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے آنے کے انتظار میں بیٹھ گئے وہ آیا لیکن اس کے ساتھ اونٹ نہیں تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا تیرا اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا گذشتہ رات وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے ایک اونٹ گم کر دیا اور ساتھ ہی اسے مارنا شروع کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ تبسم فرما رہے اور ارشاد فرمایا اس محرم کو دیکھو کیا کر رہا ہے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا اور مسکراتے رہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۳۳ مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۴ السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۶۸ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۵۷۷ الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۰)

آپ کے ساتھ صحابہ کرام بھی نکلے اور وہ صرف حج کی پہچان رکھتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پس آپ نے ان کے لئے احرام کی وجوہ بیان فرمائیں اور حج کے دنوں میں عمرہ جائز قرار دیا آپ نے فرمایا جو شخص عمرے کا احرام باندھنا چاہے وہ عمرے کا احرام باندھے اور جو آدمی حج کا احرام باندھنا پسند کرے وہ حج کا احرام باندھے۔

''مسند احمد میں ہے'' جو چاہے وہ عمرے کا احرام باندھے۔

صحیح بخاری میں ''من احب'' ہے اور مسند احمد میں ''من شاء'' ہے۔

محرم کے لئے شکار ہدیہ کرنے کا حکم

جب نبی اکرم ﷺ مقام ابواء یا مقام ودان میں پہنچے تو حضرت صعب بن جثامہ (صحابیٔ رسول متوفی ۲۵ھ) (الاعلام ج ۳ ص ۲۰۴ الاصابہ ج ۳ ص ۲۴۳ رقم الترجمہ: ۴۰۶۰) نے آپ کو ایک نیل گائے کا تحفہ دیا آپ نے اسے رد کر دیا پس جب ان کے چہرے پر پریشانی دیکھی تو فرمایا: میں نے صرف اس لئے رد کیا کہ میں محرم تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۰ مسند احمد ج ۴ ص ۷۱ التمہید ج ۹ ص ۵۴ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۵۳ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۲۵)

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ''حمار وحش'' کے الفاظ ہیں (مفہوم وہی ہے) اور ایک روایت میں ''لحم

[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو سادگی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے عیاشی اور فضول خرچی خود بھی اختیار نہ فرمائی اور دوسروں کو بھی اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔ ۱۲ ہزاروی

حمار وحش'' ہے(نیل گائے کا گوشت)۔
ایک اور روایت میں ہے کہ نیل گائے کا پچھلا حصہ جس سے خون بہہ رہا تھا۔ایک روایت میں ہے''نیل گائے کا ایک حصہ''اور ایک روایت میں ہے''شکار کے گوشت سے ایک عضو''۔
امام ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت عطاء کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اے زید بن ارقم! کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے (رد کیا وغیرہ) مکمل طور پر ذکر کیا۔
یہ تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے وہ ہدیہ رد کر دیا البتہ جو کچھ ابن وہب اور امام بیہقی نے اپنے طریق سے حسن سند کے ساتھ عمرو بن امیہ کے طریق سے روایت کیا کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو ایک نیل گائے کا پچھلا حصہ بطور ہدیہ پیش کیا اور آپ جحفہ میں تھے آپ نے اس سے تناول فرمایا اور باقی لوگوں نے بھی کھایا۔
امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ روایت محفوظ ہے تو شاید زندہ جانور کو واپس کر دیا اور گوشت قبول فرمایا۔
''فتح الباری میں فرمایا کہ''روایات کو اس طرح جمع کرنا محل نظر ہے اگر یہ طرق محفوظ ہیں تو زندہ جانور اس لئے رد کیا کہ وہ آپ کے لئے شکار کیا گیا اور گوشت بھی اسی لئے واپس کیا اور کبھی قبول فرمایا جب معلوم ہوا کہ آپ کے لئے شکار نہیں کیا گیا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے''الام میں''فرمایا: اگر حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے زندہ نیل گائے کا تحفہ پیش کیا تو محرم کے لئے جائز نہیں کہ وہ نیل گائے کو ذبح کرے اور اگر گوشت کا ہدیہ پیش کیا تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے لئے شکار کیا گیا ہے پس واپس کر دیا۔
امام ترمذی نے امام شافعی سے نقل کیا کہ آپ نے اس گمان پر واپس کیا کہ آپ کے لئے شکار کیا گیا پس اس سے بچتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ کی حدیث میں جس قبولیت کا ذکر ہے وہ کسی دوسرے وقت کی بات ہو اور یہ مکہ مکرمہ سے رجوع کی حالت تھی۔اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اس کے جحفہ میں وقوع کو قطعی قرار دیا جبکہ دوسری روایات میں ابواء یا ودان کا ذکر ہے۔
امام قرطبی فرماتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے ذبح کی ہوئی نیل گائے پیش کی ہو پھر آپ کے سامنے ایک عضو کاٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا ہو لہٰذا جس نے کہا کہ آپ کی خدمت میں نیل گائے پیش کی اس نے پورا ذبح کیا ہوا جانور مراد لیا' زندہ نہیں اور جس نے کہا کہ اس کا گوشت پیش کیا اس کی مراد وہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔
وہ فرماتے ہیں۔یہ بھی احتمال ہے کہ جس نے''حمار وحشی''(نیل گائے) کہا اس نے مطلق بول کر مجازاً اس کا بعض مراد لیا۔
وہ فرماتے ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ انہوں نے زندہ جانور ہدیہ کیا جب آپ نے اسے رد کر دیا تو ذبح کیا اور اس کا عضو حاضر کیا اور یہ خیال کیا کہ آپ نے اس وجہ سے رد کیا جو اس کے پورے جسم سے خاص ہے تو آپ نے رد کر کے بتایا کہ جزء کا حکم کل کا حکم ہے اور جب(روایات کو) جمع کرنا ممکن ہو تو بعض راویوں کا وہم قرار دینے سے جمع کرنا اولیٰ

ہے۔(فتح الباری ج ۴ص ۳۹ رقم الحدیث:۱۸۲۵)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام شافعی اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ (محرم کے لئے) بیع' ہبہ اور دوسرے کسی بھی طریقے سے شکار کا مالک بننا حرام ہے اور وراثت کے ذریعے مالک بننے میں اختلاف ہے۔

جہاں تک شکار کے گوشت کا تعلق ہے تو اگر اس (محرم) نے شکار کیا یا اس کے لئے شکار کیا گیا تو یہ حرام ہے چاہے اس کی اجازت سے شکار کیا گیا ہو یا اس کی اجازت کے بغیر ہو۔

اور اگر غیر محرم اپنے لئے شکار کرے اور محرم کا ارادہ نہ کرے پھر اس کے گوشت میں سے کچھ محرم کو ہدیہ کے طور پر دے یا اس پر بیچ دے تو یہ اس پر حرام نہیں یہ ہمارا (شافعی حضرات کا) مذہب ہے۔ امام مالک' امام احمد' اور داؤد (ظاہری) کا یہی قول ہے جبکہ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اس کی مدد کے بغیر شکار کیا جائے تو اس پر حرام نہ ہوگا۔

ایک گروہ نے کہا کہ اس (محرم) کے لئے شکار کا گوشت کھانا بالکل حلال نہیں چاہے وہ خود اسے شکار کرے یا کوئی دوسرا اس کے لئے شکار کرے وہ اس کا ارادہ کرے یا نہ کرے' مطلقاً حرام ہے۔ یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ' حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہے' ان کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا. (المائدہ:۹۶) اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا جب تک تم حالتِ احرام میں ہو۔

یہ حضرات فرماتے ہیں ''صید'' سے مراد شکار کیا ہوا جانور ہے نیز انہوں نے حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے (ان کا ہدیہ) رد کیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ محرم ہیں اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ہمارے لئے شکار کیا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے موافق حضرات نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ''جو صحیح مسلم میں'' مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شکار کے بارے میں جسے آپ نے یا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے شکار کیا اور آپ غیر محرم تھے' آپ نے احرام والوں سے فرمایا: یہ حلال ہے اسے کھاؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۶' السنن الکبریٰ ج ۵ص ۱۸۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۴۲۴)

ایک دوسری روایت میں ہے فرمایا کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس اس کی ٹانگ ہے پس نبی اکرم ﷺ نے اسے لے کر تناول فرمایا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۸۴۸' سنن ابوداؤد رقم الباب:۴۷' سنن نسائی رقم الباب:۳۱۔۳۴' مسند احمد ج ۳ص ۳۱۲۔ ج ۵ص ۳۰۱' موطا امام مالک رقم الحدیث:۳۵۱' سنن دارقطنی ج ۴ص ۲۶۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۶۹۷۔۴۱۰۸' السنن الکبریٰ ج ۵ص ۱۸۷' موارد الظمآن رقم الحدیث:۹۸۴' التمہید ج ۴ص ۱۲۶)

انبیاء کرام علیہم السلام کے حج کا ذکر

جب نبی اکرم ﷺ وادئ عسفان سے گزرے تو فرمایا: اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) یہ کونسی وادی ہے؟ عرض کیا

وادئ عسفان ہے فرمایا یہاں سے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام دو سرخ جوان اونٹوں پر گزرے ہیں ان کی لگام کھجور کی چھال سے ہے۔ اور ان کی چادریں اونی ہیں' وہ حج کا تلبیہ کہتے ہیں اور اللہ کے قدیم گھر کا حج کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج۱ص ۲۳۲' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۲۰' البدایۃ والنہایۃ ج۱ص ۱۱۹۔۱۳۸)

''صحیح مسلم کی روایت میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ وادئ ازرق سے گزرے تو فرمایا گویا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں آپ گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور آپ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں اور آپ بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی طرف تلبیہ کہہ رہے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۸۲' مسند احمد ج۱ص ۲۱۵)

وادئ ازرق' امج کے پیچھے ہے' امج' ہمزہ' میم اور جیم کی زبر سے ہے اور یہ ایک بستی ہے جس میں زراعت ہوتی ہے اس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔

''صحیح بخاری میں'' وادی کا تعین نہیں ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں دیکھ رہا ہوں جب وادی سے اترتے ہیں تو تلبیہ کہتے ہیں''۔

مہلب فرماتے ہیں یہ بعض راویوں کا وہم ہے کیونکہ کسی روایت اور خبر میں نہیں آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور عنقریب وہ حج کریں گے بے شک یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مروی ہے پس راوی کو شبہ ہو گیا اور اس شبہ پر دوسری حدیث میں آپ کا قول دلالت کرتا ہے (فرمایا):

لیھلن ابن مریم بفج الروحاء. عنقریب حضرت ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) فج الروحاء سے حج کا احرام باندھیں گے (اور تلبیہ کہیں گے)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶' مسند احمد ج۱ص ۵۱۳۔۵۴۰' الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۲' تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۱۰۱)

اور یہ محض وہم کی بنیاد پر ثقہ راویوں کو غلط قرار دینا ہے حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''صحیح بخاری کے باب اللباس میں'' ایک حدیث ذکر کی جس میں حضرت ابراہیم کے ذکر کا اضافہ ہے تو کہا جائے گا کہ دوسرے راوی نے غلطی سے اضافہ کیا ہے؟ اور ''صحیح مسلم کی'' ایک گذشتہ روایت میں حضرت یونس علیہ السلام کے ذکر کا اضافہ ہے تو کیا کہا جائے گا کہ کسی دوسرے راوی نے غلطی سے حضرت یونس علیہ السلام (کے ذکر) کا اضافہ کیا ہے؟

یہ بھی اعتراض کیا گیا کہ مہلب کا راوی کے بارے میں کہنا کہ اسے وہم ہوا' خود ان کی طرف سے وہم ہے ورنہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان کیا فرق ہے؟ کیونکہ یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب سے اٹھائے گئے ہیں' زمین پر اترے ہوں ثابت تو صرف یہ بات ہے کہ عنقریب اتریں گے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ مہلب کی مراد یہ ہے کہ جب یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عنقریب اتریں گے تو یہ ثابت شدہ بات کی طرح ہو گئی اس لئے آپ نے فرمایا ''کانی انظر الیہ'' گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور یہ مہلب کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال ہے جس میں یوں آیا ہے ''لیھلن ابن مریم بالحج حضرت ابن مریم ضرور بضرور حج کا احرام باندھیں گے''۔

آپ کے ارشادگرامی "کانی انظر الیه" کے معنیٰ میں اختلاف ہے۔ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اس سے پہلے خواب میں دیکھا اور اس وقت خبر دی جب حج کیا جس کا ہم ذکر کریں گے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب وحی ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ اس سے حقیقت مراد ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں پس اس حالت میں ان کے حج کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں جس طرح "صحیح مسلم میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔
امام قرطبی فرماتے ہیں ان لوگوں کے لئے عبادت کو محبوب بنایا گیا ہے پس وہ اپنے ذاتی جذبہ کے تحت عبادت کرتے ہیں یہ بات نہیں کہ ان پر عبادت لازم کی گئی ہے جس طرح اہل جنت کو ذکر کا الہام ہوگا اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ آخرت کا عمل ذکر اور دعا ہے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ. (یونس:۱۰) اس میں ان کی پکار یوں ہو گی اے اللہ! ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

لیکن یہ توجیہ اس وقت مکمل ہوگی جب کہا جائے کہ ان کی ارواح کو پیش نظر رکھا گیا ہے شاید آپ کے لئے دنیا کو بطور مثال پیش کیا گیا جس طرح شب معراج بطور مثال پیش کی گئی جب کہ ان کے جسم قبروں میں ہیں۔
ابن منیر وغیرہ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی روح کے لئے مثال بناتا ہے تو آپ بیداری کی حالت میں اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح خواب میں دیکھتے ہیں۔
کہا گیا ہے کہ ان کے دنیوی زندگی کے احوال کی مثال پیش کی گئی کہ انہوں نے کس طرح حج کیا اور کس طرح تلبیہ کہا اسی لئے آپ نے "کانی" کا لفظ فرمایا (گویا میں دیکھ رہا ہوں)۔
ایک قول یہ ہے کہ گویا آپ کو وحی کے ذریعے یہ بات بتائی گئی اور اس کے نہایت قطعی ہونے کی وجہ سے فرمایا "گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں" اور میں (مصنف) نے معراج کے بیان میں اس سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حیض

جب نبی اکرم ﷺ مقام سرف میں اتر کر صحابہ کرام کی طرف تشریف لائے تو فرمایا: جس کے ساتھ ہدی (قربانی کا جانور) نہ ہو اور وہ اس (حج) کو عمرہ بنانا چاہے تو وہ ایسا کرے اور جس کے ساتھ ہدی ہو وہ ایسا نہیں کرسکتا۔
اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا آپ ان کے پاس تشریف لائے اور وہ رو رہی تھیں تو آپ نے فرمایا: اری! تم کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا میں نے آپ کی وہ بات سنی ہے جو آپ نے صحابہ کرام سے فرمائی ہے اور مجھے عمرہ سے رکاوٹ پیدا ہوگئی فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ عرض کیا میں نماز نہیں پڑھ سکتی آپ نے فرمایا: تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا تم حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے ایک عورت ہو اللہ تعالیٰ نے تم پر وہ کچھ لکھ دیا جو ان پر لکھا ہے پس تم اپنے حج کو جاری رکھو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۰۔۱۲۳)
ایک دوسری روایت میں (صحیح بخاری و مسلم ابوداؤد اور نسائی میں) ہے ام المومنین فرماتی ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے

ساتھ نکلے اور ہم صرف حج کا ذکر کر رہے تھے حتیٰ کہ ہم وادیٔ سرف میں آئے تو مجھے حیض آ گیا' رسول اکرم ﷺ اندر تشریف لائے اور میں رو رہی تھی آپ نے فرمایا: تم کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اس سال نہ نکلتی آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا شاید تمہیں حیض آ گیا ہے؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا یہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے تم وہ عمل کرو جو حاجی کرتے ہیں البتہ پاک ہونے تک بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرو۔

جس طرح یہ اختلاف ہے کہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمتع کر رہی تھیں یا حج افراد؟ اسی طرح یہ بھی اختلاف ہے کہ آپ نے احرام کون سا باندھا تھا؟ تو کہا گیا کہ آپ نے پہلے حج کا احرام باندھا حدیث کا ظاہر یہی بات ہے۔

''صحیح بخاری کی'' مغازی میں حجۃ الوداع کے بیان میں ہشام بن عروہ کے طریق سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین نے فرمایا میں ان لوگوں میں تھی جنہوں نے عمرے کا احرام باندھا۔

امام احمد نے ایک دوسرے طریق سے حضرت زہری سے روایت کیا کہ ام المؤمنین نے فرمایا میں نے قربانی کا جانور ساتھ نہیں لیا تھا' ان سے حضرت اسود کی روایت میں ہے آپ فرماتی ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکلے' ہم صرف تلبیہ کہتے تھے' حج یا عمرہ کا ذکر نہیں کرتے تھے۔

ان روایات کو جمع کرنے کی صورت میں یہ احتمال ہے کہ کہا جائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج افراد کے طور پر احرام باندھا جس طرح دیگر صحابہ کرام نے کیا پھر نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ حج کو عمرہ کی صورت میں بدل دیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ عمل کیا جو صحابہ کرام نے کیا پس آپ تمتع کرنے والی ہو گئیں پھر جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئیں تو آپ حائضہ ہو گئیں اور حیض کی وجہ سے طواف پر قادر نہ ہوئیں تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ حج کا احرام باندھیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر کلام میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ نے جو کچھ روایت کیا اس پر پہلے عمل تھا نہ اب ہے۔

ابن عبدالبر نے کہا ان کا مقصد یہ ہے کہ عمرہ کو چھوڑ کر اسے حج میں بدلنے پر عمل نہیں ہے بخلاف اس کے کہ حج کو عمرہ بنایا جائے اور یہ عمل صحابہ کرام کے لئے واقع ہوا لیکن بعد والوں کے لئے اس کے جواز میں اختلاف ہے۔

لیکن علماء کی ایک جماعت نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے قول ''تم اپنا عمرہ چھوڑ دو'' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۸۳' التمہید ج۸ص ۲۲۲) کا معنیٰ یہ ہے کہ اس احرام سے نکلنے کو ترک کر دو اور اس پر حج کو داخل کر دو پس تم قارن ہو جاؤ گی اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے'' جو صحیح مسلم میں ہے'' کہ آپ نے فرمایا: ''و امسکی عن العمرۃ'' (اور عمرہ سے رک جاؤ) یعنی اس کے اعمال سے رک جاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں حج کو ترجیح دیتی ہوں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے اعتقاد میں الگ عمرہ کرنا افضل تھا جس طرح دوسری امہات المؤمنین کے لئے واقع ہوا۔

لیکن اس تاویل کو بعید قرار دیا گیا کہ حضرت عطاء کی ام المؤمنین سے روایت میں انہوں نے فرمایا میں اس حج کو ترجیح دیتی ہوں جس کے ساتھ عمرہ نہ ہو۔

یہ روایت کوفیوں کے قول کو مضبوط کرتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ چھوڑ دیا اور حج افراد کیا ان حضرات

نے اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا جو آپ نے ام المؤمنین سے فرمایا "دعی عمرتک اپنا عمرہ چھوڑ دو"۔ ایک دوسری روایت میں "اقضی (ارفضی) عمرتک" ہے اپنا عمرہ قضا کر دیا چھوڑ دو۔

اس سے انہوں نے استدلال کیا کہ جب کوئی خاتون بطور تمتع عمرہ کا احرام باندھے پھر طواف سے پہلے اسے حیض آ جائے تو وہ عمرہ ترک کر دے اور حج افراد کا احرام باندھے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔

لیکن حضرت عطاء کی ام المؤمنین سے روایت میں کمزوری ہے اور اس سلسلے میں اشکال کو دور کرنے والی روایت وہ ہے جو امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا احرام باندھا حتیٰ کہ جب آپ مقام سرف میں پہنچیں تو حائضہ ہو گئیں پس نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ حج کا احرام باندھو (نیت کرلو) حتیٰ کہ جب وہ پاک ہو گئیں تو انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور سعی کی۔

آپ نے فرمایا: تم اپنے حج اور عمرہ کے احرام سے نکل گئی ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے دل میں (پریشانی) پاتی ہوں کہ میں نے بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کیا جب میں نے حج کیا۔

راوی کہتے ہیں پس آپ نے ان کو تنعیم سے عمرہ کروایا۔

"صحیح مسلم میں" حضرت طاؤس کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

طوافک یسعک لحجک وعمرتک. تمہارا طواف تمہارے حج اور عمرہ دونوں کے لئے کافی ہے۔

یہ الفاظ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ آپ نے قران کیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "تم اپنے حج اور عمرہ کے احرام سے نکل گئی ہو" اور تنعیم سے عمرہ ان کی دلجوئی کی خاطر کروایا کیونکہ جب وہ عمرہ کرنے کی نیت سے داخل ہوئیں تو طواف نہیں کیا تھا۔

اور "صحیح مسلم کی" روایت میں ہے:

کان رجلا سهلا اذا هويت الشی تابعها عليه. (صحیح مسلم) نبی اکرم ﷺ نرمی کرنے والے تھے جب ام المؤمنین کسی چیز کو پسند کرتیں تو آپ اس میں ان کی موافقت کرتے۔

حج کو عمرہ پر داخل کرنا

پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا:

جس کے ساتھ ہدی ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھے (نیت کرے) پھر احرام نہ کھولے حتیٰ کہ دونوں سے اکٹھا احرام کھولے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

نبی اکرم ﷺ نے ان سے یہ بات حج کا احرام باندھنے اور سفر کے ختم ہونے اور مکہ مکرمہ کے قریب مقام سرف میں پہنچنے کے بعد فرمائی جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آیا ہے یا بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے بعد فرمائی جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں جگہوں میں اس بات

...ار ہوا ہو اور عزیمت آخری بات ہے جب ان کو حکم دیا کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ کریں (اصل پر عمل کرنا عزیمت ہے)۔

ایک روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے ...کا احرام باندھا حتیٰ کہ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی نہیں لایا وہ ...ام کھول دے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی لایا ہے وہ احرام نہ کھولے حتیٰ کہ ہدی کی قربانی دے اور جس نے ...کا احرام باندھا وہ اپنے حج کو پورا کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۱۔۱۱۲)

یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد رحمہما اللہ کے مذہب پر دلالت کرنے میں ظاہر ہے کہ عمرہ کرنے والے ...ے کے پاس جب ہدی (قربانی کا جانور) ہو تو وہ اپنے عمرہ کا احرام نہ کھولے حتیٰ کہ قربانی کے دن ہدی کی قربانی دے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ اور ان کے موافق حضرات کا مذہب یہ ہے کہ جب طواف اور سعی کر لے اور سر ...الے تو وہ اپنے عمرہ کا احرام کھول لے اور اس کے لئے ہر (ممنوع) کام اسی وقت جائز ہو گیا چاہے وہ ہدی چلائے یا نہ۔

ان حضرات کا استدلال اس پر قیاس کرنا ہے جس نے ہدی نہیں چلائی اور وہ اپنی عبادت کے احکام سے باہر نکل آیا ...ں واجب ہے کہ اس کے لئے ہر کام جائز ہو جائے۔ جیسا کہ حج کا محرم احرام کھول دے تو اس کے لئے تمام ...منوعہ) کام جائز ہو جاتے ہیں۔

اس روایت (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث) کا جواب انہوں نے اس طرح دیا ہے کہ یہ اس روایت سے ...ر ہے جسے امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں ہم حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی ﷺ ...ے ہمراہ نکلے تو ہم نے عمرہ کا احرام باندھا پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس کے ساتھ ہدی ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام ...ھے پھر احرام نہ کھولے حتیٰ کہ دونوں سے اکٹھا احرام کھولے۔

تو یہ روایت اس روایت کے محذوف حصے کی تفسیر کرتی ہے جس سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے اور پوشیدہ عبارت اس طرح ہے ''جو شخص عمرہ کا احرام باندھے وہ حج کی نیت بھی کرے اور جب تک ہدی کو ذبح نہ کرے احرام نہ کھولے اور یہ تاویل ضروری ہے کہ واقعہ ایک ہے اور راوی بھی ایک ہے پس دونوں روایتوں کو مذکورہ طریقے پر جمع کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

ذی طویٰ میں رات گزارنا اور مکہ مکرمہ میں دخول

جب ہمارے آقا رسول اللہ ﷺ ذی طویٰ مقام پر پہنچے (طویٰ میں طاء پر پیش اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں لیکن ...اصیلی نے زیر کے ساتھ مقید کیا ہے یہ زاہر کے کنوؤں کے پاس ہے) آپ نے وہاں میرے (ام المؤمنین) کے ساتھ دو راتیں گزاریں صبح ہوئی تو فجر کی نماز پڑھائی پھر غسل فرمایا۔ ''سنن نسائی میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ ذی طویٰ میں اترتے ...ے وہاں رات گزارتے پھر فجر کی نماز پڑھ کر مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لے جاتے۔

اور نبی اکرم ﷺ کی جائے نماز وہاں ایک سخت موٹے ٹیلے پر تھی اس مسجد میں نہیں تھی جو وہاں بنائی گئی ہے بلکہ اس سے نچلی جانب کھردرے سخت ٹیلے پر تھی۔

صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ وہاں اوپر کی جانب سے داخل ہوئے اور ''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عمر رضی

اللہ سہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ثنیہ علیا یعنی مکہ کی اوپر والی جانب سے کداء سے داخل ہوتے تھے۔ کداء میں کاف پر زبر ہے اور یہ مد کے ساتھ ہے ابوعبید فرماتے ہیں یہ منصرف نہیں (یعنی اس پر زیر اور تنوین نہیں آ سکتی)۔ یہ وہ ثنیہ ہے جس سے جنت المعلیٰ کی طرف اترتے ہیں اور اسے حجون کہا جاتا ہے (نقطہ کے بغیر) حاء پر زبر ہے اور جیم پر پیش ہے۔

اور یہ بات احادیث میں نہیں آئی کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں رات کے وقت داخل ہوئے ہوں سوائے عمرہ جعرانہ کے' آپ نے جعرانہ سے احرام باندھا اور رات کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے' عمرہ کے احکام بجالائے اور پھر رات کو واپس ہوئے صبح جعرانہ میں پہنچے گویا آپ نے رات ہی جعرانہ میں گزاری' اس حدیث کو تینوں اصحاب سنن نے محرش کعبی کی روایت سے نقل کیا۔

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: اگر تم چاہو تو رات کے وقت داخل ہو تم رسول اکرم ﷺ کی طرح نہیں ہو آپ تو امام تھے اس لئے آپ نے دن کو داخل ہونا پسند کیا تا کہ لوگ آپ کو دیکھیں۔

پھر آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے جب ذوالحجہ کی چار راتیں گزر چکی تھیں۔

مسجد حرام میں داخل ہونا

نبی اکرم ﷺ مسجد حرام میں چاشت کے وقت باب بنی عبد مناف سے داخل ہوئے اس میں حکمت یہ تھی کہ خانہ کعبہ کا دروازہ اس دروازے کی جانب ہے اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہوا جاتا ہے نیز باب کعبہ کی جہت چاروں جہتوں میں سے سب سے زیادہ شرف والی جہت ہے جس طرح ابن عبدالسلام نے ''القواعد'' میں کہا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۵۹)

نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ جب بیت اللہ شریف کو دیکھتے تو یوں دعا کرتے:

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّ تَعْظِیْمًا وَّمَھَابَۃً وَّبِرًّا۔ یا اللہ! اس گھر کی شرافت' تعظیم' ہیبت اور نیکی کو زیادہ کر دے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۴۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۳۸' المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۰۲' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۷۳' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۳۲' نصب الرایۃ ج ۳ ص ۳۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۸۱۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۹۷۔ ج ۱۰ ص ۳۶۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۱۲)

اس حدیث کو حضرت ثوری رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید شامی سے اور انہوں نے حضرت مکحول سے روایت کیا۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ (ان صحابہ کرام میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی' متوفی ۴۲ھ) سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت اللہ شریف کی طرف دیکھتے تو یوں دعا کرتے: (الاصابہ ج ۱ ص ۳۳۲ رقم الترجمہ: ۱۶۴۹)

اَللّٰھُمَّ زِدْ بَیْتَکَ ھٰذَا تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّبِرًّا وَّ مَھَابَۃً وَّزِدْ مِنْ شَرَفِہٖ وَعِظَمِہٖ مِمَّنْ حَجَّہٗ وَاعْتَمَرَہٗ تَعْظِیْمًا وَّ تَشْرِیْفًا وَّبِرًّا وَّ مَھَابَۃً۔

یا اللہ! اس گھر کے شرف' تعظیم' تکریم' بھلائی اور ہیبت میں اضافہ فرما اور اس کا حج اور عمرہ کرنے والوں میں سے جو شخص اس کا اکرام و تعظیم کرے اس کی عظمت' شرافت

نیکی اور ہیبت میں اضافہ فرما۔

نبی اکرم ﷺ نے تحیۃ المسجد کے نوافل نہیں پڑھے بلکہ طواف سے آغاز کیا کیونکہ بیت اللہ شریف میں داخل ہونے ...ل بھی ہے جس طرح ہمارے بہت سے اصحاب (شافعی مسلک والوں) نے ذکر کیا اس میں تحیۃ المسجد (کے نوافل)

...

پھر آپ نے حجر اسود کا استلام کیا اور ''صحیح بخاری میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے (حجر اسود کی جگہ) رکن کا لفظ (حدیث میں ''ثم استلم الحجر الاسود اور استلم الرکن'' کے الفاظ آتے ہیں)۔

استلام 'سلام سے باب افتعال ہے تحیت (سلام کرنا) مراد ہے یہ بات الازہری نے کہی ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ ...لام سین کے نیچے زیر سے ہے یعنی پتھر معنیٰ یہ ہے کہ آپ عصا مبارک سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے حتیٰ کہ اس تک ...پاتے۔ اور اس (عصا) کا سرا مڑا ہوا تھا۔

بیت اللہ شریف کے چار ارکان (کونے ہیں) پہلے رکن کی دو فضیلتیں ہیں' حجر اسود کا اس میں ہونا اور حضرت ابراہیم ...یہ السلام کی بنیادوں پر ہونا دوسرے رکن کے لئے صرف دوسری فضیلت ہے اور تیسرے اور چوتھے کے لئے ان میں سے ...ئی بھی نہیں اسی لئے پہلے کو بوسہ دیا جاتا ہے اور دوسرے کا فقط استلام ہوتا ہے (اشارہ کیا جاتا ہے) اور تیسرے' چوتھے کا ...بوسہ ہوتا ہے نہ استلام۔ (دوسرا کونہ رکن یمانی کہلاتی ہے)۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ حجر اسود کی ...رف متوجہ ہوئے اس کا استلام کیا پھر اپنے ہونٹ مبارک دیر تک اس پر رکھے رہے اور آپ جب بھی رکن کا استلام کرتے ...تھے تو ''بسم اللہ اکبر'' پڑھتے اور جب حجر اسود کے پاس آتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے تھے۔ (طبرانی)

...یت اللہ شریف کا طواف

کیا نبی اکرم ﷺ نے اپنے اونٹ پر طواف کیا یا پیدل؟ تو ''صحیح مسلم میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اونٹ پر طواف کیا۔

اور اسی میں حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ اپنے اونٹ پر طواف کر رہے تھے۔

اس کی وجہ کیا تھی؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کو تکلیف تھی پس آپ نے اپنی سواری پر طواف کیا۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سوار ہو کر طواف کیا تا کہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ سے سوال کریں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا سبب یہ دونوں وجہیں ہوں۔

ابن بطال فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کو ضرورت کے تحت مسجد میں داخل کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا پیشاب مسجد کو ناپاک نہیں کرتا بخلاف دوسرے جانوروں کے (کہ ان کا داخل

کرنا جائز نہیں)۔

ابن بطال کا تعاقب کیا گیا کہ حاجت کے وقت بھی داخل کرنا جائز نہ ہو اس پر حدیث پر کوئی دلالت نہیں کیونکہ اس کا دارومدار آلودہ ہونے اور نہ ہونے پر ہے پس جہاں آلودگی کا خوف ہو وہاں داخلہ منع ہوگا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی تربیت یافتہ اور سکھائی ہوئی تھی پس جس آلودگی کا ڈر ہوسکتا تھا اس سے بے خوفی تھی۔

بعض حضرات نے کہا کہ طواف افاضہ میں ایسا کیا' طواف قدوم میں نہیں کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ سے نقل کیا کہ آپ نے پہلے تین چکروں میں رمل کیا اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب پیدل ہوں اور کسی نے بھی نہیں کہا کہ آپ کی سواری نے رمل کیا بلکہ یوں کہا کہ آپ نے خود رمل کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ نے جس سعی کے شروع میں طواف کیا وہ پیدل چل کر کی۔ واللہ اعلم

اور جب آپ نے حجر اسود کا استلام فرمایا تو دائیں طرف کو چلے پس تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں عام طریقے پر چلے (کندھوں کو ہلاتے ہوئے پہلوانوں کی طرح چلنا رمل ہے)۔

رمل کی ابتداء عمرہ قضا میں ہوئی جب نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور ان کو یثرب (مدینہ طیبہ) کے بخار نے کمزور کر دیا تھا تو مشرکین نے کہا کل صبح تمہارے پاس وہ قوم آئے گی جن کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے اور وہ اس کی وجہ سے سختی میں مبتلا ہوئے وہ لوگ حجر اسود کے پاس بیٹھ گئے' نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ تین چکروں میں رمل کریں اور دو رکنوں کے درمیان عام انداز میں چلیں تاکہ مشرکین کو ان کے سخت جان ہونے کا علم ہو پس مشرکین نے کہا کہ یہ لوگ جن کے بارے میں تمہیں گمان تھا کہ بخار نے ان کو کمزور کر دیا ہے یہ تو فلاں فلاں سے زیادہ سخت ہیں یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

جب حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے رمل کیا تو یہ مستقل سنت بن گئی۔

طبری نے کہا یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمل کیا اور ان دنوں مکہ مکرمہ میں کوئی مشرک نہ تھا یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر (کوئی مشرک نہ تھا) پس معلوم ہوا کہ یہ مناسکِ حج میں سے ہے مگر اس کو چھوڑنے والا کسی عمل کو نہیں چھوڑتا بلکہ ایک مخصوص طریقے کو چھوڑتا ہے پس یہ تلبیہ کے ساتھ آواز کو بلند کرنے کی طرح ہے پس جو شخص آہستہ آواز سے تلبیہ کہتا ہے وہ تلبیہ کو نہیں اس کی صفت کو ترک کرتا ہے لہٰذا اس پر کچھ بھی لازم نہیں آتا۔

اگر تین چکروں میں رمل کو چھوڑ دے تو دوسرے چار چکروں میں اسے قضا نہ کرے کیونکہ ان میں سکون اختیار کرنا ہے پس اس کو تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى. اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔

(البقرہ:۱۲۵)

آپ نے وہاں دو رکعتیں ادا کیں اس وقت مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ شریف کے درمیان تھا آپ نے ان رکعتوں میں ''سورۂ الکافرون'' اور ''سورۂ اخلاص'' کی تلاوت فرمائی پھر اس رکن (کونے) کی طرف تشریف لے گئے

میں حجر اسود ہے آپ نے اسے استلام کیا (اشارہ کیا اور بوسہ دیا)۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی

پھر نبی اکرم ﷺ دروازے سے صفا کی طرف تشریف لے گئے جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ (البقرہ:۱۵۸)

آپ نے اس سے ابتدا کی جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتدا فرمائی پس آپ نے صفا سے آغاز کیا اس پر تشریف لے گئے حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کو دیکھا اور قبلہ کی طرف رخ کیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بڑائی بیان کرتے ہوئے یہ کلمات پڑھے:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور وہ لائق حمد ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا کئی جماعتوں کو بھگایا۔

یہ کلمات آپ نے تین مرتبہ کہے اور ان کے درمیان دعا مانگی پھر آپ مروہ کی طرف تشریف لے گئے حتیٰ کہ جب آپ کے قدم مبارک وادی کے درمیان قائم ہو گئے (پہنچ گئے) تو رمل کیا (تیز چلے) یہاں تک کہ جب اوپر چڑھ گئے تو عام طریقے پر چلے حتیٰ کہ مروہ پر تشریف لائے۔

"صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں" حضرت ابوالطفیل کی حدیث میں ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا مجھے صفا اور مروہ کے درمیان سواری کی حالت میں طواف کے بارے میں بتائیے کہ کیا یہ سنت ہے؟ اور آپ کی قوم کا خیال ہے کہ یہ سنت ہے؟ فرمایا انہوں نے سچ بھی کہا اور جھوٹ بھی، میں نے پوچھا آپ کے قول "سچ بھی کہا اور جھوٹ بھی" کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: نبی اکرم ﷺ کے پاس لوگ زیادہ ہو گئے وہ کہتے تھے یہ محمد ہیں یہ محمد ہیں (ﷺ) حتیٰ کہ کنواری عورتیں بھی گھروں سے باہر نکل آئیں وہ فرماتے ہیں لوگ، نبی اکرم ﷺ کے سامنے نہیں چلتے تھے پس جب آپ کے ساتھ کثرت ہو گئی تو آپ سوار ہوئے اور پیدل چل کر سعی کرنا افضل ہے۔

یہ "مسلم شریف کی" روایت کے الفاظ ہیں اور اس کے شروع میں بیت اللہ شریف کے طواف میں رمل کا ذکر ہے۔

"سنن ابی داؤد میں ہے کہ" (صلح) حدیبیہ کے دنوں میں قریش نے کہا کہ حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ کرام کو چھوڑ دو حتیٰ کہ یہ اسی طرح مر جائیں جس طرح اونٹ اور بکریوں کے ناک میں کیڑا پڑنے سے موت واقع ہوتی ہے، (لسان العرب ج۱۴ص۲۲۱) جب انہوں نے آپ سے مصالحت کی کہ آپ آئندہ سال آئیں اور تین دن ٹھہریں پس آپ تشریف لائے تو آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا بیت اللہ شریف کا رمل کرو۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی اونٹ پر (سوار ہو کر) کی کیونکہ لوگ آپ سے

دور نہیں ہوتے تھے اور نہ الگ ہوتے تھے پس آپ نے اونٹ پر سعی کی تا کہ وہ آپ کا کلام سنیں اور آپ کی جگہ کو دیکھیں اور آپ تک ان کے ہاتھ نہ پہنچیں۔

اور رسول اکرم ﷺ جب مروہ تک پہنچے تو اس پر چڑھ گئے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ کی بڑائی اور توحید بیان کی اور وہی عمل کیا جو صفا پر کیا تھا یہاں تک کہ جب مروہ پر آخری پھیرا ہوا تو فرمایا: اگر مجھے اپنے معاملے کا پہلے خیال ہوتا جو بعد میں آیا تو میں ہدی نہ چلاتا اور اس کو عمرہ بنا دیتا پس تم میں سے جس کے پاس ہدی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنا دے چنانچہ حضرت سراقہ بن جعشم نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈالیں اور دو مرتبہ فرمایا عمرہ حج میں داخل ہو گیا نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا ہے۔

حج کو عمرہ کی طرف فسخ کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

کیا حج، عمرہ میں بدل جاتا ہے؟

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس فسخ میں اختلاف ہے کہ کیا یہ صحابہ کرام کے اسی سال کے لئے خاص تھا یا ان کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی قیامت تک باقی ہے؟

حضرت امام احمد اور اہل ظاہر کی ایک جماعت کہتی ہے یہ خاص نہیں بلکہ قیامت تک باقی ہے پس ہر اس شخص کے لئے جس کے ساتھ ہدی نہ ہو جائز ہے کہ وہ احرام کو بدل دے اور عمرہ کے اعمال مکمل کرے اور احرام کھول دے۔

حضرت امام مالک' امام شافعی' امام ابو حنیفہ اور پہلے اور پچھلے جمہور علماء فرماتے ہیں یہ حکم صحابہ کرام کے ساتھ صرف اسی سال کے لئے خاص تھا اس کے بعد جائز نہیں اس سال اس لئے ان کو حکم دیا تھا تا کہ زمانہ جاہلیت کے اس عقیدے کی مخالفت ہو جائے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز نہیں۔

جمہور کے دلائل میں سے ایک حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے نقل کیا' وہ فرماتے ہیں: حج میں تمتع نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کے ساتھ خاص تھا یعنی حج کو عمرہ کی طرف بدلنا۔

''سنن نسائی میں ہے'' حضرت حارث بن ہلال اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حج کو عمرہ میں بدلنا ہمارے ساتھ خاص ہے یا سب لوگوں کے لئے عام ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بلکہ ہمارے لئے خاص ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۸۴' مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۹' المستدرک ج ۳ ص ۵۱۷' سنن دارمی ج ۲ ص ۵۰' نصب الرایۃ ج ۳ ص ۱۰۴' المعجم الکبیر ج ا ص ۳۵۷' التمہید ج ۸ ص ۳۵۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۸۶۹-۱۲۸۷۰)

فرماتے ہیں وہ جو حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ کیا ہمارے اس سال کے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے اور قران (حج اور عمرہ کو ملانے) کا جواز ہمیشہ کے لئے ہے جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

تو طرق حدیث کے مجموعہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا قیامت تک جائز ہے اسی طرح قران بھی جائز ہے اور حج کو عمرہ میں بدلنا اسی سال کے ساتھ خاص تھا۔

''سنن نسائی کی'' روایت میں یہ بھی ہے کہ دو متعہ صرف ہمارے (مسلمانوں) کے لئے درست ہیں ایک عورتوں سے متعہ اور دوسرا حج کا متعہ یعنی حج کو عمرہ کی صورت میں بدلنا اور عورتوں سے متعہ کسی عورت سے ایک خاص مدت تک کے لئے نکاح کرنا مباح تھا پھر خیبر کے دن یہ حکم منسوخ ہوگیا پھر فتح کے دن جائز قرار دیا گیا پھر فتح کے دنوں میں ہی منسوخ ہو گیا اور اس کی حرمت قیامت تک برقرار ہے' پہلے دور میں اس میں اختلاف تھا پھر اس کی حرمت پر سب کا اجماع ہوگیا۔

مکہ مکرمہ میں آپ کہاں اترے؟

اس دوران جب مسلمان مکہ مکرمہ میں اترے' نبی اکرم ﷺ نماز میں قصر کرتے تھے اور منیٰ کی طرف جانے سے پہلے آپ کا مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا چار دن مسلسل تھا کیونکہ آپ چار تاریخ کو تشریف لاتے اور آٹھ تاریخ کو وہاں سے تشریف لے گئے پس آپ نے وہاں اکیس نمازیں ادا فرمائیں۔ چار تاریخ کی ظہر سے شروع کر کے آٹھ تاریخ کی ظہر تک۔

نبی اکرم ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور دوسری بار منیٰ سے ابطح کی طرف جانے تک پورے دس دن تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یمن سے تشریف آوری

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے رسول اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے تو آپ نے ان سے فرمایا تم نے کونسا احرام باندھا ہے؟ عرض کیا جس کا احرام اللہ کے رسول ﷺ نے باندھا ہے فرمایا اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام ترمذی اور امام نسائی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اس میں یوں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر خوشبو سے مہک رہا ہے آپ کو غصہ آیا تو حضرت خاتون جنت نے فرمایا آپ کو کیا ہوا؟ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا پس انہوں نے احرام کھول دیا ہے فرماتے ہیں: میں نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے احرام کے مطابق احرام باندھا ہے فرماتے ہیں: پھر میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ سے مجھ سے فرمایا آپ نے کیسے کیا؟ فرماتے ہیں اور آپ نے مجھ سے فرمایا اونٹوں میں سے ستاسٹھ (۶۷) اونٹوں یا (فرمایا) چھیاسٹھ (۶۶) اونٹوں کو ذبح کر دو اور اپنے لئے تینتیس یا چونتیس اونٹ رکھ لو اور ان میں سے ہر اونٹ سے ایک ٹکڑا (گوشت کا) رکھ لو۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے پس حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت خاتون جنت کو احرام کھولنے والوں میں پایا اور انہوں نے رنگین کپڑے پہن رکھے تھے اور سرمہ بھی لگایا ہوا تھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان پر اعتراض کیا' حضرت خاتون جنت نے فرمایا میرے والد نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے فرمایا تم نے سچ کہا' تم نے سچ کہا (نبی اکرم ﷺ نے پوچھا) آپ نے حج کی نیت کرتے وقت کیا کہا تھا؟ عرض کیا میں نے کہا تھا:

اللھم انی اھل بما اھل بہ رسولک. یا اللہ! میں نے اسی عمل کا احرام باندھا (نیت کی) جس کا احرام تیرے رسول ﷺ نے باندھا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ ہدی ہے پس تم احرام نہ کھولو۔

فرماتے ہیں: وہ ہدی جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے لائے اور جو ہدی نبی اکرم ﷺ لائے تھے ان کی کل تعداد ایک سو تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس تمام لوگوں نے احرام کھولا اور بال کٹوائے سوائے نبی اکرم ﷺ اور ان لوگوں کے جن کے ساتھ ہدی تھی۔

ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ (یوم ترویہ)

جب ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوئی (یوم ترویہ ہوا) اور یہ جمعرات کا دن اور چاشت کا وقت تھا تو نبی اکرم ﷺ سوار ہوئے اور مسلمانوں کو لے کر منیٰ کی طرف تشریف لے گئے' جن لوگوں نے پہلا احرام کھول دیا تھا انہوں نے حج کا باندھا ہوا تھا نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کیں پھر کچھ دیر ٹھہرے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا آپ نے بالوں سے بُنا ہوا خیمہ گاڑنے کا حکم دیا تو نمرہ میں خیمہ لگایا گیا پس آپ اس راستے سے چلے جس میں گوہ زیادہ تھیں۔

قریش کو آپ کے مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرنے کے علاوہ کسی بات میں شک نہیں' قریش بھی جاہلیت کے زمانے میں اسی طرح کرتے تھے اور حمس یعنی قریش اور جو لوگ ان کے دین پر تھے وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور کہتے تھے "نحن قطين الله" یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے پڑوسی ہیں پس ہم اس کے حرم سے باہر نہیں جائیں گے جب کہ دوسرے لوگ عرفات تک پہنچتے تھے۔ اسی سلسلے میں ارشادِ خداوندی ہے:

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ. پھر وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ واپس لوٹتے ہیں۔

(البقرہ:۱۹۹)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: زمانۂ جاہلیت میں میرا گدھا گم ہو گیا تو میں نے اسے عرفات میں پایا' میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ عرفات میں لوگوں کے ساتھ کھڑے ہیں پس جب میں نے اسلام قبول کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں کھڑا کیا تھا۔ (مسند اسحاق بن راھویہ)

ایک روایت (مسند ابن راھویہ' ابن خزیمہ) میں ہے کہ دور جاہلیت میں نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ اپنے اونٹ پر عرفات میں کھڑے ہوتے تھے پھر صبح کے وقت اپنی قوم کے ساتھ مزدلفہ میں کھڑے ہوتے اور جب وہ واپس لوٹتے تو آپ بھی واپس تشریف لاتے۔

وقوف عرفات

جب نبی اکرم ﷺ عرفات میں پہنچے تو ایک خیمہ لگایا گیا جو نمرہ میں لگایا گیا تھا' آپ وہاں اترے جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے قصواء (اونٹنی) لانے کا حکم دیا آپ کے لئے اس پر کجاوہ رکھا گیا تو آپ اس پر سوار ہو کر وادی کے دامن میں تشریف لائے اور لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا:

ان دماء كم واموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا الا ان كل شيء من امر الجاهلية تحت

بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر (ایک دوسرے پر) اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں

قدمی موضوع ودماء الجاهلية موضوعة وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث كان مسترضعا في بني سعد فقتله هذيل وربا الجاهلية موضوع واول ربا اضع ربانا ربا العباس بن عبد المطلب فانه موضوع كله فاتقوا الله في النساء فانكم اخذتموهن بامانة الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم احدا تكرهونه فان فعلن ذلک فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف وقد تركت فيكم ما ان لا تضلوا بعده ان اعتصمتم به كتاب الله وانتم تسالون عني فما انتم قائلون.

حرمت ہے۔سنو! جاہلیت کی ہر بات میرے قدموں کے نیچے ختم کردی گئی ہے' جاہلیت کے خون معاف کیے گئے ہیں ہمارے خونوں میں سے سب سے پہلا خون جسے میں معاف کرتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے وہ بنو سعد میں دودھ پیتے تھے کہ ہذیل نے ان کو قتل کر دیا اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے اور سب سے پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سارے کا سارا ختم کر دیا گیا۔پس عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے تمہارے لئے ان کے ذمہ یہ حق ہے کہ وہ کسی کو اس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ تمہارے بستروں کو روندے جسے تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ اس طرح کریں تو ان کو مارو لیکن اذیت ناک مار نہ ہو اور تمہارے ذمہ ان کا حق یہ ہے کہ ان کو معروف طریقے پر کھانا اور لباس دو اور میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑو تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟

انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے (دین) پہنچایا' (فرض کی) ادائیگی کی اور خیر خواہی کی۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے لوگوں کی طرف جھکائے تین بار فرمایا یا اللہ! تو گواہ ہو جا۔(مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۲۵۵۵' التمہید ج۱۰ص۲۳۱' مسند احمد ج۳ص۳۱۳۔۴۸۵' السنن الکبریٰ ج۳ص۲۱۵۔ج۵ص۸۔۴۴۷' المعجم الکبیر ج۵ص۳۱۶۔۱۶۷' حلیۃ الاولیاء ج۴ص۳۴۳)

پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر اقامت کہی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر عصر کی اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور دونوں کے درمیان وقفہ نہ فرمایا۔

(دونوں نمازوں کو) یوں جمع کرنا جمہور کے نزدیک مسافر لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔حضرت امام مالک اور امام اوزاعی سے منقول ہے اور شافعی حضرات کے نزدیک بھی یہی ہے کہ عرفات اور مزدلفہ میں نمازوں کو جمع کرنا حج کی وجہ سے ہے۔(لسان العرب ج۲ص۳۵۹) پس ہر ایک کے لئے جائز ہے (مسافر ہوں یا غیر مسافر) اسنوی فرماتے ہیں مسافر کے لئے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (البتہ حج کی وجہ سے جمع میں اختلاف ہے)۔

امام شافعی اور آپ کے اصحاب فرماتے ہیں: جب آٹھویں ذوالحجہ کو حاجی نکلیں اور حج کے اختتام پر اپنے اپنے وطن

کی طرف جانے کی نیت کریں تو وہ نکلنے کے وقت سے قصر کریں (یعنی مسافر کہلائیں گے)۔

نبی اکرم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو سوار ہو کر موقف (ٹھہرنے کی جگہ) تشریف لائے اور آپ نے اپنی اونٹنی قصواء کو صخرات (بڑے پتھروں یعنی چٹانوں) کی طرف کیا اور پیدل چلنے والوں کے راستے کو (ریت میں چلنے کا راستہ) سامنے رکھا اور قبلہ رخ ہوئے عرفہ (ذوالحجہ) کے دن موقعہ میں آپ اکثر یہ دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَاٰبِیْ وَلَکَ رَبِّ تُرَاثِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَۃِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَجِیْءُ بِہِ الرِّیَاحُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِیْءُ بِہِ الرِّیْحُ. (جامع ترمذی)

یا اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے جس طرح ہم کہتے ہیں اور اس سے بہتر جو ہم کہتے ہیں یا اللہ! تیرے ہی لئے میری نماز اور قربانی اور زندگی و موت ہے' میرا رجوع بھی تیری ہی طرف ہے اور اے میرے رب! تیرے ہی لئے ہے جو میں چھوڑ جاؤں۔ یا اللہ! میں عذاب قبر سے' سینے (دل) کے وسوسوں سے اور کام کے بکھر جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! میں تجھ سے اس چیز کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں جسے ہوائیں لاتی ہیں اور اس چیز کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جسے ہوا لاتی ہے۔

یہ حدیث حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ایک روایت جسے رزین نے ذکر کیا' اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نو ذوالحجہ کے دن عام طور پر "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَاٰبِیْ وَعَلَیْکَ یَا رَبِّ ثَوَابِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ وَسْوَسَۃِ الصَّدْرِ وَمِنْ شَتَاتِ الْاَمْرِ وَمِنْ کُلِّ ذِیْ شَرٍّ.

یا اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں یا اللہ! تیرے ہی لئے ہماری نماز اور قربانی ہے اور زندگی و موت ہے تیری ہی طرف میرا رجوع ہے اور یا اللہ! میرا ثواب تیرے ہی ذمۂ کرم پر ہے یا اللہ! میں عذاب قبر' دل کے وسوسہ' کام کے بکھرنے اور ہر شر والی چیز کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

"جامع ترمذی میں ہے کہ" نو ذوالحجہ کے دن افضل اور افضل کلمات جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہے ہیں' یہ ہیں:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ' لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کی بادشاہی ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۷۱-۳۷۳' کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۷۳' الکامل ج ۴ ص ۱۶۰۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۰۷۹-۱۲۰۸۰)

عرفات میں نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے جس طرح ''طبرانی صغیر میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ لَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذُنُوْبِهٖ اَسْاَلُکَ مَسْاَلَةَ الْمِسْکِیْنِ وَاَبْتَهِلُ اِلَیْکَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ جَسَدُهٗ وَرَغِمَ اَنْفُهٗ لَکَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِیًّا وَّکُنْ بِیْ رَءُوْفًا رَّحِیْمًا یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَا خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ.

یا اللہ! تو میرا کلام سنتا ہے' میری جگہ کو دیکھتا ہے میرے پوشیدہ اور ظاہر کو دیکھتا ہے' میرا کوئی کام تجھ سے پوشیدہ نہیں' میں پریشان حال فقیر ہوں' مدد طلب کرنے والا پناہ مانگنے والا' ڈرنے والا اور اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرنے والا ہوں' میں مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں اور گناہ گار رسوا کی طرح تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور ڈرنے والے مجبور اور تکلیف میں مبتلا شخص کی طرح تجھ سے دعا مانگتا ہوں وہ جس کی گردن تیرے سامنے جھک گئی' تیرے لئے جس کے آنسو بہہ گئے اور جسم جھک گیا تیرے لئے اس کی ناک خاک آلود ہوگئی' یا اللہ! اے میرے رب اپنی پکار کے ساتھ مجھے بدبخت نہ کرنا اور مجھ پر مہربان رحم کرنے والا ہو جا' اے وہ ذات جو تمام مسئولین (جن سے سوال کیا جاتا ہے) سے بہتر اور اے سب دینے والوں میں سے اچھی ذات۔

نبی اکرم ﷺ عرفات میں تھے کہ نجد والوں میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے حج کے بارے میں پوچھا آپ نے ایک ندا کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے ''حج عرفہ ہے'' (عرفات میں وقوف ہے) جو مزدلفہ کی رات طلوع فجر سے پہلے آئے اس نے حج کو پالیا' منیٰ کے تین دن ہیں پس جو شخص دو دنوں میں جلدی کرے (اور واپس ہو جائے) اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے (تین دن ٹھہرے) اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ (جامع ترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابوداؤد نے نقل کیا اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں یہاں ٹھہرا اور عرفات پورے کا پورا موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۰' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۱۵۔ ۲۳۹' مسند خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۱۵)

اور اسی مقام پر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی جس طرح صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ. (المائدہ: ۳) آج کے دن میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا۔

اسی جگہ مسلمانوں میں سے ایک شخص سواری سے گر کر فوت ہو گیا اور وہ محرم تھا' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اسے دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور خوشبو نہ لگائی جائے' بیری کے (پتوں سے جوش دیتے ہوئے) پانی کے ساتھ غسل دیا جائے' اس کے سر اور چہرے کو ڈھانپا نہ جائے اور آپ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس طرح اٹھائے گا کہ یہ تلبیہ

کہتا ہوگا۔

یعنی اس صورت میں اٹھایا جائے گا کہ جس پر وہ فوت ہوا اس سے اس کے احرام کے باقی رہنے پر استدلال کیا گیا جب کہ مالکی اور حنفی حضرات کا اختلاف ہے۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا اس حدیث کی تاویل یوں ہوگی کہ اس کے چہرے کو ڈھانپنے سے ممانعت اس لئے نہیں تھی کہ محرم کے لئے چہرے کو ڈھانپنا جائز نہیں بلکہ یہ سر کو بچانے کے لئے تھا کیونکہ اگر وہ اس کے چہرے کو ڈھانپتے تو سر کو ڈھانپنے سے بے خوف نہ ہوتے (یعنی وہ بھی ڈھانپا جاتا)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مذکور محرم عرفات کی چٹانوں کے پاس گرا تھا۔ واللہ اعلم

عرفات سے واپسی

جب سورج غروب ہو گیا اس طرح کہ کچھ زردی چلی گئی جب سورج کی ٹکیہ غائب ہوگئی تو نبی اکرم ﷺ عرفات سے واپس لوٹے اور اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا اور قصواء (اونٹنی) کے لئے لگام کو تنگ کیا حتیٰ کہ اس کا سر کجاوے کے اگلے حصے میں چمڑے کے ٹکڑے تک پہنچتا تھا اور آپ اپنے ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ کر رہے تھے کہ سکون و اطمینان اختیار کریں آپ جس وقت بھی ریت کے چھوٹے ٹیلے پر تشریف لاتے تو لگام کچھ ڈھیلی چھوڑتے حتیٰ کہ وہ اوپر چڑھتی اور مازمین (عرفات میں معروف جگہ) کے راستے سے واپس لوٹتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے پیچھے اونٹوں کو سخت جھڑکنا اور مار پیٹ سنی تو اپنی لاٹھی سے اشارہ کیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر اطمینان لازم ہے کیونکہ نیکی تیز چلنے میں نہیں ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۰۱' المستدرک ج ۱ ص ۴۶۵۔ ج ۳ ص ۲۷۵' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۹۔ ج ۵ ص ۲۰۱۔ ۲۰۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۶۰۹۔ ۱۲۶۱۳)

''سنن ابی داؤد کی'' روایت میں ہے کہ آپ عرفات سے واپس تشریف لائے اور آپ پر سکون تھے اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے آپ نے فرمایا اے لوگو! تم پر سکون لازم ہے کیونکہ نیکی گھوڑوں اور اونٹوں کو تیز چلانے میں نہیں پس میں نے نہیں دیکھا کہ اونٹنی نے تیز چلتے ہوئے اگلے قدم اٹھائے ہوں حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ مزدلفہ میں تشریف لائے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت ''جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے'' اس میں ہے کہ اعتدال کے ساتھ چلتے تھے جب کوئی گنجائش دیکھتے تو ذرا تیز چلتے۔

امام طبرانی نے معجم میں حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت کیا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ عرفات سے واپس تشریف لائے اور آپ یہ کلمات پڑھ رہے تھے:

---

[1] احناف فرماتے ہیں جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لہٰذا اسے خوشبو لگانا اور اس کے سر اور چہرے کو ڈھانپنا جائز ہے جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو یہ ایک خاص واقعہ ہے' عمومی حکم نہیں ہے کیونکہ اس میں فرمایا کہ وہ قیامت کے دن تلبیہ کہے گا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۱۸۲)

الیک تعدو قلقا وضینھا ۔۔۔ مخالف دین النصاریٰ دینھا

''وہ پریشانی میں کجاوے کی رسی کو تیری طرف موڑتے ہیں ان کا دین' نصاریٰ کے دین کے خلاف ہے''۔

''نہایہ میں فرمایا کہ'' یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے طور پر مشہور ہے۔

القلق کا معنیٰ ''انزعاج'' (بے قراری) ہے۔ ''الوضین'' ضاد کے ساتھ ہے' کجاوے کی رسی۔

جب نبی اکرم ﷺ راستے کے درمیان میں تھے تو آپ اترے اور آپ نے پیشاب فرمایا اور مختصر وضو فرمایا' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! نماز کا وقت ہے آپ نے فرمایا نماز کا مقام آگے ہے (یعنی مزدلفہ نہیں ہے)۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۲۔ ج ۵ ص ۲۵۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۔۲۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۹' سنن دارمی ج ۲ ص ۵۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۰۔۲۰۸' السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۳' التمہید ج ۹ ص ۲۶۷' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۲۱۔۱۹۲۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۴۸' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۰۶' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۰۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۵۹۳۔۱۲۵۹۴۔۱۲۵۹۷۔۱۲۶۰۰۔۱۲۶۰۳۔۱۲۶۰۴)

مزدلفہ میں رات گزارنا

نبی اکرم ﷺ سوار ہوئے حتیٰ کہ مزدلفہ میں تشریف لائے اور مزدلفہ کو جمع کہا جاتا ہے (جمع میں جیم پر زبر اور میم ساکن ہے) کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اس مقام پر حضرت حواء علیہا السلام کے ساتھ اکٹھے ہوئے تو آپ ان کے قریب ہوئے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسے جمع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو نمازوں کو جمع کیا جاتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہاں لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں یعنی وہ وقوف کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے وہاں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی' دونوں نمازیں ایک اقامت سے پڑھیں اور ان میں سے کسی کے بعد نماز (نفل وغیرہ) نہیں پڑھی۔ ایک روایت میں ہے کہ مغرب کی اقامت ہوئی پھر لوگوں نے سواریوں کو بٹھایا اور ان سے سامان نہیں اتارا حتیٰ کہ عشاء کی اقامت ہوئی پس آپ نے نماز پڑھی پھر صحابہ کرام نے سواریوں سے سامان اتارا۔ (صحیح مسلم)

اس رات نبی اکرم ﷺ نے قیام ترک کر دیا اور آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ صبح ہو گئی کیونکہ اس سے پہلے عرفات میں عمل کر چکے تھے یعنی زوال سے لے کر غروب آفتاب تک وقوف' دعا میں کوشش اور غروب کے بعد مزدلفہ کی طرف روانگی' اور آپ نے مغرب وعشاء کی نماز پر اکتفاء کیا اور رات کا باقی حصہ آرام فرمایا حالانکہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت اس قدر قیام کیا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے لیکن آپ نے عرفات میں عمل کرنے کی وجہ سے اپنے نفس مبارک کو آرام پہنچایا نیز اس لئے بھی کہ اس کے بعد قربانی کا دن تھا اور آپ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ (۶۳) اونٹ ذبح کرنا تھے پھر طواف افاضہ کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف جانا اور منیٰ کی طرف لوٹنا تھا جس طرح ''شرح تقریب الاسانید میں''

اس بات سے آگاہ کیا گیا۔

دعا

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عرفہ (نو ذوالحجہ) کی شام اپنی امت کے لئے بخشش کی دعا مانگی تو آپ کو جواب دیا گیا "بے شک میں نے ان کو بخش دیا سوائے ظالموں کے، میں ان سے مظلوم کا بدلہ لوں گا" آپ نے عرض کیا اے میرے رب! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت عطا کرے اور ظالم کو بخش دے تو اس شام آپ کو جواب نہ ملا جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو دوبارہ دعا فرمائی تو آپ کے سوال کو قبول کیا گیا، راوی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے یا (فرمایا) تبسم فرمایا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس وقت آپ ہنسا نہیں کرتے تو کس وجہ سے آپ ہنسے ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو (ہمیشہ) مسکراتا ہوا رکھے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کرلی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے تو اس نے مٹی لی اور اپنے سر پر ڈال کر ہلاکت اور تباہی کے الفاظ سے پکارنے لگا تو اس کی اس فریاد کی وجہ سے مجھے ہنسی آ گئی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۳، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۰۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۸۰۹۔ ۳۱۹۵۷)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اسے اس طریق سے روایت کیا جس سے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا اور اس کو ضعیف قرار نہیں دیا۔

بعض روایات میں حضرت عباس بن مرداس کے غیر سے مروی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ امت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے عرفات میں وقوف کیا۔

قرطبی فرماتے ہیں کہ مظالم کی نسبت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے توبہ کی اور حقوق کی ادائیگی سے عاجز ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابن ماجہ کی روایت کی طرح روایت کرنے کے بعد فرمایا اس کے کئی شواہد ہیں اگر اس کے شواہد صحیح ہیں تو اس میں حجت ہے اور اگر صحیح نہیں تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے:

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اس (شرک) کے علاوہ بخش دیتا ہے۔

اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا شرک سے کم ہے۔

یوم ولادت کی طرح (پاک) واپس ہونا

امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح حدیث میں فرمایا:

من حج فلم يرفث ولم يفسق خرج من ذنوبه كيوم ولدته امه.

جس نے حج کیا پس فحش کلامی نہ کی اور نہ نافرمانی کی وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوگا جس طرح اس دن پاک ہوتا ہے جس دن اس کی ماں اسے جنم دیتی ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۸۱۱ مسند احمد ج۲ص۲۲۹ الترغیب والترہیب ج۲ص۱۶۳ صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۸)

ان گناہوں سے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہیں بندوں کے حقوق کے بارے میں نہیں اور حقوق ساقط نہیں ہوتے پس جس کے ذمہ نماز یا کفارہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہوں وہ اس سے ساقط نہیں ہوتے کیونکہ وہ ہیں گناہ نہیں کیونکہ گناہ ان (حقوق کی ادائیگی) میں تاخیر ہے پس نفس تاخیر حج کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے نفس ساقط نہیں ہوتا اگر اس کے بعد بھی مؤخر کرے تو نیا گناہ پیدا ہوگا تو مقبول حج (حکم خداوندی کی) مخالفت کو ساقط کرتا ہے حق کو نہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا جو شخص یہ کہے کہ حج ان حقوق کو ساقط کر دیتا ہے جو اس (حاجی) پر واجب ہیں مثلاً نماز (وغیرہ) تو سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے (اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے) ورنہ قتل کیا جائے اور آدمی کا حق حج کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا سب کا اتفاق ہے۔

کمزوروں کو پہلے بھیجنا

ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے مزدلفہ کی رات نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی اور آپ کا جسم بھاری تھا اور آپ آہستہ چلتی تھیں پس نبی اکرم ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) کاش میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگتی جس طرح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اجازت طلب کی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کی بھیڑ ہو جانے سے پہلے جانے کی اجازت مانگی اور وہ سست رفتار تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کے ہجوم سے پہلے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اگر میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگتی جس طرح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اجازت مانگی تھی تو یہ بات میرے لئے ہر اس چیز سے زیادہ پسند ہوتی جس کے ذریعے خوشی حاصل کی جاتی ہے۔

ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو قربانی کی رات (منیٰ کی طرف) بھیج دیا پس انہوں نے فجر سے پہلے کنکریاں ماریں پھر وہ (مکہ مکرمہ) چلی گئیں اور طواف افاضہ کیا اور یہ وہ دن تھا جس دن نبی اکرم ﷺ ان کے ہاں تھے۔[1]

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مزدلفہ سے رات کے وقت بھیجا۔

"صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن نسائی میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے اپنے گھر کے کمزور افراد کے ساتھ بھیجا تو ہم نے صبح کی نماز منیٰ میں پڑھی اور کنکریاں ماریں۔

---

[1] شافعی حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے کہ آدھی رات سے کنکریاں مارنے کا وقت شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا صبح کے وقت مکہ مکرمہ پہنچ جانا اور یہ تب ہی ممکن ہے جب رات کو کنکریاں ماری جائیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حضرت ام سلمہ کے ساتھ خاص ہے دوسروں کے لئے جائز نہیں اور حضور ﷺ جس کے لئے چاہیں اسے کسی حکم کے ساتھ خاص کر دیں۔

(زرقانی ج۸ص۱۸۸)

''موطا (امام مالک) صحیح بخاری و مسلم اور سنن نسائی میں'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ مزدلفہ رات مزدلفہ میں اتریں اور کھڑے ہو کر ایک ساعت نماز پڑھی پھر فرمایا اے میرے بیٹو! کیا چاند غروب ہو گیا ہے؟ میں نے کہا نہیں پھر ایک گھڑی نماز پڑھی پھر فرمایا چاند ڈوب گیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا پس چلو بے شک نبی اکرم ﷺ نے کجاوے والی خواتین کو اجازت دی ہے۔

مزدلفہ میں رات گزارنا

اسلاف کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا مزدلفہ میں رات نہ گزارنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت علقمہ' نخعی اور شعبی فرماتے ہیں جس نے اسے چھوڑ دیا اس سے حج رہ گیا۔ حضرت عطاء' زہری' قتادہ' شافعی' کوفی حضرات اور اسحاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس پر دم (جانور ذبح کرنا) لازم ہے اور جو شخص وہاں رات گزارے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ نصف رات سے پہلے وہاں سے چلا جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وہاں سے گزرے لیکن نہ اترے تو اس پر دم لازم ہے جب وہاں سے چلا جائے

کنکریاں چننا

اور جب فجر طلوع ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے فجر کی نماز' اذان اور اقامت کے ساتھ اس وقت پڑھی جب صبح ظاہر ہوئی۔

''سنن بیہقی اور سنن نسائی میں'' صحیح سند کے ساتھ مسلم کی شرط پر روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی صبح حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا میرے لئے کنکریاں چنو' تو انہوں نے ٹھیکری کی مثل کنکریاں چنیں اور ان کنکریوں کو نہ توڑے جس طرح بے علم لوگ کرتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۴ ص ۴۴)

''سنن نسائی کی'' روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی صبح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا آپ اپنی سواری پر تھے' یہ کنکریاں جو آپ نے چنی ہیں مجھے دیں تو انہوں نے چند کنکریاں جو ٹھیکری کی مثل تھیں آپ کو پکڑائیں جب آپ نے ان کو اپنے ہاتھ میں رکھا تو فرمایا ان جیسی اور بھی (دو) اور تم لوگ دین میں بڑھنے سے بچو بے شک تم سے پہلے لوگ دین میں زیادتی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (سنن نسائی ج ۵ ص ۲۶۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷ المستدرک ج ۱ ص ۴۶۶' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۲۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۳۹۱' الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۵)

علماء کرام فرماتے ہیں اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ دن کے وقت کنکریاں چننا مستحب ہے۔ امام بغوی کی یہی رائے ہے وہ فرماتے ہیں صبح کی نماز کے بعد یہ کام کیا جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الام'' اور ''الاملاء'' میں یہ بات بیان کی ہے لیکن جمہور کا قول جیسا کہ امام رافعی نے فرمایا یہ ہے کہ رات کو کنکریاں چننا مستحب ہے کیونکہ یہ فراغت کا وقت ہوتا ہے۔

اور کیا حج کے موقعہ پر ماری جانے والی تمام کنکریاں (اسی رات) چننا مستحب ہے ''التنبیہ'' میں اس موقف کو اختیار

[1] اپنی طرف سے کسی عمل کو دین قرار دے دینا اور حلال و حرام یا فرض و واجب وغیرہ کا حکم لگانا دین میں بڑھنا ہے' دین کے مطابق اچھے کام جاری کرنا دین میں بڑھنا نہیں ہے۔ ۱۲ ہزاروی

(...ص ۸۷)

اور امام نووی نے اپنی تصحیح میں اسے برقرار رکھا لیکن اکثر حضرات کا قول وہ ہے جو امام رافعی نے فرمایا کہ صرف قربانی کے لئے چننا مستحب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی "المہذب" میں اسی بات کو بیان کیا اور احتیاط یہ ہے کہ زیادہ ...یاں لے کیونکہ بعض اوقات ان میں سے کچھ کنکریاں گر جاتی ہیں۔

...میں نیابت کا سوال

پھر نبی اکرم ﷺ قصوا (اونٹنی) پر سوار ہو کر مشعر حرام پر تشریف لائے اور اس پر چڑھ گئے پھر قبلہ رخ ہو کر (الحمد اللہ اکبر' لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کلمات کے ذریعے) اللہ تعالیٰ کی تعریف کی' بڑائی بیان کی اور معبودیت و وحدانیت کو بیان کیا اور مسلسل کھڑے رہے حتیٰ کہ صبح خوب روشن ہو گئی پھر آپ سورج طلوع ہونے سے ...ل پڑے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ ایک روایت میں ہے کہ مشرکین واپس نہیں ہوتے تھے جب تک ...ج طلوع نہ ہوتا اور رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا پس آپ طلوع آفتاب سے پہلے چل پڑے۔

طبری (طبرانی) میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں صبح کی ...پ قزح (پہاڑ) پر کھڑے ہوئے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا پھر فرمایا یہ (افضل) موقف ...ور پورا مزدلفہ موقف ہے حتیٰ کہ جب سفیدی ہو گئی تو آپ چل پڑے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے ...۔ راوی فرماتے ہیں: وہ ایسے شخص تھے جن کے بال خوبصورت تھے اور رنگت سفید تھی (خوبصورت تھے) جب نبی اکرم ...چلے تو کچھ عورتیں گزر رہی تھیں' حضرت فضل رضی اللہ عنہ ان کو دیکھنے لگے تو نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کے ...ے پر رکھا' حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اپنا رخ دوسری طرف پھیرا اور دیکھنے لگے رسول اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ ...ری طرف سے پھیر کر حضرت فضل کے چہرے پر رکھا تو انہوں نے دوسری طرف پھیر کر دیکھنا شروع کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے تو قبیلہ خثعم کی ایک خاتون آئیں اور ...پ سے مسئلہ پوچھنے لگیں' حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور وہ بھی آپ کو دیکھ رہی تھی ...ول اکرم ﷺ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے چہرے کو دوسری طرف پھیرنے لگے اس عورت نے پوچھا یا رسول اللہ! حج ...سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے فریضہ نے میرے باپ کو پالیا ہے (اس پر حج فرض ہو گیا ہے) اور وہ بہت بوڑھے ہیں' سواری ...ٹھہرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا ہاں (کر سکتی ہو)۔ (صحیح بخاری و مسلم)

یہ حجۃ الوداع کے موقع کی بات ہے۔

یہ واقعہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت فضل رضی اللہ ...کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس وقت وہی نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

کمزور حضرات کے ساتھ پہلے ہی منیٰ کی طرف جا چکے تھے گویا حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں جو کچھ دیکھا او
اپنے بھائی سے بیان کیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ خثعمیہ (عورت) کا سوال جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد ہوا ہو او
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وہاں حاضر ہوں پس کبھی وہ اپنے بھائی سے نقل کرتے ہیں کیونکہ ان سے ہی متعلق
ہے اور کبھی خود اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔

اس کی تائید ''جامع ترمذی کی'' حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ مذکورہ سوال قربان گاہ کے پاس ہوا جب کنکریاں مارنے
سے فراغت ہو چکی تھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی گردن پھیر دی تو حضرت عباس رضی اللہ
عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کی گردن پھیر دی؟ فرمایا میں نے ایک جوان مرد اور جوان
عورت کو دیکھا تو ان پر شیطان سے بے خوف نہ ہوا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۹۰۳-۱۳۰۲۷)

اس حدیث سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے تو اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں ک
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ وہاں موجود تھے۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ زندہ لوگوں میں سے جو حج کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کی نیابت
جائز ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔

اسی طرح جو لوگ کہتے ہیں کہ کسی کی طرف سے حج نہ کیا جائے جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (کا یہی قول ہے)۔
ابن منذر وغیرہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو شخص خود حج کرنے پر قادر ہو اس کے لئے جائز نہیں ک
واجب حج میں نائب طلب کرے البتہ نفل حج میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں۔

جمرات کو کنکریاں مارنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مزدلفہ سے عرفات
تک نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھا پھر مزدلفہ سے منیٰ تک آپ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا پس دونوں نے
فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ مسلسل تلبیہ کہتے رہے حتیٰ کہ آپ نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب وادی محسر میں پہنچے تو آپ نے اپنی اونٹنی کو
حرکت دی اور کچھ تیز چلنے لگے۔ (صحیح مسلم)

اسنوی فرماتے ہیں: اس کا سبب یہ تھا کہ نصاریٰ وہاں ٹھہرتے تھے جس طرح امام رافعی نے فرمایا: یا عرب
(مشرکین) (وہاں ٹھہرتے تھے) جس طرح ''وسیط'' میں کہا ہے پس آپ نے ان کی مخالفت کا حکم دیا اور میرے لئے اس
میں ایک اور معنیٰ ظاہر ہوا وہ یہ کہ اس جگہ ہاتھی والوں (ابرہہ اور اس کے لشکر) پر عذاب نازل ہوا جو بیت اللہ شریف کو
گرانے کا ارادہ کر رہے تھے تو اس میں جلدی مستحب ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قوم ثمود
وغیرہ کے علاقوں سے گزرنے والے کو اسی بات (یعنی تیز چلنے) کا حکم دیا۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ جن جگہوں میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اس کا عذاب نازل ہوا وہاں آپ کا طریقہ مبارکہ یہی تھا اور اس کو وادیٔ محسر اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں (ابرہہ کا) ہاتھی رک گیا تھا مطلب یہ کہ تھک گیا اور آگے چلنے سے رک گیا۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ درمیانے راستے پر چلے جو جمرۂ کبریٰ پر جا نکلتا ہے حتیٰ کہ اس جمرہ کے پاس تشریف لائے جو درخت کے پاس تھا (آج کل درخت نہیں ہے) پس اس کو سات کنکریاں ماریں آپ ہر کنکری کے ساتھ "اللہ اکبر" کہتے تھے آپ نے وادی کے دامن سے کنکریاں ماریں اور بیت اللہ شریف کو اپنی بائیں جانب اور منیٰ کو دائیں جانب رکھا اور جمرہ (ستون) کی طرف رخ کیا۔

نبی اکرم ﷺ قربانی کے دن چاشت کے وقت کنکریاں مارتے تھے جس طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

ام الحصین کی روایت میں جسے امام ابوداؤد نے نقل کیا اس طرح ہے کہ میں نے حضرت اسامہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو دیکھا ان میں سے ایک نے نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑ رکھی تھی اور دوسرے نے کپڑا اٹھایا ہوا تھا اور وہ دھوپ سے آپ کو بچا رہے تھے حتیٰ کہ آپ نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں۔

"سنن نسائی کی" روایت میں ہے کہ پھر آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر انہوں نے بہت سی باتیں ذکر کیں۔

حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ وادی کے دامن سے جمرہ کو کنکریاں مار رہے تھے اور آپ سوار تھے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے اور ایک شخص نے آپ کو پیچھے سے پردہ کر رکھا تھا میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا تو انہوں (حاضرین) نے کہا یہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور لوگوں کا ہجوم ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے لوگو! ایک دوسرے کو ہلاک نہ کرو اور جب جمرہ (ستون) کو کنکریاں مارو تو ٹھیکری کی مثل کنکری مارو (چھوٹی کنکری مراد ہے)۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۹۔ ج ۶ ص ۳۷۶۔ ۳۷۹، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳، شرح السنہ ج ۷ ص ۱۸۱)

اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ محرم کجاوے وغیرہ کے ذریعے سایہ حاصل کر سکتا ہے اور یہ بات گزر چکی ہے کہ نمرہ میں نبی اکرم ﷺ کے لئے بالوں سے بنا ہوا خیمہ لگایا گیا تھا۔

"صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ قربانی کے دن آپ اپنی سواری پر (سوار) کنکریاں مار رہے تھے اور فرماتے تھے:

خذوعنی مناسککم لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی هذه. مجھ سے اپنے احکامِ حج لے لو (سیکھ لو) میں نہیں جانتا کہ شاید اس حج کے بعد حج نہ کر سکوں۔

(التمہید ج ۲ ص ۶۹۔ ۹۱۔ ۹۸۔ ج ۴ ص ۳۳۳۔ ج ۵ ص ۱۱۷۔ ج ۷ ص ۲۷۲، نصب الرایۃ ج ۳ ص ۵۵، اتحاف السادة المتقین ج ۴ ص ۳۴۷، المغنی ج ۱ ص ۲۶۵)

حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی صہبا پر سوار ہو کر جمرات کو کنکریاں مار رہے تھے نہ وہاں مار دھاڑ تھی نہ دھکم پیل اور نہ ہٹو بچو کی صدائیں تھیں۔

قربانی اور سر منڈانا

پھر نبی اکرم ﷺ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور تریسٹھ (۶۳) اونٹ ذبح کیے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (چھری) دی اور انہوں نے باقی اونٹوں کو ذبح کیا اور آپ نے ان کو اپنی ہدی میں شریک کیا پھر حکم دیا کہ ہر اونٹ سے کچھ گوشت رکھا جائے' اسے ہنڈیا میں ڈال کر پکایا گیا تو دونوں (حضور ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) نے اس کے گوشت سے تناول فرمایا اور اس کا کچھ شوربا نوش فرمایا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۲۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے کی قربانی دی۔ (صحیح مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی آل کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔ (سنن ابوداؤد)

پھر نبی اکرم ﷺ منیٰ میں اپنی منزل میں تشریف لائے اور سر مونڈنے والے (حجام) سے فرمایا: بال اتار دو اور آپ نے اپنے دست مبارک سے دائیں اور بائیں جانب اشارہ کیا پھر وہ بال صحابہ کرام کو دینے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجام سے فرمایا ادھر سے اور ہاتھ سے دائیں جانب اشارہ فرمایا پس اپنے بال ان لوگوں میں تقسیم فرمائے جو قریب تھے پھر حجام کو بائیں جانب کی طرف اشارہ کیا اس نے (بال) مونڈے اور حضرت ام سلیم کو دے دیئے۔
(صحیح بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ دائیں طرف سے ابتدا کی اور صحابہ کرام کے درمیان ایک ایک اور دو دو بال تقسیم کر دیئے۔ پھر بائیں طرف کا حکم دیا تو اسی طرح کیا پھر فرمایا یہاں ابوطلحہ ہیں؟ پس ان کو عطا کیے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں پھر اونٹوں کی طرف تشریف لے گئے آپ نے ان کو ذبح کیا اور حجام بیٹھا ہوا تھا' آپ نے سر انور کی طرف اشارہ کیا تو اس نے دائیں طرف کے بال مونڈے آپ نے وہاں قریب موجود حضرات میں تقسیم کر دیئے پھر فرمایا دوسری طرف سے مونڈو پھر فرمایا ابوطلحہ کہاں ہیں؟ چنانچہ ان کو عطا فرمائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سر مونڈنے والے کو بلایا وہ آپ کے پاس استرا لے کر کھڑا تھا آپ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: اے معمر! اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے تجھے اپنے کانوں کی چربی پر قدرت دی اور تیرے ہاتھ میں استرا ہے' حضرت معمر کہتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ کی قسم! یا رسول اللہ بے شک اللہ تعالیٰ مجھ پر نعمت اور احسان سے ہے فرمایا ہاں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۰۰)

امام بخاری فرماتے ہیں لوگوں کا خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بال مبارک مونڈنے والے حضرت معمر بن عبداللہ

...سلمہ بن عوف تھے۔

ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں اسی طرح فرمایا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ناخن کاٹے اور لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیئے۔

(مسند احمد)

انہوں نے ہی حضرت محمد بن زیاد کی حدیث نقل کی ہے کہ ان کے والد نے ان سے بیان کیا کہ وہ قربان گاہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک قریش مرد بھی تھے اور نبی اکرم ﷺ قربانیوں کا گوشت تقسیم فرما رہے تھے تو ...اور ان کے ساتھی (دونوں) کو کچھ نہ ملا پس نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر مبارک ان کے کپڑے میں منڈوایا اور ان کو بال ...رک دیئے چنانچہ انہوں نے ان میں سے کچھ بال بعض لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور آپ نے اپنے ناخن کاٹے اور وہ ...ن کے (قریشی) ساتھی کو دے دیئے اور نبی اکرم ﷺ مہندی اور کتم کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے (کتم ایک بوٹی ہے ...س میں کچھ زردی ہوتی ہے اس کے پتوں کا خضاب لگایا جاتا ہے)۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۲)

اللہ! حلق کرنے والوں کو بخش دے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ. یا اللہ! سر منڈوانے والوں کو بخش دے۔

...صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور بال کٹوانے والوں کو بھی؟ آپ نے (پھر) دعا مانگی "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ" ...انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور بال کٹوانے والوں کو آپ نے پھر دعا مانگی "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ" انہوں نے ...عرض کیا اور بال کٹوانے والوں کو آپ نے فرمایا "وَلِلْمُقَصِّرِیْنَ" اور بال کٹوانے والوں کو بھی بخش دے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

اس میں متعین نہیں کہ آیا آپ نے یہ دعا صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مانگی یا حجۃ الوداع کے موقعہ پر؟

محدثین کرام فرماتے ہیں اس حدیث کے طرق میں وضاحت نہیں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات خود نبی اکرم ﷺ سے سنے ہوں اور کوئی ایسی بات واقع ہوتی تو ہم قطعی طور پر کہتے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر یہ دعا مانگی کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس موقعہ پر حاضر تھے اور حدیبیہ میں موجود نہیں تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابو قرہ نے "السنن" میں نقل کی ہے اور طبرانی نے "الاوسط میں" ذکر کی نیز حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابن اسحاق نے "المغازی میں" نقل کی ہے' اس میں حدیبیہ کی تعیین ہے۔

جبکہ ابو مریم السلولی کی روایت جو امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور "صحیح مسلم میں" ام الحصین کی روایت' قارب بن اسود ثقفی کی روایت جو امام احمد نے نقل کی اور ام عمارہ کی حدیث جو حارث کے نزدیک ہے' میں حجۃ الوداع کی تعیین ہے۔ اور جن احادیث میں حجۃ الوداع کی تعیین ہے ان کی تعداد زیادہ ہے اور وہ سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہیں۔

اسی لئے حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر' حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ام الحصین کی روایات کو نقل

کرنے کے بعد فرمایا یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہوا۔
وہ فرماتے ہیں یہی صحیح مشہور ہے اور کہا گیا ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔ امام الحرمین نے ''النہایہ میں'' قطعی طور پر فرمایا کہ یہ دعا حدیبیہ کے موقع پر مانگی تھی پھر امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات بعید از عقل نہیں ہے کہ دونوں جگہوں پر یہ واقعہ ہوا ہو۔

ابن دقیق العید نے اسی طرح فرمایا' (اور) یہی بات (عقل کے) زیادہ قریب ہے۔

''فتح الباری میں فرمایا'' بلکہ یہی بات متعین ہے کیونکہ دونوں جگہوں میں ہونے پر روایات ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں البتہ دونوں جگہ سبب مختلف ہے' حدیبیہ میں اس کا سبب صحابہ کرام کا احرام کھولنے سے توقف کرنا تھا جب وہ غمگین ہو گئے تھے کیونکہ ان کو بیت اللہ شریف تک پہنچنے سے روک دیا گیا تھا حالانکہ وہ ذاتی طور پر ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور قریش سے مصالحت کر لی کہ آئندہ سال آئیں گے پس جب آپ نے ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا تو انہوں نے توقف کیا اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اشارہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ خود ان سے پہلے احرام کھول دیں چنانچہ آپ نے ایسا کیا تو صحابہ کرام نے آپ کی اتباع کی پس بعض صحابہ کرام نے سر منڈوائے اور بعض نے بال کٹوائے تو جس نے منڈوانے کی طرف جلدی کی انہوں نے تعمیل حکم میں ان کے مقابلے میں زیادہ جلدی کی جنہوں نے کٹوانے پر اکتفاء کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ سبب واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ ''سنن ابن ماجہ وغیرہ میں'' اس حدیث کے آخر میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سر منڈوانے والوں کا کیا معاملہ ہے کہ آپ نے ان کے لئے رحمت کی دعا تکرار کے ساتھ فرمائی' فرمایا اس لئے کہ انہوں نے شکوہ نہیں کیا۔

اور حجۃ الوداع کے موقع پر سر منڈوانے والوں کے لئے تکرار کے ساتھ دعا مانگنے کے سبب کے بارے میں ابن اثیر نے ''النہایہ میں'' فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کرنے والوں میں سے اکثر حضرات نے ہدی نہیں چلائی تھی جب آپ نے ان کو حکم دیا کہ حج کو عمرہ میں بدل دیں پھر اس کے احرام سے نکل جائیں اور اپنے سروں کو منڈوالیں تو یہ بات ان پر گراں گزری اور جب فرمانبرداری کے بغیر چارۂ کار نہ تھا تو منڈوانے کے مقابلے بال کٹوانا زیادہ آسان ہوا تو ان میں سے اکثر نے اس طرح کیا اس پر نبی اکرم ﷺ نے منڈوانے والوں کو ترجیح دی کیونکہ تعمیل ارشاد میں یہ عمل زیادہ واضح تھا۔ یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمائی۔

لیکن ان کی بات محل نظر ہے اگرچہ متعدد حضرات نے ان کی اتباع کی ہے کیونکہ متمتع کے حق میں مستحب یہ ہے کہ عمرہ میں قصر کرے (بال کٹوائے) اور حج میں سر منڈوائے جب دونوں عبادتوں کے درمیان تھوڑا وقفہ ہو اور ان لوگوں کے حق میں بھی اسی طرح تھا لیکن سب سے بہتر بات وہ ہے جو خطابی وغیرہ نے کہی وہ یہ کہ عربوں کی عادت ہے کہ وہ بالوں کے زیادہ ہونے اور ان کے ساتھ زینت اختیار کرنے کو پسند کرتے ہیں اور ان میں منڈوانا بہت کم ہے اور بعض اوقات وہ اسے شہرت اور عجمی کے عمل سے سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے منڈوانا ناپسند کیا اور کٹوانے پر اکتفاء کیا۔

(فتح الباری رقم الحدیث: ۱۷۲۷)

سوالات

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں لوگوں کے لئے کھڑے ہوئے اور وہ آپ سے سوالات کرتے تھے پس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے معلوم نہ چلا اور میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا آپ نے فرمایا ذبح کرو اور کوئی حرج نہیں پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے معلوم نہ ہو سکا اور میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر دی آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں کنکریاں مارو۔ راوی فرماتے ہیں جس عمل کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا وہ مقدم کیا گیا یا مؤخر' آپ نے فرمایا (اب) کرلو کوئی حرج نہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۱۶' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۵۱' المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۵۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۸۹۲' ۱۲۶۶۲)

ایک روایت میں ہے (سوال کرنے والے نے کہا) میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے سر منڈوا لیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی سواری پر تھے کہ آپ نے وقوف فرمایا پس لوگوں نے آپ سے پوچھنا شروع کر دیا ان میں سے کوئی عرض کرتا یا رسول اللہ! مجھے معلوم نہ تھا کہ کنکریاں' قربانی سے پہلے ماری جاتی ہیں پس میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر دی' آپ نے فرمایا کنکریاں مارو کوئی حرج نہیں۔

راوی فرماتے ہیں میں نے نہیں سنا کہ اس دن آپ سے جس کام کے بارے میں پوچھا گیا کہ کسی نے بھول کر یا غلطی میں بعض کاموں کو دوسرے بعض اعمال سے مقدم کر دیا یا اس قسم کی کوئی بات ہوئی مگر آپ نے یہی فرمایا (اب) یہ کام کرلو کوئی حرج نہیں۔ (صحیح مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ قربانی کے دن ہمارے درمیان کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا خیال نہیں تھا کہ فلاں فلاں کام' فلاں فلاں کام سے پہلے ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا ہے' میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی دے دی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا ہے اور میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے ذبح کر لیا۔

قربانی کے دن اعمال کی ترتیب

یہ بات معروف ہے کہ ترتیب زیادہ بہتر ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ قربانی کے دن بالاتفاق چار عمل کیے جاتے ہیں' جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنا پھر قربانی کا جانور نحر یا ذبح کرنا پھر سر منڈوانا یا بال کٹوانا اور اس کے بعد طوافِ افاضہ اور اس کے ساتھ لیکن بعد میں سعی کرنا۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں پھر جانور ذبح کیا اور پھر حلق کرایا۔

اور علماء کرام کا اتفاق ہے کہ یہ ترتیب مطلوب ہے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ان میں سے بعض کو بعض پر مقدم کرنا جائز ہے البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ بعض جگہ دم واجب ہے۔

امام شافعی' جمہور سلف اور علماء وفقہاء حدیث کا مذہب یہ ہے کہ (تقدیم و تاخیر) جائز ہے اور دم واجب نہیں کیونکہ نبی

اکرم ﷺ نے سائل سے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں'' اور یہ بات گناہ اور فدیہ دونوں کے اٹھ جانے میں ظاہر ہے کیونکہ تنگی کا اسم دونوں کو شامل ہے (لہٰذا عدم حرج بھی دونوں کو شامل ہوگا)۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض اعمال کو دوسرے اعمال پر مقدم کرنے میں گنجائش ہے مگر اس بات کا احتمال ہے کہ ''لا حرج '' (کوئی حرج نہیں) سے مراد یہ ہو کہ اس عمل میں کوئی گناہ نہیں اور جو شخص بھول کر ایسا کرے یا لاعلم ہو اس کے لئے بات یہی ہے لیکن جو جان بوجھ کر کرے اس پر فدیہ لازم ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ فدیہ کا وجوب دلیل کا محتاج ہے اور اگر وجوب ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس وقت بیان فرماتے اور اس میں تاخیر واجب نہ ہوتی۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث کے الفاظ کہ (سائل نے کہا) ''مجھے پتہ نہ چلا'' اور ''صحیح مسلم میں'' یونس کی روایت ہے اور خود امام احمد نے صالح کی روایت نقل کی کہ میں نے 'اس نے نبی اکرم ﷺ سے نہیں سنا کہ کسی امر کے بارے میں آپ سے سوال کیا گیا جسے کسی نے بھول کر یا لاعلمی میں آگے پیچھے کر دیا۔ مگر آپ نے یہی فرمایا کہ تم کرو کوئی حرج نہیں' سے استدلال کیا کہ اس سے بھولنے والا یا لاعلم آدمی مراد ہے اس پر کوئی چیز لازم نہیں اور اگر وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے تو اس سے ملامت کی نفی نہیں۔

ابن دقیق نے کہا کہ جو کچھ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا وہ اس اعتبار سے قوی ہے کہ دلیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حج کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی اتباع واجب ہے کیوں کہ آپ نے فرمایا:

خذوا عني مناسككم. مجھ سے اپنے احکام حج (کی تعلیم) لے لو۔

اور یہ احادیث جن میں ان اعمال کو جن کے پیچھے ہونا چاہیے تھا' مقدم کرنے کی اجازت دی گئی ہے تو یہ پوچھنے والے کے قول ''لم اشعر '' (مجھے معلوم نہ تھا) کے ساتھ ملی ہوئی ہیں پس یہ حکم اس حالت کے ساتھ خاص ہے اور جان بوجھ کر ایسا کرنے والی حالت اصل پر باقی رہے گی یعنی حج میں اتباع واجب ہوگی۔

یوم نحر کا خطبہ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

بے شک زمانہ اس حالت پر آ چکا ہے جس پر اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا' سال بارہ مہینوں کا ہے ان میں سے چار عزت والے مہینے ہیں تین مسلسل ہیں ذی قعدہ' ذوالحجہ اور محرم اور (چوتھا) رجب مضر ہے جو جمادی (جمادی الاخریٰ) اور شعبان کے درمیان ہے۔

آپ نے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں آپ خاموش

[1] امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے استدلال کیا ہے' وہ فرماتے ہیں: جس نے اپنے اعمال حج میں سے کسی کو مقدم یا مؤخر کیا وہ اس کے لئے خون بہائے (جانور ذبح کرے) اور آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ''لاحرج '' والی حدیث روایت کی ہے یہ اس بات پر دلالت ہے کہ محض گناہ کی نفی ہے (دم لازم ہوگا)۔ (زرقانی ج۹ ص۲۰۰)

ہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس نام کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا نام بتائیں گے آپ نے پوچھا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں (یہ ذوالحجہ ہے) آپ نے پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کا دوسرا نام بتائیں گے جو اس (پہلے) نام کے علاوہ ہوگا آپ نے فرمایا کیا یہ بلد حرام (عزت والا شہر) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں یہی ہے' آپ نے فرمایا: یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کا کوئی دوسرا نام بتائیں گے آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم نحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں یہی ہے' آپ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی عزت تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینے میں ہے' عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے پس وہ تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ سنو! میرے بعد کافر اور گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض دوسرے بعض کی گردنیں ماریں' سنو! کیا میں نے (اپنے رب کا پیغام) پہنچا دیا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا یا اللہ! تو گواہ ہو جا پس چاہیے کہ موجود شخص غائب کو پہنچا دے پس کئی افراد جن تک بات پہنچائی جائے' سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۷۹)

''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو الوداع کہا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک ضعیف سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اس کا سبب یوں بیان فرمایا کہ ''اذا جاء نصر الله والفتح'' سورت' ایام تشریق کے دوران نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اور یہ معلوم ہے کہ یہ حجۃ الوداع کا موقع تھا آپ نے حکم دیا کہ آپ کی اونٹنی قصواء پر کجاوہ رکھا جائے جب وہ رکھا گیا تو آپ اس پر سوار ہوئے اور عقبہ میں ٹھہرے' لوگ آپ کے گرد جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا اے لوگو! (پھر پوری حدیث ذکر کی)۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ قربانی کے دن منیٰ میں خطبہ دینا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کی اتباع کرنے والوں کا یہی موقف ہے جب کہ مالکی اور حنفی حضرات نے اس سلسلے میں مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ حج کے خطبات صرف تین ہیں سات ذوالحجہ کو' نویں ذوالحجہ کے دن اور قربانی کے دوسرے دن منیٰ میں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے (تعداد میں) ان کی موافقت کی ہے لیکن قربانی کے دوسرے دن کی بجائے تیسرے دن کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ واپسی کا پہلا دن ہے اور چوتھے خطبہ کا اضافہ کیا جو قربانی کے دن ہے انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اس دن کے اعمال یعنی کنکریاں مارنے' ذبح کرنے' سر منڈوانے اور طواف کے مسائل جان سکیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ خطبہ حج کے متعلقات میں سے نہیں ہے کیونکہ اس میں حج کے امور میں سے کسی بات کا ذکر نہیں اس میں عام وصیتیں مذکور ہیں اور کسی سے منقول نہیں کہ آپ نے اس خطبہ میں کوئی ایسی بات بیان کی ہو جو یوم نحر سے متعلق ہو پس ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس خطبہ کا ارادہ حج کے حوالے سے نہیں تھا۔

ابن بطال نے کہا کہ آپ نے یہ خطبہ ان باتوں کی تبلیغ کے لئے ارشاد فرمایا جن کا آپ نے ذکر کیا کیونکہ دنیا بھر سے

آنے والے لوگوں کی وجہ سے بہت بڑا اجتماع تھا تو جس نے دیکھا اس نے خیال کیا کہ آپ نے خطبہ دیا ہے۔

ابن بطال فرماتے ہیں جو کچھ امام شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ لوگوں کو حاجت تھی کہ ان کو احرام سے نکلنے کے مذکورہ اسباب کی تعلیم دی جائے تو یہ بات متعین نہیں ہے کیونکہ امام کے لئے ممکن ہے وہ ان کو عرفہ (نو ذوالحجہ) کے دن ان باتوں کی تعلیم دے دے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس مذکورہ خطبہ میں یوم نحر کی تعظیم' ذوالحجہ کی تعظیم اور بلد حرام کی تعظیم سے آگاہ کیا اور مذکورہ بالا صحابہ کرام نے اس کا نام خطبہ رکھا لہٰذا دوسرے لوگوں کی تاویل کی طرف توجہ نہ کی جائے اور یہ جو ذکر کیا کہ عرفہ کے دن بھی ان کی تعلیم دی جاسکتی ہے تو قربانی کے دوسرے دن خطبہ کی مشروعیت اس کے خلاف جاتی ہے کیونکہ عرفہ کے دن ان امور کی تعلیم دی جاسکتی تھی (جو دوسرے دن کے خطبہ میں بیان کئے) بلکہ ممکن ہے کہ آٹھویں ذوالحجہ کو حج کے تمام اعمال سکھا دیئے جائیں۔ لیکن جب ہر دن کے اعمال دوسرے دن کے اعمال سے الگ ہیں تو اسباب کی تجدید کی وجہ سے نئے سرے سے تعلیم دینا جائز ہوا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ یہ بات منقول نہیں ہے کہ آپ نے ان کو احرام سے نکلنے کے اسباب کی تعلیم دی تو یہ اس بات کے وقوع یا نفس الامر میں کسی چیز کے پائے جانے کی نفی نہیں کرتا بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے کہ وہ یوم نحر کے خطبہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اس میں بعض اعمال حج کو بعض پر مقدم کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام طحاوی رحمہ اللہ کے لئے اس کی مطلق نفی کیسے جائز ہوگی؟

امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی سے روایت کیا' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور ہم منیٰ میں تھے تو ہمارے کان کھول دیئے گئے حتیٰ کہ ہم آپ کی بات سنتے تھے اور ہم اپنی منازل میں تھے' آپ لوگوں کو ان کے مناسک حج کی تعلیم دینے لگے حتیٰ کہ کنکریاں مارنے کے ذکر تک پہنچے تو آپ نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو رکھا پھر ٹھیکری کی کنکری کا حکم دیا (یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت پر رکھ کر ماری جائے) پھر مہاجرین کو حکم دیا تو وہ مسجد کے اگلے حصے میں اترے اور انصار کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے پیچھے اتریں۔ راوی فرماتے ہیں: پھر اس کے بعد لوگ اترے۔

ایک روایت میں حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں خطبہ ارشاد فرمایا اور ان کو اپنی اپنی منازل میں اترنے کا حکم دیا پس آپ نے فرمایا کہ مہاجرین یہاں اتریں اور قبلہ کی دائیں جانب اشارہ کیا اور انصار یہاں اتریں اور قبلہ کی بائیں جانب اشارہ کیا پھر فرمایا کہ (دوسرے) لوگ ان کے گرد اتریں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۵۱' مسند احمد ج ۴ ص ۶۱۔ ج ۵ ص ۳۷۴' السنن الکبریٰ ج ۵ ج ۱۳۸)

حضرت ابن ابی نجیح اپنے والد سے اور وہ بنو بکر کے دو آدمیوں سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں فرماتے ہیں: کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایام تشریق کے درمیانے دن خطبہ دے رہے تھے اور ہم آپ کی سواری کے پاس تھے اور یہ نبی اکرم ﷺ کا وہی خطبہ ہے جو آپ نے منیٰ میں دیا تھا۔

حضرت رافع بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ

میں اس وقت لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے جب چاشت کے وقت سورج بلند ہو گیا اور آپ شہباء خچر پر سوار تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کی طرف سے آگے پہنچا رہے تھے کچھ لوگ کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن بن حصن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے میری دادی سراء بنت نبہان نے بیان کیا اور وہ دورِ جاہلیت میں عمر رسیدہ تھیں وہ فرماتی ہیں آپ نے گیارہ شعبان کو خطبہ دیا[1] پس فرمایا یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا کیا یہ ایام تشریق میں سے درمیانہ دن نہیں ہے؟ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایام تشریق میں سے درمیان والے دن خطبہ ارشاد فرمایا۔

طوافِ افاضہ

پھر نبی اکرم ﷺ ظہر سے پہلے سوار ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف لوٹے اور طوافِ افاضہ کیا اور اسے طواف زیارت' طواف رکن اور طوف صدر بھی کہتے ہیں۔

''صحیح بخاری میں ہے'' ابوحسان سے ذکر کیا جاتا ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ منیٰ کے دنوں میں بیت اللہ شریف کی زیارت کرتے تھے۔

امام طبرانی نے حضرت قتادہ کی سند سے ان سے متصل حدیث کے طور پر نقل کیا۔ ابن مدینی نے ''العلل'' میں کہا کہ حضرت قتادہ نے ایک غریب حدیث روایت کی جو ہمیں حضرت قتادہ کے اصحاب (شاگردوں) سے محفوظ نہیں البتہ ہشام کی حدیث سے معلوم ہے پس میں نے اسے ان کے بیٹے معاذ بن ہشام کی کتاب سے لکھا لیکن ان سے سنا نہیں وہ اپنے والد (ہشام) کے واسطے سے حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں (وہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے دادا نے بیان کیا حضرت قتادہ کہتے ہیں) مجھ سے ابوحسان نے بیان کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ منیٰ میں قیام کے دوران ہر رات بیت اللہ شریف کی زیارت کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ زمزم کے پاس تشریف لائے اور بنوعبدالمطلب وہاں پانی پلا رہے تھے آپ نے فرمایا پانی نکالو اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ لوگ پانی پلانے کے تمہارے حق پر غالب آجائیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ نکالتا پس انہوں نے آپ کو ایک ڈول پیش کیا تو آپ نے اس سے نوش فرمایا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۷۴' مسند احمد ج ۱ ص ۷۶' سنن دارمی ج ۲ ص ۹۸۰' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۵۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۵۱۲' الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۲۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۷۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اسے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عکرمہ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ اس دن آپ اونٹ پر نہیں تھے لیکن انہوں نے حجۃ الوداع یا کسی دوسرے حج کا تعین نہیں کیا' تعین حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو امام مسلم نے نقل کی ہے۔

یوم نحر میں ظہر کی نماز کی جگہ

اسی سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس دن ظہر کی نماز کہاں پڑھی تھی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی

[1] گیارہ شعبان کو یوم الرؤس کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ دس ذوالحجہ کو جانور ذبح کرتے اور اسی شام جانور کے سروں کو پکا کر گیارہ ذوالحجہ کو کھاتے تھے۔

روایت میں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا' یہ ہے کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں نماز پڑھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ قربانی کے دن طوافِ افاضہ کے بعد واپس تشریف لے گئے اور نمازِ ظہر منیٰ میں ادا فرمائی۔

ابن حزم نے اپنی کتاب ''حجۃ الوداع'' میں حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دی ہے اور اس سلسلے میں ایک جماعت نے ان کی اتباع کی ہے کیونکہ وہ دو ہیں اور ایک کے مقابلے میں دو کو ترجیح ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ خصوصیت حاصل ہے کیونکہ آپ کو جو قرب واختصاص ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں۔

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کو اول سے آخر تک کامل طور پر بیان کیا اور آپ کو یہ واقعہ زیادہ یاد اور محفوظ تھا حتیٰ کہ اس کی جزئیات بھی یاد تھیں حتیٰ کہ اس سلسلے میں ان باتوں کو بھی برقرار رکھا جو احکام حج سے متعلق نہیں ہیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کا راستے میں اتر کر پیشاب کرنا اور اس کے بعد ہلکا سا وضو کرنا ہے پس جس شخص کو اس قدر باتیں یاد ہوں اس کو آپ کی نماز ظہر کی جگہ کا یاد ہونا زیادہ مناسب ہے۔

نیز حجۃ الوداع ''آزاذ'' (مہینے میں) واقع ہوا اور اس میں رات اور دن برابر ہوتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ تشریف لائے اور وہاں لوگوں کو خطبہ دیا اور اونٹ ذبح کر کے اس کو تقسیم کیا اور آپ کے لئے اس کے گوشت سے پکایا گیا جسے آپ نے تناول فرمایا' جمرہ کو کنکریاں بھی ماریں' سر انور کا حلق کروایا اور خوشبو لگائی پھر مکہ مکرمہ تشریف لائے' طواف کیا اور آب زمزم سے نوش فرمایا وہاں ان لوگوں (بنو عبد المطلب) کے پاس کھڑے ہوئے جو پانی پلا رہے تھے اور ان اعمال سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اتنی مقدار میں مکمل نہیں ہوئے کہ (ان کے بعد) منیٰ کی طرف رجوع کیا جائے؟ اور ''موسم آزاذ'' میں وہاں ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

(نوٹ: آزاذ رومیوں کا چھٹا مہینہ ہے (قاموس) اس میں دن اور رات برابر ہوتے ہیں)۔

دوسرے گروہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دی ہے کہ آپ ﷺ سے یہ بات محفوظ نہیں کہ آپ نے فرض نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی ہو بلکہ آپ جتنی دیر وہاں (منیٰ) میں رہے اپنی منزل میں صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھی نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر اتفاق ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کے راوی زیادہ یاد رکھنے والے اور زیادہ مشہور ہیں نیز نبی اکرم ﷺ کے طواف کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اضطراب ہے ان سے مروی ہے کہ آپ نے دن کے وقت طواف کیا اور ان ہی سے ایک روایت میں ہے کہ طواف کا آخری حصہ رات میں ہوا نیز ان ہی سے مروی ہے کہ آپ نے دن کے آخر میں طوافِ افاضہ کیا پس طوافِ افاضہ کا وقت محفوظ ہے' نماز کی جگہ محفوظ نہیں۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کسی اختلاف کے بغیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث محمد بن اسحاق کی روایت سے ہے اور وہ عبد الرحمٰن بن قاسم سے روایت کرتے ہیں اور ابن اسحاق سے استدلال کے سلسلے میں اختلاف ہے انہوں نے سماع کی وضاحت نہیں کی بلکہ لفظ ''عن'' کے ساتھ بیان کیا لہٰذا یہ حدیث حضرت

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مقدم نہیں ہوگی۔

جمرات کو کنکریاں مارنا

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ منیٰ کی طرف تشریف لائے اور ایام تشریق کی راتیں وہاں گزاریں جب سورج ڈھل جاتا تو کنکریاں مارتے ہر جمرہ (ستون) کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ "اللہ اکبر" کہتے۔

پہلے اور دوسرے جمرہ کے پاس ٹھہرتے اور طویل قیام کر کے گڑگڑاتے اور تیسرے جمرہ کو کنکریاں مارنے کے بعد نہ ٹھہرتے۔ اس روایت کو امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب جمرات کو کنکریاں مارتے تو جاتے اور لوٹتے وقت پیدل چلتے تھے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ (مسجد خیف کے) قریب والے جمرہ کو اور درمیانے جمرہ کو کنکریاں مارتے وقت قبلہ رخ تھے اور جمرۂ عقبہ کو وادی کے نیچے سے کنکریاں ماریں۔

منیٰ میں رات گزارنا اور وہاں سے کوچ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ پانی پلانے کی وجہ سے منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں گزاریں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا اور اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں گزارنے کی اجازت اس لئے دی کہ انہوں نے پانی پلانا تھا۔

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ منیٰ میں رات گزارنا واجب ہے اور یہ مناسکِ حج میں سے ہے کیونکہ رخصت (اجازت) سے تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے مقابلے میں عزیمت ہے اور اس علت (پانی پلانے) کی وجہ سے اجازت عطا فرمائی اور جب علت یا جو اس کے معنیٰ میں ہو نہ پائی جائے تو اجازت نہیں ہوگی۔

جمہور نے وجوب کا قول کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق سنت ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے اور احناف کا بھی یہی مذہب ہے اس کے چھوڑنے پر دم (قربانی) کا لازم ہونا بھی اسی اختلاف پر مبنیٰ ہے (یعنی جن کے نزدیک واجب ہے ان کے نزدیک دم لازم ہوگا اور جن کے نزدیک سنت ہے ان کے نزدیک دم لازم نہیں ہوتا)۔

اور رات گزارنے کا مطلب رات کا زیادہ حصہ وہاں ٹھہرنا ہے اور کیا اجازت پانی پلانے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے؟ تو صحیح یہ ہے کہ اس میں عموم ہے اور اس میں علت پینے والوں کو پانی مہیا کرنا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کے ساتھ اس شخص کو بھی ملایا جس کے پاس مال ہو اور ضائع ہونے کا خوف ہو یا کسی کام کے فوت ہونے کا ڈر ہو یا مریض کی دیکھ بھال کرنا ہو (وہ لوگ بھی پانی پلانے والے کی طرح ہیں) جس طرح جمہور نے خاص طور پر چرواہوں کو اس کے ساتھ ملایا اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

مالکی حضرات کہتے ہیں کہ جو شخص کسی عذر کے بغیر منیٰ میں رات گزارنا ترک کرے اس پر ہر رات کے بدلے دم واجب ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ ایام تشریق کی رمی مکمل کرنے کے بعد منگل کے دن واپس ہوئے اور آپ نے صرف دو دن کنکریاں مارتے ہوئے جلدی نہیں کی (بلکہ تین دن پورے کئے) آپ اکیلے وادی محصب کی طرف آئے اور یہ وادی ابطح (بطحاء) ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان قبرستان تک ہے اور یہ بنو کنانہ کا مقام ہے۔

آپ نے وہاں حضرت ابو رافع کو پایا جنہوں نے خیمہ لگا رکھا تھا اور وہ سامان کی حفاظت پر مامور تھے۔ حضرت ابو رافع فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب منیٰ سے نکلے تو مجھے ابطح میں اترنے کا حکم نہیں دیا لیکن میں وہاں آیا اور خیمہ لگایا پس آپ تشریف لائے اور وہاں اترے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۳)

''صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کوچ کرنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز ابطح میں ادا کی۔

ان دونوں کتب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوم نحر کے دوسرے دن جب آپ منیٰ میں تھے یا فرمایا کل ہم خیف بنی کنانہ میں اترنے والے ہیں جہاں ان لوگوں نے کفر پر ایک دوسرے کو قسمیں دیں اس لئے وادیٔ محصب مراد ہے کہ قریش اور کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف معاہدہ کیا کہ نہ تو ان سے نکاح کریں گے اور نہ ہی ان سے خرید و فروخت کریں گے حتیٰ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تحصیب (وادیٔ محصب میں اترنا) کوئی عمل نہیں بلکہ یہ ایک جگہ ہے جہاں حضور ﷺ اترے تھے یعنی محصب میں اترنا حج کا لازمی عمل نہیں لیکن جب نبی اکرم ﷺ وہاں اترے تو وہاں اترنا مستحب ہے تاکہ آپ کی اتباع ہو کیونکہ آپ نے حضرت ابو رافع کو وہاں ٹھہرایا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اسی طرح کیا جیسا کہ ''صحیح مسلم میں'' ہے۔

طوافِ وداع

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی پھر وادیٔ محصب میں کچھ دیر آرام فرمایا۔ پھر سوار ہو کر بیت اللہ شریف تشریف لے گئے اور اس کا طواف کیا۔

یہ طوافِ وداع ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں یہ واجب ہے اور اس کو چھوڑنے سے دم لازم آتا ہے یہ صحیح قول ہے اور اکثر علماء کا یہی قول ہے (احناف کے نزدیک بھی طواف وداع واجب ہے۔ ۱۲ ہزاروی) امام مالک اور داؤد (ظاہری) کے نزدیک سنت ہے اس کے چھوڑنے پر کچھ بھی لازم نہیں آتا۔

اگر کسی خاتون کو طوافِ افاضہ کرنے کے بعد حیض آ جائے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اس پر طواف وداع لازم ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے اجازت دیتے ہیں کہ اگر اس نے طوافِ افاضہ کر لیا ہو تو جا سکتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۶۰)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما شروع شروع میں فرماتے تھے: کہ وہ واپس نہیں جا سکتی پھر آخر میں فرمایا کہ نبی اکرم

ﷺ نے ان عورتوں کو اجازت دے دی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا' نبی اکرم ﷺ کو بتایا گیا تو فرمایا کیا وہ ہمیں روکنے والی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں تو آپ نے فرمایا اب نہیں (روکے گی)۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۴۳' مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۲۔۲۰۷' السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۶۲' شرح السنہ ج ۷ ص ۲۴۳)

''کیا ہمیں روکنے والی ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ کیا وہ ہمیں مکہ مکرمہ سے اس وقت جانے سے روکیں گی جس وقت جانے کا ہم نے ارادہ کیا ہے' نبی اکرم ﷺ کا خیال یہ تھا کہ انہوں نے طواف افاضہ نہیں کیا ہے آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ آپ ان کو چھوڑ کر (مدینہ طیبہ) نہیں جا سکتے تھے اور اپنے ساتھ جانے کا حکم بھی نہیں دے سکتے تھے جب تک ان کا احرام باقی ہو پس آپ کو ان کے پاک ہو کر طواف کرنے اور دوسری حلت کے ساتھ حلال ہونے تک' ٹھہرنے کی ضرورت ہوتی۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا' نبی اکرم ﷺ نے ان سے اس بات کا ارادہ فرمایا جو مرد اپنی بیوی سے چاہتا ہے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) تو میں نے عرض کیا کہ وہ حائضہ ہیں آپ نے فرمایا تو کیا وہ ہمیں روکنے والی ہیں؟

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کو علم تھا کہ وہ طوافِ افاضہ کر چکی ہیں تو آپ نے کیسے فرمایا کہ کیا وہ ہمیں روکنے والی ہیں؟ اور اگر آپ کو علم نہ تھا تو دوسری حلت سے پہلے جماع کا ارادہ کیسے فرمایا؟

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عمل کا ارادہ اس کے بعد فرمایا جب آپ کی ازواج مطہرات نے طوافِ افاضہ کی اجازت مانگی اور آپ نے ان کو اجازت دے دی تو اس کی بنیاد یہ تھی کہ اب ان کا قرب جائز ہے جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ حیض سے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ یہ بات (حیض کا آنا) اس سے پہلے واقع ہوا ہو حتیٰ کہ اس نے ان کو طوافِ افاضہ سے روک دیا تو آپ نے اس کے بارے میں پوچھا اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے ان کے ساتھ طواف کیا ہے تو آپ کو جس بات کا خوف تھا وہ زائل ہو گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمرہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگ حج اور عمرہ کے ساتھ جا رہے ہیں اور میں صرف حج کے ساتھ جا رہی ہوں تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ وہ ان کو لے کر تنعیم کی طرف جائیں پس انہوں نے حج کے بعد عمرہ کیا۔

''صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے تمام مقامات پر وقوف کیا حتیٰ کہ جب (حیض سے) پاک ہو گئیں تو کعبہ شریف اور صفا و مروہ کا چکر لگایا پھر ان سے فرمایا یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اپنے حج اور عمرہ دونوں کے احرام سے نکل گئی ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دل میں ایک خلش ہے کہ میں نے حج کے وقت خانہ کعبہ کا طواف

[1] جب دس ذوالحجہ کو احرام کھول دیا جائے تو جماع کے علاوہ باقی تمام ممنوعات جائز ہو جاتے ہیں یہ پہلی حلت ہے لیکن جماع اس وقت جائز ہوتا ہے جب طوافِ افاضہ کر لیا جائے اور یہ دوسری حلت ہے۔ ۱۲ ہزاروی

نہیں کیا تو آپ نے فرمایا اے عبد الرحمٰن! ان کو لے کر جاؤ اور تنعیم سے (احرام بندھوا کر) عمرہ کراؤ اور اس رات آپ وادیٔ محصب میں ٹھہرے تھے۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ حسن اخلاق کے مالک نرم مزاج تھے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی چیز کو پسند کرتیں تو آپ ان کی موافقت کرتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قران کی نیت کی تھی کیونکہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا پس ان کو حیض آ گیا تو آپ نے ان کو حکم دیا چنانچہ انہوں نے اس پر حج کو داخل کر دیا اور قران والی ہوگئیں' نبی اکرم ﷺ نے ان کو بتایا کہ ان کا بیت اللہ شریف اور صفا و مروہ کا طواف (اور سعی) حج اور عمرہ دونوں کی طرف سے ہے۔

اس سے ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کے ساتھی (ازواج مطہرات) مستقل حج اور عمرہ کے ساتھ جا رہی ہیں کیونکہ انہوں نے تمتع کیا تھا اور ان کو نہ تو حیض آیا اور نہ انہوں نے قران کیا اور آپ ایسے عمرہ کے ساتھ جا رہی ہیں جو حج کے ضمن میں ہے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے بھائی کو حکم دیا کہ وہ ان کو تنعیم سے عمرہ کرائیں اور آپ نے ان کی دلجوئی کے لئے ایسا کیا۔

مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

پھر نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کی طرف واپس ہوتے ہوئے کوچ کیا پس آپ کدیٰ سے نکلے (لفظ کدیٰ) میں کاف پر پیش اور الف مقصورہ ہے (کھڑی زبر ہے) اور یہ بات شبیکہ کے پاس ہے جو قعیقان کے کنارے شامیوں کی گھاٹی کے قریب ہے۔ [1]

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف راستے کیوں اختیار کئے؟ تو کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر راستے والے آپ سے برکت حاصل کریں ایک قول یہ ہے کہ اس سلسلے میں حکمت یہ تھی کہ بلندی کی جہت سے داخل ہونے میں مناسبت ہو کیونکہ اس میں مکان کی تعظیم ہے اور اس کے برعکس کرنے میں جدائی کی طرف اشارہ تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب داخل ہوئے تو یہاں سے ہی داخل ہوئے (اوپر کی جانب کدیٰ سے داخل ہوئے) اور اس کے علاوہ قول بھی ہے۔ [2]

''صحیح مسلم'' وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مقام روحاء میں کچھ سواروں کو پایا تو فرمایا کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم مسلمان ہیں۔

تو ایک عورت نے اپنا بچہ جو پالکی میں تھا آپ کی طرف اٹھایا اور پوچھا یا رسول اللہ! کیا اس کے لئے حج ہے؟ فرمایا ہاں اور تیرے لئے ثواب ہے' نبی اکرم ﷺ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو وہاں رات گزاری بعض حضرات فرماتے ہیں آپ وہاں قصداً نہیں اترتے تھے بلکہ اتفاقاً ایسا ہوا قاضی اسماعیل نے اپنے احکام میں حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ سے یہ

---

[1] قعیقان معروف پہاڑ ہے' ساتویں ہجری میں وہاں دروازہ دیکھا جاتا تھا یہ دروازہ بنایا گیا تھا جہاں سے اہل یمن داخل ہوتے تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۱۲)

[2] مثلاً یہ کہ نبی اکرم ﷺ ہجرت کے وقت خفیہ طور پر تشریف لے گئے تھے اور اب ارادہ فرمایا کہ ظاہری طور پر داخل ہوں۔ (ایضاً ص ۲۱۳)

بات نقل کی اور اس پر اعتراض بھی ہوا اور صحیح یہ ہے کہ آپ نے ارادہ فرمایا تھا تا کہ رات کے وقت مدینہ طیبہ میں داخل ہوں۔

جب آپ نے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو تین بار "اللہ اکبر" کہا اور یہ کلمات پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ آيِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہی لائق حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' ہم لوٹنے والے' توبہ کرنے والے' عبادت کرنے والے' سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا کئی جماعتوں کو شکست دی۔

پھر آپ دن کے وقت مدینہ طیبہ میں معرس کے راستے سے داخل ہوتے' معرس میں راء مشدد ہے اور یہ معروف جگہ ہے تو معرس اور شجرہ جہاں نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے رات گزاری مدینہ طیبہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے عمرے

عمرہ لغت میں زیارت کو کہتے ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے مذہب میں عمرہ حج کی طرح واجب ہے' مالکی حضرات سے مشہور یہ ہے کہ یہ نفل ہے اور احناف کا بھی یہی قول ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں "صحیح بخاری و مسلم' سنن ترمذی اور ابوداؤد میں" حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے کتنے حج کئے؟ انہوں نے فرمایا ایک حج اور چار عمرے کئے' ایک عمرہ ذی قعدہ میں' دوسرا عمرۂ حدیبیہ ہے' تیسرا عمرہ حج کے ساتھ اور چوتھا عمرہ جعرانہ سے کیا جب غزوۂ حنین کا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ یہ ترمذی کے الفاظ ہیں اور وہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صحیحین کی روایت میں ہے کہ آپ نے چار عمرے کئے اور یہ سب ذی قعدہ میں کئے سوائے اس کے جو حج کے ساتھ کیا' عمرۂ حدیبیہ یا حدیبیہ کے زمانے کا عمرہ ذی قعدہ میں کیا اور دوسرے سال بھی ذی قعدہ میں کیا اور جعرانہ سے ذی قعدہ میں کیا جب حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا اور ایک عمرہ حج کے ساتھ کیا۔

حضرت محرش کعبی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک رات عمرہ کی نیت سے جعرانہ سے نکلے تو رات کے وقت ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے' عمرہ کیا اور راتوں رات وہاں سے چلے اور صبح کے وقت جعرانہ میں وہاں رات گزارنے والے کی طرح موجود تھے جب دوسرے دن سورج ڈھل گیا تو وادیٔ سرف کے بطن سے نکلے حتیٰ کہ وادیٔ سرف کے راستے "طریق جمع" میں آئے اسی لئے ان کا عمرہ لوگوں سے پوشیدہ رہا۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ (سنن ترمذی ج ۶ ص ۴۹ رقم الترجمہ: ۷۷۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے حج سے پہلے عمرہ کیا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے ساتھ ٹیک لگا رکھی تھی اور ہم آپ کی مسواک کرنے کی آواز سن رہے تھے میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے) کیا نبی اکرم ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا؟ میں نے کہا ہاں پس میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا اے ماں! کیا آپ حضرت ابوعبدالرحمٰن کی بات نہیں سنتیں؟ انہوں نے فرمایا وہ کیا کہتے ہیں میں نے کہا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت ابوعبدالرحمٰن کی مغفرت فرمائے مجھے اپنی عمر کی قسم! آپ نے رجب میں عمرہ نہیں کیا آپ نے جو بھی عمرہ کیا میں آپ کے ساتھ تھی۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ بات سن رہے تھے تو انہوں نے نہ تو نہ کہا اور نہ ہی ہاں بلکہ خاموش رہے یہ الفاظ ''صحیح مسلم'' کے ہیں۔

امام ابوداؤد کی روایت میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے دو عمرے ذی قعدہ میں اور ایک عمرہ شوال میں کیا۔

انہی کی ایک روایت حضرت مجاہد سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں فرمایا ''دو عمرے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک یہ بات پہنچی تو فرمایا انہیں معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عمرے کے علاوہ جسے حجۃ الوداع کے ساتھ ملایا' تین عمرے (مزید) کئے۔

نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کونسا احرام باندھا؟ اس سلسلے میں اختلاف اور روایات کی تطبیق اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مشہور یہ ہے کہ آپ نے حج افراد کیا اور ان کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے قران کیا اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس بات کا انکار کیا کہ نبی اکرم ﷺ قارن تھے حالانکہ ان کی یہ حدیث جو ابھی گزری ہے وہ آپ کے قارن ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ بات منقول نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے ساتھ عمرہ کیا اور آپ متمتع نہ تھے کیونکہ آپ نے ہدی لے جانے کی وجہ سے اس سے عذر پیش کیا۔

ان میں سے بعض حضرات کو حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کے اس قول کی تاویل کی حاجت پیش آئی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی طرف چوتھے عمرہ کی نسبت اس اعتبار سے ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو اس کا حکم دیا اور آپ کے ساتھ یہ عمل ہوا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے خود عمرہ فرمایا۔

لیکن جب تم نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کے سلسلے میں ائمہ کے اقوال میں غور کرو گے کہ ان کو کس طرح جمع کیا گیا؟ تو اس کمزور تاویل کی ضرورت محسوس نہیں کرو گے بعض محققین علماء نے فرمایا کہ عمرۂ حدیبیہ جس سے آپ کو روکا گیا تھا اسے عمرہ شمار کرنے کے سلسلے میں کوئی دلیل نہیں کہ اسے مکمل عمرہ سمجھا جائے اور اس میں جمہور کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ جسے بیت اللہ شریف سے روکا جائے اس پر قضاء واجب نہیں لیکن احناف کا اس میں اختلاف ہے (ان کے نزدیک

واجب ہے) اگر عمرۂ قضا' عمرۂ حدیبیہ کا بدل ہوتا تو دونوں ایک ہوتے اور اسے عمرۂ قضیہ یا عمرۂ قضا اس لئے کہا گیا کہ اس میں نبی اکرم ﷺ نے قریش سے معاہدہ کیا یہ مطلب نہیں کہ یہ اس عمرہ کی قضا تھی جس سے آپ کو روکا گیا کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو یہ ایک ہی عمرہ ہوتا۔

ابوداؤد کی حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے شوال میں عمرہ کیا اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو شاید اس سے عمرۂ جعرانہ مراد ہے جب آپ شوال میں تشریف لے گئے اور ذی قعدہ میں احرام باندھا۔

ابن قیم نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان کے مہینے میں عمرہ فرمایا ہاں دارقطنی نے حضرت علاء بن زہیر کے طریق سے حضرت عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید سے روایت کیا وہ اپنے والد کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں' ام المومنین فرماتی ہیں: میں رمضان کے عمرہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ گئی تھی پس آپ نے روزہ نہ رکھا اور میں نے رکھا آپ نے قصر نماز پڑھی جب کہ میں نے پوری نماز پڑھی۔ دارقطنی فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔

لیکن اسے اس بات پر محمول کرنا ممکن ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ رمضان میں عمرہ کے لئے حضور ﷺ کے ساتھ گئی تو رمضان کا تعلق جانے سے ہو (عمرہ سے نہ ہو) اور اس سے فتح مکہ کا سفر مراد ہو کیونکہ وہ رمضان میں ہوا اور اسی سال نبی اکرم ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ کیا لیکن وہ ذیقعدہ میں تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ابن قیم نے "الہدی النبوی میں" یہ بھی کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا کوئی عمرہ بھی مکہ مکرمہ کے باہر سے نہ تھا جس طرح آج کل بہت سے لوگ کرتے ہیں آپ کے تمام عمرے مکہ مکرمہ کے اندر سے تھے اور آپ وحی کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال رہے اور کسی سے بھی یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے اس مدت میں مکہ مکرمہ کے باہر سے عمرہ کیا ہو پس وہ عمرہ جو آپ نے کیا اور اسے جائز قرار دیا تو وہ اس آدمی کا عمرہ ہے جو اس شہر میں ہو اس کا نہیں جو وہاں موجود ہو پھر وہاں سے حرم کی حدود سے باہر جائے تا کہ عمرہ کرے' نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے اس طرح نہیں کیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح کیا اور آپ کے حکم سے کیا تو یہ اس کے جواز پر دلالت ہے۔

فاکہی وغیرہ نے محمد بن سیرین کے طریق سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ والوں کے لئے تنعیم کو مقرر فرمایا (کہ وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ کریں)۔

حضرت عطاء کے طریق سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ جو شخص عمرہ کا ارادہ کرے چاہے وہ مکی ہو یا کوئی دوسرا وہ تنعیم یا جعرانہ کی طرف جائے اور وہاں سے احرام باندھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ عمرہ کا میقات حل (حرم سے باہر کا علاقہ) ہے اور اس سلسلے میں تنعیم وغیرہ برابر ہیں۔ واللہ اعلم

نویں نوع

اس نوع میں نبی اکرم ﷺ کی عبادت میں سے کچھ دعاؤں‘ اذکار اور قرأت کا ذکر ہے

فضیلتِ دعا

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ کیا دعا مانگنا افضل ہے یا اسے چھوڑنا اور قضا وقدر کے سپرد کر دینا (افضل ہے)؟
تو جمہور کہتے ہیں دعا افضل ہے اور وہ سب سے عظیم عبادت ہے اس کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث سے ہوتی ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے (حضور ﷺ نے فرمایا):

الدعاء مخ العبادة. دعا‘ عبادت کا مغز ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۱‘ اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۲۸۴۔ ج ۵ ص ۲۹‘ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۳۱‘ کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۸۵‘ المغنی ج ۱ ص ۳۰۶‘ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۱۴)

اور نبی اکرم ﷺ سے تواتر کے ساتھ احادیث مروی ہیں جن میں دعا کی ترغیب دی گئی اور اس پر ابھارا گیا ہے۔
امام ترمذی نے حدیث نقل کی اور ابن حبان اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من لم یسال اللہ یغضب علیه. جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرماتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳‘ اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۳۰‘ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۳۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے قبولیت کی فکر نہیں ہوتی بلکہ میں دعا کی فکر کرتا ہوں پس جب میں دعا کو پورا کرتا ہوں تو جان جاتا ہوں کہ قبولیت اس کے ساتھ ہے۔
اسی سلسلے میں کسی شاعر نے کہا:

لو لم ترد نیل ما ارجو واملہ — من جود کفک ما عودتنی الطلبا

’’جس چیز کی میں امید رکھتا ہوں اگر اس کو تیرے سخاوت والے ہاتھ سے پانے کا ارادہ نہ کیا تو دوبارہ طلب نہیں کروں گا‘‘۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے سامنے بندوں کی عاجزی اور بچھ جانے اور ان کے سوال اور طلب حاجات نیز اسی سے اس کے شکوہ‘ اس کے عذاب سے اس کی پناہ مانگنے اور اس (کے عذاب) سے اسی طرح بھاگنے کو پسند کرتا ہے۔
جیسا کہ کہا گیا:

قالوا اتشکو الیه — ما لیس یخفی علیه
فقلت ربی یرضی — ذل العبد لدیه

''انہوں نے کہا کہ تو اس سے اس چیز کی شکایت کرتا ہے جو اس پر پوشیدہ نہیں تو میں نے کہا میرا رب اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا جائے''۔

ایک گروہ نے کہا کہ دعا کو چھوڑ دینا اور اپنے آپ کو قضائے خداوندی کے سپرد کر دینا افضل ہے انہوں نے اس آیت کریمہ ''وقال ربکم ادعونی استجب لکم. (الغافر:٦٠) اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں تمہارے لئے قبول کروں گا'' کا جواب یوں دیا ہے کہ اس کا آخری حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس دعا سے عبادت مراد ہے۔[1]

شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بہتر یہ ہے کہ آیت میں دعا کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے قول ''عن عبادتی'' کا تعلق ہے تو اس میں ربط و تعلق کی وجہ یہ ہے کہ دعا بہت خاص عبادت ہے پس جس نے عبادت سے تکبر کیا اس نے دعا سے تکبر کیا اس بنیاد پر سزا کا ذکر تکبر کے طور پر دعا کو چھوڑنے کے حق میں ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے کفر کیا لیکن کسی مقصد کے تحت دعا نہ مانگنے کی طرف یہ سزا متوجہ نہیں ہے اگرچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ دعا کرنے اور کثرت سے دعا مانگنے کو چھوڑنے کے مقابلے میں زیادہ ترجیح ہے کیونکہ اس سلسلے میں بے شمار دلائل آئے ہیں۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے ''الرسالہ'' میں فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں باتوں میں سے کونسی بات زیادہ بہتر ہے دعا یا خاموشی اور رضا؟ تو کہا گیا ہے کہ دعا مانگنا زیادہ بہتر ہے اور اس کی ترجیح مناسب ہے کیونکہ اس میں دلائل زیادہ ہیں نیز اس میں خضوع اور محتاجی کا اظہار ہے اور ایک قول کے مطابق خاموشی اور رضا بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر جھکانے میں فضیلت ہے۔

ان حضرات کا شبہ یہ ہے کہ دعا کرنے والے کو معلوم نہیں ہے کہ اس کی تقدیر میں کیا ہے؟ پس اگر اس کی دعا تقدیر کے موافق ہے تو یہ تحصیل حاصل ہے (حاصل چیز کو حاصل کرنا ہے) اور اگر وہ اس کے خلاف ہے تو یہ مخالفت کرنے والا ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ جب اس کا عقیدہ یہ ہو کہ وہی کچھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھا ہے تو یہ یقین اور ایمان ہوگا' اختلاف و انکار نہیں ہوگا اور دعا کا فائدہ حکم کی تعمیل کی وجہ سے حصول ثواب کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جس چیز کے لئے دعا مانگی جا رہی ہے وہ دعا پر موقوف ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسباب اور ان کے مسببات کو پیدا فرمایا۔ (فتح الباری ج ١١ ص ١١٤)

کیفیتِ دعا

نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو دعا کا طریقہ بھی سکھایا' آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجے پھر جو دعا چاہے مانگے۔

---

[1] کیونکہ اس کے بعد یوں ہے ''ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین'' بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۷، المستدرک ج ۱ ص ۲۳۰، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۴۲۱۔ ج ۲ ص ۲۷۲، مشکل الآ ثار ج ۳ ص ۷۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۴۱)

اس حدیث کو امام ترمذی نے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ایک دعا مانگنے والے شخص کے بارے میں فرمایا اگر اس نے امین کے ساتھ (دعا کو) ختم کیا تو واجب کر دیا (یعنی دعا قبول ہوگی)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸، درالمنثور ج ۱ ص ۱۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۴۳)

اور آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی یوں نہ کہے: یا اللہ! مجھے بخش دے اگر تو چاہے یا اللہ! مجھ پر رحم فرما اگر تو چاہے بلکہ یقین سے سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنے والا کوئی نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ دعا میں کوشش کرے اور اپنے مطلوب کے وقوع کا یقین رکھتے ہوئے دعا مانگے اور اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مشروط نہ کرے اگر چہ اس بات کا حکم دیا گیا کہ آدمی جو کام کرنا چاہے اس کے بارے میں ان شاء اللہ کہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ دعا میں عزم و یقین کا مطلب یہ ہے کہ قبولیت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھے کیونکہ وہ کریم ذات کو پکار رہا ہے۔

ابن عیینہ نے فرمایا کسی شخص کو اس کی دعا سے وہ چیز منع نہ کرے جسے وہ اپنی ذات کی طرف سے جانتا ہے یعنی کوتاہی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے بری مخلوق یعنی شیطان کی دعا کو قبول کر لیا جب اس نے کہا:

اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ. (الاعراف: ۱۴)

مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یستجاب لاحدکم مالم یعجل یقول دعوت فلم یستجب لی.

تم میں سے کسی ایک کی (یعنی سب کی) دعا قبول ہوتی ہے جب تک جلدی نہ کرے یعنی یہ نہ کہے کہ میں نے دعا مانگی پس قبول نہ ہوئی۔

اور مستحب یہ ہے کہ جامع دعا مانگے اور اس کے علاوہ کو چھوڑ دے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

اور جامع دعائیں وہ ہیں جن میں نیک اغراض اور مقاصد صحیحہ جمع ہوں نیز اللہ تعالیٰ کی ثناء اور سوال کرنے کے آداب اکٹھے ہوں۔

نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَصۡلِحۡ لِیۡ دِیۡنِیَ الَّذِیۡ ھُوَ عِصۡمَۃُ اَمۡرِیۡ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ دُنۡیَایَ الَّتِیۡ فِیۡھَا مَعَاشِیۡ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ اٰخِرَتِیَ الَّتِیۡ اِلَیۡھَا مَعَادِیۡ وَاجۡعَلِ

یا اللہ! میرے لئے میرے دین کو درست کر دے جس میں میرے معاملات کی حفاظت ہے اور میری دنیا کو درست کر دے جس میں میری معاش ہے اور میری آخرت

الْحَیَاۃَ زِیَادَۃً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ. (صحیح مسلم)

کو ٹھیک کر دے جس میں میرا رجوع ہے اور میری زندگی کو ہر بھلائی میں اضافے کا ذریعہ بنا اور میری موت کو ہر برائی سے آرام پانے کا سبب بنا دے۔

اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

اور آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ نَفِّعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَّاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ حَالِ اَھْلِ النَّارِ. (جامع ترمذی)

یا اللہ! مجھے اس علم سے نفع عطا فرما جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے وہ علم عطا فرما جو نفع بخش ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما' ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد ہے اور میں جہنمیوں والی حالت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

یہ حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور آپ یوں دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِسَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَاجْعَلْھُمَا الْوَارِثَ مِنِّیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ ظَلَمَنِیْ وَخُذْ مِنْہُ بِثَاْرِیْ. (جامع ترمذی)

یا اللہ! مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے نفع عطا فرما اور ان دونوں کو میری طرف سے وارث بنا (ان کا نفع باقی رکھ) اور اس کے خلاف میری مدد فرما جو مجھ پر ظلم کرے اور اس سے میرا بدلہ لے۔

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عام طور پر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (صحیح بخاری ومسلم)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْ لِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاھْدِنِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَاکِرًا لَّکَ ذَاکِرًا لَّکَ رَاھِبًا مُّخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاھًا مُّنِیْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاھْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَۃَ صَدْرِیْ.

اے میرے رب! میری مدد فرما اور میرے خلاف (کسی کی) مدد نہ کرنا اور مجھے نصرت عطا فرما اور میرے خلاف کسی کو مدد نہ دینا' میرے لئے خفیہ تدبیر فرما اور میرے خلاف کسی کے لئے خفیہ تدبیر نہ فرمانا' مجھے ہدایت دے اور جو میرے خلاف سرکشی کرے اس کے خلاف میری مدد فرما اے میرے رب! مجھے اپنا شکر گزار بنا دے' اپنا ذکر کرنے والا' تجھ ہی سے ڈرنے والا' تیرا اطاعت گزار عاجزی کرنے والا' تیری طرف رجوع کرنے والا' بہت آہیں بھرنے والا

رجوع کرنے والا بنادے اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما' میرے گناہوں کو مٹا دے' میری دعا قبول فرما' میری دلیل کو ثابت و قائم فرما' میری زبان کو درست رکھنا اور میرے دل کو ہدایت دینا اور میرے سینے سے کینہ نکال دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اِنْ تُضِلَّنِيْ اَنْتَ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا تَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ. (صحیح بخاری و مسلم)

یا اللہ! میں تیرے ہی لئے اسلام لایا' تجھ پر ہی ایمان لایا' تجھ پر ہی بھروسہ کیا' تیری ہی طرف رجوع کیا' تیرے نام پر میں نے جھگڑا کیا یا اللہ! میں تیری عزت کی پناہ چاہتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو مجھے گمراہ ہونے سے بچا' تو زندہ ہے جس کے لئے موت نہیں جبکہ جن اور انسان مر جائیں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى. (صحیح مسلم' جامع ترمذی)

یا اللہ! میں تجھ سے ہدایت' تقویٰ' پاکدامنی اور مالداری کا سوال کرتا ہوں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ وَجَهْلِيْ وَاِسْرَافِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ جِدِّيْ وَهَزْلِيْ وَخَطَئِيْ وَعَمَدِيْ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (صحیح بخاری و مسلم)

یا اللہ! میرے لئے میری خطا اور جہالت کو اور میرے کاموں میں میری زیادتی کو نیز جس بات کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' بخش دے یا اللہ! سنجیدگی اور مذاق میں' غلطی سے اور جان بوجھ کر کئے گئے میرے سب گناہ بخش دے۔ یا اللہ! جو گناہ مجھ سے پہلے اور بعد میں ہوئے اور جو پوشیدہ اور ظاہر ہیں نیز جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' بخش دے تو آگے کرنے والا اور پیچھے رکھنے والا ہے اور تو ہر شے پر قادر ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عام طور پر یہ دعا مانگتے تھے:

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ. (جامع ترمذی)

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

اور آپ یہ دعا بھی فرماتے:

اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ جَسَدِیْ وَعَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَاجْعَلْھُمَا الْوَارِثَ مِنِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. (جامع ترمذی)

یا اللہ! مجھے میرے جسم میں عافیت عطا فرما' میرے کانوں اور آنکھوں میں عافیت عطا فرما اور ان دونوں کو مجھ سے وارث بنا' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ بردبار کریم ہے عرش عظیم کا رب' اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

نبی اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِمَآءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ. (سنن نسائی)

یا اللہ! میری خطاؤں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح تو سفید کپڑے کو میل سے پاک کرتا ہے۔

اور آپ کی ایک دعا یہ بھی تھی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَاِذَا اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَۃً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ. (مؤطا امام مالک)

یا اللہ! میں تجھ سے نیک کاموں کے کرنے' برائیوں کو چھوڑنے اور مساکین سے محبت کا سوال کرتا ہوں اور جب تو کسی قوم کے لئے فتنے (آزمائش) کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں مبتلا کیے بغیر اٹھالینا۔

رسول اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ فَالِقَ الْاَصْبَاحِ وَجَاعِلَ اللَّیْلِ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا اِقْضِ عَنِّیَ الدَّیْنَ وَاَغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ وَاَمْتِعْنِیْ بِسَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَقُوَّتِیْ وَتَوَفَّنِیْ فِیْ سَبِیْلِکَ. (مؤطا امام مالک)

یا اللہ! صبح کو پھاڑنے والے' رات کو باعث سکون اور سورج و چاند کو حساب کا ذریعہ بنانے والے میرا قرض ادا کر دے اور مجھے فقر سے بے نیاز کر دے' مجھے میری سماعت و بصارت اور طاقت سے نفع عطا فرما اور اپنے راستے میں موت عطا کر۔

رسول کریم ﷺ پناہ مانگتے ہوئے یوں کہتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْھَرَمِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ. (صحیح بخاری و مسلم)

یا اللہ! میں کمزوری اور سستی' بزدلی' بڑھاپے اور بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں' میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

ایک روایت میں یوں ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَۃِ الرِّجَالِ. (سنن ابو داؤد)

یا اللہ! میں گذشتہ اور آنے والے غم سے اور سخت قرض سے نیز لوگوں کے غلبہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

آپ کا ایک اور تعوذ یوں ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡجُذَامِ وَالۡبَرَصِ وَالۡجُنُوۡنِ وَمِنۡ سَیِّءِ الۡاَسۡقَامِ۔ یا اللہ! میں جذام' برص' پاگل پن اور بری بیماریوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔[1]

(سنن ابوداؤد' سنن نسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ شَرِّ مَا عَلِمۡتُ وَمِنۡ شَرِّ مَا لَمۡ اَعۡلَمۡ۔ (صحیح مسلم) یا اللہ! میں اس چیز کے شر سے جسے میں جانتا ہوں اور اس کے شر سے جسے میں نہیں جانتا' تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ قَلۡبٍ لَّا یَخۡشَعُ وَمِنۡ دُعَاءٍ لَا یُسۡمَعُ وَمِنۡ نَفۡسٍ لَّا تَشۡبَعُ وَمِنۡ عِلۡمٍ لَّا یَنۡفَعُ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ ھٰذِہِ الۡاَرۡبَعِ۔ (سنن ترمذی' سنن نسائی) یا اللہ! میں ایسے دل سے جو ڈرتا نہیں' ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے' ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسے علم سے جو نفع نہ دے' تیری پناہ چاہتا ہوں میں ان چار باتوں سے تیری پناہ کو طلب کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوں پناہ مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ زَوَالِ نِعۡمَتِکَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ وَفُجَاءَۃِ نِقۡمَتِکَ وَجَمِیۡعِ سَخَطِکَ۔ (صحیح مسلم' سنن ابوداؤد) یا اللہ! میں تیری نعمت کے زوال اور تیری عافیت کے پھر جانے' تیرے عذاب کے اچانک آنے اور تیری ہر قسم کی ناراضگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوں تعوذ کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡفَقۡرِ وَالۡقِلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ اَنۡ اَظۡلِمَ اَوۡ اُظۡلَمَ۔ (سنن ابوداؤد) یا اللہ! میں' فقر' قلت اور ذلت سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں ظلم کرنے اور یہ کہ مجھ پر ظلم کیا جائے' سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی آپ کی یہ دعا بھی مروی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوۡءِ الۡاَخۡلَاقِ۔ (سنن ابوداؤد) یا اللہ! میں اختلاف' منافقت اور برے اخلاق سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگرچہ یہ تینوں بیماریاں بری بیماریوں کے ذکر میں شامل ہیں لیکن ان کو الگ ذکر فرمایا کیونکہ عرب ان سے نفرت کرتے تھے اور رسالت کی شرائط میں شمار کرتے تھے کہ وہ ان بیماریوں سے محفوظ ہو تو حضور ﷺ نے تعلیم امت کے لئے اور بندگی کے اظہار کے طور پر ان کو واضح کر کے دعا مانگی۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۲۵)

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَإِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ. (سنن ابوداؤد' سنن نسائی)

یا اللہ! میں بھوک سے تیری پناہ چاہتا ہوں کیونکہ یہ برا ہم بستر ہے (ساتھی) ہے اور خیانت سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ یہ برا رازدار ہے۔

اور آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ. (سنن نسائی)

یا اللہ! میں قرض کے غلبہ' دشمن کے غلبہ اور دشمن کے مجھ پر ہنسنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے یہ بات حضرت ابوالیسر (کعب بن عمرو بن انصاری) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّيْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَمُوْتَ فِيْ سَبِيْلِكَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا. (سنن ابوداؤد' سنن نسائی)

یا اللہ! میں (مکان کے) گرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں (اپنے) گر جانے سے' ڈوب جانے' جل جانے اور بڑھاپے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس بات سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ موت کے وقت شیطان مجھے بدحواس کر دے اور میں اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تیرے راستے سے پیٹھ پھیرتے ہوئے مجھے موت آئے اور (زہریلے جانور کے) ڈسنے سے اور آنے والی موت سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے جب سورۃ الفلق' اور سورۃ الناس نازل ہوئیں تو آپ نے ان کو اختیار کر لیا اور باقی دعائیں چھوڑ دیں۔

خاص مناسبت سے دعائیں

خوف کے وقت

جب کسی قوم کا خوف ہوتا تو نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ. (سنن ابوداؤد)

یا اللہ! ہم تجھے (تیری مدد کو) ان کے سینوں کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

بچوں کو تعویذ ڈالنا اور دم کرنا

نبی اکرم ﷺ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو تعویذ ڈالتے اور دم کرتے اور فرماتے کہ تمہارے جد امجد (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ان کلمات سے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو دم کرتے اور تعویذ ڈالتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَآمَّۃٍ۔ (صحیح بخاری' جامع ترمذی)

میں اللہ تعالیٰ کے کامل و جامع کلمات کے ساتھ ہر شیطان اور زہریلے جانور سے پناہ چاہتا ہوں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا: ''لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ. (الفتح:۲) تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے'' اور آپ کا معصوم ہونا واجب ہے تو پھر ان دعاؤں کا مانگنا کس بنیاد پر ہے؟

جواب: نبی اکرم ﷺ نے (ان دعاؤں کے ذریعے) اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی ہے کہ اس کی تسبیح فرمائی اور مغفرت طلب کی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سورۃ ''اذا جاء نصر الله والفتح'' میں ہے کہ فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ. (النصر:۳)

پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں اور اس سے بخشش طلب کریں۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے تواضع' مسکینی' خضوع و خشوع اور اپنے رب کے شکر کے طور پر یہ دعائیں مانگی ہوں کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ آپ کے ہر قسم کے خلاف اولیٰ کام بھی معاف ہیں اور یہ احتمال ہے کہ امت کو تعلیم دینے اور جواز کے لئے سوال کیا ہو۔ واللہ اعلم

پریشانی کے وقت

جب پریشانی ہوتی اور یہ وہ حالت ہے جب انسان ایسے امور کا شکار ہو جائے جو اسے پریشان اور غمگین کر دیتے ہیں تو اس وقت نبی اکرم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ. (صحیح بخاری)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عظمت والا بردبار ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور عرش عظیم کا رب ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ. (صحیح بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عظمت والا بردبار ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ عرش عظیم کا رب ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ آسمانوں' زمینوں اور عرش کریم کا رب ہے۔

طیبی کہتے ہیں کہ یہ ثناء لفظ ''رب'' کے ساتھ شروع کی گئی تاکہ تکلیف کو دور کرنے کے ساتھ مناسبت پیدا ہو کیونکہ یہ (تکلیف کا ازالہ) تربیت کا مقتضی ہے اور اسی سے لا الہ الا اللہ ہے جو توحید پر مشتمل ہے اور یہ ذلت جلال کی پاکیزگی کی اصل ہے اور عظمت کا ذکر ہے جو قدرت کے کامل ہونے پر دلالت کرتی ہے اور حلم (بردباری) کا ذکر ہے جو علم پر دلالت ہے کیونکہ بے علم سے بردباری اور کرم کا تصور نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں اکرام و احترام پر مبنی اوصاف کی اصل ہیں۔

پریشانی کے ازالہ کے لئے دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو کوئی بات پریشان کرتی تو آپ اپنا سر انور آسمان کی طرف اٹھاتے اور فرماتے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ.　　اللہ تعالیٰ پاک ہے جو عظمت والا ہے۔

سوال: یہ تو ذکر ہے دعا نہیں ہے۔

جواب: جب کوئی طلب ہوتی ہے تو کبھی بندے کے اوصاف یعنی اس کا فقر اور احتیاج ذکر کئے جاتے ہیں اور کبھی مولا کے اوصاف کا ذکر ہوتا یعنی اس کی توحید اور اس کی ثناء۔

امیہ بن ابی الصلت نے عبداللہ بن جدعان کی تعریف میں کہا:

اأذكر حاجتي ام قد كفاني　　حياؤك ان شيمتك الحياء

اذا اثنى عليك المرء يوما　　كفاه من تعرضك الثناء

''کیا میں اپنی حاجت کا ذکر کروں یا مجھے تمہارا حیا کافی ہے جو تمہاری خصلت ہے۔ جب کسی دن کوئی شخص تمہاری تعریف کرے تو اسے تیری تعریف کرنا (سوال کی جگہ) کافی ہوتا ہے''۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مخلوق ہے جب کرم کی طرف اس کی نسبت کی جائے تو تعریف کافی ہوتی ہے تو خالق کا معاملہ کیا ہوگا؟

پریشانی کے ازالہ کی ایک اور دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ جب نبی اکرم ﷺ کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ان کلمات کے ساتھ دعا مانگتے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اسْتَغِيْثُ.　　اے زندہ اور دوسروں کو قائم رکھنے والے! میں تیری رحمت کے ساتھ مدد طلب کرتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے جب بھی کوئی پریشانی ہوتی ہے تو حضرت جبریل کا تصور آتا ہے وہ کہتے ہیں۔ اے محمد! (ﷺ) آپ یوں کہیں:

تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا. (طبرانی)

میں نے اس زندہ ذات پر بھروسہ کیا جس کے لئے موت نہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اولاد اختیار نہیں کی اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کے لئے ذلت کی وجہ سے کوئی مددگار ہے (یعنی نہ ذلت نہ مددگار کی ضرورت) اور اس کی خوب بڑائی بیان کرو۔

آٹھویں مقصد میں اس سے زیادہ گزر چکا ہے۔

گمشدہ کی بازیابی کے لئے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ گمشدہ کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ رَآدَّ الضَّآلَّةِ وَھَادِیَ الضَّآلَّةِ اَنْتَ تَھْدِیْ مِنَ الضَّلَالَةِ اُرْدُدْ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ بِعِزَّتِکَ وَسُلْطَانِکَ فَاِنَّھَا مِنْ عَطَآئِکَ وَفَضْلِکَ. (طبرانی)

یا اللہ! گمشدہ کو لوٹانے والے اور گمشدہ کو راہ دکھانے والے تو ہی گمراہی سے ہدایت دیتا ہے' میری گمشدہ چیز (یا آدمی) کو اپنی عزت و بادشاہی کے وسیلہ سے میری طرف لوٹا دے یہ تیری عطا اور فضل سے ہے۔

ہاتھ اٹھانا اور چہرے پر ملنا

نبی اکرم ﷺ اس طرح ہاتھوں کے باطن اور ظاہر سے دعا کرتے تھے۔[1] یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہاتھوں کو اٹھا کر کہا یا اللہ! جو کچھ حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) نے کیا ہے میں اس سے بری الذمہ ہوں۔[2]

لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے استسقاء کے علاوہ کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھائے اور یہ صحیح حدیث ہے۔

تو اس حدیث کو اور پہلی احادیث کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ استسقاء میں ہاتھ اس طرح اٹھائے جس طرح دوسری جگہ نہیں اٹھائے یا تو اس میں مبالغہ کے ساتھ (زیادہ بلند کرتے ہوئے) اٹھائے یہاں تک دونوں ہاتھ چہرے کے سامنے ہوئے اور دعا میں کاندھوں کے برابر تھے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ دونوں میں یہ بات ثابت ہے کہ یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دی بلکہ دونوں کو یوں جمع کیا جائے کہ استسقاء میں سفیدی زیادہ نظر آتی تھی البتہ استسقاء میں ہتھیلیاں زمین کی طرف اور دوسری دعا میں آسمان کی طرف تھیں۔

حافظ عبدالعظیم منذری (ابو محمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللہ' عالم بالحدیث' متوفی ۶۵۶ھ) (الاعلام ج ۴ ص ۳۰' تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۳۶ رقم الحدیث: ۱۱۴۴' فوات الوفیات ج ۲ ص ۳۶۶ رقم الترجمہ: ۲۹۱' طبقات الشافعیہ ج ۵ ص ۱۰۸ شذرات الذہب ج ۵ ص ۲۷۷) نے کہا ہے کہ اگر جمع کرنا مشکل ہو تو اثبات کی جانب کو زیادہ ترجیح ہوگی۔

(فتح الباری رقم الحدیث: ۶۳۴۱)

---

[1] اگر کسی چیز کا حصول مطلوب ہوتا تو ہاتھوں کے اندرونی حصے اور مصیبت کو دور کرنے کے لئے دعا ہوتی تو الٹے ہاتھوں سے دعا مانگتے تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۳۹)

[2] حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دشمن قوم کے کسی شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کیا تھا کہ یہ منافق ہے تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی

امام احمد حاکم اور ابوداؤد نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ جب دعا مانگتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کاندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ان کو کشادہ رکھتے تھے۔

یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دونوں ہاتھ جدا جدا پھیلے ہوئے ہوں چلو بھرنے کی طرح (ملے ہوئے) نہ ہوں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں دعا کے سلسلے میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں جو اکثر احادیث آتی ہیں تو ان سے مراد یہ ہے کہ دعا کے وقت ہاتھوں کو پھیلایا اور کشادہ کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب دعا مانگتے تو دونوں ہتھیلیوں کو ملاتے اور ان کی ہتھیلیوں کو چہرے کی جانب کرتے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الکبیر میں'' ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور کیا ہاتھوں کو چہرے پر ملا جائے؟ تو صبح کی نماز میں قنوت [1] پڑھنے کے بعد زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ نہ ملے کیونکہ اس سلسلے میں کوئی حدیث نہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس سلسلے میں اسلاف سے کوئی بات یاد نہیں اگرچہ بعض حضرات سے نماز سے باہر دعا میں یہ بات ثابت ہے اور نبی اکرم ﷺ سے ضعیف خبر مروی ہے جس پر بعض حضرات کے نزدیک نماز سے باہر عمل کیا جاتا ہے۔

لیکن نماز کے اندر کسی حدیث قول صحابی اور قیاس سے ثابت نہیں اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ ایسا نہ کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے نبی اکرم ﷺ کی دعا

نبی کریم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْمَا اَعْطَيْتَهٗ (صحیح بخاری)

یا اللہ! ان کے مال اور اولاد کو بڑھا دے اور ان کے لئے اس چیز میں برکت ڈال دے جو کچھ تو ان کو عطا فرمائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ''الادب المفرد'' میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ حضرت ام سلیم جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) یہ آپ کے چھوٹے سے خادم ہیں ان کے لئے دعا نہیں فرمائیں گے؟ تو آپ نے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَطِلْ حَيَاتَهٗ وَاغْفِرْ لَهٗ

یا اللہ! ان کے مال و اولاد میں اضافہ فرما اور ان کی زندگی کو لمبا کردے اور ان کو بخش دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۵۸-۱۹۲۸ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۲۹ مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۴- ج ۶ ص ۴۳۰ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۹۶ الحلیہ ج ۸ ص ۲۶۷ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۹۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۸۳۴)

صحیح حدیث میں ہے کہ ہجرت کے موقعہ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر نو سال تھی اور ان کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی ایک قول یہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تین سال کے تھے اور آپ کی عمر ایک سو تین سال ہوئی ہے یہ بات خلیفہ (ابن خیاط) نے کہی ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

---

[1] احناف کے نزدیک صرف وتر نماز میں قنوت پڑھی جاتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

آپ کی عمر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا کہ ایک سو سات سال تک پہنچی ہے اور کم از کم ننانوے سال بیان کی گئی ہے۔

اور آپ کی کثرت اولاد کے بارے میں امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ کی قسم میرا مال بہت زیادہ ہے اور میری اولاد اور اولاد کی اولاد اس وقت ایک سو کے قریب ہیں۔

ایک حدیث میں جسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے یوں آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری بیٹی امینہ نے مجھے بتایا۔ امینہ میں ہمزہ پر پیش اور میم پر زبر ہے یاء ساکن اور اس کے بعد نون ہے۔ کہ میری اولاد میں سے حجاج کے زمانے تک بصرہ میں ایک سو بیس دفن ہو چکے ہیں۔

ابن قتیبہ نے "المعارف" میں فرمایا کہ بصرہ میں تین شخص ایسے ہیں کہ ان کا انتقال اس وقت تک نہیں ہوا جب تک ان میں سے ہر ایک نے اپنی اولاد میں ایک سو کو نہیں دیکھا حضرت ابوبکرہ، خلیفہ بن بدر اور حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

دوسرے حضرات نے چوتھے شخص یعنی مہلب ابن ابی صفرہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے میرے لئے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَطِلْ عُمُرَهٗ وَاغْفِرْ لَهٗ. یا اللہ! ان کے مال و اولاد میں اضافہ فرما، ان کی عمر کو لمبا کر دے اور ان کو بخش دے۔

پس تحقیق میری اولاد میں سے ایک سو دفن ہو چکے ہیں اور میرا پھل سال میں دو بار لگتا ہے اور میں زندہ ہوں حتیٰ کہ مجھے زندگی ناپسند ہوگئی اور مجھے چوتھی بات (مغفرت) کی بھی امید ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۴)

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ذکر میں حضرت ابوالعالیہ سے روایت کیا کہ ان کے دو باغ تھے جن میں ہر سال دو مرتبہ پھل لگتا تھا اور ان میں ریحان تھا جس سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات کے لئے آپ کی دعا

نبی اکرم ﷺ نے مالک بن ربیعہ سلولی کے لئے دعا فرمائی کہ ان کی اولاد میں برکت ہو تو ان کے ہاں اسی لڑکے پیدا ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خیبر کی طرف بھیجا اور ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک لگایا اور دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ. یا اللہ! ان سے گرمی سردی کو لے جا۔

تو وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے اس دن سے گرمی اور سردی کا اثر محسوس نہیں کیا اور نہ میری آنکھیں دکھی ہیں۔ (طبرانی)

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے فیصلہ کرنا نہیں آتا آپ نے فرمایا میرے قریب ہو جاؤ وہ آپ کے قریب ہوئے تو آپ نے اپنا دستِ مبارک ان کے

پر مارتے ہوئے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَلْبَهٗ وَثَبِّتْ لِسَانَهٗ. یا اللہ! ان کے دل کو ہدایت دے اور ان کی زبان کو قائم رکھ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! مجھے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے (کبھی) شک نہیں ہوا۔ (سنن ابوداؤد)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیماری کے دوران ان کی عیادت کی تو دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اشْفِهٖ اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ. یا اللہ! ان کو شفاء عطا فرما یا اللہ! ان کو عافیت عطا کر۔

فرمایا کھڑے ہو جاؤ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد سے وہ درد مجھے کبھی نہیں ہوا۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا اور امام بیہقی اور ابونعیم نے اس کی تصدیق کی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۸۴ المستدرک ج ۲ ص ۶۲۰ الحلیہ ج ۵ ص ۹۷ الشفاء ج ۱ ص ۶۲۲ اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۷)

حضرت ابوطالب بیمار ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی عیادت کی انہوں نے کہا بھتیجے! اپنے رب سے دعا کیجئے جس کی آپ عبادت کرتے ہیں آپ نے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَمِّيْ. یا اللہ! میرے چچا کو شفا عطا فرما۔

ابوطالب اٹھ کھڑے ہوئے گویا وہ۔۔۔۔ انہوں نے کہا اے بھتیجے! آپ کا رب جس کی آپ عبادت کرتے ہیں وہ آپ کی بات مانتا ہے آپ نے فرمایا چچا! اگر تم بھی اللہ تعالیٰ کا حکم مانو تو وہ تمہاری بات بھی مانے گا۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۴۲ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۰ دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۸۴)

اس حدیث کو ابن عدی بیہقی اور ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا اور ہیثمی اس میں تنہا ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ ابْنَ عَبَّاسٍ الْحِكْمَةَ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ. یا اللہ! ان کو دین کی سمجھ عطا فرما یا اللہ! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حکمت عطا کر اور تاویل کا علم مرحمت فرما۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸ مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۶۔۳۲۸ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۲۰ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۰۳۹ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۲۵۸۔ ج ۹ ص ۶۴۷)

صحیح بخاری میں ہے:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ. یا اللہ! ان کو کتاب کا علم عطا کر۔

چنانچہ آپ کتاب (قرآن مجید) کے عالم امت کے بہت بڑے علمی پیشوا علم کا سمندر اور ترجمانِ قرآن تھے اور آپ کا بلند درجہ اور انتہائی بعید (بلند) مقام پر ہونا مخفی نہیں ہے۔

جب نابغہ جعدی نے کہا:

ولا خیر فی حلم اذا لم یکن له بوادر تحمی صفوه ان یکدرا

ولا خیر فی علم اذا لم یکن له حکیم اذا ما اورد الامر اصدرا

''اس حلم میں کوئی بھلائی نہیں جس کے لئے' کوئی سبقت کرنے والے نہ ہوں جو اس کی صفائی کو گدلا ہونے سے بچائیں اور علم میں کوئی بھلائی نہیں جب اس کے لئے کوئی دانا نہ ہو کہ جب کوئی معاملہ پیش ہو تو اسے ظاہر کرے''۔

تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی:

لَا یُفْضِضُ اللّٰہُ فَاکَ. اللہ تعالیٰ تمہارے منہ (یعنی دانتوں) کو نہ گرائے۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۰۶۵' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۵۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۴۸۰' المغنی ج ۲ ص ۲۷۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۲۷۶)

یعنی ''لا یسقط الله اسنانک'' اس میں مضاف محذوف ہے' تقدیر عبارت یوں ہے ''لا یسقط الله اسنان فیک اللہ تعالیٰ تمہارے منہ میں موجود دانتوں کو نہ گرائے'' وہ فرماتے ہیں ان کی عمر ایک سو سال ہوگئی اور ان کے دانت سب لوگوں سے اچھے تھے۔

فرماتے ہیں میں نے ان کو دیکھا کہ ان کی عمر ایک سو دس سال سے زائد ہوگئی تھی اور ان کا کوئی دانت نہیں گرا تھا۔

ابن ابی اسامہ کی روایت میں ہے کہ وہ دانتوں کے اعتبار سے سب لوگوں سے اچھے تھے اگر ان کا کوئی ایک دانت گرتا تو دوسرا اُگ آتا۔ ابن السکن کے نزدیک اس طرح ہے کہ میں نے ''النابغہ'' کے دانتوں کو دیکھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی دعا کی وجہ سے اولوں سے بھی زیادہ سفید تھے۔

عمرو بن اخطب نے نبی اکرم ﷺ کو شیشے کے پیالے میں پانی پلایا تو آپ نے اس میں ایک سفید بال دیکھا تو اس کو لے لیا اور فرمایا: یا اللہ! ان کو حسن عطا فرما پس ان کی عمر ترانوے سال کی ہوگئی اور ان کی داڑھی اور سر میں ایک بال بھی سفید نہ تھا یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے ابونہیک کے طریقے سے بیان کی ہے۔

ابونہیک کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ان کی عمر چورانوے (۹۴) سال ہوگئی تھی لیکن ان کی داڑھی میں ایک بال بھی سفید نہ تھا۔ اس روایت کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک یہودی نے نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک سے بال لیا تو آپ نے دعا مانگی یا اللہ! اسے حسن عطا کر تو اس کی داڑھی سیاہ ہوگئی حالانکہ وہ سفید ہو چکی تھی۔ حضرت عبد الرزاق کہتے ہیں ہمیں حضرت معمر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی وہ کہتے ہیں ایک یہودی نے نبی اکرم ﷺ کے لئے اونٹنی کا دودھ دوھا تو آپ نے فرمایا: یا اللہ! تو اسے حسن عطا کر تو اس کے بال سیاہ ہوگئے حتیٰ کہ فلاں فلاں کے بالوں سے بھی زیادہ سیاہ ہوگئے۔

حضرت معمر فرماتے ہیں میں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے غیر سے سنا وہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ یہودی نوے سال زندہ رہا لیکن اس کے بال سفید نہ ہوئے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے اور ابوداؤد نے ''مراسیل میں'' نیز امام بیہقی نے روایت

ہے اور فرمایا: یہ حدیث مرسل ہے اور پہلی حدیث کی شاہد ہے۔

ابن الحق خزاعی نے نبی اکرم ﷺ کو پانی پلایا تو آپ نے ان کے بارے میں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ مَتِّعْہُ بِشَبَابِہٖ. یا اللہ! ان کو جوانی سے نفع عطا کر۔

اسی (۸۰) سال کے ہو گئے لیکن کوئی سفید بال نظر نہ آیا۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بھوک کی وجہ سے ان کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا نے ان کو دیکھا اور اپنا دستِ مبارک ان کے سینے پر رکھ کر دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ مُشْبِعَ الْجَاعَةِ لَا تُجِعْ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ. یا اللہ! بھوکوں کو سیر کرنے والے فاطمہ بنت محمد کو بھوکا نہ رکھنا۔

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں: کہ میں نے ان کو دیکھا کہ ان کے چہرے کی زردی پر خون غالب آ گیا تھا اور ان نے بعد میں ان سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا اے عمران! میں بھوکی نہیں ہوتی۔ یہ بات یعقوب بن سلیمان اسفرائنی نے ''دلائل الاعجاز'' میں ذکر کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عروہ بن جعد بارقی کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْ صَفْقَةِ یَمِیْنِہٖ. یا اللہ! ان کے دائیں ہاتھ کے سودے میں برکت ڈال دے۔

فرماتے ہیں میں نے کوئی چیز نہیں خریدی مگر اس میں مجھے نفع ہوا۔ (المعجم الکبیر ج۳ ص۲۳۰)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر ٹھہر نہیں سکتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْہُ وَاجْعَلْہُ هَادِیًا مَّھْدِیًّا. یا اللہ! ان کو قائم رکھ اور ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ بنا دے۔

فرماتے ہیں اس کے بعد میں گھوڑے سے نہیں گرا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۔۱۳۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹، السنن الکبریٰ ج۹ ص ۷۱، المعجم الکبیر ج۲ ص ۳۳۸، مسند الحمیدی الحدیث: ۸۰۱، دلائل النبوۃ ج۵ ص ۳۴۸)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لئے یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اَجِبْ دَعْوَتَہٗ. یا اللہ! ان کی دعا قبول فرما۔

ان کی دعا قبول ہوتی تھی۔ (سنن بیہقی، طبرانی)

نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی۔ امام بیہقی نے ایک اور سند سے یہ اضافہ کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں پتھر اٹھاؤں تو مجھے امید ہے کہ میں اس کے نیچے سونا یا چاندی پاؤں گا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کو کشادگی عطا فرمائی اور جب ان کا وصال ہوا تو ان کے

ترکہ میں سونا' کلہاڑیوں (کدالوں) سے کھودا گیا حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے (ہاتھوں کے چمڑے اور گوشت کے درمیان پانی بھر گیا) اور ہر بیوی کو اسی ہزار (دینار) ملے اور وہ چار تھیں' کہا گیا ایک لاکھ ملا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک سے اسی ہزار پر مصالحت کی گئی کیونکہ آپ نے ان کو مرض الموت میں طلاق دے دی تھی اور اپنی زندگی میں بہت زیادہ صدقہ دینے کے بعد پچاس ہزار کی وصیت فرمائی ان کی معروف نیکیاں یہ تھیں کہ ایک دن میں تیس غلام آزاد کئے ایک دفعہ آپ نے ایک پورا قافلہ (قافلے کے پاس جو کچھ تھا) صدقہ کر دیا اس میں سات سو اونٹ تھے جو آپ کے پاس آئے اور آپ نے ہر قسم کا مال اٹھا رکھا تھا تو آپ نے وہ اونٹ اور جو کچھ ان پر سامان تھا اور ان کے پالان بھی صدقہ کر دیئے۔

محب طبری نے ذکر کیا جسے انہوں نے (ابن جوزی کی) ''الصفوہ'' کی طرف منسوب کیا وہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مال کا کچھ حصہ یعنی چار ہزار صدقہ کئے پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کئے پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں پانچ سو گھوڑوں پر مجاہدین کو سوار کیا پھر پندرہ سو سواریاں مجاہدین کو دے دیں اور ان کا عام مال تجارت سے تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ مضر کے خلاف دعا کی تو وہ قحط میں مبتلا ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے علہز کھایا اور یہ جانور کے بالوں کے ساتھ خون کو کہتے ہیں حتیٰ کہ قریش نے ان کے لئے رحم کی درخواست کی۔

جب نبی اکرم ﷺ نے آیت کریمہ: ''والنجم اذا ھوی. ستارے کی قسم! جب وہ اترے'' تلاوت فرمائی تو عتیبہ بن ابی لھب نے کہا آپ نے ستارے کے رب کا انکار کیا ہے آپ نے فرمایا: یا اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دے پس عتیبہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک قافلے میں شام کی طرف گیا حتیٰ کہ جب لوگ شام میں پہنچے تو ایک شیر دھاڑا چنانچہ یہ کانپنے لگا اس سے پوچھا گیا کہ تو کیوں کانپتا ہے؟ اللہ کی قسم اس سلسلے میں ہم اور تم برابر ہیں۔ اس نے کہا حضرت محمد (ﷺ) نے میرے خلاف دعا کی تھی اللہ کی قسم! اس آسمان نے حضرت محمد (ﷺ) سے زیادہ سچ بولنے والے پر سایہ نہیں کیا۔ پھر انہوں نے کھانا رکھا تو اس نے اس میں اپنا ہاتھ نہ ڈالا حتیٰ کہ سونے کا وقت ہو گیا انہوں نے اسے گھیر لیا اور خود اپنے اردگرد سامان رکھا اس کو اس درمیان میں رکھا اور سو گئے۔ شیر آیا تو اس نے ان کے سروں کو ایک ایک کر کے سونگھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس تک پہنچ گیا تو اسے چبا ڈالا اور وہ کہہ رہا تھا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ حضرت محمد (ﷺ) سب لوگوں سے زیادہ سچے ہیں؟

یہ واقعہ یعقوب اسفرائنی نے ذکر کیا اور نبی اکرم ﷺ کی اولاد کے ذکر میں پہلے بھی یہ واقعہ گزر چکا ہے۔

مازن طائی سے منقول ہے اور وہ عمان کی زمین میں تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں کھیل کود' شراب نوشی اور عورتوں سے تعلق میں مصروف رہتا ہوں اور ہم قحط سالی کا شکار ہیں جس سے ہمارے مال چلے گئے اور بچے اور مرد کمزور ہو گئے اور میری اولاد نہیں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری اس پریشانی کو دور کرے' مجھے حیا عطا کرے اور اولاد مرحمت فرمائے' نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اَبْدِلْہُ بِالطَّرَبِ قِرَاۃَ الْقُرْاٰنِ وَبِالْحَرَامِ الْحَلَالَ وَاٰتِہٖ بِالْحَیَاءِ وَھَبْ لَہٗ وَلَدًا.

یا اللہ! اس کے کھیل کود کو قرأت قرآن سے اور حرام کو حلال سے بدل دے' اس کو حیاء عطا کر اور اولاد مرحمت فرما۔

مازن کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے میری ان تمام عادتوں (اور پریشانیوں) کو دور کر دیا جو میں پاتا تھا اور عمان میں خوشحالی آگئی میں نے چار آزاد عورتوں سے شادی کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حیان بن مازن بیٹا عطا کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۴۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۵۶، ۲۳۶، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۴)

نبی اکرم ﷺ جب تبوک میں اترے تو کھجور کے ایک درخت کے سامنے نماز پڑھنے لگے ایک شخص آپ کے اور درخت کے درمیان سے گزرا تو آپ نے فرمایا اس نے ہماری نماز میں خلل ڈالا' اللہ تعالیٰ اس کا نشان مٹا دے پس وہ بیٹھا اور اٹھ نہ سکا۔ [1] اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کیا لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ نے فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا مجھے اس کی طاقت نہیں آپ نے فرمایا تجھے طاقت نہ ہو تو اس کے بعد وہ (کبھی بھی) اپنے ہاتھ کو منہ تک نہ لے جا سکا۔ اور یہ آدمی بسر ابن راعی العیر تھا (باء پر پیش ہے اور سین ساکن العیر میں عین پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے)۔ [2]

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۷۶)

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلایا تو عرض کیا گیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں دوسری بار (یہی جواب ملا تو آپ نے) فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے پیٹ کو سیر نہ کرے پس وہ کبھی بھی سیر نہ ہوئے۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا۔ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے تو آپ نے فرمایا اے معاویہ! تیری طرف سے مجھ سے کیا ملا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا' میرا پیٹ ہے آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِمْلَاْہُ عِلْمًا وَّ حِلْمًا. یا اللہ! اسے علم اور بردباری سے بھر دے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ابن ثروان کے خلاف یوں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اَطِلْ شِقَآءَہٗ وَبَقَآءَہٗ. یا اللہ! اس کی بدبختی اور باقی رہنے کو طویل کر دے۔

تو وہ بہت بڑی عمر کا پایا گیا' وہ بدبختی کا شکار تھا اور موت کی تمنا کرتا تھا۔ [3] (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۶۱)''

نبی اکرم ﷺ کی کتنی ہی مستجاب دعائیں ہیں' قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفا'' میں مستقل باب باندھا ہے ان

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے اس کے خلاف دعا اس لئے کی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بے حرمتی کی ورنہ آپ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۳۶)

[2] علماء کرام فرماتے ہیں اگرچہ دائیں ہاتھ سے کھانا واجب نہیں لیکن اس شخص نے تکبر کا اظہار کیا تھا اس لئے اس کے خلاف دعا کی۔ (ایضاً)

[3] ابو ثروان نے اس کی وجہ خود بیان کی وہ کہتا ہے جب نبی اکرم ﷺ قریش سے چھپتے ہوئے میرے اونٹوں کے پاس آئے اور اونٹ بھاگنے لگے میں نے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا تمہیں نہ پوچھنے میں کوئی نقصان نہیں میں نے کہا آپ وہ نبی ہیں جو ظاہر ہوئے تو آپ نے مجھے کلمۂ شہادت کی دعوت دی میں نے کہا میرے اونٹوں کے پاس سے چلے جائیں اللہ تعالیٰ ان اونٹوں کو برکت نہ دے جن میں آپ ہوں تو آپ نے یہ کلمات کہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۳۶)

میں سے کچھ دعائیں یہاں ذکر کی گئی ہیں۔

اسی طرح امام یوسف بن یعقوب اسفرائنی نے اپنی کتاب ''دلائل الاعجاز'' میں ذکر کیا تو کتنی ہی دعائیں ہیں کہ آپ نے جس بات کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا اور آپ کو دعا کے درخت سے سوال کا پھل عطا فرمایا۔

ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہے

سوال: ''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لکل نبی دعوة مستجابة یدعوبها و ارید ان اختبئ دعوتی شفاعة لامتی فی الاخرة.

ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہے جو وہ مانگتا ہے اور میں ارادہ کرتا ہوں کہ اسے آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لئے ذخیرہ بناؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۶، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۱۸۴۔ ج ۱۰ ص ۴۸۹)

تو ان مذکورہ بالا دعاؤں کی وجہ سے نیز آپ ﷺ اور بے شمار انبیاء کرام کی مستجاب دعاؤں کی وجہ سے اعتراض ہوتا ہے کیونکہ حدیث سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نبی کی مقبول دعا صرف ایک ہے؟

جواب: اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ جس دعا کا ذکر کیا گیا ہے اس کی قبولیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ قطعی طور پر مقبول ہے اس کے علاوہ جو دعائیں ہیں وہ قبولیت کی امید پر ہیں' یہ بھی کہا گیا کہ ہر نبی کی ایک دعا اس کی باقی دعاؤں سے افضل ہے اور ان کے لئے دیگر دعائیں بھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر نبی کی ایک ایک ایسی دعا ہے جو امت کے بارے میں مقبول ہے یا تو ان کی ہلاکت کے بارے میں یا ان کی نجات سے متعلق ہے یا خاص دعائیں ہیں پس ان میں سے بعض قبول ہوتی ہیں اور بعض قبول نہیں ہوتی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے ہر نبی کی ایک خاص دعا ہے جسے وہ اپنی دنیا کے لئے خاص کرتا ہے یا اپنی ذات کے لئے' جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ○ (نوح: ۲۶)

اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا ہے:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ. (مریم: ۶)

تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال جو میرا کام اٹھائے۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:

وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ. (ص: ۳۵)

اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔

کرمانی نے ''بخاری شریف کی'' شرح میں فرمایا کہ اگر تم کہو کہ کیا یہ بات جائز ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دعا قبول نہ ہو؟ تو میں کہوں گا کہ ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہے اور باقی دعاؤں کی قبولیت مشیتِ خداوندی پر موقوف ہے۔

تو اس پر علامہ بدرالدین محمود عینی فرماتے ہیں یہ سوال میرے لئے تعجب خیز نہیں کیونکہ اس میں کراہت ہے اور مجھے نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی تمام دعائیں مقبول ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ہر نبی کی ایک مستجاب دعا ہے وہ اس کی نفی نہیں کرتی کیونکہ اس میں حصر نہیں اور کسی سے یہ بات منقول نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی ہو اور وہ قبول نہ ہو۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۰)

اس حدیث میں ہمارے نبی اکرم ﷺ کے تمام انبیاء کرام سے افضل ہونے کا بیان ہے کہ آپ نے مقبول و مستجاب دعا کے ساتھ اپنی امت کو اپنی ذات اور اپنے اہل بیت پر ترجیح دی اور اپنی اس مخصوص دعا کو ان کی ہلاکت کے لئے استعمال نہیں کیا جس طرح دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام نے کیا۔

حدیث کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دعا اور شفاعت کو یوم قیامت تک مؤخر کیا' اس دن آپ دعا فرمائیں گے اور شفاعت کریں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ قیامت تک جو چیز مؤخر کی گئی ہے وہ اس دعا کا نتیجہ اور اس کا نفع ہو لیکن اس کی طلب حضور ﷺ نے دنیا میں کی ہو۔ ''مزید الفتح'' کے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اذکار

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ مراتب توحید میں ترقی حاصل کریں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (محمد:۱۹) پس آپ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس آیت میں اس علم کے حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ آپ یہ بات جانتے تھے اور نہ ثابت قدمی کا حکم ہے کیونکہ آپ معصوم ہیں پس یہ بات متعین ہوگئی کہ آپ کو اپنے مقامات و مراتب میں ترقی کا حکم دیا گیا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق علم اور اس کی طرف جانے کی کوئی انتہا نہیں پس تمام علوم حقیقیہ اور معارف یقینیہ اس عالم میں اپنی تحقیق کی لڑی میں پروئے گئے ہیں اور بلند مراتب کی ٹہنیوں سے پھل عنقریب حاصل ہوگا۔

اسی لئے اس آیت میں آپ ﷺ کے لئے اس کے علم پر اکتفاء کیا گیا تو آپ کا سب کام توحید کی تصحیح' اسے شرک سے پاک رکھنے اور اس کی تکمیل سے متعلق ہے اور آپ سے ہی ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ. (المزمل:۸) اور آپ اپنے رب کا نام ذکر کریں۔

اور فرمایا:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً. (الاعراف:۲۰۵) اور آپ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یاد کریں۔

کیونکہ سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے سب سے پہلے ایک عرصہ تک زبان سے ذکر کرنا پڑتا ہے پھر اسم زائل ہو جاتا ہے اور مسمّٰی باقی رہتا ہے پس ''واذکر اسم ربک'' میں پہلا درجہ مراد ہے۔

اور آیت کریمہ واذکر ربک (مذکورہ بالا آیت) سے دوسرا درجہ مراد ہے اس سلسلے میں پوری بحث بہت طویل ہے جو غرض سے باہر ہے اور نبی اکرم ﷺ کے اذکار متفرق طور پر وضو' نماز اور حج کے بیان میں گزر چکے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا استغفار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ دن اور رات میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتے تھے۔

اس حدیث سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مغفرت طلب کرتے اور توبہ کا عزم کرتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے بعینہ یہ الفاظ کہنا مراد ہو (استغفر اللہ واتوب الیہ)۔امام نسائی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت مجاہد کے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیث روایت کی ہے وہ اس دوسری بات کی تائید کرتی ہے' وہ فرماتے ہیں: کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یوں کہتے ہوئے سنا ہے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زندہ (دوسروں کو) قائم رکھنے والا ہے اور میں اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

آپ' مجلس میں یہ کلمات اٹھنے سے پہلے سو مرتبہ پڑھتے تھے۔

امام نسائی نے ہی حضرت محمد بن سوقہ کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں: ہم ایک مجلس میں نبی اکرم ﷺ سے یہ کلمات ایک سو مرتبہ شمار کرتے:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما تو بہت توبہ قبول کرنے والا' بہت بخشنے والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو ستر مرتبہ سے زیادہ کا ذکر ہے تو اس میں مبالغہ کا بھی احتمال ہے اور ہو سکتا ہے خاص عدد مراد ہو اور لفظ ''اکثر'' مبہم ہے تو ممکن ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث اس کی تفسیر ہو اور وہ عدد سو تک پہنچتا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور طریق یعنی حضرت معمر کے طریق سے مروی ہے وہ حضرت زہری سے اور وہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں ''انی لاستغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ'' بے شک میں ایک دن میں ایک سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں لیکن اصحابِ زہری نے اس سلسلے میں حضرت معمر کی مخالفت کی ہے۔

ہاں امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی محمد بن عمرو کی روایت سے حضرت ابوسلمہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا:

اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ کُلَّ یَوْمٍ مِّائَۃَ مَرَّۃٍ۔ بے شک میں ہر دن ایک سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

امام نسائی نے ہی حضرت عطاء کے طریق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

یا یھا الناس توبوا الی اللہ فانی اتوب الیہ فی الیوم مائۃ مرۃ. اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو' میں دن میں ایک سو مرتبہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ امت کو تعلیم دینے کی خاطر استغفار فرماتے یا امت کے گناہوں کے لئے مغفرت طلب کرتے' اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے اس سے پہلے بھی اس ضمن میں کچھ باتیں کہی گئی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کس طرح استغفار کرتے تھے؟

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم کہو:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ.

یا اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں' میں تیرے عہد اور وعدہ پر ہوں' قائم ہوں جس قدر مجھے طاقت ہے' میں اپنے عمل کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں' میں تیری نعمت کے ساتھ جو مجھ پر ہے تیری طرف رجوع کرتا ہوں' اپنے گناہوں کے ساتھ رجوع کرتا ہوں پس تو مجھے بخش دے' گناہوں کو صرف تو ہی بخشتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۷۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۲۔ ج ۵ ص ۳۵۶)

آپ نے فرمایا جو شخص ان کلمات پر یقین رکھتے ہوئے دن کے وقت پڑھے اور اسی دن شام ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ اہلِ جنت سے ہے اور جو رات کے وقت یقین سے پڑھے اور صبح ہونے سے پہلے مر جائے وہ بھی اہل جنت سے ہے۔

پس یہ بات متعین ہوگئی کہ یہ طریقہ ہی افضل ہے اور نبی اکرم ﷺ افضل طریقے کو نہیں چھوڑتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی قرأت

نبی اکرم ﷺ کی قرأت اور اس کی صفت یہ ہے کہ آپ مد کرتے تھے (یعنی الفاظ کو کھینچ کر پڑھتے تھے) بسم اللہ پر مد کرتے پھر الرحمن پر مد کرتے اور پھر الرحیم پر مد کرتے۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۴۶)

اس (قرأت) کا وصف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یوں بیان فرمایا کہ آپ کی قرأت ایک ایک حرف ہوتی تھی۔

وہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ توڑ توڑ کر پڑھتے تھے "الحمد للہ رب العالمین" پڑھتے پھر وقفہ کر کے "الرحمن الرحیم" پڑھتے پھر وقف کرتے۔ (جامع ترمذی)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سورت کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے حتیٰ کہ وہ پہلے سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عشاء میں "والتین والزیتون" پڑھتے تو میں نے آپ سے (اچھی) آواز والا یا (فرمایا) اچھی قرأت والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

نبی اکرم ﷺ کی قرأت ٹھہر ٹھہر کر ہوتی اس میں تیزی اور جلدی نہ ہوتی بلکہ ایک ایک حرف واضح طور پر پڑھتے اور

اپنی قرأت ایک ایک آیت پر منقطع کرتے' حروف مدہ میں مد کرتے اور عمدہ آواز سے قرأت فرماتے اور کبھی کبھی اپنی آواز کو واپس لاتے جس طرح فتح مکہ کے دن ''انا فتحنا لک فتحا مبینا'' پڑھتے ہوئے رجوع کیا اور عبداللہ بن مغفل نے حکایت کیا تینوں الفوں کو الگ الگ پڑھتے (مطلب یہ کہ آپ ایک ایک توڑ توڑ کر پڑھتے جس طرح کوئی تین الفوں کو الگ الگ پڑھتا ہے)۔

جب تم اس حدیث کو نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے ساتھ جمع کرو جس میں آپ نے فرمایا:

زینوا القران باصواتکم. قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۶۸' سنن نسائی ج۲ص۱۸۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۳۴۲' مسند احمد ج۴ص۲۸۳_۳۰۴' سنن دارمی ج۲ص۴۷۴' المستدرک ج۱ص۵۷۱)

اور اس ارشاد پاک کے ساتھ جس میں فرمایا:

لیس منا من لم یتغن بالقران. وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن مجید خوش آوازی سے نہیں پڑھتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۶۹_۱۴۷۰_۱۴۷۱' مسند احمد ج۱ص۱۷۲' السنن الکبریٰ ج۲ص۵۴' المستدرک ج۱ص۵۶۹' کنز العمال رقم الحدیث:۲۷۶۹_۲۷۹۷)

اور فرمایا:

ما اذن اللہ لشی کاذنہ بنبی حسن الصوت یتغنی بالقران. اللہ تعالیٰ نے کسی بات کی اجازت اس طرح نہیں دی جس طرح اپنے نبی ﷺ کو خوش آوازی سے قرآن پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۵۲۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس قدر توجہ سے نہیں سنتا جس طرح نبی اکرم ﷺ سے خوش آوازی کے ساتھ قرأت سنتا ہے' آپ اسے بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔

اسی سے کہا جاتا ہے اَذِنَ یَاْذَنُ اَذِنًا (ذال کی حرکت کے ساتھ) (جب ان تمام احادیث کو ملایا جائے) تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ کا الفاظ کو لوٹانا اختیاری تھا' اونٹنی کے تیز چلنے کی وجہ سے مجبوراً نہ تھا (جس طرح بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے) کیونکہ اگر یہ اونٹنی کے تیز حرکت کرنے کی وجہ سے ہوتا تو اختیاری نہ ہوتا پس حضرت عبداللہ بن مغفل اسے بیان نہ کرتے اور آپ یہ عمل اپنے اختیار سے (قصداً) کرتے تھے تاکہ آپ کی اقتدا کی جائے اور یہ عمل سواری کے تیز چلنے سے دکھائی دیتا تھا حتیٰ کہ آپ کی آواز ٹوٹ جاتی پھر وہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قرأت کو لوٹاتے تھے تو اسی لوٹانے کو آپ کے فعل کی طرف منسوب کیا اگر یہ بات سواری کے تیز چلنے کی وجہ سے ہوتی تو آپ سے فعل صادر نہ ہوتا جسے لوٹانا کہا جاتا۔

ایک رات نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قرأت سنی پس جب ان کو خبر دی تو انہوں نے عرض کیا اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں مزید اچھے طریقے سے پڑھتا یعنی اپنی آواز کے ساتھ اسے زینت

یہ حدیث ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی باب قلب سے ہے۔
آپ نے فرمایا:

زینوا القران باصواتکم — اپنی آواز کے ساتھ قرآن مجید کو زینت دو۔

(وہ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ) اپنی آوازوں کو قرآن مجید کے ساتھ زینت دو تو اس قلب کی ضرورت نہیں۔
ابن اثیر نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس بات کی تائید کرتی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لکل شی حلیۃ وحلیۃ القران حسن الصوت. — ہر چیز کا زیور ہے اور قرآن پاک کا زیور اچھی آواز ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۱ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۱۷۳ الکامل ج ۴ ص ۱۴۵۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۶۸)

اسی مسئلہ میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے جس کا ذکر طویل ہے اس سلسلے میں اختلاف کا فیصلہ یہ ہے کہ کہا جائے:
خوش آوازی سے پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔

خوش آوازی سے پڑھنے کی دو صورتیں

ایک یہ ہے کہ طبیعت کا تقاضا ہے اور اس میں کسی قسم کا تکلف عادت اور تعلیم کا دخل نہ ہو بلکہ جب اس کو طبیعت کے حوالے کر دے اور یوں اس کو کھلی چھٹی دے دے اور خوش آوازی آئے تو یہ جائز ہے اگرچہ اس کی طبیعت اس کی مدد کرے کہ وہ اسے زیادہ زینت دے اس میں حسن پیدا کرے جس طرح حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں جانتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں آپ کے لئے زیادہ خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھتا اور غمگین شخص اور جسے خوشی محبت اور شوق حرکت دے تو وہ اپنے نفس پر کنٹرول نہیں رکھتا اور وہ اس غم اور طرب کو قرأت کے ذریعے دور نہیں کر سکتا لیکن نفوس اس کو حاصل کرتے اور عمدہ پاتے ہیں کیونکہ یہ طبیعت کے موافق ہے اس میں تکلف اور بناوٹ نہیں پس یہ فطری ہے مشابہت اختیار کرنا نہیں اور محبت سے پڑھنا ہے تکلف نہیں ہے۔

ہمارے بزرگ اسی طریقے سے پڑھتے اور سنتے تھے یہ خوش آوازی قابل تعریف ہے اور اس سے پڑھنے والا اور سننے والا دونوں متاثر ہوتے ہیں۔

دوسری وجہ وہ ہے جو بناوٹ کرنے والوں کی بناوٹ سے ہو اور اس میں فطرت کا دخل نہ ہو بلکہ یہ عمل تکلف تصنع اور عادت بنانے سے حاصل ہو جس طرح غنا کی آوازیں مختلف قسم کی بسیط اور مرکب خوش آوازی سے سیکھی جائیں جو مخصوص طریقوں اور من گھڑت وزنوں پر ہوں جو تعلیم و تکلف کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں تو یہ صورت بزرگوں نے ناپسند کی اس کو معیوب قرار دیا اور اس طریقے پر قرأت کا انکار کیا۔

اس تفصیل سے اشتباہ زائل ہو جاتا ہے اور درست طریقہ دوسرے طریقوں سے ممتاز ہو جاتا ہے اور جو شخص بزرگوں کے احوال کا علم رکھتا ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ وہ لوگ موسیقی والی خوش آوازی جو کچھ وزنوں کے مطابق واقع کرنے اور حرکت کا تکلف ہے اس سے وہ لوگ پاک تھے وہ اس انداز میں قرأت کرنے اور سننے کے اعتبار

سے اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے اور یہ بات بھی یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ غمگین کرنے اور خوش کرنے کے انداز میں پڑھتے تھے اور قرأت' خوش آوازی کے ساتھ کرتے' کبھی وہ فطری طور پر پڑھتے اور کبھی خوش آوازی کا ارادہ کرتے اور یہ طبعی اور فطری بات ہے اور شریعت نے اس سے نہیں روکا کیونکہ طبیعتیں اس کا شدت سے تقاضا کرتی ہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف رہنمائی کی اور اسے مستحب قرار دیا اور بتایا کہ جو شخص اس طرح پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ پوری توجہ سے اسے سنتا ہے اور آپ نے فرمایا ''جو شخص قرآن مجید خوش آوازی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں سے خوش آوازی اور غنا حاصل کرنا (اور سیکھنا) جیسا کہ بعض حضرات نے گمان کیا اگر یہ بات ہوتی تو اچھی آواز اور اس کو بلند کرنے کا ذکر بے معنیٰ ہوتا۔

اور کلام عرب میں معروف ہے کہ تغنی (خوش آوازی) اچھی آواز کے ساتھ کلام کو لوٹانا اور پڑھنا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

تغن بالشعر اذا ما کنت قائله ان الغناء لهذا الشعر مضمار

''شعر خوش آوازی سے پڑھو جب تم اسے کہو کیونکہ شعر کے لئے غنا (وہ) میدان ہے جس میں گھوڑے دوڑتے ہیں تو مقابلہ ہوتا ہے''۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

تعلموا القران وتغنوا به واکتبوه. قرآن پاک سیکھو! اسے خوش آوازی سے پڑھو اور اسے لکھو۔

(مسند احمد ج۴ ص ۱۴۶۔ ۱۵۰۔ ۱۵۳' تفسیر قرطبی ج۱ ص ۱۵)

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قرأت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا:

لقد اوتی مزمارا من مزامیر ال داود. ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے (خوش آوازی مراد ہے)۔

یعنی خود داؤد علیہ السلام کی ذاتی خوش آوازی سے دیا گیا جیسا کہ آل معانی نے ذکر کیا اور ایک دوسری روایت میں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں نہایت اچھے طریقے سے پڑھتا۔

ابن منیر نے کہا یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ان کو یہ طاقت حاصل تھی کہ مزامیر سے جو سماعت حاصل ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ اچھا پڑھ سکیں کیونکہ آپ نے مبالغہ کے ساتھ اچھی آواز میں پڑھنے کا ذکر فرمایا انہوں نے مزامیر کی مثل پڑھا (جیسا کہ حضور ﷺ نے بتایا) اور حد تک پہنچ گئے اور اگر وہ اپنی مقدور بھر طاقت کے مطابق پڑھتے تو کیا کیفیت ہوتی؟

حضرت داؤد علیہ السلام کی خبر

حضرت داؤد علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو وعظ کرنا چاہتے تو سات دن تک بھوکے رہتے نہ کھاتے نہ پیتے اور نہ عورتوں کے قریب جاتے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم دیتے تو وہ گردونواح میں ٹیلوں' وادیوں اور پہاڑوں میں

اعلان کرتے کہ حضرت داؤد علیہ السلام فلاں دن (وعظ کے لئے) بیٹھیں گے پھر آپ کے لئے صحرا میں منبر رکھا جاتا تو آپ اس پر بیٹھتے' حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے پاس کھڑے ہوتے پس انسان' جن' پرندے' وحشی درندے' کیڑے مکوڑے' کنواری اور پردہ دار عورتیں آتیں اور وہ سب ذکر سنتے' آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے جیسے اس کے شایان شان ہے' سننے والوں میں سے ایک گروہ کی موت واقع ہو جاتی پھر گناہ گاروں پر نوحہ شروع کرتے تو (خوف سے) ایک جماعت مر جاتی جب ان لوگوں میں موت پھیل جاتی تو حضرت سلیمان علیہ السلام ان سے عرض کرتے اے اللہ کے نبی! لوگوں میں موت پھیل گئی ہے اور غور سے سننے والے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑتے آپ کو چارپائی پر گھر لایا جاتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا منادی اعلان کرتا اے لوگو! جس کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کوئی قریبی یا دوست ہو وہ آپ کو پانے کے لئے نکلے پس کوئی آ کر اپنے خاوند یا بیٹے یا بھائی کے پاس کھڑی ہوتی اور اسے لے کر شہر میں داخل ہوتی' جب حضرت داؤد علیہ السلام کو دوسرے دن افاقہ ہوتا تو فرماتے: اے سلیمان! بنی اسرائیل کے عبادت گزار لوگوں کا کیا بنا؟ حضرت سلیمان عرض فرماتے: فلاں اور فلاں مر گئے وہ ان سب کا ذکر کرتے پس حضرت داؤد علیہ السلام اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر روتے اور کہتے: اے میرے رب! کیا تو داؤد پر ناراض ہے کہ تیرے خوف یا تیرے شوق کی وجہ سے فلاں فلاں مرنے والوں کے ساتھ اس کا انتقال نہ ہوا؟ دوسری مجلس تک آپ کا مسلسل یہی طریقہ رہتا اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت داؤد علیہ السلام اس طریقے پر قائم رہے۔

وعظ سننے کا اثر

میں نے بنی اسرائیل کی جو حالت ذکر کی ہے اس سے تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس امت سے اعلیٰ ہیں جہاں تک مزامیر (خوش آوازی سے پڑھنے) کا تعلق ہے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جو حالت ذکر کی گئی ہے تمہارے لئے وہ کافی ہے۔

اور وعظ سن کر شوق یا خوف کی وجہ سے موت واقع ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس امت کو جو قوت دی گئی ہے وہ ان احوال کے مقابلے میں ہے جو اس (امت) پر وارد ہوتے ہیں وہ زندگی سے مل جاتی ہے پس قوت جسمانیہ فوت نہیں ہوتی بلکہ قوت روحانیہ اور تائیداتِ الٰہیہ بھی باقی رہتی ہیں تو اس امت کی قوت کے زیادہ ہونے کے باعث اس امت کے نیک اسلاف لوگوں کی حالتِ وعظ سننے اور نہ سننے کی حالت میں برابر رہی کیونکہ احوال ذکر اور یقین کے طور طریقے مسلسل باقی رہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ اگر پردہ اٹھ جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا (کیونکہ پہلے سے یہ حالت قائم ہے) پس بزرگوں پر جب احوال وارد ہوئے تو ان میں اور پہلے لوگوں میں فرق کی وجہ سے ان کی قوت باقی رہی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں خوش آواز تھے ان کی موت واقع نہیں ہوئی جس طرح دوسروں کی موت واقع ہوئی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں میں خوف اور شوق کی کمی تھی بلکہ قوت ربانیہ نے ان کی مدد کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اگرچہ ذکر کی وجہ سے فوت نہیں ہوئے لیکن آپ اپنی امت کے ان مرنے والوں سے افضل ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ فوت نہ ہونے پر روئے تو یہ اس تواضع کی وجہ سے ہے جو آپ کے شرف کو بڑھاتی تھی یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنی امت کا انفرادی لوگوں سے کم درجہ میں تھے بلکہ اس کی وجہ سے کہ آپ ان لوگوں سے کئی درجات بلند تھے اور مقرب تھے (آپ کا انتقال نہ ہوا)۔

اسی قوت الٰہیہ کی طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ وعظ سن کر رو رہا ہے تو فرمایا ہم بھی اسی طرح تھے حتیٰ کہ دل سخت ہو گئے تو آپ نے تواضع کے طور پر سختی کا ذکر کیا حالانکہ آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ محفوظ اور مقام بلند ہے۔

دوسرا طریقہ یا صورت یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس میں سامعین کی موت کا واقعہ ہوا اس کی بے شمار مثالیں اس امت میں پائی جاتی ہیں کہ قدیم وجدید مجالس سماع میں سننے والوں کی موت واقع ہوئی۔

ابو اسحاق ثعلبی (ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم' متوفی ۴۲۷ھ) نے قرآن پاک سن کر فوت ہونے والوں کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جسے ہم نے روایت کیا اور میرے (مصنف کے) پاس اس میں سے کچھ ہے' مجھے امید ہے کہ وہ مرتب ومدون ہو جائے گا۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۱۲' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۲' انباہ الرواۃ ج ۱ ص ۱۱۹' معجم المطبوعات ص ۶۶۳)

بلکہ بہت سے مریدین کے بارے میں منقول ہے کہ وہ محض مشائخ کو دیکھنے سے انتقال کر جاتے جس طرح منقول ہے کہ ابوتراب نخشبی کے مرید کے لئے روزانہ کئی مرتبہ حق کی تجلی ہوتی تو ابوتراب نے اس سے فرمایا اگر تم ابویزید کو دیکھ لیتے تو ایک بہت بڑا معاملہ دیکھتے۔

جب مرید اپنے شیخ ابوتراب نخشبی کے ہمراہ حضرت ابویزید کی طرف گیا اور مرید کی نگاہ ان پر پڑی تو وہ فوت ہو گیا ابوتراب نے کہا اے ابویزید! آپ کی ایک نظر نے اسے قتل کر دیا حالانکہ وہ حق کو دیکھنے کا دعویٰ کرتا تھا حضرت ابویزید نے فرمایا تمہارا مرید سچا تھا اور اس کے مقام کے مطابق اس پر حق کی تجلی ہوتی تھی۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو اس پر اس اندازے کے مطابق تجلی ہوئی جو اس نے دیکھا تو اسے اس کی طاقت نہ تھی لہٰذا فوت ہو گیا۔

تجلی کے سلسلے میں اہل طریقت کی اصطلاح معروف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ معرفت کا ایک بہت بڑا مرتبہ ہے اور تجلی سے ان کی مراد آنکھ سے دیکھنا نہیں جس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر کہا گیا "لن ترانی" (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) اور عمومی طور پر بھی یوں کہا گیا "لا تدرکہ الابصار" (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) اور جب تم نے سمجھ لیا کہ ان کی مراد جسے انہوں نے ثابت کیا اس معنیٰ کا غیر ہے جس سے لوگ دنیا میں مایوس ہیں (سوائے ہمارے آقا ﷺ کے کہ آپ کو معراج شریف میں دیدارِ خداوندی ہوا)۔

اور مخصوص لوگوں سے آخرت میں اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

تو اس کے بعد تم پر کوئی حرج نہیں اور اس قوم (صوفیاء کرام) کے بارے میں تمہارے لئے بدظن ہونے کا کوئی راستہ نہیں اور اللہ تعالیٰ پوشیدہ امور (اور دلوں) کا مالک ہے۔

سماع کا حکم

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ قوم کی طریقت میں سماع معروف ہے اور محبت کی طرف کھینچنے والی باتوں میں شمار ہوتا ہے اور یہ اس کا وصف ہے۔

ابوطالب (مکی) نے ''القوت'' میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جیسے حضرت عبداللہ بن جعفر' حضرت عبداللہ بن زبیر' مغیرہ بن شعبہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نیز حضرت جنید بغدادی' حضرت سری سقطی اور حضرت ذوالنون مصری رحمہم اللہ سے نقل کیا کہ یہ جائز ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۶۱)

''احیاء العلوم میں'' حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے استدلال کیا جس کا ذکر طویل ہے' خاص طور پر خوشی کے اوقات میں جن میں خوشی منانا جائز ہے اس کی تاکید اور اسے بڑھانے کے لئے سماع جائز ہے جس طرح شادی' کسی غائب کی واپسی' ولیمہ' عقیقہ' حفظ قرآن' سبق' کتاب یا تالیف کے اختتام کے موقعہ پر (سماع کا اہتمام کیا جائے)۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ منیٰ کے دنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور نبی اکرم ﷺ نے کپڑے سے اپنے آپ کو ڈھانپ رکھا تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑک دیا تو آپ نے اپنے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا: اے ابوبکر! ان دونوں کو چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۔۱۹' سنن نسائی ج ۳ ص ۱۹۷' السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۹۲۔ ج ۱۰ ص ۲۲۴' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۴۹۰' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۴۳۲)

ایک روایت میں ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو لونڈیاں گا رہی تھیں اور یہ بعاث کے دن تھے (بعاث کی باء پر پیش ہے اور اس کے بعد عین ہے) یہ اوس قبیلے کا قلعہ تھا اسے غین سے پڑھنا غلط ہے' مطلب یہ ہے کہ وہ لونڈیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو بعاث کے دن کہے گئے تھے اور یہ انصار کے درمیان لڑائی ہوئی تھی (اسے یوم بعاث کہتے ہیں) نبی اکرم ﷺ رخ انور دوسری طرف کر کے بچھونے پر آرام فرما ہو گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو انہوں نے مجھے جھڑکا اور فرمایا رسول اکرم ﷺ کے پاس شیطانی گانا اور دف وغیرہ؟ نبی اکرم ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ان کو چھوڑ دو (کچھ نہ کہو)۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ ''صحیح بخاری میں'' ایک اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں ''ولیستا بمغنیتین وہ گاتی نہیں تھیں'' تو ان سے معنوی اعتبار سے اس بات کی نفی کی جس کو لفظوں میں ان کے لئے ثابت کیا (یعنی غنا کا لفظ بولا گیا لیکن معنوی طور پر وہ غنا نہ تھا) کیونکہ غنا کا اطلاق آواز بلند کرنے اور ترنم اور حدی (جو اونٹوں کے ساتھ چلنے والے گاتے ہیں) پر ہوتا ہے اور ایسا کرنے والے کو مغنی نہیں کہتے بلکہ اسے مغنی کہا جاتا ہے جو بنا سجا کر کلام کرتا ہے اور جس میں ٹوٹ پھوٹ ہیجان و حرکت اور شوق پیدا کرتا ہے کیونکہ اس سے فاحش باتوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا صریح الفاظ ہوتے ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ وہ مغنیہ نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں میں

سے نہیں ہیں جو گانے بجانے کے ساتھ مشہور ہیں جس طرح معروف گانے بجانے والی ہیں۔
وہ فرماتے ہیں ام المؤمنین نے یہ بات فرما کر اس غنا کی نفی کی ہے جو عام شہرت یافتہ لوگوں کی عادت ہے اور وہ ساکن کو حرکت دیتا ہے اور مخفی بات کو ابھارتا ہے۔
اس گانے کے سلسلے میں حکم یہ ہے کہ اگر اس میں ایسے اشعار ہوں جن میں عورتوں کے حسن کا ذکر یا شراب وغیرہ حرام چیزیں ہوں تو اس (سماع) کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔
وہ فرماتے ہیں جو کچھ صوفیاء نے طریقہ اختیار کیا تو وہ اس قبیل سے ہے جس کے حرام ہونے میں اختلاف نہیں لیکن شہوت پرست نفوس ایسے بہت سے لوگوں پر غالب آ گئے جو بھلائی کی طرف منسوب ہیں حتیٰ کہ ان میں سے اکثر میں پاگلوں اور بچوں جیسے کام ظاہر ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ موافق حرکات اور ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے چالوں کے ساتھ رقص کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک جماعت میں حیا کی کمی انتہا کو پہنچ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کو قرب اور اعمال صالحہ کے باب سے شمار کرتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ بلند و بالا اعمال کی بنیاد ہے لیکن درحقیقت یہ بے دین لوگوں کا کام ہے (یہاں تک امام قرطبی کا کلام تھا)۔
اور حق یہ ہے کہ جب سماع اچھی آواز سے ایسے اشعار کے ساتھ ہو جو بلند صفات کو متضمن ہیں یا ان میں نبی اکرم کی نعتیں ہوں' حرام آلات سے محفوظ ہو اسی طرح خسیس اور غباوت پر مبنی اعمال اور کمینگی والے امور نہ ہوں اور بلند قدر والے محبت کی خفیہ باتوں کو حرکت دے' سننے والا حتی الامکان اپنے آپ کو قابو میں رکھے کہ اس کی آواز رونے کے ساتھ بلند نہ ہو اور وجد ظاہر نہ ہو اور وہ اپنے نفس کے ضبط پر قادر ہو اور ان باتوں کو جانتا ہو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے واجب ہیں اور جو باتیں محال (ممنوع) ہیں کہ جو کچھ سنے اسے اس بات کی طرف نہ لے جائے جو لائق نہیں تو یہ حسن کی ایک انتہاء میں ہے اور تزکیۂ نفس کے لئے ایک انتہاء ہے ہاں اس کو چھوڑ دینا اور اس بات میں مشغول ہونا جو اعلیٰ ہے' شبہ کے خوف کی بنیاد پر زیادہ سلامتی اسی میں ہے نیز اس طرح وہ (سماع کے بارے میں) اختلاف سے بھی نکل جائے گا ہاں کبھی کبھی سن لے (تو الگ بات ہے)۔
حضرت امام شافعی' امام مالک' امام ابوحنیفہ اور علماء کی ایک جماعت رحمہم اللہ سے ایسے الفاظ منقول ہیں جو اس کے حرام ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور شاید ان کی مراد وہ سماع ہے جس میں شیطانی ابھار ہو۔
اور جب دلوں میں تاثیر کے حوالے سے سماع کے بارے میں غور کیا جائے تو اس پر مطلقاً اباحت یا حرام ہونے کا حکم لگانا جائز نہیں بلکہ مختلف افراد کے اعتبار سے اور نغموں کے طریقوں کے اختلاف کے مطابق حکم مختلف ہوگا۔ پس اس کا حکم وہی ہے جو قلبی امور کا حکم ہے اور جو شخص اپنے رب کی طرف ترقی کرتا ہے اس کے لئے یہ ان باتوں کو حرکت دیتا ہے جو ازل سے دلوں میں ہیں جب اللہ تعالیٰ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ. (الاعراف:۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

تو دل میں جو رقت' وجد اور حقیقت ہے وہ اسی خطاب کی چاشنی سے ہے اور تمام اعضا اس کے ذکر کے ساتھ بولتے ہیں اور اس کے نام سے خوشی حاصل کرتے ہیں پس سماع' نفوس کی سب سے بڑی شکار گاہ ہے اور جب یہ مناسب خوش آوازی سے مل جائے اور اشعار محبوب حق کے ذکر پر مشتمل ہوں تو پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور اسرار شائع ہو جاتے ہیں خصوصاً

ان لوگوں میں جو ابتدائی مراحل میں ہیں۔

سماع کی تاثیر کا مشاہدہ کیا گیا حتیٰ کہ وہ حیوانات جو بولتے نہیں مثلاً پرندے اور جانور (وغیرہ) اس بات کا مشاہدہ کیا گیا کہ پرندے عمدہ نغموں اور خالص قسم کی خوش آوازی پر ٹہنیوں سے اتر آتے ہیں اور اونٹ باوجود اپنی طبیعت کے غبی ہونے کے حدی سے متاثر ہوتے ہیں اور اس تاثیر کی وجہ سے ان کو بھاری بوجھ ہلکے معلوم ہوتے ہیں اور سماعت کی خوشی کی قوت سے طویل مسافت کم ہو جاتی ہے اور ایسی خوشی پیدا ہوتی ہے جو اس میں نشہ اور والہانہ انداز پیدا کر دیتی ہے۔

پس تم اس کو دیکھتے ہو کہ جب اس پر جنگل (وصحرا) لمبے ہو جاتے ہیں اور بوجھ کے نیچے تھک جاتا ہے تو حدی خوان کے حدی سننے پر اپنی گردن کو بڑھا کر حدی خوان کی طرف ڈال دیتا ہے اور تیز تیز چلتا ہے اور بعض اوقات تیز چلنے اور بوجھ کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے لیکن خوشی کی وجہ سے اسے اس کا پتہ نہیں چلتا۔

(امام غزالی رحمہ اللہ نے) ''احیاء العلوم میں'' جو کچھ ذکر کیا ہے اس کو حضرت ابوبکر دینوری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ ایک سیاہ فام غلام نے حدی کی وجہ سے جو نہایت اچھے نغمے کے ساتھ تھی' کئی اونٹوں کو ہلاک کر دیا' ان پر بھاری بوجھ تھا اور انہوں نے تین دن کی مسافت ایک رات میں طے کر لی۔

اور اس نے ان کے علاوہ ایک اونٹ کے سامنے کلام پڑھا اور یہ ان کی موجودگی میں تھا تو اونٹ دیوانہ ہو گیا اور اس نے اپنی رسی توڑ دی اور اس کو ایسی کیفیت حاصل ہوئی جس نے اس کے احساسات سے اس کو غافل کر دیا اور منہ کے بل گر پڑا۔

تو سماع کی تاثیر محسوس بات ہے اور جس میں کوئی حرکت پیدا نہ ہو اس کا مزاج فاسد ہے اور اس کا علاج ناممکن ہے اس کی طبیعت اونٹوں سے بھی زیادہ سخت اور کثیف ہے اور جب یہ جانور نغمات سے متاثر ہوتے ہیں تو انسانی نفوس بدرجہ اولیٰ متاثر ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

نعم لولاک ما ذکر العقیق ولا جابت لہ الفلوات نوق
نعم اسعی الیک علی جفونی تدانی الحی او بعد الطریق
اذا کانت تحن لک المطایا فماذا یفعل الصب المشوق

''ہاں اگر تم نہ ہوتے تو عقیق کا ذکر نہ ہوتا' اور نہ جنگلوں میں اونٹنیاں چکر کاٹتیں۔ ہاں میں تمہاری طرف پلکوں پر دوڑ کر آؤں گا' قبیلہ قریب ہو یا دور کا راستہ ہو۔ جب تمہارے لئے سواریاں روتی ہیں تو شوق رکھنے والے عاشق کا عمل کیا ہوگا؟''

پس سماع کا عمدہ حصہ دل کو نرم کرتا ہے اسی لئے عارف کبیر' سیدی علی الوفوی (یا الوفائی) نے اپنے مشہور وظیفہ کو خوش آوازی اور لطیف اور اوزان کے انداز پر رکھا تا کہ مریدین کے دل خوش ہوں اور سالکین کے دلوں کو آرام پہنچے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے' دل خوش آوازی سے حصہ حاصل کرتے ہیں جب یہ بلند مرتبہ اور اد جو نبوی اوراد کا فیضان ہیں' عمدہ نغمات اور اچھے اوزان کے ساتھ پڑھے جائیں تو وہ لوگوں میں سرایت کرتے ہیں اور ہر عضوان وفوی محمدی اوراد سے حصہ حاصل کرتے ہیں پس ازلی خطاب کا درخت اس پانی کے ساتھ حاصل ہوتا ہے جو ان لطائف کے چشموں سے آتا ہے' عوارف المعارف' کا پھل دیتا ہے (معرفت تامہ حاصل ہوتی ہے)۔

تنبیہ

بعض حضرات کا خیال ہے کہ سماع' قرآن مجید کی تلاوت سے بھی زیادہ وجد پیدا کرنے والا ہے اور اس کی تاثیر زیادہ ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بشری قوت جو حادث ہے' قرآن مجید کے جلال کو برداشت نہیں کر سکتی اور اس کی صفات مخلوقہ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتیں اور اگر اس کے معنیٰ کا ایک ذرہ بھی دلوں کے لئے کھل جائے تو ان پر دہشت طاری ہو جائے' وہ پھٹ جائیں اور حیران ہو جائیں اور خوش آوازی طبیعتوں کے مناسب ہے لیکن ان کے حصوں کے مطابق حقوق کی نسبت سے نہیں اور اشعار کی نسبت ان حصوں کی نسبت سے ہے پس جب ان شعروں میں پائے جانے والے اشارات و لطائف سے غموں اور آوازوں کا تعلق قائم ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کے مناسب ہو جاتے ہیں اور وہ ان نفسانی حصوں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور مخلوق کی مناسبت سے دلوں پر زیادہ ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔

یہ بات ابونصر سراج نے کہی ہے (ابونصر عبد اللہ بن علی' متوفی ۳۷۸ھ)۔ (الاعلام ج۴ص ۱۰۴' شذرات الذہب ج۳ص ۹۱' معجم المطبوعات رقم الحدیث: ۱۰۱۷)

دسواں مقصد

اس مقصد کے مشمولات یہ ہیں۔

(۱) نبی اکرم ﷺ پر آپ کے وصال کے ذریعے نعمتوں کی تکمیل اور بارگاہِ قدس میں اپنے رب کے ہاں آپ کا منتقل ہونا۔

(۲) آپ کی قبر شریف اور بلند مرتبہ مسجد کی زیارت۔

(۳) آپ کو آخرت میں ایسے فضائل کے ساتھ فضیلت دینا کہ آپ کو جامع اولیت عطا کی جائے جو آپ کی تکریم اور بلندی درجات میں اضافہ کا باعث ہے۔

(۴) انبیاء کرام کی حاضری کے مقام میں آپ کو قرب کی خصوصیات کے ساتھ مشرف کرنا۔

(۵) شفاعت اور مقام محمود کے ساتھ آپ کی تعریف کرنا اور اولین و آخرین کی مجالس میں صرف آپ کو سرداری عطا کرنا۔

(۶) ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں سعادت کے مدارج میں آپ کی ترقی اور اضافہ کے دن نیکی اور اس میں اضافہ کی اعلیٰ بلندیوں میں آپ کو بلندی عطا کرنا۔

فصل نمبر ۱

اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ کے وصال کے ذریعے آپ پر اپنی نعمتوں کو مکمل کرنا اور آپ کو اپنے ہاں جنت میں منتقل کرنا

جان لو! اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں اپنی تائید کی رسی میں ملائے اور اپنی مہربانی سے ہمیں اپنی توفیق اور درستگی عطا کرے اس فصل کا مضمون پلکوں سے آنسو گراتا اور غموں کے باعث مصائب و آلام کو کھینچتا ہے اور غم کی آگ کو ایمان والوں کے جگروں پر کھلاتا ہے۔

سورۃ النصر کا نزول

جان لو! جب موت طبعی طور پر ناپسند ہوتی ہے کیونکہ اس میں شدت اور بہت بڑی مشقت ہے تو کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اسے اختیار نہیں دیا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ کو آپ کی عمر کے پورا ہو جانے اور وفات کا وقت قریب آ جانے کی خبر سورۃ ''اذا جاء نصر اللہ والفتح'' (جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ جائے اور فتح) کے نزول کے ذریعے دی گئی۔ کیونکہ اس سورت سے مراد یہ ہے کہ

اے محمد! (ﷺ) جب اللہ تعالیٰ آپ پر شہروں کو فتح فرمائے گا اور لوگ آپ کے دین میں جس کی طرف آپ ان کو بلائیں گے فوج در فوج داخل ہوں گے تو آپ کا وصال قریب ہوگا۔

پس آپ ہماری تعریف کرنے اور استغفار کرنے کے ذریعے ہماری ملاقات کے لئے تیار ہو جائیں کیونکہ جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا تھا اس کا مقصود آپ سے حاصل ہو گیا کہ آپ نے اپنے رب کا پیغام ادا کر دیا اور پہنچا دیا اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے پس آپ ہماری طرف منتقل ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

کہا گیا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو قربانی کے دن نازل ہوئی جب نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے بعد آپ اکیاسی (۸۱) دن زندہ رہے (یعنی ظاہری زندگی کے ساتھ زندہ رہے ورنہ آپ آج بھی زندہ ہیں۔۱۲ہزاروی)۔

ابن ابی حاتم کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اس طرح ہے کہ اس کے بعد آپ نو راتیں زندہ رہے' حضرت مقاتل سے سات راتیں اور بعض دوسرے حضرات سے تین راتیں منقول ہیں۔

حضرت ابویعلیٰ' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کرتے ہیں کہ یہ سورۃ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایام تشریق کے درمیان میں نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اب رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

دارمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ جب ''اذا جاء نصر اللہ والفتح'' (سورت) نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا: مجھے اپنے وصال کی خبر دی گئی ہے پس وہ رونے لگیں آپ نے فرمایا نہ روؤ تم میرے اہل میں سے سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی ہو اس پر وہ ہنس پڑیں۔

طبرانی نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: جب ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ'' (سورت) نازل ہوئی تو رسول اکرم ﷺ کو وصال کی خبر دی گئی پس آپ نے آخرت کے بارے میں پہلے سے زیادہ کوشش شروع کر دی۔

طبرانی نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا مجھے اپنے وصال کی خبر دی گئی ہے؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى. (الضحیٰ:۴) اور آپ کے لئے پچھلی گھڑی (آخرت) پہلی گھڑی (دنیا) سے بہتر ہے۔

ایک حدیث میں جسے ابن رجب نے ''الطائف'' (اس کتاب کا مکمل نام لطائف المعارف ہے) میں ذکر کیا ہے' یوں ہے کہ آپ عبادت کرتے حتیٰ کہ پرانے مشکیزے کی طرح ہو گئے۔[1] (کشف الظنون ج۲ص۱۵۵۴)

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس حدیث کی حالت کو بہتر جانتا ہے جب کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ آپ نے اس حالت تک نماز نہیں پڑھی اگرچہ آپ عبادت میں انتہائی درجہ کوشش فرماتے تھے۔ (زرقانی ج۸ص۲۵۰)

نبی اکرم ﷺ ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تو اس سال دو مرتبہ دور کیا اور آپ ہر سال رمضان شریف کے آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھتے تھے تو اس سال بیس دن اعتکاف فرمایا اور ذکر و استغفار میں اضافہ فرمایا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا آخری طریقہ یہ تھا کہ آپ اٹھتے بیٹھتے' آتے جاتے یوں پڑھتے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ "اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں' میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

(فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا آپ ایسی دعا مانگ رہے جو اس سے پہلے آپ نے نہیں مانگی آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے بتایا ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں اپنی وفات کی نشانی دیکھوں گا اور یہ کہ جب میں اسے دیکھوں تو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کروں اور اس سے بخشش طلب کروں پھر آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی۔

اس حدیث کو ابن جریر اور ابن خزیمہ نے روایت کیا اور ابن مردویہ نے حضرت مسروق کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

زندہ اور فوت شدہ سے رخصت ہونا

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ احد کے شہداء پر آٹھ سال بعد اس طرح نماز پڑھی جس طرح زندہ اور فوت شدہ کو رخصت کرنے والے ہوں پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: میں تم سے آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں' میری اور تمہاری ملاقات کی جگہ حوض (حوض کوثر) ہے اور میں اسے اپنے اس مقام سے دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں اور مجھے اس کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا سے سخت محبت کرو گے (حتیٰ کہ ایک دوسرے سے لڑو گے)۔[1] (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۱۴' شرح السنہ ج ۱۴ ص ۳۹)

بعض حضرات نے یہ اضافہ کیا کہ تم آپس میں لڑ کر ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ وہ اسے دنیا کی تازگی (زینت) سے جو چاہے عطا کرے اور وہ اسے اختیار کرے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اسے اختیار کرے تو اس (بندے) نے اس چیز کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے'' اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے باپ اور ہماری مائیں آپ پر

[1] یہ حدیث اہل سنت و جماعت کے مسلک کو واضح کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے وصال کا پہلے علم ہو چکا تھا' امت کے مستقبل کا علم بھی آپ کو عطا کیا گیا اور آپ نے واضح فرمایا کہ یہ امت مجموعی طور پر شرک میں مبتلا نہیں ہوگی لہٰذا امت کے سواد اعظم کے معمولات کو شرک قرار دینا اس حدیث کا انکار ہے۔ ۱۲ ہزاروی

فدا ہوں' راوی فرماتے ہیں: ہمیں ان کی بات پر تعجب ہوا اور صحابہ کرام نے کہا اس شیخ کی طرف دیکھو نبی اکرم ﷺ ایک بندے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار دیا کہ وہ دنیا کی تروتازگی کو حاصل کرے یا اس کو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور یہ فرما رہے ہیں ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

حضرت ابوسعید فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہی کو اختیار دیا گیا تھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بات کو ہم سب سے زیادہ جانتے تھے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صحبت و مال کے اعتبار سے مجھ پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ حضرت ابو بکر کا احسان ہے اور اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا۔ [1] لیکن (ان کے ساتھ) اسلامی اخوت (بھائی چارہ) ہے' مسجد میں کوئی کھڑکی باقی نہ رہے مگر بند کی جائے سوائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے (وہ کھلی رہے)۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے وصال سے پانچ راتیں پہلے یہ بات فرمائی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۲)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس رمز کو سمجھ گئے جس کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اشارہ کیا اس کا قرینہ یہ تھا کہ آپ نے اپنی مرض الموت میں اس کا ذکر کیا تو اس سے ان کو معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ اپنی ذات مراد لے رہے ہیں اسی لئے آپ رو پڑے۔

نبی اکرم ﷺ اپنی عمر کے آخری حصے میں مسلسل اپنے وصال کے قرب کا ذکر فرماتے رہے جب آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ ارشاد فرمایا تو لوگوں سے فرمایا:

خذوعنی مناسککم فلعلی لا القاکم بعد عامی هذا.

مجھ سے اپنے احکامِ حج سیکھ لو شاید اس سال کے بعد میں تم سے نہ ملوں۔

اور آپ لوگوں کو رخصت کرنے لگے اسی لئے ان لوگوں نے اسے حجۃ الوداع قرار دیا۔

اور جب نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع سے مدینہ طیبہ کی طرف واپس تشریف لائے تو ایک پانی پر جسے خماء (غدیر خم) کہا جاتا اور مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے درمیان راستے میں ہے' لوگوں کو جمع کر کے انہیں خطبہ دیا اور فرمایا:

اے لوگو! میں (بظاہر) تمہاری طرح انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا پیغام رساں آ جائے تو میں اس کے حکم کو قبول کر لوں۔ پھر آپ نے قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑنے کی ترغیب دی اور اپنے اہل بیت کے بارے میں وصیت فرمائی۔ (معجم ما استعجم ج ۲ ص ۵۱۰)

---

[1] خلیل اسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنی مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرے اور اس پر اعتماد کرے تو حضور ﷺ نے بتایا کہ میرا خلیل اللہ تعالیٰ ہے جس پر میرا اعتماد اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے اگر انسانوں میں سے کسی کو خلیل بنایا ہوتا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب پر ترجیح ہوتی اس حدیث میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مسجد کی نگرانی اور اس سے زیادہ رابطہ کے لئے آپ کے مکان کی کھڑکی کھلی رکھنے کی اجازت دی گئی۔ ۱۲ ہزاروی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حافظ ابن رجب نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے مرض کا آغاز صفر المظفر کے آخری دنوں میں ہوا اور مشہور قول کے مطابق آپ کی علالت تیرہ دن رہی۔

اور آپ نے جو خطبہ دیا جس کا حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے اس علالت کے آغاز میں تھا جس میں آپ کا وصال ہوا جس طرح امام دارمی نے روایت کیا کہ آپ نے سر پر کپڑے کا ایک ٹکڑا باندھا ہوا تھا حتیٰ کہ آپ منبر کی طرف تشریف لائے اور اس پر بیٹھ گئے پھر فرمایا:

والذی نفسی بیدہ انی لانظر الی الحوض من مقامی ھذا. اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں حوض کو اپنے اس مقام سے دیکھ رہا ہوں۔

پھر فرمایا کہ ایک بندے پر دنیا پیش کی گئی (آخر تک) پھر آپ اتر آئے پس آپ کو اس کے بعد منبر پر نہ دیکھا گیا حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی۔

جب آپ نے منبر پر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو دنیا میں رہنے پر پسند کیا اور وضاحت نہ فرمائی تو بہت سے سامعین پر یہ معنیٰ مخفی رہا اور سوائے ان کے جن کو آپ کی صحبت سے زیادہ حصہ ملا اور وہ غار (ثور) میں دو میں سے دوسرے تھے اور مقاصدِ رسول ﷺ کو امت میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے' کسی دوسرے کو آپ کے مقصود کی سمجھ نہ آئی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس اشارے سے مقصد کو سمجھ گئے تو رونے لگے اور عرض کیا کہ ہمارے مال' ہماری جانیں اور ہماری اولاد آپ پر قربان ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے ان کی بے صبری اور پریشانی پر ان کو تسکین دی اور منبر پر ہی ان کی تعریف فرمانے لگے تا کہ سب لوگوں کو ان کی فضیلت کا علم ہو جائے اور ان کی خلافت میں کوئی اختلاف نہ ہو پس آپ نے فرمایا:

ان امن الناس علی فی صحبتہ ومالہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بے شک اپنی صحبت و مال کے ذریعے مجھ پر سب لوگوں سے زیادہ احسان کرنے والے حضرت ابوبکر ہیں۔

پھر فرمایا:

لو کنت متخذا من اھل الارض خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن اخوۃ الاسلام. اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا لیکن (ان سے) اخوت اسلامیہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے یہ بات درست نہ تھی کہ مخلوق کو خلیل بناتے کیونکہ خلیل وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ اس کے خلیل کی محبت روح کی طرف جاری ہوتی ہے اور یہ کسی انسان کے لئے درست نہیں جس طرح کہا گیا ہے:

قد تخللت مسلک الروح منی. وبذا سمی الخلیل خلیلا

"میری روح کی طرح تیری محبت داخل ہے' اسی لئے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے"۔

نبی اکرم ﷺ نے اسلامی اخوت کو ثابت کیا پھر فرمایا:

مسجد کی طرف کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کھڑکی باقی رہے' تو یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کے بعد وہی (مسلمانوں کے) امام ہوں گے کیونکہ امام ہی مسجد کے ساتھ رہائش اور اس میں راستے کا حاجت مند ہوتا ہے' دوسرے لوگوں کے لئے یہ بات نہیں اور یہ مسلمان نمازیوں کے مصالح میں سے ہے۔ پھر آپ نے اس بات کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا کہ ارشاد فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو آپ نے ان کو نماز کی امامت سپرد فرمائی اسی لئے صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو کیا ہم اپنی دنیا کے لئے ان کو پسند نہ کریں۔

نبی اکرم ﷺ کی علالت کا آغاز

آپ کی علالت کا آغاز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا جس طرح حضرت معمر کی روایت سے ثابت ہے اور وہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں۔

ابو معشر کی سیرت میں ہے کہ آپ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں تھے اور سلیمان تیمی کی سیرت میں ہے کہ آپ حضرت ریحانہ کے گھر تھے' پہلی بات پر اعتماد ہے (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہونا)۔

خطابی نے کہا کہ آپ کی علالت کا آغاز سوموار کے دن ہوا ایک قول کے مطابق ہفتہ کے دن ہوا۔ حاکم ابو احمد نے بدھ کے دن کا ذکر کیا اور مدت علالت میں اختلاف زیادہ سے زیادہ تیرہ دن ہے کہا گیا کہ چودہ دن ہیں اور بارہ کا قول بھی ہے' یہ دونوں قول ''الروضہ میں'' مذکور ہیں اور دوسرے قول کا پہلے ذکر کیا یہ بھی کہا گیا کہ دس دن ہیں' سلیمان تیمی نے ''اپنی مغازی میں'' اس پر اعتماد کیا اور امام بیہقی نے اسے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

''صحیح بخاری میں ہے'' ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ جب نبی اکرم ﷺ کی طبیعت بوجھل ہو گئی اور بیماری نے شدت اختیار کر لی تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے اجازت طلب فرمائی کہ آپ بیماری کے ایام میرے گھر میں گزاریں پس آپ تشریف لائے اس حال میں کہ آپ دو آدمیوں کے درمیان تھے' پاؤں مبارک زمین پر گھسیٹتے ہوئے جا رہے تھے' ایک طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب تھے اور دوسری طرف کوئی دوسرے شخص تھے۔

حضرت عبیداللہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ (بن عباس) رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان کرتی ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ دوسرا شخص کون تھا جس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے نام نہیں لیا؟ انہوں نے عرض کیا میں نہیں جانتا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت فضل بن عباس اور ایک دوسرے شخص کے درمیان تشریف لائے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان دو میں سے ایک حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ دارقطنی کے نزدیک حضرت اسامہ

اور حضرت فضل بن عباس (رضی اللہ عنہم) تھے۔

ابن حبان کے نزدیک ایک روایت میں بریرہ اور نُوبیہ کا ذکر ہے' نُوبیہ میں نون پر پیش ہے اور اس کے بعد واؤ ہے' کہا گیا ہے کہ یہ لونڈی کا نام ہے' کہا گیا کہ غلام ہے۔

ابن سعد نے ایک اور سند سے ذکر کیا کہ حضرت فضل اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما کے درمیان تشریف لائے۔

اگر یہ تمام روایات ثابت ہوں تو ان کو یوں جمع کیا جائے گا کہ آپ کا تشریف لانا کئی بار ہوا لہٰذا جن لوگوں کے سہارے آپ تشریف لائے وہ بھی متعدد تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا: مجھے تمام گھروں میں جانے کی طاقت نہیں اگر تم چاہو تو مجھے اجازت دے دو۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فرما رہے تھے کل میں کہاں ہوں گا؟ کل میں کہاں ہوں گا؟ تو آپ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی۔

ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت زہری سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے یہ بات امہات المؤمنین سے فرمائی تھی انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ایک حجرے سے دوسرے حجرے تک جانا مشکل ہے۔

ابن ابی ملیکہ کی روایت میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کے گھر میں سوموار کے دن تشریف لائے اور آپ کے وصال اس کے بعد دوسرے سوموار کو ہوا۔

ابن ابی شیبہ نے مرسل ابی جعفر کے حوالے سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کل میں کہاں ہوں گا؟ آپ نے یہ بات دوبار فرمائی تو آپ کی ازواج مطہرات سمجھ گئیں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (کے گھر) کا ارادہ فرماتے ہیں پس انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے اپنی باری کے دن اپنی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیئے ہیں۔

اسماعیلی نے نقل کیا حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی حرص فرماتے ہوئے پوچھا کہ کل میں کہاں ہوں گا؟ وہ فرماتی ہیں جب میری باری کا دن آیا تو (دیگر) ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دے دی کہ آپ علالت کے دن میرے گھر میں گزاریں (یا آپ کی تیمار داری میرے گھر میں ہو)۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن ایک جنازہ سے (فارغ ہوکر) جنت البقیع سے تشریف لائے اور میرے سر میں درد تھا اور میں کہہ رہی تھی "ہائے میرا سر" تو آپ نے فرمایا بلکہ "میں اور یہ سر" (یعنی اس سے تمہاری موت واقع نہ ہوگی)۔ پھر فرمایا تمہیں کوئی نقصان نہیں اگر تمہارا انتقال مجھ سے پہلے ہوا تو میں تمہیں غسل دوں گا' کفن پہناؤں گا اور تیرا نماز جنازہ پڑھ کر دفن کروں گا' انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ میرے گھر کی طرف واپس تشریف لے جائیں گے اور اس میں اپنی کسی زوجہ کا قرب حاصل کریں گے اس پر نبی اکرم ﷺ مسکرائے پھر آپ کے درد کا آغاز ہو گیا جس میں آپ کا وصال ہوا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۶۶' مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۸' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۹۶' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۸۵' سنن دارقطنی ج ۲ ص ۷۴)

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''ہائے میرا سر'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر اس طرح ہوا (یعنی تمہارا وصال ہوا) اور میں زندہ ہوا تو عنقریب تمہارے لئے بخشش مانگوں اور دعا کروں گا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہائے موت! میرا خیال ہے کہ آپ میری موت کو پسند کرتے ہیں اگر ایسا ہوا تو آپ میری موت کے دن اپنی کسی زوجہ کے قریب جائیں گے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بلکہ میں کہتا ہوں ہائے میرا سر! میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں کسی کو حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بیٹے (رضی اللہ عنہما) کی طرف بھیجوں اور خلافت کی وصیت کروں کہ کہنے والے نہ کہیں یا تمنا کرنے والے تمنا نہ کریں (یعنی کوئی یہ بات نہ کہے کہ خلافت میرے لئے ہے یا اس کی تمنا نہ کرے) پھر میں نے کہا اللہ تعالیٰ (کسی اور کی خلافت کو) نہیں مانے گا اور مؤمنین بھی انکار کریں گے (حدیث میں ''یابی'' اور ''یدفع'' کے الفاظ ہیں اور راوی کو شک ہے کہ یابی کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا گیا اور ''یدفع'' کی نسبت مومنوں کی طرف کی یا اس کے برعکس کیا)۔

اور آپ کا فرمانا: ''ہائے میرا سر'' تو یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتانا تھا کہ تمہارے سر میں جو درد ہے اس کو چھوڑ کر میری طرف مشغول ہو جاؤ۔

سوال: اس بات پر اتفاق ہے کہ بندے کی طرف سے پریشانی کا شکوہ مکروہ ہے' امام احمد نے ''الزہد'' میں حضرت طاؤس سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں مریض کا رونا شکوہ ہے اور ابوالطیب' ابن الصباغ اور شافعی حضرات کی ایک جماعت نے مریض کے آہ بھرنے کو قطعی طور پر مکروہ قرار دیا۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۶۱۴' العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۳۸۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۷۰۵)

جواب: امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کا رد کیا اور فرمایا یہ ضعیف یا باطل ہے کیونکہ مکروہ وہ بات ہوتی ہے جس میں مخصوص نہی ثابت ہو اور اس میں وہ ثابت نہیں ہے پھر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ثابت کیا پھر فرمایا شاید ان حضرات نے کراہت سے خلافِ اولیٰ مراد لیا ہو اور اس میں شک نہیں کہ ذکر میں مشغول ہونا اولیٰ ہے۔

''فتح الباری میں'' فرمایا کہ شاید ان حضرات نے اس کا معنیٰ مراد لیا ہو یعنی زیادہ شکوہ یقین کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے اور قضاء پر ناراض ہونے کی خبر دیتا ہے نیز دشمن کے خوش ہونے کا باعث ہے لیکن مریض کے اپنے دوست یا معالج کو اپنی حالت کی خبر دینے میں بالاتفاق کوئی حرج نہیں پس درد کا ذکر شکایت نہیں۔

کتنے ہی لوگ خاموش ہوتے ہیں لیکن وہ ناراض ہوتے ہیں اور کتنے ہی شکوہ کرنے والے راضی ہوتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں دارومدار دل کے عمل پر ہے' زبان کے بولنے پر نہیں یہ اتفاقی بات ہے۔

جیسا کہ ''اللطائف میں'' آگاہ کیا گیا یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی علالت کا آغاز درد سر سے ہوا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بخار کے ساتھ تھا کہ آپ کی علالت کے دوران سخت بخار تھا۔ پس آپ (پانی کے) ٹب میں بیٹھتے اور آپ پر سات مشکیزوں سے پانی ڈالا جاتا جن کی ڈوریاں کھولی نہ جاتیں آپ اس سے ٹھنڈک حاصل کرتے۔

''صحیح بخاری میں ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ جب میرے گھر میں داخل ہوئے اور آپ کا درد بڑھ گیا تو فرمایا مجھ پر سات مشکیزے انڈیل دو جن کی ڈوریاں کھولی نہ گئی ہوں (یعنی بھرے ہوئے ہوں) شاید میں لوگوں کو کچھ وصیت کروں پس ہم نے آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ایک ٹب میں بٹھایا پھر ہم آپ پر ان مشکیزوں سے پانی ڈالنے لگیں حتیٰ کہ آپ اپنے ہاتھ سے ہماری طرف اشارہ کرنے لگے کہ تم نے اپنا کام مکمل کر

بیا(اب بس کرو)۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ص ۳۱ اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ص ۲۷۸ طبقات ابن سعد ج ۲ص ۲۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۳۴)

کہا گیا ہے کہ اس گنتی میں حکمت یہ ہے کہ اس میں زہر اور جادو کے ضرر کو دور کرنے کی خاصیت ہے۔ ان شاء اللہ عنقریب آئے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

هذا اوان انقطاع ابهرى. یہ میری رگ جان کٹنے کا وقت ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱۰ص ۱۱ التعلیق رقم الحدیث: ۱۱۹۱ الطب النبوی رقم الحدیث: ۱۵۳)

یعنی اس زہر سے (جو خیبر میں) آپ کو دیا گیا۔

جو لوگ کتے کے جھوٹے کو ناپاک نہیں مانتے انہوں نے اس سے استدلال کیا اور یہ خیال کیا کہ اس برتن کو سات مرتبہ دھونے کی وجہ اس زہر کو دور کرنا ہے جو اس (کتے) کے تھوک میں ہوتا ہے۔[1]

نبی اکرم ﷺ پر ایک مخملی چادر تھی اور جو شخص اس (چادر) کے اوپر سے ہاتھ لگاتا اسے گرمی محسوس ہوتی آپ سے اس سلسلے میں کہا گیا تو فرمایا ہمارا (انبیاء کرام) کا یہی معاملہ ہے ہم پر آزمائش سخت ہوتی ہے اور ہمارے لئے اجر دوگنا ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے فرمایا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ سب روایات حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ص ۲۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ کسی پر درد کی زیادہ سختی نہیں دیکھی۔

حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کا جسم گرم تھا میں نے عرض کیا آپ کو تو سخت بخار ہے فرمایا ہاں مجھے تم میں سے دو آدمیوں کے (بخار) برابر بخار ہوتا ہے میں نے عرض کیا یہ اس لئے کہ آپ کے لئے دو اجر ہیں؟ فرمایا ہاں یہ اس کے مقابلے میں ہے (فرمایا) جس مسلمان کو کانٹے کی تکلیف یا اس سے زیادہ پہنچے تو اللہ اس کے بدلے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے جس طرح درخت سے اس کے پتے گرتے ہیں۔

(اس حدیث میں الوعک کا لفظ آیا ہے) اور "وعک" میں واو پر زبر ہے اور عین ساکن ہے اور کبھی کبھی اس کو زبر بھی دیتے ہیں اس کا معنیٰ بخار ہے یہ بھی کہا گیا کہ بخار کی تکلیف مراد ہے ایک قول یہ ہے کہ بخار والے کا کانپنا اور اس کو حرکت دینا مراد ہے اصمعی سے منقول ہے کہ "وعک" گرمی کو کہتے ہیں پس اگر لغوی اعتبار سے یہ معنیٰ محفوظ ہو تو شاید بخار کو اس کی گرمی کی وجہ سے "الوعک" کہا جاتا ہے۔

---

[1] ایک حدیث میں ہے جو شخص صبح کے وقت سات عجوہ (عمدہ) کھجوریں کھائے اس دن اس کو زہر اور جادو نقصان نہیں دے گا "سنن نسائی میں ہے کہ "مصیبت زدہ پر سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے اور "صحیح مسلم میں ہے کہ "جس شخص کو درد ہو وہ سات مرتبہ پڑھے "اعوذ بعزة الله وقدرته من شر ما اجد واحذر اللہ تعالیٰ کی عزت وقدرت کے ساتھ اس چیز کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جسے پاتا ہوں اور جس کا مجھے ڈر ہے" اور "سنن نسائی میں ہے کہ "جس مریض کی موت کا وقت نہ آیا ہو اس کے پاس سات مرتبہ پڑھا جائے "اسال الله العظيم رب العرش العظيم ان يشفيك "میں عظمت والے اللہ تعالیٰ اور عرش عظیم کے رب سے سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء عطا کرے (تو اسے شفا مل جاتی ہے)۔ (زرقانی ج ۸ص ۲۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے جو بھی تکلیف پہنچے وہ مجھے بخار سے زیادہ پسند نہیں ہے یہ انسان کے ہر جوڑ میں داخل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر جوڑ کو اجر میں سے اس کا حصہ عطا کرتا ہے۔

امام نسائی نے حضرت فاطمہ بنت یمان جو حضرت حذیفہ کی بہن ہیں' سے روایت کیا اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا وہ فرماتی ہیں میں کچھ عورتوں کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہم آپ کی عیادت کے لئے آئی تھیں تو وہاں ایک مشکیزے سے آپ پر پانی ڈالا جا رہا تھا کیونکہ آپ کو سخت بخار تھا آپ نے فرمایا لوگوں میں سے سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کرام (علیہم السلام) کی ہوتی ہے پھر جو (درجہ کے اعتبار سے) ان سے ملے ہوئے ہیں۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے لکڑی کا بڑا پیالہ یا چمڑے کا برتن تھا جس میں پانی تھا آپ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرے پر ملتے تھے۔ آپ فرماتے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ. اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور موت کی سختیاں ہیں۔

(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے خیبر میں جو کھانا کھایا تھا اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا ہوں تو یہ وہ وقت ہے جس میں اس زہر کی وجہ سے میری ''رگ جان کٹ رہی ہے''۔

ایک روایت میں ہے کہ ''ما زالت اکلة خیبر تعادنی'' خیبر میں جو لقمہ کھایا ہے اس کا اثر بار بار لوٹ کر آتا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۸۹' الکامل ج ۳ ص ۱۲۳۹)

الاکلة۔ ہمزہ پر پیش ہے وہ لقمہ جو آپ نے (زہر ملی ہوئی) بکری سے کھایا تھا بعض راویوں نے ہمزہ پر زبر پڑھی یہ لیکن غلط ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک لقمہ کھایا تھا (اور وہ فعلة کا وزن ہے) یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ اس بکری کے زہر نے جو ایک یہودیہ نے آپ کو ہدیہ کے طور پر پیش کی تھی' رگ جان کاٹ دی' یہ زہر کبھی کبھی جوش مارتا تھا۔

''الابھر'' وہ رگ ہے جو پیٹھ کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہے اور دل سے جا ملتی ہے جب وہ کٹ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن مسعود اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال اس زہر کی وجہ سے بطور شہادت ہوا ہے۔

''صحیح بخاری میں بھی ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو معوذات ''قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ' قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے اور اپنے ہاتھ کو (جسم پر) ملتے جب وہ تکلیف ہوتی جس میں آپ کا وصال ہوا تو میں وہ معوذات پڑھتی جو آپ پھونکتے تھے اور آپ کے مبارک ہاتھ کو (آپ کے جسم پر) پھیرتی تھی۔

---

[1] امام قرطبی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے منتخب بندوں کو آزمائے تاکہ ان کے فضائل کو مکمل کرے اور ان کے درجات کو بلند کرے یہ آزمائش ان کے حق میں نقصان یا عذاب نہیں بلکہ جب وہ اس پر راضی ہوتے ہیں تو ان کو کمال درجہ کی بلندی عطا فرماتا ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۵۹' ۲۶۰)

امام مالک کی روایت میں ہے کہ میں آپ کے ہاتھ کو ملتی تھی اور اس کی برکت کی امید رکھتی تھی۔

''صحیح مسلم میں ہے کہ'' جب نبی اکرم ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو میں آپ پر پھونکتی اور آپ کے دستِ مبارک کو (آپ کے جسم پر) ملتی کیونکہ میرے ہاتھ کی نسبت اس کی برکت زیادہ تھی۔

تینوں سورتوں کو معوذات تغلیباً فرمایا (کیونکہ دو میں تعوذ ہے (لفظ اعوذ) لہٰذا تینوں کو معوذات کہہ دیا)۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے آپ کو اپنے سینے کا سہارا دے رکھا تھا' حضرت عبدالرحمٰن کے پاس تازہ مسواک تھی جسے وہ استعمال کر رہے تھے' نبی اکرم ﷺ مسلسل اسے دیکھ رہے تھے تو میں نے مسواک لے کر اسے توڑا اور اسے پانی کے ساتھ نرم کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس سے مسواک کی پس میں نے آپ سے زیادہ اچھی طرح مسواک کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(حدیث شریف میں ''فابده رسول الله بصره '' کے الفاظ ہیں) تو ابدہ میں دال مشدد ہے یعنی آپ نے اس کی طرف نظر کو بڑھایا۔

(فقضمته) میں ضاد کے نیچے زیر ہے یعنی اسے توڑا کیونکہ وہ لمبی تھی نیز اس جگہ کو دور کرنے کے لئے جہاں سے حضرت عبدالرحمٰن مسواک کر رہے تھے ''ثم طیبته میں نے اسے پانی کے ساتھ نرم کیا''۔

''صحیح بخاری ہی کی'' ایک روایت میں ہے ام المؤمنین فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو انعام کیا اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب اور آپ کے لعاب کو جمع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں مسواک تھی' نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے ٹیک لگا رکھی تھی' میں نے دیکھا کہ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کرنا پسند کرتے ہیں میں نے کہا آپ کے لئے لوں؟ تو آپ نے سر انور سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ گزرے اور آپ کے ہاتھ میں ایک تازہ شاخ تھی' نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف دیکھا تو میں سمجھ گئی کہ آپ کو اس کی ضرورت ہے پس میں نے اسے لیا اور اس کے کنارے کو چبایا اور اس کو توڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے اس سے نہایت اچھے طریقے سے مسواک فرمائی جس طرح آپ مسواک کیا کرتے تھے پھر آپ مجھے پکڑانے لگے تو وہ آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب اور آپ کے لعاب کو آپ کے دنیا میں آخری اور آخرت کے ایام میں سے پہلے دن جمع فرمایا۔

ایک حدیث جسے حضرت عقیلی نے نقل کیا اس میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیماری کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میرے پاس تر مسواک لاؤ پھر اسے چبا کر مجھے دو اور چبانے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارا اور میرا لعاب جمع ہو جائے تا کہ موت کے وقت مجھ پر آسانی ہو۔[1] (اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۸۸)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب انبیاء کرام علیہم السلام کو موت ناپسند ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اسے

[1] اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی محبت اور ام المؤمنین کی عظمت واضح ہے۔ ابن عساکر کے نزدیک یوں ہے کہ آپ نے فرمایا میں موت کی پرواہ نہیں کرتا جب سے مجھے معلوم ہوا کہ جنت میں تم میری بیوی ہو گی۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۶۲)

اپنی ملاقات اور ہر اس چیز کے ذریعے آسان کر دیا جسے وہ پسند کرتے تھے وہ کوئی تحفہ ہو یا اعزاز' حتیٰ کہ ان میں کسی ایک کی روح ان کے پہلو سے نکلتی ہے اور وہ اس مثال کی وجہ سے پسند کرتے ہیں جو ان کے سامنے پیش کی گئی۔

''مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر موت آسان ہو گی کیونکہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہتھیلی کی سفیدی جنت میں دیکھی۔

ابن سعد وغیرہ نے مرسل حدیث کے طور پر نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے ان (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کو جنت میں دیکھا حتیٰ کہ اس وجہ سے میرے لئے موت آسان ہو گئی گویا میں ان کی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی) ہتھیلیاں دیکھ رہا ہوں۔

نبی کریم ﷺ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے حتیٰ کہ ان سے صبر نہ کر سکتے پس آپ کے سامنے جنت میں ان کی مثالی صورت پیش کی گئی تا کہ آپ کا وصال آسان ہو کیونکہ محبوب لوگوں کے جمع ہونے سے زندگی اچھی ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ فرمایا: (حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے' پوچھا مردوں میں سے؟ فرمایا: ان کے باپ سے۔

اسی لئے آپ کی بیماری کے آغاز میں جب ام المؤمنین نے کہا ''وا راساہ ہائے میرا سر پھٹا جا رہا ہے'' تو آپ نے فرمایا: کہ تمہارا وصال میری زندگی میں ہو اور میں تمہاری نماز جنازہ پڑھوں اور تمہیں دفن کروں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ بات گراں گزری اور انہوں نے خیال کیا کہ آپ ان کی جدائی کو پسند کرتے ہیں جب کہ نبی اکرم ﷺ ان کا جلدی وصال چاہتے تھے تا کہ ان کا جمع ہونا قریب ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ مرض الموت کے وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس سات دینار تھے آپ نے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی حاضرین آپ کی تکلیف کی طرف مشغول ہو گئے تو آپ نے ان دیناروں کو ہاتھ میں رکھتے ہوئے فرمایا:

ماظن محمد بربه لو لقی الله وعنده هذه. حضرت (محمد) ﷺ کا اپنے رب کے بارے میں کیا گمان ہو گا اگر وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں کہ یہ دینار ان کے پاس ہوں؟[1]

پھر آپ نے ان کو صدقہ کر دیا۔

دیکھو جب تمام رسولوں کے سردار اور تمام جہانوں کے پروردگار کے محبوب جن کے سبب سے اگلوں پچھلوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں (اور آپ معصوم ہیں) ان کا یہ حال ہے تو وہ لوگ جن کے ذمہ مسلمانوں کے حرام خون اور حرام مال ہیں تو وہ اپنے رب سے کیسے ملاقات کریں گے اور ان کا اپنے رب کے بارے میں کیا گمان ہو گا؟

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے سرگوشی

''صحیح بخاری میں'' حضرت عروہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ

[1] آپ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے یوں ملاقات ہو کہ دنیا کا مال آپ کے ذمہ نہ ہو۔ ۱۲ ہزاروی

اس علالت کے دوران جس میں آپ کا وصال ہوا' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کچھ سرگوشی کی پس وہ رونے لگیں پھر ان کو بلا کر سرگوشی فرمائی تو وہ ہنس پڑیں ہم نے ان سے اس سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کی کہ اس تکلیف میں جس میں آپ کا وصال ہوا' آپ کی روح قبض کی جائے گی پس میں رونے لگی پھر مجھ سے سرگوشی فرمائی اور بتایا کہ آپ کی اہل میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے جاؤں گی (یعنی وصال ہوگا) تو میں ہنس پڑی۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین فرماتی ہیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور وہ اس طرح چل رہی تھیں کہ گویا ان کی چال نبی اکرم ﷺ کے چلنے جیسی ہے آپ نے فرمایا: اے میری بیٹی! تیرا آنا مبارک پھر ان کو اپنی دائیں جانب یا بائیں جانب بٹھایا (راوی کو شک ہے) پھر ان سے سرگوشی فرمائی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹' سنن ابن ماجہ ۱۶۲۱' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۲۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸۵۔ ج ۱۰ ص ۲۹۶' دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۳۶۴۔ ج ۷ ص ۱۶۵' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۰' کشف الخفاء ج ۲ ص ۴۱۰)

ابو داؤد' ترمذی' نسائی' ابن حبان اور حاکم (رحمہم اللہ) نے حضرت عائشہ بنت طلحہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا' ام المؤمنین فرماتی ہیں: میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو بھی کھڑا ہونے اور بیٹھنے میں سکون' وقار اور حسن سیرت کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا' جب وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے' ان کو چومتے (پیشانی پر بوسہ لیتے) اور اپنی جگہ بٹھاتے اور جب آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ بھی اسی طرح کرتی تھیں' جب آپ بیمار ہوئے اور وہ حاضر ہوئیں تو وہ آپ پر جھک گئیں اور آپ کا بوسہ لیا۔

دونوں روایتوں میں اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے پہلی بار جو سرگوشی فرمائی وہ ان کو اس بات کی خبر دینا تھا کہ آپ اس بیماری کے دوران انتقال فرمائیں گے اور اس سرگوشی میں اختلاف ہے جس پر آپ ہنسنے لگی تھیں۔ تو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو یہ خبر دی تھی کہ آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے وہ (حضرت خاتون جنت) آپ سے ملیں گی اور حضرت مسروق کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس بات کی خبر دی تھی کہ وہ جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی اور ان کو نبی اکرم ﷺ کی اہل میں سے آپ سے ملنے والی سب سے پہلی شخصیت قرار دینا پہلی روایت کے ساتھ ملایا جائے اور یہی راجح قول ہے کیونکہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی حدیث کچھ اضافات پر مشتمل ہے جو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہیں ہیں اور وہ ثقہ یاد رکھنے والے راویوں میں سے ہیں۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت میں اضافہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ میں نے کہا آج کی طرح میں نے خوشی نہیں دیکھی جو غم کے زیادہ قریب ہو تو میں نے حضرت خاتون جنت سے پوچھا انہوں نے فرمایا میں نبی اکرم ﷺ کے وصال تک آپ کے راز کو فاش نہیں کروں گی پس میں نے ان سے پوچھا تو فرمایا نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے خفیہ طور پر فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا دور ایک بار کرتے تھے اور اس سال دو بار کیا

حضرت عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت خاتون جنت کا رونا اور ہنسنا دیکھا تو فرمایا میرا خیال تھا کہ یہ خاتون سب عورتوں سے زیادہ عقل مند ہیں لیکن یہ تو عام عورتوں کی طرح ہیں (مطلب یہ کہ یہ رو بھی رہی ہیں اور ہنس بھی تو دونوں باتوں کو جمع کرنا بظاہر عجیب معلوم ہوا)۔

واقعہ متعدد بھی ہوسکتا ہے

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں قطعی طور پر بتایا گیا کہ اسی درد میں نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا جب کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت اس کے برعکس ہے اس میں یہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے دور کا جو ذکر کیا ہے اس سے استنباط کے طریقے پر وصال کا گمان فرمایا۔

یہ بھی کہا گیا کہ دونوں حدیثیں ایک دوسرے کی نفی زائد الفاظ کی وجہ سے کرتی ہیں اور یہ بات ممنوع نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ان کو خبر دینا کہ آپ کے گھر والوں میں سے وہ سب سے پہلے آپ سے ملیں گی دونوں وجہ سے ان کے رونے اور ہنسنے کا سبب ہو پس دونوں راویوں میں سے ہر ایک نے وہ بات ذکر کی جو دوسرے نے نہیں کی۔

امام نسائی نے حضرت ابوسلمہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رونے کا سبب یوں ذکر کیا کہ آپ انتقال کرنے والے ہیں اور ہنسنے کا سبب دوسری دو باتیں ہیں۔[1]

ابن سعد نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رونے کا سبب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہے اور ہنسنے کا باعث حضرت خاتون جنت کا آپ سے مل جانا ہے۔

طبرانی نے ایک اور طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ مومنوں کی عورتوں میں سے کوئی عورت تم سے بڑی مصیبت والی نہیں ہے پس تم صبر کرنے میں ان سے کم درجہ میں نہ ہونا۔

اس حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ جو عنقریب واقع ہونے والی تھا (اور یہ غیب کی خبر ہے) پس اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے حضرت خاتون جنت کا انتقال ہوا حتیٰ کہ آپ کی ازواج مطہرات سے بھی پہلے۔ (فتح الباری رقم الحدیث: ۴۴۳۳ ج ۸ ص ۱۷۲)

نبی اکرم ﷺ نے دوائی دینے سے روک دیا

سخت درد کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ بار بار بے ہوش ہوتے اور پھر افاقہ ہو جاتا' ایک بار بے ہوشی طاری ہوئی تو سب نے خیال کیا کہ یہ ذات الجنب (پہلو کا درد نمونیہ) ہے پس انہوں نے آپ کو دوائی پلائی تو آپ ان کو اشارہ کرنے لگے کہ آپ کو دوائی نہ پلائیں انہوں نے سوچا کہ شاید دوائی کو ناپسند کرتے ہیں جب افاقہ ہوا تو فرمایا کیا میں نے تمہیں دوائی پلانے سے منع نہیں کیا تھا عرض کیا اس لئے کہ بیمار آدمی دوائی لینا پسند نہیں کرتا؟ فرمایا گھر میں موجود ہر شخص کو میرے سامنے دوائی پلائی جائے سوائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کہ وہ تمہارے پاس موجود نہ تھے۔

[1] ایک یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے حضور ﷺ سے جاملیں گی اور دوسری بات یہ کہ آپ جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ ۱۲ ہزاروی

(نوٹ: یہ دوائی پلانا ان حضرات کی تادیب تھی تاکہ دوبارہ اس طرح نہ کریں)۔

حدیث میں "اللدود" کا لفظ استعمال ہوا جس کا معنیٰ یہ ہے کہ منہ کی ایک جانب سے دوائی پلائی جائے اور وہ جو منہ میں ڈالی جاتی ہے اس کو "الوجور" کہتے ہیں۔

"طبرانی میں" حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے کُٹھ کو زیتون میں ملا کر آپ کو پلایا۔

اور آپ کا یہ فرمانا کہ گھر میں کوئی باقی نہ رہے مگر اسے دوائی پلائی جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو جو تکلیف دہ بات پہنچے اس کا بدلہ لینا جائز ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ان سب نے یہ عمل نہیں کیا تھا (لہٰذا قصاص نہیں تھا بلکہ) آپ نے ان کے ساتھ یہ عمل اس لئے اختیار کیا کہ انہوں نے آپ کے روکنے کی تعمیل نہ کی لہٰذا یہ سزا تھی۔

ابن عربی نے کہا آپ کا مقصد یہ تھا کہ قیامت کے دن وہ اس صورت میں نہ آئیں کہ ان کے ذمہ آپ کا حق ہو اور وہ بہت بڑے گناہ میں پڑ جائیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ آپ ان کو معاف بھی تو کر سکتے تھے نیز آپ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے اور جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ان کو ادب سکھایا تاکہ آئندہ وہ ایسا نہ کریں لہٰذا یہ تادیب تھی' قصاص یا انتقام نہیں تھا۔

کہا گیا ہے کہ آپ نے دوائی لینا ناپسند کیا حالانکہ آپ دوائی استعمال کیا کرتے تھے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ اس بیماری میں آپ کا وصال ہوگا اور جس کے لئے یہ بات ثابت ہو جائے اس کے لئے دوائی لینا مکروہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات محل نظر ہے اور جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو (زندہ رہنے اور وفات کے درمیان) اختیار حاصل ہونے اور اس (موت) کے ثابت ہونے سے پہلے یہ واقعہ ہوا۔

آپ نے دوائی لینے سے اس لئے انکار کیا کہ وہ آپ کی بیماری کے موافق نہ تھی کیونکہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ یہ ذات الجنب ہے حالانکہ یہ بیماری نہیں تھی جس طرح حدیث کے سیاق سے ظاہر ہے۔ ابن سعد کے نزدیک یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں درد تھا وہ سخت ہوا تو آپ بے ہوش ہو گئے پس انہوں نے دوائی پلا دی جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا: تمہارا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ذات الجنب (بیماری) مسلط کر دی ہے اللہ تعالیٰ اسے مجھ پر غلبہ نہیں دے گا اللہ کی قسم! گھر میں کوئی بھی باقی نہ رہے مگر اس کو دوائی پلائی جائے پس گھر میں کوئی بھی ایسا نہ رہا جس کو دوائی نہ پلائی گئی ہو اور ہم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی دوائی پلائی حالانکہ وہ روزہ دار تھیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۸۱)

(ظاہر ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نفلی روزہ تھا اور حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ان کو دوائی پلائی گئی اور انہوں نے یہ روزہ بعد میں قضا کر لیا ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی)۔

ابو یعلیٰ نے ایک ضعیف سند کے ساتھ جس میں ابن لہیعہ ہے دوسرے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ذات الجنب سے ہوا ہے۔

دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا گیا کہ ذات الجنب کا اطلاق دو بیماریوں کے مقابل ہوتا ہے ایک بیماری ورم ہے جو پھیپھڑے کے اندر چھپا ہوتا ہے اور دوسری بیماری ہوا ہے جو پسلیوں کے درمیان رکی ہوئی ہوتی ہے۔ یہاں پہلی قسم کی نفی ہے۔

اور حاکم نے "مستدرک میں" روایت نقل کی ہے کہ ذات الجنب' شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور دوسری قسم یہاں

ثابت ہے اور یہ پہلی کی طرح ممنوع نہیں ہے۔

وہ مکتوب جو لکھا نہ جا سکا

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ کے وصال کا وقت ہوا اور گھر میں کچھ مرد تھے تو آپ نے فرمایا: لاؤ میں تمہارے لئے کچھ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے ان میں سے بعض نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے تو اہل بیت (صحابہ کرام جو وہاں موجود تھے) میں اختلاف ہوا اور وہ جھگڑنے لگے ان میں سے بعض نے کہا آپ کے قریب کرو تا کہ آپ تمہارے لئے کچھ لکھ دیں اس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے اور بعض نے اس کے علاوہ کچھ کہا جب ان کی گفتگو اور اختلاف بڑھ گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اٹھ جاؤ حضرت عبید اللہ (ابن عبد اللہ) فرماتے ہیں پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کتنی بڑی مصیبت ہے جو ان کے اختلاف کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے لکھنے میں رکاوٹ بنی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۲)

اختلاف کا جواز

مازری کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے لئے اس تحریر (لکھنے) میں اختلاف جائز تھا اس کے باوجود کہ آپ نے ان کو واضح طور پر حکم دیا تھا کیونکہ اوامر (احکام) کے ساتھ بعض اوقات ایسی باتیں مل جاتی ہیں جو ان کو وجوب سے پھیر دیتی ہیں گویا آپ سے ایسا قرینہ ظاہر ہوا جو اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ یہ حتمی حکم نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا پس صحابہ کرام کا اجتہاد مختلف ہو گیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب قرائن موجود تھے تو آپ نے رکنے کا پکا ارادہ فرمایا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے مضبوط ارادے کے ساتھ یہ حکم نہیں دیا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول "حسبنا کتاب اللہ" (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) آپ کی فقہی قوت اور باریک بینی کی علامت ہے کیونکہ آپ کو اس بات کا ڈر تھا کہ کچھ ایسی باتیں لکھی جائیں جن سے لوگ عاجز ہوں تو وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اس لئے کہ وہ باتیں منصوص (صریح حکم) ہوں گی اور آپ نے ارادہ فرمایا کہ علماء پر اجتہاد کا دروازہ بند نہ ہو اور جب نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہ کیا تو یہ آپ کی بات کے درست ہونے کی طرف اشارہ تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ" کہنا اس آیت کی طرف اشارہ تھا:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸) ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔

اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے نہیں ٹکراتا جس میں آپ نے فرمایا کتنی بڑی مصیبت ہے جو نبی اکرم ﷺ کے لکھنے میں رکاوٹ بن گئی؟ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے قطعی طور پر بڑے فقیہ تھے اور یہ بھی نہ کہا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید پر اکتفا کیوں نہ کیا حالانکہ آپ قرآن مجید کے بہت بڑے عالم اور اس کی تفسیر و تاویل کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے کیونکہ آپ نے یہ بات اس بات پر افسوس کرتے

ہوئے فرمائی کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے واضح بیان فوت ہوگیا کیونکہ وہ اجتہاد سے زیادہ بہتر ہے۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام کو نماز پڑھانا

جب نبی اکرم ﷺ کی بیماری بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا "مروا ابا بکر فلیصل بالناس حضرت ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں جب آپ کے مقام پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں سکیں گے آپ نے فرمایا "ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں" ام المومنین نے اپنی بات کو دہرایا تو آپ نے فرمایا "انکن صواحبات یوسف تم حضرت یوسف علیہ السلام کی عورتوں جیسی ہو" حضرت ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

ابوحاتم نے بھی روایت کیا اور الفاظ ان کے ہیں۔

(جمع کی ضمیر ذکر فرمائی لیکن مراد صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جس طرح صواحبات جمع ہے لیکن مراد صرف حضرت زلیخا ہیں۔ ۱۲ ہزاروی' زرقانی ج ۸ ص ۲۶۶)۔

ایک روایت میں کہ "ان ابا بکر رجل اسیف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غمگین شخص ہیں"۔

"صحیح بخاری میں" حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمائیں کہ وہ نماز پڑھائیں' فرماتی ہیں: میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کریں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں سکیں گے پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمائیں کہ وہ نماز پڑھائیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا رک جاؤ تم یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح ہو' حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اس پر حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہما) سے کہا مجھے آپ سے بھلائی حاصل نہ ہوگی۔[2] (المصدر السابق رقم الحدیث: ۶۷۹)

"الاسیف" فعیل کے وزن پر فاعل کے معنیٰ میں ہے اور الاسف سے بنا ہے یعنی سخت غمگین اور یہاں اس سے رقیق القلب مراد ہے۔

ابن حبان نے حضرت عاصم کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت شقیق کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث میں روایت کرتے ہیں' عاصم نے کہا "اسیف" نرم دل مہربان کو کہتے ہیں اور صواحب' صاحبہ کی جمع ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ دل کی بات ظاہر کرنے میں حضرت یوسف علیہ السلام والی خواتین کی طرح ہیں۔

---

[1] اس حدیث کو حدیث قرطاس کہتے ہیں اور بعض دشمنانِ صحابہ اس کی آڑ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف زہر اگلتے ہیں لیکن مصنف علیہ الرحمہ نے حضرت امام نووی رحمہ اللہ کی وضاحت کے ذریعے جواب ذکر فرمایا اس سلسلے میں شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی رحمہ اللہ کی "حدیث قرطاس" کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲ ہزاروی

[2] انسانی فطرت کے مطابق حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھی ہوں گی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جان بوجھ کر میرے خلاف ایسا منصوبہ بنایا اسی لئے انہوں نے یہ بات فرمائی ہوگی۔ ۱۲ ہزاروی

پھر یہ خطاب اگرچہ جمع کے لفظ سے ہے لیکن ایک خاتون مراد ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور دونوں کے درمیان مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زلیخا نے عورتوں کو دعوت دی اور مہمان نوازی کے ذریعے ان کے اعزاز و اکرام کو ظاہر کیا جب کہ ان کی مراد اس سے زائد بات تھی وہ یہ کہ وہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھیں اور ان کی محبت میں حضرت زلیخا کو معذور سمجھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ظاہر کیا کہ وہ امامت کو اپنے والد سے پھیرنا چاہتی ہیں کیونکہ ان کے رونے کی وجہ سے مقتدی ان کی قرأت سن نہیں سکیں گے لیکن ان کی مراد اس سے زائد بات تھی وہ یہ کہ لوگ ان سے بدشگونی نہ لیں اور ام المومنین نے اس کو واضح الفاظ میں بھی ذکر کیا جس طرح ''صحیح بخاری میں'' نبی اکرم ﷺ کے بیان میں ہے' ام المومنین فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات بار بار اس لئے کہی کہ میرے دل میں یہ بات نہ آئی کہ لوگ آپ کے بعد ایسے شخص کو پسند کریں گے جو آپ کی جگہ ہمیشہ کھڑا ہو اور میرا خیال نہیں تھا کہ آپ کی جگہ جو بھی کھڑا ہوگا لوگ اس سے بدشگونی لیں گے (لہٰذا ام المومنین نے سوچا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بدشگونی اور لوگوں کی عدم چاہت سے محفوظ رہیں)۔

دمیاطی نے نقل کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو سترہ (۱۷) نمازیں پڑھائی ہیں۔

پند و نصائح

فاکہی نے ''الفجر المنیر'' میں ذکر کیا اور اسے سیف الدین ابن عمر کی طرف منسوب کیا (الاعلام ج ۳ ص ۱۵۰' تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۵' ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۴۱۳) کہ وہ ''الفتوح'' میں لکھتے ہیں کہ جب انصار نے نبی اکرم ﷺ کی بیماری کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو مسجد کے گرد چکر لگانے لگے' حضرت عباس رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کو ان کے وہاں موجود ہونے اور خوف کے بارے میں بتایا (حضور ﷺ کے وصال کا ڈر مراد ہے) پھر حضرت فضل رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور یہی بات بتائی پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسی طرح داخل ہوئے تو نبی اکرم ﷺ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت فضل (بن عباس) رضی اللہ عنہم کے سہارے باہر تشریف لائے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے آگے تھے' نبی اکرم ﷺ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی اور پاؤں مبارک گھسٹ رہے تھے حتیٰ کہ آپ منبر کی سب سے نچلی سیڑھی پر تشریف فرما ہوئے اور لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے نبی کی وفات کا خوف رکھتے ہو کیا مجھ سے پہلے بھیجے گئے نبی ہمیشہ باقی رہے کہ میں بھی تم میں ہمیشہ رہوں گا؟ سنو! میں اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم بھی اس سے ملنے والے ہو پس میں تمہیں پہلے ہجرت کرنے والوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور مہاجرین کو آپس میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (سورۃ العصر)

زمانے کی قسم! بے شک انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور صبر کی نصیحت کی۔

اور تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوتے ہیں تمہیں کسی کام کی تاخیر اس کی جلدی پر نہ ابھارے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی

جلدی سے جلدی نہیں کرتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کے حکم) پر غالب ہونا چاہے تو اللہ تعالیٰ ہی اس پر غالب آتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہے تو وہ اس کے خلاف خفیہ تدبیر فرماتا ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ. (محمد:۲۲)

تو کیا قریب ہے کہ جب تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور رشتہ داری کے تعلق کو کاٹ دو۔

میں تمہیں انصار کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں کیونکہ انہوں نے تم سے پہلے مدینہ طیبہ کو اختیار کیا اور ایمان لائے تم ان سے نیکی کرنا کیا انہوں نے تمہیں اپنے پھلوں میں شریک نہیں کیا (کہ نصف تمہیں دے دیئے) کیا انہوں نے تمہارے لئے اپنے گھروں میں گنجائش نہیں نکالی؟ کیا انہوں نے تمہیں اپنے آپ پر ترجیح نہیں دی حالانکہ وہ خود حاجت مند تھے؟ سنو! جس کو دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے تو وہ ان میں سے نیکو کار سے قبول کرے اور ان کے گناہ گاروں سے تجاوز کرے۔

سنو! ان پر کسی کو ترجیح نہ دو' سنو! میں تم سے آگے جا کر تمہارے لئے انتظام کرنے والا ہوں اور تم مجھ سے ملنے والے ہو' سنو! تمہارے وعدہ کا مقام حوض ہے' سنو! جو شخص پسند کرتا ہے کہ کل (قیامت کے دن) حوض پر مجھ سے ملے تو وہ اپنے ہاتھ اور زبان کو روک رکھے البتہ جو کام مناسب ہو (وہ کرے) اے لوگو! گناہ' نعمتوں کو بدل دیتے ہیں اور قسمتوں کو بھی تبدیل کر دیتے ہیں جب لوگ نیکی کریں تو ان کے حکمران بھی ان سے اچھا سلوک کریں اور جب لوگ نافرمانی کریں تو ان کی بات نہ مانیں۔

انصار کی خیر خواہی

''صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما انصار کی ایک مجلس سے گزرے اور وہ رو رہے تھے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اپنے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی مجلس کو یاد کر کے رو رہے ہیں۔ پس ان دونوں میں سے ایک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بات بتائی' نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ نے سر انور پر چادر کے ایک کنارہ سے پٹی باندھی ہوئی تھی آپ منبر پر تشریف لائے اور اس دن کے بعد آپ منبر پر تشریف نہیں لے گئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا میں تمہیں انصار کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کرتا ہوں وہ میری جماعت اور میرا ٹھکانہ ہیں انہوں نے اپنا فرض پورا کر دیا اور ان کا حق باقی ہے پس ان کے نیکو کار سے (نیکی) قبول کرو اور ان کے خطا کار سے تجاوز کرو (بشرطیکہ حدود کا معاملہ نہ ہو)۔

(السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۷۱'۳ مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۲۱۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۹۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۶۹۸)

اس حدیث میں فرمایا ''فانهم كرشي وعيبتي'' وہ میرے راز دان ہیں یعنی میرے رازوں اور امانتوں کے امین ہیں اور وہ لوگ ہیں جن پر آپ کا اعتماد تھا اس معنٰی کے لئے بطور مجاز ''کرش اور عیبہ'' کے الفاظ استعمال فرمائے کیونکہ (کرش معدے کو کہتے ہیں اور) جگالی کرنے والا جانور چارہ اپنی اوجھ (معدے) میں جمع کرتا ہے اور آدمی اپنے کپڑوں کو صندوق میں جمع کرتا ہے (عیبۃ صندوق کو کہتے ہیں)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''کرش'' سے مراد جماعت ہے یعنی میری جماعت اور میرے ساتھی ہیں کہا جاتا ہے ''علیہ

کرش من الناس ''یعنی اس بات پر لوگوں کی ایک جماعت ہے۔ یہ بات ''النہایہ'' میں کہی ہے۔

وصال سے پہلے صحابہ کرام سے گفتگو

واحدی نے اپنی سند سے جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہے' ذکر کیا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مہینہ پہلے اپنے وصال کی خبر دے دی تھی جب جدائی کا وقت قریب آیا تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہوئے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے' اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے' اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے' اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطا فرمائے' اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے' اللہ تعالیٰ تمہیں سربلندی عطا کرے' اللہ تعالیٰ تمہیں ٹھکانہ عطا فرمائے میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اسے تمہارا نگہبان قرار دیتا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ڈراتا ہوں بے شک میں تمہارے لئے اس کی طرف سے واضح ڈرانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے شہروں اور اس کے بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر تکبر نہ کرو اس نے مجھے اور تمہیں فرمایا:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ O (القصص:۸۳)

یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین میں تکبر اور فساد نہیں چاہتے اور بہترین انجام پرہیزگار لوگوں کے لئے ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ O (الزمر:۶۰)

کیا جہنم' تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں؟

ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کا وصال کب ہوگا؟ فرمایا جدائی کا وقت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور جنت ٹھکانہ ہے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کو غسل کون دے گا؟ فرمایا میرے اہل بیت میں سے کچھ مرد جو زیادہ قرب رکھتے ہیں پھر جو قریبی ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم آپ کو کن کپڑوں میں کفن دیں؟ فرمایا میرے ان ہی کپڑوں میں' اور اگر مصری (سفید) کپڑے چاہو یا یمنی جوڑا ہو (تو بھی ٹھیک ہے) ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟ فرمایا جب تم مجھے غسل دے کر کفن پہنا دو تو مجھے میری اس چارپائی پر میری قبر کے کنارے پر رکھ دینا پھر کچھ دیر کے لئے باہر چلے جانا سب سے پہلے مجھ پر حضرت جبریل علیہ السلام نماز (درود شریف) پڑھیں گے پھر میکائیل علیہ السلام' پھر اسرافیل علیہ السلام اور پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام پڑھیں گے اور ان کے ساتھ فرشتوں کے لشکر ہوں گے۔

پھر تم فوج درفوج داخل ہونا اور مجھ پر درود اور خوب سلام بھیجنا سب سے پہلے میرے اہل بیت کے مرد مجھ پر درود شریف بھیجیں پھر اہل بیت میں سے عورتیں پھر تم (صحابہ کرام) اور میرے جو صحابہ کرام غائب ہیں اور جن لوگوں نے آج سے قیامت تک میرے دین میں میری اتباع کی ان پر سلام پڑھنا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کو قبر میں کون اتارے گا؟ فرمایا میرے قرابت دار' فرشتوں سے مل کر اتاریں گے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۸۶۔۲۹۰)

امام طبرانی نے اسی طرح ''الدعا'' میں روایت کیا اور یہ نہایت کمزور حدیث ہے۔

اے اللہ! رفیق اعلیٰ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حالت صحت میں فرماتے تھے کہ کسی نبی کا وصال اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا نہ جائے پھر اس کا معاملہ اس کو سونپ دیا جاتا ہے یا اسے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۳۷)

جب نبی اکرم ﷺ علیل ہوئے اور وصال کا وقت آیا اور آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا تو آپ بے ہوش ہو گئے جب افاقہ ہوا تو نگاہ کو گھر کی چھت کی طرف اٹھایا پھر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى. یا اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے۔

(یہاں فی 'مع (ساتھ) کے معنیٰ میں ہے)۔

میں نے عرض کیا اب ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے تو میں جان گئی کہ یہ وہی بات ہے جو حالت صحت میں آپ ہم سے کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے ام المؤمنین فرماتی ہیں: میں نے آپ کے وصال سے پہلے کان لگا کر سنا اور اس وقت آپ نے اپنی پیٹھ کے ساتھ مجھ سے ٹیک لگا رکھی تھی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى. یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت زہری کے طریق سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے قول 'اللھم (فی) الرفیق الاعلی'' سے یہ بات معلوم کی کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے جس طرح آپ کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے یہ بات سمجھے تھے کہ آپ نے فرمایا: ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اس چیز کے درمیان اختیار دیا جو اس (اللہ تعالیٰ) کے پاس ہے۔ کہ اس سے خود نبی اکرم ﷺ مراد ہیں حتیٰ کہ وہ رونے لگے جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے۔ یہ بات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے مطلب (بن عبد المطلب) بن عبد اللہ کے طریق سے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے:

ما من نبی یقبض الا یری الثواب ثم یخیر. کسی نبی کی روح قبض نہیں کی جاتی مگر وہ ثواب کو دیکھ لیتا ہے پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ہی (نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام) ابو مویہبہ (کہا گیا ہے کہ یہ ابو موہوبہ یا ابو موہبہ ہیں) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: (الاصابہ ج ۷ ص ۱۸۴ رقم الترجمہ: ۱۰۹۴) مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں' دنیا میں دائمی زندگی اور جنت عطا کی گئی پھر مجھے اس کے اور میرے رب کی ملاقات کے درمیان اختیار دیا گیا تو میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو اختیار کیا۔

عبدالرزاق نے حضرت طاؤس کی مرسل روایت نقل کی ہے وہ اسے مرفوعاً روایت کرتے ہیں یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیرت بین ان ابقی حتی اری ما یفتح علی امتی وبین التعجیل فاخترت التعجیل.

مجھے اختیار دیا گیا کہ میں باقی رہوں حتیٰ کہ اپنی امت کی فتوحات دیکھوں یا جلدی جاؤں تو میں نے جلدی جانے کو اختیار کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے حضرت جبریل' میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے ساتھ رفیق اعلیٰ اسعد کا سوال کرتا ہوں (بلند اور سعادت کا مقام طلب کرتا ہوں)۔

اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا اس کا ظاہر یہ ہے کہ رفیق اعلیٰ سے وہ مکان مراد ہے جس میں ان مذکورہ بالا فرشتوں کے ساتھ رفاقت حاصل ہو' ابن اثیر نے ''النہایہ میں'' فرمایا کہ رفیق سے انبیاء کرام کی جماعت مراد ہے جو اعلی علیین (بلند مقام) پر ٹھہرے ہوئے ہیں (رفیق اسم جنس ہے جو واحد اور جمع دونوں کو شامل ہے)۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہے' کہا جاتا ہے:

الله رفیق بعباده. اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

اور یہ رفق اور رأفة سے بنا ہے (یعنی مہربانی کرنا)۔ ایک قول کے مطابق اس سے حظیرة القدس (جنت) مراد ہے۔

کتاب ''روضۃ التعریف بالحب الشریف'' (امام ابوعبداللہ محمد بن الخطیب کی تصوف کے متعلق کتاب ہے) میں ہے کہ جب (شب معراج) آپ ﷺ کے لئے حق کی تجلی ہوئی تو آپ کے اور محسوسات کے درمیان نیز بشری ترقیوں کے انتہائی معانی کے ضروری حصوں کے درمیان تعلقات کمزور پڑ گئے تو آپ کے احوال زیادہ ترقی پذیر ہو گئے اسی لئے روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کل یوم لا ازداد فیہ قربا من الله فلا بورک لی فی طلوع شمسه.

جس دن میرے لئے قربِ خداوندی میں اضافہ نہ ہو تو اس دن طلوع آفتاب میں میرے لئے برکت نہ ہو۔

(کشف الظنون ج ۱ ص ۹۲۵)

اور جب آپ ایک مقام سے جدا ہو کر اس سے اعلیٰ سے مل جاتے تو پہلا مقام (اعلیٰ کے مقابلے میں) ناقص نظر آتا اور آپ محبت کی پشت پر سوار ہو جاتے اور یہ کتنی اچھی نعمت ہے کہ اس کے ذریعے مراحل اور مقامات واحوال کا سفر طے ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ کی بارگاہ کی طرف سفر ہوتا ہے نیز اس محبوب تک پہنچنا ہے' جس کے سوا سب کے لئے فنا ہے۔

سہیلی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے کلام کو اس کلمہ (اللھم بالرفیق الاعلی) کے ساتھ مکمل کیا کیونکہ یہ توحید اور قلبی ذکر کو شامل ہے حتیٰ کہ اس سے اس بات کا فائدہ حاصل ہوا کہ آپ کے غیر کے لئے زبان سے ذکر کرنا شرط نہیں کیونکہ بعض لوگوں کو بولنے میں رکاوٹ ہوتی ہے لہٰذا اگر ان کا دل ذکر سے معمور ہو تو کوئی حرج نہیں۔

حافظ ابن رجب نے کہا اس بات پر دلالت کرنے والی روایت مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک قبض کی گئی پھر آپ نے جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھا پھر آپ کی روح لوٹائی گئی اور اس کے بعد اختیار دیا گیا۔

''مسند امام احمد میں ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے:

ما من نبی الا تقبض نفسہ ثم یری الثواب ثم ترد الیہ فیخیر بین ان ترد الیہ الی ان یلحق.

ہر نبی کی روح قبض کی جاتی ہے پھر اسے ثواب دکھایا جاتا ہے پھر روح کو لوٹا کر اختیار دیا جاتا ہے کہ روح ان تک لوٹائی جائے حتیٰ کہ وہ اپنے (رب سے) مل جائیں۔

ام المؤمنین فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات یاد کی اور آپ نے میرے سینے کا سہارا لے رکھا تھا میں نے دیکھا جب آپ نے سر اٹھایا اور دیکھا تو میں نے دیکھا اب تو قسم بخدا' آپ ہمیں اختیار نہیں کریں گے پس آپ نے فرمایا:

مع الرفیق الاعلی فی الجنۃ مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا.

جنت میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ان لوگوں کے ہمراہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں؟

''صحیح بخاری میں'' حضرت عروہ کی حدیث ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حالتِ صحت میں فرمایا: کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے پھر زندہ کیا جاتا ہے یا اختیار دیا جاتا ہے۔

پس جب نبی اکرم ﷺ علیل ہوئے اور روح قبض ہونے کا وقت آ گیا اور آپ کا سر انور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر تھا تو آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی جب افاقہ ہوا تو آپ نے گھر کی چھت کی طرف دیکھ کر فرمایا ''اللھم فی الرفیق الاعلی''۔

سہیلی نے اس بات سے آگاہ کیا کہ اس کلمہ کو مقرر لانے (رفیق کو مقرر لانے اور جمع نہ لانے) میں نکتہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام جنتی' جنت میں ایک شخص کے دل کی صورت میں داخل ہوں گے۔

صحیح ابن حبان میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوئی تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا میں اس پر ہاتھ پھیرتی اور شفاء کی دعا کرتی تھی جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا: ''**اسال اللہ الرفیق الاعلی مع جبریل ومیکائیل و اسرافیل** میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت جبریل' میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے ساتھ مجھے رفیق اعلیٰ عطا فرمائے''۔

موت کی سختیاں

جب نبی اکرم ﷺ کے وصال کا وقت ہوا تو آپ کا یہ معاملہ سخت ہو گیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ کسی کو سخت تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھا۔

وہ فرماتی ہیں آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا آپ اپنا ہاتھ اس پیالے میں داخل کرتے پھر وہ پانی اپنے چہرے پر ملتے اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ. یا اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

ایک روایت میں ہے آپ نے یہ کلمات کہنا شروع کر دیئے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ لَسَکَرَاتٍ. اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک موت کے لئے سختیاں ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۱۰)

بعض علماء نے فرمایا: کہ آپ کے مقام و مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے تکلیف اور درد کی سختی تھی۔

شیخ ابو محمد مرجانی (یہ عبداللہ بن محمد بن عبدالملک مرجانی ہیں) نے فرمایا: کہ یہ سکرات' خوشی کی تڑپ تھی کیا تم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قول کو نہیں دیکھتے کہ جب وہ حالتِ نزع میں تھے اور ان کے گھر والوں نے کہا ہائے سختی! تو انہوں نے آنکھیں کھول کر فرمایا: ''واطربا ہائے خوشی'' کل میں اپنے محبوبوں یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے ملاقات کروں گا۔ (الاعلام ج ۴ ص ۱۲۵' شذرات الذہب ج ۵ ص ۴۵۱' کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۲۳۷)

تو جب ان کو یہ خوشی اس حالت میں اپنے محبوب یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپ کی جماعت سے ملاقات کی خوشی تھی تو تمہارا کیا خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے رب سے ملاقات کی خوشی کس قدر ہوگی؟ ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ. پس کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک سے کیا کچھ مخفی رکھا گیا ہے؟[1]

تو اس مقام پر کچھ بھی وصف بیان کرنے سے عبارت قاصر ہے۔ ایک مرسل حدیث جسے حافظ ابن رجب نے نقل کیا ہے۔ اس میں اس طرح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللھم انک تاخذ الروح من بین العصب والقصب والانامل فاعنی علیہ وھونہ علی. یا اللہ! تو روح کو پٹھوں' ہاتھوں اور پاؤں کی ہڈیوں اور پوروں سے نکالتا ہے پس اس پر میری مدد فرما اور اسے مجھ پر آسان کر دے۔

حضرت امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت قاسم کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا آپ اس پیالے میں ہاتھ ڈال کر پانی چہرے پر ملتے پھر کہتے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ. یا اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

اور جب آپ کو تکلیف نے ڈھانپ لیا تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے پکارا ''واکرب ابتاہ'' (ہائے میرے ابا جان کی تکلیف) آپ نے ان سے فرمایا آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

خطابی کہتے ہیں بے شمار اہل علم کا خیال ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد گرامی ''آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی'' سے مراد آپ کی امت پر شفقت ہے کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے بعد لوگ آپس میں اختلاف کریں گے اور

---

[1] ''صحیح بخاری و مسلم میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کی ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو 'فلا تعلم نفس'' آخر تک (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۳)

فتنے برپا ہوں گے۔ لیکن اس بات کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کے وصال سے امت پر آپ کی شفقت ختم ہو جائے حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ یہ قیامت تک باقی ہے کیونکہ آپ کی بعثت ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو آپ کے بعد آئیں گے اور ان کے اعمال آپ پر پیش کئے جائیں گے۔ [1] اور کلام ظاہر پر ہے اور اس سے مراد وہ تکلیف ہے جو شدتِ موت کی وجہ سے آپ کو ہو رہی تھی اور نبی اکرم ﷺ جسم اقدس کو پہنچنے والی تکلیف کے اعتبار سے (عام) انسانوں کی طرح تھے یعنی باقی لوگوں کی طرح آپ کو (بھی تکلیف پہنچتی تھی) تاکہ آپ کو دوگنا اجر ملے۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

انہ حضر من ابیک ما اللہ تعالی بتارک منہ احدا لموافاۃ یوم القیامۃ.

تمہارے والد کے پاس وہ بات (موت) آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک کسی کے پاس اس کا لانا ترک نہیں کرے گا۔

صحابہ کرام کی نماز کے دوران آپ کی الوداعی نظر

"صحیح بخاری میں" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سوموار کے دن جب مسلمان نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو نماز پڑھا رہے تھے تو ان کو صرف نبی اکرم ﷺ نے اچانک دیکھا آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھایا تو ان کو دیکھا کہ وہ نماز کی صفوں میں ہیں پھر آپ نے تبسم فرمایا اور ہنسنے لگے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں صف میں آنے لگے اور خیال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی نماز توڑ دیں کیونکہ وہ رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے خوش تھے تو آپ نے ان کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی نماز کو پورا کرو پھر آپ حجرے میں داخل ہو گئے اور پردہ ڈال دیا۔ [2]

"صحیح بخاری کے نماز کے باب میں" حضرت ابوالیمان کی روایت ہے جسے وہ حضرت شعیب سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں اسی دن نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور حضرت معمر کی روایت جسے امام بخاری نے نقل کیا' میں بھی اسی طرح ہے اور یہ سب روایات حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تین دن ہماری طرف تشریف نہ لائے پس نماز کھڑی ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تو نبی اکرم ﷺ نے پردہ پکڑ کر اٹھایا جب نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور ہمارے سامنے آیا تو ہم نے آپ کے چہرۂ انور سے زیادہ عمدہ منظر

---

[1] (کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں) اور قبر میں امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں اگر اعمال اچھے ہوں تو آپ خوش ہوتے ہیں اور برے ہوں تو ان کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ (زرقانی ج۲ ص ۲۷۳)

[2] اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ سے کس قدر محبت تھی نیز وہ آپ کی وجہ سے نماز توڑنا چاہتے تھے یہ سب ارادے ہوئے نہ صرف حضور ﷺ کا خیال آیا بلکہ آپ کو دیکھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنے اور صحابہ کرام نے نماز توڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان کی نماز برقرار رہی اب جو لوگ کہتے ہیں نماز میں حضور ﷺ کا خیال' گائے بیل کے خیال سے بدتر ہے انہیں اپنے اس برے عقیدے سے توبہ کرنی چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی

نہیں دیکھا۔

جب وہ ہمارے سامنے واضح ہوا فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ آگے ہی رہیں اور آپ نے پردہ ڈال دیا۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اس بیماری کے دوران جس میں آپ کا وصال ہوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے رہے حتیٰ کہ سوموار کا دن آیا اور وہ نماز میں صف بستہ تھے تو نبی اکرم ﷺ نے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھایا پس ہم نے آپ کو دیکھا آپ کھڑے تھے گویا آپ کا چہرۂ انور مصحف کا ورق ہو (یعنی حسن و جمال کا مرقع تھا) پھر آپ نے ہنستے ہوئے تبسم فرمایا (اپنے صحابہ کرام کو متفق و متحد ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوئے)۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے اس بات کو قطعی قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال اس وقت ہوا جب سورج ڈھل گیا تھا اسی طرح ابوالاسود نے حضرت عروہ سے روایت کیا۔

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (رضی اللہ عنہما) کہ جب نبی اکرم ﷺ کی (ظاہری) حیات طیبہ سے تین دن باقی رہ گئے تو آپ پر حضرت جبریل علیہ السلام اترے اور عرض کیا اے محمد! (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے اعزاز نیز آپ کی فضیلت و تخصیص کی خاطر بھیجا ہے وہ آپ سے ایسی بات پوچھتا ہے جسے وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے وہ فرماتا ہے آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے جبریل! میں اپنے آپ کو مغموم پاتا ہوں نیز تکلیف میں پاتا ہوں پھر وہ دوسرے دن آئے تو ان سے اسی طرح فرمایا پھر تیسرے دن آئے تو اسی طرح فرمایا پھر اس دن موت کے فرشتے نے اجازت طلب کی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد! یہ موت کا فرشتہ ہے آپ سے اجازت مانگتا ہے اور آپ سے پہلے اس نے کسی نبی سے اجازت نہیں مانگی اور نہ آپ کے بعد کسی شخص سے اجازت مانگے گا' آپ نے فرمایا: اسے اجازت دو پس ملک الموت داخل ہوئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا کہ آپ جو حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں اگر آپ حکم دیں کہ میں آپ کی روح قبض کروں تو میں آپ کی روح قبض کروں گا اور اگر مجھے اس کو چھوڑنے کا حکم دیں تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے آپ نے فرمایا اے موت کے فرشتے! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کیجئے' حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا زمین پر میری یہ آخری آمد ہے' زمین پر آپ ہی میری حاجت تھے۔ [2] پس آپ کی روح مبارک قبض کی گئی۔ جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور تعزیت

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں خلافت پر برقرار رہے حتیٰ کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ایسا نہیں جس طرح شیعہ گمان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو معزول کر دیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۶۴)

[2] امام زرقانی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وحی لانے کے حوالے سے یہ آخری آمد ہے لہٰذا لیلۃ القدر میں حضرت جبریل علیہ السلام کا اترنا اور مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ کے وقت اترنا اسی طرح جو مسلمان حالتِ طہارت میں انتقال کرے اور دجال کے ظہور کے بعد مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں ان کا اترنا کہ اسے ان مقدس شہروں میں داخل ہونے سے روکیں اور اس طرح دیگر مواقع پر اترنا اس بات کے خلاف نہیں جو انہوں نے فرمایا کہ یہ آخری آمد ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۰)

کرنے والے آئے تو انہوں نے گھر کے کونے سے آواز دی۔
اے گھر والو! تم پر سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات ہوں' ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے اور قیامت کے دن تم لوگوں کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مصیبت کی تسلی' ہر فوت ہونے والے کے لئے خلافت اور جو کچھ چلا گیا اس کا مداوا ہے پس اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو اور اسی سے امید رکھو' مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم ہوا' اور تم پر سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات ہوں' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کون تھا؟ (خود فرمایا) یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ص ۲۱۱۔ ۲۶۷ المعجم الکبیر ج ۳ص ۱۳۹' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ص ۲۹۵۔ ۲۹۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۸۲۵)

حافظ عراقی نے "احیاء العلوم کی" احادیث کی تخریج میں ذکر کیا کہ مذکورہ تعزیت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مذکور ہے اور یہ ان باتوں میں سے ہے جو "احیاء العلوم میں" مذکور ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے کتب حدیث میں اس حدیث کے وجود کا انکار کیا اور فرمایا کہ اسے (امام شافعی رحمہ اللہ کے) اصحاب نے ذکر کیا پھر عراقی نے فرمایا کہ امام حاکم نے اسے "مستدرک میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا اور صحیح قرار نہیں دیا اور نہ یہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

ابن ابی الدنیا نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک قبض کی گئی تو آپ کے صحابہ کرام آپ کے گرد جمع ہو کر (آواز کے بغیر) رونے لگے تو ایک شخص جس کے کاندھوں پر طویل بال تھے دو چادروں میں داخل ہوا وہ صحابہ کرام کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آیا اور دروازے کی دونوں طرفوں کو پکڑا اور حضور ﷺ پر رونا شروع کر دیا پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بے شک ہر مصیبت کی تسلی ہے اور ہر فانی کا عوض ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ پھر وہ شخص چلا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کو میری طرف بلاؤ انہوں نے دائیں بائیں دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں جو ہمیں تسلی دینے آئے ہیں۔ ابن ابی الدنیا نے بھی اسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اور اس میں محمد بن جعفر صادق ہیں جن میں کلام کیا گیا اور اس میں حضرت علی بن حسین اور ان کے دادا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے اور معروف یہ ہے کہ حضرت علی بن حسین سے مرسل روایت ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے "الام" میں روایت کیا اور اس میں حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر نہیں۔

امام بیہقی نے فرمایا: کہ ان کا قول "بے شک اللہ تعالیٰ کو آپ کی ملاقات کا شوق ہے" کا معنیٰ یہ ہے کہ اس سے مراد آپ کو دنیا سے آخرت کی طرف واپس لانا چاہتا ہے تاکہ آپ کو زیادہ قرب اور اعزاز حاصل ہو۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی وہ فرماتے ہیں: موت کا فرشتہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ علیل تھے اور آپ کا سر انور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا' ملک الموت نے کہا "السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ واپس چلے جائیں ہم آپ سے دوسری طرف مشغول ہیں' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ ملک الموت ہیں فرمایا آپ داخل ہو جائیں اس حال میں

کہ آپ رشد وہدایت والے ہیں جب وہ داخل ہوئے تو عرض کیا بے شک آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ملک الموت نے اس سے پہلے کسی گھر والوں کو سلام نہیں کیا اور نہ اس کے بعد کہیں گے۔

نبی اکرم ﷺ کا وصال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

توفی رسول اللہ ﷺ فی بیتی فی یومی وبین سحری و نحری وفی روایة بین حاقنتی و ذاقنتی.

رسول اکرم ﷺ کا وصال میرے گھر میں میری باری کے دن میری گردن اور چھاتی کے درمیان ہوا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میری ٹھوڑی اور گلے کے درمیان ہوا۔

الحاقنة۔ حاء قاف اور نون کے ساتھ ٹھوڑی سے نیچے کی جگہ

الذاقنة۔ گلے کے کنارے

السحر۔ سین پر زبر اور حاء ساکن سینے کو کہتے ہیں

النحر۔ نون پر زبر اور اس کے بعد حاء ہے۔

مراد یہ ہے کہ آپ کا وصال ہوا تو آپ کا سر انور حضرت ام المومنین کی گردن اور سینے کے درمیان تھا۔

وہ حدیث اس کے خلاف نہیں جو امام حاکم اور ابن سعد نے کئی طرق (سندوں) سے بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کا سر انور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا کیونکہ حافظ ابن حجر کے بقول اس حدیث کی ہر سند کسی نہ کسی خرابی سے خالی نہیں لہٰذا اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔

سہیلی فرماتے ہیں میں نے واقدی کی کسی کتاب میں پایا کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کلمہ جو اس وقت کہا جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں دودھ پیتے تھے "اللہ اکبر" تھا اور آخری کلمہ جو آپ نے کہا وہ "الرفیق الاعلی" ہے۔

امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے آخر میں یہ کلمہ کہا:

جلال ربی الرفیع. میرے رب کا جلال بلند ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے آپ سنح یعنی عالیہ (کے قریب) مقام پر (جو مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) اپنی زوجہ بنت خارجہ (بن زید خزرجیہ) کے پاس تھے اور آپ کو نبی اکرم ﷺ نے خود وہاں جانے کی اجازت دی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تلوار نکالی اور ان لوگوں کو ڈرانے لگے جو کہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا۔[1]

---

[1] یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا وہ فرماتے تھے کہ آپ کا وصال اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک آپ اپنی امت پر ان کے اعمال کی گواہی نہ دیں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے "وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۸)

وہ فرماتے تھے: کہ آپ کے پاس پیغام آیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا تو وہ اپنی قوم سے چالیس دن باہر رہے اور اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ آپ کچھ لوگوں (منافقین) کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے پس جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوئے' نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور جھک کر بوسہ لیا اور رونے لگے آپ فرما رہے تھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا یا رسول اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں آپ زندگی اور وفات دونوں حالتوں میں کس قدر اچھے لگتے ہیں؟ یہ روایت طبری نے ''الریاض میں'' نقل کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقام سنح میں اپنی رہائش گاہ سے واپس تشریف لائے حتیٰ کہ اترے اور مسجد میں داخل ہو گئے اور لوگوں سے کوئی گفتگو نہ فرمائی حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے' نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو آپ کو ایک یمنی چادر سے ڈھانپا گیا تھا آپ نے چہرۂ انور سے پردہ اٹھایا پھر آپ پر جھک گئے اور آپ کا بوسہ لیا پھر رو پڑے اور فرمایا میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں (دو مرتبہ موت) کو جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے جو موت آپ کے لئے مقرر کی ہے وہ آ چکی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا تو اس قول میں اختلاف ہے۔

کہا گیا کہ یہ اپنی حقیقت پر ہے اور آپ نے اس سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا جو کہتے تھے کہ آپ عنقریب زندہ ہو کر لوگوں کے ہاتھ کاٹیں گے کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کا دوبارہ وصال ہو پس آپ نے خبر دی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات سے زیادہ اعزاز رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع کرے جس طرح اس نے آپ کے علاوہ کچھ لوگوں پر جمع کیں مثلاً وہ لوگ جو ہزاروں کی تعداد میں گھروں سے نکلے۔ اور وہ جو ایک بستی سے گزرا۔[1]

یہ جواب سب سے واضح اور (اعتراض سے) زیادہ محفوظ ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قبر میں آپ کا وصال دوبارہ نہیں ہوگا جس طرح دوسرے لوگوں کو سوال و جواب کے لئے زندہ کیا جاتا ہے پھر وہ مر جاتے ہیں۔ یہ جواب داؤدی نے دیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ آپ کی ذات کی وفات اور آپ کی شریعت کی موت کو جمع نہیں کرے گا' کہا گیا دوسری بات تکلیف سے کنایہ ہے یعنی موت کی تکلیف کے بعد کسی دوسری تکلیف میں نہیں ڈالے گا یہ بات ''فتح الباری'' میں فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا اللہ کی قسم! رسول اکرم ﷺ کا وصال نہیں ہوا پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور سے پردہ

[1] بنی اسرائیل کی طرف اشارہ ہے جو اپنے علاقے میں طاعون پھیل جانے کی وجہ سے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مر جاؤ پھر زندہ کیا اور دوسرا واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے کہ ایک بستی (بیت المقدس) سے گزرے تو فرمایا کہ اسے اللہ تعالیٰ کس طرح زندہ کرے گا تو آپ کو موت دی گئی اور سو سال کے بعد زندہ کیا گیا اور پھر اپنے وقت پر وصال ہوا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۷۸'۲۷۹)

ہٹایا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی زندگی اور وصال دونوں اچھے ہیں اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں کبھی نہیں چکھائے گا پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا اے قسم اٹھانے والے! ٹھہر جاؤ۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گفتگو فرمائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور فرمایا سنو! جو شخص حضرت محمد (ﷺ) کی پوجا کرتا تھا تو حضرت محمد (ﷺ) کا انتقال ہو گیا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ○ (الزمر: ۳۰) آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی فوت ہوں گے۔

اور فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (آل عمران: ۱۴۴) اور حضرت محمد ﷺ تو صرف رسول ہیں (خدا نہیں) تحقیق آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

فرماتے ہیں: پس لوگوں کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی (فنشج الناس یبکون کے الفاظ ہیں)۔

کہا جاتا ہے ''نشج الباکی'' جب زیادہ رونے کی وجہ سے ہچکی بندھ جائے۔

حضرت سالم بن عبید اشجعی سے مروی ہے فرماتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں سے زیادہ پریشانی کا اظہار کیا آپ نے اپنی تلوار نکال لی اور فرمایا: میں کسی کو یہ کہتے ہوئے نہ سنوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا ورنہ میں اپنی اس تلوار سے اسے ماروں گا' راوی فرماتے ہیں: لوگوں نے کہا اے سالم! رسول اکرم ﷺ کے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیق) کو تلاش کرو فرماتے ہیں میں مسجد کی طرف نکلا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں تھے جب میں نے ان کو دیکھا تو روتے ہوئے میری ہچکی بندھ گئی انہوں نے پوچھا اے سالم کیا نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ حضرت عمر بن خطاب ہیں جو فرماتے ہیں: کہ میں کسی کو یہ بات کہتے ہوئے نہ سنوں کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ورنہ میں اسے اپنی اس تلوار سے ماروں گا۔

راوی فرماتے ہیں: پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے' حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو چادر سے ڈھانپا گیا تھا انہوں نے آپ کے چہرۂ انور سے چادر ہٹائی اور اپنا منہ آپ کے دہن مبارک پر رکھا اور (موت کی) ہوا سونگھی پھر آپ کو چادر سے ڈھانپ دیا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (آل عمران: ۱۴۴) اور حضرت محمد ﷺ تو صرف رسول ہیں (خدا نہیں) تحقیق آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

اور یہ آیت بھی پڑھی:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ○ (الزمر: ۳۰) آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی فوت

ہوں گے۔

اے لوگو! جو شخص حضرت محمد (ﷺ) کی پوجا کرتا تھا تو بے شک حضرت محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے اُسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ) گویا میں نے یہ آیات کبھی نہیں پڑھی تھیں۔

اس حدیث کو احمد حمزہ بن حارث نے نقل کیا جس طرح طبری نے اسے اپنی کتاب ''الریاض'' میں ذکر کیا اور فرمایا امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا مفہوم مکمل طور پر نقل کیا' حدیث میں استنشی الریح کے الفاظ ہیں جن کا معنیٰ (موت کی) ہوا سونگھنا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں:

میں نے نبی اکرم ﷺ کو کپڑے سے ڈھانپ دیا حضرت عمر فاروق اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما تشریف لائے اور اجازت مانگی تو میں نے ان کو اجازت دی اور پردہ کھینچ لیا' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو کہا ہائے بے ہوشی! پھر دونوں کھڑے ہو گئے (جب دروازے کے قریب پہنچے تو) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عمر! رسول اکرم ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے انہوں نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو بے شک اللہ کے رسول ﷺ کو موت نہیں آئے گی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا کر دے۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں نے پردہ اٹھایا انہوں نے آپ کو دیکھا تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر فرمایا رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا ہے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے' انہوں نے فرمایا اے عمر! بیٹھ جاؤ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو (ان کی حالت پر) چھوڑ دیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اما بعد (حمد وصلوٰۃ کے بعد!) جو شخص حضرت محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو حضرت محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے' اُسے موت نہیں آئے گی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (آل عمران:۱۴۴)

اور حضرت محمد (ﷺ) تو محض رسول ہیں (خدا نہیں) تحقیق آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں اللہ کی قسم (یوں معلوم ہوتا تھا کہ) گویا لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے تلاوت کیا پس سب لوگوں نے اسے ان سے سیکھا تو میں جس انسان سے سنتا وہ یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے جس میں یوں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ فرما رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال نہیں ہوا اور نہ ہی

اس وقت تک آپ کا وصال ہوگا جب تک اللہ تعالیٰ منافقین کو ہلاک نہ کردے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اور صحابہ کرام خوشی کا اظہار کر رہے تھے اور اپنے سروں کو اٹھاتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے شخص! نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو چکا ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ۝ (الزمر: ۳۰) بے شک آپ نے بھی انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ. (الانبیاء: ۳۴) اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ کی زندگی نہیں رکھی۔

پھر آپ منبر پر تشریف لائے اس کے بعد پوری حدیث ہے (جو پہلے گزر چکی ہے)۔

ابوعبداللہ قرطبی فرماتے ہیں: اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت پر بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ شجاعت کی تعریف یہ ہے کہ مصائب کے وقت دل قائم و ثابت رہے اور نبی اکرم ﷺ کے وصال سے بڑی کوئی مصیبت نہیں پس اس وقت آپ کی شجاعت اور علم ظاہر ہوا۔

صحابہ کرام نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال نہیں ہوا اور اس معاملے میں اضطراب پیدا ہو گیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے ذریعے اسے دور کیا پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات سے رجوع کر لیا۔

جس طرح وائلی ابونصر عبداللہ نے اپنی کتاب ''الانابہ'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ منبر پر تشریف فرما تھے۔

انہوں نے تشہد (خطبہ) کے بعد فرمایا میں نے کل تم سے ایک بات کہی تھی اور وہ اس طرح نہیں جس طرح میں نے کہا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی میں نے اسے اللہ کی کتاب سے نہیں پایا اور نہ نبی اکرم ﷺ نے کوئی ایسی بات فرمائی لیکن مجھے امید تھی کہ نبی اکرم ﷺ زندہ رہیں گے حتیٰ کہ ہم سب سے بعد آپ کا وصال ہوگا یا جیسا کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے اس چیز کو جو اس کے پاس ہے اس پر ترجیح دی جو تمہارے پاس ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رہنمائی فرمائی پس اسے اختیار کرو اس بات کی طرف رہنمائی حاصل کرو گے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رہنمائی فرمائی ہے۔

حضرت ابونصر (مذکور) نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو بات فرمائی اور پھر اس سے رجوع کیا' یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال نہیں ہوا اور ہرگز آپ کا وصال نہیں ہوگا یہاں تک کہ آپ (منافقین کے) ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں اور آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ آپ پر ایک بہت بڑا صدمہ وارد ہوا اور آپ کو فتنے اور منافقین کے ظہور کا ڈر ہوا پھر جب آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یقین کی قوت کا مشاہدہ کیا اور ان سے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنا:

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران: ۱۸۵) ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ O (الزمر:۳۰) بے شک آپ نے بھی انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔

اور لوگ یوں نکلے کہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں ان آیات کو پڑھتے تھے گویا یہ آیات آج سے پہلے بالکل نازل نہیں ہوئیں (تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا)۔

ابن منیر نے کہا جب رسول اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو عقلیں زائل ہونے کے قریب ہو گئیں ان میں سے بعض جنون کے قریب پہنچ گئے اور بعض بالکل بیٹھ گئے (شل ہو گئے) پس وہ کھڑا ہونے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور بعض کی زبانیں گنگ ہوئیں پس وہ بول نہیں سکتے تھے اور بعض بیمار ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو جنون کے قریب پہنچ چکے تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو بول نہیں سکتے تھے ان کو لایا اور لے جایا جاتا اور وہ کلام پر قادر نہیں تھے' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھ جانے والوں میں سے تھے وہ حرکت نہیں کر سکتے تھے' حضرت عبد اللہ بن انیس بیمار ہو گئے اور اسی غم میں انتقال کر گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سب سے زیادہ ثابت قدم رہے وہ یوں تشریف لائے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' سانس اکھڑا ہوا تھا اور وہ گلو گیر تھے۔

پس آپ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ پر جھک گئے آپ کے چہرۂ انور سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا آپ کی زندگی اور موت دونوں اچھی ہیں اور آپ کے وصال سے وہ چیز ختم ہو گئی جو کسی نبی کی وفات سے ختم نہیں ہوئی (نبوت مراد ہے کیونکہ آپ آخری نبی ہیں)۔

آپ ہر صفت سے عظیم اور رونے سے بلند ہیں اگر آپ کا وصال اختیاری ہوتا تو ہم آپ کے وصال پر نفسوں کو قربان کر دیتے۔ اے محمد! (ﷺ) اپنے رب کے ہاں ہمارا ذکر کرنا اور ہم آپ کی توجہ و خیال میں رہیں۔

حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا بوسہ لیا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا "صحیح بخاری" اور دیگر کتب میں یہ روایت مروی ہے۔

یزید بن بابنوس نے حضرت ام المؤمنین سے روایت کیا جسے امام احمد نے نقل کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے سرانور کی جانب سے آپ کے پاس آئے اور اپنے منہ کو جھکا کر آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا پھر فرمایا اے نبی! پھر سر اٹھایا دوبارہ منہ کو جھکا کر آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا اے منتخب اور چنے ہوئے! پھر سر اٹھایا اور پھر منہ کو جھکا کر پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا اے خلیل!

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا منہ رسول اکرم ﷺ کی پیشانی پر رکھا اور چومنے لگے اور روتے ہوئے فرماتے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی موت و حیات دونوں اچھی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ' نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوئے تو اپنا منہ آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا اور اپنے آپ کی کنپٹیوں پر رکھ کر فرمایا:

اے نبی! اے خلیل! اے منتخب شخصیت! یہ روایت ابن عرفہ عبدی نے نقل کی جیسا کہ طبری نے ذکر کیا۔

اور اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کے اور جو بات پہلے گزر چکی ہے کہ آپ ثابت قدم رہے' کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ آپ نے یہ الفاظ کسی بے قراری کے بغیر پست آواز میں کہے پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان (صحابہ کرام) سے فرمایا جو کچھ فرمایا۔

امام بیہقی اور ابونعیم نے واقدی کے طریقے سے اپنے شیوخ سے روایت کیا کہ ان کو نبی اکرم ﷺ کے وصال میں شک ہوا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے اور کچھ نے کہا کہ آپ کا وصال نہیں ہوا پس حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا اور فرمایا کہ آپ کا وصال ہو گیا' آپ کے کاندھوں کے درمیان سے مہر نبوت کو اٹھا لیا گیا ہے تو اس سے آپ کے وصال کی پہچان ہوئی۔ اس حدیث کو ابن سعد نے بھی واقدی سے نقل کیا ہے۔

اظہارِ تاسف

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ من جنة الفردوس مأواہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ.
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۴۶۲)

اے ابا جان! جنہوں نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا اے ابا جان! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے اے ابا جان! جن کے وصال کی خبر ہم جبریل امین کو دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہا گیا ہے کہ صحیح یہ ہے "الیّ جبریل نعاہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے آپ کے وصال کی خبر دی"۔

ابن جوزی کے نواسے نے "مرأۃ الزمان" کتاب میں اسے قطعی طور پر بیان کیا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں پہلے قول کی ایک وجہ ہے پس محض اپنے گمان سے راوی کو غلط قرار دینے کا کوئی مطلب نہیں۔[1]

طبرانی نے یہ اضافہ کیا ہے:

یا ابتاہ من ربہ ما ادناہ.

اے ابا جان! آپ اپنے رب کے کس قدر قریب ہیں؟

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا' نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اور اس دوران آپ مسکرائی نہیں اور آپ کو اس بات کا حق بھی تھا

(شاعر نے کہا):

علی مثل لیلی یقتل المرء نفسہ وان کان من لیلی علی الھجر طاویا

[1] مطلب یہ ہے کہ پہلے قول کے درست ہونے کی ایک وجہ ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ موت کی خبر تو اسے دی جاتی ہے جس کے علم نہ ہو (جب کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو علم تھا) کیونکہ بعض اوقات افسوس کے اظہار کے طور پر جاننے والے کو بھی خبر دی جاتی ہے۔ (زرقانی ج۸ص۲۸۳)

''لیلیٰ ایسے محبوب کے (وصال) پر اگر (عاشق اور محب) اپنی جان دے دیتا ہے اور اسے حق پہنچتا ہے (کیونکہ اس کی جان میں اس کی جان تھی) اگرچہ عاشق زندگی بھر لیلیٰ کی طرف سے شربتِ وصال کی بجائے شربتِ دیدار پر قناعت گزیں رہا مگر وصال کے بعد تو دیدار سے بھی''۔

ابونعیم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے' فرماتے ہیں:

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو موت کا فرشتہ روتا ہوا آسمان کی طرف گیا (اور کہا) اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا تحقیق میں نے آسمان سے ایک آواز سنی کہ منادی کہہ رہا تھا ''وامحمداہ'' اے محمد! ﷺ (آخر حدیث تک):

كل المصائب تهون عند هذه المصيبة. اس مصیبت کے مقابلے میں تمام مصیبتیں آسان ہیں۔

''سنن ابن ماجہ میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیماری کے دوران فرمایا:

اے لوگو! لوگوں میں سے جس کو یا فرمایا: مؤمنوں میں سے' کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس مصیبت کو سامنے رکھتے ہوئے جو میری وجہ (میرے وصال کی وجہ) سے پہنچی ہے' میرے غیر کی وجہ سے پہنچنے والی مصیبت پر صبر کرے کیونکہ میرے کسی امتی کو میرے بعد میری مصیبت سے بڑھ کر کوئی مصیبت ہرگز نہیں پہنچے گی۔

ابن جوزاء نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں اگر کسی کو کوئی مصیبت پہنچتی تو اس کا بھائی آ کر اس سے مصافحہ کرتا اور کہتا اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اور کسی قائل (شاعر) کا قول مجھے اچھا لگا:

اصبر لكل مصيبة وتجلد	واعلم بان المرء غير مخلد
واصبر كما صبر الكرام فانها	نوب تنوب اليوم تكشف في غد
واذا اتتك مصيبة تشجى بها	فاذكر مصابك بالنبي محمد

''ہر مصیبت کے وقت صبر کا اظہار کرو' اور مضبوطی دکھاؤ' اور جان لو کہ کسی شخص نے سدا زندہ نہیں رہنا۔

اور صبر (اس لیے بھی) اختیار کرنا چاہیے کہ یہ انبیاء علیہ السلام اور سلف صالحین کی سنت' اور ان کا طریقہ یہ رہا ہے کہ کیونکہ آج اگر مصائب و آلام کے بادل چھائے ہیں تو کل چھٹ جائیں گے۔

اور تجھے جب کوئی مصیبت آ کر ستائے' تو اپنے نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو پہنچنے والے مصائب کو یاد کر لیا کر''۔

ہر مصیبت پر صبر کر اور اسے برداشت کر اور جان لے کہ آدمی ہمیشہ رہنے والا نہیں اور اس طرح صبر کر جس طرح معزز لوگوں نے صبر کیا کیونکہ یہ ایک مصیبت ہے جو آج آئی ہے' کل دور ہو جائے گی۔

اور جب تجھے کوئی مصیبت پہنچے جس پر تو غمگین ہو تو اس مصیبت کو یاد کر جو اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کے فراق پر پہنچی۔

اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے:

تذکرت لما فرق الدهر بيننا فعزيت نفسي بالنبي محمد
وقلت لها ان المنايا سبيلنا فمن لم يمت في يومه مات في غد

''جب زمانے نے ہمارے درمیان جدائی ڈالی تو مجھے بات یاد آ گئی' پس میں نے اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ (کے فراق) سے اپنے آپ کو تسلی دی۔ اور میں نے نفس سے کہا کہ موتیں ہمارے راستے ہیں' پس جو آج فوت نہیں ہوگا تو کل فوت ہو جائے گا''۔

قریب تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی جدائی کے دکھ میں جمادات (پتھر) وغیرہ پھٹ جائیں تو مؤمنوں کے دلوں کا کیا حال ہوگا؟ جب کھجور کے خشک تنے نے جس کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے اور ابھی منبر نہیں بنا تھا آپ کو نہ پایا تو وہ رویا اور چلایا' حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو رو پڑتے اور فرماتے یہ لکڑی ہے جو نبی اکرم ﷺ کے لئے رو رہی ہے تو تم زیادہ حق رکھتے ہو کہ آپ کا اشتیاق رکھو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب آپ کے وصال کے بعد اور دفن سے پہلے اذان دیتے ہوئے اشهد ان محمدا رسول الله کہتے تو مسجد رونے اور رونے میں آواز کو بلند کرنے سے گونج اٹھتی تھی اور جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینا چھوڑ دی' احباب کی جدائی سے زندگی کس قدر تلخ ہو جاتی ہے خصوصاً وہ لوگ جن کے دیکھنے سے عقل مند لوگوں کی زندگی وابستہ ہو۔

لو ذاق طعم الفراق رضوی لكان من وجده يميد
قد حملوني عذاب شوق يعجز عن حمله الحديد

''اگر رضویٰ (مدینہ طیبہ میں ایک پہاڑ ہے) فراق کا ذائقہ چکھے تو اس کے اثر سے حرکت میں آ جائے انہوں نے مجھ پر شوق کا عذاب اس قدر رکھا کہ لوہا بھی اس کو برداشت کرنے سے عاجز ہو جائے''۔

نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن ہوا اس میں کوئی اختلاف نہیں اور ہجرت کے موقعہ پر آپ مدینہ طیبہ میں اس وقت داخل ہوئے تھے جب چاشت کا وقت سخت ہو جاتا ہے (سورج ڈھلنے کا وقت قریب ہوتا ہے) اور منگل کے دن اور ایک قول کے مطابق بدھ کی رات آپ کو دفن کیا گیا۔

''طبقات ابن سعد میں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن ہوا اور منگل کے دن آپ کو دفن کیا گیا اور طبقات میں ہی حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کا وصال سوموار کے دن ہوا پس اس دن کا باقی حصہ آئندہ رات کو اور اگلے دن بھی آپ کے وجود مسعود کو رکھا گیا حتیٰ کہ رات کے وقت (بدھ کی رات) آپ کو دفن کیا گیا۔

طبقات میں ہے حضرت عثمان بن محمد اخنس سے مروی ہے کہ آپ کا وصال سوموار کے دن اس وقت ہوا جب سورج ڈھل گیا اور بدھ کے دن آپ کو دفن کیا گیا۔

ابن سعد نے ہی حضرت ابی بن عباس بن سہل کے واسطہ سے ان کے والد سے روایت کیا اور وہ ان کے دادا (ابی کے دادا اور راپنے والد حضرت سہل بن ساعد انصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا وصال

سوموار کے دن ہوا اس دن کا باقی حصہ اور منگل کا دن گزارنے کے بعد بدھ کے دن آپ کو دفن کیا گیا۔

ابن سعد ہی حضرت صالح بن کیسان سے اور وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن اس وقت ہوا جب سورج ڈھل گیا (دوپہر کے وقت)۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۰۸)

نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے فراق میں بہت سے قصیدے کہے ہیں' ان میں سے آپ کا یہ کلام بھی ہے:

الایا رسول اللہ کنت رجاء نا	وکنت بنا برا ولم تک جافیا
وکنت رحیما هادیا ومعلما	لیبک علیک الیوم من کان باکیا
لعمرک ما ابکی النبی لفقده	ولکن لما اخشی من الهجر آتیا
کان علی قلبی لذکر محمد	وما خفت من بعد النبی المکاویا
افاطم صلی اللہ رب محمد	علی جدث امسی بیثرب ثاویا
فدی لرسول اللہ امی وخالتی	وعمی وخالی ثم نفسی ومالیا
فلو ان رب الناس ابقی نبینا	سعدنا ولکن امره کان ماضیا
علیک من اللہ السلام تحیة	وادخلت جنات من العدن راضیا
اری حسنا ایتمته وترکته	یبکی ویدعو جده الیوم نائیا

''یا رسول اللہ! آپ ہماری امید گاہ تھے آپ ہم سے اچھا سلوک کرنے والے تھے اور ہم سے منہ پھیرنے والے نہیں تھے۔

آپ رحمت کرنے والے' ہدایت دینے والے اور معلم تھے جس نے رونا ہوا سے چاہیے کہ آج آپ پر روئے۔

آپ کی عمر کی قسم! میں صرف نبی ﷺ کو نہ پانے پر نہیں روتی بلکہ مجھے آنے والی جدائی کا ڈر ہے۔

گویا میرے دل پر ذکر محمد ﷺ سے اور اس بات سے جس (اختلاف وانتشار اور ذلت) کا مجھے نبی اکرم ﷺ کے بعد ڈر ہے' داغ ہی داغ ہیں۔

اے فاطمہ! حضرت محمد ﷺ کا رب اس قبر انور پر رحمت نازل فرمائے جو یثرب میں پناہ گاہ ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ پر میری ماں' میری خالہ' میرے چچا اور ماموں پھر میرا نفس اور مال فدا ہو جائے اگر لوگوں کا رب ہمارے نبی ﷺ کو باقی رکھتا تو ہماری خوش قسمتی ہوتی لیکن اس کا فیصلہ اٹل ہے۔

آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو اور آپ کو جناتِ عدن میں داخل کیا جائے اس حال میں کہ آپ راضی ہوں۔

میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتی ہوں کہ آپ نے ان کو یتیم کر دیا اور روتا ہوا چھوڑا اور وہ اپنے نانا جان کو پکارتے ہیں جب کہ وہ دور ہو چکے ہیں''۔

ابوسفیان بن حارث نے ان کلمات سے جدائی پر افسوس کا اظہار کیا:

ارقت فبت لیلی لا یزول ولیل اخی المصیبة فیه طول
واسعدنی البکاء وذاک فیما اصیب المسلمون به قلیل
لقد عظمت مصیبتنا وجلت عشیة قیل قد قبض الرسول
واضحت ارضنا مما عراها تکاد بنا جوانبها تمیل
فقدنا الوحی والتنزیل فینا یروح به ویغدو جبرئیل
وذاک احق ما سالت علیه نفوس الناس اوکادت تسیل
نبی کان یجلو الشک عنا بما یوحی الیه وما یقول
ویهدینا فلا نخشی ضلالا علینا والرسول لنا دلیل
افاطم ان جزعت فذاک عذر وان لم تجزعی ذاک السبیل
فقبر ابیک سید کل قبر وفیه سید الناس الرسول

''میں نے رات بے خوابی میں گزاری جو ختم نہیں ہوتی اور مصیبت والی رات لمبی ہوتی ہے۔
اور رونے نے مجھے خوش بخت کیا اور مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبت کے مقابلے میں یہ بہت کم ہے۔
اس شام ہماری مصیبت بہت بڑی ہوگئی جب کہا گیا کہ رسول اکرم ﷺ کی روح مبارک پرواز کرگئی اور ہماری زمین اس ذات کی وجہ سے جس نے اسے چھوڑ دیا قریب تھا کہ وہ اس کے کنارے ہماری طرف مائل ہوں (یعنی تنگ ہوجائے)۔
ہماری طرف آنے والی وحی اور نزول قرآن جسے جبریل امین صبح وشام لاتے تھے ہم اس سے محروم ہو گئے اس پر لوگوں کی جانیں نکل جائیں یا نکلنے کے قریب ہوں تو یہ اس کے زیادہ لائق ہے۔
وہ نبی ﷺ جو وحی کے ذریعے اور اپنے ارشادات مبارکہ سے ہمارے شکوک کو دور کرتے تھے اور ہمیں ہدایت دیتے پس ہمیں گمراہی کا خوف نہ ہوتا کیونکہ رسول ﷺ ہمارے رہنما تھے۔
اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) اگر تم پریشانی کا اظہار کرو تو یہ عذر ہے اور اگر ایسا نہ کرو تو بھی ایک راستہ ہے آپ کے والد گرامی کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے کیونکہ اس میں وہ رسول تشریف فرما ہیں جو تمام لوگوں کے سردار ہیں''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ غم کا اظہار کیا:

لما رایت نبینا متجندلا ضاقت علی بعرضهن الدور
فارتاع قلبی عند ذاک لهلکه والعظم منی ما حییت کسیر
اعتیق ویحک ان حبک قد ثوی فالصبر عنک لما لقیت یسیر
یالیتنی من قبل مهلک صاحبی غیبت فی جدث علی صخور
فلتحدثن بدائع من بعده یعیی بهن جوارح و صدور

''جب میں نے اپنے نبی کو موت کے سامنے بچھا ہوا دیکھا' تو مکانات کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو

گئے۔ اس وقت آپ کے وصال پر میرا دل خوف زدہ ہو گیا' اور جب تک میں زندہ ہوں میری ہڈیاں ٹوٹی ہوئی رہیں گی۔ کیا تو آزاد ہے تجھ پر افسوس تیرا محبوب مدفون ہو گیا' اور تجھے جو مصیبت پہنچی ہے اس پر صبر کرنا بہت معمولی بات ہے۔ کاش میں اپنے دوست کے وصال سے پہلے چٹانوں پر قبر میں غائب ہو جاتا' ان کے بعد ایسی ایسی مصیبتیں ظاہر ہوں گی جن کی وجہ سے اعضاء اور سینے (دل) عاجز آ جائیں گے''۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ بھی اظہار غم فرمایا:

ودعنا الوحی اذ ولیت عنا فودعنا من اللہ الکلام

سوی ما قد ترکت لنا رھینا تضمنہ القراطیس الکرام

''جب آپ نے ہم سے پیٹھ پھیری تو وحی نے بھی ہمیں الوداع کہا' پس ہم سے کلام الٰہی بھی رخصت ہو گیا۔ ماسوائے اس کے جو آپ نے ہمارے پاس رہن چھوڑا' اور وہ معزز و محترم کاغذوں میں ہے''۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کتنے اچھے الفاظ میں اظہار غم فرمایا:

کنت السواد لناظری فعمی علیک الناظر

من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر

''یارسول اللہ! آپ تو میری آنکھوں کی پتلی تھے' آپ کے پردہ فرمانے سے میری آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے اور میری دنیا اندھیر ہو گئی ہے۔ مجھے آپ کی جدائی کا ڈر رہتا تھا اور اب جو آپ ہمارے پاس نہیں رہے تو میری بلا کو چاہے کوئی جئے چاہے مرے مجھے کوئی پرواہ اور ڈر نہیں رہا''۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ بھی اظہار غم کیا:

بطیبة رسم للرسول ومعھد مبین وقد تعفو الرسوم وتھمد

ولا تنمحی الایات من دار حرمہ بھا منبر الھادی الذی کان یصعد

واوضح ایات وباقی معالم وربع لہ فیہ مصلی ومسجد

بھا حجرات کان ینزل وسطھا من اللہ نور یستضاء ویوقد

معارف لم تطمس علی العھد ایھا اتاھا البلی فالای منھا تجدد

عرفت بھا رسم الرسول وعھدہ وقبرا بھا واراہ فی الترب ملحد

اطالت وقوفا تذرف العین دمعھا علی طلل القبر الذی فیہ احمد

فبورکت یا قبر الرسول وبورکت بلاد ثوی فیھا الرشید المسدد

وبورک لحد منک ضمن طیبا علیہ بناء من صفیح منضد

تھیل علیہ الترب اید واعین تباکت وقد غارت بذلک اسعد

لقد غیبوا حلما وعلما ورحمة عشیة عالوہ الثری لا یوسد

وراحوا بحزن لیس فیھم نبیھم وقد وھنت منھم ظھور واعضد

یبکون من تبکی السموات موتہ ومن قد بکتہ الارض والناس اکمد

وھل عدلت یوما رزیۃ ھالک رزیۃ یوم مات فیہ محمد

''طیبہ میں رسول اکرم ﷺ کی مشہور و معروف یادگاریں اور آثار و علامات تھے اب یہ آثار آہستہ آہستہ مٹتے اور مدہم ہوتے جا رہے ہیں۔

البتہ آپ کے مقدس حرم خانہ کی نشانیاں اور نقوش ان مٹ ہیں اسی میں ایک ہادی برحق ﷺ کا وہ منبر شریف جس پر چڑھ کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

سب سے روشن نشانی اور باقی رہنے والی یادگار وہ مقدس احاطہ اور جگہ ہے جس میں آپ کی مسجد اور جائے نماز ہے۔

اس میں وہ حجرے مبارک ہیں جس کے آنگن میں اللہ کے نور حضور ﷺ نزول فرماتے تو اس کی ضیاء پاشیوں سے وہ روشن ہوتے اور جگمگا اٹھتے۔

اور علم و عرفان کی وہ جگہیں جن کے نشان زمانے کے گزرنے کے ساتھ مٹے نہیں ہیں' بوسیدگی اور کہنگی ان مقامات پر آتی رہی مگر یہ نشانات اور آثار اس سے اور بھی زیادہ نئی شان کے ساتھ نمودار ہوئے۔

اسی میں آپ کے مبارک عہد اور اس عہد کے رسوم کی معرفت کے چشمے پھوٹتے ہیں اسی میں وہ قبر انور ہے جس میں دفن کرنے والوں نے آپ کو مٹی میں چھپایا تھا۔

اے قبر رسول! ﷺ تو برکت اور سعادت والی جگہ ہوگئی ہے اور وہ شہر بھی برکت والے ہوگئے جن میں ہدایت دینے والے حق کی راہ چلانے والے رسول ذی شان ﷺ نے قیام فرمایا ہے اور آپ مدفون ہیں۔

(نوٹ:) اس شعر کے مصرعہ ثانیہ (**بلاد ثوی فیھا الرشید المسدد**) کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **الرشد** کے معنیٰ ہدایت' راستی راہ حق پر برقرار ہوتا ہے اور **الرشدۃ** کا معنیٰ ہوتا ہے جائز نکاح اور **وُلِدَ لِرِشدِۃٍ** کا معنیٰ ہوتا ہے وہ حلال زاد ہے' اب اس تحقیق کے لحاظ سے مصرعہ ثانیہ کا ترجمہ ہوگا **بلاد ثوی فیھا الرشید المسدد** اور برکت و سعادت والے ہوگئے وہ شہر جن میں وہ رسول پاک ﷺ قیام پذیر رہے اور مدفون ہوئے جو ہمیشہ ہی راہ حق پر برقرار رہنے والے ہیں اور جو جائز نکاح سے پیدا ہونے والے ہیں یعنی آپ کا نور مبارک ہمیشہ جائز شادی اور نکاح کے ذریعے پاک اور طیب رحموں اور پاک صلبوں میں سے منتقل چلتا آیا ہے اور ہدایت دیتا اور سیدھی راہ چلاتا آیا ہے جن رحموں اور صلبوں سے ہو کر آیا وہ اباء اور جدات بھی آپ کے نور کی برکت سے بھٹکنے نہیں پائے)۔

یارسول اللہ! آپ کی قبر انور جس کے اوپر تلے چوڑے تہہ در تہہ پتھروں کی عمارت بنی ہوئی ہے اپنے دامن میں طیب و طاہر جسم کو چھپا کر برکت اور سعادت والی ہوگئی ہے۔

یارسول اللہ! جب لوگ آپ کی لحد پر اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈال رہے تھے تو ان کی آنکھیں زار و قطار رو رہی تھیں۔

جس شام کو لوگوں نے آپ کے سر مبارک کے نیچے تکیہ اور سرہانہ رکھے بغیر آپ کے اوپر مٹی ڈال کر آپ کی لحد اور آرام گاہ کو اونچا کیا تو بے شک انہوں نے اس لحد میں حلم' علم اور رحمت کو چھپایا تھا۔

فاروق رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد سنا گیا (یعنی وہ روئے) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔
''شفاء شریف کے'' حاشیہ میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں وہ خود فرماتے ہیں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی عمر کم ہونے کے باوجود اتنے لوگوں نے آپ کی اتباع کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر زیادہ ہونے کے باوجود ان کی پیروی اتنے لوگوں نے نہیں کی' آپ پر بے شمار لوگ ایمان لائے اور ان پر چند افراد ایمان لائے۔ [1]

ابن عساکر نے ابوذؤیب ہذلی [2] سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں' ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ علیل تھے تو قبیلہ والوں کو خوف محسوس ہوا اور میں نے طویل رات گزاری حتیٰ کہ جب سحری کا وقت ہوا تو میں سو گیا تو ہاتف نے (خواب میں) مجھے آواز دی اور کہا:

خطب اجل اناخ بالاسلام	بين النخيل ومقعد الاطام
قبض النبي محمد فعيوننا	تبدى الدموع عليه بالتسجام

''اسلام کو ایک بڑا حادثہ کھجور کے درختوں اور قلعوں کی نشستوں کے درمیان پیش آیا'
اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ وصال فرما گئے اور ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی''۔

میں فوراً اپنی نیند سے کود پڑا پس آسمان کی طرف دیکھا تو ''سعد الذابح'' ستارے کے سوا کچھ نہ دیکھا (تو اس سے یوں فال لی کہ اب عرب میں ذبح کا وقوعہ ہوگا) تو مجھے معلوم ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا ہے یا آپ کا وصال قریب ہے پس میں مدینہ طیبہ آیا تو وہاں رونے کے ساتھ ایسی پکار تھی جیسے حاجی صاحبان احرام باندھتے وقت تلبیہ کہتے ہیں تو آواز بلند ہوتی ہے میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو غسل دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو کچھ مروی ہے اس میں عجیب اتفاق یہ ہے کہ جب صحابہ کرام نے آپ کو غسل دینے کا ارادہ فرمایا تو ایک دوسرے سے کہا کیا ہم آپ کے جسم اقدس سے کپڑوں کو اتار دیں جس طرح اپنے فوت شدہ لوگوں کے کپڑے اتارتے ہیں یا آپ کو کپڑوں سمیت غسل دیں جب ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند ڈال

[1] حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی لیکن چند افراد ایمان لائے کہا گیا ہے کہ چھ مرد اور ان کی عورتیں ایک قول کے مطابق اناسی افراد ایمان لائے۔ آپ کی مسلمان زوجہ اور صاحبزادے سام' حام اور یافث نیز ان کی بیویاں اور بہتر افراد دوسرے تھے' آدھے مرد اور آدھی عورتیں حضرت نوح اور کشتی میں سوار سب اسی افراد تھے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۸)

[2] ابوذؤیب ہذلی معروف شاعر ہیں ان کا نام خویلد بن خالد ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ خالد بن خویلد ہے دور جاہلیت میں ایک زمانہ گزارا پھر اسلام کا دور پایا اور اسلام قبول کیا ان کے اکثر اشعار اسلام دور کے ہیں' سقیفہ بنی ساعدہ میں حاضر ہوئے' حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا اور حضور ﷺ کے وصال پر ایک قصیدہ لکھا پھر اپنے دیہات کی طرف چلے گئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مکہ مکرمہ کے راستے میں وصال ہوا یہ بھی کہا گیا ہے کہ افریقہ کے راستے میں جہاد کی حالت میں وصال ہوا' ابن زبیر فتح کی خوشخبری لے کر جا رہے تھے کہ انہوں نے ان کو دفن کیا اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۸۸)

دی حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینے پر لگتی تھی۔ پھر گھر کے ایک کنارے سے کسی کلام کرنے والے نے ان سے کلام کیا جس کے بارے وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون ہے؟ (اس نے کہا) رسول اکرم ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دو پس وہ کھڑے ہوئے اور آپ کو غسل دیا جب کہ آپ کی قمیص آپ کے جسم پر تھی' وہ قمیص کے اوپر سے پانی ڈالتے اور قمیص کے ساتھ ہی ملتے تھے۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ص ۲۴۲' المستدرک ج ۳ ص ۵۹' الخصائص الکبریٰ ج ۲ص ۲۷۵' طبقات ابن سعد ج ۲ص ۲۱۲)

امام ابن ماجہ نے جید سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے کنویں یعنی بئر غرس سے سات مشکیزوں سے غسل دینا۔ [1]

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۶۸' المغنی ج ۱ص ۲۶۱' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ص ۲۸۸' الکامل ج ۲ص ۶۶۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۲۹)

''نہایہ میں'' فرمایا کہ ''غوس'' میں غین پر زبر ہے جبکہ راء اور سین دونوں ساکن ہیں۔

ابن نجار نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے آج رات (خواب میں) دیکھا کہ صبح میں جنت کے ایک کنویں پر ہوں گا پس صبح آپ ''بئر غرس'' پر تھے اور آپ نے اس سے وضو بھی کیا اور اس میں اپنا لعاب مبارک بھی ڈالا۔ [2]

نبی اکرم ﷺ کو تین بار غسل دیا گیا پہلی بار خالص پانی کے ساتھ' دوبارہ پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ اور تیسری مرتبہ پانی اور کافور کے ساتھ غسل دیا گیا' حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے ذاتی طور پر (اپنے ہاتھوں سے) غسل دیا جب کہ حضرت قثم (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے)' حضرت اسامہ اور نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت شقران رضی اللہ عنہم پانی ڈالتے تھے اور ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی وہ مقام ستر کے علاوہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ [3]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) مجھے صرف آپ غسل دیں کیونکہ جو بھی میرے جسم شریف کو دیکھے گا اس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو جائے گی۔

امام بیہقی نے حضرت شعبی سے روایت کیا فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو غسل دیا اور وہ غسل دینے کے دوران کہہ رہے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی زندگی اور وصال دونوں طیب ہیں۔

امام ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام حاکم نے اس کی تصحیح کی' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ کنواں قباء میں تھا اور نبی اکرم ﷺ اس سے پانی نوش فرمایا کرتے تھے اور آپ نے اس میں اپنا لعاب مبارک بھی ڈالا تھا اس لئے اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا ''میرا کنواں''۔ (زرقانی ج ۸ص ۲۸۹)

[2] لعاب مبارک ڈالنے کا مقصد اس کو بابرکت بنانا تھا سبحان اللہ! یہ ہمارے آقا ﷺ کی شان ہے اور بے مثل بشر ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[3] حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی تمام افراد کی آنکھوں پر پٹی تھی تا کہ غسل کے دوران ان کی نگاہ آپ کے جسم شریف پر نہ پڑے اور انہیں یہ خوف تھا کہ جسم کا کوئی ایسا حصہ ظاہر ہو جائے جسے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ (زرقانی ج ۴ص ۲۸۹)

اکرم ﷺ کو غسل دیا تو میں وہ چیز دیکھنے لگا جو میت سے ظاہر ہوتی ہے (مثلاً خون یا پاخانہ وغیرہ) پس مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا اور آپ کی زندگی اور وصال دونوں اچھے تھے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ ایسی خوشبو اٹھی جس کی مثل انہوں نے کبھی نہ پائی تھی۔

کہا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا باندھا اور آپ کی قمیص کے نیچے ہاتھ ڈالا پھر قمیص کو نچوڑا اور آپ کے اعضائے سجدہ اور جوڑوں پر کافور لگائی اور آپ کے بازوؤں' چہرۂ انور' ہتھیلیوں اور پاؤں مبارک کو وضو کروایا اور اگر بتی اور عنبر کی دھونی دی۔

ابن جوزی نے ذکر کیا کہ حضرت جعفر بن محمد سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی پلکوں میں پانی جمع ہو رہا تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسے نوش فرماتے تھے۔

اور وہ روایت جس میں آتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب آپ کو غسل دیا تو آپ کی آنکھوں کے اندر کا پانی چوسا اور پی لیا اور وہ اس وجہ سے پہلوں اور پچھلوں کے علم کے وارث ہو گئے تو امام نووی فرماتے ہیں یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا کفن مبارک

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جسے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں' ام المؤمنین فرماتی ہیں:

كفن رسول الله ﷺ في ثلاث اثواب سحولية ابيض. — نبی اکرم ﷺ کو تین سحولی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔

(''سحولیہ'' کی وضاحت آگے آ رہی ہے)۔

اس حدیث کو امام نسائی نے عبدالرزاق کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت معمر سے وہ حضرت زہری سے اور وہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث کے چھ امام[1] اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث حضرت ہشام کے طریق سے مروی ہے وہ حضرت عروہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ اضافہ روایت کرتے ہیں۔

من كرسف ليس فيها قميص ولا عمامة. — یہ کفن سوتی تھا اور اس میں قمیص اور دستار نہیں تھی۔

البتہ امام ترمذی اور ابن ماجہ کے نزدیک ''من کرسف'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ اضافہ کیا کہ حلّہ (دو یمنی چادروں پر مشتمل جوڑا) کے بارے میں لوگ شبہ کا شکار ہیں وہ آپ کے کفن کے لئے خریدا گیا لیکن پھر اسے چھوڑ دیا گیا اور تین سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا پس حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے وہ حلّہ لے لیا اور فرمایا میں اسے سنبھال کر رکھوں گا تاکہ مجھے اس میں کفن دیا جائے پھر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ اسے اپنے نبی ﷺ کے لئے پسند کرتا تو آپ کو اس میں کفن دیا جاتا پس انہوں نے اسے بیچ دیا اور اس کی قیمت صدقہ کر

[1] صحاح ستہ کے مصنفین امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ مراد ہیں۔

امام مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایک یمنی جوڑے کا کفن پہنایا گیا جو حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کا تھا پھر اسے آپ سے اتار لیا گیا' تفصیل کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے۔
چاروں سنن (سنن نسائی' سنن ابوداؤد' سنن ابن ماجہ اور سنن ترمذی) کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے لوگوں کا یہ قول ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو دو کپڑوں اور ایک دھاری دار یمنی چادر میں کفن دیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ چادر لائی گئی تھی لیکن وہاں موجود حضرات نے اسے رد کر دیا اور اس میں آپ کو کفن نہیں پہنایا گیا۔
امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
امام بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ تین سفید' سحولی نئے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔
السحولیۃ۔ سین پر پیش ہے' امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زبر مشہور ہے۔
اور اکثر حضرات کی یہی روایت ہے''النہایہ میں'' ہروی کی اتباع میں کہا گیا کہ زبر کے ساتھ سحول کی طرف منسوب ہے اور یہ دھوبی کے لئے بولا جاتا ہے جو اسے دھوتا ہے۔ یا یمن کی ایک بستی سحول کی طرف منسوب ہے۔
اور پیش کے ساتھ یہ سحل کی جمع ہے اور یہ سفید پاک صاف کپڑے کو کہتے ہیں اور یہ سوتی ہوتا ہے اور یہ شاذ ہے (خلاف ضابطہ ہے) کیونکہ یہ جمع کی طرف منسوب ہے' کہا گیا کہ پیش کے ساتھ بھی بستی کا نام ہے۔
الکرسف۔ کاف پر پیش' راء ساکن اور سین پر ضمہ ہے اور آخر میں فاء ہے کپاس (روئی) کو کہتے ہیں۔
امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے کفن کے بارے میں مختلف روایات ہیں اور اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ کرام اور ان کے علاوہ کا اس پر عمل ہے۔
امام بیہقی نے ''الخلافیات'' میں فرمایا کہ حضرت ابوعبداللہ یعنی امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب' حضرت ابن عباس' حضرت عائشہ' حضرت ابن عمر' حضرت جابر اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں قمیص اور عمامہ شامل نہیں تھا۔
حضرت عبداللہ بن محمد عقیل' حضرت ابن حنیفہ سے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو سات کپڑوں میں کفن دیا گیا' اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا۔
اور ابن حزم نے ذکر کیا کہ اس میں ابن عقیل یا ان کے بعد والوں کی وجہ سے وہم آیا'' اس کفن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا''۔ اس قول کے معنیٰ میں اختلاف ہے پس صحیح قول کے مطابق اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کفن میں قمیص اور عمامہ بالکل نہیں تھا۔
دوسرے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جو قمیص اور عمامہ سے خارج (یعنی ان کے علاوہ تھے)۔
شیخ تقی الدین بن دقیق العید فرماتے ہیں پہلا قول مراد میں زیادہ ظاہر ہے۔
امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' فرمایا کہ پہلا قول امام شافعی اور جمہور علماء کی تفسیر ہے اور یہی درست ہے جس کا تقاضا حدیث کا ظاہر کرتا ہے اور فرمایا کہ دوسرا قول ضعیف ہے پس یہ بات ثابت نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو قمیص اور عمامہ میں کفن دیا گیا ہو۔

اس بنیاد پر ان (فقہاء کرام) کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ کفن میں قمیص اور عمامہ ہو یا نہ؟

تو امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں مستحب ہے کہ تینوں کپڑے لفافہ ہوں (ایسے ہوں جن کو لپیٹا جاتا ہے) ان میں قمیص اور عمامہ نہ ہو۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان تین کپڑوں سے زائد قمیص اور عمامہ ہوتا کہ پانچ کپڑے ہو جائیں تو حنبلی فقہ والوں کے نزدیک یہ طریقہ مکروہ ہے' شافعی حضرات فرماتے ہیں جائز ہے لیکن مستحب نہیں اور مالکی حضرات کے نزدیک مردوں اور عورتوں سب کے لئے مستحب ہے البتہ عورتوں کے حق میں زیادہ تاکید ہے وہ فرماتے ہیں سات تک کا اضافہ مکروہ نہیں۔ البتہ اس سے زائد فضول خرچی ہے اور احناف فرماتے ہیں تین کپڑے ہوں ازار (چادر) قمیص اور لفافہ (بڑی چادر)۔

مسلمانوں کا کفن کے وجوب پر اجماع ہے اور یہ فرض کفایہ ہے پس اس (میت) کے مال سے واجب ہے اور اگر اس کا مال نہ ہو تو جس پر اس کا نفقہ لازم تھا اس پر واجب ہے۔

اگر شادی شدہ عورت کے پاس مال ہو تو اس کے بارے میں ہمارے اصحاب (یعنی شافعی حضرات) کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا اس کے اپنے مال میں واجب ہے یا خاوند کے مال میں؟ امام رافعی نے ''الشرح الصغیر'' اور ''المحرر'' میں اور امام نووی رحمہ اللہ نے ''المنہاج میں'' پہلا موقف اختیار کیا جب کہ امام رافعی ''الشرح الکبیر'' میں اور امام نووی نے ''شرح المہذب میں'' دوسرا موقف اختیار کیا اور فرمایا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے خاوند پر عورت کا کفن اس شرط کے ساتھ واجب کیا کہ عورت تنگ دست ہو لیکن فقہاء کرام نے ان پر اعتراض کیا ہے۔

اور جب عورت تنگ دست ہو تو اس کا کفن قطعی طور پر خاوند پر واجب ہے اور وہ بھی صرف ایک کپڑا اور وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اگر میت اسے ساقط کرنے کی وصیت کرے تو یہ وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ بخلاف دوسرے اور تیسرے کپڑے کے کہ وہ میت کا حق ہے اور اس کو ساقط کرنے سے متعلق اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ جس قمیص میں نبی اکرم ﷺ کو غسل دیا گیا تھا آپ کو کفن پہناتے وقت اسے اتار دیا گیا تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم میں'' فرمایا کہ یہی بات درست ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی کیونکہ اگر یہ اپنی رطوبت کے باوجود باقی رہتی تو کفن کے کپڑوں کو خراب کر دیتی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جو ''سنن ابی داؤد میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا حلہ یعنی دو کپڑے اور وہ قمیص جس میں آپ کا وصال ہوا۔

تو یہ حدیث ضعیف ہے اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث کے ایک راوی یزید بن زیاد کے ضعف پر اجماع ہے خصوصاً جب کہ اس کی روایت میں ثقہ راویوں کی مخالفت ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ اور تدفین

''ابن ماجہ میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث یوں مروی ہے کہ جب منگل کے دن نبی اکرم ﷺ کی

...سے فارغ ہوئے (کفن پہنا دیا) تو آپ کو آپ کے حجرۂ مبارکہ میں چارپائی پر رکھ دیا گیا پھر لوگ جماعت در جماعت داخل ہو کر آپ پر درود شریف پڑھتے رہے حتیٰ کہ جب (مرد) فارغ ہوئے تو عورتیں داخل ہوئیں یہاں تک کہ جب وہ فارغ ہوئیں تو بچے داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ پر کسی نے امامت نہیں کرائی۔ (طبرانی)

ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے فرشتوں نے آپ پر درود شریف بھیجا اور وہ گروہوں کی شکل میں تھے پھر آپ کے اہل بیت نے پھر دوسرے لوگ گروہوں کی صورت میں آئے پھر آخر میں آپ کی ازواج مطہرات آئیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ کے اہل بیت نے آپ پر درود شریف پڑھا تو لوگوں کو معلوم نہ ہوا کہ وہ کیا کہیں؟ تو انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا انہوں نے ان کو حکم دیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کرو تو انہوں نے فرمایا یوں کہو:

ان الله وملائكته يصلون على النبى يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما' لبيك اللهم ربنا وسعديك صلوات الله البر الرحيم' والملائكة المقربين' والنبيين والصديقين والشهداء والصالحين' وما سبح لك من شيء يا رب العالمين' على محمد بن عبد الله خاتم النبيين' وسيد المرسلين' وامام المتقين ورسول رب العالمين' الشاهد البشير الداعي اليك باذنك السراج المنير' وعليه السلام.

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ اے اللہ! ہم بار بار حاضر ہیں اللہ تعالیٰ جو نیکی قبول کرنے والا رحیم ہے' ملائکہ' مقربین' انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین کی طرف سے اور اے تمام جہانوں کے پالنے والے! جو چیز بھی تیری تسبیح کرتی ہے اس کی جانب سے حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود ہو جو سب سے آخری نبی' تمام رسولوں کے سردار' متقی لوگوں کے امام' تمام جہانوں کے پروردگار کے رسول' حاضر و ناظر' خوشخبری دینے والے' تیرے حکم سے تیری طرف بلانے والے' روشن چراغ ہیں اور آپ پر سلام ہو۔

یہ روایات شیخ زین الدین بن حسین مراغی نے اپنی کتاب "تحقیق النصرہ" میں ذکر کی ہے۔[1] (کشف الظنون ج ا ص ۳۷۸)

پھر باہم مشورہ ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کریں؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ما هلك نبى قط الا يدفن حيث تقبض روحه.

جو نبی انتقال کرے اسے وہاں دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے بھی آپ سے یہ بات سنی ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ آپ کی قبر شریف کھودی جہاں وصال کے وقت آپ کا بچھونا تھا۔

[1] کتاب "تحقیق النصرہ فی تاریخ دار الہجرہ" مراد ہے اور ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ عام طریقے پر نہ تھی بلکہ صحابہ کرام حاضر ہوتے اور درود شریف پڑھتے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۲)

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آپ کی قبر میں کون اترا تھا؟ اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح بات جو مروی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی قبر میں آپ کے چچا حضرت عباس' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت قثم بن عباس اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم اترے تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ سے سب سے آخر میں جن کا رابطہ ہوا وہ حضرت قثم بن عباس تھے (وہ سب سے آخر میں قبر سے باہر آئے)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی قبر شریف میں نو اینٹیں لگائی گئیں اور آپ کے نیچے نجران کا ایک کپڑا بچھایا گیا جس سے آپ کے جسم اقدس کو ڈھانپا گیا تھا' حضرت شقران نے اسے قبر میں بچھایا اور فرمایا اللہ کی قسم! آپ کے بعد اسے کوئی نہیں پہنے گا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام شافعی اور آپ کے اصحاب اور دوسرے علماء نے قبر میں میت کے نیچے کپڑے کا کوئی ٹکڑا' بچھونا اور تکیہ وغیرہ بچھانے کو مکروہ قرار دیا اور ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے امام بغوی نے اپنی کتاب ''التہذیب میں'' الگ مؤقف اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس حدیث کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن درست بات یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ جمہور نے کہا ہے۔ ان حضرات نے اس حدیث کا جواب اس طرح دیا ہے کہ حضرت شقران رضی اللہ عنہ اس عمل میں منفرد ہیں اور کسی دوسرے صحابی نے ان کی موافقت نہیں کی اور نہ ان کو اس بات کا علم ہے۔ حضرت شقران رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ کے بعد کوئی شخص اسے پہنے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

''تحقیق النصرۃ'' میں ہے ابن عبدالبر نے فرمایا کہ پھر جب نو اینٹیں رکھ کر فارغ ہوئے تو وہ کپڑا نکال لیا گیا۔ یہ بات ابن زبالہ نے نقل کی ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ کو دفن کیا گیا تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ (کی قبر شریف) پر مٹی ڈالنا کیسے گوارہ کر رہے ہو؟ (صحیح بخاری)

پھر انہوں نے قبر شریف سے خاک شریف لے کر اپنی آنکھوں پر رکھی اور یہ اشعار پڑھے:

ماذا علی من شم تربۃ احمد	ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انھا	صبت علی الایام عدن لیالیا

''جو شخص حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی قبر شریف کی مٹی سونگھے اسے کیا ہے اگر وہ عمر بھر ''غوالی'' خوشبو نہ سونگھے۔

میرے اوپر ایسی مصیبتیں ڈالی گئیں کہ اگر وہ زمانے پر ڈالی جاتیں تو اس کے دن' راتوں میں بدل جاتے''۔

حضرت رزین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر پر پانی چھڑکا گیا' حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ نے اپنے مشکیزے سے پانی چھڑکا اور اس کا آغاز سر کی جانب سے کیا۔ یہ بات ابن عساکر نے نقل کی ہے اور میدان سے سرخ سفید کنکریاں لے کر اس پر ڈالی گئیں اور قبر شریف کو زمین سے ایک بالشت بلند کیا گیا۔

قبرانور کی صفت

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اس علالت کے دوران جس سے آپ اٹھ نہ سکے فرمایا:

(لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياء هم مساجد) لو لا ذلک لا برز قبره غير انه خشي او خُشي ان يتخذ مسجدا.

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے انہوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر ظاہر ہوتی لیکن آپ کو ڈر ہوا یا ڈر محسوس کیا گیا کہ اسے سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔ [1]

(صحیح مسلم رقم الحدیث :۱۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۸۔۵۱۸۔ ج ۵ ص ۲۰۴' دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۶۴' التمہید ج ۱ ص ۱۹۶۔ ج ۵ ص ۴۶' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث :۷۱۲' کنز العمال رقم الحدیث :۱۸۷۶۲۔۱۹۱۸۹۔۲۲۵۲۳)

ابوعوانہ کی روایت جسے حضرت ہلال (بن حمید جہنی) سے نقل کیا خَشِيَ اور خُشِيَ (یعنی معروف کا صیغہ ہے یا مجہول کا)۔

پس مجہول کی روایت مبہم ہے' ممکن ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہی اس کو واضح (اونچا) کرنے سے منع کیا ہو اور ''غیر انه ''میں ضمیر ''ھا ''ضمیر شان ہے اور گویا انہوں نے اپنی ذات مراد لی اور وہ لوگ مراد لئے جو اس سلسلے میں ان کے موافق ہیں اور اس بات کا تقاضا یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنے اجتہاد سے یہ کام کیا لیکن خاء پر زبر کے ساتھ معروف کا صیغہ تقاضا کرتا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس بات کا حکم دیا (کہ قبر شریف کو زیادہ اونچا نہ کیا جائے)۔

''لابرز قبره ''یعنی قبر کو واضح کیا جائے اور اس کے اوپر کوئی پردہ حائل نہ ہو یعنی گھر سے باہر بنائی جائے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسجد کی توسیع سے پہلے فرمائی اسی لئے جب مسجد کی توسیع کی گئی تو حجرۂ مبارکہ کی تکونی شکل میں حد بندی کی گئی تاکہ کوئی شخص قبر کی جہت میں نماز نہ پڑھ سکے حالانکہ وہ قبلہ کی جہت میں ہے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوبکر بن عیاش کی روایت بھی ہے جسے انہوں نے حضرت سفیان التمار سے روایت کیا انہوں نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کو کوہان نما یعنی اٹھی ہوئی بلند دیکھا۔ ابوالنعیم نے ''المستخرج'' میں یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں بھی اسی طرح ہیں۔

اس سے استدلال کیا گیا کہ قبروں کو کوہان نما بنانا مستحب ہے۔

امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام احمد' مزنی اور بہت سے شافعی حضرات کا یہی قول ہے۔ قاضی حسین نے تمام اصحاب شافعی کے اس بات پر اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ قدیم شافعیوں کی ایک جماعت کے نزدیک قبر کو برابر رکھنا مستحب ہے جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان کیا اور ماوردی وغیرہ نے اس پر اعتماد کیا۔ [2]

---

[1] قبر انور کے ظاہر ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ عمارت کے اندر نہ ہوتی یا آپ کو حجرۂ مبارکہ کے باہر دفن کیا جاتا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۳)

[2] ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر کو اسی طرح برابر رکھا اور آپ کا عمل حجت ہے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے افضل طریقے کو پسند فرمایا ہے اور آپ کا عمل بیان جواز کے لئے تھا۔ (زرقانی)

اور سفیان تمار کا قول حجت نہیں جس طرح امام بیہقی نے فرمایا کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور شروع میں کوہان نما ہو۔

ابوداؤد اور حاکم نے قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے طریق سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا اماں جان! میرے لئے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کو کھولئے تو انہوں نے میرے سامنے تین قبروں کو کھولا جو نہ تو زیادہ بلند تھیں اور نہ ہی زمین سے ملی ہوئی تھیں اور وہاں وادیٔ بطحاء کی سرخ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں۔

حاکم نے یہ اضافہ کیا کہ میں نے دیکھا رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف سب سے آگے تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سر انور آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان اور حضرت عمر فاروق کا سر انور نبی کریم ﷺ کے پاؤں کے پاس تھا (قبروں کی یہ ترتیب اور انداز تھا) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ صورت حال تھی گویا شروع میں قبر انور برابر سطح کی تھی پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں جب وہ ولید بن عبدالملک سے پہلے مدینہ طیبہ کے امیر تھے قبروں کی دیوار بنائی گئی تو ان قبروں کو بلند کر دیا گیا۔

ابوبکر آجری (محمد بن حسین بن عبداللہ متوفی ۳۶۰ھ) نے اپنی کتاب ''صفۃ قبر النبی ﷺ'' میں اسحاق بن عیسیٰ بن بنت داؤد بن ابی ہند کے طریق سے حضرت غنیم بن نسطاس مدنی سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کو دیکھا کہ وہ چار انگلیوں کے برابر بلند تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کو اس سے ذرا پیچھے دیکھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر کو دیکھا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کے پیچھے کچھ نچلی جانب تھی۔

(الاعلام ج۶ص ۹۷' وفیات الاعیان ج اص ۴۸۸' صفۃ الصفوۃ ج ۲ص ۲۶۵' تاریخ بغداد ج ۲ص ۲۴۳)

پھر اختلاف اس بات میں ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کیا ہے؟ (کوہان نما یا برابر سطح والی قبر) اصل جواز میں کوئی اختلاف نہیں (دونوں طرح جائز ہے)۔

مزنی نے معنوی طور پر کوہان بنانے کو ترجیح دی ہے یعنی برابر سطح ہو لیکن وہ بیٹھی ہوئی کے مشابہ ہو' کوہان نما نہ ہو۔

صحیح مسلم نے حضرت فضالہ بن عبیہ کی حدیث سے جو کچھ روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا پھر اسے برابر کیا گیا پھر فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا۔

اس روایت کی بنیاد پر برابر کرنے کو ترجیح دی گئی ہے۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان پر دیوار گر گئی یعنی ولید بن عبدالملک کے زمانے میں حجرۂ مبارکہ کی دیوار گری تو انہوں نے اسے بنانا شروع کیا ان کے لئے ایک پاؤں ظاہر ہوا تو وہ گھبرا گئے اور گمان کیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک ہے پس کسی ایک شخص کو بھی نہ بتایا جو یہ بات جانتا ہو حتیٰ کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! یہ نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی قسم یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قدم مبارک ہے۔

اس سلسلے میں سبب' وہ روایت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت شعیب بن اسحاق کے طریق سے روایت کیا

حضرت ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: مجھے میرے والد نے خبر دیتے ہوئے فرمایا:
کہ لوگ قبر شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے حکم سے اسے بلند کیا گیا تا کہ اس کی طرف کوئی شخص نماز نہ پڑھے جب دیوار گری تو ایک پاؤں پنڈلی اور گھٹنے سمیت ظاہر ہوا اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ گھبرا گئے پس حضرت عروہ ان کے پاس آئے اور فرمایا یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پنڈلی اور گھٹنا ہے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا خوف زائل ہو گیا۔

آجری نے روایت کیا کہ رجاء بن حیوہ نے فرمایا[1] کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر شریف نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف (نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس کے) درمیانے حصے سے متصل ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پیچھے ہے اور ان کا سر مبارک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے درمیان والے حصے کے نزدیک ہے۔ یہ روایت بظاہر حضرت قاسم کی روایت کے خلاف ہے اگر ان کو جمع کرنا ممکن ہو تو ٹھیک ہے ورنہ حضرت قاسم کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

حضرت ابو یعلیٰ نے دوسرے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو کچھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی دائیں جانب اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب ہیں تو اس کی سند ضعیف ہے۔

اربابِ سیرت اور دوسرے حضرات نے ان مقدس قبور کے سلسلے میں سات روایات کی بنیاد پر اختلاف کیا ہے ان روایات کو ابن عساکر نے ''تحفۃ الزائر'' میں ذکر کیا[2] اور اہل سیر نے حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا فرماتے ہیں حجرۂ مبارکہ میں مشرقی جانب ایک طاق کی طرف کچھ جگہ باقی ہے جس میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دفن کیا جائے گا اور ان کی قبر چوتھی قبر ہوگی۔

ابن جوزی کی ''المنتظم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں اتریں گے شادی کریں گے ان کی اولاد پیدا ہوگی اور وہ چالیس سال ٹھہریں گے پھر ان کا وصال ہوگا تو میری قبر میں میرے ساتھ دفن ہوں گے (یعنی اس حجرۂ مبارکہ میں دفن ہوں گے)۔ پس میں اور حضرت عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان سے اٹھیں گے۔ (المنتظم ج ۲ ص ۳۹)

---

[1] رجاء بن حیوہ کہتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک نے امہات المؤمنین کے حجروں کو خریدا اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ ان کو گرا کر مسجد کی توسیع کریں تو ہم ایک کنارے پر بیٹھ گئے پھر انہوں نے ان کو گرانے کا حکم دیا تو اس دن سے زیادہ رونا ہم نے نہیں دیکھا پھر عمارت تعمیر کی جس طرح ارادہ کیا تھا جب قبر انور پر عمارت بنائی اور پہلی عمارت کو گرایا تو تین قبریں ظاہر ہوئیں اور ان پر جو ریت تھی وہ گرنے لگی حضرت عمر بن عبدالعزیز گھبرائے اور خود اٹھ کر ٹھیک کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا کہ اگر آپ اٹھیں گے تو سب لوگ اٹھیں گے اللہ آپ کو بھلائی عطا کرے اگر کسی کو حکم دیں تو بہتر ہے اور مجھے امید تھی کہ مجھے حکم دیں گے چنانچہ انہوں نے اپنے غلام سے فرمایا اے مزاحم! ان کو درست کرو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۵)

[2] ان میں سے پانچ ضعیف ہیں اور دو روایتیں صحیح ہیں ایک وہ جو حضرت قاسم کے حوالے سے گزر گئی ہے اور دوسری وہ جس حضرت رزین وغیرہ نے اعتماد کیا اسی کو مشہور قرار دیا گیا حضرت امام نووی اور سمھودی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۵)

''تحقیق النصرہ میں بھی'' اسی طرح ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی تدفین میں تاخیر

اگر تم کہو کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال سوموار کے دن ہوا اور بدھ کے دن آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کی تدفین میں تاخیر کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ ایک گھرانے نے اپنی میت کی تدفین میں تاخیر کی تو آپ نے فرمایا:

عجلوا دفن میتکم و لا تؤخروہ. اپنی میت کو دفن کرنے میں جلدی کرو اور اس میں تاخیر نہ کرو۔

(تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۲۲۴۔ ج ۵ ص ۲۹۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے وصال کے بارے میں عدم اتفاق ذکر کیا گیا یا تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ کہاں دفن کریں؟ ایک گروہ نے کہا کہ جنت البقیع میں دفن کریں کچھ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ مسجد میں دفن کیا جائے ایک اور جماعت نے کہا کہ آپ کو اٹھا کر آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے قریب لے جایا جائے اور وہاں دفن کیا جائے حتیٰ کہ اس امت کے سب سے بڑے عالم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ما دفن نبی الا حیث یموت. نبی کو اس مقام پر دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کا انتقال ہوتا ہے۔

یہ حدیث ابن ماجہ نے ذکر کی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور ''جامع ترمذی کی'' روایت میں ہے:

ما قبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ ادفنوہ فی موضع فراشہ. اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح کو اس جگہ قبض فرماتا ہے جس جگہ کو وہ اپنے دفن ہونے کے لئے پسند کرتا ہے پس آپ کو آپ کے بچھونے کی جگہ دفن کرو۔

علاوہ ازیں وہ اس اختلاف میں مشغول تھے جو بیعت کے بارے میں مہاجرین اور انصار کے درمیان واقع ہوا پس وہ اس سلسلے میں غور کرتے رہے حتیٰ کہ خلافت اور اس کے نظام کا معاملہ طے ہو گیا پس انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر اگلے روز انہوں نے جماعتی طور پر آپ کی بیعت کی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے مرتدین کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو دور فرمایا۔

اس (بیعت) کے بعد ان حضرات نے نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کیا اور آپ کی تدفین میں غور کیا پس آپ کو غسل دیا' کفن پہنایا اور دفن کیا۔

مدینہ طیبہ دونوں کے درمیان

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی مبارک روح کی آمد کے لئے جنتوں کو سجایا گیا لیکن اس طرح نہیں جس طرح کسی بادشاہ کے آنے پر شہر کو سجایا جاتا ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والے بعض افراد کی روح کے آنے پر رحمٰن کا عرش خوشی کے طور پر جھومنے

لے تو تمام روحوں کی روح سرکار دو عالم ﷺ (کی روح مبارک) کی آمد پر کیا کیفیت ہوگی؟

جب نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حبشی آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے نیزوں کے ساتھ کھیلنے لگے جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔ [2]

اور دارمی کی روایت میں ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن سے بڑھ کر کسی دن کو زیادہ خوبصورت اور زیادہ روشن نہیں دیکھا جس دن اللہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس مدینہ طیبہ تشریف لائے اور میں نے اس دن سے برا اور تاریک دن نہیں دیکھا جس دن نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔ ''جامع ترمذی کی'' روایت میں ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس کی ہر چیز روشن ہوگئی اور جس دن آپ کا وصال ہوا اس کی ہر چیز تاریک ہوگئی اور ہم نے ابھی مٹی سے ہاتھ جھاڑے نہیں تھے اور ہم آپ کی تدفین میں مصروف تھے کہ ہمارے دلوں نے انکار کر دیا۔ [3]

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جو علامات ظاہر ہوئیں ان میں سے ایک نشانی یہ تھی کہ آپ کا دراز گوش غمگین ہوا حتیٰ کہ کنوئیں میں گر گیا اسی طرح آپ کی اونٹنی نے کھانا پینا چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ مرگئی۔

اسی طرح وہ باتیں ظاہر ہوئیں جن کے بارے میں آپ نے بتایا تھا کہ میرے وصال کے بعد یہ کچھ ہوگا اور یہ بے شمار باتیں ہیں جن میں سے بعض میں نے آٹھویں مقصد میں ذکر کی ہیں۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی امت سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے پہلے ان کے نبی کی روح قبض کر لیتا ہے پس اس نبی کو ان کے آگے جا کر انتظام کرنے والا بنا دیتا ہے اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اسے ہلاک کرتا ہے اور اس امت کا نبی زندہ ہوتا ہے وہ اسے ہلاک کرتا ہے تو نبی دیکھ رہا ہوتا ہے پس وہ ان لوگوں کی ہلاکت کے ذریعے نبی کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کرتا ہے جب وہ اسے جھٹلاتے اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا وصال امت سے پہلے ہوا تو اس میں امت کی بھلائی ہے کیونکہ اگر لوگوں کا وصال پہلے ہوتا تو ان کے اعمال منقطع ہو جاتے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلائی کا ارادہ فرمایا تو ان کی بھلائی کو یوں دائمی بنایا کہ ان کو باقی رکھا اور جن عبادات اور حسن معاملات کا ان کو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے محافظ ہیں۔

---

[1] حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری پر خوشی منانا جائز ہے اس لئے اگر ہجرت کے موقع پر خوشی مناتے ہوئے حبشیوں کا نیزہ بازی کرنا صحیح ہے تو میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جائز طریقے پر خوشی کا اظہار بھی مستحب ہے۔ ۱۲ ہزاروی

[3] مطلب یہ ہے کہ ہمارے دلوں کی دنیا بدل گئی اور ہمارے دلوں کی صفائی الفت اور نرمی اس ذات کے پردہ فرمانے کی وجہ سے جو تعلیم و تربیت کے حصول کا ذریعہ تھا سب کچھ بدل گیا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۷)

فصل نمبر ۲
نبی اکرم ﷺ کی قبر انور اور بلند مرتبہ مسجد کی زیارت

زیارتِ نبوی کی ترغیب

یہ بات جان لو کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت سب سے بڑی عبادت اور ایسی اطاعت ہے جس کی قبولیت کی زیادہ امید ہے نیز یہ بلند درجات کی طرف (لے جانے کا) ایک راستہ ہے پس جس نے ان کے علاوہ عقیدہ اختیار کیا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا اور اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور بلند مرتبہ علماء کرام کی جماعت کی مخالفت کی۔ (براءۃ الاشعرین من عقائد المخالفین ج ا ص ۱۷۵)

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے ابوعمران الفاسی نے اسے واجب قرار دیا جس طرح عبد الحق'' کی تہذیب الطالب'' نے''المدخل میں'' ذکر کیا ہے انہوں نے فرمایا شاید اس سے سنت مؤکدہ مراد ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مسلمانوں کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور ایک ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

امام دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من زار قبری وجبت له شفاعتی. جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔[1]

(سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۷۸' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۸۳)

عبدالحق نے اس حدیث کو اپنی کتاب ''الاحکام الوسطیٰ اور الصغریٰ'' میں نقل کیا اور اس پر جرح سے خاموشی اختیار کی اور ان دونوں کتابوں میں حدیث کے بارے میں ان کی خاموشی اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

''طبرانی کی معجم کبیر میں ہے کہ'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من جاء نی زائرا لا تعمله حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون شفیعا له یوم القیامة. جو شخص میرے پاس زیارت کے لئے آئے اور میری زیارت کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو تو مجھ پر لازم ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۱۶' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲' المعجم ج ۱۲ ص ۲۹۱' الدر المنثور ج ا ص ۲۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۹۲۸)

اس حدیث کو ابن السکن نے صحیح قرار دیا۔

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے میری خصوصی شفاعت حاصل ہوگی جو کسی دوسرے کو حاصل نہ ہوگی اور یہ اس کے عظیم عمل کی مناسبت سے ہے اور اس کی صورت نعمتوں کا اضافہ یا اس دن کے خوف میں کمی یا حساب کے بغیر جنت میں داخل ہونا یا درجات کی بلندی وغیرہ ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۸)

نبی اکرم ﷺ سے یوں بھی مروی ہے:

من وجد سعة ولم يفد الي فقد جفاني. جو شخص طاقت حاصل ہونے کے باوجود میری طرف نہ آئے اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

(الدر المنثور ج ۱ص ۲۳۷ ۲۴۷' کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۲۸-۳۸۲' الدرر المنتشرۃ رقم الحدیث:۱۵۹)

اس حدیث کو ابن فرحون رحمہ اللہ نے اپنے مناسک میں اور امام غزالی رحمہ اللہ نے ''احیاء علوم الدین میں'' نقل کیا' عراقی نے اسے ذکر نہیں کیا بلکہ اس حدیث کی طرف اشارہ کیا جسے ابن النجار نے ''تاریخ المدینہ میں'' ذکر کیا اور وہ اس کے ہم معنیٰ ہے۔

وہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

ما من احد من امتي له سعة ثم لم يزرني الا وليس له عذر. میری امت میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کو گنجائش حاصل ہو پھر وہ میری زیارت نہ کرے تو اس کے لئے کوئی عذر نہیں (جو پیش کرے بلکہ وہ قابل ملامت ہے)۔

ابن عدی نے ''الکامل میں'' ابن حبان نے ''الضعفاء میں'' دارقطنی نے ''العلل اور ''غرائب مالک میں'' اور کچھ دوسرے لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا (یعنی حضور ﷺ نے فرمایا):

من حج ولم يزرني فقد جفاني. جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

یہ حدیث صحیح نہیں۔[1]

اگر یہ حدیث ثابت ہو تو آپ کے اس قول ''فقد جفاني'' پر غور کرو کیونکہ یہ ترکِ زیارت کے حرام ہونے میں ظاہر ہے اس لئے کہ جفاء اذیت ہے اور اذیت پہنچانا بالاتفاق حرام ہے پس زیارت واجب ہوگی کیونکہ جفا کا ازالہ واجب ہے [2] اور وہ زیارت کے ذریعے ہوگا لہٰذا اس وقت زیارت واجب ہوئی۔ (خلاصہ یہ ہوا کہ) جو شخص آپ کی زیارت پر قادر ہو اور زیارت نہ کرے اس نے آپ پر جفا (ظلم) کیا اور یہ بات آپ کے ہمارے ذمہ حقوق میں سے نہیں ہے (بلکہ آپ کے حقوق میں سے تو یہ ہے کہ آپ سے زیادہ تعلق قائم ہو اور آپ سے محبت کی جائے)۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من زارني بعد موتي فكانما زارني في حياتي ومن مات باحد الحرمين بعث من الآمنين. جس شخص نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جو

---

[1] مطلب یہ کہ اس کی سند صحیح نہیں لیکن اس مضمون کی دیگر کئی احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] امام زرقانی فرماتے ہیں ہمارے شیخ نے فرمایا اس بات کا جواب یوں بھی دیا جا سکتا ہے کہ ہر اذیت حرام نہیں کیونکہ معمولی اذیت حرام کے دفع کا احتمال رکھتی ہے البتہ مکروہ ہے اور زیادہ مناسب یہ بات ہے کہ یہاں جفا سے مراد جفا حقیقی نہیں بلکہ جفا کرنے والوں جیسا عمل ہے کیونکہ حضور ﷺ کو اذیت پہنچانا مباح بھی نہیں چہ جائیکہ مکروہ ہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۸' ۲۹۹)

شخص حرمین (حرم مکہ اور حرم مدینہ) میں سے کسی ایک میں فوت ہوا سے امن والے لوگوں میں اٹھایا جائے گا (بشرطیکہ مسلمان ہو)۔

(سنن دارقطنی ج۲ص۲۷۸، اتحاف السادۃ المتقین ج۴ص۴۱۶۔ کشف الخفاء ج۲ص۳۴۷، کنز العمال رقم الحدیث:۱۲۳۷۲)

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے آل حاطب کے ایک شخص سے روایت کیا جسے حضرت حاطب سے سماعت حاصل نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:

من زار قبری او قال من زارنی کنت له شفیعا و شهیدا. (الترغیب والترہیب ج۲ص۲۲۴)

جس نے میری قبر کی زیارت کی یا آپ نے فرمایا جس نے میری زیارت کی میں اس کے لئے شفاعت کرنے والا اور گواہ ہوں گا۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے آل عمر (رضی اللہ عنہ) میں سے ایک شخص سے روایت کیا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من زارنی محتسبا الی المدینة کان فی جواری یوم القیامة.

جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میری پناہ اور امان میں ہوگا۔

(الدر المنثور ج۲ص۵۵، الترغیب والترہیب ج۲ص۲۲۴)

علامہ زین الدین بن حسین مراغی فرماتے ہیں: "ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت عبادت ہے کیونکہ اس سلسلے میں احادیث آئی ہیں اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○ (النساء:۶۴)

اور اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے بخشش مانگیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والا مہربان پائیں گے۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم آپ کے وصال سے ختم نہیں ہوئی اور یہ نہ کہا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کا ان (لوگوں) کے لئے طلب مغفرت کرنا آپ کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص ہے اور زیارت کی یہ صورت نہیں (یعنی وہ اب بھی باقی ہے) کیونکہ اس بات کا جواب بعض محققین نے یوں دیا ہے کہ آیت کریمہ میں اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تواب اور رحیم پانا تین باتوں سے مشروط ہے۔

(۱) ان کا حاضر ہونا

(۲) ان لوگوں کا خود بخشش طلب کرنا۔

(۳) رسول ﷺ کا ان کے لئے بخشش طلب کرنا۔

اور نبی اکرم ﷺ کا تمام مومنین (اور مومنات) کے لئے مغفرت طلب کرنا حاصل ہو چکا ہے کیونکہ آپ نے سب کے لئے مغفرت طلب کر لی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. (محمد:۱۹) اپنے خاصوں اور عام مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بخشش مانگیں۔

پس جب ان لوگوں کا آنا اور بخشش طلب کرنا پایا جائے گا تو تین امور مکمل ہو جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیتِ توبہ اور اس کی رحمت کو واجب کرتے ہیں۔ [۱]

مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ زیارت قبور مستحب ہے جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا جب کہ ظاہری فرقہ نے اس کو واجب قرار دیا پس نبی اکرم ﷺ کی زیارت عمومی حکم اور خصوصی حکم دونوں کے اعتبار سے مطلوب ہے۔

(عمومی حکم یہ ہے کہ عام قبور کی زیارت مستحب ہے اور خصوصی حکم ان احادیث کی وجہ سے جو آپ کی زیارت کے بارے میں خاص طور پر وارد ہیں اور پہلے گزر چکی ہیں)۔

نیز قبور کی زیارت تعظیم ہے اور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم واجب ہے۔ [۲]

اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے سلسلے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اگرچہ اجماع کا محل مردوں کے لئے زیارت قبور کا مستحب ہونا ہے اور عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے (اجماع نہیں) اور مشہور یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق مکروہ ہے۔ [۳]

مالکی حضرات میں سے ابن حبیب نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت اور آپ کی مسجد میں نماز پڑھنا ترک نہ کیا جائے کیونکہ اس میں ایسی رغبت ہے کہ جس سے نہ تم بے نیاز ہو سکتے ہو اور نہ کوئی دوسرا (بے نیاز ہو سکتا ہے)۔

تین مساجد کی زیارت

جو شخص (قبر انور کی) زیارت کی نیت کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ آپ کی مسجد شریف کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت بھی کرے کیونکہ یہ (مسجد) ان تین مساجد میں سے ہے کہ صرف ان مساجد کی طرف (زیادہ ثواب کی نیت سے) کجاوے باندھے جاتے ہیں (سفر کیا جاتا ہے) اور جب امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سب مساجد سے افضل ہے اور تین مساجد کے علاوہ (مساجد) کی طرف سفر کرنے کی فضیلت نہیں کیونکہ شریعت میں یہ حکم (دوسرے مقامات کی

---

[۱] مطلب یہ ہوا کہ تین امور میں سے ایک بات حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں پائی گئی ہے باقی دو باتیں نہیں پائی گئیں سب مسلمانوں کا وہاں حاضر ہونا اور طلب بخشش کرنا تو آپ کی حیات طیبہ میں نہیں پایا گیا لہٰذا یہ بات آپ کی حیات طیبہ سے خاص نہیں۔۱۲ ہزاروی

[۲] صحابہ کرام کے زمانے میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت معروف تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس والوں سے صلح کی تو حضرت کعب احبار آئے اور اسلام قبول کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر خوش ہوئے اور فرمایا کیا آپ میرے ساتھ مدینہ طیبہ جائیں گے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کریں اور اس سے نفع اٹھائیں تو انہوں نے کہا جی ہاں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۹)

[۳] اگر عورتیں تمام قواعد کی پابندی کریں رونا پیٹنا اور شور وشغب نہ کریں تو ان کے لئے بھی زیارت قبور جائز ہے ورنہ نہیں۔۱۲ ہزاروی

طرف سفر کی فضیلت کا حکم) نہیں آیا۔ اور اس معاملے میں قیاس کو دخل نہیں کیونکہ کسی جگہ کا شرف صریح حکم سے معلوم ہوتا ہے اور صریح حکم شرعی ان مقامات کے بارے میں آیا ہے دوسرے مقامات کے بارے میں نہیں۔

نذرِ زیارت کا حکم

یہ بات صحیح ثابت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (شام سے) اپنا قاصد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام کے لئے بھیجتے تھے۔ (بیہقی شریف) [1]

پس آپ کی زیارت کے لئے سفر کرنا عمومی دلائل کی بنیاد پر عبادت ہے اور جو شخص آپ کی زیارت کی نذر مانے اس پر زیارت واجب ہو جاتی ہے۔ ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے ابن کج نے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا' فرماتے ہیں: ''جب کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کی نذر مانے تو اس پر اس کا پورا کرنا لازم ہے اس سلسلے میں یہی ایک قول ہے''۔

اور اگر کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں نماز کے لئے جانے کی نذر مانے تو ہمارے (شافعی حضرات) کے نزدیک زیادہ صحیح قول کے مطابق اس پر یہ نذر لازم ہو جاتی ہے مالکی اور حنبلی حضرات بھی یہی بات کہتے ہیں لیکن مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے اس کی نذر پوری ہو جاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ اگر وہ مسجد مدینہ میں نماز پڑھ لے تو بھی اس کی نذر پوری ہو جائے گی وہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے ''البویطی (مختصر البویطی) میں'' ذکر کیا ہے۔ حنفی اور حنبلی حضرات بھی یہی کہتے ہیں۔

ابن تیمیہ کا رد

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے یہاں نہایت قبیح اور عجیب کلام کیا جو نبی اکرم ﷺ کی زیارت شریف کے لئے سفر کو منع کرنے پر مشتمل ہے۔ اور ان کے نزدیک یہ عبادت اور ثواب کا کام نہیں بلکہ اس کی ضد ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے ''شفاء السقام'' میں اس کا رد کر کے مومنوں کے سینوں کو ٹھنڈا کیا ہے۔ [2]

---

[1] ''شفاء شریف میں ہے'' حضرت یزید بن ابو سعید کہتے ہیں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا جب انہوں نے مجھے رخصت کیا تو فرمایا مجھے تم سے ایک کام ہے جب تم مدینہ طیبہ جاؤ اور نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرو تو آپ کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۰)

[2] شیخ تقی الدین السبکی رحمہ اللہ نے قبر انور شریف کی زیارت پر تفصیلی کلام کیا ہے جو ''شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام'' میں شرح بسط کے ساتھ مذکور ہے (وہاں مطالعہ کیا جائے) اس ضمن میں وہ شیخ ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ہم قطعی طور پر ابن تیمیہ کے کلام کو باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ بات دین اور سلف صالحین کی سیرتوں سے معلوم ہے کہ بعض فوت شدہ صالحین سے برکت حاصل کی جاتی ہے تو انبیاء کرام و مرسلین عظام سے برکت حاصل کرنا کیسے منع ہوگا؟

اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ انبیاء کرام اور عام لوگوں کی قبریں ایک جیسی ہیں تو اس نے بہت بڑی بات کی ہے ہمارے نزدیک یہ قطعاً باطل اور خطاء ہے بلکہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے درجہ کو کم کر کے عام مسلمانوں کے درجہ پر لانا ہے اور یہ یقینی طور پر کفر ہے کیونکہ جو درجہ نبی اکرم ﷺ کے لئے واجب ہے اسے کم کرنا کفر ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۳۰)

شیخ ولی الدین عراقی نے نقل کیا کہ ان کے والد ایک سفر میں جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے شہر کی طرف تھا' شیخ زین الدین عبدالرحمن بن رجب دمشقی کے ہمراہ تھے جب شہر کے قریب پہنچے تو کہنے لگے میں نے مسجد خلیل میں نماز کی نیت کی ہے تاکہ شیخ الحنابلہ ابن تیمیہ کے طریقے کے مطابق حضرت خلیل کی زیارت کی طرف سفر سے بچ جاؤں۔

حضرت ولی الدین عراقی نے کہا میں نے تو حضرت خلیل علیہ السلام کی قبر شریف کی زیارت کی نیت کی ہے پھر میں نے کہا (اے ابن رجب!) تم نے نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد. تین مسجدوں کے علاوہ (کسی مسجد کی طرف زیادہ ثواب کی نیت سے) سفر نہ کیا جائے۔

اور تم نے چوتھی مسجد کی طرف سفر کا قصد کیا لیکن میں نے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا:

زوروا القبور. قبروں کی زیارت کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۶' سنن نسائی رقم الباب:۱۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۵۷۲' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۳۵۲' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱' السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷۰' کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۳۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۴۳' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۸' کنز العمال رقم الحدیث:۴۲۵۵۲)

تو کیا آپ نے یہ بات فرمائی تھی کہ "سوائے انبیاء کرام کی قبروں کے" (یعنی انبیاء کرام کی قبروں کی استثناء کی تھی) فرماتے ہیں وہ (ابن رجب) حیران رہ گئے۔

زیارت کا شوق

جو شخص زیارتِ نبوی کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ راستے میں نبی اکرم ﷺ پر بکثرت درود شریف پڑھے اور جب اس کی نگاہ مدینہ طیبہ کی نشانیوں اور ان چیزوں پر پڑے جن سے مدینہ طیبہ کی پہچان ہوتی ہے تو بار بار صلوٰۃ و سلام پڑھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ اسے دونوں جہانوں میں آپ کی زیارت سے نفع اور سعادت عطا فرمائے۔ اسے چاہیے کہ غسل کرے اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر پیدل روتے ہوئے چلے۔ جب عبدالقیس کے وفد نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اپنے آپ کو سواریوں سے گرا دیا اور ان کو نہ بٹھایا بلکہ آپ کی طرف دوڑ پڑے لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔[1]

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں جو کچھ ذکر کیا ہے ہم نے اسے روایت کیا کہ ابوالفضل جوہری[2] جب زیارت کی نیت سے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور وہاں کے مکانات کے قریب ہوئے تو ننگے پاؤں روتے ہوئے

---

[1] البتہ حضرت اشج نے سواری بٹھائی اور لباس تبدیل کر کے حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نے ان کے عمل کو پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا: کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں بردباری اور تحمل۔

[2] تاریخ اندلس کے مطابق ابوالفضل جوہری کا نام عبداللہ بن حکم ترمذی اندلسی ہے' ان کے پاس دو وزارتیں تھیں اور علم و فضل کے اعتبار سے عظیم شخصیت تھے ادب' قرأت اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے' شعر اور نثر دونوں میں بلند مقام رکھتے تھے انہوں نے شہادت کا مقام پایا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۱)

چلے اور یہ اشعار پڑھے:

ولما راینا رسم من لم یدع لنا فؤادا لعرفان الرسوم ولالیا
نزلنا عن الاکوار نمشی کرامة لمن بان عنه ان نلم به رکبا

''اور جب ہم نے ان کے آثار کو دیکھا جنہوں نے ہمارے دل اور عقل کو باقی نہ چھوڑا کہ آثار کو پہچانیں۔

تو ہم کجاووں سے اتر گئے اور اس ذات کا احترام کرتے ہوئے پیدل چلنے لگے جس سے یہ بات بعید ہے کہ ہم سواری کی حالت میں اس کی زیارت کریں (یعنی اس کے ادب کے خلاف ہے)''۔

اور مجھے بتایا گیا ابوعبداللہ بن رشید نے کہا جب ہم ۶۸۴ھ میں مدینہ طیبہ آئے تو میرے ساتھ میرا دوست وزیر عبداللہ بن ابی القاسم الحکیم بھی تھا۔ (الاعلام ج ۶ ص ۱۹۲' الدرر الکامنہ ج ۳ ص ۴۹۵' ازھار الریاض ج ۲ ص ۳۴۰)

اور اس کی آنکھ میں تکلیف تھی جب ہم ذوالحلیفہ مقام پر پہنچے تو سواریوں سے اتر گئے اور مزار شریف کے قرب کا شوق مضبوط ہو گیا تو ابوعبداللہ بن ابی القاسم نے اتر کر ان آثار مبارکہ کی طرف ثواب کی نیت سے جلدی جلدی پیدل چلنا شروع کر دیا اور اس ذات مقدسہ کی عظمت کو پیش نظر رکھا جو وہاں تشریف لائے تھے تو انہوں نے آنکھ کی تکلیف سے شفاء محسوس کی تو اس حال کا وصف (وہاں تشریف لانے والی شخصیت کے حوالے سے) یوں بیان کیا:

ولما رأینا من ربوع حبیبنا بیثرب اعلاما اثرن لنا الحبا
وبالترب منها اذ کحلنا جفوننا شفینا فلا بأسا نخاف ولا کربا
وحین تبدی للعیون جمالها ومن بعدها عنا اذیلت لنا قربا
نزلنا عن الاکوار لمشی کرامة لمن حل فیها ان نلم به رکبا
نسح سجال الدمع فی عرصاته ونلثم من حب لواطئه التربا
وان بقائی دونه لخساره ولو ان کفی تملک الشرق والغربا
فیا عجبا ممن یحب بزعمه یقیم مع الدعوی ویستعمل الکذبا
وزلات مثلی لا تعدد کثرة وبعدی عن المختار اعظمها ذنبا

''اور جب ہم نے یثرب میں اپنے محبوب کے گھر کی علامات کو دیکھا تو ان علامات نے ہمیں محبت سے سرشار کر دیا۔

جب ہم نے اس سرزمین کی خاک پاک کو اپنی پلکوں کا سرمہ بنایا تو ہمیں شفاء حاصل ہوئی اب ہمیں کسی سختی اور تکلیف کا خوف نہیں۔

اور جب ان علامات کا جمال ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو ہم سے دور ہونے کے باوجود ہمارے لئے قرب کو کھینچ لاتا ہے۔

ہم سواریوں سے اتر کر اس ذات کی عزت واحترام میں پیدل چلنے لگے جو وہاں مدفون ہیں کہ سواری کی حالت میں ہم گناہ گار نہ ہو جائیں۔

ہم اس کے صحن میں خون کے ڈول بہاتے ہیں اور اس کے قدوم میمنت لزوم کی وجہ سے مٹی کو بوسے دیتے ہیں۔

اس کے بغیر میرا باقی رہنا خسارہ ونقصان ہے اگرچہ میری ہتھیلی میں مشرق ومغرب ہی کیوں نہ ہو۔ اس پر تعجب ہے جو اپنے خیال میں محبت کرتا ہے اور دعویٰ کے باوجود زندہ ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔

اور میرے جیسے لوگوں کی لغزشیں کثرت کی وجہ سے شمار میں نہیں آتیں اور مختار ذات سے میری دوری بہت بڑا گناہ ہے''۔

اور جب میں نے ربیع الثانی ۸۹۲ھ میں زیارت کے قصد سے سفر کیا اور صبح کے وقت ہمارے سامنے وہ پہاڑ آیا جو روحوں کو خوش کرنے والا اور مزار شریف کے قرب کی خوشخبری دینے والا ہے (جبل احد مراد ہے) وہ سب سے زیادہ شرف والے شہر میں ہے' زیارت کرنے والے اس کی طرف دوڑ پڑے اور اس کے اوپر چڑھ گئے کیونکہ وہ ان آثار مبارکہ کی زیارت کے لئے جلدی کر رہے تھے (اور ان انوار کو دیکھ کر فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے) تو انوار نبوی کی روشنی چمکی اور معارف محمدیہ کی بادنسیم چل پڑی پس ہم نے اپنے آپ کو اچھا پایا اور ہمیں رشک آیا کہ ہم مخلوق میں سے سب سے بہتر شخصیت کے دیار پاک کے نشانات کو دیکھ رہے ہیں تو میں نے یہ اشعار کہے:

الامع برق یغتدی ویروح ام النور من ارض الحجاز یلوح
وریح الصبا ہبت بطیب عرفهم ام الروض فی وجه الصباح یفوح
اذا ریح ذاک الحی ہب فانها حیاة لمن یغدو لها ویروح
ترفق بنا یا حادی العیس والتفت فللنور بین الوادیین وضوح
فما ھذہ الا دیار محمد وذاک سناها یغتدی ویروح
والا فما للرکب هاج اشتیاقهم فکل من الشوق الشدید یصیح
وانت مطایا الرکب حتی کانها حمام علی قضب الاراک تنوح
وقد مدت الاعناق شوقا وطرفها الی النور من تلک الدیار لموح
رأت دار من تهوی فزاد اشتیاقها ومدمعها فی الوجنتین سفوح
اذا العیس باحت بالغرام ولم تطق خفاء فما للصب لیس یبوح

''کیا یہ بجلی کی چمک ہے جو صبح وشام چمکتی ہے یا سرزمین حجاز مقدس سے ایک نور چمکتا ہے؟
بادصبا نے ان کی خوشبو بکھیری ہے یا صبح کے چہرے پر بہار باغ کی خوشبو بکھر رہی ہے۔
جب اس قبیلے کی ہوا چلی تو وہ ان لوگوں کے لئے حیات ہے جو اسے صبح وشام حاصل کرتے ہیں؟
اے بھورے رنگ کے اونٹ کے حدی خوان! ہمارے ساتھ نرمی کا سلوک کر اور متوجہ ہو کہ دو وادیوں کے درمیان نہایت واضح روشنی ہے۔
یہ تو حضرت محمد ﷺ کا دیار پاک ہے اور یہ اس کی صبح وشام چمکنے والی روشنی ہے ورنہ سواریوں کا شوق حرکت میں نہ آتا۔ ہر ایک سخت شوق سے چلا رہا ہے

سواروں کی سواریاں رو رہی ہے گویا وہ پیلو کی شاخ کبوتری ہے جو نوحہ کر رہی ہے۔

انہوں نے شوق میں اپنی گردن کو بڑھایا اور ان کا کنارہ اس نور کی طرف تھا جو اس دیار پاک کی جانب سے چمک رہا تھا۔ انہوں نے اپنے محبوب کے دیار پاک کو دیکھا تو ان کا شوق بڑھ گیا اور ان کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔

جب اونٹ نے عشق کو ظاہر کر دیا اور وہ اسے چھپا نہ سکا گو کو کیا ہوا وہ کیوں ظاہر نہیں کرتی؟''

اور جب ہم مدینہ طیبہ کے مکانات اور علامات کے قریب ہوئے اور مدینہ طیبہ کے بلند مقامات اور ٹیلوں کے قریب پہنچے تو ان کی کلیوں کی لطیف خوشبو کو سونگھا اور اس کے انوار کی چمک ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوئی نیز عطیات ایک دوسرے کے پیچھے آنے لگے اور قوم سواریوں سے اتر گئی تو میں نے بطور تمثیل یہ اشعار پڑھے:

اتیتک زائــــرا وودت انــــی   جـعـلـت سـواد عیـنـی امتطیـه

ومـــالـی لا اسیـر علی الـمـاقی   الـــی قبـــر رسـول الـلـــه فیـــه

''میں زیارت کے قصد سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں' میں چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھ کی سیاہی کو اپنی سواری بناؤں۔

اور مجھے کیا ہے کہ میں آنکھ کے کناروں پر چل کر اس قبر کی طرف نہ جاؤں جس میں اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما ہیں''۔

اور جب میری نگاہ قبر شریف اور بلند مرتبہ مسجد پر پڑی تو خوشی سے آنسو کی جھڑی لگ گئی حتیٰ کہ بعض (آنسو) خاک پاک اور در دیواروں تک پہنچ گئے اور میں نے کہا:

ایھـــا الـمـغـرم الـمشوق ھنیئـا   مـــا انـــا لـوک مـن لـذیذ التلاق

قـل لـعـینیک تھـمـلان سـرورا   طـــالـمـــا اسعداک یوم الـفـراق

واجـمـع الـوجـد والسرور ابتھـاجا   وجـــمـیـع الاشـجـــان والاشـــواق

ومـــر الـعـیـن ان تـفـیض انھـمـالا   وتـــوالـــی بـد مـعھـــا الـمـھـراق

ھـــذہ دارھـــم وانـــت مـــحـــب   مـــا بـقـــاء الـدموع فـی الاماق

''اے دردمندان عشق اور مشتاقان زیارت! تمہیں محبوب کی طرف سے عنایت ہونے والی ملاقات کی لذتیں مبارک اور خوشگوار ہوں۔

اپنی دونوں آنکھوں سے کہو (وصال پر) خوشی کے آنسو بہاؤ جس طرح (محبوب سے) جدائی کے دنوں میں انہوں نے پیہم آنسو بہا کر تمہاری بہت دفعہ مدد کی ہے۔

سارے دردوں اور شوقوں نے اکٹھے ہو کر آج غم اور خوشی کی ایک عجیب وغریب کیفیت پیدا کر دی ہے (کیونکہ وہ صورت حال کچھ اسی طرح ہے۔

چند کلیاں نشاط کی چن کر میں محو یاس رہتا ہے   تجھ سے ملنا خوشی کی بات سہی تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں)۔

اپنی چشم بے چین کو امر کر دو آنسوؤں کے چشمے جاری کر دیں اور لگا تار بہنے والے اشکوں کے ساتھ اشک بار ہیں۔

تمہارے سامنے ہوں دیار محبوب کے درو دیوار اور تم ہو عاشق دل فگار پھر آنسوؤں کا چشم خانہ میں باقی رہنا کس کار؟''

اور میں نے یہ بھی کہا:

وکان ما کان مما لست اذکرہ　　　فظن خیرا ولا تسال عن الخبر

''اور ہوا جو کچھ ہوا میں اس کا ذکر نہیں کروں گا پس بہتر گمان کرو اور بھلائی کے بارے میں نہ پوچھو''۔

کچھ آدابِ زیارت

اور زیارت سے پہلے دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) مستحب ہے اور یہ اس وقت ہے جب وہ مواجہہ شریف کی طرف سے نہ گزرے (کیونکہ اس صورت میں) تحیۃ المسجد سے پہلے زیارت مستحب ہے ''تحقیق النصرہ'' (تاریخ دار الہجرت میں) فرمایا یہ اچھا استدراک ہے (استثناء ہے) یہ بات ہمارے بعض شیوخ نے بیان فرمائی ہے۔

ابن فرحون کے ''منسک'' میں ہے کہ اگر تم کہو کہ مسجد کا شرف واعزاز نبی اکرم ﷺ کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے پس مناسب یہ ہے کہ آپ کے پاس ٹھہرنے سے ابتدا کی جائے۔

تو (اس کے جواب میں) میں کہتا ہوں ابن حبیب نے ''کتاب الصلوۃ'' کے شروع میں کہا کہ مجھ سے مطرف نے بیان کیا وہ حضرت یحییٰ بن سعید سے اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں: کہ میں سفر سے آیا تو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ کو سلام عرض کروں اور آپ مسجد کے صحن میں تھے آپ نے پوچھا تم نے مسجد میں داخل ہونے کے بعد نماز پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا ''نہیں'' فرمایا جاؤ اور مسجد میں داخل ہو کر اس میں نماز پڑھو پھر آ کر مجھے سلام کرو۔

ابن فرحون نے کہا کہ بعض حضرات نے نماز پر زیارت کو مقدم کرنے کی اجازت دی ہے اور دونوں طرح گنجائش ہے اور شاید ان لوگوں کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ واللہ اعلم

اور زائر کو چاہیے کہ جس قدر ممکن ہو خشوع سے کام لے اور سلام پیش کرتے ہوئے بلند آواز اور بالکل آہستہ آواز کے درمیان والی صورت اختیار کرے۔

''صحیح بخاری میں ہے کہ'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل طائف میں سے دو آدمیوں سے فرمایا اگر تم اس شہر کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور وصال کے بعد دونوں صورتوں میں آپ کے سامنے آواز بلند کرنا مناسب نہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ مسجد نبوی کے گرد بعض مکانات میں کیل گاڑنے کی آواز سنتیں تو ان کو پیغام بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دو۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے دروازوں کا کام مصانع (مدینہ طیبہ میں ایک جگہ کا نام) میں کرتے

تاکہ حضور ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے۔

یہ بات ابن زبالہ نے نقل کی ہے۔ تو نبی اکرم ﷺ کا ادب اسی طرح واجب ہے جس طرح آپ کی (ظاہری) حیات طیبہ میں ہوتا (کیونکہ آپ زندہ ہیں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ زرقانی ج ۸ ص ۳۰۴)۔

اور زائر کو چاہیے کہ قبر شریف کی طرف قبلہ کی جانب سے جائے اور اگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے قدموں کی طرف سے آئے تو اس میں ادب زیادہ ہے بنسبت آپ کے سرانور کی طرف سے آنے کے' اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے آپ کے مواجہہ شریف کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو یعنی دیوار میں لگے ہوئے سنگ مرمر میں نصب چاندی کے کیل کے مقابل ہو۔

اور آج کل بڑی قندیل کا اعتبار نہیں کیونکہ اب وہاں بہت سی قندیلیں ہیں (تابعین کے زمانے میں اس کا اعتبار تھا)۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابوجعفر منصور عباسی نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا اے ابوعبداللہ! کیا میں رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کر کے دعا مانگوں یا قبلہ رخ ہو کر دعا مانگوں؟ تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا اپنا چہرہ حضور ﷺ سے نہ پھیرو کیونکہ آپ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہوں گے (بلکہ تم آپ ﷺ کی طرف رخ کر کے آپ کی شفاعت طلب کرو' اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے گا)۔ [۱]

لیکن میں نے دیکھا کہ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کی اپنی (تصنیف) ''منسک میں'' اس کی طرف منسوب ہے کہ یہ حکایت امام مالک پر افتراء ہے اور قبر شریف کے پاس کھڑا ہونا بدعت ہے۔ [۲]

ابن تیمیہ نے کہا کہ کسی نے وہاں کھڑے ہو کر دعا نہیں مانگی بلکہ وہ قبلہ رخ ہوتے اور آپ کی مسجد شریف میں دعا مانگتے تھے ابن تیمیہ نے کہا کہ امام مالک اس عمل کو مکروہ جاننے والے بڑے ائمہ میں سے تھے۔ [۳]

---

[۱] آج کل سعودیہ میں نجدی حکومت ہے ان کے کارندے جو روضہ رسول ﷺ پر متعین ہیں مسلمانوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ سرکار دو عالم کی طرف پیٹھ کر کے قبلہ رخ ہو کر دعا مانگیں یہ بے ادبی کی انتہا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم ۔۱۲ ہزاروی

[۲] ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں دیوبندیوں اور وہابیوں نے ہر اچھے کام کو بدعت قرار دے کر امت مسلمہ میں انتشار پھیلایا اور بات بات پر مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک قرار دیا جس کی وجہ سے آج امت مسلمہ اختلاف وانتشار کا شکار ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین ۔۱۲ ہزاروی

[۳] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن تیمیہ نے اسی طرح کہا لیکن یہ خطائے قبیح ہے کیونکہ مالکی کتب اس بات سے بھری پڑی ہیں کہ قبر انور کی طرف رخ کر کے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے مواجہہ شریف کے سامنے دعا مانگنا مستحب ہے' ابوالحسن القابسی' ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور علامہ خلیل رحمہم اللہ نے اپنی کتب ''مناسک'' میں واضح الفاظ میں بیان کیا اور ''الشفاء'' میں بواسطہ ابن وہب' حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرے اور دعا مانگے تو یوں کھڑا ہو کہ اس کا چہرہ قبر انور کی طرف ہو' قبلہ شریف کی طرف نہ ہو قریب ہو کر سلام عرض کرے لیکن قبر شریف کو ہاتھ نہ لگائے' امام شافعی اور جمہور بھی اسی طرف گئے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جو منقول ہے کہ قبلہ رخ ہو تو ابن ہمام فرماتے ہیں یہ مردود ہے کیونکہ حدیث شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ قبر شریف کی طرف منہ کرے اور پیٹھ قبلہ کی طرف کرے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے اور یہی صحیح بات ہے۔ (ملخصاً زرقانی ج ۸ ص ۳۰۵)

اور زائر کو چاہیے کہ چار قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو اور ادب' خشوع اور تواضع کو لازم پکڑے' مقام ہیبت میں آنکھوں کو جھکائے جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں کیا جاتا تھا اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم ہے کہ وہ آپ کے سامنے کھڑا ہے اور آپ اس کا سلام سن رہے ہیں جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں ہوتا تھا کیونکہ امت کو دیکھنے اور ان کے احوال' عزائم اور قلبی خیالات کی معرفت کے سلسلے میں آپ کے وصال اور حیات میں کوئی فرق نہیں اور یہ سب کچھ (اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے سے) آپ پر روشن ہے' اس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

سوال: یہ صفات تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں؟

جواب: جو کامل مومن عالم برزخ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے وہ عام طور پر زندہ لوگوں کے احوال کو جانتا ہے اور اس سلسلے میں بہت سے واقعات کتب میں مذکور ہیں۔[1]

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

لیس من یوم الا ویعرض علی النبی ﷺ اعمال امتہ غدوۃ و عشیۃ فیعرفھم بسیماھم واعمالھم فلذلک یشھد علیھم.

ہر دن نبی اکرم ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال صبح اور شام پیش کئے جاتے ہیں پس آپ ان کو ان کی علامات اور اعمال سے پہچانیں گے تو اسی لئے ان پر گواہی دیں گے۔

زائر کو چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو ذہن میں رکھے اور دل میں آپ کے رتبہ کا جلال' بلند مرتبے اور عظیم حرمت کو حاضر کرے' اکابر صحابہ کرام آپ کی تعظیم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظمت عطا فرمائی اس طرح خطاب کرتے تھے جس طرح کسی رازدار سے بات کی جاتی ہے۔

ابن نجار نے روایت کیا کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ وہ اسے نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف دکھائیں' ام المؤمنین نے جب قبر انور سے پردہ ہٹایا تو وہ عورت رونے لگی حتیٰ کہ انتقال کر گئی۔

ابوالفضائل حموی جو حجرۂ مقدسہ کے خدام میں سے ہیں' نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے زیارت کرنے والے شیوخ میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حجرۂ شریف کے دروازے پر آیا اور اپنا سر چوکھٹ کی طرف جھکا دیا' لوگوں نے اسے حرکت دی تو وہ فوت ہو چکا تھا اور وہ (ابوالفضائل حموی) ان لوگوں میں شامل ہیں جو اس کے جنازہ میں حاضر تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے کے لئے الفاظ

پھر زیارت کرنے والے کا دل حاضر ہو' آنکھیں جھکی ہوئی اور آواز پست ہو نیز اعضاء وغیرہ پرسکون ہوں اور اسی حالت میں کہے:

[1] اللہ تعالیٰ کے بتانے سے یہ علم حاصل ہوتا ہے جس طرح حدیث شریف میں ہے کہ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر جمعرات اور سوموار کے دن پیش کئے جاتے ہیں اور انبیاء کرام اور آباء واجداد مرد وعورتوں پر جمعہ کے دن پیش ہوتے ہیں تو وہ اپنی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے کی سفیدی اور چمک بڑھ جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے فوت شدہ لوگوں کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۵)

السلام علیک یا رسول الله' السلام علیک یا نبی الله' السلام علیک یا حبیب الله' السلام علیک یا خیرة الله' السلام علیک یا صفوة الله' السلام علیک یا سید المرسلین' وخاتم النبیین' السلام علیک یا قائد الغر المحجلین' السلام علیک وعلی اهل بیتک الطیبین الطاهرین' السلام علیک وعلی ازواجک الطاهرات امهات المومنین' السلام علیک وعلی اصحابک اجمعین' السلام علیک وعلی سائر الانبیاء وسائر عباد الله الصالحین' جزاک الله (عنا) یا رسول الله ﷺ افضل ما جازی نبیا ورسولا عن امته' وصلی الله علیک کلما ذکرک الذاکرون' وغفل عن ذکرک الغافلون' اشهد ان لا اله الا الله واشهد انک عبده ورسوله وامینه' وخیرته من خلقه' واشهد انک قد بلغت الرسالة وادیت الامانة ونصحت الامة وجاهدت فی الله حق جهاده.

اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام' اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام' اے اللہ کے حبیب! آپ پر سلام' اے اللہ کی مخلوق میں سے بہترین! آپ پر سلام' اے اللہ کے منتخب بندے! آپ پر سلام' اے رسولوں کے سردار! آپ پر سلام' اے سب سے آخری نبی! آپ پر سلام' اے چمکتے اعضاء والوں کے قائد! آپ پر سلام' آپ پر سلام ہو اور آپ کے پاکیزہ اہلِ بیت پر سلام ہو' آپ کی ازواج مطہرات مؤمنوں کی ماؤں پر سلام ہو' آپ پر اور آپ کے تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) پر سلام ہو' آپ پر اور تمام انبیاء کرام اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو (ہماری طرف سے) اس سے افضل جزا عطا کرے جو کسی نبی اور رسول کو اس کی امت کی طرف سے جزا عطا کی ہے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جب بھی یاد کرنے والے آپ کو یاد کریں اور جب غافل آپ کے ذکر سے غافل ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اس کے بندے' اس کے رسول اور اس کے امین ہیں اور اس کی مخلوق میں سے سب سے بہتر ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا' امانت ادا کر دی امت کی خیر خواہی کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس طرح جہاد کیا جس طرح اس (جہاد) کا حق ہے۔

اگر کسی شخص کے پاس ان کلمات کے ساتھ سلام پیش کرنے کے لئے وقت نہ ہو یا اسے یہ کلمات یاد نہ ہوں تو جو کچھ آسان ہو یا جس سے غرض حاصل ہو وہی کلمات کہہ دے۔

''التحفہ (ابن عساکر کی کتاب تحفۃ الزائر) میں ہے کہ'' حضرت ابن عمر اور دیگر اسلاف رضی اللہ عنہم اس عبارت میں نہایت اختصار سے کام لیتے تھے۔

امام دار الہجرہ حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ سے مروی ہے اور تمہارے لئے اس خبر کی شان میں اتنا ہی کافی ہے۔ حضرت (عبد اللہ) ابن وہب رحمہ اللہ ان سے روایت کرتے ہیں کہ (مسلمان یا زائر) یوں کہے' السلام علیک ایھا

النبی ورحمة الله وبرکاته اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وبرکت ہو"۔[1]

حضرت نافع' حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب بھی سفر سے واپس آتے تو مسجد شریف میں داخل ہوتے پھر قبرانور پر حاضر ہوتے اور یوں کہتے:

السلام علیک یا رسول الله السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا ابتاه.

اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو' اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ پر سلام ہو' اے ابا جان! (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) آپ پر سلام ہو۔

اور اسے چاہیے کہ دعا مانگے لیکن اس میں قافیے ملانے کا تکلف نہ کرے کیونکہ اس سے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے۔

ایک جماعت جن میں امام ابوالنصر بن صباغ (یا ابومنصور صباغ) بھی شامل ہیں "الشامل" (کتاب) میں حضرت عتبی سے مشہور حکایت نقل کرتے ہیں۔ (الاعلام ج ۴ ص ۱۰' وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۰۳' طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۲۳۰' نکت الھمیان رقم الحدیث: ۱۹۳' مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۱۸۵' النجوم الزاہرۃ ج ۵ ص ۱۱۹' مراۃ الجنان ج ۳ ص ۱۲۲' مختصر دول الاسلام ج ۲ ص ۵' شذرات الذہب ج ۳ ص ۳۵۵' الجواہر المضیئہ ج ۱ ص ۳۱۶' کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۰۴-۳۸۹-۱۰۲۵)

حضرت عتبی کا اسم گرامی محمد بن عبیداللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابوسفیان صخر بن حرب ہے اور ۲۲۸ھ میں ان کا انتقال ہوا' ابن نجار' ابن عساکر اور ابن جوزی نے "مثیر الغرام الساکن" میں حضرت محمد بن حرب الہلالی سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا' فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی قبرانور کے پاس آیا' زیارت کی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا تو ایک دیہاتی آیا جس نے زیارت کرنے کے بعد کہا: (کشف الظنون ج ۱ ص ۱۵۸۹)

یا خیر الرسل' ان الله انزل علیک کتابا صادقا' قال فیه ﴿ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما﴾ وقد جئتک مستغفرا من ذنبی مستشفعا بک الی ربی.

اے سب رسولوں میں سے بہتر! آپ پر اللہ تعالیٰ نے سچی کتاب نازل فرمائی اور اس میں فرمایا: "اور اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس حاضر ہوں پس اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں اور رسول ﷺ بھی ان کی سفارش فرمائیں تو اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے" اور میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہوں اور اپنے رب کے ہاں آپ کو اپنا شفیع بناتا ہوں۔

پھر اس نے یہ شعر پڑھے:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه ... فطاب من طیبهن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه ... فیه العفاف وفیه الجود والکرم

[1] امام مالک نے "المبسوط" میں' مزید اضافہ فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر سلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر بھی سلام پیش کرے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۶)

''اے وہ بہترین ذات جس کا جسم اقدس نرم زمین میں مدفون ہے اور اس کی خوشبو سے پست زمین اور ٹیلے منور ہیں۔

میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ تشریف فرما ہیں اس میں پاک دامنی اور جود و کرم ہے''۔[1]

ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف پر کھڑا ہوا تو اس نے یوں کہا:

اللھم انک امرت بعتق العبید وھذا حبیبک وانا عبدک فاعتقنی من النار علی قبر حبیبک۔

یا اللہ! تو نے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا اور یہ تیرے محبوب ہیں جب کہ میں تیرا بندہ ہوں پس اپنے محبوب کی قبر انور پر مجھے آزاد کر دے۔

تو ایک غیبی آواز والے نے آواز دی:

یا ھذا تسئل العتق لک وحدک ھلا سألت لجمیع الخلق اذھب فقد اعتقناک من النار.

اے فلاں! تو نے صرف اپنے لئے آزادی طلب کی تو نے تمام مخلوق کے لئے سوال کیوں نہ کیا جا ہم نے تجھے جہنم سے آزاد کر دیا۔

ان الملوک اذا شابت عبیدھم فی رقھم اعتقوھم عتق ابرار (احرار)

وانت یا سیدی اولی بذا کرما قد شبت فی الرق فاعتقنی من النار

''جب بادشاہوں کے غلام غلامی میں جوان ہوئے تو وہ ان کو نیکوکار لوگوں (یا آزاد لوگوں) کی طرح آزاد کرتے ہیں۔

اور اے میرے سردار آپ اپنے کرم کی وجہ سے اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں، میں غلامی میں جوان ہوا ہوں پس مجھے جہنم سے آزاد کر دے''۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف پر کھڑے ہوئے تو یوں عرض کیا:

یا رب انا زرنا قبر نبیک فلا تردنا خائبین.

اے میرے رب! ہم تیرے نبی کی قبر پر کھڑے ہوئے ہیں پس ہمیں نامراد نہ لوٹانا۔

تو آواز آئی:

اے فلاں! ہم نے اپنے محبوب (ﷺ) کی قبر انور کی زیارت کی اجازت تمہیں اسی لئے دی کہ تجھے قبول کیا ہے پس تم اور تمہارے زائرین ساتھی یوں واپس جاؤ کہ تمہیں بخش دیا گیا۔

حضرت ابن ابی فدیک فرماتے ہیں: میں نے بعض (صلحاء و علماء) سے ملاقات کی تو ان سے سنا وہ فرماتے تھے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے پاس کھڑا ہو کر یہ آیت کریمہ پڑھے:

---

[1] راوی کہتے ہیں پھر بخشش طلب کر کے واپس ہوا اور جب مجھے نیند آئی تو میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ فرما رہے تھے اس اعرابی کے پاس جاؤ اور اسے خوشخبری دو کہ میری شفاعت کے سبب اس کی بخشش ہوگئی ہے میں بیدار ہوا تو اس کی تلاش میں نکلا لیکن اسے نہ پایا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۷)

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاO(الاحزاب:٥٦)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی اکرم (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں' اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اور پھر ستر مرتبہ کہے:

صلی اللہ علیک یا محمد.

اے محمد! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

تو ایک فرشتہ اسے آواز دیتا ہے صلی اللہ علیک یا فلاں (اے فلاں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) اس کی کوئی حاجت رد نہیں ہوگی۔

شیخ زین الدین المراغی اور ان کے علاوہ حضرات رحمہم اللہ نے فرمایا۔ بہتر بات یہ ہے کہ ''یا رسول اللہ'' کہے اگر چہ روایت ''یا محمد'' (کے الفاظ) کے ساتھ ہے۔[1]

میں (مصنف) نے ''لوامع الانوار فی الادعیۃ والاذکار (نامی کتاب) میں'' اس کے ساتھ مزید بیان کے ذریعے اس بات کی تنبیہ کی ہے۔

اگر کوئی شخص اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کی وصیت کرے تو یوں کہے:

السلام علیک یا رسول اللہ من فلاں.

یا رسول اللہ! فلاں کی طرف سے آپ پر سلام ہو۔

پھر ایک گز شرعی کا فاصلہ اپنی دائیں طرف پھر جائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرے کیونکہ ان کا سر انور رسول اکرم ﷺ کے کاندھے مبارک کے پاس ہے جس طرح رزین وغیرہ نے یقین کے ساتھ بیان کیا اور اکثر حضرات کا خیال یہی ہے۔ اب یوں کہے:

السلام علیک یا خلیفۃ سید المرسلین السلام علیک یا من اید اللہ بہ یوم الردۃ الدین جزاک اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا اللھم ارض عنہ وارض عنا بہ.

اے تمام رسولوں کے سردار کے خلیفہ! آپ پر سلام ہو' اے وہ ذات جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس دن دین کی مدد کی جب کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے' اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے اچھی جزا عطا کرے' یا اللہ! ان سے راضی ہو اور ہماری طرف سے ان کو راضی رکھ۔

پھر ایک گز کے برابر اپنی دائیں جانب پھر کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یوں سلام عرض کرے:

السلام علیک یا امیر المومنین السلام علیک یا من اید اللہ بہ الدین جزاک اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا اللھم ارض عنہ وارض عنا بہ.

آپ پر سلام ہو اے مومنوں کے امیر! آپ پر سلام ہو اے وہ ذات جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین کی مدد فرمائی' اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزا عطا فرمائے' اے اللہ! ان سے راضی ہو اور ہماری طرف سے ان کو راضی کر دے۔

---

[1] حضور ﷺ کی تعظیم کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کو اسم گرامی کی بجائے القاب مبارکہ کے ساتھ پکارے۔ ۱۲ ہزاروی

پھر شیخین کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد اپنی پہلی جگہ پر رسول ﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے آ جائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور بزرگی بیان کرے' نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں ہدیۂ درود بھیجے' بکثرت دعا کرے اور گڑگڑائے اور آپ کی بارگاہ میں تجدید توبہ کرے اور آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ اس توبہ کو ایسی توبہ بنائے جو نصیحت بن جائے نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں کثرت سے درود اور سلام بھیجے کیونکہ آپ اسے سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

سلام کا جواب دینا

امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من مسلم یسلم علی الا رد الله علی روحی حتی ارد علیه السلام.

جو مسلمان مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح کو متوجہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته.

جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف بھیجے میں اسے سنتا ہوں اور جو آدمی دور سے مجھ پر درود شریف بھیجے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''الشفاء'' میں حضرت سلیمان بن سحیم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی تو عرض کیا یا رسول اللہ! یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ فرمایا ہاں اور میں ان کو جواب بھی دیتا ہوں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات طیبہ ثابت و معلوم ہے اور جاری ہے اور ہمارے نبی ﷺ ان سب سے افضل ہیں۔ جب یہ صورت ہے تو آپ کی حیات طیبہ ان سب کی زندگی سے زیادہ کامل ہے۔

سوال: اگر کوئی بیمار طبیعت اور گھٹیا سمجھ کا آدمی کہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ جاری ثابت ہے تو روح کے لوٹانے کا کیا مطلب ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے''۔

جواب: اس بات کا جواب کئی طریقوں پر دیا جاتا ہے۔

(۱) یہ اس بات کی خبر دینا ہے کہ وصف حیات دائمی ہے کیونکہ سلام کا جواب دائمی ہے پس وصف حیات بھی لازم ہوگا تا کہ سلام کا جواب دیا جائے جو لازم ہے اور لازم کا وجود ملزوم یا ملزوم کے ملزوم کے پائے جانے پر واجب ہوتا ہے پس وصف حیات دائمی طور پر ثابت ہوا کیونکہ اس کے ملزوم کا ملزوم دائمی طور پر ثابت ہے اور یہ بات مقصود کو بلاغت کی کامل ترین انواع کے ساتھ ثابت کرنے میں بلیغ عبارات کے بیان کے جادو سے ہے اور فنون براعت میں سے نہایت عمدہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کے بلاغت عظمیٰ کے سمندروں میں سے ایک قطرہ ہے۔

(۲) اس سے خاص روحانی توجہ مراد ہے جو بارگاہ نبوی سے عالم دنیا اور خاکی اجسام کے ڈھانچوں کی طرف حاصل ہوتی

ہے۔
اور دائرۂ بشریت کی طرف اترتی ہے حتیٰ کہ اس وقت اسلام کا جواب پایا جاتا ہے اور یہ توجہ عام اور سب کو شامل ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر ایک لمحہ میں لاکھوں کروڑوں انسان بھی ہوں تو نبوی توجہ اور روحانی التفات (توجہ) ان سب کو شامل ہوتی ہے اور میں (مصنف) نے اس سے وہ کچھ دیکھا ہے جس کو بیان نہیں کر سکتا۔ اور اس شخص کا جواب کتنا اچھا ہے جس سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ زمین کے مشرقوں اور مغربوں سے سلام کرنے والوں کو ایک آن میں کیسے جواب دیتے ہیں تو اس نے ابوالطیب کے اس قول کے ساتھ جواب دیا:

کالشمس فی وسط السماء ونورها یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

"جیسے سورج' آسمان کے درمیان ہوتا ہے اور اس کی روشنی مشرق و مغرب کے تمام شہروں کو ڈھانپ لیتی ہے"۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عالم برزخ میں نبی اکرم ﷺ کا حال فرشتوں کے حال سے افضل و اکمل ہے اور یہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں جو ایک وقت میں ایک لاکھ ارواح قبض کرتے ہیں اور ایک روح کا قبض کرنا دوسری روح کو قبض کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتا اور اس کے ساتھ وہ عبادتِ خداوندی میں بھی مشغول ہوتے ہیں اور تسبیح و تہلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پس ہمارے نبی ﷺ زندہ ہیں' نماز پڑھتے ہیں اور اپنے رب کی عبادت کرتے اور اس کا مشاہدہ کرتے ہیں' انہیں ہمیشہ قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کے خطاب کی سماعت سے لذت حاصل کرتے ہیں اور ارشادِ خداوندی: اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ○ (الزمر:۳۰) بے شک آپ کو انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔ کا جواب چوتھے مقصد میں گزر چکا ہے۔[1]

امام دارمی نے حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: جب حرہ کے دن تھے (یزید نے جب مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تھا)۔ تو مسجد نبوی میں اذان نہیں ہوتی تھی اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر نہیں جاتے تھے اور ان کو نماز کے وقت کی پہچان اس سے حاصل ہوتی جسے وہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور سے سنتے تھے۔

ابن النجار اور ابن زبالہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ حضرت سعید یعنی ابن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نماز ظہر کا وقت ہوا تو میں نے قبر شریف میں اذان سنی اور دو رکعتیں پڑھیں پھر اقامت سنی تو ظہر کی نماز ادا کی پھر ہر نماز کے وقت قبر انور سے اذان و اقامت جاری رہی حتیٰ کہ تین راتیں جو ایام حرہ کی راتیں تھیں' گزر گئیں۔

امام بیہقی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون. انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں' نماز پڑھتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

---

[1] امام سبکی نے اس کا جواب یوں دیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال دائمی نہیں اور وفات کے بعد آپ کو حیات حقیقی حاصل ہوگئی ہے اور اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ دنیوی زندگی کی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۰)

ان الانبیاء لا یترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلة ولکنھم یصلون بین یدی الله حتی ینفخ في الصور.

انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبروں میں چالیس راتوں کے بعد نہیں چھوڑا جاتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور نماز پڑھتے ہیں یہاں تک کہ صور پھونکا جائے گا۔

''صحیح مسلم میں'' اس حدیث کے کئی شواہد ہیں ان میں سے ایک' نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

مررت بموسی وھو قائم یصلي فی قبرہ.

میں' حضرت موسیٰ علیہ السلام (کی قبر) کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو واقعۂ معراج کے سلسلے میں ہے' اس میں یوں ہے کہ آپ نے آسمانوں میں انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات کی' انہوں نے آپ سے کلام کیا اور آپ نے ان سے کلام کیا۔

اور میں (مصنف) نے نبی اکرم ﷺ کی عبادت کے ضمن میں حجۃ الوداع کے ذکر میں مزید بھی بیان کیا ہے۔

آپ کے خصائص کریمہ جو معجزات کے بیان اور اسراء و معراج کے بیان میں مذکور ہیں ان میں یہ بات ذکر کی گئی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ نمازیں اور حج اس طریقے پر ادا نہیں ہوتیں کہ وہ ان کے مکلف ہیں بلکہ لذت حاصل کرنے کے طریقے پر ہوتی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ عالم برزخ میں ان پر دنیا کا حکم لگایا جائے تاکہ ان کے اعمال زیادہ ہوں اور اجر بھی زیادہ ملے اور یہ سب کچھ مکلف کو خطاب کے طریقے پر نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں' اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۶۹)

جب اس ارشادِ خداوندی سے شہید کی حیات ثابت ہے تو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی اور جمہور کا عقیدہ یہ ہے کہ شہداء کو حقیقی زندگی حاصل ہوتی ہے اور کیا یہ فقط روح کے لئے ہے یا اس کے ساتھ جسم کے لئے بھی ہے؟ مطلب یہ کہ جسم پرانا اور بوسیدہ نہیں ہوتا تو اس سلسلے میں دو قول ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عمرو بن جموع رضی اللہ عنہما جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا حتیٰ کہ سیلاب نے ان کی قبر کو ننگا کر دیا تو ان کو یوں پایا گیا کہ ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور ان میں سے ایک زخمی ہوئے تھے تو انہوں نے اپنے زخم پر ہاتھ رکھا تھا دفن کے وقت وہ اسی حالت میں تھے' ان کے ہاتھ کو زخم سے ہٹایا گیا تو خون جاری ہو گیا پھر وہ ہاتھ پہلے کی طرح اپنی جگہ پر چلا گیا اور اس واقعہ اور غزوۂ احد کے درمیان چھیالیس (۴۶) سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

(طبقاتِ ابن سعد' موطا امام مالک)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے وہ شہدائے احد کے بارے میں فرماتے ہیں:

والذی نفسی بیدہ لا یسلم علیھم احد الی یوم القیامۃ الا ردوا علیہ۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ان (شہدائے احد) پر قیامت تک جو بھی سلام بھیجے گا وہ اس کو جواب دیں گے۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ابن شہاب (محمد بن مسلم زہری) رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اکثروا من الصلوۃ علی فی اللیلۃ الزھراء والیوم الازھر فانھما یودیان عنکم وان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء۔ روشن رات اور چمکتے دن (جمعہ کے دن اور رات) مجھ پر کثرت سے درود بھیجو یہ تمہارا درود مجھ تک پہنچاتے ہیں اور بے شک زمین انبیاء کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ (سنن ابوداؤد' سنن ابن ماجہ)

ابن زبالہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "جس سے روح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) کلام کریں تو زمین کو اس کا جسم کھانے کی اجازت نہیں دی جاتی (وحی مراد ہے اور یہ نبوت کا اعزاز ہے)"۔

اور یہ بات ثابت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا وصال بطور شہید ہوا کیونکہ خیبر کے دن آپ نے اس بکری کے گوشت سے تناول فرمایا جس میں ایسا زہر ملایا گیا تھا جو وقت پر ہلاک کرنے والا تھا حتیٰ کہ اس کی وجہ سے حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ کا زندہ رہنا بطور معجزہ تھا اور اس زہر کی تکلیف آپ کے وصال تک بار بار لوٹتی تھی اسی لئے آپ نے مرض الموت کے دوران فرمایا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مازالت اکلۃ خیبر تعادنی حتی کان الان قطعت ابھری۔ خیبر کا لقمہ (یعنی اس کا اثر) مسلسل میری طرف لوٹتا ہے حتیٰ کہ اب اس نے میری رگوں کو کاٹ دیا۔

"الابھران' وہ دو رگیں جو دل سے نکلتی ہیں اور ان سے شریانیں پھوٹتی ہیں جیسا کہ "صحاح" (لغت کی کتاب) میں ذکر کیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس طرح نبی اکرم ﷺ کے لئے نبوت اور شہادت دونوں کو جمع کیا۔

زیارت کے بعد دعا کے لئے کہاں کھڑا ہو؟

دعا کے لئے ٹھہرنے کی جگہ میں اختلاف ہے۔ شافعی حضرات فرماتے ہیں مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو جیسا کہ میں نے ذکر کیا۔

مالکی حضرات میں سے ابن فرحون نے کہا کہ ہمارے اصحاب (مالکی فقہ والوں) کے درمیان دعا کے لئے ٹھہرنے کی جگہ میں اختلاف ہے "شفاء شریف میں ہے" ابن وہب حضرت امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرے تو دعا کے لئے کھڑا ہو اور اس کا رخ قبر شریف کی طرف ہو' قبلہ کی طرف نہ ہو (کیونکہ آپ کی قبر شریف کی طرف پیٹھ کرنا خلاف ادب ہے۔۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۳)۔

خلیفہ منصور نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بات پوچھتے ہوئے کہا اے ابوعبداللہ! کیا میں قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو

جاؤں اور دعا مانگوں یا رسول اکرم ﷺ کی طرف رخ کروں؟ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:
نبی اکرم ﷺ سے رخ نہ پھیرو آپ قیامت تک تمہارا وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں (آدم سے تمام لوگ مراد ہیں)۔
امام مالک رحمہ اللہ نے ''المبسوط میں (جو اسماعیل قاضی کی کتاب ہے)'' فرمایا:
میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ قبر انور کے پاس کھڑا ہو کر دعا مانگے بلکہ سلام کر کے آگے چلا جائے۔
ابن فرحون نے کہا شاید یہ اختلاف قول نہیں ہے منصور کو اس بات کا حکم اس لئے دیا کہ اسے علم تھا کہ کیا دعا مانگے اسے نبی اکرم ﷺ کے سامنے دعا مانگنے کے آداب کا بھی علم تھا لہٰذا حضرت امام مالک رحمہ اللہ اس کی جانب سے بے ادبی کا خوف محسوس نہیں کرتے تھے اس لئے یہ فتویٰ دیا۔
اور عام لوگوں کو فتویٰ اس طرح دیا کہ وہ سلام پیش کر کے پھر جائیں تا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے مواجہہ شریف کے سامنے دعا مانگنے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کرنے کے سلسلے میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کریں جو مناسب نہیں۔
یا وہ مکروہ ہو یا حرام ہو۔ کیونکہ لوگوں کے مقاصد اور ان کی پوشیدہ باتیں مختلف ہوتی ہیں اور اکثر لوگ آدابِ دعا قائم نہیں رکھ سکتے اور نہ ان کی پہچان رکھتے ہیں اسی لئے ان کو سلام پھیرنے کے بعد پھر جانے کا حکم دیا۔
میں (مصنف) نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کے مناسک میں اس سے منسوب یہ قول دیکھا کہ وہاں حجرۂ مبارکہ کی طرف منہ کر کے دعا نہ کرے نہ اس کی طرف نماز پڑھے اور نہ اسے بوسہ دے کیونکہ یہ باتیں تمام ائمہ کے نزدیک منع ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ' تمام ائمہ کے مقابلے میں زیادہ کراہیت کے قائل ہیں اور ان سے جو حکایت منقول ہے کہ انہوں نے منصور کو حکم دیا کہ دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف رخ کریں تو یہ امام مالک پر جھوٹ ہے۔ ابن تیمیہ نے اس طرح کہا اور اللہ بہتر جانتا ہے۔[1] (شرح زرقانی ص ۵۸۰ رقم الحاشیہ:۱)

خاکِ طیبہ کی خوشبو

امام بوصیری رحمہ اللہ نے ''بردۃ المدیح (قصیدہ بردہ شریف) میں'' فرمایا:

لا طیب یعدل تربا ضم اعظمہ طوبی لمنتشق منہ وملتثم

''کوئی خوشبو اس خاک پاک کی برابری نہیں کر سکتی جو حضور ﷺ کے جسم اطہر کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے' مبارک ہو اس زائر کے لئے جس نے روضۂ اقدس کی خاک کو سونگھا اور بوسہ دیا''۔
''قصیدہ بردہ شریف کے'' شارح علامہ ابن مرزوق وغیرہ نے فرمایا:
''گویا انہوں نے خوشبو میں استعمال ہونے والی دو قسموں کی طرف اشارہ کیا کیونکہ اس کا استعمال سونگھنے کے لئے

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات ابوالحسن علی بن فہر نے اپنی کتاب فضائل مالک میں نقل کی ہے اور اس کی سند میں حافظ ابوالفضل عیاض رحمہ اللہ ہیں جو ''الشفاء میں'' ایسی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں جس میں کوئی حرج نہیں بلکہ کہا گیا ہے کہ یہ صحیح ہے تو جھوٹ کہاں سے ہوا اس کے راویوں میں کوئی کذاب یا حدیث گھڑنے والا نہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۴)

ہوتا ہے اور اس کی طرف اشارہ ''المستنشق'' سے کیا (کیونکہ استنشاق سونگھنے کو کہتے ہیں) یا خوشبو لگانے کے ذریعے اسے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی طرف اشارہ ''ملتثم'' کے لفظ سے کیا۔

شارح فرماتے ہیں کم از کم پیشانی اور ناک پر خاک طیبہ لگ سکتی ہے جب آپ کی مسجد شریف میں سجدے کی حالت میں ہو۔اس سے قبر شریف کو بوسہ دینا مراد نہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

زرکشی نے سیرانی سے نقل کیا کہ ''طوبی'' خوشبو ہے ابن مرزوق نے کہا طوبی 'فعلی کے وزن پر ایک قسم کی خوشبو ہے۔

یہ اس بات پر مبنی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی قبر انور حقیقت حسیہ کے اعتبار سے خوشبو کی اقسام میں سے افضل قسم ہے اور یہ اس لئے کہ حقیقت میں اسی طرح ہے کسی کو اس کا ادراک ہو یا نہ' لیکن مؤمن کے عقیدے کے اعتبار سے بات یہ ہے کہ وہ کسی خوشبو کو نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے برابر نہیں جانتا۔

سوال: اگر یہ حقیقی حسی خوشبو ہوتی تو ہر ایک کو اس کا ادراک ہوتا؟

جواب: کسی محل کے ساتھ کوئی معنی قائم ہو تو ہر ایک کے لئے اس کا ادراک ضروری نہیں بلکہ اسی وقت ادراک ہوگا جب شرائط پائی جائیں اور رکاوٹیں دور ہو جائیں اور عدم ادراک' مدرک (جس کا ادراک ہوتا ہے) کے عدم پر دلالت نہیں کرتا اور دلیل کا نہ پایا جانا مدلول کے منتفی ہونے پر دلیل نہیں ہے' زکام والے شخص کو کستوری کی خوشبو کا ادراک نہیں ہوتا حالانکہ کستوری میں خوشبو موجود ہے اور اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی۔

اور جب قبر کا تعلق امور اخرویہ سے ہے تو لازماً اس کا ادراک زندہ لوگوں میں سے انہی لوگوں کو ہوتا ہے جن کے لئے پردہ اٹھ گیا اور وہ مقربین اولیاء کرام ہیں۔

کیونکہ آخرت کا سامان باقی ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ فانی ہے اور فانی کو باقی سے نفع حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دونوں میں تضاد ہے اور جس شخص کو شریعت اسلامیہ سے ادنیٰ تعلق بھی ہو اسے کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور' جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے بلکہ ان میں سے افضل ہے اور جب قبر کی یہ صورت ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور اس قبر انور میں آپ کا جسم اقدس ہے جو سب سے بہترین خوشبو ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے برابر کوئی خوشبو نہیں۔

اللہ تعالیٰ احمد بن محمد العریف پر رحم فرمائے وہ اپنے قصیدہ میں جس کا آغاز یوں ہے' فرماتے ہیں:

اذا ماحدا الحادی باجمال یثرب [1] فلیت المطایا فوق خدی تعنق

''جب حدی خواں یثرب کے کجاووں کے ساتھ حدی خوانی کرتا ہے پس کاش سواریاں دونوں رخساروں پر خوشبو بکھیریں''۔

پھر کچھ اشعار کے بعد فرمایا:

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں ''باجمال طیبہ'' زیادہ مناسب تھا کیونکہ مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے منع کیا گیا ہے جہاں تک قرآن مجید میں یثرب (یا اہل یثرب) کہنے کا تعلق ہے تو وہ منافقین کی بات نقل کی گئی (زرقانی ج ۸ ص ۳۱۵) اس لئے ہمارے نعت گو اور نعت خواں حضرات کو چاہیے کہ وہ یثرب کا لفظ استعمال نہ کیا کریں۔۱۲ ہزاروی

فما عبق الریحان الا وتربها | اجل من الریحان طیبا واعبق

''گل ریحان کی خوشبو اس قدر نہیں پھیلتی جس قدر قبر انور سے خوشبو زیادہ آتی اور پھیلتی ہے''۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا:

راحت رکائبهم تبدی روائحها | طیبا فیاطیب ذاک الوفد اشباحا

نسیم قبر النبی المصطفی لهم | روض اذا نشروامن ذکره فاحا

''ان کے اونٹوں نے راحت پائی ان کی خوشبو پھیلتی ہے اس وفد کی خوشبو کس قدر پھیلی ہوئی ہے۔

برگزیدہ نبی ﷺ کی قبر انور کی باد نسیم ان کے لئے ایک پر بہار باغ ہے جب وہ ہوا پھیلے اور ان کے ذکر کی خوشبو پھیلتی ہے''۔

اور شاعر کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے فرماتے ہیں:

فاح الصعید بجسمه فکانه | روض بنم بعرفة المتارج

ما جسمه مما یغیره الثری | والروح منه کالصباح الابلج

''آپ کے جسم اقدس سے مٹی خوشبودار ہوگئی گویا وہ ایک خوشبو بکھرنے والا باغ ہے۔

آپ کا جسم اقدس ایسا نہیں جسے مٹی بدل دے اور آپ کی روح انور روشن صبح کی طرح ہے''۔

نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی: ''المدینة ینصع طیبها۔ مدینہ طیبہ کی خوشبو خالص ہے'' کے بارے میں ابن بطال نے کہا کہ یہ مدینہ طیبہ میں رہنے والے مخلص مومن کی مثال بیان کی گئی وہ جو اپنے گھر والوں سے جدا ہوتا ہے اور دشمن کا خوف اسے لازم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ مدینہ طیبہ کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے پس جب وہ اپنے نفس کا سودا کر لیتا ہے اور اس بات کا التزام کر لیتا ہے تو اس کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے ایمان خالص اور مضبوط ہوتا ہے کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے قرب اور مدینہ طیبہ میں رہنے والوں کے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے وہاں خوشبو پھیلتی ہے اور اس کی مہک تمام شہروں پر زائد ہوتی ہے یہ ایسی خصوصیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے شہر انور کو خاص فرمایا اور اس کی خاک مبارک جو نبی اکرم ﷺ کے جسم پاک سے ملی ہوئی ہے اسے پسندیدہ بنایا۔[1]

حدیث شریف میں ہے:

ان المومن یقبر فی التربة اللتی خلق منها۔ مومن کی قبر اسی مٹی میں ہوتی ہے جس سے اس کو پیدا کیا گیا۔

لہٰذا مدینہ طیبہ کی خاک مبارک سب سے افضل خاک ہے جس طرح آپ ﷺ تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

اسی لئے اس شہر انور میں خوشبو تمام شہروں کے مقابلے میں زیادہ خوشبودار ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] ایک اعرابی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے بیعت کا شرف حاصل کیا دوسرے دن وہ آیا تو اسے بخار چڑھا ہوا تھا اس نے کہا بیعت واپس کیجئے تو آپ نے انکار فرمایا تین مرتبہ ایسا ہوا اس وقت آپ نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو میل کچیل کو پھینک دیتی ہے۔
(زرقانی ج ۸ ص ۳۱۶)

توسل کی بحث

زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ دعا' زاری' طلب مدد' طلب شفاعت اور نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ کثرت سے اختیار کرے پس جو شخص نبی اکرم ﷺ کی شفاعت طلب کرتا ہے وہ اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے۔

جان لو! استغاثہ' مدد طلب کرنے کو کہتے ہیں پس مستغیث (مدد طلب کرنے والا) مستغاث بہ (جس سے مدد طلب کی جائے) سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے' اس سے مدد حاصل ہو پس اس میں کوئی فرق نہیں کہ لفظ استغاثہ استعمال کرے یا توسل یا تشفع یا تجوہ یا توجہ کیونکہ یہ دونوں (التجوہ اور التوجہ) جاہ اور وجاہت سے بنے ہیں اور ان کا معنیٰ قدر و منزلت کی بلندی ہے۔

اور بعض اوقات کسی بلند مرتبہ شخص کو اس سے اعلیٰ کی طرف وسیلہ بنایا جاتا ہے پھر یہ سب کچھ یعنی نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ' توسل' تشفع اور توجہ (آپ سے مدد طلب کرنا' آپ کو وسیلہ بنانا' آپ کی شفاعت اور توجہ طلب کرنا) ہر حال میں واقع ہے آپ کی تخلیق سے پہلے اور اس کے بعد آپ کی حیات طیبہ میں دنیا میں اور آپ کے وصال کے بعد عالم برزخ کے زمانے میں دوبارہ زندہ ہونے کے بعد میدانِ قیامت میں (ہر جگہ ثابت ہے) جس طرح ''تحقیق النصرہ'' اور ''مصباح الظلام'' میں لکھا ہے۔

تخلیق سے پہلے توسل

جہاں تک پہلی حالت (تخلیق سے پہلے) کا تعلق ہے تو تجھے وہ بات کافی ہے جو مقصد اول میں ذکر کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے اتارا گیا تو آپ نے نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

یا ادم لو تشفعت الینا بمحمد فی اھل السماوات والارض لشفعناک. (رواہ ابن عساکر)

اے آدم! (علیہ السلام) اگر آپ ہماری بارگاہ میں حضرت محمد ﷺ کا وسیلہ تمام آسمانوں اور زمین والوں کے لئے پیش کرتے تو ہم آپ کی سفارش قبول کرتے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے امام حاکم' امام بیہقی اور دیگر حضرات نے نقل کیا جو یوں ہے:

وان سألتنی بحقہ فقد غفرت لک. (بیہقی)

اگر آپ مجھ سے ان (نبی اکرم ﷺ) کے وسیلہ سے سوال کرتے تو میں آپ کو بخش دیتا۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابن جابر پر رحم فرمائے انہوں نے فرمایا:

بہ قد اجاب اللہ ادم اذ دعا — ونجی فی بطن السفینۃ نوح

وما ضرت النار الخلیل لنورہ — ومن اجلہ نال الفداء ذبیح

''اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا کو قبول کیا جب انہوں نے دعا کی اور کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کو نجات دی گئی۔

اور حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نقصان نہ پہنچایا تو یہ بھی نور محمدی کی وجہ سے ہوا اور اسی نور کی وجہ سے ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ فدیہ آیا (دنبہ ذبح ہوا)"۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو انہوں نے عرض کیا۔ اے میرے رب! میں تجھ سے حضرت محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں مجھے بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تم نے حضرت محمد (ﷺ) کو کیسے پہچان لیا حالانکہ میں نے ان کو پیدا نہیں کیا عرض کیا اے میرے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرش کے پایوں میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہے تو میں نے جان لیا کہ تو اپنے نام کے ساتھ صرف اس ذات کو ملاتا ہے جو تجھے مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ مجھے میری مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تو نے ان کے وسیلہ سے مجھ سے سوال کیا ہے تو میں نے تمہیں بخش دیا اور اگر حضرت محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔ یہ روایت طبری نے نقل کی ہے (مقصد اول میں یوں ہے کہ اسے امام طبرانی نے نقل کیا)۔

اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ وہ تمہاری اولاد میں سے سب سے آخری نبی ہیں۔

تخلیق کے بعد توسل

نبی اکرم ﷺ کی تخلیق کے بعد آپ کی حیاتِ طیبہ میں توسل کی مثال یہ ہے کہ قحط کے وقت اور بارشیں نہ ہونے کی صورت میں آپ کا وسیلہ پیش کیا گیا اسی طرح بھوک وغیرہ کی حالت میں آپ سے استغاثہ کیا گیا۔ معجزات کے بیان میں اور عبادات کے بیان میں طلب بارش کے ذکر میں یہ مثالیں ذکر کی گئی ہیں اور اسی سلسلے میں مصیبت زدہ لوگوں کا آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا ہے۔

اور تجھے وہ روایت کافی ہے جسے امام نسائی اور امام ترمذی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک نابینا شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت عطا فرمائے' راوی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا مانگے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰی اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ.

یا اللہ! میں تجھ سے تیرے نبی محمد (ﷺ) جو نبیٔ رحمت ہیں کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد! (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف اپنی حاجت میں متوجہ ہوں کہ اسے پورا کیا جائے۔ یا اللہ! میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے صحیح قرار دیا اور یہ اضافہ کیا کہ جب وہ نابینا کھڑا ہوا تو اس کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔[1]

---

[1] اس حدیث میں جہاں توسل کا ذکر ہے وہاں نبی اکرم ﷺ کو لفظ "یا" کے ساتھ پکارنا بھی ثابت ہے اور یہ بات حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی ثابت ہے' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے اسی طرح دعا مانگی اور آج بھی مانگی جا سکتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

وصال کے بعد توسل

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد برزخ میں آپ سے توسل تو اس قدر ہے کہ شمار سے باہر ہے یا تلاش کے بعد اس کا ادراک ہو سکتا ہے۔

شیخ ابو عبداللہ بن نعمان رحمہ اللہ (محمد بن موسیٰ بن نعمان متوفی ۶۸۳ھ)[1] نے ان میں سے کچھ واقعات اپنی کتاب "مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام میں" ذکر کئے ہیں۔

میں (مصنف) ایسا بیمار ہوا کہ طبیب اس کے علاج سے عاجز آ گئے اور مجھے یہ بیماری کئی سال رہی پس میں نے ۲۸ جمادی الاول ۸۹۳ھ میں مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ اس مقدس شہر کی عزت کو مزید بڑھائے اور مجھے دوبارہ عافیت کے ساتھ کسی مشقت کے بغیر اس شہر میں لا کر مجھ پر احسان فرمائے' نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے مدد طلب کی[2] میں سویا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا جس کے پاس کاغذ تھا جس میں لکھا ہوا تھا "یہ دوا' احمد بن قسطلانی کی بیماری کے لئے اذن نبوی کے بعد دربار عالیہ سے آئی ہے" پھر میں بیدار ہوا اللہ کی قسم! میں اس بیماری میں کچھ نہیں پاتا تھا اور مجھے نبی اکرم ﷺ کی برکت سے شفاء حاصل ہو گئی۔

اسی طرح ۸۸۵ھ میں' میں مکہ مکرمہ کے راستے میں تھا اور زیارت شریفہ سے واپس مصر کی طرف جا رہا تھا کہ ہماری خادمہ "غزال الحبشیہ" کے سر میں درد ہو گیا اور کئی دن رہا میں نے نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے اس کی صحت یابی کے لئے دعا مانگی تو ایک آنے والا میرے پاس خواب میں آیا اور اس کے ساتھ ایک جن تھا جو اس عورت کو پچھاڑنے والا (قابو کرنے والا) تھا۔ اس نے کہا اسے نبی اکرم ﷺ نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو میں نے اسے مخاطب کر کے اس سے قسم لی کہ وہ آئندہ اس کے پاس نہ آئے پھر میں بیدار ہوا تو اس خاتون کو کوئی بیماری نہ تھی گویا اسے رسی سے کھول دیا گیا ہو' وہ اس سے عافیت میں رہی حتیٰ کہ میں مکہ مکرمہ میں ۸۹۴ھ میں اس سے جدا ہوا' **والحمد لله رب العالمين ۔**

میدانِ قیامت میں شفاعت

قیامت کے میدان میں نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنا ان باتوں میں سے ہے جن پر اجماع ہے اور حدیث شفاعت تواتر سے ثابت ہے۔

تو اے طالب (طالبِ خیر) تجھ پر وہ سعادت حاصل کرنا لازم ہے جو غیب اور شہادت دونوں صورتوں میں حسن حال تک پہنچاتی ہے اور یہ سعادت نبی اکرم ﷺ کی مہربانی اور کرم کا دامن تھامنے اور آپ کی نعمتوں کے دستر خوانوں پر طفیلی بن کر پہنچنے سے آپ کے شریف مرتبہ کے توسل اور بلند قدر کو شفیع بنانے سے حاصل ہوتی ہے' بلند مراتب کو پانے اور مقصود

[1] (الاعلام ج ۷ ص ۱۱۸' ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۱۳۴' کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۰۶' ایضاح المکنون ج ۲ ص ۲۸۸' معجم المؤلفین ج ۱۲ ص ۶۸)

[2] "مواہب اللدنیہ کے" محقق صالح احمد الشامی نے حضور ﷺ سے استغاثہ کو مردود قرار دیا اور معاذ اللہ مصنف کو جھوٹا قرار دیا' یہ نجدی ذہن ہے جو علم سے بے بہرہ ہے حالانکہ حضور ﷺ کے وسیلہ سے استغاثہ اور بات ہے اور آپ سے یوں استغاثہ کرنا جس طرح اللہ تعالیٰ سے کیا جاتا ہے الگ بات ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ ۱۲ ہزاروی

کے حصول کے لئے آپ وسیلہ ہیں' پریشانی اور اضطراب کے دن تمام رسل عظام کے لئے آپ ہی فریادگاہ ہیں تم پر کوئی مصیبت نازل ہو تو آپ ﷺ کو سامنے رکھو' اور قرب و منازل کے حصول میں بھی آپ کو ہی اپنا امام بناؤ اس طرح تم مقصود کی انتہاء تک کامیابی حاصل کرو گے اور اس ذات کی رضا حاصل کرو گے؛ جس کے علم میں ہر چیز شامل ہے جب تک مدینہ طیبہ میں رہو' حسبِ طاقت مختلف قسم کی قربتیں حاصل کرنے کی کوشش کرو اور طلب کے ناخنوں سے سعادتوں کے دروازے مسلسل کھٹکھٹاتے رہو' عبادات کی سیڑھیاں طے کرتے رہو اور مرادوں کے خیموں میں داخل ہو جاؤ۔

تمتع ان ظفرت بنیل قرب ۔۔۔ وحصل ما استطعت من ادخار

فھا انا قد ابحت لکم عطائی ۔۔۔ وھا قد صرت عندی فی جواری

فخذ ما شئت من کرم وجود ۔۔۔ ونل ما شئت من نعم غزار

فقد وسعت ابواب التدانی ۔۔۔ وقد قربت للزوار داری

فمتع ناظریک فھا جمالی ۔۔۔ تجلی للقلوب بلا استتار

''اگر تم قرب کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ تو نفع اٹھاؤ اور جس قدر ممکن ہو ذخیرہ بناؤ۔

آؤ میں نے تمہارے لئے اپنی عطا کو مباح کر دیا اور آؤ تم میرے پاس میرے پڑوس میں ہو۔

کرم و جود سے جو چاہو لے لو اور وسیع و عریض نعمتوں میں سے جو چاہو لو۔

قرب کے دروازے وسیع ہیں اور ملاقات کرنے والوں کے لئے میرا گھر قریب ہے۔

دونوں آنکھوں کے ذریعے نفع اٹھاؤ یہ میرا جمال ہے اور دلوں کے لئے تجلی کسی پردے کے بغیر ہے''۔

ریاض الجنۃ کی بحث

نبی اکرم ﷺ کی مسجد مکرم میں فرض اور نفل نمازوں کی پابندی کرو خاص طور پر روضہ شریفہ جس کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے)۔ (صحیح مسلم)[1]

ابن ابی جمرہ نے کہا اس کا معنٰی یہ ہے کہ (زمین کا) یہ ٹکڑا بعینہ جنت میں منتقل ہو جائے گا پس یہ ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' ہے یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اس جگہ عمل کرنے والے کے لئے جنت کا باغ واجب ہو جاتا ہے وہ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ دونوں صورتوں کو جمع کیا جائے مطلب یہ ہے کہ یہ احتمال بھی ہو کہ یہ جنت میں منتقل ہو گا اور یہ بھی کہ اس میں عمل کرنے والے کے لئے جنت میں ایک باغ واجب ہو جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں دونوں وجھوں کے لئے نظری اور قیاسی دلیل موجود ہے جو اس احتمال کو پکا کرتی ہے۔

اس پر دلیل کہ اس جگہ عمل کرنے والے کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے' یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی مسجد شریف میں نماز کا ثواب دیگر مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار کے برابر ملتا ہے تو اس ٹکڑے کو دیگر حصوں پر فضیلت حاصل ہے جس طرح مسجد شریف کو دوسرے مقام پر زیادہ فضیلت حاصل ہے۔

اور اس کے بعینہ جنت میں جانے اور منبر کے حوض پر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ و منبری علی حوضی'' میرے حجرۂ مبارکہ اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

ستون (جس کے ساتھ کھڑے ہو کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے) جنت میں جائے گا اور یہ ستون مسجد کے اس حصے میں (مدفون) ہے تو ستون کے لئے جنت واجب کرنے کی علت ہی اس حصے کے جنت میں جانے کی علت ہے اور دونوں کے لیے برابر ہے جیسا کہ اس کے بعد میں ذکر کروں گا۔

اور جس ذات والا صفات نے اس (ستون) کے بارے میں خبر دی ہے اس نے اس (روضہ) کے بارے میں خبر دی ہے پس سب سے کامل طریقے پر محمول کرنا مناسب ہے اور وہ دونوں احتمالوں کو جمع کرنا ہے کیونکہ شرعی قواعد سے ثابت ہے کہ اس مبارک جگہ کا ہمارے لئے فائدہ اور اس کے بارے میں ہمیں خبر دیئے جانے کا فائدہ یہی ہے کہ اس کو عبادت کے ساتھ آباد کیا جائے کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے اسی طرح مبارک دنوں کا مسئلہ بھی ہے اس بنیاد پر یہ جگہ آج بھی جنت کا ایک باغ ہے اور اسی طرح باغ کی صورت میں اپنی جگہ واپس چلا جائے گا اور اس جگہ عبادت کرنے والے کے لئے جنت میں باغ ہوگا اور یہ بات دو وجہ سے زیادہ ظاہر ہے ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا مقام بلند ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت کا پتھر دے کر خصوصیت عطا فرمائی تو اپنے حبیب ﷺ کو جنت کا باغ عطا فرمانے کے ساتھ خاص کیا (یہ دوسری وجہ ہے)۔

یہاں ایک اور بحث ہے وہ یہ کہ (مسجد شریف کے) تمام حصوں کے درمیان میں اسے ''روضة من ریاض الجنة'' قرار دینے کے لئے کیوں منتخب کیا؟

اگر ہم کہیں کہ یہ امر ربی ہے (ہمیں اس کی حکمت معلوم نہیں) تو کوئی بحث نہیں اور اگر کہیں کہ اس کی کوئی حکمت ہے تو اس میں بحث کی ضرورت ہوگی۔

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے موجود ہے کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی اور تمام مخلوقات میں سے جس چیز کا آپ سے تعلق ہوا سے اپنی جنس پر فضیلت حاصل ہوگی جس طرح تمام امور میں یہ بات تلاش کی جا سکتی ہے آپ کے ظہور سے وفات تک جاہلیت اور اسلام میں ہر جگہ یہی بات ہے اس میں وہ بات بھی شامل ہے جو آپ کی والدہ ماجدہ کو شان ملی اور نہایت جاہلیت کے دور میں آپ کے وجود مسعود کی وجہ سے ان کو برکات حاصل ہوئیں جیسا کہ (کتب میں) مذکور و معلوم ہے۔

اسی طرح حضرت حلیمہ سعدیہ کا معاملہ ہے حتیٰ کہ ان کی دراز گوش اور وہ مقام جہاں دراز گوش قدم رکھتی وہ جگہ اسی وقت سرسبز ہو جاتی (کیونکہ آپ اس پر سوار تھے) اور یہ سب باتیں معروف ہیں۔

نبی اکرم ﷺ جہاں چلتے وہاں ہر قسم کی برکات ظاہر ہوتیں اور جہاں اپنے دست مبارک رکھتے وہاں ہر قسم کی خیرات و برکات کا ظہور ہوتا اور یہ ظہور حسی طور پر بھی ہوتا ہے اور معنوی اعتبار سے بھی جیسا کہ منقول و معروف ہے۔

اور جب قادر ذات (اللہ تعالیٰ) نے چاہا کہ حضور ﷺ کے لئے ایک گھر ضروری ہے اور اس کے لیے منبر ضروری ہے اور نبی اکرم ﷺ کا حجرۂ انور اور منبر شریف کے درمیان بار بار آنا جانا ضروری تھا تو ان دونوں کے علاوہ کو جو عزت عطا ہوئی کہ جب اس کا تعلق براہ راست آپ سے قائم ہوتا کسی حیوان کے واسطے سے ہوتا یا اس کے علاوہ کوئی صورت ہوتی تو خیر و برکت حاصل ہوتی' تو اس مقام کا کیا حال ہوگا؟ جہاں آپ کا آنا جانا بکثرت تھا آپ زندگی بھر ایک دن میں کئی مرتبہ وہاں تشریف لے جاتے ہجرت سے وصال تک یہ سلسلہ جاری رہا پس اس روضہ مبارکہ کی جنس سے اس کے لئے

رفعت کا کوئی ایسا وصف باقی نہ رہا جو ہمارے بیان کردہ وصف سے اعلیٰ ہو وہ یہ کہ یہ جنت سے ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا اور ابھی تک اس کا تعلق جنت سے ہی ہے اور اس میں عمل کرنے والے کے لئے اس کی مثل (جنت) ہے اور اگر کوئی ایسا مرتبہ ہوتا جو اس دنیا میں اس سے بلند ہوتا تو اس کے لئے اس سے بھی اعلیٰ مرتبہ ہوتا جس کا ذکر ہم نے اس کی جنس سے کیا ہے۔

اگر کوئی ناسمجھ شخص یوں استدلال کرے کہ اس طرح تو یہ کمال پورے مدینہ طیبہ کو حاصل ہونا چاہیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ بارہا اپنے مبارک قدموں سے اس پر چلے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ اس شہر کے غیر کو حاصل نہیں ہے کہ اس کی خاک پاک شفاء ہے جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی ہے (پہلے گزر چکا ہے) اور یہ مبارک ٹکڑا بھی اس فضیلت میں شامل ہے۔

مدینہ طیبہ میں دجال کا داخلہ ممنوع ہے اور یہ شہر اس کے بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ والوں کے لئے پہلے شفاعت فرمائیں گے اور اس میں جو بیماری اور بخار وغیرہ تھا وہ اٹھا لیا گیا ہے۔

اس شہر مقدس کے کھانے، مشروب اور تمام چیزوں میں برکت رکھی گئی ہے اور ریاض الجنۃ کی فضیلت اس وجہ سے بھی ہے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا کہ سرکار دو عالم ﷺ مسجد نبوی میں، شہر کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں زیادہ آتے جاتے تھے اور منبر شریف اور حجرۂ مبارکہ کے درمیان باقی مسجد کے مقابلے میں زیادہ آنا جانا تھا۔

پس اعتراض کی وجہ سے بحث مزید مؤکد (ضروری) ہوگئی کیونکہ برکت کا حصول آپ کے مبارک قدموں کے بار بار اٹھنے کی مناسبت سے ہے اور اس بلند و بالا روح مبارک کی وجہ سے ہے جو صرف ایسے شخص پر مخفی ہو سکتا ہے جو راہ راست سے بھٹک چکا ہو۔ اور بصیرت کے اعتبار سے اندھا ہو پس مدینہ طیبہ تمام شہروں سے زیادہ مرتبہ والا شہر ہے اور مسجد نبوی تمام مساجد سے رفیع المرتبت ہے اور ریاض الجنۃ (مسجد کے) تمام حصوں سے زیادہ رفعت کا حامل ہے یہ بات معلوم ہے اور ایسی دلیل ہے جو ظاہر موجود ہے۔ ابن ابی جمرہ کا کلام مکمل ہوا۔

خطابی فرماتے ہیں اس حدیث کا مقصد مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر ہونے کی ترغیب ہے اور جو شخص مدینہ طیبہ کی مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو لازم پکڑے تو یہ اس بات کا سبب ہے کہ وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ کی طرف لوٹے گا اور قیامت کے دن اسے حوض کوثر سے سیراب کیا جائے گا۔ خطابی کا قول ختم ہوا۔

معجزات کے بیان میں خصائص کے ذکر کے ضمن میں اس سے زیادہ گفتگو ہو چکی ہے۔

مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ؟

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلاة في مسجدي هذا افضل من الف صلاة فيما سواه الا المسجد الحرام.

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

اس استثناء سے کیا مراد ہے تو اس سلسلے میں علماء کرام کا اسی طرح اختلاف ہے جس طرح اس بات میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ؟

حضرت سفیان بن عیینہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک نیز امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتوں میں سے صحیح روایت کے مطابق' نیز ابن وہب' مطرف اور ابن حبیب تینوں مالکی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں' کے نزدیک اور ساجی نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا علاوہ ازیں مکی اور مدنی حضرات کے نزدیک' نیز ابن عبدالبر نے حضرت عمر فاروق' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت ابن مسعود' حضرت ابو درداء' حضرت جابر' حضرت ابن زبیر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کے نزدیک مکہ مکرمہ' مدینہ طیبہ سے افضل ہے اور مکہ مکرمہ کی مسجد' مدینہ طیبہ کی مسجد سے افضل ہے کیونکہ بعض مکانات دوسرے مکانات سے عبادت کی وجہ سے زیادہ شرف رکھتے ہیں کہ ان مقامات میں عبادت کو ترجیح ہوتی ہے۔

ابن عبدالبر نے نقل کیا کہ حضرت امام مالک رحمہا اللہ سے ایسی بات مروی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکہ مکرمہ تمام زمین سے افضل ہے (وہ فرماتے ہیں) لیکن امام مالک کے شاگردوں سے ان کا مذہب یوں مشہور ہے کہ مدینہ طیبہ کو فضیلت حاصل ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں مدینہ طیبہ اور اس کی مسجد افضل ہے (اکثر اہل مدینہ' حضرت عمر بن خطاب اور ایک جماعت کا قول بھی یہی ہے۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۸ ص ۳۲۲)

ہمارے اصحاب (شافعی حضرات) نے مکہ مکرمہ کی فضیلت پر جو استدلال کیا ہے اس میں حضرت عبداللہ بن الحمراء (فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا) رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ اپنی سواری پر ٹھہرے ہوئے فرما رہے تھے: (الکاشف ج ۲ ص ۹۷' الاصابہ ج ۴ ص ۱۰۵)

واللہ انک لخیر ارض اللہ واحبها الی اللہ ولو لا انی اخرجت منک ما خرجت.	اللہ کی قسم! تو اللہ تعالیٰ کی بہترین اور محبوب ترین زمین ہے اور اگر مجھے تیرے اندر سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں نہ نکلتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۰۸' المستدرک ج ۳ ص ۷' مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۵' سنن دارمی ج ۲ ص ۲۳۹' التمہید ج ۲ ص ۲۸۸' الدر المنثور ج ۱ ص ۱۲۳' اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۲۸۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۷۰۶)

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے مروی سب سے زیادہ صحیح روایت ہے اور فرمایا کہ یہ محل اختلاف میں قطعی فیصلہ ہے۔[1]

امام شافعی اور جمہور کے نزدیک اس کا یعنی حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ مسجد حرام کے علاوہ' کیونکہ اس میں نماز پڑھنا میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز سے افضل ہے۔

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات اس وقت قطعی ہوتی جب مدینہ طیبہ کو فضیلت حاصل ہونے کے بعد آپ یہ بات فرماتے لیکن جب یہ بات پہلے فرمائی تو اس وقت تقابل ہی نہیں تھا (لہٰذا مدینہ طیبہ کے مقابلے میں فضیلت کے لئے قطعی نہ ہوئی)۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۲۲)

امام مالک اور ان کے موافق حضرات کے نزدیک معنیٰ یہ ہے کہ مسجد حرام کے علاوہ کیونکہ میری مسجد میں باقی مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلاۃ فی مسجدی هذا افضل من الف صلاۃ فیما سواه من المساجد الا المسجد الحرام وصلاۃ فی المسجد الحرام افضل من مائة صلاۃ فی هذا .

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے' اور مسجد حرام میں ایک نماز اس میں ایک سو نماز سے افضل ہے۔

اس حدیث کو امام احمد نے اور ابن خزیمہ نیز ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا اور انہوں نے یہ اضافہ کیا یعنی ''فی مسجد المدینة'' (ھذا سے مراد مسجد نبوی ہے)۔

اور امام بزار نے بھی نقل کیا اور ان کے الفاظ یہ ہیں۔

صلاۃ فی مسجدی هذا افضل من الف صلاۃ فیما سواه الا المسجد الحرام فانه یزید علیه مائة.

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے کہ وہ ایک سو درجہ زیادہ ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا اس کی سند بھی صحیح ہے۔

مالکی حضرات نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان میں وہ روایت بھی ہے جسے ابن حبیب نے ''الواضحہ'' میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلاۃ فی مسجدی کالف صلاۃ فیما سواه وجمعة فی مسجدی کالف جمعة فیما سواه ورمضان فی مسجدی کالف رمضان فیما سواه. (بیہقی)

میری مسجد میں ایک نماز اس کے علاوہ (مساجد) میں ایک ہزار نمازوں کی طرح ہے اور اس میں ایک جمعہ دوسری مساجد میں ایک ہزار جمعہ کی طرح ہے اور اس میں ایک رمضان (گزارنا) اس کے علاوہ میں ایک ہزار رمضان جیسا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکثر مدنی حضرات کا مذہب جیسا کہ قاضی عیاض نے ذکر کیا' یہ ہے کہ مدینہ طیبہ افضل ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔

اور اس بات پر اجماع ہے کہ وہ جگہ جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اعضائے مبارکہ ملے ہوئے ہیں وہ زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے حتیٰ کہ کعبہ شریف والی جگہ سے بھی افضل ہے جس طرح ابن عساکر' الباجی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ نے فرمایا۔ بلکہ تاج سبکی نے بھی یہ اجماع نقل کیا جیسا کہ سید سمہودی (ابوالحسن علی بن عبداللہ بن احمد الحسنی الشافعی' متوفی ۹۷ھ)[1] نے ''فضائل المدینہ میں'' ذکر کیا وہ ابن عقیل حنبلی سے روایت کرتے ہیں کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے اور

[1] (الاعلام ج ۴ ص ۳۰۷' معجم المطبوعات رقم الحدیث: ۱۰۵۲' الضوء اللامع ج ۵ ص ۲۴۵)

فاکہانی نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اسے (ساتوں) آسمانوں پر بھی فضیلت حاصل ہے' ان کے الفاظ اس طرح ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ یہ آسمانوں کے تمام حصوں سے بھی افضل ہے'' اور میں نے کسی کو اس پر اعتراض کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر اس بات کو علمائے امت کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس میں اختلاف نہیں کریں گے اور روایات میں آیا ہے کہ آسمانوں کو آپ کے مبارک قدموں کے لگنے سے فضیلت حاصل ہوتی ہے بلکہ اگر کوئی شخص کہے کہ زمین کے تمام ٹکڑے' آسمان کے تمام حصوں سے افضل ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ یہاں تشریف فرما ہیں تو یہ بات عقل سے دور نہیں بلکہ میرے نزدیک یہ بات ظاہر و متعین ہے۔ فاکہانی کا کلام مکمل ہوا۔

بعض حضرات نے زمین کی آسمان پر فضیلت اکثر حضرات سے نقل کی ہے کیونکہ انبیاء کرام اسی سے پیدا ہوئے اور اسی میں مدفون ہوئے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جمہور کے نزدیک آسمان کو زمین پر فضیلت حاصل ہے یعنی اس جگہ کے علاوہ جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اعضاء شریف متصل ہیں۔

جس جگہ سے نبی اکرم ﷺ کا جسم اقدس متصل ہے اس کی دیگر زمین پر فضیلت پر جو اجماع ذکر کیا گیا ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے اور اس اعتراض کو شیخ عزالدین ابن عبدالسلام کے قول سے تائید حاصل ہے انہوں نے بعض جگہوں کی دوسری بعض جگہوں پر فضیلت کے حوالے سے کہا ہے کہ تمام جگہیں اور تمام وقت باہم مساوی ہیں اور فضیلت اس چیز کی وجہ سے ہوتی ہے جو ان (وقت اور جگہ) میں واقع ہو۔ ان صفات کی وجہ سے نہیں جو ان کے ساتھ قائم ہیں۔

وہ فرماتے ہیں ان دونوں (جگہ اور وقت) کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کی طرف لوٹتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان میں بندوں کو عطا کرتا ہے اور ان میں جو فضیلت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں عمل کرنے والوں کے اجر کی فضیلت کے ذریعے اپنے بندوں پر جود و کرم فرماتا ہے۔

(گویا معترض کے نزدیک فضیلت' عمل کی وجہ سے ہے' کسی شخصیت کی وجہ سے نہیں۔ ۱۲ ہزاروی)۔

لیکن شیخ تقی الدین سبکی نے اس کا تعاقب کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ عزالدین کے قول سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ (عمل کے علاوہ) کسی اور وجہ سے فضیلت حاصل ہو اگرچہ وہاں عمل نہ ہو۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پر رحمت' رضائے الٰہی اور فرشتے اترتے ہیں اور اس (قبر انور) اور اس میں محو استراحت شخصیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر محبت ہے کہ عقلیں اس کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں اور یہ مقام کسی دوسری جگہ کو حاصل نہیں ہے تو وہ مقام کس طرح افضل نہیں ہوگا اور یہ مقام کسی دوسری جگہ کو حاصل نہیں ہے اور یہ مقام ہمارے لئے عمل کی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ مسجد نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مسجد کا حکم ہے بلکہ اس کا استحقاق تو صرف نبی اکرم ﷺ کے لئے ہے۔

نیز اس (قبر انور) میں اعمال کا بڑھنا اس اعتبار سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ یہ بات ثابت ہے اور آپ کے اعمال اس میں اس قدر بڑھتے ہیں جو ہر ایک سے زیادہ ہیں پس اعمال کا بڑھنا ہمارے اعمال سے مختص نہیں ہے۔

شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کو یہ بات سمجھ آ گئی اس کا سینہ اس بات کے لئے کھل جائے گا جو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اعضائے مبارکہ جس مقام سے ملے ہوئے ہیں اسے دو وجہ سے فضیلت حاصل ہے ایک بات وہ جو کہی گئی کہ ہر شخص اس جگہ دفن ہوتا ہے جس سے پیدا ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے

کہ اس پر فرشتے اور برکات نازل ہوتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی (خاص) توجہ کا مرکز ہے اور ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ کسی جگہ کو اس کی ذات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس فضیلت کا سبب وہ ذات ہوتی ہے جو وہاں اترتی ہے۔

شیخ تقی الدین سبکی کا قول ختم ہوا۔

حضرت ابویعلیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:

لا یقبض النبی الا فی احب الامکنۃ الیہ. ہر نبی کی روح اس جگہ قبض کی جاتی ہے جو جگہ اسے سب سے زیادہ پسند ہو۔

اور اس میں شک نہیں کہ جو جگہ نبی اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہے وہ آپ کے رب کو بھی سب سے زیادہ پسند ہے کیونکہ آپ کی محبت آپ کے رب عزوجل کی محبت کے تابع ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہو وہ کیسے افضل نہیں ہوگی؟

اور نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ دَعَاکَ لِمَکَّۃَ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ لِلْمَدِیْنَۃِ بِمِثْلِ مَا دَعَاکَ اِبْرَاھِیْمُ لِمَکَّۃَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ. (صحیح مسلم' موطا امام مالک)

یا اللہ! بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تجھ سے مکہ مکرمہ کے لیے دعا مانگی اور میں تجھ سے مدینہ طیبہ کے لئے اس کی مثل جو ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لئے دعا کی اور اسی کے ساتھ اس کی مثل کی دعا کرتا ہوں۔

اور اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے افضل ہے کیونکہ دعا کی فضیلت دعا کرنے والے کی فضیلت کی قدر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَحُبِّنَا مَکَّۃَ اَوْ اَشَدَّ. یا اللہ! ہمارے لئے مدینہ طیبہ کو محبوب بنا دے جس طرح ہم مکہ مکرمہ سے محبت کرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۵۶' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۹۱' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۷۳۴' الترغیب و الترھیب ج ۲ ص ۲۲۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۶۰' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۷۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۱۵۹_۳۴۸۸۱)

ایک روایت میں (لفظ "او" کی بجائے) "بل اشد" (بلکہ زیادہ) کے الفاظ ہیں۔ اور نبی اکرم ﷺ کی دعا قبول ہوئی حتیٰ کہ آپ مدینہ طیبہ کی محبت میں جب اس شہر کو دیکھتے تو اپنی سواری کو حرکت دیتے۔

امام حاکم نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ اَخْرَجْتَنِیْ مِنْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَیَّ فَاَسْکِنِّیْ فِیْ اَحَبِّ الْبِقَاعِ اِلَیْکَ.
یا اللہ! تو نے مجھے اس جگہ سے ہجرت کا حکم دیا جو مجھے تمام جگہوں سے زیادہ محبوب ہے پس مجھے ایسی جگہ ٹھہرا جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

(المستدرک ج ۳ص ۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۶۹' دلائل النبوۃ ج ۲ص ۲۳۳)

یعنی ایسی جگہ سکونت عطا فرما جسے تو اسی طرح (فضیلت والی) بنادے پس اس میں دو محبتیں جمع ہو جاتی ہیں۔کہا گیا ہے کہ ابن عبدالبر نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا اور اگر اس کی صحت کو تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکہ مکرمہ کے بعد یہ (مدینہ طیبہ) تیرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

ان مكة خير بلاد الله.
مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے سب سے بہتر شہر ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:

احب ارض الله الی الله.
اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی زمین میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

نیز مسجد مکہ (مسجد حرام) میں ثواب کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بھی اس کو فضیلت حاصل ہے۔

علامہ سید سمہودی نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اسے ظاہر سے پھیرنے کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اس سے مقصود دار ہجرت نبوی کے لئے دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اسی طرح کر دے اور حدیث ''ان مکة خير بلاد الله'' مدینہ طیبہ کی فضیلت ثابت ہونے سے پہلے ابتدائی مرحلے پر محمول ہے جب دین کو غلبہ حاصل نہ ہوا اور نہ ہی شہر فتح ہوئے بلکہ ابھی مکہ مکرمہ بھی فتح نہیں ہوا تھا۔

اس وقت مکہ مکرمہ کو جو فضیلت ملی وہ کسی دوسرے شہر کو حاصل نہ ہوئی پس آپ کی دعا کی قبولیت ظاہر ہوئی اور اسے سب سے زیادہ محبوبیت مطلقاً حاصل ہوئی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر مدینہ طیبہ میں ٹھہرنا لازم قرار دیا اور حضور ﷺ نے اس شہر میں سکونت پذیر ہونے اور وہاں فوت ہونے کی ترغیب دی پس یہ کیسے افضل نہ ہوگا؟

علامہ سید سمہودی فرماتے ہیں جہاں تک زیادہ ثواب کا تعلق ہے تو فضیلت کے اسباب اسی بات میں منحصر نہیں عرفات کی طرف جانے کے لئے منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھنا مسجد حرام میں پڑھنے سے افضل ہے اگرچہ ان کے ثواب میں اضافہ نہیں ہے۔

کیونکہ (نبی اکرم ﷺ کی) اتباع میں فضیلت ہے جو ثواب سے زائد ہے اور ہمارا مذہب (شافعی مذہب) یہ ہے کہ جگہ کی فضیلت کے ساتھ نفل نماز کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسجد مکہ مکرمہ میں نماز کا ثواب زیادہ ہے حالانکہ وہ مدینہ طیبہ کی فضیلت کے قائل ہیں اور جو شخص آپ کے اس قول سے کہ مسجد حرام میں نماز کا ثواب زیادہ ہے' مکہ مکرمہ کی فضیلت ثابت کرتا ہے اس کا قول درست نہیں ہے۔

کیونکہ آپ کی غرض یہ تھی کہ مفضول (مسجد حرام) کو ایسی فضیلت حاصل ہے جو زیادہ فضیلت والے شہر (کی مسجد)

کو حاصل نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا مدینہ طیبہ میں مکہ مکرمہ سے زیادہ برکت کی دعا کرنا امور دینیہ کو بھی شامل ہے اور بعض اوقات قلیل عدد میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ اس کا نفع کثیر سے زیادہ ہو جاتا ہے اس لئے اس ضابطے کو مدینہ طیبہ کی فضیلت کے لئے دلیل بنایا جاتا ہے۔

اور اگر ثواب کے بڑھنے سے فقط کعبہ مراد ہو تو جواب یہ ہوگا کہ یہ گفتگو کعبہ شریف کے علاوہ مقامات کے بارے میں ہے پس اس کی فضیلت کے بارے میں وارد احادیث میں سے کسی کا رد نہ ہوگا اور نہ مکہ مکرمہ کے ان مقامات کی فضیلت کا رد ہوگا جن سے احکام حج کا تعلق ہے کیونکہ ان سے حج کا تعلق ہے اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عیاش مخزومی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم مکہ مکرمہ کو مدینہ طیبہ سے بہتر قرار دیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حرم اور امن کی جگہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں کوئی بات نہیں کہتا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا پہلا قول دہرایا تو حضرت عبد اللہ بن عیاش نے اپنا جواب دہرایا تو آپ نے پھر فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے بارے میں کوئی بات نہیں کہتا' حضرت عبداللہ بن عیاش کو اشارہ کیا گیا تو وہ واپس چلے گئے۔

مدینہ طیبہ کو عمرہ کا عوض عطا کیا گیا جیسا کہ صحیح حدیث میں مسجد قباء کی حاضری کے بارے میں ہے (کہ اس کی زیارت کرنے اور وہاں نفل پڑھنے سے عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ مرفوع حدیث میں ہے کہ مسجد قباء میں نماز عمرہ کی طرح ہے)۔

اور حج کی جگہ روضۂ رسول اور مسجد نبوی کی زیارت کو رکھا گیا ہے۔ نبوت کے بعد مدینہ طیبہ میں رسول اکرم ﷺ کی اقامت اگرچہ مکہ مکرمہ کے مقابلے میں کم ہے لیکن یہ دین کے اعزاز اور اظہار کا سبب ہے اکثر فرائض کا نزول اور دین کی تکمیل بھی یہیں ہوئی حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد و رفت یہاں زیادہ ہوئی پھر قیامت کے قائم ہونے تک رسول اکرم ﷺ یہاں تشریف فرما ہیں اسی لئے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا آپ کے نزدیک ان میں سے یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں سے کس جگہ ٹھہرنا زیادہ پسندیدہ ہے تو انہوں نے فرمایا یہاں (مدینہ طیبہ) میں (ٹھہرنا زیادہ پسند ہے) اور میں مدینہ طیبہ کو کیسے اختیار نہ کروں حالانکہ یہاں کوئی ایسا راستہ نہیں جس پر حضور ﷺ نہ چلے ہوں اور رب العالمین کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام ایک ساعت سے بھی کم وقت میں یہاں اترتے ہیں۔

امام طبرانی نے یہ حدیث روایت کی ہے:

المدینة خیر من مکة. مدینہ طیبہ' مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔

اور جندی کی روایت میں "افضل من مکة" کے الفاظ ہیں۔ اس روایت میں محمد بن عبدالرحمٰن الرداد (راوی) ہے جسے ابن حبان نے ثقہ (قابل اعتماد) راویوں میں شمار کیا ہے اور فرمایا کہ اس سے خطاء بھی ہو جاتی تھی' ابو زرعہ (رازی حافظ عبید اللہ بن عبدالکریم) نے فرمایا کہ اس میں ڈھیلا پن تھا۔ ابن عدی نے کہا اس کی روایت غیر محفوظ ہے اور ابو حاتم نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔

"صحیح بخاری و مسلم میں" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

امرت بقریة تاکل القری یقولون مجھے ایسی بستی کا حکم دیا جو تمام بستیوں کو کھا جاتی ہے

یثرب [1] وھی المدینۃ تنفی الناس کما ینفی الکیر خبث الحدید. (بعض منافق لوگ) اسے یثرب کہتے ہیں اور یہ مدینہ ہے یہ (خبیث) لوگوں کو اس طرح باہر پھینکتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو پھینکتی ہے۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کا حکم دیا اگر یہ بات آپ نے مکہ مکرمہ میں فرمائی ہو اور اگر مدینہ طیبہ میں یہ بات فرمائی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اس شہر میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

قاضی عبدالوہاب نے فرمایا کہ آپ کے ارشاد گرامی "تاکل القری" کا معنیٰ یہی ہے کہ اس کی فضیلت کو دوسرے شہروں پر ترجیح ہے اور ان کے مقابلے میں اس کی فضیلت زیادہ ہے۔

ابن منیر نے کہا یہ بھی احتمال ہے کہ اس شہر کی فضیلت کا دوسرے شہروں کی فضیلت پر غلبہ مراد ہو مطلب یہ ہے کہ فضائل اس کے عظیم فضل کے پہلو میں کمزور پڑ گئے حتیٰ کہ معدوم ہو گئے اور یہ بات مکہ مکرمہ کو "ام القری" (تمام بستیوں کی ماں) کہنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ماں کی موجودگی میں وہ لوگ مٹ نہیں جاتے جن کی وہ ماں ہے پس اسے ماں ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ [3]

یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے رہنے والوں کا دوسری بستیوں پر غلبہ مراد ہو اور زیادہ قریب یہ ہے کہ دونوں پر محمول کیا جائے کیونکہ جس غرض کے لئے کلام چلایا گیا اس میں یہ زیادہ پہنچنے والا ہے۔ سید سمہودی کا کلام مکمل ہوا۔

مصنف کی رائے

میں (مصنف) نے مدینہ طیبہ کی مکہ مکرمہ پر فضیلت کو زیادہ طوالت سے بیان کیا اگرچہ ہمارے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکہ مکرمہ کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ ہر نفس کی خواہش اور جھکاؤ اس جگہ کی طرف ہوتا ہے جہاں اس کا محبوب موجود ہو۔

علی لربع العامریۃ وقفۃ ۔۔۔ لیملی علی الشوق والدمع کاتب
ومن مذھبی حب الدیار لاھلھا ۔۔۔ وللناس فیما یعشقون مذاھب

"عامریہ کے گھر (یا محلے) میں ٹھہرنا مجھ پر لازم ہے تاکہ لکھنے والا میرے شوق اور آنسوؤں کو تحریر میں لائے میرا مذہب یہ ہے کہ گھر والوں کی وجہ سے گھروں سے محبت کی جائے اور لوگوں کے لیے ان کے عشق میں مختلف مذاہب (راستے) ہیں"۔

علاوہ ازیں قلم کے لئے مدینہ طیبہ کی فضیلت کی مختلف جہات میں وسیع میدان اور جامع گفتگو ہے لیکن اختصار کی طرف

[1] مدینہ طیبہ کا پرانا نام یثرب ہے نبی اکرم ﷺ نے اسے مدینہ طیبہ قرار دیا لہٰذا اب اسے یثرب کہنا جائز نہیں۔

[2] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت معاذ حضرت ابوعبیدہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ایک جماعت کے ساتھ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئے پھر حضرت علی المرتضیٰ حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم تشریف لے گئے حالانکہ وہ نہایت پاکیزہ مخلوق تھے لہٰذا اس حدیث میں خاص لوگ اور خاص وقت مراد ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۲۸)

[3] مطلب یہ کہ مکہ مکرمہ کے لئے ام القریٰ کا لفظ ہے یعنی یہ شہر تمام بستیوں کی ماں ہے اور ماں کی موجودگی میں اولاد معدوم نہیں ہوتی جب مدینہ طیبہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ بستیوں کو کھا جاتی ہے گویا وہ معدوم ہو گئیں اور اس کے مقابلے میں ان کی فضیلت باقی نہ رہی اس لئے مدینہ طیبہ کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ زیادہ بلیغ ہے۔ ۱۲ ہزاروی

رغبت اس کے بچھونے کے کناروں کو لپیٹ رہی ہے اور یہ زیادہ کلام کا خوف اس کی طوالت اور اضافہ سے پھیرتا ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے جو "صحیح بخاری میں" مروی ہے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی فضیلت میں مساوات کا اجتہاد کیا ہے۔ حدیث یوں ہے:

لیس من بلد الا سیطؤه الدجال الا مكة والمدينة.

کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجال نہ چلے سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۳ مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۷۴۲ تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۸۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۸۵۸)

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت میں دونوں شہر مساوی ہیں کیونکہ دجال ان دونوں کے علاوہ تمام زمین کو روندے گا پس یہ بات فضیلت میں ان کی برابری پر دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں قیاس کے اعتبار سے بھی کئی وجوہ اس بات کی تائید کرتی ہیں۔

کیونکہ مدینہ طیبہ کو اگر نبی اکرم ﷺ کے مدفن ہونے اور وہاں آپ کے ٹھہرنے اور آپ کی مسجد شریف کی خصوصیت حاصل ہے تو مکہ مکرمہ کو آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت کی خصوصیت حاصل ہے یہ شہر آپ کا قبلہ ہے پس آپ کی ذات کریمہ مبارکہ کے سورج کا مطلع مکہ مکرمہ اور مغرب مدینہ طیبہ ہے اور مشہور قول کے مطابق اعلان نبوت کے بعد آپ کا مکہ مکرمہ میں قیام مدینہ طیبہ میں قیام کی مثل ہے کہ ان دونوں میں آپ نے دس دس سال قیام فرمایا انہوں نے اسی طرح فرمایا۔[1]

مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب

امام مسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے:

یاتی علی الناس زمان یدعو الرجل ابن عمه و قریبه هلم الی الرخاء والمدینة خیر لهم لو کانوا یعلمون والذی نفسی بیده لا یخرج احد رغبة عنه الا اخلف الله فیها خیرا منه.

لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ایک شخص اپنے چچازاد بھائی اور قریبی رشتہ دار کو بلائے گا کہ خوشحالی کی طرف آؤ اور مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ جانتے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس شہر سے بے رغبت ہو کر نہیں نکلے گا مگر اللہ تعالیٰ اس سے بہتر آدمی کو اس میں لے آئے گا۔

جب تم اس حدیث میں غور کرو گے تو تمہارے لئے ظاہر ہوگا کہ اس میں مدینہ طیبہ سے نکلنے کی مذمت کی خبر دی گئی ہے بلکہ شیخ محب طبری نے ایک قوم سے نقل کیا کہ یہ بات عام ہے ہمیشہ کے لئے ہے اور مطلقاً ہے اور فرمایا کہ یہ مفہوم ظاہر لفظ سے لیا گیا ہے۔

"صحیح مسلم میں" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یصبر علی لاواء المدینة و شدتها احد

میری امت کا جو شخص مدینہ طیبہ کی بھوک اور سختی پر صبر

---

[1] نبی اکرم ﷺ اعلان نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال اور مدینہ طیبہ میں دس سال تشریف فرما رہے لہٰذا اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں دعوت اسلام کی مدت دس سال تھی کیونکہ پہلے تین سال آپ دعوت الی اللہ کے مامور نہیں تھے۔

من امتی الا کنت لہ شفیعا یوم القیامۃ او شھیدا.	کرے گا میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا (فرمایا) گواہ ہوں گا۔

"صحیح مسلم میں ہی" حضرت سعید (صحیح یہ ہے کہ ابوسعید ہے) جو مہری (نام معلوم نہیں قضاعہ کے ایک قبیلہ مہرہ کی طرف منسوب ہیں) کے آزاد کردہ غلام ہیں' سے مروی ہے کہ وہ حرہ کی راتوں میں (جب یزید نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے مدینہ طیبہ سے چلے جانے کے بارے میں مشورہ کیا' وہاں کی مہنگائی اور اپنے اہل وعیال کی کثرت کی شکایت کی انہیں بتایا کہ وہ مدینہ طیبہ کی مشقت اور اس کی بھوک پر صبر نہیں کر سکتے تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے میں تجھے اس بات کی اجازت نہیں دوں گا' میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا:

لا یصبر احد لاوائھا الا کنت لہ شفیعا او شھیدا یوم القیامۃ.	جو شخص مدینہ طیبہ کی بھوک اور سختی پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا (فرمایا) گواہ ہوں گا۔

"اللاواء" مد کے ساتھ ہے' شدت اور بھوک کو کہتے ہیں۔

اور (الا کنت لہ شفیعا او شھیدا) میں لفظ "او" کے بارے میں ظاہر بات یہی ہے کہ یہ شک کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابن عمر' حضرت ابوسعید' حضرت ابوہریرہ' حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت صفیہ بنت ابوعبید رضی اللہ عنہم نے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا اور ان سب کا یا ان کے راویوں کا شک پر اتفاق یا ایک لفظ پر متفق ہونا عقل سے بعید ہے بلکہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ خود سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لفظ "او" تقسیم کے لئے ہوگا' آپ بعض اہل مدینہ کے لئے شہید (گواہ) اور باقی لوگوں کے لئے شفیع ہوں گے یا تو گناہ گاروں کے لئے شفیع اور اطاعت گزار لوگوں کے لئے شہید ہوں گے یا جو آپ کی حیات طیبہ میں انتقال کر گیا اس کے لئے گواہ اور جو آپ کے بعد فوت ہوا اس کے لئے شفیع ہوں گے' یا اس کے علاوہ کوئی مفہوم ہوگا۔

اور یہ خصوصیت اس شفاعت سے زائد ہے جو قیامت کے دن گناہ گاروں یا سب لوگوں کے لئے ہوگی اور اس شہادت سے بھی زائد ہے جو شہادت تمام امتوں پر ہوگی پس اس خصوصیت کی وجہ سے ان (اہل مدینہ) کو بلند مرتبہ اور زائد مقام اور رفعت حاصل ہوگی۔

اور جب ہم لفظ "او" کو شک کے لئے کہیں گے تو اگر صحیح لفظ "شھیدا" ہے تو اعتراض دور ہو جائے گا کیونکہ یہ اس شفاعت سے زائد ہے جو ان کے غیر کے لئے رکھی گئی ہے اور صحیح لفظ شفیعا ہے تو اہل مدینہ کے ساتھ اس شفاعت کا خاص ہونا جب کہ اس میں تمام امت کے لئے عموم بھی ہے اور سب کے لئے شفاعت رکھی گئی ہے' اس اعتبار سے ہے کہ یہ شفاعت' عمومی شفاعت کے علاوہ ہے اور اہل مدینہ کے لئے یہ شفاعت درجات کے اضافہ یا حساب کی تخفیف کے اعتبار سے ہے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے یا یہ کہ قیامت کے دن ان کو طرح طرح کے اعزازات حاصل ہوں گے کیونکہ وہ منبروں پر یا عرش کے سائے میں ہوں گے یا ان کو جنت میں جلدی لے جایا جائے گا یا اس کے علاوہ خاص اعزازات حاصل ہوں گے۔

اور وہ شخص جو زمین اور آسمانوں والوں کے سردار سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے نیز جس بڑے ثواب اور بھاری عطیات

کا وعدہ کیا گیا اسے حاصل کرنے اور آپ کی شفاعت وشہادت کے وعدہ کو پورا کرنے اور زندگی وموت میں مقصود کو حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے وہ کیسے مشقتیں برداشت نہیں کرے گا اور مدینہ طیبہ کی شدت اور بھوک کم کس قدر ہوگی اور اس کی مشقت اور آزمائش کب تک رہے گی؟ اے مخاطب! اگر تو غور کرے تو تجھے ایسے شہر ملیں گے جن میں شدت اور زندگی کی تنگی اس کی مثل یا اس سے بھی زیادہ سخت پائے گا حالانکہ وہاں کے رہنے والے وہاں مقیم ہیں جب کہ ان میں بعض لوگ وہاں سے منتقل ہونے پر قادر ہوتے ہیں لیکن منتقل نہیں ہوتے' کوچ کر سکتے ہیں لیکن کوچ نہیں کرتے بلکہ وہ وہاں سے کوچ کرنے اور منتقل ہونے پر قادر ہونے کے باوجود اپنے وطن کو ترجیح دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں مدینہ طیبہ میں اگرچہ بعض اوقات گزرانِ زندگی تنگ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض اہل مدینہ کو کشادگی عطا فرمائی ہے حتیٰ کہ ہمارے بعض دوست جو دوسرے علاقوں کے رہنے والے ہیں انہوں نے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کی اور وہاں ان کی حالت بہتر ہوگئی اور ان کا دل وہاں مطمئن ہے جب کہ دوسرے شہروں میں یہ کیفیت نہیں پاتے۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو وہاں یہ خوشحالی عطا کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ مومن کے لئے صبر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

پس جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا ہے اسے وہاں ٹھہرنے پر صبر عطا کرتا ہے اگرچہ انگارے سے بھی زیادہ گرم پر ہو پس وہ اس کے گلے کو پکڑنے والی کڑواہٹ کا گھونٹ پیتا ہے اور اس کی مشقت کو برداشت کر کے دنیا اور اس کی آزمائش سے محفوظ رہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الایمان لیأرز الی المدینة کما تأرز الحیة الی جحرھا.

بے شک ایمان مدینہ طیبہ کی طرف اس طرح سکڑ جائے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سکڑ جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ وہ سکڑ کر اور باہم مل کر اس میں پناہ لیتا ہے حالانکہ مدینہ طیبہ ایمان کے پھیلنے میں اصل ہے پس ہر زمانے میں ہر مومن کے دل میں اس کی طرف جانے کی رغبت ہوتی ہے[1] کیونکہ وہاں ٹھہرنے والی ذات والا صفات (نبی اکرم ﷺ) کی محبت اس کا باعث ہے پس وہاں مقیم ذات کی وجہ سے اعزاز حاصل ہے اگرچہ ان میں سے بعض کے بارے میں کہا گیا جو کہا گیا پس انہوں نے اس حبیب جلیل کے پڑوسی ہونے کا شرف حاصل کیا تو ان کے لئے حضور ﷺ کے پڑوسی ہونے کا حق ثابت ہے اگرچہ ان کی خطائیں بہت بڑی ہوں لہٰذا ان سے پڑوسی ہونے کا نام سلب نہیں ہوگا اور نبی اکرم ﷺ نے اس حق کو عموم کے طریقے پر بیان فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

مازال جبریل یوصینی بالجار.

حضرت جبریل علیہ السلام مجھے مسلسل پڑوسی کے بارے میں خیر خواہی کا کہتے رہے۔

تو آپ نے کسی پڑوسی کی تخصیص نہیں فرمائی اگر کوئی استدلال کرنے والا وہاں رہنے والے بعض اہل سنت پر بدعت اختیار کرنے اور اتباعِ رسول ﷺ کو چھوڑنے کا الزام لگائے تو اگر کسی شخص میں یہ بات ثابت بھی ہو جائے تو اس کا اکرام

---

[1] حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگ آپ سے سیکھنے کے لئے جاتے تھے' صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں ان کی سیرتوں کی اقتداء کی خاطر اور ان کے بعد نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت' مسجد نبوی میں نماز پڑھنے اور آپ کے آثار مبارکہ نیز صحابہ کرام کے آثار سے برکت حاصل کرنے جاتے ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۳۱)

ترک نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے احترام میں کوئی کمی آئے گی کیونکہ وہ پڑوسی ہونے کے حکم سے خارج نہیں ہوتا اگرچہ ظلم کرے اور نہ ہی اس سے اس شہر میں رہنے کا شرف زائل ہوتا ہے جس طریقے پر بھی پھر جائے بلکہ امید ہے کہ اس کا خاتمہ بھلائی کے ساتھ ہو اور اسے اس ظاہری قرب کے ساتھ ساتھ معنوی (باطنی) قرب بھی حاصل ہو جائے۔

فیا ساکنی اکناف طیبة کلکم الی القلب من اجل الحبیب حبیب

"اے مدینہ طیبہ کے اطراف واکناف میں رہنے والو! تم سب حبیب کریم ﷺ کی وجہ سے دل میں محبوب ہو"۔

اور اللہ تعالیٰ ابن جابر کو جزا عطا کرے کیا خوب کہا:

هناؤکم یا اهل طیبة قد حقا فبالقرب من خیر الوری حزتم السبقا
فلا یتحرک ساکن منکم الی سواها وان جار الزمان وان شقا
فکم ملک رام الوصول لمثل ما وصلتم فلم یقدر ولو ملک الخلقا
فبشراکم نلتم عنایة ربکم فها انتم فی بحر نعمته غرقی
ترون رسول الله فی کل ساعة ومن یره فهو السعید به حقا
متی جئتم لا یغلق الباب دونکم وباب ذوی الاحسان لا یقبل الغلقا
فیسمع شکواکم ویکشف ضرکم ولا یمنع الاحسان حرا ولا رقا
بطیبة مثواکم واکرم مرسل یلا حظکم فالدهر یجری لکم وفقا
وکم من نعمة لله فیها علیکم فشکرا ونعم الله بالشکر تستبقی
امنتم من الدجال فیها فحولها ملائکة یحمون من دونها الطرقا
کذاک من الطاعون انتم بمأمن فوجه اللیالی لا یزال لکم طلقا
فلا تنظروا الا لوجه حبیبکم وان جاءت الدنیا ومرت فلا فرقا
حیاة وموتا تحت رحماه انتم وحشرا فستر الجاه فوقکم ملقی
فیا راحلا عنها لدنیا تریدها اتطلب ما یفنی وتترک ما یبقی
اتخرج عن حوز النبی وحرزه الی غیره تسفیه مثلک قد حقا
لئن سرت تبغی من کریم اعانة فاکرم من خیر البریة ما تلقی
هو الرزق مقسوم فلیس بزائد ولو سرت حتی کدت تخرق الأفقا
فکم قاعد قد وسع الله رزقه ومر تحل قد ضاق بین الوری رزقا
فعش فی حمی خیر الانام ومت به اذا کنت فی الدارین تطلب ان ترقا
اذا قمت فیما بین قبر و منبر بطیبة فاعرف ان منزلک الارقی
لقد اسعد الرحمن جار محمد ومن جار فی ترحاله فهو الاشقی

"اے مدینہ طیبہ کے رہنے والو! تمہیں مبارک ہو یقیناً تم حضور خیر الوری علیہ التحیۃ والثناء کے قرب اور

ہمسائیگی کی وجہ سے سبقت پانے والے ہو۔

تم میں سے کوئی شخص مدینہ طیبہ کی سکونت کو چھوڑ کر اس کے سوا کسی اور طرف نہ جائے اگرچہ زمانہ تم پر سختی کرے اور ظلم ڈھائے۔

بہت سے بادشاہوں نے اس سعادت کو پانے کی ٹھانی جو تمہیں میسر ہے بآسانی مگر بنی نہ کہانی اگرچہ ساری مخلوق پر ان کی تھی حکمرانی۔

تمہیں بشارت ہو کہ تم پر تمہارے رب کی ہے عنائیت و مہربانی اور سنو! اور سنو تمہارے آنگن میں اس کی نعمتوں کے سمندر کی ہے روانی بایں فراوانی۔

تم اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی ہر گھڑی زیارت کرتے رہو اور حقیقت میں سعادت منداور خوش بخت تو وہ شخص ہے جس نے آپ ﷺ کو دیکھا۔

تم جب بھی آ ؤ ان کا دروازہ تم پر بند نہیں ہوتا اور سخیوں کا دروازہ بند ہو یہ ان کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔

تمہاری شکایت سنی جاتی ہے تم سے ضرر کو دور کیا جاتا ہے' آپ کے احسانات کو کسی بھی آزاد اور غلام پر روکا نہیں جاتا۔

تمہاری منزل طیبہ میں ہے' رسول مکرم ﷺ تمہارے نگہبان ہیں' زمانہ تمہارے موافق ہو کر چلتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا تم پر کس قدر انعام اور احسان ہے سو اس کا شکر ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے اس کا انعام برقرار رہتا ہے اور نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں رہنے کی وجہ سے تم دجال سے محفوظ ہو کیونکہ مدینہ طیبہ کے اردگرد اور اس کے راستوں پر فرشتوں کا پہرہ لگا ہوا ہے۔

اسی طرح تم طاعون کی وباء سے بھی امن میں ہو تمہارے لیے زمانے کا رخ ہمیشہ خوش گوار ہوتا ہے۔

تم اپنے محبوب کے چہرے کے سوا کسی کی طرف نہ دیکھو اگر (تمہارے سامنے) ساری دنیا بھی آئے اور گزر جائے مگر تمہاری محبت میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیے۔

زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی تم ان کے سایہ میں رہے اور حشر میں بھی وہ اپنے جاہ و مرتبہ اور شان کے مطابق تم پر پردہ ڈالیں گے۔

اے مدینہ طیبہ سے دنیا کا ارادہ کر کے کہیں اور کوچ کر جانے والے شخص! کیا باقی رہنے والی چیز کو چھوڑ کر فانی کو طلب کرتا ہے؟

اے نبی ﷺ کی پناہ اور حفاظت سے نکل کر غیر کی طرف جانے والے شخص! حقیقت یہ ہے کہ نادان تمہارے اپنے ہی ہوتے ہیں (خدا لگتی کہوں) عقل سے پیدل تیرے اپنی ہی ہوتے ہیں۔

اگر تم کسی سخی سے مدد مانگنے چلے ہو تو یاد رکھو بہترین مخلوق (ﷺ) سے بڑا سخی تمہیں کوئی نہیں ملے گا۔

(اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ) تمہارا رزق تو وہی ہے جو تمہاری قسمت میں لکھ دیا وہ تو بڑھنے سے رہا اگرچہ گھومتے گھومتے تم آسمان تک کو پھاڑ کر دیکھ آؤ۔

بہت سارے لوگ ایک جگہ (صبر وقناعت کے ساتھ مستقل مزاج ہو کر) بیٹھے (کام کرتے) رہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ کریم ان کو وسیع رزق عطا کرتا ہے اور بہت سے لوگ دنیا بھر کی خاک چھانتے پھرتے ہیں پھر بھی تنگدست کے تنگدست ہی رہتے ہیں۔

اگر تم دنیا اور آخرت میں بلند مقام کے خواستگار ہو تو اپنا جینا اور مرنا حضور ﷺ کی سیرت کے مطابق کر لو (ورنہ ٹھوکریں کھاتے پھرو گے)۔

مدینہ طیبہ میں جب تم حضور ﷺ کی قبر انور اور منبر شریف کے درمیان کھڑے ہو تو جان لو کہ تمہاری منزل سب سے اونچی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمد مصطفیٰ ﷺ کے قرب و جوار میں رہنے والا شخص سعید ہے او جو وہاں سے اپنے کوچ کرنے میں ظلم اور بے وفائی کرنے والا ہے وہ شقی اور بدنصیب ہے (یا جو شخص حج میں آپ کے روضۂ مبارکہ کی زیارت کے لیے شدرحال نہ کر کے آپ کے ساتھ جور و جفا کرتا ہے وہ بڑا بدبخت اور شقی ہے)''۔

امام ترمذی' ابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من استطاع منکم ان یموت بالمدینة فلیمت بها فانی اشفع لمن یموت بها.

تم میں سے جس شخص کو مدینہ طیبہ میں فوت ہونے کی طاقت ہو تو وہاں فوت ہو کیونکہ میں ان لوگوں کی شفاعت کروں گا جو وہاں فوت ہوں گے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے ''الکبیر میں'' سبیعہ اسلمیہ کی حدیث سے روایت کیا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل المدینة الدجال و لا الطاعون.

مدینہ طیبہ میں دجال اور طاعون داخل نہیں ہو سکتا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل المدینة رعب المسیح الدجال لها یومئذ سبعة ابواب علی کل باب ملکان.

مدینہ طیبہ میں مسیح دجال کا خوف داخل نہیں ہوگا' اس دن مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے' ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۷۹)

''فتح الباری میں فرمایا کہ'' مدینہ طیبہ میں طاعون کے داخل نہ ہونے والی بات مشکل ہے کیونکہ یہ تو شہادت ہے اور اسے کیسے دجال کے ساتھ ملا کر دونوں کے عدم دخول کے ساتھ مدینہ طیبہ کی تعریف کی گئی ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ذاتی طور پر طاعون' شہادت سے موصوف نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ شہادت کا درجہ اس پر مرتب ہوتا ہے اور اس سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ اس کا سبب ہے جب وہ بات ذہن میں حاضر ہو جو آٹھویں مقصد میں گزری ہے کہ یہ شیطان کی طرف سے پہنچنے والی ٹھیس ہے تو مدینہ طیبہ میں اس کے داخل نہ ہونے سے اس مقدس شہر کی مدح اچھی قرار پائے گی کیونکہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کافر جن اور شیطان مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے روک دیئے گئے ہیں اور جس کے اس میں داخل ہونے پر اتفاق ہے وہ ان میں کسی کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا۔

امام قرطبی نے ''المفہم'' میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ طاعون جس طرح دوسرے شہروں میں داخل ہوتا ہے اس طرح اس میں داخل نہیں ہوگا جیسے عمواس میں طاعون اور جارف میں داخل ہوا۔[1]

امام قرطبی کے اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ کسی نہ کسی صورت میں طاعون وہاں داخل ہوگا حالانکہ یہ بات نہیں ہے ابن قتیبہ نے ''المعارف'' میں یقینی طور پر کہا اور ایک جماعت نے جن میں شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ بھی ہیں انہوں نے ''الاذکار'' میں ان کی اتباع کی کہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں کبھی بھی طاعون داخل نہیں ہوگا لیکن ایک جماعت نے نقل کیا کہ ۷۴۹ھ میں مکہ مکرمہ میں طاعون کی بیماری آئی بخلاف مدینہ طیبہ کے کہ کسی نے بھی یہ بات ذکر نہیں کی کہ وہاں کبھی طاعون آیا ہو۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یوں دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو طاعون کی جگہ بخار دے دیا (یعنی شہادت کا ثواب بخار کے باعث ملے گا) کیونکہ طاعون کبھی کبھی آتا ہے اور بخار کا تکرار ہر وقت ہوتا ہے پس اجر میں برابر ہوگئے۔ اور (مدینہ طیبہ میں) طاعون کے داخل نہ ہونے کا مقصد (شہادت) حاصل ہوگیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے لئے امام احمد کی روایت کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک جواب ظاہر ہوا وہ روایت جو ابوعسیب سے مروی ہے (عسیب بروزن عظیم ہے) وہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا): جبریل علیہ السلام میرے پاس طاعون اور بخار کو لے کر آئے تو میں نے بخار کو مدینہ طیبہ میں روک دیا اور طاعون کو شام کی طرف بھیج دیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے صحابہ کرام کی تعداد بھی کم تھی اور مدد بھی زیادہ نہ تھی اور مدینہ طیبہ (پہلے) وباء والا شہر تھا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے پھر نبی اکرم ﷺ کو دو باتوں میں اختیار دیا کہ ان میں سے ہر ایک پر بہت بڑا ثواب حاصل ہوگا پس آپ نے اس وقت بخار کو اختیار کیا کیونکہ عام طور پر اس سے موت کم واقع ہوتی ہے بخلاف طاعون کے (کہ اس سے موت زیادہ واقع ہوتی ہے) پھر جب جہاد کی ضرورت پڑی اور آپ کو جہاد کی اجازت دی گئی اور بخار کے برقرار رہنے سے ان لوگوں کے جسم کمزور ہونے کا خدشہ تھا جن سے جہاد کے لئے قوت حاصل ہوسکتی تھی تو آپ نے بخار کو مدینہ طیبہ سے جحفہ کی طرف منتقل کرنے کی دعا کی تو مدینہ طیبہ اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں میں سے صحیح ترین شہر ہوگیا جب کہ پہلے اس کے برعکس تھا پھر اس وقت جب طاعون سے شہادت کا سلسلہ ختم ہوا تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہونے کے ذریعے شہادت کا مرتبہ حاصل ہوتا اور جس کے لئے یہ صورت نہ ہوتی تو اسے بخار ہو جاتا جو مؤمن کا آگ سے حصہ ہے۔

پھر یہ سلسلہ مدینہ طیبہ میں جاری رہا تاکہ یہ شہر دوسرے شہروں سے ممتاز ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی دعا کی قبولیت متحقق ہوئی اور اس طویل مدت میں آپ کی خبر کی تصدیق کی بنیاد پر یہ معجزہ ظاہر ہوا پس مدینہ طیبہ میں طاعون کا داخل نہ ہونا اس شہر کی خصوصیات اور دعائے رسول ﷺ کی صحت کے لوازمات میں سے ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ معجزات محمدیہ میں سے ہے کیونکہ طبیب حضرات تمام کے تمام طاعون کو کسی شہر بلکہ کسی

---

[1] عمواس ایک بستی ہے جو رملہ اور بیت المقدس کے درمیان واقع ہے وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۱۸ھ میں طاعون ظاہر ہوا اور جارف موت کا واقع ہونا چونکہ اس سے زیادہ اموات واقع ہوئیں اس لئے اسے جارف کہا گیا اور یہ ۶۹ھ کا واقع ہے۔

بستی سے دور کرنے سے عاجز آ گئے اور ان طویل زمانوں میں طاعون مدینہ طیبہ سے دور رہا۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی عبارت تلخیص کے ساتھ مکمل ہوئی۔

مدینہ طیبہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی غبار مبارک کوڑھ اور سفید داغ کی بیماریوں بلکہ ہر بیماری سے شفاء ہے جس طرح رزین عبدری نے اپنی جامع میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ اس کی عجوہ کھجور زہر سے شفاء ہے' امام بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ ''لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ'' (النحل:۴۱) (ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے) سے مدینہ طیبہ مراد ہے۔

ابن نجار نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تعلیقاً روایت کیا: وہ فرماتی ہیں:

کل البلاد افتتحت بالسیف وافتتحت المدینۃ بالقرآن. ہر شہر تلوار کے زور پر فتح ہوا اور مدینہ طیبہ قرآن کے ذریعے فتح ہوا۔

طبرانی نے ''الاوسط میں'' ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں (یعنی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

المدینۃ قبۃ الاسلام و دار الایمان و ارض الھجرۃ ومثوی الحلال والحرام. مدینہ طیبہ' اسلام کا خیمہ' ایمان کا گھر' سرزمینِ ہجرت اور حلال وحرام کا مرکز ہے۔

خلاصہ یہ کہ تمام مدینہ' اس کی خاک' راستے' گلیاں' مکانات اور مضافات کو نبی اکرم ﷺ کی برکت حاصل ہے اور وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے ان کے گھروں میں داخل ہونے سے برکت حاصل کرتے تھے اور آپ کو اپنے گھروں میں تشریف لا کر ان میں نماز پڑھنے کی دعوت دیتے تھے اسی لئے حضرت مالک رحمہ اللہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے' انہوں نے فرمایا:

لا اطأ بحافر دابۃ فی عراص کان ﷺ یمشی فیھا بقدمیہ ﷺ. میں جانور کے کھروں سے اس ارض پاک کو نہیں روندوں گا جس میں نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک لگے ہیں۔

مسجد قباء اور دیگر زیارت گاہوں کی زیارت

اور اسے (زیارت کرنے والے کو) چاہیے کہ مسجد قباء میں نماز اور زیارت کے لئے حاضر ہو' نبی اکرم ﷺ سواری پر اور پیدل (بھی) اس کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

''صحیح مسلم کی'' ایک روایت میں ''یزور'' کی بجائے یاتی (تشریف لاتے) کا لفظ ہے پس آپ وہاں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

''صحیح مسلم میں ہی'' منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر ہفتے کے دن حاضر ہوتے اور فرماتے تھے۔ کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ہر ہفتہ کے دن یہاں تشریف لاتے تھے۔

امام ترمذی' امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے حضرت اسید بن ظہیر انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (یعنی نبی

اکرم ﷺ نے فرمایا):

صلاۃ فی مسجد قباء کعمرۃ. مسجد قباء میں نماز پڑھنا عمرہ کی طرح ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اور منذری فرماتے ہیں: ہم حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے لئے اس حدیث کے علاوہ کوئی صحیح حدیث نہیں جانتے۔

امام احمد اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا:

من تطھر فی بیتہ ثم اتی مسجد قباء فصلی فیہ صلاۃ کان لہ کاجر عمرۃ. جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے پھر مسجد قباء میں آ کر نماز پڑھے اس کے لئے عمرہ جیسا ثواب ہے۔

امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے بعد مدینہ طیبہ میں موجود دیگر زیارتوں اور آثار مبارکہ نیز ان مساجد کا قصد کرے جن میں نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی یہ عمل نبی اکرم ﷺ کی برکت حاصل کرنے کے لئے کرے اور جنت البقیع کی طرف نکلے تاکہ وہاں مدفون حضرات کی زیارت کرے کیونکہ اکثر صحابہ کرام جو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور اس کے بعد مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے وہ جنت البقیع میں مدفون ہیں اسی طرح اہل بیت اور تابعین میں سے بڑی بڑی شخصیات بھی وہاں مدفون ہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام میں سے مدینہ طیبہ میں انتقال کرنے والے دس ہزار ہیں اور اسی طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر تمام امہات المؤمنین جنت البقیع میں مدفون ہیں، ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مقام سرف میں مدفون ہیں۔[1]

نبی اکرم ﷺ رات کے آخر میں بقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور فرماتے:

السلام علیکم دار قوم مومنین.[2] اے مؤمن قوم کے گھر (والو) تم پر سلامتی ہو۔

علامہ ابن الحاج نے "المدخل میں" فرمایا کہ ہمارے علماء کرام نے نفلی طواف اور نفلی نماز کے حوالے سے آفاقی (مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والے) اور مقیم میں فرق کیا ہے وہ فرماتے ہیں آفاقی کے حق میں طواف افضل ہے اور مقیم کے حق

---

[1] مقام سرف جسے آج کل نواریہ کہا جاتا ہے، مکہ مکرمہ سے کچھ فاصلہ پر شارع مدینہ پر واقع ہے ۱۹۹۴ھ میں راقم کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے مزار شریف پر حاضری کا شرف حاصل ہوا اور مغرب کی نماز حضرت علامہ صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی مدظلہ کی امامت میں قبر انور کے قریب ادا کی وللہ الحمد۔۱۲ ہزاروی

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس دن نبی اکرم ﷺ کی ان کے ہاں باری ہوتی تو آپ رات کے وقت بقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور یہ کلمات فرماتے:

السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ما توعدون غدا مؤجلون وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد. (زرقانی ج ۸ ص ۳۳۸)

اے مؤمنین کے قبرستان والو! تم پر سلام ہو کل تمہارے پاس وہ آئے گا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تمہیں وقت دیا گیا اور ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں یا اللہ! بقیع غرقد والوں کو بخش دے۔

میں نفل پڑھنا افضل ہے اور ہم بھی افضل راہ کے در پے ہیں پس جو شخص مقیم ہو وہ اہل بقیع کی زیارت کے لئے جائے اور جو مسافر ہو وہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے فائدہ حاصل کرے۔

عارف ابن ابی جمرہ سے منقول ہے کہ جب وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو سوائے نماز (میں بیٹھنے) کے نہ بیٹھے اور مسلسل بارگاہ میں کھڑے رہے ان کے دل میں بقیع کی طرف جانے کا خیال پیدا ہوا تو اپنے آپ سے کہنے لگے میں کدھر جا رہا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ' مانگنے والوں' طلب کرنے والوں اور ٹوٹے دلوں والے لوگوں کے لئے کھلا ہے۔

حضرت ابن نجار (محمد بن محمود البغدادی رحمہ اللہ) سے مرفوعاً مروی ہے' فرماتے ہیں: دو قبرستان آسمان والوں کے لئے روشنی کا باعث ہیں جس طرح دنیا والوں کو سورج اور چاند روشن کرتے ہیں ایک بقیع الغرقد اور دوسرا قبرستان عسقلان (فلسطین کے ایک شہر) میں ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم نے اس (مدینہ طیبہ کے قبرستان) کا ذکر تورات میں یوں پایا:

کقبة محفوفة بالنخیل موکل بها ملائکة کلما امتلأت اخذوها مکفؤوها فی الجنة.

یہ ایک بلند جگہ ہے جس کے اردگرد کھجوروں کے درخت ہیں اور یہاں فرشتے مقرر ہیں' جب یہ بھر جاتا ہے تو فرشتے اسے لے کر جنت میں ڈال دیتے ہیں۔

ابو حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے میری قبر مبارک سے زمین شق ہوگی پھر حضرت ابوبکر صدیق اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما (کی قبروں) سے پھر میں جنت البقیع میں آؤں گا تو وہ میرے ساتھ جمع ہوں گے پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا حتیٰ کہ وہ حرمین کے درمیان جمع ہوں گے۔ (امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے)۔

فصل نمبر ۳

امور آخرت میں فضیلت

اس فصل کے مضمون کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو آخرت میں (مختلف باتوں میں) اولیت کی فضیلت کا حصول' مزید عزت و تکریم کے جامع امور' بلند درجات پر فائز ہونا' شفاعت اور مقام محمود کے ساتھ آپ کی تعریف' اولین و آخرین سے آپ کی حالت کا قابلِ رشک ہونا' تمام انبیاء و مرسلین میں آپ کا تنہا قائد ہونا اور جنات عدن میں سعادت کے مدارج پر ترقی اور یوم مزید (جمعہ کے دن) جنت میں اعلیٰ مقام پر فائز اور اللہ تعالیٰ کی زیارت سے متمتع ہونا۔

جان لو! جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو ابتداء میں فضیلت عطا فرمائی ہے یعنی تخلیق میں تمام انبیاء کرام سے پہلے رکھا اور جب سب انسانوں کو چیونٹیوں کی طرح آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر پوچھا گیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ (الاعراف: ۱۷۲) تو سب سے پہلے آپ نے جواب دیا (بلیٰ ہاں کیوں نہیں!) تو لوٹنے کی صورت میں بھی

کمال فضائل کا اختتام آپ پر کیا چنانچہ سب سے پہلے آپ کی قبر انور شق ہوگی اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور جن کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی وہ آپ ہی کی ذات کریمہ ہے اور سب سے پہلے سجدے کی اجازت بھی آپ کو ہی عطا ہوگی سب سے پہلے رب العالمین کی زیارت کرنے والے بھی آپ ہی ہوں گے۔

اور اس وقت تمام مخلوق اس کو دیکھنے سے پردے میں ہوگی' آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی امت کے درمیان سب سے پہلے فیصلہ ہوگا اور سب سے پہلے آپ کی امت کو پُل صراط پر جانے کی اجازت ہوگی' آپ ہی جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے اور آپ کی امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی اور آپ کو مزید عمدہ تحفے اور نفیس عمدہ مال مزید عطا فرمائے گا جن کی کوئی حد نہیں اور وہ شمار سے باہر ہیں۔

اسی فضیلت میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو سواری کی حالت میں اٹھایا جائے گا' مقام محمود آپ کے لئے خاص ہے نیز لواء الحمد (تعریف کا جھنڈا) جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء کرام ہوں گے آپ کے ہاتھ میں ہوگا آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ عرش کے سامنے بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوں گے اور آپ کے سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے حمد وثنا کے وہ دروازے کھولے جائیں گے جو آپ سے پہلے اور بعد کسی کے لئے نہیں کھولے گئے یہ آپ کا اعزاز واحترام ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ آپ سے یوں کلام فرمائے گا:

یا محمد ! ارفع راسک وقل تسمع وسل تعط و اشفع تشفع.

اے محمد! ﷺ اپنا سر اٹھایئے اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی' مانگیں آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے کے علاوہ اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں۔

آپ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ آپ بار بار شفاعت فرمائیں گے دوسرا اور تیسرا سجدہ نیز بار بار اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء جو اللہ تعالیٰ آپ پر کھول دے گا' بھی آپ کی خصوصیت ہے۔

اسی طرح ہر سجدے میں اللہ تعالیٰ کا آپ سے یوں کلام کرنا کہ اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور کہیں سنا جائے گا اور شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی آپ کا یہ فعل ایسی ذات کا فعل ہے جسے اپنے رب کے سامنے لایا گیا وہ اس کے ہاں مکرم اور بلند مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے اور یہ سب کچھ آپ کے اعزاز واکرام اور تعظیم کی وجہ سے ہے۔

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ عرش کی دائیں جانب کھڑے ہوں گے اور آپ کے علاوہ کوئی بھی اس مقام پر کھڑا نہیں ہوگا وہاں پہلے اور پچھلے آپ پر رشک کریں گے انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے درمیان آپ کی گواہی ہوگی' وہ آپ کے پاس آ کر آپ سے شفاعت کا سوال کریں گے تاکہ ان کو ان کے غم' پسینے اور زیادہ دیر کھڑے ہونے (انتظارِ حساب) سے راحت ملے اور آپ ان لوگوں کی شفاعت بھی فرمائیں گے جن کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہو چکا ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت حوض کوثر ہے کہ میدان قیامت میں اس سے زیادہ برتن کہیں

نہیں ہوں گے نیز تمام مؤمن صرف آپ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گئے۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کچھ لوگوں کے درجات کی بلندی کے لئے سفارش کریں گے جن تک وہ اپنے اعمال کے ذریعے نہیں پہنچ سکتے' رسول اکرم ﷺ صاحب وسیلہ ہیں اور وسیلہ جنت میں اعلیٰ درجہ ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین اور فرشتوں کے سامنے آپ کی عزت واحترام اور تعظیم و تکریم کو ظاہر فرمائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کھلے گی

نبی اکرم ﷺ کی یہ فضیلت کہ سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھلے گی تو اس سلسلے میں امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامة وانا اول من ینشق عنه القبر واول شافع واول مشفع.

میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا اور میں وہ ہوں کہ سب سے پہلے جس کی قبر کھولی جائے گی اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی (میں ہوں)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامة ولا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر وما من بنی ادم فمن سواہ الا تحت لوائی وانا اول من تنشق عنه الارض ولا فخر. (جامع ترمذی)

میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر فخر نہیں اور آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں ہی وہ ہوں جس سے زمین (قبر) سب سے پہلے کھولی جائے گی اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

(مطلب یہ کہ میں بطور شکر یہ بات کرتا ہوں' تکبر یا فخر کے طور پر نہیں کہتا)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سب سے پہلے مجھ سے زمین کھلے گی پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے (زمین کھلے گی) پھر میں بقیع والوں کے پاس آؤں گا تو وہ میرے ساتھ اکٹھے ہوں گے پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا حتیٰ کہ ہم حرمین کے درمیان جمع ہوں گے۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اس کو ابوحاتم نے روایت کیا اور (احشر بین الحرمین کی بجائے) نحشر (جمع کا صیغہ) ذکر کیا اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگ بے ہوش ہوں گے جب وہ بے ہوش ہوں گے تو سب سے پہلے میں کھڑا ہوں گا تو (دیکھوں گا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوں گے تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ بھی بے ہوش ہونے والوں میں سے ہیں (یا نہیں)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا کنارہ پکڑے ہوں گے پس مجھے معلوم نہیں کہ آیا وہ بے ہوش ہونے والوں میں سے ہوں گے اور مجھ سے پہلے ان کو افاقہ ہوا یا وہ ان میں سے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ کیا؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۱۷)

اس بے ہوشی (الصعق) سے وہ غشی مراد ہے جو اس شخص کو لاحق ہوتی ہے جو کوئی آواز سنتا ہے یا کسی چیز کو دیکھتا ہے تو گھبرا جاتا ہے۔

اس روایت کے دونوں طریقوں میں افاقہ کا مقام بیان کیا کہ کس بے ہوشی سے واقع ہوگا اور حضرت شعبی کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت جو سورۂ زمر کی تفسیر میں ہے اس میں یوں ہے:

انی اول من یرفع لرأسہ بعد النفخۃ الاخیرۃ. (آیت:۶۸' صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۱۳) میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے پر سر اٹھائے گا۔

اور آپ کے اس ارشاد گرامی سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا یہ آیت مراد ہے:

فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ. (النمل:۸۷) تو گھبرا جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔

تمام مخلوق کے بے ہوش ہونے پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ مردوں کو احساس نہیں ہوتا۔

تو (جواب میں) کہا گیا مراد یہ ہے کہ وہ لوگ بے ہوش ہوں گے جو زندہ ہوں گے اور مرنے والوں کی استثناء ہے جو ''الا من شاء اللہ'' میں بیان کی گئی۔ یعنی جو لوگ اس سے پہلے فوت ہو گئے وہ بے ہوش نہیں ہوں گے۔

امام قرطبی اسی طرف مائل ہوئے ہیں اور حدیث شریف میں جو آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا تو وہ اس کے خلاف نہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے مراد قبروں سے اٹھنے کے بعد اس گھبراہٹ کی بے ہوشی ہو جب آسمان اور زمین پھٹ جائیں گے۔

امام قرطبی نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا کہ آپ قبر انور سے نکلنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کریں گے تو وہ عرش کو پکڑے ہوں گے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب قبروں سے نکلنے کے لئے صور پھونکا جائے گا۔

ابن مردویہ نے حضرت ابوسلمہ کی جو روایت نقل کی ہے اس میں اس طرح ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے زمین (قبر مبارک) شق ہوگی پس میں کھڑا ہو کر اپنے سر سے مٹی جھاڑوں گا اور عرش کے پائے کے پاس آؤں گا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھڑا پاؤں گا پس مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنے سر سے مٹی پہلے جھاڑی یا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا۔

مستثنیٰ کون لوگ ہیں؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ مستثنیٰ کون لوگ ہوں گے؟ تو اس ضمن میں دس اقوال ہیں۔

کہا گیا ہے کہ اس سے فرشتے مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حدیث کی تاویل کرتے ہوئے یہ بات کہی جب اس بات کو جائز قرار دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا وہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ شہداء کی طرح زندہ ہیں پس جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو وہ بے ہوش ہو جائیں گے پھر یہ تمام معانی کے اعتبار سے موت نہیں ہوگی بلکہ محض شعور کا چلا جانا ہوگا۔

ایک قول کے مطابق اس سے شہداء مراد ہیں' حلیمی نے اسی بات کو اختیار کیا اور فرمایا یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ O بلکہ وہ زندہ ہیں' اپنے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ (آل عمران:۱۶۹)

انہوں نے دوسرے اقوال کو ضعیف قرار دیا۔

''المفہم'' کے مصنف حضرت ابوالعباس قرطبی فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ ان لوگوں کی تعیین میں کوئی صحیح خبر نہیں ہے اور تمام اقوال کا احتمال ہے۔

لیکن ان کے شاگرد (ابوعبداللہ بن محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرج متوفی ۶۹۱ ھ) نے ''التذکرہ میں'' اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ اس سے شہداء مراد ہیں اور یہی صحیح ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ بے ہوش کرنا نہیں چاہے گا [1] تو انہوں نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے والے لوگ ہیں۔ اس روایت کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس سے عرش کو اٹھانے والے فرشتے (اور) حضرت جبریل' حضرت میکائیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں پھر وہ فوت ہو جائیں گے اور ان میں سے سب سے آخر میں فوت ہونے والے حضرت ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان سے حورعین اور جنت میں جانے والے بچے مراد ہیں۔

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ عرش کو اٹھانے والے آسمانوں اور زمین میں رہنے والے نہیں ہیں کیونکہ عرش' تمام آسمانوں سے اوپر ہے نیز حضرت جبریل' میکائیل اور ملک الموت صف بستہ (نماز' اطاعت اور منازل خدمت میں مشغول) تسبیح کرنے والوں میں سے ہیں اور حورعین اور بچے جنت میں ہوں گے اور یہ آسمانوں سے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور یہ تنہا ایسا عالم ہے جو باقی رہنے کے لئے پیدا کیا گیا تو اس میں شک نہیں کہ یہ ان سے الگ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے فنا کے لئے پیدا کیا۔

---

[1] آیت کریمہ یہ ہے''فصعق من في السماوات ومن في الارض الا من شاء الله''۔

پھر احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کو اٹھانے والے فرشتوں' ملک الموت اور میکائیل علیہم السلام کو موت دے گا پھر ان کو زندہ کرے گا اور جنت والوں کے بارے میں کوئی خبر نہیں آئی اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے پس جو شخص اس میں داخل ہوگا اسے کبھی موت نہیں آئے گی حالانکہ وہ موت کے قابل ہے تو جسے اس (جنت) میں پیدا کیا گیا وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے کبھی موت نہ آئے۔

سوال: ارشاد خداوندی: کل شی ھالک. (القصص:۸۸) ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خود جنت بھی فنا ہو جائے گی پھر قیامت کے دن اسے لوٹایا جائے گا اور حورعین بھی مر جائیں گی پھر ان کو زندہ کیا جائے گا؟

جواب: اس بات کا احتمال ہے کہ "کل شی ھالک" کا معنیٰ یہ کہ وہ (ہر شے) ہلاکت کے قابل ہے پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے ہلاک کرے گا مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ قدیم ہے اور قدیم کے لئے فنا ہونا ممکن نہیں۔ "تذکرۃ القرطبی سے" خلاصہ مکمل ہوا۔

حورعین کے فوت نہ ہونے کی تائید ان کے اس قول سے ہوتی ہے کہ:

نحن الخالدات فلا نموت. ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں پس ہم نہیں مریں گی۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

یہ نہ کہا جائے کہ ان کے اس قول سے قیامت کے بعد ہمیشہ رہنا مراد ہے کیونکہ اس میں کوئی خصوصیت نہیں اور مشترکہ اوصاف میں ایک دوسرے پر فخر نہیں کیا جاسکتا۔

ابوشیخ بن حبان کی کتاب "العظمۃ" میں حضرت وہب بن منبہ کے طریق سے ان کا اپنا قول مروی ہے' وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے صور کو سفید موتیوں سے شیشے کی طرح صاف پیدا فرمایا پھر عرش سے فرمایا صور کو لے لو' تو وہ اس کے ساتھ لٹک گیا پھر فرمایا "ہو جا" تو حضرت اسرافیل علیہ السلام پیدا ہو گئے انہیں حکم دیا کہ وہ صور کو لے لیں اور اس میں ہر پیدا شدہ روح اور سانس لینے والے نفس کی تعداد کے مطابق سوراخ تھے پھر آگے حدیث ذکر کی جس میں یوں ہے کہ پھر تمام روحوں کو صور میں جمع کیا اس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا تو انہوں نے اس میں پھونک ماری تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہوگئی تو اس صورت میں پہلے پھونک واقع ہوئی تاکہ یہ پھونک روحوں کو جسموں سے ملا دے تو پھونکنے کی صور کی طرف نسبت جو سینگ ہے' حقیقی اضافت ہے اور صورتوں کی طرف جو جسم ہیں' مجازی نسبت ہے (یعنی جسموں میں روح پھونکنا مجازی ہے)۔

"صحیح مسلم میں" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

ثم ینفخ فی الصور فلا یسمعہ احد الا اصغی لیتا ورفع لیتا ثم یرسل اللہ مطرا کانہ الطل منہ اجساد الناس ثم ینفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون.

پھر صور پھونکا جائے گا تو اسے جو بھی سنے گا گردن کی ایک جانب جھکا دے گا ایک اٹھا لے گا پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا گویا وہ اوس ہے اس سے لوگوں کے جسم پیدا ہوں گے پھر ان میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے ہو کر دیکھیں گے۔

''اللیت'' لام کے نیچے زیر ہے اس کے بعد یاء اور اس کے بعد تاء ہے' گردن کی ایک جانب کو کہتے ہیں اور یہ دو جانبیں ہیں۔
''اصغی'' مائل کر دیا (جھکا دیا)۔
امام بیہقی نے قوی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً (یعنی ان کا قول) روایت کیا فرماتے ہیں:
پھر صور پھونکنے والا فرشتہ آسمان و زمین کے درمیان کھڑا ہوگا اور اس میں پھونکے گا اور صور ''سینگ'' ہے تو آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق مر جائے گی مگر جسے تمہارا رب چاہے پھر دونوں مرتبہ پھونکنے کے درمیان اتنا وقت ہوگا جتنا اللہ تعالیٰ چاہے گا۔
ابن مبارک نے ''کتاب الرقاق میں'' حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ دونوں بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا پہلی بار پھونکنے سے ہر زندہ مر جائے گا اور دوسری بار پھونکنے سے اللہ تعالیٰ ہر مردہ کو زندہ فرمائے گا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل حدیث روایت کی اور یہ ضعیف ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا قائدهم اذا وفدوا وانا خطيبهم اذا انصتوا وانا مستشفعهم اذا حبسوا وانا مبشرهم اذا ايسوا الكرامة والمفاتيح يومئذ بيدى ولواء الحمد يومئذ بيدى وانا اكرم ولد آدم على ربى يطوف على الف خادم كانهم بيض مكنون او لؤلؤ منثور.

میں لوگوں میں سے سب سے پہلے باہر آنے والا ہوں گا جب ان کو اٹھایا جائے گا' میں ان کا قائد ہوں گا جب وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے' میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے' میں ان کی سفارش کرنے والا ہوں گا جب ان کو روکا جائے گا اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہوں گے' اس دن کرامت اور چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے ہاں تمام اولاد آدم سے زیادہ معزز ہوں گا' مجھ پر ایک ہزار خادم چکر لگائیں گے گویا وہ سفید چھپے ہوئے یا بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

امام ترمذی نے اسے حدیث غریب قرار دیا۔
آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں ان کا امام ہوں گا کیونکہ آخرت کا گھر (عمل کی) تکلیف کا گھر نہیں ہے۔
ایک حدیث جسے ''حادی الارواح'' کے مصنف (ابن قیم) نے نقل کیا اس میں اس طرح آیا ہے کہ قیامت کے دن رسول اکرم ﷺ کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے اذان دیں گے۔
(حافظ محب الدین المکی) طبری کی کتاب ''ذخائر العقبیٰ'' میں جسے انہوں نے حافظ سلفی (علامہ الناقد الذین احمد بن محمد بن ابراہیم اصفہانی) کی تخریج کی طرف منسوب کیا ہے' حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انبیاء کرام جانوروں پر سوار اٹھائے جائیں گے اور حضرت صالح علیہ السلام اپنی اونٹنی پر اٹھائے جائیں

گے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے صاحبزادے (حسنین کریمین) میری اونٹنیوں العضباء اور القصواء پر اٹھائے جائیں گے اور مجھے براق پر اٹھایا جائے گا' اس کا قدم نگاہ کے آخری کنارے کے پاس ہوگا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جنتی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر اٹھایا جائے گا۔

امام طبرانی اور حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ انبیاء کرام کو جانوروں پر اٹھایا جائے گا اور مجھے براق پر اٹھایا جائے گا' حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو جنتی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر اٹھایا جائے گا تو وہ خالص اذان دیں گے (کوئی مخالفت کرنے والا نہ ہوگا) اور سچی شہادت دیں گے حتیٰ کہ جب وہ "اشھد ان محمدا رسول اللہ" کہیں گے تو پہلے اور پچھلے تمام مومن شہادت دیں گے۔

ابن زنجویہ نے "فضائل الاعمال میں" حضرت کثیر بن مرہ حضرمی سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اٹھایا جائے گا تو وہ اپنی قبر کے پاس اس پر سوار ہوں گے حتیٰ کہ وہ آپ کو میدان محشر میں لائے گی اور میں براق پر سوار ہوں گا اور اس دن یہ میری خصوصیت ہوگی کسی دوسرے نبی کے لئے ایسا نہیں ہوگا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار ہوں گے اور اس کی پیٹھ پر ہی اذان دیں گے جب انبیاء کرام اور ان کی امتیں "اشھد ان محمدا رسول اللہ" کے الفاظ سنیں گی تو کہیں گے ہم بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔

شیخ زین الدین مراغی نے ابن نجار کی طرف نسبت کرتے ہوئے ذکر کیا انہوں نے "تاریخ مدینہ (الدرر الثمینہ) میں" حضرت کعب احبار سے نقل کیا اور قرطبی نے "التذکرہ میں" ذکر کیا نیز ابن ابی الدنیا نے بھی حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اکرم ﷺ کا تذکرہ ہوا' حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر صبح جو طلوع ہوتی ہے ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں جو قبر انور کو گھیر لیتے ہیں (اس کا طواف کرتے ہیں) اور اپنے پروں کو بچھاتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ درود پیش کرتے ہیں حتیٰ کہ جب شام ہوتی ہے تو وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں جو قبر انور کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں ستر ہزار فرشتے رات کے وقت اور ستر ہزار فرشتے دن کے وقت (حاضر ہو کر درود شریف پڑھتے ہیں)۔

حتیٰ کہ جب زمین پھٹ جائے گی (قبر انور کھلے گی) تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے درمیان باہر تشریف لائیں گے وہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کریں گے۔[1]

حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول میں" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ کی دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے آپ نے فرمایا: قیامت کے دن ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۹ ' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۹ ' مستدرک ج ۳ ص ۶۸ ' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۳ ' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۵۴ ' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۹۱۲_۳۶۳۳۰)

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں یہ روایت کسی اور نے نقل نہیں کی شاید حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے پہلی کتابوں سے خبر دی ہے۔

(زرقانی ج ۸ ص ۳۳۹)

قیامت کے دن سب سے پہلے کسے لباس پہنایا جائے گا؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:
مجھے جنتی جوڑوں میں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا' مخلوق میں سے میرے علاوہ کوئی بھی اس جگہ کھڑا نہیں ہوگا۔

''جامع الاصول کی'' ایک روایت میں حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ سے ہی مروی ہے (کہ حضور ﷺ نے فرمایا):

انا اول من تنشق عنه الارض فاكسى. میں سب سے پہلا شخص ہوں جس سے زمین پھٹے گی پس مجھے لباس پہنایا جائے گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سبز جوڑا پہنایا جائے گا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں:

تحشرون حفاة عراة غرلا (كما بدأنا اول خلق نعيده) وان اول الخلائق يكسى يوم القيامة ابراهيم. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۷) تم قیامت کے دن ننگے پاؤں' ننگے جسم' ختنہ شدہ اٹھائے جاؤ گے (قرآن مجید میں ہے) جس طرح ہم نے تخلیق کے آغاز میں ابتدا کی (اس طرح) ہم لوٹائیں گے) اور مخلوق میں سے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ نقل کیا۔
سب سے پہلے جنتی لباس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنایا جائے گا' ان کو جنت کا جوڑا پہنایا جائے گا اور ایک کرسی لائی جائے گی جسے عرش کی دائیں جانب رکھا جائے گا پھر مجھے لاکر جنتی جوڑا پہنایا جائے گا جو کسی دوسرے انسان کے لئے نہیں ہوسکتا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عرش کی دائیں جانب کرسی پر تشریف فرما ہوں گے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے لباس پہنانے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ ہمارے نبی ﷺ سے افضل ہوں کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ آپ قبر انور سے اسی لباس میں باہر تشریف لائیں گے جس میں آپ کا انتقال ہوا اور اس دن آپ کو جو جوڑا پہنایا جائے گا وہ احترام واکرام کا جوڑا ہوگا اس کا قرینہ یہ ہے کہ آپ کو عرش کے پائے کے پاس بٹھایا جائے گا پس لباس کے سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیت باقی مخلوق کی نسبت سے ہوگی۔

حلیمی نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جوڑا پہنایا جائے گا پھر ہمارے نبی کریم ﷺ کو پہنایا جائے گا کیونکہ حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کا جوڑا اعلیٰ اور زیادہ کامل ہوگا پس اولیت کی کمی کو اس کی نفاست کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا کہ جب آپ کے وصال کا وقت ہوا تو انہوں نے نئے کپڑے پہنے اور فرمایا میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے' آپ

فرماتے تھے: کہ میت کو انہی کپڑوں سے اٹھایا جائے گا جن میں وہ فوت ہوا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۴' المستدرک ج ۱ ص ۳۴۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۹۵۷' السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۸۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۲۰۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۲۵۱)

حارث بن ابی اسامہ اور احمد بن منیع کے نزدیک یہ الفاظ ہیں کہ ان کو ان کے کفنوں میں اٹھایا جائے گا اور وہ ان کفنوں میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے (اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا اور اس کی سند عمدہ ہے' زرقانی ج ۸ ص ۳۵۱)

اس حدیث ''اور صحیح بخاری کی حدیث'' (کہ تمہیں ننگے پاؤں' ننگے جسم اٹھایا جائے گا) کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ بعض کو ننگے جسم اور بعض کو لباس پہنا ہوا اٹھایا جائے گا یا سب کو ننگے جسم اٹھایا جائے گا پھر انبیاء کرام علیہم السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا یا وہ قبروں سے اس لباس میں نکلیں گے جس میں ان کا انتقال ہوا پھر ابتدائے حشر میں ان سے وہ لباس گر جائے گا تو وہ ننگے جسم جمع ہوں گے پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

بعض حضرات نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو شہداء پر محمول کیا ہے پس حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اسے شہداء کے بارے میں سنا اور عام لوگوں پر محمول کر دیا۔

طبری نے ''الریاض النضرہ میں'' ایک حدیث نقل کی ہے اور اس کی نسبت امام احمد کی طرف کی انہوں نے مناقب میں محدوج بن زید ہذلی سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے علی! کیا تم نہیں جانتے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا پس میں عرش کی دائیں جانب اس (عرش) کے سائے میں کھڑا ہوں گا پھر انبیاء کرام علیہم السلام کو بلایا جائے گا وہ ایک دوسرے کے پیچھے آئیں گے پس وہ عرش کی دائیں جانب کھڑے ہوں گے اور ان کو جنت کے جوڑوں میں سے سبز جوڑے پہنائے جائیں گے۔

سنو! میری امت سب امتوں میں سے پہلی امت ہے جن کا قیامت کے دن حساب ہوگا پھر (اے علی! رضی اللہ عنہ) تمہیں خوشخبری ہو سب سے پہلے تمہیں بلایا جائے گا اور تمہیں میرا جھنڈا دیا جائے گا اور وہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) ہے تو تمہیں اسے لے کر (عرش کے) کناروں پر کھڑے حضرات کے درمیان چلو گے' حضرت آدم علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میرے جھنڈے کے سائے میں ہوگی اور اس کی لمبائی ایک ہزار چھ سو سال کی مسافت (کے برابر) ہوگی اس سے کنارے پر لگے ہوئے دندانے سرخ یاقوت کے ہوں گے۔ اس کی مٹھی سفید چاندی کی ہوگی اس کا پچھلا حصہ سبز موتی ہوگا' اس کی تین نورانی مینڈھیاں ہوں گی ایک مینڈھی مشرق میں دوسری مغرب میں اور تیسری دنیا کے درمیان میں ہوگی اس پر تین سطروں میں تحریر ہوگی۔

ایک پر ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' دوسری پر ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ'' اور تیسری پر ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ'' لکھا ہوگا۔

ہر سطر کی لمبائی ایک ہزار سال (کی مسافت) ہوگی اور اس کی چوڑائی بھی ایک ہزار سال (کی مسافت) ہوگی۔

(اے علی رضی اللہ عنہ!) تم وہ جھنڈا لے کر چلو گے' حضرت حسن رضی اللہ عنہ تمہاری دائیں جانب اور حضرت حسین

رضی اللہ عنہ تمہاری بائیں جانب ہوں گے حتیٰ کہ تم عرش کے سائے میں میرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کھڑے ہو گے پھر تمہیں جنتی جوڑا پہنایا جائے گا۔

ابن سبع نے ''الخصائص میں'' ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے لواء الحمد کی صفت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کی لمبائی (آگے وہی بات ہے جو پہلے گزر چکی ہے)۔

حافظ قطب الدین حلبی فرماتے ہیں جیسا کہ ان سے محب بن ہمام نے نقل کیا کہ یہ موضوع حدیث ہے اس کا من گھڑت ہونا واضح ہے وہ فرماتے ہیں لواء الحمد کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔[1]

لواء الحمد

''ترمذی شریف میں'' حسن سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے' وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم یوم القیامة ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی آدم فمن سواه الا تحت لوائی.

میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور (اس پر مجھے) فخر نہیں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہو گا اور (اس پر مجھے) فخر نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

''لواء'' جھنڈے کو کہتے ہیں (جسے عربی میں رایۃ کہا جاتا ہے) اور ان لوگوں (عربوں) کے عرف میں یہ جھنڈا لشکر کے قائد اور رئیس کے پاس ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی اجازت سے کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو اور وہ اس کے تابع ہو اس کے حرکت کرنے سے حرکت کرے وہ جدھر جھکے ادھر ہی یہ بھی جھکے یہ مطلب نہیں کہ وہ خود اسے اپنے ہاتھ میں اٹھائے کیونکہ یہ حالت زیادہ شرف والی ہے (کہ اس کے حکم سے دوسرے کے ہاتھ میں ہو)۔

اہل عرب کے ہاں لڑائیوں میں اس کا استعمال اس طرح ہوتا تھا کہ وہ لشکر رئیس اسے خود اٹھاتا اور اس کی وجہ سے لڑنے میں رکاوٹ نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ اسے اٹھائے ہوئے شدت سے لڑتا تھا اسی لئے ہر ایک اسے اٹھانے کے لائق نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے لوگ ہوتے تھے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا عطین الرایة غدا رجلا یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله.

کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۹۹' السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۳۶۲' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۳۷' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۲۴' اتحاف السادۃ المتقین

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں: اس حدیث کی تخریج کرنے والے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقام میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ محدثین جب سند کے ساتھ حدیث ذکر کرتے ہیں تو ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۵۲)

ج ا ص ۱۰۶' دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۰۹' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۵۶)

لواء کی نسبت ''الحمد'' کی طرف کی گئی اور حمد اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف ہے جو اس کے شایان شان ہے (تو یہ اضافت اس لئے ہے) کہ میدان قیامت میں یہ نبی اکرم ﷺ کا ہی منصب ہے' دوسرے انبیاء کرام کا نہیں (اور وہ منصب مقام محمود ہے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے)۔

صفتِ حشر

لوگوں کے اٹھنے (حشر) کی ہیئت وصورت میں اختلاف ہے ''صحیح بخاری میں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا لوگوں کا حشر تین طریقوں پر ہوگا:

یحشر الناس علی ثلاث طرائق راغبین وراھبین' واثنان علی بعیر' وثلاثة علی بعیر واربعة علی بعیر' وعشرة علی بعیر' ویحشر بقیتھم النار' تقیل معھم حیث قالوا' وتبیت معھم حیث باتوا' وتصبح معھم حیث اصبحوا' وتمسی معھم حیث امسوا.

(۱) رغبت کرنے والے' ڈرنے والے (۲) ایک اونٹ پر دو' ایک اونٹ پر تین' ایک اونٹ پر چار' ایک اونٹ پر دس (۳) باقی لوگوں کو آگ جمع کرے گی وہ جہاں دوپہر کو قیلولہ کریں گے وہ ان کے ساتھ ہوگی جہاں رات گزاریں گے وہ رات کو ان کے ساتھ ہوگی وہ ان کے ساتھ صبح کرے گی جہاں وہ صبح کریں گے اور ان کے ساتھ شام کرے گی جہاں وہ شام کریں گے۔[۱]

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۲۲)

حلیمی اس بات کی طرف مائل ہوئے ہیں کہ یہ حشر قبروں سے نکلتے وقت کا ہے' امام غزالی نے بھی اسی بات کو قطعی قرار دیا اور کہا گیا ہے کہ وہ قبروں سے اس مذکورہ وصف کے ساتھ نکلیں گے جو امام بخاری ومسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انکم محشورون حفاة عراة غرلا.

بے شک تم ننگے پاؤں' ننگے جسم اور ختنہ شدہ اٹھائے جاؤ گے۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۝ (الانبیاء:۱۰۴)

جیسا کہ ہم نے آغاز تخلیق میں تمہیں پیدا کیا اسی طرح لوٹائیں گے یہ ہمارا وعدہ ہے بے شک ہم کرنے والے ہیں۔

پھر وہاں سے ان کی حالت میدان قیامت کی طرف مختلف ہوگی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

---

[۱] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے دنیا کی آگ مراد ہے' آخرت کی آگ مراد نہیں اور ''صحیح مسلم میں'' ایک حدیث جس میں آخرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں مثلاً سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ اس میں فرمایا کہ آخر میں ایک آگ عدن کے کنویں سے نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف ہانکے گی۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۵۴)

ویحشر الکافر علی وجهه قال رجل یا رسول الله کیف یحشر علی وجهه؟ قال الیس الذی امشاه علی الرجلین فی الدنیا قادر علی ان یمشیه علی وجهه یوم القیامة.

(صحیح بخاری ومسلم)

اور کافر کو چہرے کے بل لے جایا جائے گا' ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! اسے چہرے کے بل کیسے لے جایا جائے گا؟ فرمایا کیا وہ ذات جو دنیا میں دو پاؤں پر چلاتی ہے وہ قیامت کے دن اسے چہرے کے بل چلانے پر قادر نہیں؟

''سنن نسائی میں'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا):

ان الناس یحشرون علی ثلاثة افواج فوجا راکبین طاعمین کاسین وفوجا تسحبهم الملائکة علی وجوههم وفوجا یمشون ویسعون. (المستدرک' مسند احمد' بیہقی)

لوگ تین جماعتوں کی صورتوں میں اٹھائے جائیں گے ایک جماعت سوار' کھانے اور پہننے والے ہوں گے اور دوسری جماعت کو فرشتے چہروں کے بل گھسیٹتے ہوں گے اور ایک گروہ پیدل ہوگا' دوڑتے ہوں گے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے:

یحشر الناس یوم القیامة علی ارض بیضاء عفراء کقرصة النقی لیس فیها علم لاحد.

(صحیح بخاری ومسلم)

لوگوں کو خالص سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جیسے (سفید) خالص روئی ہوتی ہے اس میں (مکانات وغیرہ کا) کوئی نشان نہیں ہوگا۔

امام حاکم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا (کہ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا):

قیامت کے دن سورج لوگوں کے قریب آ جائے گا تو لوگ پسینے میں مبتلا ہوں گے پس ان میں سے بعض کی نصف پنڈلی تک پہنچے گا اور ان میں سے بعض کے گھٹنوں تک پہنچے گا' بعض کی رانوں تک اور بعض کی ازار بند کی جگہ تک پہنچے گا' ان میں سے بعض کے کاندھوں تک پہنچے گا اور بعض کے منہ تک پہنچ جائے گا آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے منہ میں لگام ڈال دے گا اور ان میں سے کچھ لوگ اپنے پسینے میں غوطہ زن ہوں گے اور وہ اپنے ہاتھ سر پر رکھ لیں گے۔ (مسند احمد ج ۴ص ۱۵۷' المستدرک ج ۴ص ۵۷۱' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۳۳۵' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ص ۴۵۸' الترغیب والترہیب ج ۴ص ۳۸۹' المغنی ج ۴ص ۴۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۹۶۶)

''صحیح مسلم میں'' اس کی شاہد حدیث حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ مکمل نہیں ہے اس میں ہے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق کے قریب ہوگا حتیٰ کہ ان سے ایک میل کی مقدار میں ہوگا پس لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں شرابور ہوں گا۔

یہ حدیث اس بات میں ظاہر ہے کہ پسینے کے ان تک پہنچنے میں وہ برابر ہوں گے لیکن ان کو کتنا کتنا پسینہ آئے گا اس سلسلے میں فرق ہوگا۔

سوال: سورج کی جگہ آسمان ہے اور ارشاد خداوندی ہے:

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے سجل فرشتہ

لِلْكُتُبِ. (الانبیاء:۱۰۴) نامہ اعمال کو لپیٹتا ہے۔

اور ''السماء'' پر الف لام جنس کے لئے ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ. (الزمر:۶۷) اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔

تو دونوں روایتوں کو کیسے جمع کیا جائے گا؟

(مطلب یہ کہ تمام آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے تو سورج کہاں ہوگا؟)۔

جواب: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میدان محشر میں سورج خود بخود قائم ہو اور لوگوں کے قریب ہوتا کہ اس کی دہشت اور سختی قوی ہو اللہ تعالیٰ ہمیں ہر ناپسندیدہ بات سے بچائے۔

ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ یہ سب لوگوں کو شامل ہے لیکن دوسری احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ بعض کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ تعداد میں زیادہ ہیں' انبیاء کرام' شہداء عظام اور جن کو اللہ تعالیٰ چاہے وہ اس (پسینے) سے مستثنیٰ ہیں بس سب سے زیادہ سخت پسینہ کفار کے لئے ہے پھر کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کے لئے اور پھر ان کے بعد والے لوگ ہیں۔

ابویعلیٰ نے حدیث نقل کی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا:

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (المطففین:۶) جس دن لوگ تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

آپ نے فرمایا اس کی مقدار نصف دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا پس وہ مؤمنوں پر آسان ہوگا گویا سورج طلوع ہونے سے غروب ہونے تک ہے۔

امام احمد اور ابن حبان نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے۔

(قیامت کے دن) اٹھنے کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' فرماتے ہیں لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو چالیس سال کھڑے رہیں گے ان کی آنکھیں آسمان کی طرف (اوپر کی طرف) اٹھی ہوں گی پس سخت تکلیف کی وجہ سے پسینہ ان کو لگام ڈال دے گا۔ (البعث والنشور ص ۳۳۹)

''صحیح بخاری میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ پسینے میں مبتلا ہوں گے حتیٰ کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر گز تک چلا جائے گا اور ان کو پسینے نے لگام ڈالی ہوگی حتیٰ کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو وہ چالیس سال یوں کھڑے ہوں گے کہ ان کی نگاہیں آسمان کی طرف (اوپر کی طرف) اٹھی ہوں گی (ان کا رب) ان سے کلام نہیں فرمائے گا اور سورج ان کے سروں پر ہوگا حتیٰ کہ پسینے نے ان سب کو ان میں سے نیکوں اور بروں (سب کو) لگام ڈالی ہوگی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ مؤمن سے (وہاں) ٹھہرنے میں تخفیف ہو گی حتیٰ کہ فرض نماز کی طرح (ٹھہرنا) ہوگا۔ اس کی سند حسن ہے۔

طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ دن مؤمن کے لئے دن کی ایک گھڑی سے بھی چھوٹا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کافر کو پسینہ لگام ڈالے گا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے قیامت کے اٹھنے کے بیان میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں اس دن لوگوں کی تکالیف سخت ہوں گی حتیٰ کہ پسینہ کافر کو لگام ڈال دے گا' ان سے پوچھا گیا مومن کہاں ہوں گے؟ فرمایا سونے کی کرسی پر ہوں گے اور ان پر بادل سایہ کریں گے۔

ایک قوی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں قیامت کے دن سورج لوگوں کے سروں پر ہوگا اور ان کے اعمال ان پر سایہ کریں گے۔ (بیہقی)

ابن المبارک نے ''الزھد'' میں اور ابن ابی شیبہ نے ''المصنف'' میں ایک عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا۔ لفظ ابن ابی شیبہ کے ہیں وہ حضرت سلمان سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سورج کو دس سال کی گرمی دی جائے گی پھر وہ سر کی کھوپڑی کے قریب ہوگا حتیٰ کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ جائے گا تو ان کو پسینہ آئے گا حتیٰ کہ پسینہ زمین میں قد کے برابر ٹپکے گا پھر اوپر کو چڑھے گا حتیٰ کہ انسان غرغرہ کرے گا۔ ابن مبارک نے اپنی روایت میں اضافہ کیا کہ اس دن اس کی گرمی کسی مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو تکلیف نہیں دے گی۔

قرطبی فرماتے ہیں اس سے کامل ایمان والے لوگ مراد ہیں کیونکہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے اعمال کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہوگا۔

ابویعلیٰ کی ایک روایت ہے جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو پسینہ لگام ڈالے گا حتیٰ کہ وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے (اس سے) راحت عطا فرما اگرچہ جہنم کی طرف لے جانے کی صورت میں ہو۔

یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ سب کچھ میدان قیامت میں ہوگا۔

میدان محشر میں کھڑا ہونا نہایت سخت ہوگا

جو شخص اس مذکورہ حالت پر غور کرے گا وہ اس میں (پائی جانے والی) بڑی پریشانی (اور خوف) کو پہچان لے گا وہ اس طرح کہ آگ میدان قیامت کی زمین کو گھیر لے گی اور سورج ایک میل کی مقدار سروں کے قریب ہوگا تو زمین کی تپش کی کیا کیفیت ہوگی اور وہ کس قدر پسینہ دیکھیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ ہر شخص اپنے دو قدموں کی مقدار جگہ پائے گا پس ان لوگوں کی حالت کیا ہوگی جب ان کو پسینہ آیا ہوا ہوگا اور پاؤں بھی پھیلائے ہوں گے یہ ان باتوں میں سے ہے جو عقلوں کو حیران کر دیتی ہیں اور عظیم قدرت پر دلالت کرتی اور آخرت پر ایمان کا تقاضا کرتی ہیں نیز یہ کہ اس میں عقل کا کوئی دخل نہیں اور عقل' قیاس اور عرف وعادت کے حوالے سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا یہ بات تو بس قبول ہی کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اس بھیڑ' میل جول اور انسانوں اور جنوں کے اجتماع کو دیکھو پھر ان کے ساتھ تمام اقسام

کے حیوانات کا جمع ہونا ان کی بھیڑ ایک دوسرے کو دور کرنا اور مل جانا اور سورج کا ان کے قریب ہونا تو ان کی گرمی کا زیادہ ہونا حالانکہ وہاں صرف تیرے رب کے عرش کا سایہ ہوگا تو غور کرو تم آگے کیا بھیج رہے ہو پھر اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی بھیڑ اور دلوں کے جلنے کی وجہ سے سختی کی گرمی ہوگی کیونکہ ان کو مصائب نے ڈھانپ رکھا ہوگا۔

حوض شریف

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دن یہ صورت حال سخت پیاس اور لپٹ (تپش) کا سبب ہوگی اور اس جگہ پانی موجودات میں سے سب سے نایاب اور گم شدہ چیزوں میں سے سب سے بڑی چیز ہوگا۔

اور صاحبِ مقام محمود (نبی اکرم ﷺ) کے حوض شریف کے علاوہ کوئی گھاٹ نہیں ہوگا اور وہاں آپ کی فضیلت اور شرف میں اضافہ ہوگا آپ کی امت کے لیے اس کے سوا کوئی گھاٹ نہیں ہوگا اور ان کے جگر اسی سے ٹھنڈے ہوں گے پس اس کا ایک گھونٹ پیاسے کو سیراب کر دے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے' اسی کے ذریعے پیاس سے شفایابی ہوگی اس سے تمام بیماریاں دور ہوں گی پس اسے پینے والا پیاسا نہیں ہوگا اور اس کے بعد کبھی بیمار نہیں ہوگا۔

امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص اس سے یعنی حوض سے ایک گھونٹ پیئے گا وہ کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا اور جو اس سے نہیں پیئے گا وہ کبھی سیراب نہیں ہوگا۔ امام احمد اور ابن حبان نے حضرت ابوامامہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ اس کا چہرہ کبھی سیاہ نہیں ہوگا۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے حاکم نے صحیح قرار دیا کہ اس پر آنے والے اکثر لوگ فقراء' مہاجرین ہوں گے۔

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حوضی مسیرة شھر ماؤہ ابیض من اللبن ورائحتہ اطیب من المسک و کیزانہ کنجوم السماء من شرب منہ شربة لا یظمأ ابدا.

میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت (کے برابر) ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے' اس کے لوٹے آسمان کے ستاروں کی طرح (زیادہ) ہیں جو اس سے پیئے گا وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

قرطبی نے ''التذکرہ'' میں فرمایا کہ ''القوت'' کے مصنف وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ حوض' پل صراط کے بعد ہوگا اور دوسرے حضرات کا خیال اس کے برعکس ہے اور صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے دو حوض ہوں گے ایک صراط سے پہلے موقف میں (جہاں سب ٹھہریں گے) اور دوسرا جنت کے اندر ہوگا اور دونوں کو کوثر کہا جاتا ہے۔

شیخ الحفاظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ کوثر' جنت میں ایک نہر ہے اور اس کا پانی حوض میں گرتا ہے اسے حوض کوثر کہا جاتا ہے کیونکہ پانی وہاں سے آتا ہے تو قرطبی کے کلام میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا ہے کہ حوض صراط سے پہلے ہوگا کیونکہ لوگ موقف سے پیاسے لوٹیں گے تو مومن حوض پر آئیں گے اور کافر یہ کہتے ہوئے کہ اے رب! ہم پیاسے ہیں' آگ میں گر جائیں گے پس ان کے سامنے جہنم کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ وہ سراب ہے

(پانی نظر آتا ہے لیکن پانی نہیں ہوتا) پس ان سے کہا جائے گا کیا تم اس میں داخل نہیں ہوتے تو وہ اس کو پانی خیال کریں گے اور اس میں گر جائیں گے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے یوں آیا ہے:

ان الحوض یشخب فیہ میزابان من الجنة. حوض میں جنت سے دو پرنالے گرتے ہیں۔

یہ حدیث' امام قرطبی کے خلاف دلیل ہے ان کے حق میں نہیں کیونکہ صراط' جہنم کا پل ہے اور اور وہ موقف اور جنت کے درمیان ہے اور مومن جنت میں جانے کے لئے اس کے اوپر سے گزریں گے اور اگر حوض' پل صراط سے پہلے ہوتا تو جہنم اس کے اور اس پانی کے درمیان حائل ہو جاتا جو کوثر (نہر) سے حوض میں گرتا ہے اور حدیث کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ حوض' جنت کے ایک پہلو میں ہے تا کہ اس میں اس نہر کا پانی گرے جو جنت کے اندر ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ:

من شرب منہ لم یظمأ بعدھا ابدا ، جو شخص اس سے پیئے گا وہ اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

تو اس حدیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے پینا' حساب اور جہنم سے نجات کے بعد ہوگا کیونکہ جو شخص (اس کے بعد) پیاسا نہیں ہوگا اس کا ظاہر حال یہ ہے کہ اسے جہنم میں عذاب نہ ہو لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ ان میں سے جن لوگوں کے لئے عذاب مقدر ہو چکا ہے' پیاس کے ذریعے ان کو عذاب نہیں ہوگا بلکہ اس کے علاوہ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں تو آپ نے فرمایا ان شاء اللہ میں ایسا کروں گا' میں نے عرض کیا میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: پہلے مجھے پل صراط پر ڈھونڈنا میں نے عرض کیا اگر پل صراط پر میں آپ کو نہ پاؤں؟ فرمایا پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا میں نے عرض کیا اگر میزان کے پاس بھی آپ سے ملاقات نہ ہو تو؟ فرمایا حوض کے پاس تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین جگہوں سے تجاوز نہیں کروں گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے جس میں یوں آیا ہے: پھر مجھے میرا لباس دیا جائے گا جسے میں پہنوں گا پس میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا جہاں کوئی دوسرا کھڑا نہیں ہوگا تو پہلے اور پچھلے سب مجھ پر رشک کریں گے اور فرمایا ان کے لئے کوثر سے حوض تک کھولا جائے گا۔

''صحیح بخاری میں مروی'' حضرت ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حوض ایک مہینے کی مسافت (کے برابر) ہے۔

''صحیح مسلم میں'' اسی سند کے ساتھ یہ اضافہ ہے کہ اس کے زاویے برابر ہیں (اس کی لمبائی' چوڑائی کی طرح ہے)۔

جیسا کہ ''فتح الباری میں'' فرمایا یہ اضافہ ان لوگوں کی تاویل کو رد کرتا ہے جنہوں نے حوض کی مسافت کی مقدار سے متعلق مختلف احادیث کو جمع کرتے ہوئے عرض اور طول کے درمیان اختلاف ذکر کیا ہے۔

''سنن ابن ماجہ میں'' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے جس میں فرمایا کہ میرا ایک حوض ہے جو کعبہ اور بیت المقدس کے درمیان ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ص ۵۰۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۳۶۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۱۴۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث جو طبرانی نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے' اس میں یوں آیا ہے:

ما بین ناحیتی حوضی کما بین ایلة وصنعاء مسیرة شهر عرضه کطوله.

حوض کے دونوں کناروں کے درمیان ایلہ اور صنعا کے درمیان جتنا فاصلہ ہے وہ ایک مہینے کی مسافت ہے اس کی چوڑائی اس کی لمبائی جیسی ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں ''**کما بین صنعاء والمدینة**'' کے الفاظ ہیں (صنعاء اور مدینہ کے درمیان)۔

حضرت عتبہ بن عبدالسلمی کی روایت جسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا اس میں ''**کما بین صنعاء الی بصری**'' کے الفاظ ہیں (صنعاء اور بصری کے درمیان جتنا فاصلہ ہے)۔

طبرانی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے جس میں عدن اور عمان کے درمیان فاصلہ کا ذکر ہے عمان کی عین پر پیش ہے اور میم غیر مشدد ہے۔

ابن اثیر نے'' النہایہ میں'' حوض والی حدیث ذکر کرتے ہوئے ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس کی چوڑائی میرے اس مقام سے عمان تک ہے' عمان میں عین پر زبر اور میم مشدد ہے یہ بلقاء کی زمین میں شام کا ایک پرانا شہر ہے اور جو عمان پیش اور میم غیر مشدد کے ساتھ ہے وہ بحرین کے ایک کنارے پر ہے۔

یہ تمام مسافتیں ایک دوسرے کے قریب ہیں اور بعض نے خیال کیا کہ اس میں اضطراب واقع ہوا حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ قلیل مسافت میں ایسی کوئی بات نہیں جو کثیر مسافت کو رد کرتی ہو پس زیادہ مسافت صحیح حدیث سے ثابت ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

اس کا خلاصہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ نے پہلے کم مسافت کی خبر دی پھر طویل مسافت کا علم ہوا تو آپ نے اس بات کی خبر دی جس کا اللہ تعالیٰ نے تدریجاً آپ کو علم عطا فرما کر فضل فرمایا پس جس میں زیادہ مسافت ہے اس پر اعتماد ہوگا۔

سوال: کیا وہاں ہر نبی کے لئے حوض ہوگا جس پر وہ کھڑے ہوں گے جس طرح ہمارے نبی ﷺ کے لئے ہے؟

جواب: مشہور بات یہ ہے کہ یہ بات ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے' قرطبی نے'' المفہم ''میں فرمایا جو کچھ مکلف پر واجب ہے کہ اسے جانے اور اس کی تصدیق کرے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو اس حوض کی خصوصیت عطا فرمائی جس کے نام' وصف اور مشروب کو ان صحیح مشہور احادیث میں واضح الفاظ میں بیان کیا گیا جن کے مجموعہ سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے جو تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ سے مروی ہیں ان میں سے جو صحیح بخاری و مسلم میں ہیں وہ بیس

سے زائد ہیں (صحیح بخاری میں انیس اور صحیح مسلم میں سترہ ہیں اور اکثر پر دونوں کا اتفاق ہے) ان دونوں کتب کے علاوہ میں باقی احادیث ہیں (جو ان تیس سے زائد ہیں) جس طرح اس کی نقل صحیح ہے اور اس کے راوی مشہور ہیں پھر ان مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی مثل تابعین نے اسے روایت کیا اور ان کے بعد ان کے دوگنا سے بھی دوگنا لوگوں نے روایت کیا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے اور اس کے ثبوت پر اہل سنت کے سلف وخلف سب کا اتفاق ہے۔

لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں ارشاد فرمایا:

ان لکل نبی حوضا. بے شک ہر نبی کے لئے ایک حوض ہے۔

اور انہوں نے اشارہ کیا کہ اس حدیث کے وصل اور ارسال میں اختلاف ہے اور مرسل روایت زیادہ صحیح ہے۔ مرسل حدیث کو ابن ابی الدنیا نے صحیح سند کے ساتھ حسن (بصری) رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان لکل نبی حوضا وھو قائم علی حوضہ بیدہ عصا یدعو من عرف من امتہ الا وانھم یتباھون ایھم اکثر تبعا وانی لارجو ان اکون اکثرھم تبعا.

بے شک ہر نبی کا ایک حوض ہے اور وہ اپنے حوض پر کھڑے ہوں گے ان کے ہاتھ میں لاٹھی ہوگی اور وہ اپنی امت میں سے جسے پہچانیں گے ان کو بلائیں گے سنو! بے شک وہ ایک دوسرے پر فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کی اتباع کرنے والے زیادہ ہیں اور مجھے امید ہے کہ میری اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گا۔

امام طبرانی نے ایک دوسری سند سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے موصولاً مرفوعاً اس کی مثل نقل کیا لیکن اس کی سند میں کمزوری ہے۔

ابن ابی الدنیا نے ہی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ ہر نبی اپنی امت کو پکارے گا اور ہر نبی کا حوض ہوگا ان میں سے کسی کے پاس ایک جماعت آئے گی (فئام فرمایا) کسی کے پاس اس کے رشتہ دار آئیں گے اور ان میں سے کسی کے پاس ایک آئے گا اور ان میں سے کسی کے پاس دو آئیں گے اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی بھی نہیں آئے گا اور قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے زیادہ ہوں گے۔ اس حدیث کی سند میں کمزوری ہے۔

پس اگر یہ ثابت ہو تو کوثر جس سے حوض میں پانی آئے گا ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ کسی دوسرے کے لئے اس کی مثل منقول نہیں ہے اور سورۃ الکوثر میں اس کے ذریعے آپ پر احسان واقع ہوا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ. ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۷۰ رقم الحدیث: ۶۵۷۵)

اور فئام لوگوں کی ایک جماعت کو کہتے ہیں اور اس کا واحد کوئی لفظ نہیں اور عام لوگ یاء کے ساتھ ''فیام'' (ہمزہ کے بغیر) پڑھتے ہیں۔ یہ صحاح میں لکھا ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ترد علی امتی الحوض وانا اذود الناس عنه كما يذود الرجل عن ابله قالوا يا رسول الله تعرفنا؟ قال نعم لكم سيما ليست لاحد غيركم تردون علی غرا محجلين من آثار الوضوء.

میری امت حوض پر میرے پاس آئے گی اور میں لوگوں کو اس سے دور کروں گا جس طرح کوئی شخص اپنے اونٹوں سے دور کرتا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ فرمایا ہاں تمہاری ایک نشانی ہوگی جو کسی دوسرے کی نہیں ہوگا تم میرے پاس آؤ گے تو وضو کے نشانات سے تمہارے اعضاء چمکتے ہوں گے۔

محدثین کرام نے فرمایا اس کو دور کرنے میں حکمت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ارادہ فرمائیں گے کہ ہر ایک کو اس کے نبی کے حوض کے پاس جانے کی رہنمائی فرمائیں جیسا کہ پہلے گزرا کہ ہر نبی کا حوض ہوگا تو یہ نبی اکرم ﷺ کے انصاف میں سے اور اپنے نبی بھائیوں کی رعایت سے ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ پانی کے ذریعے ان سے بخل کرتے ہوئے ان کو دور کریں گے۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کو دور فرمائیں گے جو حوض سے پینے کا مستحق نہیں ہے۔ واللہ اعلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے حوض کے چار کنارے ہوں گے پہلا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دوسرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تیسرا حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور چوتھا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا۔

پس جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسے نہیں پلائیں گے اور جو آدمی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھتا ہے اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نہیں پلائیں گے۔

اس روایت کو ابوسعد نے ''شرف النبوۃ'' میں اور غیلانی (ابوطالب بن غیلان) نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۴۵)

شفاعت اور مقام محمود

نبی اکرم ﷺ کو شفاعت اور مقام محمود کے ذریعے جو فضیلت دی گئی ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (الاسراء:۷۹)

قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ کلمہ ''عسی'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوتا ہے (لازم ہوتا ہے) اہل معانی فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ عسی 'طمع دینے کا فائدہ دیتا ہے اور جو شخص کسی انسان کو طمع دے کر محروم کرے تو یہ بات باعثِ عار (شرمندگی) ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ کسی کو کسی چیز کا طمع دے کر پھر اسے وہ چیز نہ دے۔

مقام محمود کیا ہے؟

مقام محمود کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔

(ا) اس سے شفاعت مراد ہے۔ واحدی نے کہا اس بات پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ مقام شفاعت ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا (جو گذر چکی ہے) کہ یہ وہ مقام ہے جس میں' میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

امام ابن خطیب نے کہا کہ لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کیونکہ انسان اس وقت محمود ہوتا ہے جب کوئی تعریف کرنے والا اس کی تعریف کرے اور تعریف کسی انعام پر ہوتی ہے تو یہ مقام محمود اس لئے مقام محمود ہے جب اس میں نبی اکرم ﷺ ایک جماعت پر انعام فرمائیں اور وہ اس انعام پر آپ کی تعریف کریں۔

اور وہ انعام' تبلیغ دین اور احکام شرع کی ان کو تعلیم دینا نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس وقت بھی حاصل ہے اور ارشاد خداوندی:

عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا○ عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ (الاسراء:۷۹)

اس بات پر دلالت ہے کہ اس مقام پر نبی اکرم ﷺ کی تعریف نہایت عظیم اور کامل ہوگی اور یہ بات معلوم ہے کہ کسی انسان کی تعریف اس کی کوشش پر جو عقاب سے نجات کے سلسلے میں ہو اس کوشش سے بڑی ہوتی ہے جو ایسے ثواب کے اضافہ کے لئے ہو جس کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ انسان کو بڑی بڑی تکالیف اپنے نفس سے ازالہ کی ضرورت ان منافع کے حصول سے زیادہ ہوتی ہے جن کو حاصل کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو واجب ہے کہ اس (مذکورہ بالا) آیت سے عذاب کو ساقط کرنے کے لئے شفاعت مراد ہو جیسا کہ اہلِ سنت کا مذہب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت میں اس بات کی طرف قوی اشارہ پایا جاتا ہے (کیونکہ مستقبل میں ایک چیز کے حصول کا وعدہ ہے)۔ پھر اس معنیٰ کو ثابت کرنے کے سلسلے میں صحیح احادیث بھی آئی ہیں جیسا کہ ''صحیح بخاری میں'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے مقام محمود کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ شفاعت ہے۔

''صحیح بخاری میں' ان ہی سے مروی ایک اور روایت ہے' فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن لوگ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے اور ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی وہ کہیں گے اے فلاں! ہماری شفاعت کیجئے حتیٰ کہ شفاعت مجھ تک پہنچے گی تو یہ مقام محمود ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو لفظ (مقام محمود) کو اس پر محمول کرنا واجب ہے اس قول کی تاکید و تائید اس مشہور دعا سے بھی ہوتی ہے (جو اذان سننے کے بعد مانگی جاتی ہے) جس میں' وابعثہ مقاما محمودا '' کے الفاظ ہیں وہ مقامِ محمود جس پر پہلے اور پچھلے رشک کریں گے۔[1]

---

[1] حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے' قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت جائز ہو جائے گی اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ آتِ مُحَمَّدَا نِالْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِالَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ۔ (زرقانی ج۸ ص۳۶۶)

لفظ ''مقاما'' ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی قیامت کے دن آپ کو اٹھانا اور مقام محمود پر فائز کرنا یا یہ مفعول بہ ہے اور ''وابعثه'' ''اقمه'' کے معنیٰ کو شامل ہے (زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ مفعول مطلق ہے)۔
یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حال کے بعد حال ہو یعنی آپ کو اٹھانا اس حال میں کہ آپ ایک (عظیم) مقام والے ہوں۔
طیبی نے کہا (لفظ مقاما کو) نکرہ لایا گیا کیونکہ یہ تعظیم کے لئے ہے یعنی ایسا مقام جہاں ہر انسان کی طرف سے تعریف کی جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو روایت نکرہ کے ساتھ آئی ہے اور وہ قرآنی لفظ کی حکایت ہے (قرآن مجید میں لفظ ''مقاما'' نکرہ ہے) تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ بعینہ یہ روایت امام نسائی کے نزدیک معرفہ کے طور پر آئی ہے۔
ابن جوزی نے کہا اکثر حضرات کا یہی خیال ہے کہ مقام محمود سے شفاعت مراد ہے اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا۔

دوسرا قول

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو زمین کے ایک حصے میں جمع فرمائے گا تو کوئی نفس کلام نہیں کرے گا سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو بلایا جائے گا تو آپ فرمائیں گے:

لبیک وسعدیک والخیر بیدیک والشر لیس الیک والمهتدی من هدیت وعبدک بین یدیک وبک والیک ولا ملجا منک الا الیک تبارکت وتعالیت سبحانک رب البیت.

میں حاضر ہوں اور تمام بھلائی تیرے قبضے میں ہے اور برائی تیری طرف منسوب نہیں ہوسکتی' ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو تو نے ہدایت دی اور تیرا بندہ تیرے سامنے تیرے ساتھ اور تیری طرف (متوجہ) ہے' تیرے عذاب سے پناہ بھی تیرے ہاں ملتی ہے' تو برکت والا ہے اور بلند ہے اے خانہ کعبہ کے رب! تو پاک ہے۔

وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول 'عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا'' سے یہی مراد ہے اسے طبرانی نے نقل کیا ہے۔ (سنن نسائی' المستدرک)

ابن مندہ نے کہا کہ یہ وہ حدیث ہے کہ اس کی سند کی صحت اور راویوں کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔
امام رازی فرماتے ہیں پہلا قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ شفاعت کے سلسلے میں آپ کی کوشش لوگوں کے لئے آپ کی تعریف کا باعث ہوگی پس آپ محمود ہوں گے اور وہ جو دعا کا ذکر کیا گیا تو اس کا فائدہ صرف ثواب کی صورت میں ہوگا حمد کے طور پر نہیں۔
سوال: اگر کہا جائے کہ یہ بات جائز کیوں نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس قول پر آپ کی تعریف کرے گا؟
جواب: یہ اس لئے جائز نہیں کہ لغت میں مذکورہ ثناء (حمد) فقط انعام کے مقابلے میں ہوتی ہے اگرچہ لفظ حمد اس معنیٰ کے علاوہ بھی استعمال ہوا ہے لیکن وہ بطور مجاز ہے۔

تیسرا قول

ایسا مقام مراد ہے کہ جس میں آپ کا انجام قابل تعریف ہوا اور یہ بھی اس وجہ سے ضعیف ہے جو ہم نے ذکر کی (یعنی انعام کے مقابلے میں حمد کا پایا جانا)۔

چوتھا قول

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد آپ کا عرش پر بیٹھنا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ کرسی پر بیٹھنا مراد ہے۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو عرش پر (کرسی پر) بٹھائے گا۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے فرماتے ہیں اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔
واحدی نے کہا یہ قول نہایت گھٹیا' نامانوس اور برا ہے اور قرآن مجید کی نص اس وضاحت کے فساد کا اعلان کرتی ہے اور اس (فساد) پر کئی وجوہ سے دلالت پائی جاتی ہے۔
(۱) بعث (اٹھانا) اجلاس (بٹھانے) کی ضد ہے' کہا جاتا ہے:
''بعثت البارک و القاعد فانبعث میں نے بیٹھے ہوئے اونٹ کو اٹھایا تو وہ اٹھ گیا'' اور کہا جاتا ہے ''بعث الله المیت اللہ تعالیٰ نے میت کو قبر سے اٹھایا''۔ لہٰذا ''بعث'' کی تفسیر ''اجلاس'' (بٹھانے) سے کرنا ضد کی ضد کے ساتھ تفسیر ہے' جو فاسد ہے۔
(۲) اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر یوں بیٹھا ہو کہ نبی اکرم ﷺ اس کے پاس بیٹھے ہوں تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کسی حد اور انتہا میں ہونا ثابت ہوا اور جو اس طرح ہو وہ حادث ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے) اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند بڑا ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ نے ''مقاما محمودا'' فرمایا ''مقعدا'' نہیں فرمایا اور مقام کھڑے ہونے کی جگہ ہوتی ہے' بیٹھنے کی جگہ نہیں۔
(۴) جب کہا جاتا ہے ''السلطان بعث فلانا'' (بادشاہ نے فلاں کو بھیجا) تو اس سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اس نے اسے قوم کی طرف ان کے مشکل کاموں کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے اور اس سے یہ بات سمجھی نہیں جاتی کہ اس نے اسے اپنے ساتھ بٹھایا پس ثابت ہوا کہ یہ قول ساقط ہے اس کی طرف وہی مائل ہو سکتا ہے جس کی عقل کم ہو اور دین سے خالی ہو۔
دوسرے قول کا رد یوں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر کسی کیفیت کے بغیر جلوہ فرما ہوتا ہے جیسا کہ اس نے خود اپنے بارے میں خبر دی ہے اور نبی اکرم ﷺ کو عرش پر بٹھانا آپ کے لئے صفتِ ربوبیت ثابت کرنا یا آپ کو صفتِ عبودیت سے نکالنا نہیں ہے بلکہ آپ کے مقام کی بلندی اور مخلوق پر آپ کا اعزاز و اکرام ہے۔
اور یہ جو ''معه'' کا لفظ ہے تو یہ اسی طرح ہے جیسے ''اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ'' (الاعراف:۲۰۶) میں ہے (بے شک وہ لوگ جو تیرے رب کے پاس ہیں) اور ''رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ'' (التحریم:۱۱) (اے میرے رب! میرے لئے اپنے ہاں جنت میں گھر بنا دے)۔

تو یہ اور اس قسم کی مثالیں رتبہ' مقام' حصہ اور بلند درجہ کی طرف لوٹتے ہیں (مطلب یہ کہ لفظ عند سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جسمانی قرب مراد نہیں بلکہ مقام محمود کی بلندی و مرتبہ مراد ہوتی ہے)۔

شیخ الاسلام ابوالفضل عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا حضرت مجاہد کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا اس کو نہ تو نقل کی جہت سے رد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی نظر و فکر کی جہت سے۔

اور ابن عطیہ نے کہا یہ اسی طرح ہے جب اس بات پر محمول کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہے اور واحدی نے اس قول کو رد کرنے میں مبالغہ سے کام لیا' نقاش نے امام ابوداؤد (سنن ابوداؤد کے مؤلف) سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا جو اس کا انکار کرے اس پر تہمت ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قیامت کے دن رب کی کرسی پر رب کے سامنے تشریف فرما ہوں گے تو یہ بھی احتمال ہے کہ اضافت تشریفی ہو (اللہ تعالیٰ کی طرف کرسی کی نسبت اس کے شرف کی وجہ سے ہو) پس جو کچھ حضرت مجاہد وغیرہ سے منقول ہے اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ مقام محمود سے شفاعت مراد ہو جیسا کہ مشہور ہے اور بٹھانے سے مقام و مرتبہ مراد ہو جسے وسیلہ سے تعبیر کیا گیا اسی طرح بعض حضرات نے فرمایا اور یہ بھی احتمال ہے کہ بٹھانے سے مراد شفاعت کی اجازت دینا ہو۔

ارشادِ خداوندی میں جو "محمود" ہے تو اس حمد کے فاعل میں اختلاف ہے' اکثر حضرات کا خیال ہے کہ میدان محشر والے مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ مراد ہیں کہ آپ رات کے وقت تہجد پڑھنے کے انجام پر حمد کریں گے۔ لیکن پہلی بات کو زیادہ ترجیح ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ ثابت ہے "مقاما محمودا یحمده اهل الجمع کلهم مقام محمود جہاں تمام اہل محشر آپ کی تعریف کریں گے"۔

یہ بھی جائز ہے کہ اس سے زیادہ عام مراد ہو یعنی وہ مقام کہ جہاں وہ تمام لوگ آپ کی تعریف کریں گے جو وہاں کھڑے ہوں گے اور جو آپ کو پہچانیں گے اور یہ مختلف قسم کے اعزازات کے لئے مطلق ہے' حمد کے ذریعے حاصل ہوں گے۔ ابوحیان نے اسے اچھا قرار دیا اور اس کی تائید اس طرح کی کہ نکرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مخصوص مقام مراد نہیں۔

سوال: جب ہم مشہور قول کی بات کرتے ہیں کہ مقام محمود سے شفاعت مراد ہے تو یہ کونسی شفاعت ہے؟

جواب: مقام محمود میں شفاعت کے بارے میں جو احادیث آتی ہیں تو یہ شفاعت دو قسم کی ہے' پہلی قسم عام شفاعت ہے جو فیصلے کے بارے میں ہے اور دوسری شفاعت گناہ گاروں کو جہنم سے نکالنے کے بارے میں ہو گی لیکن نتیجہ کے اعتبار سے یہ تمام قول شفاعت عظمیٰ عامہ کی طرف لوٹتے ہیں کیونکہ آپ کو لواء الحمد کا دیا جانا اور آپ کا اپنے رب کی تعریف کرنا اور اس کے سامنے کلام کرنا اور اس کا کرسی پر بیٹھنا یہ سب اس مقام محمود کی صفات ہیں جس میں آپ اس لئے شفاعت کریں گے کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔

جہاں تک گناہ گاروں کو جہنم سے نکالنے کا تعلق ہے تو وہ اس شفاعت کے توابع میں سے ہے اور بعض معتزلہ اور خارجیوں نے گناہ گاروں کو جہنم سے نکالنے کے سلسلے میں شفاعت کا انکار کیا اور اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ. (المدثر: ۴۸) پس ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہیں

دے گی۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ. (الغافر:۱۸)

ظالموں کے لئے کوئی گہرا دوست اور سفارشی نہیں ہو گا جس کی بات مانی جائے۔

اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ یہ آیات کفار کے بارے میں ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ شفاعت عقلی طور پر بھی جائز ہے اور اس کا ثبوت (اور اس کو ماننا) نقلی دلائل سے ثابت ہے کیونکہ واضح ارشادِ خداوندی ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًاO (طٰہٰ:۱۰۹)

اس دن شفاعت صرف ان لوگوں کو فائدہ دے گی جن کے لئے رحمٰن کی اجازت ہوگی اور وہ ان کی بات کو پسند کرے گا۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى. (الانبیاء:۲۸)

اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر ان کے لئے جن کے لئے وہ پسند فرمائے۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًاO (الاسراء:۷۹)

عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

اور اکثر نے اس کی تشریح شفاعت کے ساتھ کی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور آخرت میں گناہ گار مؤمنوں کی شفاعت کے صحیح ہونے کے بارے میں اس قدر روایات آئی ہیں کہ ان کا مجموعہ تواتر کو پہنچتا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اریت ما تلقی امتی من بعدی وسفک بعضھم دماء بعض وسبق لھم من اللہ ما سبق للامم قبلھم فسالت اللہ ان یوتینی فیھم شفاعۃ یوم القیامۃ ففعل. (المستدرک، البیہقی)

مجھے دکھایا گیا جو میرے بعد میری امت نے کرنا تھا اور ان میں سے بعض کا دوسرے بعض کا خون بہانا اور ان کے بارے میں فیصلہ ہو گیا جو ان سے پہلی امتوں کے بارے میں ہوا تھا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ مجھے ان کے لئے قیامت کے دن شفاعت کا اختیار دے تو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

لکل نبی دعوۃ مستجابۃ یدعو بھا وارید ان اختبی دعوتی شفاعۃ لامتی فی الاخرۃ.

ہر نبی کی ایک ایسی دعا ہے جسے (خصوصی طور پر) شرف قبولیت حاصل ہے اور انہوں نے وہ دعا مانگ لی اور

میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی دعا کو آخرت میں اپنی امت کی
سفارش کے لئے محفوظ (چھپا کر) رکھوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لئے خاص کر دیا۔ (صحیح مسلم)

تو یہ آپ کی ہم پر مزید شفقت ہے اور اچھا تصرف ہے کہ وہ دعا جو (خاص طور پر) قبول ہونے والی ہے اسے ہماری ضرورتوں کے اہم اوقات کے لئے کر دیا پس اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اچھی جزا عطا فرمائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! شفاعت کے بارے میں آپ پر کیا حکم آیا ہے؟ فرمایا: میری شفاعت اس شخص کے بارے میں ہو گی جس نے خلوص کے ساتھ کہ اس کا دل اس کی زبان کی تصدیق کرے' یہ شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۷' موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۵۹۴' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۴۳۷)

حضرت ابو زرعہ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا تم جانتے ہو یہ کس وجہ سے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں کو ایک جگہ جمع کرے گا کہ دیکھنے والا ان کو دیکھے گا اور پکارنے والے کی پکار کو وہ سنیں گے اور سورج قریب ہوگا تو لوگ غم اور تکلیف میں اس قدر مبتلا ہوں گے کہ اس کی طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ اسے برداشت کر سکیں گے پس لوگ (آپس میں) کہیں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم کس مصیبت میں مبتلا ہو اور تم کہاں تک پہنچ گئے؟ کیا تم کسی ایک شخص کو نہیں دیکھتے جو تمہارے رب کے ہاں تمہاری شفاعت کرے؟ تو کچھ لوگ دوسرے بعض سے کہیں گے تمہارے باپ آدم (علیہ السلام) ہیں پس وہ ان کے پاس جا کر کہیں گے اے آدم! اے انسانوں کے باپ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی' فرشتوں کو حکم دیا کہ آپ کو سجدہ کریں اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا کیا آپ ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں سفارش نہیں کریں گے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں اور ہمیں کس قدر مصیبت پہنچی ہے؟

وہ فرمائیں گے آج میرا رب اس قدر غضب میں ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضب نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد اس طرح غضب فرمائے گا اس نے مجھے درخت (کے قریب جانے) سے منع کیا تو مجھ سے حکم عدولی ہوگئی (بظاہر حکم عدولی ہے ورنہ آپ درخت کے قریب نہیں گئے تھے' شیطان نے پھل لا کر دیا تھا) مجھے اپنے نفس کی فکر ہے (تین مرتبہ فرمائیں گے) میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ پس وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کریں گے اے نوح علیہ السلام! آپ زمین والوں کی طرف پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ''شکر گزار بندہ'' رکھا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہمیں کس قدر تکلیف پہنچی ہے کیا آپ ہمارے لئے اپنے رب کے ہاں شفاعت نہیں کرتے؟

وہ فرمائیں گے میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد اس طرح غضب فرمائے گا مجھے ایک (خاص مقبول) دعا دی گئی تھی میں نے وہ اپنی قوم کے خلاف مانگ لی مجھے اپنے نفس کی فکر ہے

تین بار فرمائیں گے۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ اللہ کے نبی اور زمین والوں میں سے اس کے خلیل ہیں اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس پریشانی میں مبتلا ہیں؟

وہ ان سے فرمائیں گے میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا کہ اس کی مثل نہ اس سے پہلے فرمایا اور نہ اس کے بعد ایسا غضب فرمائے گا۔ میں نے تین بار بظاہر خلاف واقعہ بات کہی ہے آپ ان تین باتوں کا ذکر کریں گے۔[1] مجھے اپنے نفس کی فکر ہے (تین بار فرمائیں گے) میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ علیہ السلام! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' اس نے اپنی رسالت اور کلام کے ساتھ آپ کو لوگوں پر فضیلت عطا کی کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس پریشانی میں مبتلا ہیں آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں۔

وہ فرمائیں گے بے شک میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا کہ اس سے پہلے ایسا غضب نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد اس طرح غضب فرمائے گا اور میں نے ایک شخص کو قتل کیا حالانکہ مجھے اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔[2]

مجھے اپنے نفس کی فکر ہے (تین بار فرمائیں گے) تم میرے علاوہ کسی کی طرف جاؤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جاؤ پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ! (علیہ السلام) آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی طرف سے روح ہیں آپ نے پنگھوڑے میں گفتگو کی کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس پریشانی میں مبتلا ہیں آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت کیجئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے بے شک آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا کہ نہ اس سے پہلے ایسا غضب فرمایا نہ اس کے بعد اس طرح کا غضب فرمائے گا۔

اور وہ کسی گناہ کو ذکر نہیں کریں گے (فرمائیں گے) مجھے اپنی فکر ہے (تین بار فرمائیں گے) میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ چنانچہ وہ حضرت محمد ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کہیں گے اے محمد! ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے توسل سے آپ کے پہلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے کیا آپ نہیں دیکھتے ہم کس مصیبت میں ہیں اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش فرمائیں۔

(نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:) پس میں جاؤں گا اور عرش کے نیچے جا کر اپنے رب کے ہاں سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔

---

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین باتیں ایسی فرمائی تھیں جو بظاہر جھوٹ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں جھوٹ نہیں جب بتوں کو توڑا تو بڑے بت کے بارے میں فرمایا "بل فعله كبيرهم بلکہ ان میں سے بڑے نے کیا" (حالانکہ آپ نے خود کیا) جب وہ لوگ میلے پر جا رہے تھے تو آپ نے فرمایا "انی سقیم میں بیمار ہوں" اور ظالم بادشاہ کے سامنے تشریف لے گئے تو حضرت سارہ سے فرمایا تم کہنا یہ میرے بھائی ہیں تو ان سب سے اصل مفہوم مراد نہیں۔ كبيرهم پر عطف ہو تب اعتراض ہے اور فعله پر عطف ہو تو اعتراض نہیں ہوتا آپ کا مقصد یہ تھا کہ جو بڑا ہے اور وہ آپ خود تھے۔ بیماری سے مراد یہ کہ میں تمہارے عقیدے سے متفق نہیں اور بہن سے دین کے اعتبار سے بہن مراد ہے کیونکہ بادشاہ ظالم تھا۔ لہٰذا یہ حقیقتاً جھوٹ نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

[2] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو تھپڑ مارا جو اسرائیلی کو مار رہا تھا تو وہ قبطی مر گیا۔ ۱۲ ہزاروی

پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تعریفوں اور اچھی ثناء سے وہ باتیں ظاہر کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی پر ظاہر نہیں کیں پھر کہا جائے گا اے محمد! علیہ السلام اپنا سر مبارک اٹھائیں' سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا اور سفارش کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی پس میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا اے میرے رب! میری امت کو بخش دے اے میرے رب! میری امت کو بخش دے پس کہا جائے گا اے محمد! اپنی امت میں سے جس کو چاہیں کسی حساب کے بغیر جنت کے دروازوں میں سے دائیں دروازوں سے داخل کر دیں اور دوسرے دروازوں میں وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۰_۴۷۱۲)

سوال: ''فتح الباری میں فرمایا کہ'' حضرت نوح علیہ السلام سے یہ کہنا کہ ''آپ زمین والوں میں سے سب سے پہلے رسول ہیں'' تو حضرت آدم علیہ السلام نبی' مرسل ہیں اسی طرح حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہ السلام بھی (نبی) مرسل ہیں) اور وہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہیں؟

جواب: (اس اعتراض کے) جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیت' زمین والوں کے ساتھ مقید ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے ساتھ جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ زمین والوں کی طرف نہیں بھیجے گئے یا یہ کہ وہ تینوں نبی تھے' رسول نہیں تھے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ابن بطال کا رجحان اسی بات کی طرف ہے۔

لیکن قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اعتراض کیا جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا اور وہ صریح کی طرح کہ وہ (آدم علیہ السلام) مرسل تھے اور اس حدیث میں حضرت شیث علیہ السلام پر صحیفے اتارنے کا واضح ذکر ہے اور وہ ارسال کی علامات میں سے ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ آپ بنی اسرائیل میں سے تھے۔

ایک جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی رسالت ان کے بیٹوں کی طرف تھی اور وہ توحید پر تھے مقصد یہ تھا کہ ان کو اپنی شریعت کی تعلیم دیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کافروں کی طرف تھی کہ ان کو توحید کی دعوت دیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے ''کشف علوم الاخرہ میں'' ذکر کیا ہے کہ میدان محشر والوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہوگا اسی طرح ہر دو نبیوں کے درمیان حتیٰ کہ ہمارے نبی علیہ السلام تک پہنچنے میں بھی یہ وقفہ ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس سلسلے میں کسی اصل پر آگاہی نہیں ہوئی اور اس کتاب میں اکثر احادیث بے اصل ہیں لہٰذا ان میں سے کسی بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔[1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

لست بصاحب ذاک انما کنت خلیلا من وراء وراء. میں اس منصب کے لائق نہیں ہوں' یہ مقام بہت پیچھے ہے۔

---

[1] امام بدر الدین عینی نے اس بات پر تنقید کی ہے کہ امام عسقلانی نے جو کچھ فرمایا ہے یہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی شان کے مناسب نہیں اور کسی بات پر عدم آگاہی سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کو بھی اس سے آگاہی نہ ہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۷۴)

دونوں (وراء وراء) میں ہمزہ پر زبر ہے اور تنوین نہیں ہے۔
اور اضافت نہ ہونے کی وجہ سے دونوں مبنی بر ضم بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے "من قبل" اور "من بعد" اضافت سے منقطع ہونے کی وجہ سے ان پر ضمہ ہے۔ اس بات کو ابوالبقاء نے اختیار کیا۔
اخفش نے کہا کہ کہا جاتا ہے "لقیتہ من وراء" ضمہ کے ساتھ ہے اور شاعر نے کہا:

اذا انا لم اومن علیک ولم یکن لقاؤک الا من وراء وراء

"جب میں تجھ سے بے خوف نہ ہوں اور تمہاری ملاقات نہ ہو مگر فلاں فلاں کے بعد"۔
ان دونوں (وراء، وراء) پر نصب اور تنوین بھی جائز ہے اور عمدہ ہے۔
ابوعبداللہ ابی (محمد بن خلفہ بن عمر المالکی محدث، حافظ، فقیہ، ناظم، مفسر، متوفی ۸۲۷ھ) نے کہا: (الاعلام ج ۶ ص ۱۱۵، البدر الطالع ج ۲ ص ۱۶۹، نیل الابتہاج رقم الحدیث: ۴۸۷، شجرۃ النور ج ۱ ص ۲۴۴، معجم المطبوعات رقم الحدیث: ۳۶۳، کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۷۔ ۱۲۵۶)

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں قریب کرنے اور رہنمائی کرنے میں حبیب کی طرح نہ تھا۔ کہا گیا ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ مجھے جو فضیلت دی گئی وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے تھی تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام کیا۔
لفظ وراء کا تکرار ہمارے نبی ﷺ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ کو دیدار خداوندی اور کلام الٰہی کی سماعت بلاواسطہ حاصل ہوئی گویا انہوں نے فرمایا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوں اور وہ حضرت محمد ﷺ کے بعد ہیں اس سلسلے میں مزید گفتگو خصائص کے بیان میں ہو چکی ہے۔
اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بظاہر خلاف واقعہ تین باتوں کا ذکر کیا تو امام بیضاوی نے فرمایا کہ یہ کلام کے اشارات سے ہے لیکن جب ظاہر میں جھوٹ کی صورت تھی تو آپ نے یہ خوف محسوس کیا کہ آپ شفاعت نہیں کر سکیں گے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی پہچان زیادہ رکھتا ہے اور اس کو اس کے ہاں زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ ڈرتا ہے۔
اور یہ فرمانا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جسے امام احمد اور امام نسائی نے ذکر کیا ہے یوں آیا ہے کہ (وہ فرمائیں گے) مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود قرار دیا گیا۔
حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں مجھ سے اللہ کے نبی ﷺ نے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ میں پل صراط کے پاس کھڑا اپنی امت کا انتظار کروں گا کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اور کہیں گے اے محمد! (ﷺ) یہ انبیاء کرام آپ کے پاس آئے ہیں اور آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں وہ تمام امتوں کے اجتماع کو جس طرف چاہے بکھیر دے کیونکہ وہ سخت مشکل میں ہیں۔
تو ان روایات سے نبی اکرم ﷺ کے اس وقت کھڑے ہونے کا مقام متعین ہوا اور یہ سب کچھ جو وہاں کھڑے ہونے والوں کا کلام بیان ہوا، کفار کے جہنم میں گرنے کے بعد پل صراط کے پاس ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہمارے نبی ﷺ کو خطاب کریں گے اور یہ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ سے اس سلسلے میں سوال کریں گے۔
ابن ابی شیبہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی جو حدیث نقل کی ہے اس میں یوں ہے کہ وہ سب، حضرت محمد

(ﷺ) کے پاس آ کر کہیں گے اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے (ہر بھلائی کا دروازہ) آپ کے ذریعے کھولا اور آپ پر (سلسلۂ نبوت) ختم کیا' آپ کے سبب سے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دیئے اور آپ اس مقام پر تشریف لائے' آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس پریشانی میں ہیں؟ پس ہمارے لئے ہمارے رب کے ہاں سفارش کیجئے تو آپ فرمائیں گے میں تمہارا صاحب ہوں (اسی کام کے لیے متعین ہوں) تو آپ' لوگوں کے درمیان سے نکل کر جنت کے دروازے تک پہنچ جائیں گے۔

سوال: نبی اکرم ﷺ کا وہاں سے جنت کی طرف منتقل ہونے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: میدان محشر جب پیشی اور حساب کا مقام ہے تو وہ خوف اور ڈر کی جگہ ہے اور شفاعت کرنے والوں کے لئے مناسب ہے کہ عزت واکرام کے مقام پر کھڑے ہوں۔

ابویعلیٰ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) پس میں اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کروں گا کہ وہ اس کی وجہ سے مجھ سے راضی ہوگا اور میں اس کی مدح کروں گا کہ وہ اس کے باعث مجھ سے راضی ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی طرف آئیں گے تو آپ سجدہ ریز ہوجائیں گے اور یہ (دنیا کے) ایک ہفتہ کے برابر ہوگا پس کہا جائے گا اے محمد! ﷺ اپنا سر انور اٹھایئے۔

(عند ابی عوانہ)

حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائے گا کہ حضرت محمد ﷺ کے پاس جا کر ان سے کہیں کہ اپنے سر انور اٹھائیے۔

اس بنیاد پر معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان سے مجھ سے فرمائے گا اور ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سجدے سے پہلے' اس کے بعد اور اس کے اندر اپنی حمد کرنے کا الہام فرمائے گا اور ہر مقام پر اس کے مناسب ہوگا' کیونکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں گا تو وہ ایسی تعریفیں میرے دل میں ڈالے گا جن پر میں قادر نہیں ہوں گا پھر میں سجدے میں چلا جاؤں گا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

اور ''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں ہے کہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی تعریف کروں گا جو مجھے سکھائے گا۔

''صحیح بخاری ومسلم میں'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں عرش کے نیچے آ کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تعریف اور اچھی ثناء سے ایسی باتیں ظاہر کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولیں پھر کہا جائے گا اے محمد! (ﷺ) اپنا سر انور اٹھایئے۔

''صحیح بخاری کی'' ایک روایت میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جسے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد واضح ہوگی پھر ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔

طیبی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میرے لئے شفاعت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ بیان کیا جائے گا میں اس پر ٹھہر جاؤں گا اور اس سے تجاوز نہیں کروں گا مثلاً وہ فرمائے گا میں نے ان لوگوں کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول کی جنہوں نے جماعت میں کوتاہی کی پھر جنہوں نے نماز میں کوتاہی کی پھر ان کے بارے میں جو شراب پیتے تھے پھر زنا کار لوگوں کے بارے میں اسی طریقے پر ہوتا رہے گا۔

جس بات پر احادیث کا سیاق دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس (جہنم) سے نکالے جانے والوں کے اعمال صالحہ میں مراتب کی وضاحت ہوتی ہے۔ جس طرح امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت یحیٰی قطان کے واسطہ سے حضرت سعید بن عروبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

امام احمد نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں نقل کیا کہ (حضور ﷺ نے فرمایا:) میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت' میری امت' تو وہ فرمائے گا آپ ہر اس شخص کو نکال لیں جس کے دل میں جَو کے برابر (بھی ایمان) ہے۔ حضرت سلمان کی روایت میں ہے کہ آپ ہر اس شخص کی شفاعت فرمائیں گے جس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر (ایمان) ہوگا پھر جَو کے برابر اور پھر رائی کے برابر' تو یہ مقامِ محمود ہے۔

''صحیح مسلم میں'' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

ارجعوا فمن وجدتم فی قلبه مثقال دینار من خیر. واپس جاؤ پس جس کے دل میں دینار کے برابر نیکی پاؤ (اسے میری رحمت سے جنت میں داخل کرو)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ خیر کا معنیٰ ایمان کے ساتھ یقین ہے۔

اور ''صحیح بخاری میں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جو قول ہے کہ ''ان کو جہنم سے نکال لیں'' تو داؤدی نے کہا اس حدیث کے راوی نے ایسی چیز پر سواری کی جس کی کوئی اصل نہیں۔ اس لئے کہ حدیث کے شروع میں میدان محشر کی سختی سے آرام پانے کے لئے شفاعت کا ذکر ہے اور اس کے آخر میں جہنم سے نکالنے کی شفاعت کا ذکر ہے یعنی یہ میدان محشر سے پھرنے' پل صراط پر سے گزرنے اور اس حالت میں جہنم میں گرنے والوں کے گرنے کے بعد ہوگا پھر اس کے بعد (جہنم سے) نکالنے کے لیے شفاعت ہوگی اور یہ مضبوط اعتراض ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اور اس سے پہلے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے پس وہ حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے اور آپ کھڑے ہوں گے اور آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور آپ کے ساتھ امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا تو وہ دونوں پل صراط کے دونوں پہلوؤں میں دائیں بائیں کھڑے ہوں گے یعنی پل صراط کی دونوں جانب (کھڑے ہوں گے)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا یہ کلام کی تفصیل ہے۔

کیونکہ میدان محشر میں جس شفاعت کے لئے لوگ مجبور ہوں گے وہ وہاں ٹھہرنے کی پریشانی سے لوگوں کے آرام پانے کے لئے ہوگی پھر (جہنم سے) نکالنے کے لئے شفاعت ہوگی۔

امانت اور رحم کے (پل صراط کے دونوں طرف) کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کی عظمتِ شان اور بڑائی

(بعض نسخوں میں خوف کا لفظ ہے) کی وجہ سے بندوں پر ان کی رعایتِ حق کے سلسلے میں جو کچھ لازم ہے ان کو امین اور خائن، صلہ رحمی کرنے والے اور قطع تعلق کرنے والے کے لئے کھڑا کیا جائے گا پس یہ اہلِ حق کی طرف سے لڑیں گے اور جھوٹوں کے خلاف گواہی دیں گے۔

میدان محشر میں جو کچھ ہوگا اس کی ترتیب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں میدان محشر میں جمع ہونے کے ذکر کے بعد کے بارے میں آیا ہے کہ ہر امت کو اس کے پیچھے چلنے کا حکم ہوگا جس کی وہ پوجا کرتی تھی پھر منافقوں کو مؤمنوں سے جدا کیا جائے گا پھر پل صراط کو رکھنے اور اس پر سے گزرنے کے بعد شفاعت ہوگی تو گویا ہر امت کو اپنے معبود کے پیچھے چلنے کا حکم سب سے پہلا فیصلہ ہوگا اور پھر محشر کی تکلیف سے راحت دی جائے گی۔

اس طریقے پر احادیث کے مضامین کو جمع اور ان کے معانی کو ترتیب دی جاسکتی ہے۔

پس ظاہر ہوا کہ پہلی شفاعت مخلوق کے درمیان فیصلہ کے لئے ہوگی اور ان لوگوں کے لئے شفاعت جو جہنم میں گرنے کے بعد نکالے جائیں گے، بعد میں ہوگی، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا، میزان اور صحیفوں کا اڑنا اسی جگہ ہوگا پھر آواز دی جائے گی کہ ہر امت اسے تلاش کرے جس کی وہ پوجا کرتے تھے پس کافر آگ میں گریں گے پھر مؤمنوں اور منافقوں کے درمیان سجدے کے ذریعے امتحان ہوگا جب کشفِ ساق ہوگا (اس کا مطلب اللہ تعالیٰ جانتا ہے) پھر پل صراط رکھنے اور اس پر گزرنے کا حکم ہوگا تو منافقین کا نور بجھ جائے گا تو وہ بھی آگ میں گر جائیں گے اور مومن اس پر سے گزر کر جنت میں جائیں گے، گناہ گاروں میں سے بعض گر جائیں گے اور جو نجات پائیں گے ان کو پل کے پاس کھڑا کیا جائے گا تا کہ ان کے درمیان حساب و کتاب ہو پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی اقسام

امام نووی رحمہ اللہ نے اور ان سے پہلے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شفاعت کی پانچ اقسام ہیں:

(۱) میدان محشر کی پریشانی سے آرام پہنچانے کے لئے۔

(۲) ایک جماعت کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرنے کے لئے۔

(۳) ایک جماعت جن کا محاسبہ ہوا اور وہ عذاب کے مستحق ہوئے ان کو عذاب سے بچانے کے لئے۔

(۴) جو نافرمان لوگ جہنم میں داخل کئے گئے ان کو نکالنے کے لئے۔

(۵) درجات کی بلندی کے لئے۔

پہلی شفاعت

یہ شفاعت لوگوں کو میدان محشر کی پریشانی سے راحت پہنچانے کے لئے ہوگی اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے دلالت کرتی ہے اور "صحیح بخاری میں" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا تو وہ کہیں گے اگر ہم اپنے رب کے ہاں شفاعت پیش کریں حتیٰ کہ وہ ہمیں اس مقام سے راحت عطا فرمائے (تو اچھا ہے) پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی' اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو سجدہ کریں تو آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں وہ فرمائیں گے میرا یہ منصب نہیں اور وہ اپنی لغزش کا ذکر کریں گے (اور فرمائیں گے) حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک ایک نبی کے پاس جانے کا ذکر کیا یہاں تک کہ فرمایا وہ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا جب میں اسے دیکھوں گا تو سجدہ میں چلا جاؤں گا' اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے اس حالت پر رکھے گا پھر مجھے کہا جائے گا اپنا سر اٹھائیں' سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی' شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی تعریف کروں گا جس کی (وہ) مجھے تعلیم دے گا۔

دوسری شفاعت

ایک جماعت کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرنا' اس بات پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا آخری حصہ دلالت کرتا ہے ''جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے'' اور پہلے ذکر کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا اے میرے رب! میری امت (کو بخش دے) اے میرے رب! میری امت (کو بخش دے) تو کہا جائے گا اے محمد! (ﷺ) اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں' جنت کے دروازوں میں سے درمیانے دروازے سے داخل کریں۔

ابو حامد (غزالی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: ستر ہزار وہ ہوں گے جو حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے' ان کے لئے میزان اٹھایا نہیں جائے گا اور نہ وہ اعمال نامے (صحیفے) لیں گے اور یہ صحیفے اس طرح ہوں گے کہ وہ برأت نامے ہوں گے اور ان پر لکھا ہوگا:

لا الہ الا اللہ' ھذہ برأۃ فلان ابن فلان قد غفرلہ وسعد سعادۃ لا شقاء بعدھا ابدا.

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ فلاں بن فلاں کی برأت ہے' اسے بخش دیا گیا اور ایسی سعادت مندی عطا کی گئی کہ اس کے بعد کبھی بد بخت نہیں ہوگا تو وہ اس مقام سے زیادہ سرور والی کسی چیز سے نہیں گزرے گا۔

تیسری شفاعت

وہ جماعت جن کا حساب ہو گیا ان کو عذاب سے بچانے کے لئے شفاعت ہوگی اور یہ بات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے جو امام مسلم نے نقل کی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پل صراط پر: ''رب سلم سلم. اے رب! بچالے بچالے'' فرمارہے ہوں گے۔

چوتھی شفاعت

جو گناہ گار جہنم میں داخل ہوں گئے ان کو نکالنے کے لئے شفاعت ہوگی اس کے دلائل بے شمار ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ ایک جماعت حضرت محمد ﷺ کی شفاعت سے جہنم سے نکلے گی پس وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو جہنمی کہا جائے گا۔[1]

پانچویں شفاعت

یہ شفاعت درجات کی بلندی کے لئے ہوگی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضہ" میں فرمایا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور انہوں نے اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی۔ واللہ اعلم

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفاعت کی چھٹی قسم بھی ذکر کی ہے اور یہ شفاعت وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے لئے ان کے عذاب میں تخفیف کے لئے فرمائی ہے' جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ابوطالب آپ کی حفاظت کرتے' آپ کی مدد کرتے اور آپ کے لئے (دوسروں پر) غضبناک ہوتے تھے کیا اس کا ان کو فائدہ ہوا؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے ان کو جہنم (کی آگ) میں غوطہ زن پایا تو ان کو یہاں تک لے آیا کہ عذاب ان کے ٹخنوں تک ہے۔

صحیح حدیث میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا شاید قیامت کے دن ان کو میری شفاعت فائدہ دے تو وہ جہنم میں کم عذاب میں ہوں گے جو ان کے ٹخنوں تک ہوگا جس سے ان کا دماغ کھول جائے گا۔

بعض حضرات نے ساتویں شفاعت کا اضافہ کیا ہے اور یہ شفاعت اہل مدینہ کے لئے ہوگی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ کی سختیاں برداشت کرے گا میں اس کے لئے قیامت کے دن گواہ یا (فرمایا) شفاعت کرنے والا ہوں گا۔

اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اعتراض کیا کہ شفاعت کا تعلق پہلی پانچ قسموں میں سے کسی ایک سے ہی ہے' اس سے باہر نہیں۔

نیز اگر اس طرح شمار کرنے لگیں تو عبدالملک بن عباد کی حدیث بھی شمار کی جائے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: سب سے پہلے میں اہل مدینہ کی شفاعت کروں گا پھر اہل مکہ کے لئے اور پھر طائف والوں کے لئے' اس حدیث کو امام بزار نے نقل کیا۔

دوسری شفاعت اس کے لئے ہے جو آپ کی قبر شریف کی زیارت کرے اور ایک شفاعت اس کے لئے جو مؤذن کی

---

[1] "صحیح بخاری میں ہے" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جہنم سے ایک جماعت نکالی جائے گی اور وہ جل چکے ہوں گے پھر ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور جنتی لوگ ان کو جہنمی کے نام سے پکاریں گے" طبرانی میں یہ اضافہ ہے کہ "ان کے چہروں کی سیاہی کی وجہ سے اس نام سے پکاریں گے وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم سے اس نام کو زائل کر دے تو اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا پس وہ جنت کی نہر میں غسل کریں گے تو یہ نام زائل ہو جائے گا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۸۰)

اذان کا جواب دے پھر حضور ﷺ پر درود شریف پڑھے اس کے علاوہ نیکوکاروں کی کوتاہیوں سے درگزر کے لئے شفاعت لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ سب پانچویں قسم میں داخل ہیں۔

قرطبی نے یہ اضافہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے کہ آپ کی امت سب سے پہلے جنت میں داخل ہو۔ اس پر روایت دلالت کرتی ہے (آگے اصل کتاب میں خالی جگہ ہے)۔

فتح الباری میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جن لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی ان لوگوں کے جنت میں داخلے کی شفاعت فرمائیں گے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ (نیکیوں میں) سبقت کرنے والے جنت میں حساب کے بغیر داخل ہوں گے۔

اعمال صالحہ میں میانہ روی اختیار کرنے والے (عام طور پر نیک کام کرنے والے) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے' اپنے آپ پر ظلم کرنے والے اور اعراف والے (جنت و دوزخ کے درمیان دیوار کو اعراف کہتے ہیں) نبی اکرم ﷺ کی شفاعت سے داخل ہوں گے۔

اصحابِ اعراف کے بارے میں زیادہ ترجیح اس قول کو ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہیں۔[1]

ایک شفاعت اور ہے اور یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے کلمہ توحید پڑھا اور کوئی نیکی نہ کی کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جسے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (حضور ﷺ فرمائیں گے) میں کہوں گا اے میرے رب! جن لوگوں نے کلمہ طیبہ پڑھا ان کے بارے میں مجھے اجازت عطا فرما تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ کے لئے یہ بات نہیں لیکن مجھے اپنی عزت' کبریائی اور عظمت کی قسم جو شخص کلمہ طیبہ پڑھے گا میں اس کو ضرور بضرور جہنم سے نکالوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۶)

پس (پہلی) پانچ پر چار زائد ہیں اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ زائد نہیں ہیں جس طرح دو قبروں والوں کے عذاب میں تخفیف کے لئے شفاعت [2] وغیرہ زائد نہیں کیونکہ ان سب کا تعلق دنیا سے ہے۔

سوال: نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لئے کونسی شفاعت کو جمع رکھا ہے پہلی شفاعت اس امت سے خاص نہیں بلکہ وہ سب کو آرام پہنچانے کے لئے ہے اور یہ مقام محمود ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اسی طرح باقی شفاعتوں کا معاملہ ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ ان میں باقی امتیں بھی شریک ہیں؟

جواب: یہ بھی احتمال ہے کہ سب سے بڑی شفاعت مراد ہو جو محشر کی پریشانی سے راحت کے حصول کے لئے ہوگی وہ اگرچہ اس امت کے ساتھ خاص نہیں لیکن اس میں اصل یہی امت ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں یہی وجہ ہے کہ اس

---

[1] ابن مردویہ اور ابوالشیخ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے تو آپ نے فرمایا وہ اعراف والے ہیں جو بھی جنت میں نہیں جائیں گے اور منتظر ہوں گے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۸۱)

[2] نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور فرمایا ان کو کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا بلکہ ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا پھر ایک شاخ منگوا کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور ان قبروں پر لگا دیئے فرمایا جب تک یہ خشک نہیں ہوں گے ان کو عذاب نہیں ہوگا۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۷۲)

سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ نے فرمایا "یا رب امتی امتی" پس ان کے لئے دعا فرمائیں گے تو قبول ہوگی اور دوسرے اس سلسلے میں ان کے تابع ہوں گے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ دوسری شفاعت مراد ہو یعنی جس کے ذریعے ایک جماعت حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوگی اور یہ اس امت کے ساتھ خاص ہے اس سلسلے میں حدیث میں آیا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

یدخل من امتی الجنة سبعون الفا بغیر حساب. (صحیح بخاری ومسلم)

میری امت میں سے ستر ہزار افراد حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

اور یہ بات باقی امتوں کے بارے میں منقول نہیں ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مطلق شفاعت مراد ہو جو پانچوں شفاعتوں میں مشترک ہے اور دوسری امتوں کا ان سب میں یا بعض میں اس امت کے ساتھ شریک ہونا اس بات کے منافی نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی آخری دعا آپ کی امت کی شفاعت کے لئے ہو ممکن ہے آپ دوسری امتوں کے لوگوں کے لئے شفاعت نہ فرمائیں بلکہ ان کے لئے خود ان کے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام شفاعت کریں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسروں کے لئے شفاعت ضمنی طور پر ہو جس طرح شفاعت عظمیٰ کے سلسلے میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

انی لارجو ان اشفع یوم القیامة عدد ما فی الارض من شجرة ومدرة. (مسند احمد)

مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے دن زمین میں پائے جانے والے درختوں اور ڈھیلوں کی گنتی کے برابر (لوگوں) کی شفاعت کروں گا۔

حساب اور جزاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نحن آخر الامم واول من یحاسب یقال این الامة الامیة ونبیها فنحن الاخرون الاولون. (سنن ابن ماجہ)

ہم تمام امتوں کے آخری ہیں اور سب سے پہلے ہمارا (اس امت کا) حساب ہوگا کہا جائے گا (کسی سے نہ پڑھے ہوئے نبی کی امت) امی امت اور اس کے نبی کہاں ہیں؟ پس ہم سب سے آخر (اور) سب سے پہلے ہیں۔

ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلے کا ارادہ فرمائے گا تو ایک ندا کرنے والا اعلان کرے گا 'حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کہاں ہے؟ پس میں کھڑا ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے پیچھے آئے گی اور وضو کے اثر سے ان کے اعضاء چمکتے ہوئے روشن ہوں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم سب سے پچھلے سب سے پہلے ہیں اور سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا اور باقی امتیں ہمارے راستے سے ہٹ جائیں گی اور وہ کہیں گے قریب تھا کہ یہ امت سب کے سب نبی ہوتے۔

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (قتل) کا حساب ہوگا۔

''سنن نسائی میں'' مرفوعاً مروی ہے:

اول ما یحاسب علیه العبد الصلاة واول ما یقضی بین الناس فی الدماء.

سب سے پہلے بندے سے نماز کا حساب ہوگا اور سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خونوں کا فیصلہ ہوگا۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

سب سے پہلے میں رحمٰن کے سامنے مقدمہ پیش کروں گا ان کی مراد وہ واقعہ ہے جب (بدر کے میدان میں) آپ کو اور آپ کے دو ساتھیوں (مطلب یہ کہ) تینوں کو لڑنے کی دعوت دی گئی۔ [1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ

یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب (کے دین) کے بارے میں جھگڑے۔ (الحج:19)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن بندے کے قدم اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے حتیٰ کہ اس سے چار کاموں کے بارے میں سوال کیا جائے۔ (۱) اس کی عمر کے بارے میں کہ کہاں خرچ کی (۲) اس کے علم کے بارے میں کہ اس میں کیا عمل کیا (۳) اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا (۴) اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کس کام میں فنا کیا؟ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حسن صحیح ہے۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من نوقش الحساب عذب.

جس سے حساب میں چھان بین ہوئی اسے عذاب دیا گیا۔

(مطلب یہ ہے کہ حساب مکمل چھان بین کے ساتھ ہوا کسی قسم کی رعایت اور چشم پوشی نہ ہوئی تو یہ بھی عذاب ہے۔۱۲ ہزاروی)۔

امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: قیامت کے دن انسان کے لئے تین قسم کے نامۂ اعمال نکالے جائیں گے ایک وہ نامۂ اعمال ہوگا جس میں نیک اعمال ہوں گے دوسرا وہ جس میں گناہ ہوں گے اور تیسرا وہ جس میں اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہوگا تو اللہ تعالیٰ سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا۔ راوی فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا نعمتوں کے رجسٹر میں سے (سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا) اس کے نیک اعمال سے اپنی قیمت وصول کر لو پس وہ (نعمت) اس کے نیک اعمال کو گھیر لے گی اور کہے گی مجھے تیری عزت کی قسم! میری قیمت پوری نہیں ہوئی جبکہ گناہ اور دیگر نعمتیں ابھی باقی ہوں گی اور

[1] میدان بدر میں کفار کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ اس کا بھائی عتبہ بن ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید بن عتبہ نکلے اور ان کے مقابلے میں حضرت علی المرتضیٰ' حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث مطلبی رضی اللہ عنہم میدان میں آئے۔۱۲ ہزاروی

نیک اعمال چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر رحم کا ارادہ فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا:

اے میرے بندے! میں نے تیرے لئے تیری نیکیوں کو دوگنا کر دیا اور تیرے گناہوں کو معاف کر دیا' راوی فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ فرمایا میں نے اپنی نعمتیں تجھے ہبہ کر دیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن ہر چیز کا بدلہ دیا جائے گا حتیٰ کہ دو بکریاں جنہوں نے ایک دوسرے کو سینگ مارے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں) اس دوران کہ رسول اکرم ﷺ تشریف فرما تھے جب ہم نے دیکھا کہ آپ مسکرا پڑے حتیٰ کہ آپ کے سامنے کے دانت مبارک ظاہر ہوئے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی بات پر مسکرائے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے دو آدمیوں کا مقدمہ رب العزت کے سامنے پیش ہوا تو ان میں سے ایک نے کہا اے میرے رب! میرے (اس) بھائی سے میرا حق لے لے' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اپنے بھائی سے کیا سلوک کرے گا جب کہ اس کی نیکیوں میں سے کچھ نہیں بچا اس نے عرض کیا اے میرے رب! میرے (گناہوں کے) بوجھ اس پر ڈال دے' نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ رو رہے تھے پھر فرمایا بے شک یہ بہت بڑا دن ہو گا' لوگ محتاج ہوں گے کہ ان سے ان کے بوجھ اٹھائے جائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مطالبہ کرنے والے سے فرمایا آنکھ اٹھا کر دیکھو۔ اس نے عرض کیا اے میرے رب! میں سونے اور چاندی کے شہر دیکھ رہا ہوں جن پر موتی جڑے ہوئے ہیں یہ کس نبی کے لئے ہیں؟ یا کس صدیق کے لئے ہیں؟ یا کس شہید کے لئے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اس کی قیمت ادا کرے اس نے عرض کیا اے میرے رب! اس کی قیمت کس کے پاس ہو گی؟ فرمایا تیرے پاس' پوچھا کس طرح؟ فرمایا اپنے بھائی کو معاف کرنے کے ذریعے (تم اس کی قیمت ادا کر سکتے ہو) اس نے کہا اے میرے رب! میں نے اس کو معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کا اس کو جنت میں لے جاؤ اس وقت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باہم صلح رکھو بے شک اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) مسلمانوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

اس حدیث کو امام حاکم اور بیہقی نے قیامت کے دن اٹھنے کی بحث میں ذکر کیا۔

یہ دونوں عباد بن ابی شیبہ حبطی سے اور وہ حضرت سعید بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں امام حاکم نے فرمایا اس کی سند صحیح ہے انہوں نے اسی طرح فرمایا۔

---

[1] یہ عدل کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ہو گا پھر ان جانوروں کو مٹی کر دیا جائے گا' حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ تمام مخلوق انسان اور جانور وغیرہ میدان محشر میں جمع کئے جائیں گے اور انصاف کا عمل ہو گا حتیٰ کہ بے سینگ بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا پھر ان کو مٹی کر دیا جائے گا اور یہی وقت ہے جب کافر کہے گا' یلیتنی کنت ترابا کاش میں مٹی ہو جاتا''۔ (زرقانی ج ۸ ص ۳۸۵)

منقول ہے کہ اگر کسی شخص کو ستر انبیاء کرام کے (ثواب کے) برابر ثواب ہو اور اس پر کسی شخص کا نصف دانق (درہم کا چھٹا حصہ دانق ہے) کا دعویٰ ہو تو وہ جنت میں نہیں جائے گا حتیٰ کہ اس کا مدمقابل راضی ہو جائے اور کہا گیا ہے کہ ایک دانق کے بدلے سات سو مقبول نمازیں لے کر اس کے مدعی کو دی جائیں گی یہ بات امام قشیری نے "التحبیر" میں ذکر کی ہے۔

حساب کا کام مکمل ہونے کے بعد اعمال کا وزن ہوگا کیونکہ وزن جزا کے لئے ہوگا پس مناسب ہے کہ محاسبہ کے بعد ہو کیونکہ وہ اعمال کا اندازہ کرنے کے لئے ہوگا اور وزن ان کی مقدار ظاہر کرنے کے لئے تاکہ جزاء اس کے حساب سے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں میزان کا ذکر جمع کے صیغے سے کیا ہے جب کہ حدیث میں مفرد اور جمع دونوں طرح آیا ہے تو کہا گیا کہ واحد لفظ والی صورت اس بات پر محمول ہے کہ جنس مراد ہے اس طرح دونوں کلام جمع ہوں گے بعض حضرات نے کہا یہ بھی احتمال ہے کہ (میزان کا) متعدد ہونا اعمال کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہو تو وہاں ایک عمل کرنے والے کے لئے کئی میزان ہوں گے ہر میزان میں اس کے اعمال میں سے ایک قسم کے اعمال تولے جائیں گے۔

ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ صرف ایک میزان ہوگا جس میں سب کے اعمال تولے جائیں گے' آیت کریمہ میں جمع کا صیغہ اس کی عظمت کے لئے آیا ہے' حقیقتِ عدد مراد نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مثل ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ۝ (الشعراء: ۱۰۵) حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔

(حضرت نوح علیہ السلام کے لئے جمع کا صیغہ (مرسلین) عظمت کے پیش نظر ہے) مراد ایک رسول ہیں اسی توجیہ پر اعتماد ہے اور اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔

میزان رکھنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اکثر روایات میں یوں آیا ہے کہ جنت' عرش کے دائیں جانب اور جہنم عرش کے بائیں طرف رکھی جائے گی پھر میزان کو لا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے نصب کیا جائے گا۔

پس نیکیوں کا پلڑا جنت کے مقابل اور گناہوں کا پلڑا جہنم کے مقابل رکھا جائے گا۔ اس روایت کو حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول" میں ذکر کیا ہے۔

جس چیز کا وزن کیا جائے گا اس میں بھی اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اعمال کو ذاتی طور پر تولا جائے گا اور یہ اگرچہ عرض ہیں (جوہر یعنی جسم نہیں ہیں) مگر قیامت کے دن ان کو مجسم کر کے وزن کیا جائے گا۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ اعمال کے صحیفے (رجسٹر) تولے جائیں گے اور اس پر حدیث بطاقہ جو مشہور ہے' دلالت کرتی ہے اور اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت میں سے ایک شخص کو مخلوق کے سامنے لائے گا اور اس پر ننانوے رجسٹر کھولے گا ہر رجسٹر حد نگاہ تک ہوگا پھر فرمائے گا کیا تو اس میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے محافظ لکھنے والے فرشتوں نے تجھ

پر کوئی ظلم کیا؟ وہ عرض کرے گا نہیں یا رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں؟ اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا پس ایک پرچی نکالی جائے گی جس میں لکھا ہوگا ''اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ رسولہ'' پھر فرمائے گا اس کے وزن کے پاس حاضر ہو تو وہ کہے گا اے میرے رب! ان (بڑے بڑے) رجسٹروں کے سامنے اس پرچی کی کیا حیثیت ہے؟

اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا' حضور ﷺ نے فرمایا ایک پلڑے میں وہ رجسٹر رکھے جائیں گے اور دوسرے پلڑے میں وہ پرچی رکھی جائے گی آپ فرماتے ہیں ان رجسٹروں کا وزن کم اور پرچی کا وزن زیادہ ہوگا پس اللہ تعالیٰ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔ (سنن ترمذی' سنن ابن ماجہ' ابن حبان' المستدرک' البیہقی)

سوال: میزان کی شان یہ ہے کہ اس کے ایک پلڑے میں ایک چیز رکھی جائے گی اور دوسرے میں دوسری چیز' پس ایک پلڑے میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور دوسرے میں گناہ' اور توحید کے مقابلے میں کفر ہوتا ہے اور یہ بات محال ہے کہ ایک بندہ کفر اور ایمان دونوں کو اکٹھا لائے حتیٰ کہ ایک میں ایمان اور دوسرے میں کفر رکھا جائے؟

جواب: حکیم ترمذی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ میزان کے ایک پلڑے میں شہادت توحید رکھنا مراد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کلمہ پر جو نیکی مرتب ہوتی ہے وہ باقی تمام نیکیوں کے ساتھ رکھی جائے گی ان کے اس قول پر حدیث شریف کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں:

بلی ان لک عندنا حسنة. ہاں تیرے لئے ہمارے ہاں ایک نیکی ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے لئے ہمارے ہاں ایمان ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے ''لا الہ الا اللہ'' کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ نیکیوں میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ نیکیوں میں سے سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس حدیث کو امام بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

اور جس طرح قرطبی نے ''التذکرہ'' میں کہا ہے یہ بھی جائز ہے کہ دنیا میں اس کا یہ آخری کلام ہو جس طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من کان اخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنة. (مسند احمد' سنن ابوداؤد' المستدرک) جس آدمی کا آخری کلام ''لا الہ الا اللہ'' ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت قشیری کی ''التحبیر'' میں ہے کہ بعض حضرات سے خواب میں پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جواب دیا میری نیکیوں کا وزن کیا تو برائیاں نیکیوں پر غالب آ گئیں پس ایک تھیلی نیکیوں کے پلڑے میں گری جس سے وہ بھاری ہوگئیں' تھیلی کھولی گئی تو اس میں مٹی کی ایک مٹھی تھی جو میں نے ایک مسلمان کی قبر پر ڈالی تھی۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب مؤمن کی نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہوگا تو نبی اکرم ﷺ ایک پرچی نکالیں گے جو (انگلی کے) پورے جیسی ہوگی اسے میزان کے اس پلڑے میں ڈالیں گے جس میں نیکیاں ہوں گی تو نیکیاں زیادہ ہو جائیں گی۔ وہ مؤمن بندہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کرے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کا چہرہ انور کس قدر حسین اور آپ کا اخلاق کتنا اچھا ہے' آپ کون ہیں؟ آپ فرمائیں گے: میں تیرا نبی محمد ﷺ ہوں اور یہ تیرا درود شریف ہے جو تو نے مجھ پر بھیجا تھا اور جس وقت تجھے زیادہ حاجت ہے میں نے اس کا بدلہ دیا۔ (ابن ابی الدنیا)

امام غزالی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ قیامت کے دن ایک شخص کولایا جائے گا تو وہ کوئی ایسی نیکی نہیں پائے گا جس کے ذریعے اس کا (نیکیوں کا) پلڑا بھاری ہو اور دونوں پلڑے برابر ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت کے تحت اس سے فرمائے گا لوگوں میں جا کر کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو تمہیں نیکی دے اور اس کے ذریعے میں تجھے جنت میں داخل کروں تو وہ کسی ایسے شخص کو نہیں پائے گا جس سے اس سلسلے میں بات کرے مگر وہ یہی جواب دے گا کہ میں تجھ سے بھی زیادہ حاجت مند ہوں پس وہ مایوس ہو جائے گا تو ایک شخص اس سے کہے گا میں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی اور میرے نامۂ اعمال میں صرف ایک نیکی ہے اور میں خیال نہیں کرتا کہ وہ مجھے کچھ فائدہ دے گی یہ میری طرف سے بطور تحفہ قبول کرو وہ اسے لے کر خوشی خوشی جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا تیرا کیا بنا حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ کہے گا اے میرے رب! میرا معاملہ اس طرح اس طرح حل ہوا' راوی کہتے ہیں پس اللہ تعالیٰ اس کے اس ساتھی کو جس نے اسے نیکی دی ہوگی آواز دے گا اور فرمائے گا: میرا کرم تیرے کرم سے زیادہ وسیع ہے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور دونوں جنت میں چلے جاؤ۔

اسی طرح ایک دوسرے آدمی کے میزان کے دونوں پلڑے برابر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تو نہ جنتی ہے اور نہ جہنمی' تو ایک فرشتہ کاغذ لے کر آئے گا اور اس کو میزان میں رکھ دے گا اس میں لفظ ''اف'' لکھا ہوگا تو گناہوں کا پلڑا نیکیوں کے پلڑے پر غالب آجائے گا کیونکہ یہ نافرمانی کا کلمہ ہے اسے جہنم کی طرف لے جانے کا حکم ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا مطالبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کو واپس کرو' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا اے نافرمان بندے! تو واپسی کا مطالبہ کیوں کرتا ہے؟ وہ کہے گا اے میرے معبود! میں جہنم کی طرف جا رہا ہوں اور میں اپنے باپ کا نافرمان ہوں اور وہ بھی میری طرح جہنم کی طرف جا رہا ہے تو اس کا عذاب بھی مجھے دے اور اس کو اس سے بچالے۔

راوی کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو جائے گا اور فرمائے گا تو نے دنیا میں اس کی نافرمانی کی اور آخرت میں اس سے نیکی کر رہا ہے' اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت کی طرف لے جا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن میزان کی ذمہ داری حضرت جبریل علیہ السلام کے پاس ہوگی اور قیامت کے دن وہی اعمال کا وزن کریں گے۔

پلڑے کے وزنی اور ہلکا ہونے کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا آخرت میں بھاری پلڑا اوپر کو اٹھے گا اور یہ دنیوی معاملے کے برعکس ہوگا اور اس پر یہ آیت گواہ ہے:

اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ. (الفاطر:۱۰) اچھے کلمات اسی کی طرف اٹھتے ہیں۔

زرکشی فرماتے ہیں: یہ بات غریب (غیر مشہور) ہے اور یہ اس آیت سے ٹکراتی ہے:[1]

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ (القارعہ:۷) اور جس کے اوزان بھاری ہوں گے تو وہ اچھی زندگی میں ہوگا۔

اور کیا تمام اعمال تولے جائیں گے یا صرف ان کے خاتمہ کا وزن ہوگا تو حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں اعمال میں سے ان کے خاتموں کا وزن ہوگا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا ہے:

---

[1] قرآن مجید لغت عرب میں نازل ہوا اور اہل عرب کے ہاں بھاری پلڑا نیچے جھکتا ہے۔ زرقانی ج ۸ ص ۳۸۹

انما الاعمال بخواتیمھا. اعمال کا دارومدار ان کے خاتمہ پر ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۶۰۷)

حافظ ابونعیم نے حضرت نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من قضی لاخیہ حاجۃ کنت واقفا عند میزانہ فان رجح والا شفعت لہ. جس نے اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت کو پورا کیا میں اس کے میزان کے پاس کھڑا ہوں گا اگر وہ (نیکیوں کا پلڑا) بھاری ہوا تو ٹھیک ورنہ میں اس کی شفاعت کروں گا۔

پل صراط سے گزرنا

بعض اہل علم نے کہا ہے جو امام قرطبی نے ''التذکرہ میں'' نقل کیا کہ کوئی شخص پل صراط کو عبور نہیں کر سکے گا حتیٰ کہ سات پلوں پر سوال ہوگا پہلے پل پر اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بارے میں سوال ہوگا اور وہ توحید خداوندی کی شہادت ہے اگر خلوص کے ساتھ اس نے یہ شہادت دی ہوگی تو گزر جائے گا پھر دوسرے پل پر نماز کے بارے میں سوال ہوگا اگر اس نے نماز مکمل طور پر ادا کی ہوگی تو گزر جائیگا پھر تیسرے پل پر ماہ رمضان کے روزوں کے بارے میں سوال ہوگا اگر اس نے اچھی طرح رکھے ہوں گے تو پار ہو جائے گا پھر چوتھے پل پر زکوۃ کے بارے میں سوال ہوگا اگر مکمل طور پر ادا کی ہوگی تو پل کو عبور کرلے گا پھر پانچویں پل پر حج اور عمرہ کا سوال ہوگا اگر اس نے ان دونوں کو اچھی طرح ادا کیا ہوگا تو گزر جائے گا پھر چھٹے پل پر غسل اور وضو کے بارے میں سوال ہوگا اگر ان کو ٹھیک طریقے پر کیا ہوگا تو گزر جائے گا پھر ساتویں پل پر سوال ہوگا اور اس سے زیادہ مشکل پل نہیں ہوگا اس پر لوگوں پر کی گئی زیادتیوں (اور ان کے حقوق) کا سوال ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ پل صراط جہنم کی پیٹھ پر قائم کیا جائے گا میں اور میری امت اس پر سب سے پہلے گزرنے والے ہوں گے اور اس دن صرف رسل عظام کلام کریں گے اور رسولوں کی پکار یہ ہوگی ''اللھم سلم سلم یا اللہ! سلامتی سے گزار دے'' اور جہنم میں کنڈے ہوں گے جو سعدان (درخت) کے کانٹوں کی طرح ہوں گے البتہ وہ کتنے بڑے ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق پکڑیں گے ان میں سے بعض اپنے عمل کے مطابق ہلاک ہوں گے اور بعض کے اعضاء رائی کے دانے کی طرح ہو جائیں گے پھر نجات پائیں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۷۳)

''صحیح مسلم میں'' حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پل صراط پر کھڑے ''رب سلم سلم'' پکارتے ہوں گے حتیٰ کہ بندوں کے اعمال (نجات دینے سے) عاجز ہو جائیں گے اور یہاں تک کہ ایک مرد آئے گا اور وہ آہستہ آہستہ چل سکے گا اور فرمایا کہ پل صراط کے دونوں کناروں پر کنڈے ہوں گے جو لٹکے ہوئے ہوں گے اور ان کو حکم ہوگا تو گزرنے والے کو پکڑیں گے پس جس کو خراشیں آئیں گی وہ نجات پائے گا اور جس کو بیڑیاں ڈالی جائیں گی وہ جہنم میں جائے گا۔

اور یہ کنڈے وہ خواہشات ہیں جن کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جہنم کو ''خواہشات کے ساتھ گھیرا گیا

ہے''پس خواہشات جہنم کے کناروں پر رکھی گئی ہیں تو جو شہوت کی طرف بڑھے گا وہ جہنم میں گرے گا۔ یہ بات ابن عربی نے کہی ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ جس کو خراش آئے گی (آخر تک) تو پل صراط پر گزرنے والے تین قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ جو کسی خراش کے بغیر نجات پائیں گے دوسرے وہ جو پہلے مرحلے میں ہلاک ہوں گے اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو درمیان میں ہیں یعنی پہلے تکلیف پہنچے گی پھر نجات پائیں گے۔

''جامع ترمذی میں'' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث منقول ہے کہ پل صراط پر مومنوں کی نشانی ''رب سلم سلم'' کے الفاظ ہوں گے اور مومنوں کا شعار ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ خود یہ کلمات کہیں گے بلکہ رسل عظام یہ کلمات کہیں گے وہ اہل ایمان کے لئے سلامتی کی دعا مانگیں گے تو اسے ان کا شعار کہا جائے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا کیا جائے گا پس ان میں سے بعض کو ان کا نور بہت بڑے پہاڑ کی طرح دیا جائے گا جو ان کے سامنے دوڑے گا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نور کے حساب سے گزریں گے' ان میں سے بعض پلک جھپکنے کی مقدار میں گزریں گے' بعض بجلی کی طرح گزریں گے' بعض بادلوں کی طرح گزریں گے' کچھ ستاروں کے ٹوٹنے کی طرح گزریں گے کچھ ہوا کی طرح گزریں گے اور کچھ تیز رفتار سواروں کی طرح اور کچھ تیز رفتار آدمی کی طرح گزریں گے حتیٰ کہ وہ شخص جس کو پاؤں کے اوپر نور دیا جائے گا وہ اپنے چہرے' ہاتھوں اور پاؤں پر چلیں گے' کوئی ہاتھ کھینچ لیا جائے گا' کوئی لٹک جائے گا کوئی پاؤں کھینچ لیا جائے گا اور کوئی لٹک جائے گا اور اس کے کناروں کو آگ پہنچے گی اسی طرح ہوتا رہے گا حتیٰ کہ وہ نجات پائے گا پس جب نجات پائے گا تو وہاں کھڑا ہو کر کہے گا:

اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے وہ کچھ عطا کیا جو کسی کو نہیں دیا کہ مجھے یہ کچھ دیکھنے کے بعد نجات دی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔

اسی سند سے ابن مندہ سے مروی ہے حضرت سعید بن (ابی) ہلال نے فرمایا' اور امام بیہقی نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نبی اکرم ﷺ تک سند کو پہنچایا ہے اور اسے قطعی قرار دیا لیکن اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے۔

ابن مبارک نے عبید بن عمیر کی مرسل روایت سے نقل کیا کہ پل صراط تلوار کی طرح ہوگا اور اس کے دونوں جانب کنڈے ہوں گے۔

(اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے) وہ ایک کنڈے سے ربیعہ اور مضر قبیلے سے زیادہ افراد کو پکڑے گا۔ ابن ابی الدنیا نے اسے اسی سند سے ذکر کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے دونوں کناروں پر فرشتے ہوں گے جو''رب سلم سلم'' کہیں گے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط کی مسافت پندرہ ہزار سال کی ہے' پانچ ہزار سال اوپر چڑھنے' پانچ ہزار سال نیچے اترنے اور پانچ ہزار سال ٹھہرنے کے' پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور جہنم کی پشت پر ہوگا اس

سے وہ شخص گزر جائے گا جو خوف خداوندی کی وجہ سے کمزور ہوا۔ ابن عساکر نے اسے اپنے ترجمہ میں ذکر کیا اور "فتح الباری میں" فرمایا یہ حدیث معضل ہے ثابت نہیں۔ (سند سے دو راوی متواتر چھوڑے گئے ہوں وہ حدیث معضل کہلاتی ہے)

حضرت سعید بن ابی ہلال فرماتے ہیں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط بعض لوگوں کے لئے بال سے زیادہ باریک ہوگا اور بعض لوگوں کے لئے کشادہ وادی کی طرح ہوگا یہ حدیث ابن مبارک نے روایت کی اور یہ مرسل یا معضل ہے۔

بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ ارشاد خداوندی: "وان منکم الا واردھا. (المریم:۷۱) اس (پل صراط) سے ہر ایک کو گزرنا ہے" سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے کیونکہ وہ جہنم کے اوپر بچھایا گیا ہے۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور کعب احبار رضی اللہ عنہم سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: ورود سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ورود سے داخل ہونا مراد ہے۔

حضرت ابو سمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ورود کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہوا ہم میں سے بعض نے کہا کہ اس (جہنم) میں کوئی مومن داخل نہیں ہوگا اور کچھ نے کہا کہ سب لوگ داخل ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے گا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا پس میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو ان سے عرض کیا کہ ورود کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہو گیا ہے انہوں نے فرمایا سب لوگ داخل ہوں گے میں نے عرض کیا ہمارا اس بارے میں اختلاف ہے ہم میں سے بعض کہتے ہیں اس میں کوئی مومن داخل نہیں ہوگا اور بعض حضرات کہتے ہیں اس میں سب لوگ داخل ہوں گے انہوں نے اپنی انگلیوں کو کانوں کی طرف جھکایا اور فرمایا یہ بہرے ہو جائیں اگر میں نے نبی اکرم ﷺ سے نہ سنا ہو تا کہ آپ نے فرمایا: "ورود" سے "دخول" مراد ہے ہر نیک اور بد اس میں داخل ہوگا پس یہ مومنوں پر ٹھنڈک اور سلامتی ہوگی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی حتیٰ کہ آپ کے لئے یا فرمایا جہنم کے لئے ان کی ٹھنڈک سے سخت چیخ و پکار ہوگی پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نجات دے گا جو متقی ہیں (مومن ہیں) اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دے گا۔

امام احمد اور امام بیہقی نے اسے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا۔

ابن جوزی نے مرفوع روایت نقل کی جیسا کہ قرطبی نے "التذکرہ" میں ذکر کیا کہ پل صراط سے پھسلنے والے بہت لوگ ہوں گے اور اس سے زیادہ پھسلنے والی عورتیں ہوں گی فرمایا جب لوگ پل صراط کے دونوں کناروں پر ہوں گے تو عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ آواز دے گا اے اللہ کی مخلوق! پل صراط سے گزر جاؤ اور تم میں سے ہر نافرمان ظالم کو ٹھہرنا چاہیے۔

تو اے قیامت! تیرا خوف کتنا بڑا اور گرمی کتنی سخت ہے؟

جو شخص دنیا میں کمزور ہوگا اور وہ اس کی طرف بڑھے گا اور جو عظمت و قدر والا ہوگا وہ پیچھے ہٹے گا پھر اس کے بعد سب کو پل صراط پر اپنے اپنے اعمال کے مطابق گزرنے کی اجازت دی جائے گی جب نبی اکرم ﷺ کی امت پر پل صراط کا معاملہ سخت ہوگا تو وہ آواز دیں گے اے محمد! ﷺ اے محمد! ﷺ۔ تو نبی اکرم ﷺ ان پر سخت خوف کھاتے ہوئے جلدی کریں گے اور حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پیچھے سے پکڑ رکھا ہوگا آپ بلند آواز سے پکاریں گے اے میرے

رب! میری امت کو بچالے میری امت کو بچالے' آج میں اپنے اور اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سوال نہیں کرتا۔

فرشتے پل صراط کی دائیں اور بائیں جانب کھڑے ''یا رب سلم'' (اے اللہ! سلامتی سے گزار دے) کی صدا بلند کر رہے ہوں گے اس وقت سخت خوف ناک منظر ہوگا اور بہت زیادہ خوف ہوگا' گناہ گار دائیں اور بائیں طرف سے گر رہے ہوں گے اور زبانیہ فرشتے (جو جہنم میں دھکیلنے والے ہوں گے) بیڑیوں اور طوقوں سے ان کا استقبال کریں گے اور ان کو آواز دیں گے کیا تمہیں گناہوں کے ارتکاب سے روکا نہیں گیا تھا' کیا تمہیں پوری طرح ڈرایا نہیں گیا تھا' کیا تمہارے پاس مختار نبی ﷺ نہیں آئے تھے؟ یہ بات ابن جوزی نے اپنی کتاب ''روضۃ المشتاق'' میں ذکر کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا:

من احسن الصدقة فی الدنیا مر علی الصراط. حلیۃ الاولیاء

جو شخص دنیا میں اچھا صدقہ دے گا (حلال کمائی سے مستحق کو دے گا) وہ پل صراط سے گزر جائے گا۔

ایک حدیث شریف میں ہے:

من یکن المسجد بیته ضمن الله له بالروح والرحمة و الجواز علی الصراط الی الجنة. (مسند بزار)

جو شخص مسجد سے اپنا تعلق قائم کرتا ہے (گویا وہ اس کا گھر ہے) اللہ تعالیٰ اس کو راحت و رحمت اور پل صراط سے گزرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

امام قرطبی نے حضرت ابن مبارک سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک ایک نبی اور ایک ایک امت کو جمع کرے گا اور جہنم کے اوپر پل نصب کیا جائے گا اور آواز دی جائے گی حضرت احمد ﷺ اور آپ کی امت کہاں ہے؟

پس نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوں گے اور آپ کے پیچھے آپ کی امت ہوگی ان میں سے نیک اور بدکار سب ہوں گے حتیٰ کہ جب وہ پل صراط پر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دشمنوں کی بینائی کو لے لے گا (ختم کر دے گا) اور وہ دائیں بائیں گریں گے اور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ نیک لوگ گزر جائیں گے' ان سے فرشتوں کی ملاقات ہوگی اور وہ ان کو راستہ دکھائیں گے کہ آپ کے دائیں طرف ہے اور بائیں جانب ہے حتیٰ کہ آپ اپنے رب کے پاس پہنچیں گے تو آپ کے لئے عرش کی دائیں جانب ایک کرسی رکھی جائے گی پھر آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے ان کا راستہ بھی آپ کے راستے کی مثل ہوگا اور ان کی امت کے نیک و بد سب ان کے پیچھے ہوں گے جب وہ پل صراط پر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کی بینائی لے لے گا اور وہ دائیں بائیں گریں گے۔

دو پل صراط

جان لو کہ آخرت میں دو پل صراط ہیں' ان میں سے تمام اہل محشر کی گزرگاہ نہ ہوگی سوائے ان لوگوں کے جو حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے یا جہنم کی کوئی جانب اسے اچک لے جب کچھ لوگ بڑے پل سے نجات پائیں گے تو وہ دوسرے پل پر روکے جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی جہنم کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا اگر اللہ تعالیٰ چاہے' کیونکہ انہوں

نے پہلے پل کو جو جہنم کی پشت پر نصب ہوگا' عبور کر لیا ہوگا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مؤمن جہنم سے نجات پائیں گے تو ان کو جنت و جہنم کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور انہوں نے دنیا میں جو ایک دوسرے کا حق مارا ہوگا اس کا حساب لیا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں جانے کی اجازت ہوگی' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ ان میں سے ایک (مطلب یہ کہ ہر ایک) کو جنت میں اپنے گھر کے راستے کا دنیا کے مقابلے میں زیادہ علم ہوگا۔ (صحیح بخاری)

جنت میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ داخل ہوں گے

نبی اکرم ﷺ کی یہ فضیلت کہ سب سے پہلے جنت کا دروازہ آپ کھٹکھٹائیں گے اور آپ ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے تو اس سلسلے میں ''صحیح مسلم میں'' حضرت مختار بن فلفل کی روایت ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا اکثر الناس تبعا یوم القیامة وانا اول من یقرع باب الجنة. قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے زیادہ ہوں گے اور سب سے پہلے میں ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

''صحیح مسلم میں ہی'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھولنے کا کہوں گا تو خازن (فرشتہ) کہے گا آپ کون ہیں؟ تو میں کہوں گا میں محمد ﷺ ہوں وہ پوچھے گا آپ کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا' میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولوں گا۔

امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں یہ اضافہ نقل کیا کہ خازن (رضوان فرشتہ) کھڑا ہو کر کہے گا میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولوں گا اور نہ آپ کے بعد کسی کے لئے کھڑا ہوں گا۔

پس خازن (فرشتے) کا آپ کے لئے کھڑا ہونے میں آپ کی فضیلت اور مرتبے کا اظہار ہے اور یہ کہ وہ آپ کے بعد کسی کی خدمت میں کھڑا نہیں ہوگا بلکہ جنت کے باقی خازن (فرشتے) اس خازن (رضوان) کی خدمت میں کھڑے ہوں گے اور وہ ان پر بادشاہ کی طرح ہوگا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں کھڑا کیا۔

حضرت سہیل بن ابی صالح' حضرت زیادہ مہری سے اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے جنت کا حلقہ (کنڈا) پکڑنے والا میں ہی ہوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

یہ حدیث ''مسند فردوس'' میں بھی ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم یوم القیامة ولا فخر میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور اس

وبیدی لواء الحمد یوم القیامۃ ولا فخر وما من نبی ادم فمن سواہ الا تحت لوائی وانا اول من تنشق عنہ الارض ولا فخر.

پر مجھے فخر نہیں اور قیامت کے دن میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں اور ہر نبی حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے میرے لئے زمین کھلے گی (قبر شریف مراد ہے) اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ لوگوں کو تین بار گھبراہٹ ہوگی تو وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ آگے حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا: پس وہ میرے پاس آئیں گے اور میں ان کے ساتھ چلوں گا۔

ابن جدعان کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا گویا میں نبی اکرم ﷺ کی طرف دیکھ رہا ہوں' آپ نے فرمایا میں جنت کا کنڈا پکڑ کر کھٹکھٹاؤں گا تو پوچھا جائے گا یہ کون ہے؟ کہا جائے گا محمد ﷺ ہیں پس وہ میرے لئے دروازہ کھولیں گے اور مجھے خوش آمدید کہیں گے پس میں سجدے میں گر جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے ثناء اور حمد (کے کلمات) الہام فرمائے گا اور کہا جائے گا اپنا سر مبارک اٹھائیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

حضرت سلمان کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ دروازے کی کنڈی پکڑیں گے اور وہ سونے کی ہوگی پس آپ دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو کہا جائے گا یہ کون ہے؟ تو آپ فرمائیں گے محمد ﷺ پس آپ کے لئے دروازہ کھولا جائے گا۔

صور پھونکنے سے متعلق حدیث میں ہے کہ جب مؤمن جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے تو باہم مشورہ کریں گے کہ ان کے لئے داخلہ کی اجازت کون لے گا پس حضرت آدم علیہ السلام کا ارادہ کریں گے پھر نوح علیہ السلام' پھر ابراہیم علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام پھر عیسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت محمد ﷺ کا قصد کریں گے جس طرح وہ میدان محشر میں فیصلے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش پیش کرنے کے سلسلے میں کریں گے تا کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا باقی تمام انسانوں پر شرف اور بزرگی ہر جگہ ظاہر ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا البتہ ایک عورت میرے ساتھ آگے بڑھنے میں جلدی کرے گی تو میں اس سے کہوں گا تجھے کیا ہوا اور تو کون ہے؟ وہ کہے گی میں ایک عورت ہوں جو یتیموں کی پرورش کے لئے وقف ہوگئی (بیوہ ہوگئی اور اپنے یتیم بچوں کی پرورش کرتی رہی دوسری شادی نہ کی)۔

اس حدیث کو ابویعلیٰ نے روایت کیا اور اس کے راویوں میں کوئی خرابی نہیں۔

منذری نے کہا اس کی سند حسن ہے ان شاء اللہ۔

حدیث میں "تبادرنی" کا لفظ آیا ہے یعنی (وہ عورت) میرے ساتھ داخل ہوگی یا میرے پیچھے پیچھے داخل ہوگی اس مفہوم پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے (آپ نے فرمایا):

انا و کافل الیتیم فی الجنۃ ھکذا.

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

ابن بطال نے کہا کہ جو شخص اس حدیث کو سنے اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرے تا کہ جنت میں نبی اکرم ﷺ کی رفاقت حاصل کر سکے اور جنت میں اس سے بہتر کوئی درجہ نہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۰۰۵)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے جنت میں داخل ہونے کی صورت میں قرب مراد ہو جس طرح پہلی حدیث میں ہے۔

تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ نبی کی شان سے یہ ہے کہ ان کو ایسی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے جو اپنے دین کے معاملے کو نہیں سمجھتے پس وہ ان کے کفیل اور مرشد ہوتے ہیں اسی طرح یتیم کی کفالت کرنے والا اس (بچے) کی کفالت کرتا ہے جسے اپنے دین کی سمجھ نہیں ہوتی بلکہ دنیوی معاملات کی سمجھ بھی نہیں رکھتا اور وہ اسے تعلیم دیتا اور اچھی تربیت کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے کچھ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے تو نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے حتیٰ کہ جب ان کے قریب ہوئے تو ان کو باہم گفتگو کرتے ہوئے سنا ان میں سے بعض نے کہا تعجب کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے خلیل بنایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا دوسرے صحابی نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام سے زیادہ تعجب خیز بات کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا' ایک اور صحابی نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح ہیں ایک دوسرے صحابی نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہارے کلام اور تعجب کرنے کو سنا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور وہ اسی طرح ہیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور وہ (واقعی) اسی طرح ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا اور وہ اسی طرح ہیں' حضرت آدم علیہ السلام کو چن لیا اور ان کی یہی شان ہے (لیکن) سنو! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور اس پر میں تکبر نہیں کرتا اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی اور اس پر مجھے فخر نہیں' سب سے پہلے جنت کی کنڈی میں کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے لئے دروازہ کھولے گا (اس کے حکم سے کھولا جائے گا) اور مجھے داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقیر مومن ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میں پہلے اور پچھلے سب سے زیادہ معزز ہوں اور مجھے فخر نہیں۔ (جامع ترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے (قبر سے) نکلنے والا ہوں گا اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہوں گے اور میں ان کا قائد ہوں گا جب وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اور میں ان کی سفارش کرنے والا ہوں گا جب وہ روکے جائیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا جب وہ ناامید ہوں گے' حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور جنت کی چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی اور میں اپنے رب کے ہاں تمام اولادِ آدم سے زیادہ معزز و محترم ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میرے گرد ایک ہزار خادم چکر لگائیں گے گویا وہ محفوظ کئے ہوئے موتی ہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام بیہقی نے روایت کیا اور الفاظ ان کے ہیں۔

جنت میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی امت داخل ہوگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

نحن الاخرون الاولون یوم القیامة ونحن اول من یدخل الجنة. صحیح مسلم

ہم (دنیا میں) سب سے آخر (اور) قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے اور سب سے پہلے جنت میں ہم ہی داخل ہوں گے۔

انہی سے مروی ہے فرماتے ہیں: وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا:

نحن الاخرون الاولون یوم القیامة ونحن اول الناس دخولا الجنة. (صحیح مسلم)

ہم سب سے آخر ہیں (لیکن) قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے اور جنت میں سب لوگوں سے پہلے ہم ہی داخل ہوں گے۔

تو یہ امت زمین (قبروں) سے نکلنے میں تمام امتوں سے پہلے' میدان محشر میں سب سے بلند مقام میں' سب سے سبقت کرنے والی' عرش کے سائے کی طرف سب سے آگے' فیصلے میں سبقت کرنے والی' پل صراط سے گزرنے میں سب سے پہلے' جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے سب سے آگے ہوگی اور جنت میں سب سے زیادہ یہی امت ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن امام احمد رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے نقل کیا کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَO وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَO (الواقعہ: ۳۹۔۴۰)

اگلوں میں سے ایک گروہ اور پچھلوں میں سے ایک گروہ۔

تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو تم اہل جنت کا نصف ہو تم اہل جنت کا دو تہائی ہو۔[1]

امام طبرانی فرماتے ہیں: اس حدیث کو مرفوع نقل کرنے میں حضرت ابن مبارک تنہا ہیں وہ حضرت ثوری سے نقل کرتے ہیں۔

حضرت بہز بن حکیم کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اھل الجنة عشرون ومائة صف انتم منھا ثمانون.

اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے تمہاری اسی (۸۰) صفیں ہوں گی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۱' الکامل ج ۷ ص ۲۶۶' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۰۳)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ شروع میں آپ سمجھے ہوں کہ جنتیوں کا تہائی حصہ آپ کی امت ہے اور پہلوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے آپ یہ بات سمجھے پھر دیکھا کہ اصل تو مساوات ہے تو نصف کا قول فرمایا پھر وحی یا الہام کے ذریعے بتایا کہ دو تہائی ہیں۔ (زرقانی ج ۸ ص ۴۰۰)

ان الجنة حرمت على الانبياء كلهم حتى ادخلها وحرمت على الامم حتى تدخلها امتي.

جنت تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر حرام ہوگی حتیٰ کہ میں اس میں داخل ہو جاؤں اور تمام امتوں پر حرام رہے گی حتیٰ کہ میری امت اس میں داخل ہو جائے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت زہری سے مروی غریب ہے۔

سوال: تم اس حدیث کے بارے میں کیا کہو گے جسے امام ترمذی نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے صحیح قرار دیا کہ ایک صبح رسول اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا اے بلال! تم کس وجہ سے جنت میں مجھ سے سبقت کر گئے میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے تمہاری آواز سنی۔

جواب: ابن قیم نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آگے ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ اذان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف پہلے بلاتے تھے اور ان کی اذان نبی اکرم ﷺ کے سامنے ہوتی تھی پس ان کا دخول آپ سے پہلے اسی طرح ہوگا جس طرح خادم اور محافظ پہلے داخل ہوتا ہے۔

اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کو اٹھایا جائے گا تو حضرت بلال آپ کے سامنے اذان دیں گے تو نبی اکرم ﷺ کے اعزاز و احترام اور آپ کے شرف و فضیلت کے لئے آگے ہوں گے یہ مطلب نہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ سے سبقت حاصل ہے۔[1]

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل (علیہ السلام) میرے پاس آئے تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہوگی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا حتیٰ کہ اسے دیکھتا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! میری امت میں سے سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گے۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ اس امت کے لئے ایک خاص دروازہ ہوگا جس سے یہ داخل ہوں گے، دوسری امتیں اس میں سے داخل نہیں ہوں گی۔

سوال: نبی اکرم ﷺ جنت کے کس دروازے سے داخل ہوں گے؟

جواب: حکیم ترمذی نے جنت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے، جس طرح ان سے امام قرطبی نے "التذکرہ" میں ذکر کیا تو اس میں حضرت محمد ﷺ کے دروازے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وہ باب الرحمۃ ہے اور یہی "باب التوبہ" ہے۔

جنت اور اس کے دروازوں کے نام

سوال: جنت کے دروازے کتنے ہیں؟

---

[1] امام زرقانی فرماتے ہیں ابن قیم کے اس جواب کو رد کیا گیا کیونکہ اگر خادم والی بات ہوتی تو حضور ﷺ یہ نہ فرماتے کہ تم مجھ سے کیسے سبقت لے گئے تو نبی اکرم ﷺ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مثالی صورت دکھا کر کہ وہ آگے جا رہے ہیں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اسلام میں سبقت اور راہِ خداوندی میں مشقتیں برداشت کرنے کی وجہ سے جنت میں داخلہ کے مستحق ہوئے۔ (زرقانی ج ۸ ص ۴۰۱)

جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث جسے امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے اس میں یوں آیا ہے:
جو شخص ایک قسم کی دو چیزیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے گا اسے جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا اے اللہ کے بندے! یہ اچھا ہے پس جو نمازیوں میں سے ہوگا اس کو نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا' جو اہل جہاد سے ہوگا اس کو جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا' جو صدقہ دینے والوں میں سے ہوگا اس کو صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جو روزہ داروں سے ہوگا اس کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔

امام ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما منکم من احد یتوضا فیسبغ الوضوء ثم قال اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ الا فتحت لہ من ابواب الجنۃ الثمانیہ.	تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے کلمہ شہادت پڑھے تو اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے آٹھ دروازے کھولے جائیں گے۔

لفظ "من" کا اضافہ ہے (جس میں بعض دروازوں کی طرف اشارہ ہے)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جنت کے دروازے آٹھ سے زیادہ ہیں وہ فرماتے ہیں ان کی تعداد تیرہ ہے اسی طرح کہا ہے۔ (مطلب یہ کہ ہمیں معلوم نہیں لیکن اسی طرح کہا گیا ہے)۔

سوال: نبی اکرم ﷺ کس جنت میں رہیں گے؟

جواب: جان لو! اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں جنت الفردوس میں اپنی ذات والا صفات کی زیارت سے متمتع فرمائے' اللہ تعالیٰ نے جنتوں میں سے اپنے لئے ایک جنت کا انتخاب فرمایا (کہ اس کے نیک بندے اس میں رہیں) اور اس کو عرش کے قرب کے ساتھ خاص کیا اس (کے درختوں) کو اپنے دست قدرت سے گاڑھا اور یہ تمام جنتوں کی سردار ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نوع میں سے اس کے اعلیٰ و افضل کو مختار فرماتا ہے جس طرح فرشتوں میں سے جبریل علیہ السلام کو اور انسانوں میں سے حضرت محمد ﷺ کو مختار بنایا اور تمہارا رب جسے چاہے پیدا فرمائے اور مختار قرار دے۔

''طبرانی شریف میں'' حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے' فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
جب رات کی آخری تین گھڑیاں باقی رہتی ہیں تو اللہ تعالیٰ (اپنی شایانِ شان) نزول فرماتا ہے ان میں سے پہلی ساعت میں اس کتاب میں نظر فرماتا ہے جسے اس کے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا پس اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے باقی رکھتا ہے پھر دوسری ساعت میں جنت عدن کی طرف نظر فرماتا ہے جس میں وہ رہتا ہے (مطلب یہ کہ اس جنت کو اس کے ساتھ خاص نسبت ہے' سکونت مراد نہیں) اس کے ساتھ اس میں انبیاء کرام' شہداء' صالحین اور صدیقین کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا پھر رات کی آخری ساعت میں نزول فرما کر ارشاد فرماتا ہے:
ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا جو مجھ سے بخشش مانگے تو میں اس کو بخش دوں' ہے کوئی مانگنے والا جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو عطا کروں' ہے کوئی پکارنے والا جو مجھے پکارے تو میں اس کی پکار کو قبول کروں' طلوع فجر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ابوالشیخ نے شمر بن عطیہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور وہ اسے ہر دن پانچ مرتبہ کھولتا ہے اور فرماتا ہے میرے دوستوں کے لئے تیری خوشبو زیادہ ہو جائے اور میرے دوستوں کے لئے تیرا حسن بڑھ جائے۔

تو اس (ربانی) عنایت میں غور کرو کس طرح جنت کو اپنے دست قدرت سے ان لوگوں کے لئے بنایا جن کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا وہ لوگ جن کا اہتمام و شرف مخلوق میں سے سب سے افضل ہے تاکہ اس مخلوق کی فضیلت اور شرف ظاہر ہو جس کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائیں۔

امام دارمی نے حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اپنے دست قدرت سے فرمائی' تورات کو اپنے دست قدرت سے لکھا اور جنت الفردوس کو اپنے دست قدرت سے قائم کیا۔ پھر فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اس جنت میں کوئی عادی شرابی اور دیوث (بے غیرت) داخل نہیں ہوگا۔ اس روایت میں ابو معشر نجیح بن عبدالکریم راوی ہے جس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

امام دارمی نے ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا' عرش' قلم' جنت عدن اور آدم علیہ السلام۔ پھر تمام مخلوق سے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گئی۔

امام دارمی ہی حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے تین چیزوں کے علاوہ کسی کو اپنا دست مبارک نہیں لگایا' حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا' تورات کو اپنے دستِ قدرت سے لکھا اور جنت عدن کو اپنے دستِ قدرت سے گاڑھا (بنایا)۔

پس جنت عدن' تمام جنتوں سے اعلیٰ اور ان میں سے افضل ہے اور یہ درمیان والی جنت ہے اس میں وہ ٹیلہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور اس پر آٹھ دیواریں ہیں ہر دو دیواروں کے درمیان باغ ہے اور جنت عدن سے ملی ہوئی جنت' جنت فردوس ہے جس کا لغوی معنیٰ باغ ہے۔

یہ جنت درمیان والی جنت ہے جو جنت عدن کے علاوہ اور اس سے افضل ہے پھر جنت الخلد ہے پھر جنت النعیم اور پھر جنت الماویٰ ہے اور یہ وہ جنت ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام اور دیگر فرشتوں کا ٹھکانہ ہے۔

حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہداء کی ارواح اس میں ٹھکانہ بناتی ہیں پھر دارالسلام میں جاتی ہیں کیونکہ وہ ہر مکروہ (ناپسندیدہ) بات سے سلامتی کا گھر ہے پھر دارالمقامہ ہے۔

جان لو! صفات کے اعتبار سے جنت کے کئی نام ہیں لیکن ذاتی حوالے سے ایک ہی نام ہے اور اس اعتبار سے وہ نام ایک دوسرے کے مترادف ہیں لیکن صفات کے اعتبار سے الگ الگ ہیں۔

پس جنت عام نام ہے جو ان تمام ذوات کو اور ان میں جو طرح طرح کی نعمتیں' سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' سب کو شامل ہے اور یہ نام ستر (پوشیدگی) سے مشتق ہے اور اسی وجہ سے باغ کو جنت کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں داخل ہونے والا درختوں میں ڈھانپا جاتا ہے۔ اور جنتیں بہت زیادہ ہیں جیسا کہ حضرت حارثہ کے بدر میں شہید ہونے کے موقع پر ان

کی والدہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھے حضرت حارثہ کے بارے میں نہیں بتاتے اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں اور اگر وہ اس کے علاوہ ہیں تو ان پر رونے کی کوشش کروں۔

آپ نے فرمایا: اے ام حارثہ! جنت میں بے شمار جنتیں ہیں اور تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ کو پا چکا ہے اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن:۴۶) اور جسے اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے کا ڈر ہو اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

آپ نے ان دونوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وَمِنۡ دُوۡنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن:۶۲) اور ان کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں۔

یعنی یہ چار جنتیں ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے' چاندی کا ہے اور دو جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ سونے کا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا۔

جنت میں داخل ہونے کے لئے عمل کا اثر

بعض حضرات نے جنت میں داخل ہونے والوں کے اعتبار سے جنتوں کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) اختصاص الٰہی (یعنی وہ جنت جو اللہ کے ساتھ ہے) اس جنت میں وہ بچے داخل ہوں گے جو بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے اور زمانۂ فترت (جس دور میں کوئی نبی نہیں آئے) کے لوگ اور وہ جن تک کسی رسول کی دعوت نہیں پہنچی اسی جنت میں جائیں گے۔

(۲) دوسری جنت' جنت میراث ہے اس کو ہر وہ مؤمن جو جنت میں جائے گا' حاصل کرے گا اور یہ مقامات وہ ہیں جو جہنمیوں کے لئے مقرر تھے اگر وہ جنت میں جاتے تو ان مقامات میں داخل ہوتے۔

(۳) تیسری جنت' اعمال کی جنت ہے جس میں لوگ اپنے اپنے اعمال کی وجہ سے اتریں گے اور جو شخص فضیلت کی مختلف وجوہ کی وجہ سے دوسروں سے افضل ہوگا اس کے لئے جنت میں زیادہ مقام ہوگا اور برابر ہے کہ وہ فاضل بفضول سے کم درجہ ہو یا نہ ہو۔ البتہ اس مقام پر اس کی فضیلت اس حالت کی وجہ سے ہوگی ہر عمل کے لئے جنت ہے اور ان کے درمیان فضیلت ان کے احوال کے تقاضے کے مطابق ہوگی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے بلال! تم کس وجہ سے جنت کی طرف جانے میں مجھ سے آگے نکل گئے (یہ حدیث گزر چکی ہے)۔

پس معلوم ہوا کہ یہ مخصوص جنت ہے تو ہر فرض' نفل' اچھا کام کرنے اور برے کام کو چھوڑنے کے لئے مخصوص جنت اور خاص نعمت ہے جسے اس میں داخل ہونے والا پائے گا اور بعض اوقات ایک زمانے میں ایک آدمی عبادات میں سے کئی اعمال کو جمع کر لیتا ہے تو ایک ہی زمانے میں مختلف وجوہ سے اسے اجر دیا جاتا ہے پس وہ اپنے غیر سے جس میں وہ اعمال نہیں ہوتے' افضل ہو جاتا ہے۔

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ جنتوں میں منازل اور درجات کا حصول اعمال کی بنیاد پر ہوگا جہاں تک داخل ہونے کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا جس طرح ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لن یدخل احد الجنة بعمله قالوا ولا انت یا رسول الله؟ قال ولا انا الا ان تغمدنی الله برحمته.

کوئی شخص بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا' صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

یعنی اپنی رحمت کے لباس اور پردے میں کر لے یہ لفظ غمد السیف سے بنا ہے اور غمد اس کے غلاف کو کہتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

کوئی شخص جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر نہیں جائے گا' صحابہ کرام نے عرض کیا اور یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور آپ نے دستِ مبارک سے سر کے اوپر کی طرف اشارہ فرمایا یعنی جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا اور بندے کا عمل اس میں داخل ہونے کا مستقل سبب نہیں اگرچہ وہ سبب قرار پاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی بنیاد پر جنت میں داخلہ کا ثبوت ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ (الزخرف: ۷۲)

اور تمہیں تمہارے اعمال کی وجہ سے اس جنت کا مالک بنایا گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخلے کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لن یدخل احد منکم الجنة بعمله.

تم میں سے کوئی شخص ہرگز اپنے عمل کے ذریعے جنت میں نہیں جائے گا۔

لیکن دونوں میں کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ سفیان وغیرہ نے ذکر کیا' انہوں نے فرمایا:

اسلاف کہا کرتے تھے کہ جہنم سے نجات اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے سے حاصل ہوگی اور جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا جبکہ منازل و درجات کی تقسیم اعمال کی بنیاد پر ہوگی اس پر حضرت ابو ہریرہ کی حدیث دلالت کرتی ہے فرماتے ہیں:

ان اهل الجنة اذا دخلوها نزلوا فیها بفضل اعمالهم. (جامع ترمذی)

اہل جنت' جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہ وہاں اپنے اعمال کی فضیلت کے اعتبار سے اتریں گے۔

ابن بطال نے کہا آیت کا محل یہ ہے کہ جنت میں منازل کا حصول اعمال کی بنیاد پر ہوگا کیونکہ جنت کے درجات اعمال کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہیں اور حدیث کا محل جنت میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا ہے پھر انہوں نے اس پر اس آیت کریمہ کے ذریعے اعتراض کیا:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ

تم پر سلامتی ہو' اپنے اعمال کے باعث جنت میں

تَعْمَلُوْنَ○(النحل:۳۲) داخل ہو جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بتایا کہ جنت میں داخلہ بھی اعمال کی بنیاد پر ہوگا تو اس کا جواب یوں دیا کہ لفظ مجمل ہے اور اس کو حدیث شریف نے بیان کیا۔

تقدیر عبارت یوں ہے "ادخلوا منازل الجنة وقصورها بما كنتم تعملون جنت کی منازل اور اس کے محلات میں اپنے اعمال کی وجہ سے داخل ہو جاؤ" اس سے اصل داخلہ مراد نہیں۔ (ابن بطال نے) پھر فرمایا یہ بھی جائز ہے کہ حدیث شریف آیت کی تفسیر کرتی ہو۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی "ادخلوها بما كنتم تعملون مع رحمة الله لكم وتفضله جنت میں اپنے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت وفضل کے ساتھ داخل ہو جاؤ"۔ کیونکہ جنت کی منازل کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ ہوگی اسی طرح جنت میں اصل داخلہ بھی اس کی رحمت سے ہوگا کہ وہ عمل کرنے والوں کو اس بات کا الہام کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اسے پاتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اجر بھی عطا کرتا ہے وہ اس کی رحمت وفضل سے خالی نہیں' اللہ تعالیٰ نے شروع میں ان کو پیدا کرنے' پھر ان کو رزق عطا کرنے اور پھر ان کو تعلیم دینے کے ذریعے بھی فضل فرمایا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عمل کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے اسی طرح اپنی اطاعت کے لئے ہدایت بھی وہی عطا کرتا ہے' عمل کرنے والا ان میں سے کسی چیز کا استحقاق اپنے عمل سے حاصل نہیں کرتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہوتا ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ جو کچھ حدیث اور آیت کریمہ میں ہے وہ ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے کیونکہ جس باء کے ذریعے داخلہ ثابت کیا گیا وہ "باء" کے لئے ہے جس پر وہ داخل ہوتی ہے وہ دوسری بات کے لئے سبب ہوتی ہے اگرچہ وہ اس کے حصول کے لئے مستقل (سبب) نہ ہو۔

اور وہ "باء" جو داخلہ کی نفی کرتی ہے وہ معاوضہ کی "باء" ہے جس میں ایک بات دوسری کے لئے عوض (اور بدلہ) بنتی ہے جیسے (کہا جاتا ہے) "اشتريت منه بكذا میں نے اس سے فلاں چیز کو فلاں چیز کے عوض خریدا"۔

تو بتایا کہ جنت میں داخل ہونا کسی شخص کے عمل کے مقابلے میں نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر رحمت نہ ہو تو وہ اسے جنت میں داخل نہ کرے کیونکہ محض عمل چاہے وہ انتہا کو پہنچ جائے' جنت کو واجب نہیں کرتا اور نہ اس کا عوض ہو سکتا ہے کیونکہ اگر عمل اس طریقے پر بھی ہو جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے تب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بدلہ نہیں ہو سکتا بلکہ تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت کے برابر بھی نہیں ہو سکتے پس اگر وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے تو اس پر اس نعمت کا شکر باقی ہے جسے ادا نہ کر سکے اسی لئے اگر وہ تمام آسمانوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو اس میں وہ ظلم کرنے والا نہ ہوگا اور اگر وہ ان سب پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی جس طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جسے امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے نقل کیا۔ [1]

یہ جبریہ فرقے کے لئے واضح بیان ہے جو حکمت وتعلیل کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبادت کرنے پر انسان مجبور

---

[1] حدیث شریف اس طرح ہے "اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان پر ظلم کرنے والا نہ ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم کرے تو وہ ان کے اعمال سے بہتر ہے"۔

ہے وہ محض امر کا پابند ہے اور یہ دنیا اور آخرت میں کسی سعادت کا باعث نہیں اور نہ ہی اعتقاد رکھنے والوں کے لئے نجات کا ذریعہ ہے نیز آگ جلانے کا سبب اور پانی سیراب کرنے اور ٹھنڈا کرنے کا سبب نہیں ہے۔

اور قدریہ فرقے کا بھی رد ہے جو حکمت و تعلیل میں سے ایک نوع کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبادات اسی لئے رکھی گئی ہیں کہ بندہ جو ثواب اور نعمت حاصل کرتا ہے اس کی قیمت بنیں یہ اسی طرح ہے جس طرح مزدور اجرت حاصل کرتا ہے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل کا بدلہ بنایا ہے جس طرح ارشادِ خداوندی ہے:

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ اپنے عمل کے بدلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(النحل:۳۲)

اور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے ذکر فرمایا:

یا عبادی انما ھی اعمالکم احصیھا لکم ثم اوفیکم ایاھا. اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لئے شمار کرتا ہوں پھر تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔

یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے سخت مقابلہ کرتے ہیں اور ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے جب جبریہ فرقہ نے اعمال کو جزاء سے بالکل نہیں ملایا اور قدریہ[1] نے محض اعمال کو جزاء کا سبب اور اسے اس کی قیمت قرار دیا۔ یہ دونوں گروہ ظالم ہیں اور صراط مستقیم جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے اس کے رسولوں نے اسے پیش کیا اور اس مقصد کے لئے کتب نازل ہوئیں یہ دونوں فرقے اس (صراط مستقیم) سے منحرف ہیں۔

صراط مستقیم یہ ہے کہ اعمال ایسے اسباب ہیں جو ثواب وعذاب کی طرف پہنچاتے ہیں اور ان (ثواب وعذاب) کا تقاضا اسی طرح کرتے ہیں جس طرح تمام اسباب اپنے مسببات کو چاہتے ہیں نیز یہ کہ اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ کی توفیق‘ اس کے احسان اور بندے پر اس کی طرف سے کرم کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں‘ اگر اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے اور اسے اعمالِ صالحہ کی توفیق دے نیز اس میں اعمال کا ارادہ اور ان پر قدرت کو پیدا فرمائے اس کے دل میں ان کی محبت ڈالے اور مزین کرے نیز برے اعمال کو اس کے لئے ناپسندیدہ قرار دے اس کے باوجود یہ جزاء وسزا کی قیمت نہیں بلکہ ان کی انتہا یہ ہے کہ اگر یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول ہو جائیں تو یہ اس کا شکر ادا کرنا ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے جنت میں داخلے کو عمل سے جوڑنے کی نفی فرمائی اور قدریہ کا رد فرمایا جو کہتے ہیں کہ جزاء محض اعمال کا بدلہ اور اس کی قیمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخلے کے لئے عمل کو سبب قرار دے کر جبریہ فرقے کا رد کیا جو اعمال اور جزاء کے درمیان کسی تعلق کے قائل نہیں ہیں پس واضح ہوا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کیونکہ نفی اور اثبات ایک ہی بات پر وارد نہیں ہوئے نفی اس بات کی ہے کہ محض عمل سے جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا اور اعمال‘ جزاء کی قیمت اور عوض نہیں اس طرح قدریہ فرقے کا رد کیا اور جو بات ثابت ہے وہ عمل کے سبب جنت میں داخل ہونا ہے اور یہ جبریہ کا رد ہے اور اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

حافظ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ عمل محض عمل ہونے کے اعتبار

[1] جبریہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ انسان جمادات کی طرح ہیں‘ ان کو کوئی اختیار نہیں اور قدریہ فرقہ بندوں کو خود اپنے افعال کا خالق مانتا ہے اور یہ دونوں غلطی پر ہیں اہل سنت کے نزدیک بندہ محض مجبور بھی ہیں بلکہ مختار نہیں اور اپنے افعال کا‘ کاسب ہے‘ خالق نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

سے عامل کو جنت میں داخل ہونے کا فائدہ نہیں دیتا جب تک وہ مقبول نہ ہو اور جب بات یہ ہے تو قبولیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جس کا عمل قبول ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتا ہے اسی بنیاد پر فرمایا:

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (النحل:۳۲) اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

یعنی تم جو مقبول عمل کرتے ہو (اس کے باعث جنت میں داخل ہو جاؤ) اور اس صورت میں ''باء'' کا مصاحت یا الصاق یا مقابلہ کے لئے ہونے میں کوئی نقصان نہیں اور اس اعتبار سے اس کا سببیت کے لئے ہونا لازم نہیں آتا۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اعمال کی بنیاد پر جنت میں داخل ہونے کو قطعی قرار دیا اور آیت کریمہ اور حدیث کو یوں جمع کیا کہ اعمال کی توفیق اور ہدایت ان میں اخلاص سے حاصل ہوتی ہے اور اعمال کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے ہوتی ہے پس یہ بات صحیح ہے کہ محض عمل کی وجہ سے جنت میں داخلہ نہیں ہو گا اور حدیث کی مراد بھی یہی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ عمل کے سبب سے داخل ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

امام دار قطنی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نعم الرجل انا لشرار امتی فقالوا کیف انت لخیارھا فقال اما خیارھا فیدخلون الجنة باعمالھم واما شرار امتی فیدخلون الجنة بشفاعتی.

میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لئے اچھا مرد ہوں' صحابہ کرام نے عرض کیا آپ امت کے اچھے لوگوں کے لئے کیسے ہیں؟ فرمایا: امت کے اچھے لوگ اپنے اعمال کے سبب جنت میں جائیں گے لیکن میری امت کے برے لوگ میری شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔

اس کو عبدالحق نے ''العاقبہ'' میں ذکر کیا۔

کوثر کے ساتھ آپ ﷺ کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کو جنت میں کوثر کی فضیلت بھی حاصل ہوگی۔ لفظ کوثر ''فَوْعَلْ'' کے وزن پر ہے اور اس کا معنیٰ کثرت ہے۔ ایک بہت بڑی نہر کو کوثر کہا گیا کیونکہ اس کا پانی اور برتن زیادہ ہوں گے اور اس کی قدر و منزلت اور بھلائی بہت بڑی ہوگی۔

''الکوثر'' کی تفسیر میں مفسرین نے دس سے زیادہ اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے اکثر کا ذکر ہم نے اس کتاب کے چھٹے مقصد میں کیا ہے پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے عمومی طور پر خیر کثیر مراد ہے لیکن چونکہ نبی اکرم ﷺ کے الفاظ مبارکہ سے اس کی نہر سے تخصیص ثابت ہے لہٰذا اس سے رجوع نہیں ہو سکتا۔

امام مسلم' ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے محمد بن فضیل اور علی بن مسہر کے طریق سے نقل کیا وہ دونوں حضرت مختار بن فلفل سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں' الفاظ امام مسلم کے ہیں فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ نے کچھ دیر اونگھنے کے بعد تبسم فرماتے ہوئے سر انور اٹھایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے

پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَO فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْO اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُO (الکوثر:۱۔۳)
بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا' پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں' بے شک آپ کا دشمن ہی نامراد ہوگا۔

پھر فرمایا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔

لیکن اس میں کوثر کا اطلاق حوض پر ہے اور ''صحیح بخاری میں'' واضح الفاظ میں آیا ہے کہ کوثر وہ نہر ہے جو حوض میں گرتی ہے۔

اور امام احمد کے نزدیک یوں ہے کہ نہر کوثر' حوض کی طرف کھلتی ہے۔

امام مسلم کے نزدیک یوں ہے:

يغت فيه يعني الحوض ميزابان يمدانه من الجنة احدهما من ذهب والاخر من ورق.
اس حوض میں دو پرنالے گرتے ہیں جو جنت سے کھینچے گئے ہیں ان میں سے ایک سونے کا ہے اور دوسرا چاندی کا۔

یغت غین کے ساتھ ہے یعنی گرتے ہیں۔

''صحیح بخاری میں'' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ کو آسمان کی طرف معراج کرایا گیا تو آپ فرماتے ہیں میں ایک نہر پر تھا جس کو موتیوں کے گنبدوں نے گھیر رکھا تھا میں نے کہا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ کوثر ہے۔

ابن جریر نے حضرت شریک بن ابی نمر سے روایت کیا' وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا وہ ہم سے بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کو معراج شریف کرایا گیا اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو لے کر چلے تو وہاں ایک نہر تھی جس پر موتیوں اور زبرجد کا محل تھا آپ اس کی مٹی کی خوشبو سونگھنے لگے تو وہ کستوری تھی آپ نے پوچھا اے جبریل! یہ نہر کیسی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کے لئے پوشیدہ (اور محفوظ) رکھا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوثر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جنت میں ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کی ہے وہ (اس کا پانی) دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے قول ''انا اعطیناک الکوثر'' کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

نهر اعطيه نبيكم شاطئاه عليه در مجوف انيته كعدد النجوم.

وہ ایک نہر ہے جو تمہارے نبی ﷺ کو دی گئی ہے اس کے کناروں پر ایسے موتی ہیں جو اندر سے خالی ہیں اور اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔

''**شاطئاه**'' یعنی اس کے کنارے ''**در مجوف**'' وہ قبے جو اس کے کنارے پر ہیں۔

امام نسائی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ ام المؤمنین نے فرمایا:

نهر في بطنان الجنة قلت وما بطنان الجنة قالت وسطها حافتاه قصور اللؤلؤ والياقوت ترابه المسك وحصباؤه اللؤلؤ والياقوت.

وہ نہر جنت کے بطنان میں ہے' میں نے پوچھا بطنان کیا ہے؟ فرمایا: اس کا درمیان' اس کے کناروں پر موتیوں اور یاقوت کے محلات ہیں' اس کی مٹی کستوری اور اس کی ریت موتی اور یاقوت ہیں۔

بطنان۔ باء پر پیش ہے اس کے بعد طا ساکن اور آخر میں نون ہے۔

وسطا۔ میں ''سین'' پر زبر ہے اس سے مراد اس کا اعلیٰ اور قدر کے اعتبار سے بلند حصہ ہے اور وہ درمیان والا حصہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کوثر' جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے ہیں اور پانی موتیوں پر جاری ہے اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ ''**انا اعطیناک الکوثر**'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے جس کی گہرائی ستر ہزار فرسخ ہے (فرسخ تقریباً آٹھ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے' اس کے کناروں پر موتی زبرجد اور یاقوت ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے دیگر انبیاء سے پہلے نبی اکرم ﷺ کے لئے خاص کیا۔ اس حدیث کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے (یعنی جنت میں) وہ (اس کا پانی) دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے' اس میں پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹ کی گردن جیسی ہیں (اعناق البخت فرمایا یا اعناق الجزر) (بخت ایک خاص قسم کا اونٹ اور جزر جیم پر پیش اور اس کے بعد زاء ہے جزور کی جمع ہے اونٹ کو کہتے ہیں)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ بہت اچھے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا ان کو کھانے والے ان سے بھی عمدہ ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوثر سے متعلق احادیث تواتر کے ساتھ مروی ہیں یعنی ان کے طرق روایت اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ اسی طرح حوض سے متعلق احادیث ہیں وہ فرماتے ہیں اسی طرح حضرت انس اور العالیہ' مجاہد اور متعدد اسلاف سے مروی ہے کہ کوثر' جنت میں ایک نہر ہے۔

وسیلہ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کو جنت میں وسیلہ بلند درجہ اور فضیلت کا جو اعزاز حاصل ہوگا تو حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب تم مؤذن سے (اذان) سنو تو اس کی مثل کہو جو وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود شریف پڑھو جو آدمی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں پس جس نے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا اس کے لئے میری شفاعت جائز ہوگئی۔

عماد الدین ابن کثیر نے کہا کہ وسیلہ جنت میں اعلیٰ مقام کے اوپر ایک جھنڈا ہے اور وہ جنت میں نبی اکرم ﷺ کی منزل اور مقام ہے اور جنت کے مکانات میں سے یہ عرش کے زیادہ قریب ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: وسیلہ "فعیلة" کے وزن پر ہے "وسل الیه" سے بنا ہے جب تقرب ہوتا ہے تو یہ لفظ کہا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "توسلت" یعنی "تقربت میں قریب ہوا" اور بلند مرتبہ پر بھی بولا جاتا ہے جس طرح اس حدیث میں فرمایا تو یہ جنت میں ایک مرتبہ ہے اور اس کو پہلے معنیٰ کی طرف بھی لوٹایا جاسکتا ہے کیونکہ اس مقام تک پہنچنے والا اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے پس یہ اس قربت (عبادت) کی طرح ہے جس کے ذریعے قرب حاصل ہوتا ہے۔

اور جب نبی اکرم ﷺ مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے عبادت گزار ہیں اس کی معرفت سب سے زیادہ رکھتے ہیں سب سے زیادہ خشیت اور سب سے بڑی محبت کے حامل ہیں تو آپ کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے اور یہ جنت کا اعلیٰ درجہ ہے اور آپ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ اس کا سوال کریں تاکہ وہ اس دعا کے ذریعے قرب اور ایمان میں اضافہ حاصل کریں۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ کے لئے کچھ اسباب رکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی امت اس مقصد کے لئے دعا کرے کیونکہ انہوں نے آپ کے ہاتھوں سے ہدایت و ایمان کی دولت حاصل کی ہے۔

فضیلت ایک ایسا مرتبہ ہے جو تمام مخلوق سے زائد ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی دوسرا مقام و مرتبہ ہو یا وسیلہ کی تفسیر ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الوسیله درجة عند الله عزوجل لیس فوقها درجة فلوا الله لی الوسیلة. (مسند احمد)

وسیلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک درجہ ہے جس سے اوپر کوئی درجہ نہیں پس اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو۔

ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: وسیلہ ایک درجہ ہے جنت میں اس سے اعلیٰ کوئی درجہ نہیں پس اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ وہ مخلوق کی موجودگی میں مجھے عطا فرمائے۔[1]

---

[1] اذان کے بعد اس دعا کی تخصیص کیوں ہے تو اس سلسلے میں امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جب حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق مؤذن نماز کی طرف بلاتا ہے اور نماز قرب خداوندی کا ذریعہ اور مؤمنوں کی معراج ہے جو بندوں پر احسان خداوندی ہے تو وسیلہ جو قرب خداوندی کا دوسرا نام ہے اس کے لئے دعا کا حکم دیا تاکہ جیسا عمل ہے اسی قسم کی جزا بھی ہو۔ (زرقانی ج ۸ ص ۴۱۲)

ابن مردویہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو' صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ کون ٹھہرے گا؟ فرمایا حضرت علی المرتضیٰ' فاطمہ' حسن اور حسین رضی اللہ عنہم۔

لیکن حافظ عماد الدین بن کثیر نے کہا کہ یہ حدیث اس سند سے نہایت غریب اور منکر ہے۔

ابن ابی حاتم نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ انہوں نے کوفہ میں منبر پر فرمایا:

اے لوگو! جنت میں دو موتی ہیں ایک سفید اور دوسرا زرد' سفید موتی عرش کی جانب بلند ہے اور مقام محمود سفید موتی سے ہے یہ ستر ہزار کمرے ہیں ان میں سے ہر ایک کمرہ تین میل ہے اور اس کے کمروں' دروازوں' خاندانوں اور وہاں کے رہنے والوں کی اصل ایک ہے اور اس کا نام وسیلہ ہے۔

یہ (وسیلہ) حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے۔ زرد رنگ کا موتی بھی اسی طرح ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے۔

یہ روایت بھی غریب ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے آگاہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ ارشادِ خداوندی: ''ولسوف یعطیک ربک فترضی. (الضحیٰ:۵) اور عنقریب آپ کا رب آپ کو عطا کرے گا تو آپ راضی ہو جائیں گے'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں ایک ہزار محلات عطا فرمائے گا' ہر محل میں آپ کے شایانِ شان ازواج اور خادم ہوں گے۔

اس حدیث کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا اور اس قسم کی بات اسی وقت کہی جاتی ہے جب سنی ہو پس یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے (حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے)۔

خاتمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں آپ مجھے سب گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں مجھے آپ سے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت ہے میں گھر میں آپ کا ذکر کرتا ہوں لیکن جب تک حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کروں مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ [1]

اور جب میں اپنی موت اور آپ کے وصال کو یاد کرتا ہوں تو یہ جان کر کہ آپ جنت میں جانے کے بعد انبیاء کرام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے تو مجھے یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ میں جنت میں جا کر آپ کی زیارت نہیں کر سکوں گا۔

نبی اکرم ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لے کر اترے:

---

[1] اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت ہی ایمان کی علامت ہے اور اسی محبت کو ایک اور حدیث میں ایمان کی چاشنی قرار دیا گیا لہٰذا مسلمان پر لازم ہے کہ آپ ﷺ سے محبت کرے اور اس کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کا ذکر کرے محافل میلاد کا انعقاد کرے اور آپ کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا اور اطاعت رسول ﷺ کا عملی مظاہرہ بھی کرے۔ ۱۲ ہزاروی

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ (النساء:٦٩)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اس حدیث کو ابونعیم نے روایت کیا۔

حافظ ابو عبد اللہ مقدسی نے کہا میں اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں سمجھتا'' حادی الارواح (الی دیار الافراح) میں'' اسی طرح نقل کیا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے'' معالم التنزیل'' میں ان الفاظ میں ذکر کیا۔

کہ یہ آیت کریمہ نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ (کو دیکھنے) سے صبر بہت کم کرتے تھے' ایک دن حاضر خدمت ہوئے تو رنگ بدلا ہوا تھا یعنی چہرے پر غم کے آثار تھے' نبی اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا آپ کا رنگ کیوں بدل گیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی درد یا بیماری نہیں ہے لیکن جب میں آپ کی زیارت نہیں کرسکتا تو مجھے سخت وحشت ہوتی ہے حتیٰ کہ آپ سے ملاقات کرلوں پھر انہوں نے آخرت کا ذکر کرتے ہوئے کہا مجھے ڈر ہے کہ میں (آخرت میں) آپ کو دیکھ نہ سکوں کیونکہ آپ تو انبیاء کرام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے اور میں اگر جنت میں چلا بھی گیا تو آپ سے نچلے درجہ میں ہوں گا اور جنت میں نہ جاسکا تو آپ کو کبھی بھی دیکھ نہیں سکوں گا۔ اس پر یہ (مندرجہ بالا) آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(تفسیر البغوی ج ۱ص ۳۵۸' تفسیر سورۃ النساء آیت:٦٩)

ابن ظفر نے'' ینبوع الحیاۃ'' میں اسی طرح ذکر کیا لیکن فرمایا کہ وہ شخص حضرت عبد اللہ بن زید انصاری ہیں جنہوں نے خواب میں اذان کا واقعہ دیکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے کا انبیاء کرام اور صدیقین کے ساتھ ہونا اس اعتبار سے نہیں کہ وہ سب ایک درجہ میں ہوں گے کیونکہ اس سے فاضل ومفضول کا ایک درجہ میں ہونا لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں۔ بلکہ اس سے جنت میں اس طرح ہونا مراد ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو دیکھ لے اگرچہ مکان دور ہو۔ کیونکہ جب پردہ ہٹ جائے گا تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ لیں گے جب وہ زیارت اور ملاقات کا ارادہ کریں گے تو اس پر قادر ہوں گے پس اس معیت (ساتھ ہونے) سے یہی مراد ہے۔

'' صحیح بخاری ومسلم میں'' حضرت انس رضی اللہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا کچھ بھی نہیں البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا تم اس کے ساتھ ہوگے جس سے محبت کرتے ہو۔

حضرت انس رضی اللہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر کہ تم جس سے محبت کروگے اسی کے ساتھ ہوگے' جس قدر خوش ہوئے اس قدر کسی بات پر خوش نہیں ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں' نبی اکرم ﷺ ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میں ان سے محبت کی وجہ سے ان

کے ساتھ ہوں گا۔

حدیث قدسی جسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور طبرانی نے غریب سند کے ساتھ نقل کیا' میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے جو قرب حاصل کرتا ہے اس کے علاوہ نہیں کرتا اور وہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں (طویل حدیث ہے اور معروف ہے)۔

اس میں "صحیح بخاری کی" حدیث سے یہ بات زائد بھی ہے کہ وہ میرے دوستوں اور خاص بندوں میں ہو جاتا ہے اور وہ جنت میں انبیاء کرام' صدیقین اور شہداء کے ساتھ میرے پڑوس (خصوصی قرب) میں ہوگا۔

تو محبت کرنے والوں کا شرف اور ان پر نعمت کس قدر ہے؟ محب' جنت میں اعلیٰ درجات کی طرف ترقی کرے گا حتیٰ کہ اسے یوں دیکھا جائے گا جس طرح آسمانوں کے افق میں باقی رہنے والے ستارے کو دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کا درجہ بلند ہوگا' اس کا مقام اس کے محبوب کے قریب اور اس کے ساتھ ہوگا کیونکہ ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر عمل کی جزاء ہے اور محبت کی جزا محبت اور محبوب کا وصل و قرب ہے۔

ایک عورت جو (گناہوں کے ذریعے) اپنے نفس پر زیادتی کرنے والی تھی' مرنے کے بعد اسے کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا مجھے بخش دیا پوچھا گیا کیوں؟ اس نے کہا اس لئے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے محبت تھی اور میں آپ کی زیارت کی خواہش رکھتی تھی تو آواز دی گئی جو شخص ہمارے محبوب ﷺ کو دیکھنا چاہتا ہے' ہمیں حیا آتا ہے کہ ہم اسے عذاب دے کر ذلیل کریں بلکہ ہم حضور ﷺ اور آپ سے محبت کرنے والوں کو اکٹھا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر غور کرو:

طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ○ (الرعد:۲۹) ان کے لئے طوبیٰ اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

طوبیٰ ایک درخت کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لگایا جس سے زیورات اور قیمتی جوڑے اُگتے ہیں اور اس کی شاخیں جنت کی دیواروں کے باہر سے دکھائی دیتی ہیں' اس کی اصل نبی اکرم ﷺ کے مکان میں ہے اور ہر مؤمن کے گھر میں اس کی ایک ٹہنی ہے پس ہر جنت میں طوبیٰ درخت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے تاکہ حضور ﷺ ہر نعمت کا مرکز ہوں اور ہر ولی کو آپ ﷺ سے حصہ حاصل ہو اور نبی اکرم ﷺ نے جنت کو بھر دیا پس ہر ولی کو جنت میں جو نعمت حاصل ہوگی نبی اکرم ﷺ کو وہ نعمت ضرور حاصل ہوگی کیونکہ ولی جس نعمت تک پہنچتا ہے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کی وجہ سے اسے حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے اس کے حصول نعمت میں سر نبوت قائم ہوتا ہے اسی طرح ابلیس نے جہنم کو بھر دیا لہٰذا کسی بھی جہنمی کو جو عذاب ہوتا ہے تو اس کو پہنچنے والے عذاب میں ابلیس لعین کا حصہ ہوتا اور وہ اس میں شریک ہوتا ہے۔

ابوحیان کی تفسیر "البحر" میں ارشادِ خداوندی:

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا. (الدھر:٦) ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے' اپنے محلوں میں اسے جہاں چاہیں بہا کر لے جائیں گے۔

کی تفسیر کے سلسلے میں کہا گیا کہ یہ رسول اکرم ﷺ کے مکان کا چشمہ ہے جس سے انبیاء کرام اور مؤمنین کے مکانات کی طرف چشمے پھوٹتے ہیں جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو جان لو کہ جنت کی سب سے بڑی اور سب سے کامل نعمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی زیارت کے ذریعے نفع حاصل کرنا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے قرب سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا شرف حاصل کرنا ہے جو جنتوں اور ان کی نعمتوں سے بڑی نعمت ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:-

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ. (التوبہ:۷۲) اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی (نعمت ہے)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاملہ اس سے بھی بڑا ہے جو کسی دل میں کھٹکتا ہے یا خیال میں گردش کرتا ہے خصوصاً جب محبت کرنے والوں کو انس کے باغ اور دربار عالی میں اپنے محبوب کی معیت حاصل ہوگی جو ان کے مطلوب کی غایت ہے پس کون سی نعمت' کون سی لذت' کون سی آنکھوں کی ٹھنڈک اور کون سی کامیابی اس معیت' اس کی لذت اور اس کے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک کے برابر ہوسکتی ہے اور کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی معیت کے ذریعے آنکھوں کو حاصل ہونے والی ٹھنڈک کی نعمت سے بڑھ کر کوئی نعمت ہوسکتی ہے اللہ کی قسم! کوئی چیز اس حاضری سے زیادہ کامل' زیادہ خوبصورت' زیادہ روشن' زیادہ میٹھی' زیادہ بلند و بالا اور زیادہ قیمتی نہیں ہے جس میں محب اپنے احباب کے ساتھ عزت و اکرام کے مقامات میں جمع ہوگا اور جب ان کے لئے ان کا محبوب اور ان کا معبود جو سچا معبود ہے ایک حجاب کے پیچھے اپنے جمیل لطیف اسم میں روشن ہوگا۔ پس ان پر اس نور کا فیضان ہوگا جو ان کی ذاتوں میں چلے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کو دیکھ کر حیران ہوں گے اور اسی جمال اقدس کے نور سے ان کی ذوات روشن ہوں گی اور یہ اس رسول ﷺ کے سامنے ہوگا جو سب سے بڑے سردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرمائے گا اے میرے بندو! تم پر سلام ہو' اے میرے اہل محبت تمہیں خوش آمدید' تم امن والے مؤمن ہو آج تم پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے تم میرے دوست' مقرب اور احباب ہو' میں ہی اللہ' جواد' غنی ہوں اور یہ میرے گھر ہیں کہ میں نے اس میں تمہیں ٹھہرایا ہے اور یہ میری جنت ہے جو میں نے تمہیں عطا کی ہے اور یہ میرا ہاتھ ہے جو تم پر کھلا ہے اور میں تمہارا رب ہوں' تمہاری طرف دیکھتا ہوں اور اپنی نظر (رحمت) کو تم سے پھیرتا نہیں' میں تمہارا ہمنشین ہوں اور تمہیں مجھ سے انس حاصل ہوتا ہے' اپنی حاجات میرے سامنے پیش کرو تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہماری حاجات یہ ہیں کہ ہم تیری ذات کریمہ کی زیارت کریں اور تو ہم پر راضی ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ میرا چہرہ پاک (ذات پاک) ہے پس اسے دیکھ کر خوش ہو جاؤ بے شک میں تم سے راضی ہوں پھر وہ حجاب اٹھا کر ان کے سامنے تجلی فرمائے گا تو وہ سجدے میں گر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اپنے سروں کو اٹھاؤ اے میرے بندو! یہ سجدے کی جگہ نہیں میں نے تمہیں صرف اس لئے بلایا ہے کہ تم میری زیارت سے نفع حاصل کرو اے میرے بندو! میں تم سے راضی ہوں پس تم پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔

یہ کلمہ کس قدر شیریں اور یہ خوشخبری کتنی لذیذ ہوگی اس وقت وہ کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ وَاَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کیا اور اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا

...سنا فِیهَا لُغُوبٌ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ۔ اس میں نہ کوئی تھکاوٹ ہے' بے شک ہمارا رب بخشنے والا (عبادات کو) قبول کرنے والا ہے۔

...س بات پر دلالت ہے کہ جنت میں تمام عبادات زائل ہو جائیں گی البتہ شکر' حمد' تسبیح اور تہلیل (لا الہ الا اللہ پڑھنا) زائل ...ں ہوگی اور صحیح حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو الہام ہوگا جس طرح سانس لیا جاتا ہے (تسبیح و تہلیل بلا ...ف ہوگی)۔

جس طرح ''صحیح مسلم میں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اہل جنت اس میں کھائیں گے اور پئیں گے نہ ان کو رینٹھ آئے گی اور نہ پیشاب کریں گے اور ان کا یہ کھانا ڈکار اور ...وری کی طرح پسینہ ہوگا۔

ان کو تسبیح اور حمد کا الہام ہوگا جس طرح سانس کا ہوتا ہے مطلب یہ کہ ان کی تسبیح و تہلیل سانسوں کے ساتھ چلے گی اس ...تکلف وغیرہ نہیں ہوگا' یہ آسانی اور الہام کے طریقے سے ہوگا تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا سانس لینا ضروری ہے اور ...یں کسی قسم کا تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہوگا۔

اس میں راز یہ ہے کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے روشن ہوں گے اور ان کی آنکھوں کو اس کی زیارت سے ...حاصل ہوگا۔

اس کی وسیع نعمتوں نے ان کو ڈھانپ رکھا ہوگا اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی دوستی سے بھرے ہوئے ...گے تو ان کی زبانیں اس کے ذکر سے ملی ہوں گی' اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں ان کا معاملہ قرآن مجید میں اس طرح ...فرمایا:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ ...رَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ ...الْعَامِلِیْنَ ○ (الزمر: ۷۴)

اور وہ کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنایا کہ ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں تو کیا ہی اچھا ثواب (اچھے) کام کرنے والوں کا۔

...رشاد فرمایا:

دَعْوٰهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ ...سَلٰمٌ وَّاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ ...مِیْنَ ○ (یونس: ۱۰)

ان کی دعا اس میں یہ ہوگی کہ اللہ تجھے پاکی ہے اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

...ند تعالیٰ کی رحمت ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل واصحاب پر ہو اور بہت زیادہ خوب خوب سلام ہو۔

اس (المواہب اللدنیہ) کے مؤلف اور جامع احمد بن خطیب القسطلانی' اللہ تعالیٰ اپنے کرم کے مطابق ان سے ...کرے' فرماتے ہیں: اس (المواہب اللدنیہ) کا یہ آخری حصہ ہے جس کے ساتھ قلم مدد جاری ہوئی۔ اور اسے محمدی

عطیات سے فیض کے ہاتھ نے تحریر کیا یہ اگر چہ زیادہ ہے لیکن اس کے بلندو بالا شرف کے پہلو میں قلیل ہے اور اس چیز میں سے آسان ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے ثابت فضل کے ساتھ اعزاز بخشا' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے عطیات سے جو عطیہ عطا فرمایا۔ اور باعث فخر امور میں سے جو شرف عطا فرمایا اس کی تلاش کریں تو اس کا تھوڑا سا حصہ بھی رجسٹروں میں نہ آ سکے' اس کے مقصود کے سامنے قلم بے کار ہو گئے' دواتیں خشک ہو گئیں اور اس کو جمع کرنے سے کتابیں تنگ ہو گئیں نیز اس کو اٹھانے سے عمدہ اونٹ عاجز آ گئے:-

وعلی تفنن واصفیہ لحسنہ　　　یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

(الدیوان ص ۹۱)

''باوجود اس کے کہ اس کا حسن بیان کرنے والے مختلف اقسام پر مشتمل ہوں' زمانہ ختم ہو جائے گا اور اس میں ایسی بات ہے جس کا وصف بیان نہ ہو سکے''۔

میں بارگاہ خداوندی میں فریاد کناں ہوں کہ اس کتاب کو خالص اپنی رضا کے لئے کر دے' اس کو ریا کاری کے ہر سبب اور بڑائی کی دعوت دینے والے ہر امر سے محفوظ رکھے اور اس کے ذریعے مسلمان' مردوں اور عورتوں کو زندگی میں اور موت کے بعد نفع دے' میں ہر اس فاضل سے سوال کرتا ہوں جو اس پر آگاہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بصیرت کو روشن کیا اور اس کے دل کو فطرتاً انصاف پر رکھا کہ وہ اپنی بردباری سے میری لغزشوں کی اصلاح کرے اور اپنے فضل کو میری خطاؤں کے لئے سدراہ بنائے' کریم لوگ خطاؤں کو معاف کرتے اور عذر قبول کرتے ہیں' خصوصاً میرے جیسے شخص کا عذر کہ اس عمل میں اس کی ہمت کم ہے اور اس کے پاس جو معمولی پونجی ہے بازار میں اس کی مانگ نہیں' کمینی دنیا کے مشاغل اور بدنی عوارض میں مبتلا ہے اور اس نے وہ بوجھ اٹھائے ہیں کہ اگر رضویٰ (مدینہ طیبہ کا پہاڑ) اسے اٹھاتا تو وہ جھک جاتا۔

یا وہ بوجھ کوہ ثبیر (منیٰ کا ایک پہاڑ) پر اتارا جاتا تو وہ ڈر کر پھٹ جاتا لیکن میں نے اس غفلت کے موقع پر جو لوگوں کو سخت اندھیرے میں ہوتی ہے اور وہ رات جب چوروں کے ڈر سے کوئی شخص گھر سے نہیں نکلتا میں نے اس کو شروع کیا اور مشاغل کے ہاتھوں سے چوری کیا اور رات کا وقت چور کا مددگار ہوتا ہے میں نے معانی کے تالوں کو (علامہ ابن حجر عسقلانی کی شرح بخاری) ''فتح الباری کی'' چابیوں سے کھولا اور میں نے علوم کے خزانوں کے مطالب سے عمدہ موتی نکالے' میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھ پر انعام فرمایا' الہام کیا اور جو کچھ میں نہیں جانتا تھا اس کا علم عطا فرمایا' میں درود و سلام بھیجتا ہوں اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ پر جو تمام انبیاء کرام میں سے زیادہ شرف والے اور تبلیغ نبوت میں افضل ہیں اور آپ کے آل واصحاب اور آپ کے خلفاء کرام پر ایسی رحمت جو دائمی ہو اور اس کی کوئی انتہاء نہ ہو۔

اور میں اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب سے نسل در نسل کو نفع عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں کافی اور بہترین کارساز ہے۔

میں اپنے آپ کو' اپنے دین کو اور اپنے اعمال کے خاتمہ کو میرے رب نے مجھ پر جو انعام کیا اور اس کتاب کو سپرد خدا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور مجھے اور میرے احباب کو نہایت اچھے اور مکمل طریقے پر حرمین طیبین کی طرف واپس لے جائے' مجھے وہاں عافیت کے ساتھ کسی مشقت کے بغیر ٹھہرائے' اپنی فرمانبرداری میں میری زندگی کو لمبا کرے اور اپنی عافیت کا لباس پہنائے' میرے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دنیا اور

آخرت دونوں کی بھلائی کو جمع کرے اور مجھ سے دنیا اور آخرت کے نقصان کو دور کر دے' مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر مقدس میں وفات کا شرف عطا کرے اور اپنی رضا کے ساتھ ساتھ مدد محمدی عطا کرے جس طرح یہ عطیہ اپنے نیک بندوں کو عطا کیا ہے۔

(یہ سوال بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ) ہمیں اپنے دیدار کی لذت سے نفع بخش فرمائے اور کسی قسم کا عذاب نہ دے کیونکہ جب کوئی چیز اس کے سپرد ہو جاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو وحدہ لاشریک ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہمارے سردار حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کے آل واصحاب پر ہو۔

اس کتاب کے مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نسخہ مبارکہ جو ان شاء اللہ نفع بخش ہوگا' کی کتابت ۱۵ شعبان المکرم ۸۹۹ھ میں مکمل ہوئی اور مسودہ مذکورہ کی ابتدا محرم الحرام ۸۹۹ھ میں اس وقت ہوئی جب حاجیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے میری واپسی کے دو دن ہو چکے تھے' اللہ تعالیٰ کے لئے سب تعریفیں ہیں جو وحدہ لاشریک ہے اور ہمارے سردار حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کے آل واصحاب (رضی اللہ عنہم) پر رحمت وسلام ہو۔ آمین

الحمد للہ! آج مورخہ ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ/۲۴ فروری ۲۰۰۲ء بروز اتوار سہ پیر چار بج کر چونتیس منٹ پر یہ ترجمہ مکمل ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عظیم کتاب کے مؤلف علامہ قسطلانی' اس کے شارح علامہ زرقانی اور تمام اکابر ملت اسلامیہ کی قبور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے' اس ترجمہ کو عوام الناس کے لیے نفع بخش اور مترجم (محمد صدیق ہزاروی) کے لیے باعث اجر وثواب اور ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد صدیق ہزاروی
جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور